NAQSHE KOKAN MONTHLY
A
HAPPY
NEW YEAR

سنہ ۱۹۸۴ء

ماہنامہ نقشِ کوکن بمبئی

...ی انڈین اسلامک ہیومن سپیرٹ ایسوسی ایشن بمبئی

جلد ۲۳ / جنوری سنہ ۱۹۸۴ء / شمارہ نمبر ۱

...یر چیف پبلشر: ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
...ون مدیر: ایس اے رحیم قیصر

...ت فی پرچہ: ۲½ روپے
...الانہ خریداری: ۲۵ روپے
...ر خریداری: ۲۵۰ روپے
...ممالک سے سالانہ خریداری: ۱۰۰ روپے
" " تاعمر خریداری: ۱۲۵۰ روپے

...م اشاعت: ۳۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹
...م طباعت: اجمل پریس بمبئی ۳

...ت: نقش کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ (E3006)

...: 865384/869974/861572

...و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:
...جیل روڈ ایسٹ • ڈونگری بمبئی ۹

...تمام متنازعہ امور میں
...ی سماعت عدالت ہائے بمبئی کو ہوگا۔

تاریخ اشاعت یکم جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

اس ماہ کے نقوش

خصوصی پیش کش

منتخبات القرآن

اَلْمَرْءَۃُ لِبَاسٌ لِّلرَّجُلِ وَھُوَ لِبَاسٌ لَّھَا

عورت دامن ہے اور مرد اس کی چولی۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ

البقرۃ ۲ : ۱۸۷

(مسلمانو!) روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس تمہارا جانا جائز کر دیا گیا ہے۔ اور وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ (یعنی تم دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے)۔ اللہ نے دیکھا کہ تم (چوری چوری ان کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت کرتے تھے تو اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تمہاری خطا سے درگذرا۔ پس اب (روزوں میں رات کے وقت) ان سے ہمبستر ہو اور (ہمبستری کا) جو (نتیجہ) خدا نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے (یعنی اولاد) اس (کے حاصل کرنے) کی خواہش کرو (نہ محض شہوت رانی کے لئے) اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ (رات کی) کالی دھاری سے (صبح کی) سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔ پھر رات تک روزہ پورا کرو۔

یہ خصوصی پیش کش جناب اے ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔

پہلا صفحہ

گاندھی جی اور پنڈت نہرو کی ہمیشہ ایک ہی خواہش اور کوشش رہی کہ بھارت کو ایک عظیم ملک بنایا جائے۔
یہ ملک ہر لحاظ سے خود کفیل ہو جائے اور یہاں کوئی فرد کم از کم غریبی سے نچلی سطح پر نہ رہے۔
اور آج اس ملک کا سرمایہ ایک فردِ واحد کو "عالمی لیڈر" بنانے کے لئے پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔
ہندوستان چاہے غریبی کے دلدل میں پھنسا رہے مگر اندرا جی کو دنیا کی عظیم ترین رہنما بنا کر پیش کیا جائے۔
ایشین گیمز، غیر جانبدار کانفرنس اور دولت مشترکہ کانفرنس پر کروڑوں روپیہ بہا کر اندرا جی اس میں کامیاب بھی ہوئی ہیں۔
ایشین گیمز اور غیر جانبدار کانفرنس میں پانی کی طرح بہایا جانے والا کروڑوں روپے کا آپ کو علم ہو گا ہی۔
آج ہم آپ سے، دولت مشترکہ کانفرنس میں صرف گوا میں خرچ ہونے والے سرمائے کا تذکرہ کریں اور یہ کہ اس سرمائے سے کیا ہو سکتا تھا۔

کس پر خرچ ہوا	رقم	اس سے کیا ہو سکتا تھا
(۱) راستوں کی تعمیر و مرمت (جو مستقبل میں صرف وی آئی پی کیلئے استعمال ہونگے)	۳ کروڑ چھیاسی لاکھ روپے	دھاراوی کی پوری جھونپڑپٹی کے لئے پانی اور روشنی کا انتظام۔
(۲) ڈیلم اور پرانے گوا میں جیو ہیلی پیڈ	۸۵ لاکھ روپے	۵ ہزار اندھوں کیلئے ایک تربیتی اسکول کا قیام۔
(۳) بحری سفر کے لئے آگواڈا اور پرانے گوا میں اہم شخصیات کے لئے سہولیات	۷۶ لاکھ روپے	سردی سے مرنیوالے علاقوں میں ۸۰ ہزار غریبوں کو ایک ایک کمبل کی تقسیم۔
(۴) اہم شخصیات کے لئے لکژری اور ایئر کنڈیشنڈ بسوں اور کاروں کا انتظام	۸۰ لاکھ روپے	۴ یتیم خانوں کا قیام جہاں ۴ ہزار بچے رہ سکتے تھے۔
(۵) بڑے ہوٹلوں کے لئے پانی کی سپلائی	ایک کروڑ اکیاون لاکھ روپے	۳۰ دیہاتوں کیلئے پینے کے پانی کا انتظام۔
(۶) اہم شخصیتوں کے لئے میڈیکل کی سہولیات	۱۲ لاکھ روپے	بمبئی میں غریبوں کیلئے مفت ایکسرے کیلئے ایکسرے یونٹ
(۷) سرکاری دفتروں پر روشنی کا انتظام	ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپے	۳۶ دیہاتوں میں روشنی کا انتظام۔
(۸) سرکاری دفتروں کی سفیدی	۹۷ لاکھ روپے	۵۰۰ خاندان کیلئے سستے گھروں کی تعمیر۔
(۹) پرانے چرچوں کی رنگائی اور مرمت	۵۰ لاکھ روپے	آسام کے فساد زدہ خاندانوں کی بحالی۔
(۱۰) جیلوں کی مرمت	۷ لاکھ روپے	۷۰ پرائمری اسکولوں کی مرمت۔
(۱۱) ٹیلی کمیونیکیشن (۶۰ ممالک کے ساتھ)	۲۱ کروڑ روپے	۲۱ میڈیکل کالج مع اسپتال کا قیام۔
(۱۲) حفاظت (سیکورٹی)	۵ کروڑ روپے	۵۰ ہزار کسانوں کو قرضے۔
(۱۳) تاج محل ہوٹل کا ایک ہفتے کا کرایہ	۲ کروڑ روپے	بمبئی کے سارے گٹروں کی مرمت۔
(۱۴) مختلف	۵ کروڑ روپے	بمبئی، دہلی، کلکتہ، مدراس اور بنگلور میں ایک ایک ملازمت دلانے والے بیورو کا قیام
کل رقم	۴۳ کروڑ روپے	بمبئی اور نئی بمبئی کے درمیان ریل کا رابطہ جس سے ۲۰ لاکھ عوام کو سہولت ہو سکتی تھی

مبارک کاپڑی

سنہ ۱۹۸۴ء

زمانہ ناقابلِ تقسیم ہے۔ لیکن ہم اپنی ضروریات کے ماتحت اس کی تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ دن، ہفتے، مہینے اور سال اسی طرح وجود میں آئے۔ اس طرح ہم اپنی عمر، معاملات اور اوقاتِ کار کی نشاندہی کرتے ہیں۔ یہ زمانے کی وحدت پر انسان کی دخل اندازی کا نتیجہ ہے۔

اسی عمل و دخل کے باعث اس ماہ سنہ ۱۹۸۴ء کا ظہور ہوا۔ سنہ ۱۹۸۳ء اب ماضی کی بات ہے۔ سنہ ۸۴ء سے نیا سال شروع ہوا ہے۔ اب ایک سال تک سنہ ۸۴ء ہمارے سروں پر سایہ فگن رہے گا۔

ہم جب سنہ ۸۳ء کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں۔ تو اس سال نیکی و بدی کا عجیب امتزاج نظر آتا ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ نہیں کہ زمانہ خیر سے شر کی طرف جا رہا ہے۔ بلکہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ زمانہ شر سے خیر کی طرف آ رہا ہے۔ مگر بدی کی طاقتیں اس کے راستے میں سخت مزاحمت کر رہی ہیں۔ اور یہ مزاحمت ہمہ جہتی قسم کی ہے۔ گویا بدی کی یہ کوشش ہے کہ نیکی کو اپنے محاصرے میں لے لے۔ لیکن ہمیشہ اس حصار کو توڑنے میں کامیاب ہوئی ہے۔

آج نیکی و بدی کے نام پر جتنی جنگیں ہوئی ہیں، سب اس پر شاہد ہیں۔ پرانے دور کو تو جانے دیجئے کہ اس دور میں بھی رام نے راون پر اور کرشن نے کنس پر فتح پائی۔ یہ دور جس سے ہم گزر رہے ہیں دو بڑی طاقتوں یعنی امریکہ اور روس کا دور ہے۔ یہ دونوں طاقتیں اپنی دولت اور صلاحیت کا بہترین حصہ مہلک ہتھیاروں کی تیاری پر صرف کر رہی ہیں، جس سے بنی نوع انسان کی تاریخ، تہذیب اور تمدن ہی کے فنا ہونے کا خطرہ پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ خود بنی نوع انسان کے وجود کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ مذاہبِ عالم میں قیامت کا جو تصور پایا جاتا ہے، ان دو بڑی طاقتوں کی جنگ آناً فاناً یہ قیامت برپا کر سکتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود کہ یہ خطرہ ہمیشہ ہمارے سر پر منڈلاتا رہتا ہے، اس خطرے کے سائے میں انسانی تہذیب و ثقافت بھی ترقی کر رہی ہے۔ روٹی، کپڑے، گھر، تعلیم، علاج اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں بڑا خوشگوار تنوع پیدا ہو رہا ہے۔ زندگی کی کتنی مشکلات پر قابو پایا جا چکا ہے۔ اور جو باقی رہ گئی ہیں ان پر قابو پانے کی کوشش ہو رہی ہے اس طرح دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سچ مچ زمانہ شر سے خیر کی طرف جا رہا ہے۔ بہت سے تعمیری [illegible] پروگرام جو پہلے صرف انسان کے ذہنوں میں تھے اب معرضِ وجود میں آ گئے ہیں۔ جس طرح برسات میں گھنے بادل کو چیر کر سورج اپنا خوبصورت چہرہ دکھاتا ہے اسی طرح ہتھیاروں اور جنگوں کے مہیب ماحول سے نکل کر انسانی تہذیب و ثقافت بھی اپنا چہرہ دکھا رہی ہے۔ اس کے چہرے پر تبسم اور تابانی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس چہرے کی روشنی جنگ اور ہتھیاروں کے اندھیرے پر غالب

آجائے گی۔

اس اداریئے میں ہم جنگ اور امن کی کوششوں کے سلسلے گوشوارے پیش نہیں کرسکتے، اجمالاً صرف ایک نظریہ پیش کرسکتے ہیں۔ اور وہ نظریہ یہ ہے کہ زمانہ شر سے خیر کی طرف جارہا ہے۔ اور مآلِ کار خیر شر پر غالب آئے گی۔

ہم انھیں نیک تمناؤں کے ساتھ ۱۹۸۴ء کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ یہ سال تمام بنی نوع انسان کے لئے مبارک ثابت ہو۔

مُسلم کی ہے کشتی طوفاں میں اور چھائی ہوئی ہے کالی گھٹا
سرورِ دو عالم شاہِ امم اے ختم رُسل محبوب خدا
ہے اتنی گذارش طالبؔ کی اللہ سے کیجے آپ دعا
ایثار کا جذبہ دل میں ہو آپس میں رہیں مل جُل کے سدا
ابراہیم خان طالبؔ

ابراھیم بغدادی
لنڈن

فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ

اِس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے

ہمارا ملک ایک زرعی ملک ہونے کے ناطے یہاں کا بیشتر طبقہ کاشتکاری سے تعلق رکھتا ہے، چونکہ آج بڑھتے ہوئے لوازمات کی خاطر لوگوں نے شہر اور پردیس کو اپنا لیا ہے۔ مگر بعض طبقہ اب بھی اسی پیشے کی طرف منسلک نظر آتا ہے۔

کھیتی ہمارا کل سرمایہ ہوکر مستقبل کی پونجی ہے۔ اسی کے سہارے ہم اپنا اور اپنے کُنبے کی بسر اوقات کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کے لئے کڑی محنت اور سچی لگن سے کام لیں۔ ملک کی ترقی اور خوش حالی کا راز بھی اسی کاشت کاری میں پوشیدہ ہے۔ اور ملک سے بھوک اور بیروزگاری کا خاتمہ کرنے کے لئے کاشت کاری کو فروغ دینا مقصود ہے۔ خوش قسمتی سے ہماری حکومت اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن مصروف نظر آتی ہے۔ جو کسانوں کو بیج اور کھاد وغیرہ مہیا کرانے کے علاوہ فصل بونے، فصل کاٹنے، کھیتی بڑھانے، بند باندھنے، درخت اُگانے، مویشیوں اور مرغیوں کی پیداوار بڑھانے میں معقول امداد (grant) بھی بہم پہنچاتی ہے۔ اس بروقت ملنے والی امداد سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا کر اپنی اور ملکی ضروریات کو بآسانی پورا کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ کھیتی بڑھتے ہوئے کنبے کے لئے نا کافی ہی نہیں بلکہ اس پر پورے کنبے کا بسر اوقات بھی محال ہے جس کی خاطر کنبے سے چند افراد کا اپنی اور گھریلو کفالت کے لئے شہر اور پردیس کا رُخ کرنا حالات کا تقاضہ ہے، لیکن پردیس کی زندگی اس دور میں نزاعی دور سے گزر رہی ہے۔ جس میں کسی بھی ملک میں غیر ملکی باشندوں کا وجود زیر بار سمجھا جاتا ہے، جس کی مثالیں مشرقی افریقہ اور برما سے ملک بدر کئے گئے ہندوستانیوں سے ملتی ہیں، حالیہ سری لنکا میں ہونے والا خونیں ڈرامہ غیر ملکی لوگوں سے دشمنی کا واضح ثبوت ہے، اور اس وقت انگلینڈ میں بسنے والے تمام غیر ملکی دوسرے درجہ کی شہریت میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ بہر حال اس کے علاوہ اس ترقی یافتہ اور صنعتی دور میں شہر اور پردیس میں وہی لوگ کامیاب زندگی گذار سکتے ہیں۔ جو علم و ہنر میں خاصی قابلیت رکھتے ہوں۔ بد قسمتی سے ہمارے علاقے کا بیشتر نوجوان طبقہ ان رموز فن سے ناآشنا ہونے کے باعث اب بھی ہوٹلوں اور گھریلو ملازمت کے چکر کاٹنے پر مجبور ہے۔ اور یہی صورت حال غیر میں بھی درپیش ہے، جو کبھی اینٹ اور گارا ڈھونے، جھاڑو لگوانے، سڑکوں پر بڑھئی اور تھپر ڈھونے، باغبانی، شوفر، اور آیا وغیرہ کے فرائض انجام دینے پر مجبور ہیں۔ حالانکہ یہی کام مقامی سطح پر کرنے میں ہم

معیوب اور ہتک آمیز سمجھتے ہیں۔ بہر حال کچھ بھی ہو انسان
کی اس بے بسی اور مزدور کے مجبوری حالات پر شاعرِ مشرق
بلبلا کر خلاقِ دوعالم سے شکوہ کلام ہے ~

تو قادرِ مطلق ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

چنانچہ قوم کی بڑھتی ہوئی مجبوری کو دُور کرنے اور پس ماندہ
طبقہ کو ایک پلیٹ فارم پر لے آنے کے لئے ایک ٹھوس
اور منظم کوکنی مسلم تنظیم کی ضرورت ہے، جس کے تحت
ہر چھوٹے موٹے گاؤں اپنے حاجت مند بچوں کو کم از کم S.S.C.
تک تعلیم دلوانے کی سعی فرما کر مرکزی (بمبئی پونا وغیرہ) تنظیمیں اگر
ان طالب علموں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے میں مددگار ثابت ہو
تو معاشرے میں بہت جلد خوش آیند تبدیلی آنے کے
قوی امکانات روشن ہیں۔ تعلیم کے علاوہ تمام ہائی اسکولوں
میں فنی (TECHNICAL) تعلیم کا اندراج بچوں کے لئے
معاون ثابت ہوگا۔ جیسا کہ عموماً ہر ترقی یافتہ
ممالک میں ساتویں جماعت سے بچوں کو نصاب کے
طور پر میٹل ورک (METAL WORK) وُوڈ ورک
(WOOD WORK) ٹیکنیکل ڈرائنگ (TECHNICAL
DRAWING) اور لڑکیوں کے لئے COOKERY, TYPING
NEEDLE WORK سلائی اور دستکاری وغیرہ
جیسے رموز فن سکھائے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی
صحت عامہ میں FIRST AID, SEFTY FIRST
اور KISS OF LIFE وغیرہ جیسے ابتدائی اصول کے
لئے براہِ راست حکومت سے مطالبہ، آنے والی نسل
کے لئے یقیناً کارآمد ثابت ہوگا۔

کاشتکاری ایک عظیم اور معروف ترین پیشہ ہے۔
کسان کی مصروفیت اور انتھک محنت ہی اس کی معاشی
خوش حالی کی ضامن ہے۔ محض کھیتوں میں ہل چلانے
اور سال بھر میں ایک دھان اُگانے سے کاشتکاری
کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ بلکہ ہر موسم میں کھیتی سے فاضل
فصلیں اُگا کر ملکی ضروریات کو پورا کرنا ہے، ہمارے ملک
میں صرف اناج ہی کی کمی نہیں بلکہ ہر غذائی اجناس کا فقدان
ہے۔ معمولی سبزی ترکاری سے لے کر پھل، گوشت، دودھ
اور انڈوں کی کمی کا سبب بن چکی ہے۔ اور اس قدرتی اور
مقوی غذا کی نایابی ملکی صحت عامہ پر بُری طرح اثر انداز ہوکر
بیشتر طبقہ دن بدن نحیف ولاغر بنتے جا رہا ہے۔

خوش قسمتی سے اب ذریعۂ آب پاشی سے برساتی فصلوں
کے علاوہ ربیع (فصل گرما) فصلیں اُگانے کے بہت سے
مواقع حاصل ہیں جو کسان کے روشن مستقبل کی غمازی
کرتے ہیں۔ کسان ان ذریعہ ابلاغ سے متعدد فصلیں لے کر
سبزی اور ترکاری بھی اُگا سکتا ہے۔ اور قریبی ذریعۂ آب
سے محروم مگر مرطوب اور نم زمین میں دال، اُڑد، تور، مکئی،
چنا، چولی، وغیرہ جیسی بیشتر قسم کی دالوں کی کاشت کر کے
مقامی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔ جو اس کی آمدنی
کا ایک اور معقول ذریعہ ہوگا۔

فارمنگ ایگری کلچر کا ایک اہم جزو ہے جس کے بغیر
کاشت کار دیہاتوں میں کسی قسم کے مالی وسائل
پیدا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کسان کے لئے ڈیری فارم
اور پولٹری فارم کا کاروبار منافع بخش ذریعہ ہے۔
اور یہ بہتری ملکی صحت عامہ کے لئے بھی کسی PATANT
ادویات سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہی امریکہ کے
سڑے ہوئے گیہوں سے .....

کھیتی کے علاوہ کسان کی اپنی وکس (پہاڑی اور
میدان) نما زمین بھی ہوتی ہے جو مجوزہ کھیتی کے تناسب سے

دوگنا حصہ میں شمار ہوتی ہے، جن سے کسان مویشیوں
کے لئے چارہ، ایندھن اور عمارتی لکڑیاں بھی حاصل کرتا
ہے۔ اگر اسی زمین میں مزید پھلدار درختوں مثلاً قلمی آم،
کاجو، چیکو، انار، امرود وغیرہ کی کاشت ہو تو
منافع بخش ثابت ہوگی۔

کاشت کاری ملکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا
درجہ رکھتی ہے۔ اور یہ دنیا میں بنی نوع انسان کا
ازلی پیشہ رہا ہے۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
سے لے کر آج کے دورِ جدید میں بھی اس کی اہمیت یکساں
اور اٹل رہی ہے۔ روس اپنی جدید ترقی میں دنیا کا ممتاز
ملک SUPER POWER سہی لیکن اسی دانۂ گندم
کے لئے امریکہ اور آسٹریلیا کا دست نگر ہے۔ ہم
ہندوستانیوں کا چائے اور ناشتہ "لپٹن" LIPTON
(چائے) اور پولسن POLSON (مکھن) اسی شعبۂ
کاشت کاری سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسرائیل کی ہمہ گیر
اور حیرت انگیز ترقی کے پیچھے اسی معاشی خوشحالی کا کارنامہ
پنہاں ہے جنھوں نے تحریک اسرائیل کے آغاز (غالباً
۱۹۲۷ء) سے عربوں کو منہ مانگے دام دے کر زمین سے
بے دخل کرنا شروع کیا تھا، جس کے نتیجہ میں عربوں
(فلسطینیوں) کے گھناؤنے انجام کا اظہار ہوتا ہے۔
اب اسی زمین سے اسرائیلی قوم اتنے بڑے پیمانے پر پھل اور
میوہ جات کی پیداوار کر کے پوری یورپی منڈی پر چھا چکی ہے۔
کون ہے جو اسرائیلی JAFFA (موسمبی)، گریپ فروٹ
(GRAPE FRUIT)، سیب، انگور اور ان سے
تیار شدہ مشروبات، کھجور اور شہد جیسی انمول غذائی
اجناس سے واقف نہیں ہوگا۔

بہرحال ہمارے آقائے نامدار ﷺ کا کھیتی میں کام کرنا،
دائی حلیمہ کی بکریاں چرانا جیسے مقدس پیشے ہمیں کاشتکاری
اور فارمنگ کا درس دیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ
آنحضرتؐ فرماتے ہیں "جو کوئی مسلمان درخت اگائے
اور اس میں سے پھل کھائے وہ صدقہ ہے، جو کچھ چرایا
جائے وہ بھی صدقہ ہے، چوپائے اور پرندے بھی کھائیں
تو وہ بھی صدقہ ہے"۔

ایک اور حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے
تاکید فرمائی ہے کہ جس طرح جنگ و جدال میں آپ نے
بوڑھے، ناتواں، بچے اور عورتوں کی حفاظت کی ذمہ داری
عائد کی ہے اسی مطابق پھول اور پھلدار درختوں اور فصلوں کو
اجاڑنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے، اور کہا ہے کہ
یہ قوم اور ملک کا عظیم سرمایہ ہے۔

علاوہ اس کے قرآن و حدیث کی روشنی میں دودھ اور
گوشت کو انسان کی نشوونما کا ذریعہ بھی قرار دیا گیا ہے۔
چنانچہ اس ضمن میں سورہ یٰسین آیت ۳۳ رکوع ۵ میں
ارشاد باری ہے۔ واخرجنا فیہا حبا فمنہ
یاکلون ۵ وجعلنا فیہا جنت
من نخیل واعناب و فجرنا
فیہا من العیون لیاکلوا من ثمرہ ۵
اور ہم نے اسی سے غلے نکالے۔ سو ان میں سے
لوگ کھاتے ہیں اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں
کے باغ لگائے اور اس میں چشمے جاری کئے تاکہ
لوگ باغ کے پھلوں سے مستفید ہوں۔

اور مویشیوں کو انسانی خوراک اور نقل و حمل
کا ذریعہ قرار دے کر دودھ کو منافع کا ذریعہ بنایا ہے۔
لہٰذا دوسری جگہ آیات کریمہ میں ارشادِ باری ہے:

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ (اور ہم نے ان کے لئے مویشیوں کو ان کا تابع بنا دیا۔ سو ان میں بعضے تو ان کی سواریاں ہیں اور بعضے کو وہ کھاتے ہیں اور ان میں لوگوں کے ساتھ نفع ہے اور پینے کی چیزیں بھی ہیں۔ سو کیا یہ لوگ شکر نہیں کرتے۔

معراج النبی میں حضورؐ کو عرش بریں پر پیش کئے گئے دودھ اور شراب کے پیالوں سے حضورؐ کو دودھ کو ترجیح دینا بنی نوع انسان کو اُم الخبائث سے خلاصی دیکر اس نعمت عظمیٰ سے فیضیاب بھی کرنا تھا۔ اور آخر میں شہد کے متعلق قرآن حکیم کا مدلّل اعلان انسان کیلئے شفا کامل بن چکا ہے: فیہ شفاء للناس شہد میں لوگوں کیلئے شفا ہے۔

معارف الحدیث

کتاب الرقاق فی النصائح
مشکوٰۃ المصابیح عربی

عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تزول قدما ابن آدم یوم القیامۃ حتی یسئل عن خمس، عن عمرہ فیما افناہ، وعن شبابہ فیما ابلاہ وعن مالہ من این اکتسبہ وفیما انفقہ وماذا عمل فیما علم۔ (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب)

ترجمہ :- ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روز قیامت ابن آدم اس وقت تک اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکے گا جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ ہو جائے۔ زندگی کے بارے میں سوال ہوگا کہ کن مشاغل میں گزاری۔ اور جوانی کس میں ختم کی اور مال کے متعلق سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا اور کس مصرف میں خرچ کیا۔ اور جو کچھ علم حاصل کیا اس کے مطابق عمل کیا یا نہیں۔ (یہ حدیث ترمذی کی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے)۔

تشریح :- اس حدیث شریف میں سوالیہ رنگ میں انسانوں کے لائحہ عمل کا ایک نقشہ کھینچ دیا گیا ہے۔ یعنی یہ بتا دیا گیا ہے کہ انسان کو کیسی زندگی گزارنی چاہئے۔ زندگی، جوانی، مال اور علم کے متعلق سوال ہوگا کہ ان امور سے تم نے کس طرح استفادہ کیا۔

زندگی میں جوانی ہی کام کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق سوال ہوگا۔ اسی طرح مال اور اس کے مصارف اور علم اور عمل کے متعلق سوال ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ قیامت کے دن زندگی، جوانی، مال۔ اس کے مصارف اور علم و عمل کے متعلق سوال ہوگا ——— یہ حدیث ضعیف ہے۔ یعنی سلسلۂ اسناد میں یہ حدیث صحیح سے کم تر درجے کی ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک یہ غیر معتبر نہیں ہوتی۔

نعت شریف

مضطرب حقانی

آنکھوں میں نورِ حسن ضیائے رسول ہے
دل ہے حرم، حرم میں بھی جائے رسول ہے

وہ ربّ العالمین تو یہ رحمتِ عالم
کیا ربطِ حسن و عشق برائے رسول ہے

غارِ حرا میں حضرتِ صدیقؓ نے کہا
صدیقؓ کی تو جان فدائے رسول ہے

ایمان کی یہ بات ہے ایمان یہ میرا
تشکیلِ کائنات برائے رسول ہے

اُس کا گدائے در ہوں میں مضطرب نصیب ہے
سلطانِ ہند ہے جو عطائے رسول ہے

★

محمد ابراہیم ناشاد کھلنا
بنگلہ دیش

آپ ہے مثال اپنی دل کشی مدینے کی
رشکِ باغِ رضواں ہے ہر گلی مدینے کی

منزلِ حقیقت کا جب سراغ مشکل تھا
میں نے پُر یقیں ہو کر راہ لی مدینے کی

کثرتِ حوادث سے قطعِ راہ مشکل ہے
کیا نہیں مقدر میں حاضری مدینے کی

کیوں نہ بارِ خاطر ہو ہر سرود و ہر نغمہ
بج رہی ہے کانوں میں بانسری مدینے کی

قبر کے اندھیروں کی فکر ہے اگر ناشاد
ساتھ اپنے لے جانا روشنی مدینے کی

★

عاقل بناغی

زائرِ واشہرِ مدینہ میں گذر ہونے تک
دل پہ قابو رہے تسکینِ نظر ہونے تک

حسرتِ دید میں پُر کیف اثر ہونے تک
با ادب رہیئے شہِ دیں کو خبر ہونے تک

خانۂ دل میں بسا رکھا ہے ہم نے کعبہ
دیکھتے رہتے ہیں تسکینِ نظر ہونے تک

جب بھی یاد آتی ہے روضہ کی سنہری جالی
شب گذر جاتی ہے آنکھوں میں سحر ہونے تک

حسرتِ دید نہ رہ جائے دلِ عاقل میں
مر نہ جائے کہیں طیبہ میں گذر ہونے تک

★

عبدالمجید تنگیکر

سوئے طیبہ درِ مصطفےٰؐ مل گیا
مجھ کو بخشش کے گھر کا پتہ مل گیا

شافع المذنبیں رحمۃ العالمین
روزِ محشر مجھے آسرا مل گیا

دین و ایمان و اسلام و راہِ خدا
جب نبیؐ مل گئے تب خدا مل گیا

ہو کرم کی نظر مجھ پہ شاہِ اُمم
عرض کرتے ہی حکمِ عطا مل گیا

شوقِ تفتیش سے تجھ کو عبدالمجید
جالیوں میں مکیں حق نما مل گیا

★

پدیاترا

آپ کو معلوم ہوگا کہ آج کل اہلِ سیاست ہوائی جہاز، ٹرین اور موٹر کار پس پشت چھوڑ کر پیدل سفر کر رہے ہیں، جس کو پد یاترا کہتے ہیں، یعنی پیدل چلنا۔ جنتا پارٹی کے صدر جناب چندر شیکھر نے کنیا کماری سے دہلی تک کا پیدل سفر کیا ہے۔ اور اب تازہ خبر یہ موصول ہو رہی ہے کہ ان کی دیکھا دیکھی مسٹر راجیو گاندھی ایم۔ پی۔ مسز اندرا گاندھی کے فرزند دل بند گرامی ارجمند بھی پد یاترا فرمانے لگے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ کی یہ پد یاترا مسٹر چندر شیکھر کی طرح ملک گیر نہیں۔ صرف علاقائی ہوتا ہے۔ آپ اسی علاقے کا پد یاترا فرماتے ہیں جہاں سے الکشن میں کھڑے ہونے کا خیال ہوتا ہے۔

پد یاترا بہت مفید ورزش ہے۔ تمام اطبا، وید اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ پد یاترا عام جسمانی صحت کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے جسم کے تمام اعضاء کو فائدہ پہنچتا ہے۔

پد یاترا کے ان سب فوائد سے تو ہم سب واقف تھے مگر اب تازہ انکشاف یہ ہوا ہے کہ یہ پد یاترا دل جیتنے کا بھی ایک موثر ذریعہ ہے۔ یہ انکشاف ہمارے لئے بالکل نیا ہے۔ کہتے ہیں کہ

درمیان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

الکشن کے عاشقوں نے ووٹ دینے والے عاشقوں کا دل جیتنے کے لئے دل داری و ناز برداری کا یہ نیا طریقہ دریافت کیا ہے۔

ان بے چارے سیاست دانوں نے جب یہ دیکھا کہ ان الکشن بازوں نے اپنے معشوقوں سے جتنے وعدے کئے تھے ان میں سے ایک بھی پورا نہیں ہوا تو وہ اتنے دکھی ہوئے کہ اپنے معشوقوں کی خیر و عافیت اور حوائج و ضروریات معلوم کرنے کے لئے پیدل ہی دوڑ پڑے۔ ان کی یہ خلوص اور محبت بھری ادا دیکھ کر پرانے زمانے کے عشاق کی ادا یاد آگئی کہ وہ معشوق کے کوچے کی طرف خار مغیلاں پر چل کر آتے تھے اور وہ بھی ننگے پاؤں۔ اور پھر اپنے پاؤں کے آبلے دکھا دکھا کر نازک مزاج معشوقوں کو منانے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اب وہ پہلا زمانہ تو رہا نہیں۔ اب نہ راہ محبت میں ایثار و قربانی کی ضرورت ہے۔ اب تو الکشن مزاج عشاق کرام چپل اور جوتے پہن کر کوچۂ محبوب کی طرف آتے ہیں۔ اور ان کا دل جیتنے کے لئے اب اپنی آبلہ پائی نہیں دکھاتے۔ بلکہ کچھ وعدے و مواعید کرتے ہیں — دیکھو شکوہ و شکایت اور بے رخی و بے اعتنائی چھوڑ دو۔ ہمیں ووٹ دو۔ ہمارے امیدوار کو کامیاب بناؤ۔ ہم تمہیں راشن میں سستا اناج دیں گے، تمہاری جھونپڑیوں کا تم کو مالک بنا دیں گے۔ تمہاری جھونپڑیوں میں روشنی اور پانی پہنچا دیں گے۔ یہ جو جھونپڑیوں کے چاروں طرف غلاظت، گندگی اور کوڑا کرکٹ کا ڈھیر

لگا ہے اسے ہٹا کر یہاں پارک بنوا دیں گے۔ اور اس میں چمپا، موگرا اور گلاب کے درخت لگوا دیں گے، جو تمہاری عورتیں اپنے بالوں میں لگائیں گی جس سے تمہارا مشامِ جاں معطر ہو جائے گا۔ اور تم اپنی جھونپڑیوں میں قیمتی سے قیمتی سینٹ کے مزے لوٹنے لگو گے۔

لیکن ان الکشن مزاج کے معشوق صرف جھونپڑیوں والوں ہی کے مکین نہیں ہوتے بلکہ وہ تو بنگلہ، کوٹھی اور فلیٹ والوں سے بھی دل لگانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے ان معشوقوں سے اکسپورٹ، امپورٹ لائسنس کے وعدے کرتے ہیں۔ پٹرول کی قیمت اور انکم ٹیکس میں چھوٹ کی باتیں کرتے ہیں۔

مگر میرا خیال ہے کہ ان عاشق بازانِ الکشن نے پدیاترا کا غلط استعمال کیا ہے۔ بھارت کے شہری تو اپنے سورماؤں کی کتھاؤں میں رتھوں کی سواری سنتے آئے ہیں۔ اگر یہ رتھوں پر یاترا کرتے تو کیا مجال تھی کہ کوئی ووٹر ان کے سامنے دم بھی مار سکتا۔ سبھی ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔

یا پھر بھارت کے دیہات کی دوسرے درجے کی جو سواری ہے جس کو بیل گاڑی کہتے ہیں اور جو کسی شبہ کے بغیر یہاں کی عوامی سواری ہے اور جو کچی سڑکوں کے علاوہ کھیتوں، کیچڑوں اور ندی نالوں میں بھی دوڑتی ہے۔ اگر وہ اس سواری پر آتے تو ہر طرف جے جے کار کا شور بلند ہو جاتا۔

لیکن اس سے سوا یاترا کا ایک اور ذریعہ ہے۔ اور جس کو بھارت کی استری کا اور پرش، نر اور ناری سبھی نہایت آدرش کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور جس کی ہماری لوک کتھاؤں میں بڑی تعریف کی گئی ہے۔ وہ ہے "سر یاترا" یعنی سر کے بل چل کر آنا۔ اس سفر کو بھارت کے ہر سماج میں پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا ہے۔ ایسے سفر کو تو یہاں کے پریتم فوراً اپنے ہردے میں بٹھا لیتے ہیں۔ اگر ہمارے یہ الکشن مزاج عشاق سر یاترا فرماتے تو ان کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ (ادارہ)

بقیہ: زرِ ضمانت — صفحہ ۱۲ سے آگے

طریقۂ کار میں کچھ اصلاح کی جانی چاہئے۔ اور ملازمت کے لئے لوگوں کو باہر بھیجنے کی ذمہ دار ایجنسیوں سے یہ کہا جائے کہ وہ اپنے طور پر ایک مناسب رقم تارکینِ وطن کے ضمانت اداروں کے پاس جمع کرا دیا کریں۔ ظاہر ہے کہ اس رقم کی فراہمی تارکینِ وطن کی جانب سے کی جائے گی۔ اس قسم کی ایک تجویز تین سال قبل ٹریول ایجنسیوں کی ایسوسی ایشن کی جانب سے حکومت کے سامنے پیش کی گئی تھی۔

لوگ بیرونی ممالک میں واقع ہندوستانی سفارتخانوں سے منظور شدہ کاغذات کے بغیر ہی ترکِ وطن کر رہے ہیں۔ اور اس طرح سرکاری طور پر جمع کیا جانے والا زرِ ضمانت جمع نہیں ہو پاتا۔ اگر یہ غلط طریقۂ کار اس وقت موجود نہ ہوتا تو زرِ ضمانت کی رقم ۴۵ کروڑ کے بجائے ۹۰ کروڑ ہو گئی ہوتی۔

گذارش

نقشِ کوکن کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنی گرانقدر رائے سے ہمیں نوازتے رہیے۔ اس کی خامیوں سے ہمیں آگاہ کیجئے۔

یہ آپ کا پرچہ ہے۔
قوم کا آرگن ہے۔ اسے خوب سے خوب تر بنانے میں ہم آپ سے تعاون کے خواستگار ہیں۔

(ادارہ)

عالمی اقتصادی بحران

نیا منصفانہ عالمی اقتصادی نظام حالیہ غیر جانبدار سربراہ کانفرنس کا اہم موضوع رہا۔ کانفرنس میں زور دیا گیا کہ ترقی پذیر ممالک کی اقتصادی بدحالی دور کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ بین الاقوامی تجارت کے موجودہ ضابطے تبدیل کئے جائیں۔ اور تمام ملکوں کو آزادانہ طور پر تجارت کے مساوی مواقع فراہم کئے جائیں۔

پوری دنیا اس وقت سنگین اقتصادی مسائل سے دوچار ہے جن کے باعث جنوب میں تیسری دنیا کے ترقی پذیر ملکوں کے علاوہ شمال میں ترقی پذیر ملکوں کے علاوہ شمال میں ترقی یافتہ صنعتی ممالک بھی سخت مشکل میں ہیں۔ اور یوں اقتصادی بدحالی ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کا مشترکہ مسئلہ بن گئی ہے۔ سب سے زیادہ نقصان ترقی پذیر ملکوں کو پہنچا ہے۔

ترقی پذیر ممالک جس نئے عالمی اقتصادی نظام کا مطالبہ کرتے رہے ہیں اس کا خاکہ کچھ یوں ہے کہ تجارتی اشیاء کی قیمتوں کا تعین کیا جائے۔ سادہ سامان کی مارکیٹ میں داخلہ پر محاصل ختم کرنے اور دیگر تجارتی پابندیاں اٹھانے کے لئے متحدہ پروگرام اختیار کیا جائے۔ مالیات میں محفوظ کرنسی کی حیثیت سے ڈالر کے خصوصی کردار کو ختم کیا جائے۔ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کو مساوی حقوق دیئے جائیں۔ ترقیات کے لئے رقم نکالنے کے لئے خصوصی حقوق اور قرضوں کی ادائیگی میں سہولت دی جائے اور افراط زر کی برآمد کا خاتمہ کیا جائے۔

دنیا بھر کے اقتصادی ماہرین اس امر پر متفق ہیں کہ اگر صنعتی ممالک ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ تعاون کریں تو ترقی پذیر ملکوں کی معیشت ہی کو سنبھالا نہیں ملے گا بلکہ اس سے خود ان کو بھی کساد بازاری، افراط زر اور بیروزگاری کے موجودہ گرداب سے نکلنے میں مدد ملے گی اور وہ اپنی ترقی کی رفتار کو تیز تر کر سکیں گے۔

امیر و غریب ملکوں کے درمیان اقتصادی عدم مساوات کو دور کرنے اور نیا منصفانہ عالمی اقتصادی نظام قائم کرنے سے متعلق مغربی جرمنی کے سابق وائس چانسلر اور ممتاز مدبر ولی برانٹ کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا گیا تھا۔ اس کمیشن کی رپورٹ میں واضح کر دیا گیا تھا کہ ترقی پذیر ملکوں کے ۸۰ کروڑ افراد ابھی تک زندگی کی اہم ضرورتوں سے محروم ہیں۔ یہ تعداد تیسری دنیا کے ملکوں کی مجموعی آبادی کے ۲۰ فیصد کے لگ بھگ ہے۔ رپورٹ کے مطابق صرف ۱۹۷۸ء کے دوران تیسری دنیا کے ملکوں میں پانچ سال سے کم عمر کے ایک کروڑ بیس لاکھ بچے خوراک کی کمی اور قحط سے ہلاک ہوئے تھے۔ تیسری دنیا کے ملکوں کے باشندوں کی آمدنی کی شرح تیزی سے گر رہی جا رہی ہے۔ افراط زر میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ بیروزگاری اور نیم بیروزگاری کی شرح حد سے بڑھ گئی ہے۔

اس وقت ترقی پذیر ملکوں کی انتہائی مفلسوں کی تعداد ایک ارب دس کروڑ سے زائد ہے۔ اور ان ملکوں کی اکثریت کی فی کس سالانہ آمدنی دو سو ڈالر سے کم ہے، جب کہ اگلے چار برسوں میں اس آمدنی میں ایک فیصد اضافہ بھی ممکن نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی آمدنی میں سالانہ اضافہ کی شرح صرف دو یا تین ڈالر رہے گی۔

افریقہ کے نیم صحرائی علاقوں سے تعلق رکھنے والے چودہ کروڑ دس لاکھ سے زائد افراد کی حالت سب سے ابتر اور افسوسناک ہے۔ اگلے چار برسوں میں اس علاقے کے ملکوں کی اقتصادی ترقی کی رفتار معکوس ہو جائے گی، تیل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ سے بھی ترقی پذیر ممالک کی معیشت پر بہت خراب اثر پڑا ہے۔ صرف دو سال قبل ان ملکوں کو تیل کی درآمد پر فاضل اخراجات کے طور پر ۶ کروڑ ۷۰ لاکھ ڈالر خرچ کرنے پڑتے تھے۔ جب کہ ۱۹۷۳ء میں تیل کی اتنی ہی مقدار کی درآمد پر صرف ۷۰ لاکھ ڈالر خرچ ہوتے تھے۔ تیل کی قیمتوں میں اضافے کی شرح اگر مزید کم نہ ہوئی تو ایک اندازے کے مطابق ان ملکوں کو ۱۹۸۵ء میں بارہ کروڑ ۴۰ لاکھ ڈالر اور ۱۹۹۰ء میں ۳۲ کروڑ خرچ کرنا ہوں گے۔

ترقی پذیر ملکوں میں بڑھتی ہوئی غربت و افلاس اور ان کے عوام کی اقتصادی پس ماندگی کا دوسرا اہم سبب ان ملکوں پر واجب الادا غیر ملکی قرضوں کا بوجھ ہے ۱۹۸۰ء کے دوران غیر ملکی قرضوں کی مالیت تین کھرب ۶۶ ارب ڈالر تھی، جس میں گزشتہ سال کے دوران مزید کئی ارب ڈالر کا اضافہ ہوا ہے۔ دنیا کے غریب اور ترقی کے خواہاں ملکوں پر اس وقت جتنا قرضہ واجب الادا ہے اس کی مالیت اتنی ہے کہ زمین پر رہنے والا ہر مرد، عورت اور بچہ سترہ سو روپے (۱۵۴ ڈالر) کا مقروض ہے۔ ٹائم میگزین کی ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیا کے مختلف ممالک ۷ء۶ کھرب ڈالر یعنی ۷ء۵ کھرب ڈالر تک مقروض ہیں۔ یہ رقم امریکہ کے سالانہ بجٹ اور جاپان کے بجٹ سے تین گنا زیادہ ہے۔ اس میں کئی ممالک ایسے ہیں جو قرضہ واپس ادا نہیں کر سکتے۔ اور دوسرے صرف سود ادا کر سکتے ہیں۔ بعض کی ادائیگی کی قسط میں اصل رقم کے لگ بھگ ہو جاتی ہے۔ اس رقم میں سب سے زیادہ مقروض برازیل ہے، جس پر ۸۷ ارب ڈالر قرضہ ہے۔ جب کہ ۱۹۸۴ء میں اسے ۱۳ ارب ڈالر سے زیادہ قسط ادا کرنی ہے۔ یہ رقم اس کی تمام قومی برآمدات سے بھی سترہ فیصد زیادہ ہے اسی طرح ارجنٹائن کی سال رواں کی قسط اس کی برآمدات سے ۳۵ فیصد، اور زمبیا سے ۹۵ فیصد زائد رقم بنتی ہے۔ مجموعی طور پر سب سے زیادہ قرضہ مشرقی بلاک نے (۱۴ ارب ڈالر) لے رکھا ہے۔

موجودہ اقتصادی نظام کی، جس پر مغرب کے گنے چنے امیر اور صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں کی بالادستی قائم ہے۔ اور جو جدید نو آبادیاتی نظام کا ایک ستون ہے، ہیئتِ ترکیبی کچھ اس طرح ہے کہ ترقی یافتہ ممالک سے اقتصادی قرضہ لینے والے ترقی پذیر ممالک اس دباؤ کے تحت ادائیگیوں کے توازن میں مسلسل خسارے سے نجات نہیں پا سکے۔ تیسری دنیا اور افریقہ کے بیشتر ممالک جن میں پاکستان بھی شامل ہے موجودہ غیر منصفانہ استحصالی اور جانبدارانہ اقتصادی نظام کے دباؤ کے باعث ادائیگیوں کے توازن کے معاملے میں مسلسل خسارے میں ہیں ان ملکوں میں ہندوستان جیسا صنعتی طور پر نسبتاً ترقی یافتہ ملک بھی شامل ہے۔

(ساتویں قسط)

آؤ عربی سیکھیں

پروفیسر شفیع شیخ

جمع :- پچھلے سبق میں تعداد کے تحت ہم نے "تثنیہ" سے متعلق پڑھا۔ اس بار ہم جمع سے بحث کریں گے۔

عربی میں جمع کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اَلْجَمْعُ السَّالِمُ [اَلْ + جَم + عُسْ + سَا + لِ + مُ]

(۲) اَلْجَمْعُ الْمُکَسَّرُ [اَلْ + جَم + عُلْ + مُ + کَسْ + سَ + رُ]

اس کا دوسرا نام جَمْعُ التَّکْسِیْر [جَمْ + عُتْ + تَکْ + سِیْ + ر] بھی ہے۔

اَلْجَمْعُ السَّالِمُ : سالم کے معنی صحیح سلامت کے ہیں۔ اَلْجَمْعُ السَّالِمُ اس طریقے کو کہتے ہیں جس میں جمع بناتے وقت واحد لفظ کی ترکیب متاثر نہیں ہوتی (اور وہ صحیح سالم رہتی ہے) جمع کی یہ ترکیب لاحقے کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ اردو میں اس کی مثال "لڑکی ← لڑکیاں" ہے۔ اس مثال میں "اں" کا لاحقہ لگا کر "لڑکی" کی جمع بنائی گئی ہے۔ اور واحد ترکیب "لڑکی" کی ظاہری ساخت (ل + ڑ + ک + ی) پر جمع کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

عربی میں الجمع السالم کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) اَلْجَمْعُ السَّالِمُ برائے مذکر

(۲) الجمع السالم برائے مونث

اَلْجَمْعُ السَّالِمُ برائے مذکر:

اس کے تحت صرف وہی الفاظ آتے ہیں جو عربی میں مذکر مانے جاتے ہیں۔ (بطور استثناء چند مونث الفاظ بھی اس ضمن میں آتے ہیں۔ لیکن ان کا ذکر یہاں چنداں ضروری نہیں)

اس جمع کے بنانے کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

۱) سب سے پہلے واحد لفظ کے آخری حرف سے تنوین کو حذف کیا جائے۔

۲) اس کے بعد "ون" کے لاحقے کا اضافہ کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں "ون" واحد لفظ کے آخر میں لگائے جائیں گے۔

۳) و پر جزم اور ن پر زبر لگایا جائے گا ("وْنَ")

مثالیں:

۱) مُعَلِّمٌ ——— مُعَلِّمُوْنَ

ایک استاد — کئی اساتذہ

۲) خَادِمٌ ——— خَادِمُوْنَ

ایک نوکر — کئی نوکر

یاد رہے کہ تثنیہ کی طرح اَلْجَمْعُ السَّالِمُ برائے مذکر کے آخری حرف پر تنوین نہیں لگائی جائے گی۔ اس کا اعراب "فتح یا زبر" (ـَ) ہے۔

اردو میں بھی جمع کا یہ طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔ (آدمی ← آدمیوں، چور ← چوروں، شیر ← شیروں اسی قبیل کی مثالیں ہیں)۔ اردو میں صرف نون کو نون غنہ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اَلْجَمْعُ السَّالِمُ برائے مونث :

اس زمرے میں وہ الفاظ آتے ہیں جنھیں تائے مربوطہ

کی مدد سے مونث بنایا گیا ہے۔ بعض مصادر کی جمع بھی اسی طریقے پر بنائی جاتی ہے اس کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) واحد مونث لفظ کی تائے مربوطہ کو حذف کر دیا جائے

(۲) "ات" کے لاحقے کا اضافہ کیا جائے۔ یعنی واحد لفظ کے آخر میں "ات" لگایا جائے۔

(۳) الف کو جزم اور ت کو پیش کی تنوین کے ساتھ لکھا جائے (اتٌ)

تائے مربوط کی مدد سے بنائے گئے مونث الفاظ اور ان کی جمع

مثالیں:

(۱) مُعَلِّمَةٌ ــــ مُعَلِّمَاتٌ

ایک استانی — کئی استانیاں

(۲) خَادِمَةٌ ــــ خَادِمَاتٌ

ایک نوکرانی — کئی نوکرانیاں

"اتٌ" لاحقے کی مدد سے عربی مصادر کی جمع:

(۱) اِجْتِمَاعٌ ــــ اِجْتِمَاعَاتٌ

ایک مٹنگ — کئی مٹنگیں

(۲) اِنْقِلَابٌ ــــ اِنْقِلَابَاتٌ

ایک انقلاب — انقلابات

اَلْجَمْعُ السَّالِم اور صفت:

جیسا کہ اس سے پیشتر بیان ہو چکا، صفت کی ظاہری صورت کو موصوف کی صورت کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ یہی کلیہ "الجمع السالم" اور صفت کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے گا۔ اس اعتبار سے جمع کی صفت کو بھی لایا جائے گا۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

اسم عام کی صورت میں

(۱) مُعَلِّمٌ شَفِيْقٌ ــــ مُعَلِّمُوْنَ شَفِيْقُوْنَ

رحم دل استاد — رحم دل اساتذہ

(۲) مُعَلِّمَةٌ مُجْتَهِدَةٌ ــــ مُعَلِّمَاتٌ مُجْتَهِدَاتٌ

محنتی استانی — محنتی استانیاں

اسم خاص کی صورت میں

(۱) اَلْخَادِمُ اَمِيْنٌ ــــ اَلْخَادِمُوْنَ الْاَمِيْنُوْنَ

کوئی خاص ایماندار نوکر — کئی خاص ایماندار نوکر

(۲) اَلْخَادِمَةُ الضَّعِيْفَةُ ــــ اَلْخَادِمَاتُ الضَّعِيْفَاتُ

کوئی خاص کمزور نوکرانی — کئی خاص کمزور نوکرانیاں

اَلْجَمْعُ السَّالِم اور جملے کی تشکیل

"الجمع السالم" اور واحد الفاظ کے جملے بنانے کے اصول ایک ہی طرح کے ہیں۔ "الجمع السالم" کی مدد سے جب جملے بنائے جائیں گے تب بھی مبتدا کو اسم خاص اور خبر کو اسم عام بنا کر لکھا جائے گا۔ مثلاً:

۱) اَلْمُعَلِّمُوْنَ شَفِيْقُوْنَ ــ اساتذہ رحم دل ہیں۔

۲) اَلْخَادِمُوْنَ مُجْتَهِدُوْنَ ــ نوکر محنتی ہیں۔

۳) اَلْمُعَلِّمَاتُ طَوِيْلَاتٌ ــ استانیاں طویل قامت ہیں۔

۴) اَلْمُسْلِمَاتُ اَمِيْنَاتٌ ــ مسلمان عورتیں ایماندار ہیں۔

اسی نہج پر مبتدا اور خبر کی معنویت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے:

۵) اَلْمُعَلِّمُوْنَ الْاَمِيْنُوْنَ مَوْجُوْدُوْنَ

ایماندار اساتذہ حاضر ہیں۔

۶) اَلْمُسْلِمَاتُ شَفِيْقَاتٌ وَمُجْتَهِدَاتٌ

مسلمان عورتیں رحم دل اور محنتی ہیں۔

۷) اَلْخَادِمَاتُ قَصِيْرَاتٌ وَقَبِيْحَاتٌ

نوکرانیاں پستہ قد اور بدصورت ہیں۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو غور سے پڑھیں اور انہیں یاد کر لیں۔

ذخیرۂ الفاظ ۵

مُؤْمِنٌ = ایمان لانے والا ـــ جمع: مُؤْمِنُوْنَ

خَبَّازٌ = نانبائی (روٹی بیچنے والا) ـــ جمع: خَبَّازُوْنَ

طَبَّاخٌ = باورچی ۔ جمع: طَبَّاخُونَ
سَارِقٌ = چور ۔ جمع: سَارِقُونَ
عَالِمٌ = دنیا ۔ جمع: عَالِمُونَ
حَسَنٌ = اچھا ۔ جمع: حَسَنُونَ
كَثِيرٌ = زیادہ (کئی) ۔ جمع: كَثِيرُونَ
مَشْغُولٌ = مشغول ۔ جمع: مَشْغُولُونَ
صَادِقٌ = سچا ۔ جمع صَادِقُونَ
هِنْدِيٌّ = ہندوستانی ۔ جمع هِنْدِيُّونَ

مشق ۵

عربی میں ترجمہ کیجئے:

(۱) کئی اچھے لوہار (۲) کئی خاص ایماندار بڑھئی

(۳) ہندوستانی باورچی موجود ہیں

(۴) استانیاں خوب صورت ہیں۔

(۵) چوروں کی کثرت ہے۔
(لفظی ترجمہ: چور بہت ہیں)

[illegible]

ہمارے اخلاق
ہمارے ایمان کی کسوٹی ہیں۔

خطۂ کوکن

قاضی فراز احمد دوحہ قطر

"یادوں کے سائے میں"

ہم سفر خطۂ کوکن ہے وہ فردوس جبیں
آؤ دکھلاؤں میں کوکن کے نشیب اور فراز
بحر و بر کے ہیں وسائل میری منزل سے قریب
سلسلے اونچے پہاڑوں کے فصیلوں کا غرور
ایسے دریا ہیں جو ساون کے لئے پیاسے ہیں
ان کے کھیتوں میں تو برسات سے رنگینی ہے
ناریل اور سپاری کے فلک بوس شجر
سوکھی مچھلی سے مہکتے ہوئے رستے ہیں یہاں
کبھی کوئل کی الم ناک صدا یاد کروں
کچھ تو کٹیاؤں میں رہتے رہے پربت پربت
بیشتر لوگ جو ہیں شہر میں نوکر ہوں گے
کچھ زمیندار ہیں کچھ لوگ ہیں مزدور فقط
میری بستی اسی وادی کی پرانی بستی
مدتوں پہلے یہاں آئے سفینے ہوں گے
ہندو مسلم یہاں رہتے رہے بھائی کی طرح
میرا خطہ بھی مقدس ہے میری ماں کی طرح
ہم سفر یادوں کے سائے بھی سفر کرتے ہیں

جس کو دیکھے تو بہل جائے ترا قلب حزیں
ہم نشیں یادیں بھی دیتی ہیں وطن کو آواز
بمبئی شہر سے کچھ دور ہے ساحل سے قریب
وادیاں، گھاٹیاں، دریا بھی ہیں چشمے بھی ضرور
ایسے تالاب ہیں ساون کے بھرے کاسے ہیں
اور برسات نہ ہو تو یہاں سنگینی ہے
آم کے پیڑوں پہ چڑیوں کا چہکتا لشکر
جھاڑوں میں کبھی پروئی ہوئی مچھلی کے مکاں
اپنے قریہ کی طربناک فضا یاد کروں
زندگی پال رہی تھی یہاں غربت غربت
آم کی فصل میں ساون میں وہ گھر پر ہوں گے
کچھ تو پیدا ہوئے رہنے کو بہت دور فقط
ہے یہ انسانوں سے آباد خدا کی بستی
خاک کے سینے میں آباد دفینے ہوں گے
ایک ڈال چکی "راہنمائی کی طرح"
یاد رکھا ہے اسے صاحب ایماں کی طرح
زندہ رہنے کے لئے خونِ جگر کرتے ہیں

مجھ سے زندہ ہیں فراز اپنے وطن کی یادیں
میں بھی زندہ ہوں لئے اپنے چمن کی یادیں

★

بیرونِ ممالک سفر کیلئے زرِ ضمانت کا قانون

تارکینِ وطن قانون ۱۹۲۲ء سے ملک میں نافذ چلا آرہا ہے جس کے تحت ہر سال ہزاروں ہندوستانی بین الاقوامی پاسپورٹ اور متعلقہ ملک کا ویزا حاصل کرکے بیرونی ممالک کا سفر کرتے ہیں۔ ان کے سفر کا مقصد سیاحتی، تجارتی یا تعلیمی ہوسکتا ہے۔ بہرحال مذکورہ قانون کی ایک شق یہ ہے کہ بیرونِ ملک جانے والوں کو پاسپورٹ اسی شکل میں دیا جاتا ہے جب وہ زرِ ضمانت کے طور پر ایک مقررہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کردیں۔ یہ رقم اس لئے جمع کرائی جاتی ہے کہ بیرونِ ملک جاکر اگر ان کے پاس واپسی کے لئے پیسہ نہ ہو تو انھیں ان کی جمع شدہ رقم کے ذریعہ وطن واپس لے آیا جائے۔ یا اگر بیرونی ملک میں قیام کے دوران کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو وہاں کے آخری رسوم ادا کئے جاسکیں یا اس کی لاش کو وطن لایا جاسکے۔

چند سال سے بیرونی ممالک خاص طور پر عرب ممالک میں ملازمتوں کے سلسلے میں بہت سے ہندوستانی ہر سال جاتے ہیں اور ان لوگوں کو وہاں ملازمت دلانے اور ان کی منزلِ مقصود تک پہونچانے کا کام بہت سی ٹریول ایجنسیاں کرتی ہیں۔ اپنے موکلین کے لئے پاسپورٹ، ویزا اور ملازمت کا سرٹیفکیٹ فراہم کرنا بھی ان ایجنسیوں کی معرفت سرکاری خزانے میں جمع کرایا جاتا ہے۔

گذشتہ سال مئی ۱۹۸۲ء کو ممبر پارلیمنٹ سید شہاب الدین نے پارلیمنٹ میں ایک سوال پیش کیا تھا جس میں یہ پوچھا گیا تھا کہ (۱) گذشتہ تین سال کی مدت میں بیرونی ممالک جانے والوں سے کتنا زرِ ضمانت جمع کیا گیا (۲) گذشتہ تین سال میں لوگوں کو وطن واپس لانے یا بیرونی ممالک میں ان کو مالی امداد دینے کے سلسلے میں کتنی رقم صرف کی گئی۔ (۳) آیا حکومت نے اس رقم کی واپسی کے لئے کوئی تجویز رکھی ہے (۴) آیا حکومت اس سلسلے میں کوئی اسکیم نافذ کرنا چاہتی ہے تاکہ اس بار کو کم کیا جاسکے، اور اگر ضرورت پڑے تو متعلقہ شخص کو اس کے وطن واپس لایا جاسکے۔

مندرجہ بالا سوال کا جواب وزارت محنت کی جانب سے ۹ فروری ۱۹۸۳ء کو پارلیمنٹ میں تحریری طور پر دیا گیا۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ گذشتہ تین سال میں زرِ ضمانت کے طور پر ۴۵ کروڑ روپیہ سرکاری خزانے میں جمع ہوا۔ نیز یہ کہ اس سلسلہ میں اخراجات یعنی بیرونی ممالک میں جانے والوں کو وطن واپس لانے یا ان کو مالی امداد کے طور پر صرف ساڑھے دس لاکھ روپیہ ہی خرچ کیا گیا۔ اور بقیہ آخری دو سوالوں کا جواب نفی میں دیا گیا ہے۔

سید شہاب الدین نے اس موقع پر پارلیمنٹ میں کہا یہ طریقہ کار تارکین وطن کے لئے ایک مزید اور فضول بوجھ کا باعث بن گیا ہے۔ انھوں نے تجویز رکھی کہ اس

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

همّت رائے شرما

بدیع الزّماں خاور — ایک شاعر

کچھ سال پہلے بدیع الزّماں خاور میرے لئے ایک جانا پہچانا نام تھا۔ ماہ نامہ تحریک کے سلور جوبلی نمبر میں پہلی بار میں نے ان کا فوٹو دیکھا۔ ان کی تصویر تمام تصاویر سے مختلف تھی — بالکل مختلف — طرزِ تحریر بھی سب سے جدا۔

خاور صاحب لگ بھگ بیس پچیس سال سے لکھ رہے ہیں۔ مگر آج تک ان سے میری ملاقات نہیں ہوئی، نہ وہ میری شکل سے واقف ہیں نہ ان کی شکل سے۔ لیکن اس کے باوجود ایسا لگتا ہے کہ ہم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ میں جب بھی ان کی تخلیقات پڑھتا ہوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ میرے سامنے موجود ہیں۔

مجھ سے اگر ملنا ہے تم کو
پڑھ لو خاور میری غزلیں

ان کی تحریریں نہ صرف ایک حساس فنکار کے دل کی دھڑکنوں کی صدائے بازگشت ہیں بلکہ احساسات و جذبات کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔ آج ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ایک مہاراشٹرین ہوتے ہوئے وہ اردو زبان کے مقبول شاعر اور ایک اچھے نثر نگار ہیں۔ میں چونکہ خود مراٹھی زبان و ادب سے واقف ہوں اس لئے میرا خیال ہے کہ مراٹھی الفاظ کو اردو الفاظ کے سانچے میں خاور صاحب جس خوبصورتی سے ڈھالتے ہیں وہ انھیں کا حصہ ہے۔ الفاظ کا صحیح استعمال نہ صرف دلکشی پیدا کرتا ہے بلکہ جذبات کی صداقت کا مظہر بھی ہوتا ہے۔ الفاظ کی بندش جذبات کی گہرائی اور فکری شعور کی وسعت ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ ان کے منظوم تراجم اپنی مثال آپ ہیں، جیسے :—

کیا پتہ کب تک سفر صحرا میں کرنا ہے مجھے
کچھ نہیں کھلتا کہاں جاکر ٹھہرنا ہے مجھے
مضمحل واماندگی سے ہوں تھکن سے چور ہوں
اس پہ بھی میں چلتے رہنے کے لئے مجبور ہوں

"مہاراشٹر کی تہذیبی اور ادبی قدریں" پڑھنے کے بعد قاری یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان ہوتے ہوئے انھوں نے مہاراشٹر کے ہندو کلچر کا مطالعہ کتنے غور سے اور قریب سے کیا ہوگا۔ مہاراشٹر گورنمنٹ کے بہترین فلم کو ایوارڈ دینے والی انتخابی کمیٹی کی ایک میٹنگ میں مراٹھی کے مشہور شاعر جناب نارائن سروے نے مجھے بتایا کہ وہ خاور صاحب کی شاعری اور ان کے کام سے بیحد متاثر ہوئے ہیں۔ خاور صاحب اپنے مضامین میں نہایت مفکرانہ اور مدلل انداز سے وضاحت فرماتے ہیں۔

"ڈاکٹر عصمت جاوید نے بالکل صحیح کہا ہے کہ :

"مراٹھی اور اردو ادب کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور اہلِ اردو کو مراٹھی کے ادب پاروں [illegible]

بوقلموں تاریخ اور تہذیبی سرگرمیوں سے روشناس کرانے کے لئے اردو کو خاور صاحب ہی جیسے ادیبوں کی ضرورت ہے۔ وہ اس کام کے لئے انتہائی موزوں ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان میں یہ کام کرنے لگن بھی ہے، حوصلہ بھی اور صلاحیت بھی۔۔۔۔"

("مہاراشٹر کی تہذیبی قدریں")

خاور صاحب ایک بہت سلجھے ہوئے باشعور شاعر اور نثر نگار ہیں، نہایت اچھے غزل گو ہیں۔ ان کے یہاں غزلوں میں تنوع ہے۔ ان کی بیشتر غزلیں لطیف جذبات اور نازک احساسات کی آئینہ دار ہیں۔ موضوعات کی گوناگونی اور رنگارنگی کا خوب صورت مرقع ہیں۔ ان میں کسک، درد اور ٹیس ہے۔ ذوق کی پاکیزگی، حسیات کی شائستگی، مختلف اندازِ نظر اور جداگانہ اسلوب نے ان کی غزلوں میں انفرادیت پیدا کر دیتی ہے۔ جو انھیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ وہ ایک ایسے شاعر ہیں کہ جن کے کلام میں کہیں بھی عامیانہ پن دکھائی نہیں دیتا نہ ان کی شاعری ابہام پر مبنی ہے۔ کلام میں کئی جگہ ندرت اور صداقت اور صداقت کا امتزاج ملتا ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

لے کے مٹی کا بدن پار اترتا ہوگا
دشت کے بعد سمندر سے گذرنا ہوگا
•
کرتا خدائے پاک میں تجھ سے کلام کیا
طوفان میرے گرد اذان و گجر کا تھا
•
جنگل کی آگ نے تو اک نخل بھی نہ چھوڑا
خوابوں کا آشیاں ہم کس شاخ پر سجائیں
•
یہ دستکوں پہ دستک دیتی ہوئی ہوائیں
دروازہ بند پاکر واپس نہ لوٹ جائیں
•

نظر جب سے لوگوں کو آنے لگا ہوں
میں اپنی نگاہوں سے خود ہی نہاں ہوں
•
گھر سے نکلے تھے کہ انسان کوئی مل جائے
ہم کو سب لوگ نظر آئے خداؤں جیسے
•

خاور صاحب دہلی میں بھی دو برس رہ چکے ہیں۔ اس وقت دہلی کا ماحول بھی ایک عجیب دلکش ماحول تھا۔ ان کی شخصیت اور شاعری کے خد و خال اس ادبی ماحول میں متعین ہوئے۔

طرزِ فکر ادبی تخلیق کی بنیادی شرط ہے۔ احساس و تاثر کی شدت ان کے کلام میں جا بجا نظر آتی ہے۔ ہر شعر پر ان کے حسنِ تخیل اور حسنِ تخلیق کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیے: ؎

خود کو حیرت سے تک رہا ہوں میں
آئینوں میں گھرا ہوا ہوں میں
یہ جہاں کیا مٹائے گا مجھ کو
اس کی تقدیر کا لکھا ہوں میں
ختم ہے مجھ پہ روشنی کا سفر
راہ کا آخری دیا ہوں میں
•
ہائے وہ یادِ رفتگاں جس نے
ساتھ چھوڑا نہ عمر بھر میرا
•

انھوں نے منظریہ شاعری میں مشاہدات اور جزئیات کی جو جھلکیاں پیش کی ہیں وہ بھی خوب ہیں۔ مناظرِ قدرت کی حسین عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ؎

چاند جب جھیل کے اندر اتر آیا
دیپ سے جلنے لگے پانی میں
•
کیا نور پاش ہو تم کیا عطر بار ہو تم
کوکن کی اے فضاؤ کوکن کی اے ہواؤ
•

چال ندی کی طرح بال گھٹاؤں جیسے
اس کے انداز ہیں ساون کی فضاؤں جیسے

خاور صاحب ایک عہد آفریں شاعر ہیں۔ ان کے اشعار میں انسانی جذبات و احساسات کے ساتھ سیاسی و سماجی تصاویر کی جھلک ان کو ایک آفاقی مرتبہ عطا کرتی ہے۔ ان کے کلام میں اجنبی، مہمل، غیر مربوط اور غیر مانوس الفاظ کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ ان کے کلام میں ایک انفرادیت پائی جاتی ہے۔ زندگی کے تلخ حقائق کو جس خوبی سے پیش کرتے ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ان کے گیت بھی بظاہر ہلکے پھلکے اور سادہ سے لگتے ہیں۔ مگر لطافت، شگفتگی، گہرے انسانی شعور اور نفسیاتی بصیرت کے باعث بلاشبہ شہ پارے کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان کے کلام میں بلا کی روانی ہے "سات سمندر" پڑھنے کے بعد مجھے ایسا لگا کہ "سات سمندر" کا شاعر ایک ہی جست میں سات سمندر پھلانگ گیا ہے --- اردو کے مقبول شاعر ہیں لیکن بقول "ڈاکٹر انجم" جدید غزل میں ابھی تک وہ مقام نہیں ملا جس کے وہ مستحق ہیں

دعا گو ہوں کہ خاور صاحب آسمانِ ادب پر پوری آب و تاب سے چمکیں --- اور چمکتے رہیں --- آمین

خواجہ احمد عباس

نئی عورت

ہندوستان میں عورت کا تخیل نہایت شاعرانہ رہا ہے۔ عورت کو ہندوستانی شاعروں نے ساری خوبیوں کا مرکز بتایا ہے۔

مادرِ محبت کا سرچشمہ ، نزاکت کا مجسمہ ، شفقت اور نرمی ، حسن اور عشق ـــ

یہ سب عورت بن تھا اور عورت ان سب میں تھی۔ غرض عورت کو "بُت" کی حیثیت سے ہندوستانی شاعروں نے ایک اونچی جگہ دی تھی۔ جہاں اس کی پوجا کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ وہ سیتا تھی ، وہ ساوتری تھی ، وہ پدمنی تھی ، وہ ممتاز محل تھی ، وہ لیلیٰ تھی ، وہ شیریں تھی ،

پھر عورت اس پوجا سے اکتا گئی ، تو وہ اس بلندی سے نیچے اتر آئی ، وہ کہنے لگی کہ مجھے مرد کی برابری کا درجہ چاہئے۔ میں ہر وہ کام کروں گی جو مرد کرتے ہیں۔

پھر وہ سروجنی نائیڈو بن گئی۔
پھر وہ کستوربا گاندھی بن گئی۔
پھر وہ سیاست کے میدان میں ارونا آصف بن گئی۔
پھر وہ دہشت پسندوں کی صفوں میں کلپنا بن گئی۔
کمیونسٹ تحریک میں وہ اہلیا رانگنیکر بن گئی۔
نکسلائٹ تحریک میں وہ مولیناڈک بن گئی۔
پھر وہ قومی سیاست دانوں میں اندرا گاندھی بن گئی۔
لٹریچر میں وہ عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر بن گئی۔

اس نے ہر قومی ، سماجی ، سیاسی اور سوشل کاموں میں حصہ لیا اور ہر جگہ اپنا نام پیدا کیا۔ پھر وہ بیرسٹر اور وکیل بن کر عدالتوں میں چمکی، پھر وہ بنکوں کے کاؤنٹر پر بڑے بڑے رجسٹروں کے پیچھے نظر آئی۔

آفسوں، فیکٹریوں میں بکھر گئی ـ پھر اسے آسمان یاد آیا اور وہ پائلٹ بن کر فضاؤں میں اڑنے لگی۔

زندگی کی ہر دوڑ میں اگر مرد سے آگے نہیں تو اس کے برابر تو آ ہی گئی ـــــ اب عورت کو دیکھ کر لوگ نہ آہیں بھرتے ہیں نہ سیٹیاں بجاتے ہیں، نہ آوازیں کستے ہیں، نہ اس کی طرف دیکھ کر آنکھ مارتے ہیں۔ سیکڑوں لڑکیاں کراٹے اور جوڈو سیکھ رہی ہیں۔ اگر ضرورت پڑے تو غنڈوں کو بھی سیدھا کر سکتی ہیں..... عورتیں پولیس میں بھی ہو گئی ہیں۔

یہی عورتیں فوجی رائفلیں چلا رہی ہیں، پریڈ کر رہی ہیں۔ ہوائی جہازوں سے پیراشوٹ کے ذریعہ کود رہی ہیں۔

شاعروں نے معشوقہ کو ہمیشہ "ظالم" بتایا جو نگاہوں کے تیر سے اپنے عاشق کے دل کو گھائل کرتی تھی لیکن اب وہ شاعری والی ظالم حسینہ "چور" بن گئی ہے، مگر وہ دل نہیں چراتی، چوری کرتی ہے، پاکٹ مارتی ہے ، گلے کے ہار چراتی ہے۔ مردوں کی جیبیں کاٹتی ہے۔ اگر کسی مرد نے "چورنی" کو پکڑ لیا تو ہائے واویلا مچاتی ہے۔ اس موئے کو دیکھو اکیلی دیکھ کر میرا ہاتھ پکڑتا ہے۔ ..... غصے، غم،

صفحۂ خواتین کی پیشکش محترمہ نورجہاں بیگم محمود چوگلے کی رہینِ منت ہے خدا انھیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

جلن اور حسد میں پاگل ہو کر اپنے حریف کو ختم کر دیتی ہے۔
مگر بڑی تعداد ان کی ہوتی ہے جو وہم اور شک کا شکار ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں جہالت تو بہت ہے۔ خصوصاً گاؤں کی عورتیں کسی کے بہکاوے میں آسانی سے آجاتی ہیں۔ کوئی سادھو، کوئی فقیر بن کر آتا ہے، عورتوں سے اپنی پرستش کرواتا ہے۔ اور ان سے بھیانک جرم بھی کراتا ہے۔

چھری خربوزے پر گرے
یا خربوزہ چھری پر گرے
کٹتا خربوزہ ہی ہے۔

نقصان ہمارے سماج ہی کا ہوتا ہے۔
نقصان ہماری عورتوں کے کیرکٹر ہی کا ہوتا ہے۔۔۔
جن کے دلوں اور دماغوں میں اچھے کام کرنے کے بجائے جرم اور تشدد کی ترغیبیں پل رہی ہیں — اور ہندوستانی عورت آزاد ہو کر بھی رنگین پرچھائیوں کے پیچھے بھاگ رہی ہے، یہ نہیں دیکھتی کہ چالاک لوگ اس کے پیروں میں ایرادھ کی بیڑیاں پہنا رہے ہیں۔ جو سونے اور چاندی کی بنی ہوئی ہونے پر بھی بیڑیاں ہی ہیں۔
(بشکریہ قومی آواز)

تُو

رُوپ تیرے دو ہیں اور دونوں مکمل کس قدر
سخت جان چٹان بھی ہے نرم پانی بھی ہے تو
پھول کی پتّی بھی ہے فولاد کی شمشیر بھی
تو اگر لیلیٰ ہے تو جھانسی کی رانی بھی ہے تو

عورت

حسرت جےپوری

حوّا کی قسم زینتِ گھر بار ہے عورت
زہراؑ بھی ہے مریم بھی ہے وہ پیار ہے عورت

ماتا بھی ہے بہنا بھی ہے بیوی بھی ہے دیکھو
ہر رنگ میں ہر روپ میں غمخوار ہے عورت

اُمّید کے دامن کو وہ بھرتی ہے گلوں سے
مردوں کیلئے پیار کا گلزار ہے عورت

اوتار و پیمبر کو جنم جس نے دیا ہے
اللہ کی رحمت کا وہ شہکار ہے عورت

یہ شرم و حیا کیا، ارے زیور ہیں اُسی کے
شوہر سے محبت کی طلبگار ہے عورت

عورت نہیں ہوتی تو جہاں کچھ نہیں ہوتا
دل جس پہ نچھاور ہے وہ دلدار ہے عورت

عورت کے مراتب بھی کوئی کم تو نہیں ہیں
دنیائے محبت کی علم بردار ہے عورت

عورت کے بنا گھر ہے جہنّم کا نمونہ
خوشیوں سے بھرا پیار کا سنسار ہے عورت

افسانہ

چندن کی آگ

انجم عباسی

وہ ابھی کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ فرم کے جنرل منیجر نے اُسے اپنے چیمبر میں بُلایا۔ "ہاں مسٹر اُمیش! بہت دنوں سے کام کی زیادتی کا آپ کو شکوہ تھا۔"

"نو سر! ویسے کوئی بات نہیں۔ کام حقیقت میں بڑھ گیا ہے۔ مگر شکایت ویسے کبھی......"

"خیر کوئی بات نہیں۔ کام بڑھ جائے تو اس کا ذکر کرنا ہی چاہئے۔ لیجئے آپ کی پریشانیوں کا خیال کر کے آپ کے تعاون کے لئے ایک اسٹینو گرافر کا تقرر کیا گیا ہے۔ وِش از گڈ نیوز فار یو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اُس کے کام کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں گے۔"

جنرل منیجر کے ان جملوں میں خلوص ہے، طنز ہے یا صرف روایتی انداز ہے، وہ کچھ سمجھ نہ سکا۔ لیکن منیجر نے اپنی پوری بتیسی کھول کر ہوا میں ایک قہقہہ اُچھالا تو وہ اپنے آپ کو سمیٹنے لگا۔ "تھینک یو سر، تھینک یو" ان لفظوں کے سوا وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

دوسرے ہی دن بیس بائیس سال کی خوب صورت، اونچے قد کی متناسب قامت کی ایک اسٹینو گرافر اس کے ٹیبل کے پاس رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر ڈاک کی درجہ بندی کر رہی تھی۔ وہ اندر داخل ہو گیا تو وہ ادب سے کھڑی ہو گئی۔ "گڈ مارننگ سر" ایک نقرئی آواز فضا میں گونجی، "میں ششی کلا جوشی ہوں"۔ اس کی آواز بڑی میٹھی اور دلنواز تھی۔ اس کے گلابی ہونٹ، گلابی رخسار شعلے بن رہے تھے۔ آنکھوں کی جھیلوں میں ایک بجلی تھی۔ اُسے ایسا لگا کہ وہ تیز تیز شعلوں میں گھر گیا ہے۔ حسن کی دلفریبیوں کے قصے تو اس نے سنے تھے مگر کسی حُسن سے وہ کبھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ ششی کلا کے حُسن سے البتہ وہ دامن بچا نہ سکا۔ دن میں جتنے گھنٹے وہ اس کے سامنے رہتی وہ محسوس کرتا رہا کہ وہ جیسے اس کے رگ و پے میں سما رہی ہو۔ رات آتی تو وہ بھی اس کے تصور اور اس کے حُسن میں ڈوب جاتی۔

وہ عشق کو دماغ کا خلل سمجھتا رہا تھا اور نہ جانے کئی بار وہ ان دوستوں کو اپنے مذاق کا نشانہ بناتا رہا تھا جو کسی کے عشق میں گرفتار ہو کر اس کے سامنے اپنا حال بیان کرتے رہتے تھے۔ مگر اب اسے شدت سے احساس ہوتا جا رہا تھا کہ جس دل پہ اسے اختیار تھا اس پر اب اس کا اختیار نہیں ہے۔ ہر چند وہ ششی کلا سے صرف دفتری زبان استعمال کرتا تھا مگر اس کا دل اس سے گھنٹوں باتیں کرتا رہتا۔

ششی کلا کو بھی یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اُمیش اس کے حُسن سے کافی متاثر ہو گیا ہے۔ وہ خود بھی اُمیش کی مردانہ وجاہت پر ریجھ گئی تھی۔ مگر اسے اپنے آپ پر قابو رکھنا آتا تھا۔ اس لئے وہ کسی ایسی ویسی حرکت کو سرزد ہونے نہیں دیتی تھی جو اس کے دل کی گہرائیوں کا پتہ دیتی۔ وہ جب بھی اُمیش کے سامنے رہتی محتاط انداز

بیٹھی اپنے کاموں میں مگن رہتی۔ امیش کی حرکتوں اس کی
بے تابیوں کو محسوس کرتے ہوئے بھی وہ جان بوجھ کر بے خبر
رہنے کا ڈھونگ... رچا لیتی۔ لیکن یہ سب کچھ کب تک چلتا؟
آخر ایک روز امیش ہمت کر کے ششی کلا سے بول اٹھا:
"مس جوشی! آپ کیا آفس کینٹین میں ہی کھاتی ہیں نا؟ یا کہیں
اور باہر جاتی ہیں؟"
"نہیں تو، ہم سب سہیلیاں آفس کینٹین میں ہی کھانا
کھاتی ہیں۔ کہیں باہر جانے کا خیال دل میں کبھی نہیں آتا۔
آئے بھی تو اس سے کیا فائدہ؟ باہر کے ہوٹلوں کے مہنگے
کھانے ہماری برداشت سے باہر ہیں۔ دوسرے میری سب
سہیلیاں آفس کینٹین میں ہی کھانا کھاتی ہیں۔ میں اکیلی
کہاں جاؤں؟"
"ہاں ہاں! یہ تو درست ہے۔" تھوڑی دیر کے بعد
ہچکچاتے ہوئے امیش نے جملہ داغا: "مجھے یہاں اکیلے
کھانا کھانا اچھا نہیں لگتا۔ آپ میرے ساتھ آئیں گی؟"
اور ششی کلا چاہتے ہوئے انکار نہ کر سکی۔ وہ دکھاوے
کے لئے دو تین کاغذات لئے ٹائپ کرنے بیٹھی اور امیش
کے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد اس کے پیچھے ہولی۔ امیش
کے لہجے میں اپنائیت تھی۔ جو محبت تھی وہ بوند بوند بن کر
اس کی رگوں میں اترتی جا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ
چلتی رہی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک عالی شان ہوٹل
کے فیملی روم میں داخل ہوئے۔ "آفس کے سامنے کتنی ساری
ہوٹلیں ہیں۔ اتنی دور آنے کی ضرورت کیا ہے؟"
"وہاں پر ہر وقت رش رہتا ہے۔"
"اس سے کیا بگڑتا ہے؟"
"مجھے رش سے نفرت ہے۔"
"لیکن آپ تو ہمیشہ وہیں کسی ہوٹل میں لنچ لیتے ہیں۔"
"اس وقت میں اکیلا رہتا ہوں۔"
"آج میں ساتھ رہی تو کیا فرق رہا؟"
"وہاں اپنے آفس کے اکثر افیسر آتے ہیں۔"
"تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟"
"مگر اکثر افیسر بیوقوف ہوتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ بناتے ہیں۔"
"مجھے ایسی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جب ہمارا دامن
صاف ہے تو لوگ سینکڑوں افسانے بنالیں ہمیں اس سے کیا؟"
امیش دیر تک ششی کلا کی طرف دیکھتا رہا۔ ششی کلا
بھی اس کی نظروں سے نظر ملائے بیٹھی رہی۔ پھر امیش نے
اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور اس کے رخساروں کی شراب
پیتا رہا۔ ششی کلا قدرے لجائی، کانپی۔ مگر پھر اس نے
سمندر کے گہرے پانیوں پر تھپیڑے کھاتی ہوئی کشتی کی طرح
اپنے آپ کو اس کی آغوش میں ڈال دیا۔ اس کی رگ رگ میں
ایک لاوا ابل رہا تھا اور وہ کسی جوالا مکھی کی طرح پھٹ پڑنا
چاہتی تھی۔ وہ امیش کے سینے سے لپٹنا اور اس میں سما جانا
چاہتی تھی۔ اس نے اپنے جذبات کو ایک عرصہ تک قابو
میں رکھا تھا۔ امیش جیسے نوجوان کی صحبت میں رہتے رہتے
اس کی حالت ایک رستے بند کی سی تھی۔ مگر آج وہ بند ٹوٹ گیا
تھا۔ پانی پھوٹ پڑا تھا۔
تقریباً ایک گھنٹے بعد جب وہ ہوٹل سے نکلے تو
اس کے گالوں پر سرخ سرخ غازہ چڑھا تھا۔ اور چہرہ
شاداب کنول سا لگ رہا تھا۔ اب دونوں کا معمول سا
بن گیا تھا۔ دونوں لنچ ٹائم میں ساتھ ساتھ کھانا کھاتے،
دیر تک خوش گپیوں میں مشغول رہتے اور فرصت کے
دنوں میں ساتھ ساتھ گھومتے رہتے۔
ایک اتوار کو وہ دونوں ایلیفنٹا غار کے رومانی ماحول
میں تفریح کا لطف اٹھا رہے تھے کہ امیش قدرے —

سنجیدہ ہو کر بولا "ڈیر ششی! میں چاہتا ہوں کہ اب ہم ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو جائیں، تاکہ ہمارے گرد کوئی بدنامی اپنے گھیرے نہ بنا سکے۔"

ششی کلا کو لگا کہ دیوار پہ بنی مورتیاں اس کی اور امیش کی ہیں۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ کاغذ کی طرح چپاں ہیں اور جنھیں صدیوں کے زنگار سے بھی جھلسا ڈالنے میں ناکام رہے ہوں۔

"میرے پریتم! مجھے اس میں کوئی تامل نہیں، البتہ ایک بات کا خلاصہ ضروری سمجھتی ہوں۔ ششی کلا جوشی میرا، سسرال کا نام ہے......؟

"کیا تم شادی شدہ ہو؟" امیش کا ہاتھ جیسے برقی تار سے ٹکرایا۔

"کبھی تو آپ کو یہ سب کچھ بتانا تھا اس لیے آج ہی یہ سب کچھ بتا رہی ہوں۔"

"کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے تو یقین نہیں آرہا ہے؟"

"آج آپ کو یقین نہیں آرہا ہے مگر کل یہ چھوٹی سی بات کوئی گھر دراڑ بنا ڈالے اور تباہی کو دعوت دے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ایک یتیم لڑکی تھی۔ میرے ماموں میری پرورش کر رہے تھے۔ میں ان پر بار تھی، میں کیسے بیاہی جاؤں یہ انھیں دن رات کی فکر لگی رہتی۔ ویسے انھوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا بلکہ ان کے ساتھ دھوکا ہوا، جس گھر میں بیاہی گئی اس گھر کے لوگوں کو بہو کی سخت ضرورت تھی۔ حالات سے میرے ماموں بے خبر تھے، جس شخص کے ساتھ میری شادی ہوئی اسے کینسر تھا اور وہ صرف چھ ماہ کا ہی مہمان تھا۔ اسے بھی معلوم تھا کہ وہ کتنے دن زندہ رہنے والا تھا۔"

"تو پھر تم سے اس کے تعلقات ضرور رہے ہوں گے؟"

"اس کے گھر والوں نے شادی تو اسی مقصد سے کرا دی تھی کہ مجھ سے کوئی اولاد پیدا ہو۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں آئی۔ ہوا یہ کہ شادی کے دن ہی اسے غش آگیا۔ فوراً ڈاکٹر لایا گیا۔ میں نئی نویلی دلہن تو تھی مگر جس کے ساتھ رشتہ بندھ جائے تو اس کی جان اور اس کی عزت کے لئے عورت سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ اس لئے میں نے پہلے ہی دن اپنی لاج شرم دور رکھ کر اس کی تیمارداری کرنی چاہی۔ مگر مجھے میری ساس نے یہ کہہ کر دور رکھا: اتنی جلدی کیا ہے؟ تمھارے سر سے ابھی سہرا بھی نہیں اترا ہے۔ اس وقت خدمت کے لئے تو ہم لوگ ہی کافی ہیں۔"

میں اپنا دل مسوس کر رہ گئی ـــــ متواتر ایک ہفتہ تشویشناک حالات رہے۔ میری سسرال میں دور دور سے رشتہ دار آئے تھے۔ ان میں ایک بڑھیا بھی تھی جو میرے قریب آئی، مجھ سے ہمدردی جتانے لگی......"

"واقعی سب کو تم سے ہمدردی رہی ہوگی۔" امیش نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"اس بڑھیا نے پھر سارے حالات بتائے۔ دراصل اس کی بیٹی اس گھر میں بیاہی جانے والی تھی۔ جو اس اکلوتے لڑکے کی بیوی بن کر دھن دولت میں نہاتی۔ مگر جیسے ہی اسے پتہ چلا کہ لڑکے کو کینسر ہو گیا ہے تو اس نے انکار کر دیا۔ اس بڑھیا کو میری قسمت پر رونا آگیا۔ ساری دنیا میری نظروں میں تاریک ہو گئی۔ کچھ سوجھ نہیں رہا تھا۔ شادی کی رسمیں تو پوری ہو چکی تھیں۔ دنیا والوں کی نظر میں میں تو شادی شدہ تھی۔ ایک وزنی منگل سوتر میرے گلے میں پڑا تھا۔ مگر مجھے پل پل محسوس ہو رہا تھا کہ میرے گلے میں ایک بڑا سانپ پڑا ہوا ہے۔"

ششی کلا کی آنکھیں بھر آئیں۔ امیش نے اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔ ششی کلا کی رگوں میں ایک ٹھنڈک اتر گئی۔ اس نے امیش کے ہاتھ اپنی آنکھوں پر ہی دبائے رکھے۔ مگر

ایش نے آہستہ سے اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑا لئے۔

اس کے بعد کئی دنوں تک ایش اور ششی کلا الگ الگ رہے۔ ایک ہی آفس میں کام کرتے ہوئے بھی ایک ناقابل برداشت دوری کا احساس ششی کلا کو بار بار ہو رہا تھا۔ ایش اب اس سے بہت ہی محدود الفاظ میں اور صرف شدید ضرورت پر ہی بات کرتا۔ اور الفاظ میں نہ ہی وہ ہمدردی تھی اور نہ ہی وہ محبت۔ بس صرف آفیشل الفاظ تھے جو ایش کی زبان سے نکلتے تھے اور ششی کلا کے دل کو چیر کر رکھ دیتے تھے۔ آخر ایک روز آفس سے نکلتے وقت ششی کلا نے اس سے اس رویہ کے متعلق شکایت کر ڈالی۔

"ششی کلا! تم مجھے غلط نہ سمجھو۔ تم بیوہ ہو گئی ہو۔ اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں۔ مجھے اس سلسلہ میں تم سے ہمدردی ہے۔ ایک بیوہ سے شادی کرنا بھی میں کوئی گناہ یا نامناسب بات نہیں سمجھتا۔ لیکن جس کے ساتھ اپنی زندگی گزرے گی وہ پہلے ہی کسی کی بیوی رہ چکی ہے اور اس کی خلوت سے اسے لطف حاصل ہو چکا ہے یہ احساس مجھے کھائے جا رہا ہے۔"

"اگر آپ کو یہ شک ہے کہ وہ میری آغوش کی گرمی سے لطف اندوز ہو چکا ہے تو آپ جو بات کہئے میں کرنے کو تیار ہوں۔ شادی کے پہلے ہی روز مجھے اس کی بیماری کا پتہ چلا۔ اس سے آخر دم تک میں نے اسے قریب نہیں آنے دیا۔"

"لیکن جس مقصد کے لئے وہ تمہیں اپنی بیوی بنا کر لایا، اور پھر تم چھ ماہ اس کی صحبت میں رہیں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ تمہاری دوشیزگی سلامت رہی ہوگی۔"

"دراصل اسے بھی احساس تھا کہ وہ میرا جیون ساتھی نہیں بن سکتا، اس لئے اس نے نہ ہی کبھی میری مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھایا اور نہ کبھی جنسی اختلاط کے لئے مجھے مجبور کیا۔ وہ آخر دم تک میرے الفاظ اور میری مرضی کا پاس رکھتا رہا۔"

"ٹھیک ہے، اگر تمھاری جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو وہ بھی یہی کہتی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو میری باتوں پر کوئی بھروسہ نہیں۔"

"ایسا نہیں، اگر میری جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو وہ بھی انھیں شکوک کا شکار رہتا۔"

"آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں نا؟"

"ہاں یہ سچ ہے کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں اور بے حد پیار کرتا ہوں مگر تم سے شادی کا خیال اب کچھ عجیب سا لگتا ہے بلکہ اس خیال سے ہی تکلیف ہو رہی ہے۔"

"اتنا سب کچھ بتانے پر بھی تعجب ہے آپ کو میری باتوں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ ڈاکٹری سرٹیفکیٹ لاکر دکھاؤں آپ کو؟"

"بس وہی ایک راستہ ہے۔ ویسے مجھے خود یہ راستہ معیوب سا لگتا ہے۔ مگر ششی کلا اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔"

ایش کے جملے پورے ہونے سے قبل ہی ششی کلا شیرنی کی طرح بپھر کر بولی: مسٹر ایش! جتنی گہرائیوں سے میں آپ کو چاہتی رہی ہوں اتنی ہی سختی سے اپنے دل پر بھی قابو رکھ سکتی ہوں۔ آپ اگر میرے قدموں پر دنیا بھر کی آسائشیں بھی لاکر بچھا دیں تب بھی اب میں یہ راستہ نہیں اپناؤں گی۔ جس آدمی سے میں نے آخر تک نفرت کی اس نے جملہ حقوق حاصل ہونے پر بھی میری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا مگر جس پر میں نے اپنی محبت کی بارش کی اس کو میرے لفظوں پر کوئی اعتماد نہیں۔ یہ میری بدنصیبی ہے۔ گھر کے لوگوں کے دباؤ سے اس نے میرے ساتھ شادی کی ہوگی۔ مگر اس نے ہمیشہ میری باتوں کا پاس رکھا۔ وہ مر چکا ہے مگر وہ آپ سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ اور اب مجھے سخت افسوس ہے کہ رات دن آپ پر اپنا دل و جان قربان کر دینے کے مقابلے میں اس کے آخری لمحے میں اگر میں نے ایک بار بھی اسے محبت سے دیکھا ہوتا تو اس ایک لمحے میں میری زندگی سرخرو ہو چکی ہوتی۔ اب میں کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گی۔ استعفیٰ دیتے وقت بھی سامنے نہیں آؤں گی۔ ہاں میں کنواری تھی، اب بھی کنواری ہوں۔ مگر آپ جیسے آدمی سے شادی کرنے کے مقابلہ میں کنواری رہنا ہی اب میں بہتر سمجھوں گی۔ ہاں میں کنواری رہوں گی اور شاید زندگی کے آخری لمحے تک۔!!

واحد محسن

اپاہج لمحے

وقت کے لمحے اپاہج
جس طرح
"آدمی حالات سے مجبور ہے"
زندگی اپنی تھکن سے چور ہے
اُف کہ یہ ہمت شکن
لمبا سفر
آج بھی ہم گامزن ہیں راہ پر
ہم نے کاٹے ہیں مصائب کے پہاڑ
وقت کے فرہاد ہم
تیشہ اٹھائے
ہیں پریشاں اپنی شیریں کے لئے
کھو گئے ہیں راہ میں ہم دوستو
کتنی صدیاں کھو گئی ہیں
راہ میں
کتنے موسم رنگ بے رنگ ہو گئے
شہر دل کے سارے ارماں کھو گئے
اور وہ جو وقت کا
پیغامبر
نہ تو عیسیٰ ہے نہ وہ منصور ہے
آپ اپنی ذات میں محصور ہے

عبدالاحد ساز

نئے برس کے دیپ کی لو

ایک دھماکہ سا جاگا، کچھ روشنیاں سی پھوٹیں
سمٹی بکھری راکھ میں اک چنگاری چمکی
نئے برس کے دیپ کی سہمی سہمی لو
کانپتی ڈرتی اک پل جیسے ٹھہر گئی ہے۔

دیپ کی ٹھہری لو کو آنکھ کے سامنے رکھ کر
اپنے من میں سادھ لو ست رنگی آشائیں
کھوئے سپنوں کی خوشبو نینوں میں بسا لو
بیتی باتوں کی پھلجھڑیوں میں مسکا لو:

(بچھڑے ساتھی، بسری سنگت،
پھیلے آنگن، ہنستے رستے،
رنگین صبحیں، غمگین شامیں، دھیما دھیما سمے کا گیت،
البیلی رُت، اُڑتے آنچل،
کچّی خوشبو، سچّے رنگ،
سادہ چہرے، چنچل آنکھیں، مسکاتے لب
جانے پہچانے جذبے، مانوس خیال،
روشن خوشیاں، اُجلے درد!)

اس لمحے میں اس لمحے کے لئے سبھی کچھ مل سکتا ہے
نئے برس کے دیپ کی ٹھہری لو پر سے نظریں نہ ہٹاؤ،
سب کچھ پالو،
—— اس سے پہلے کہ یہ ادبھت جادو ٹوٹے
دیپ کی لو کانپے تھرّائے
اور اس پل کی روشنی کو
جیون کا اندھیارا سنّاٹا کھا جائے

سوال آپ کے جواب ہمارے

مسٹر تابڑ توڑ

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر مہذب اور غیر شائستہ نہ ہوں۔
★ جوابات کے لئے مناسب جگہ چھوڑی جائے۔

★ ابراہیم عبداللہ پرکار — منامہ بحرین

سوال:۔ کوکن مسلم ویلفیر ایسوسی ایشن کب بحرین میں قائم ہوئی؟

ج:۔ یہ آپ کو مسلم برادران مقیمان بمبئی ہم سے بہتر جانتے ہوں گے۔

سوال:۔ مہاراشٹر میں کوکن مرکنٹائل بنک کی کتنی شاخیں قائم ہوئی ہیں۔؟

ج:۔ شہر بمبئی میں تین، اسی طرح ضلع رائے گڈھ (شری وردھن) اور ضلع رتناگری میں (رتناگری اور چپلون)۔ اس طرح کل چھ شاخیں ہیں جو سبھی مہاراشٹر ہی میں ہیں۔

★ اکبر علی سلیمان بندرکر — پارک سائٹ وکھرولی بمبئی

سوال:۔ دل بڑا دلدار کا ۔ سر بڑا سردار کا ۔ پیر بڑا گنوار کا۔ کام بڑا سرکار کا تو نام بڑا کس کا؟

ج:۔ اسٹار کا ۔ اب وہ فلم اسٹار ہو چاہے کرکٹ اسٹار

سوال:۔ دو پریمی چھپ چھپا کر پیار کرتے ہیں۔ وہ کھلے عام پیار کیوں نہیں کرتے؟

ج:۔ کھلے عام پیار کرنے لگیں تو انسان اور حیوان میں فرق کیا رہ جائے گا۔

سوال:۔ نیتا اور ابھی نیتا میں کیا فرق ہے؟

ج:۔ زمانہ کا ۔ نیتا (لیڈر ۔ رہنما) بننے میں کئی سال لگ جاتے ہیں اور ابھی نیتا (اداکار) تو ابھی ابھی آیا اور نام کر گیا۔

★ عبداللہ خان مہاڈیک — ساکھر ولی کھیڈ

سوال:۔ دنیا میں سب سے اچھا کرکٹ کھلاڑی کون ہے؟

ج:۔ یہ بتانا اس لئے مشکل ہے کہ کرکٹ کے تین شعبے ہیں: فیلڈنگ، بیٹنگ اور بالنگ۔ اور تینوں میں مہارت حاصل کرنے والا کوئی ایک کھلاڑی نظر میں نہیں ہے۔ ہاں بیٹنگ میں سنیل گاوسکر۔ جاوید میاں داد، ویون رچرڈ وغیرہ تو بالنگ میں کپل دیو، عمران خان، مالکم مارشل، ڈینس للی۔ تو وکیٹ کیپنگ میں سید کرمانی، ایلن ناٹ، وسیم باری وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ جو اپنے اپنے شعبہ میں ماہر ہیں۔

سوال:۔ حضرت موسیٰؑ نے کون سے دریا پر اپنا عصا مارا تھا؟

ج:۔ دریائے نیل پر۔

★ چاند علی قاضی — سونڈل راجاپور

سوال:۔ صنعتی انقلاب سب سے پہلے کس ملک میں آیا؟

ج:۔ فرانس میں۔

سوال:۔ میت کو دفن کرنے کا طریقہ انسان نے کس سے سیکھا؟

ج:۔ کوّے سے۔ مگر اس کے پیچھے مشیت ایزدی کا رمز تھا۔

★ **انور علی شیخ حسن مقدم** ممبرا، تھانہ

سوال: شادی کیلئے آپ پھولوں کی سیج پسند کریں گے یا کانٹوں کا بچھونا۔

ج: یہ ایک مقدس بندھن ہے۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ اسے کانٹوں کا بچھونا بنائیں یا پھولوں کی سیج

سوال: عشق اور پیار میں کیا فرق ہے؟

ج: جنون کی حد تک چاہنے کو عشق کہتے ہیں۔ اور عاشق اور معشوق کے درمیان رابطہ کا یہ ایک کڑی ہے۔ پیار تو ماں سے بھی ہوتا ہے۔ بھائی سے بھی، بہن سے بھی، دوست سے بھی۔ ایک چاہت ہے جس کے روپ نرالے ہیں۔

★ **جبین اسماعیل انتولے** چاندوڑہ ضلع رائے گڑھ

سوال: خواب کیا ہے؟

ج: لاشعوری خیالات

سوال: ہندوستان میں عورتیں زیادہ مشہور ہیں یا مرد؟

ج: ہندوستان کی شہرہ آفاق ہستیوں میں شریمتی اندرا گاندھی اور مسز وجے لکشمی پنڈت کے علاوہ اور بھی کچھ عورتیں ضرور ہیں۔ مگر ان کی تعداد مردوں کے مقابلے میں یقیناً کم ہے۔

★ **محمد علی آزم شیخ** دوبئی

سوال: دل سے نکلی ہوئی صدا کہاں تک جا سکتی ہے؟

ج: سدرۃ المنتہیٰ تک۔ علامہ اقبال نے کہا ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

سوال: موجودہ دور میں زندگی گزارنے کے لئے سب سے اہم چیز کیا ہے؟

ج: پیسہ! کسی شاعر نے کہا ہے:

اے زر تو خدا نہیں مگر خدا
ستار العیوب و قاضی الحاجاتی

★ **طالب قاسم سروے** مونس تعلقہ بھیونڈی

سوال: ماحول بدل جانے سے محبت کا جذبہ کیوں بدل جاتا ہے؟

ج: محبت ایسا غیر فانی اور بے قابو جذبہ ہے جو ماحول کی تبدیلی سے بدلا نہیں کرتا۔ آپ جسے محبت سمجھ بیٹھے ہیں وہ ہوس ہے۔ ہرجائی پن ہے۔

سوال: زندگی بوجھ کب بنتی ہے اور اسے کس طرح کم کیا جا سکتا ہے؟

ج: غیر منصوبہ بند طرز زندگی بوجھ کا باعث بن جاتی ہے۔ کفایت شعاری، خوش مزاجی، سلیقہ مندی اور منصوبہ بندی سے یہ بوجھ کم کیا جا سکتا ہے۔

★ **سیدہ عشرت جہاں جمیل احمد** متعلم انجمن خیر الاسلام ہائی اسکول چاندوڑہ تعلقہ مہاڈ ضلع رائے گڑھ

سوال: جب سے دنیا وجود میں آئی ہے انسان بھیڑیے کی طرح رہتا رہا ہے پھر اسے درندہ کیوں نہ کہا جائے؟

ج: کیا یہ سوال آپ بیتی پہ مبنی ہے؟ ہم تو انسان کو اشرف المخلوقات سمجھتے ہیں۔

سوال: فلمی گانے اور مکالمے اردو زبان کے ہوتے ہوئے بھی انھیں ہندی بتایا جاتا ہے۔ کیا فلم سازوں کو اردو لکھنے میں تکلیف ہوتی ہے؟

ج: اس سیاست کو وہی لوگ جانیں جو اس نائین میں ہیں۔

سوال: لیبیا کے صدر کرنل قذافی کی گرین بک کا مواد لیا ہے اور وہ کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟

ج: سردست اپنی اسٹڈی کی بک کے مواد کی طرف دھیان دو۔ علم حاصل کرو تو سب کچھ مل جائیگا۔

گوشِ بر آواز

کچھ قطر کے متعلق

نوٹ :- دسمبر ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں قطر پر ایک تعارفی مضمون شریکِ اشاعت ہوا ہے۔ جناب حسن اے چوگلے ہمارے پرانے قاری اور قلم کار ہیں۔ دو تین سال پہلے جب وہ قطر کو خیرباد کہہ کر وطن واپس آئے تو انھوں نے قطر کے تعارف میں ایک مضمون سپردِ قلم کیا تھا۔ اس کی اشاعت میں بڑی تاخیر ہوئی اور اس دوران قطر نے کافی ترقی کر لی۔ ظاہر ہے کہ جو باتیں انھوں نے اس وقت لکھی تھیں وہ اب غلط ثابت ہو رہی ہیں۔ پھر اتفاق یہ کہ جناب حسن عبدالکریم چوگلے جو اس وقت عماد الیکٹرک نامی ادارہ سے منسلک ہیں، قطر میں موجود ہیں ہم نام ہونے کی وجہ سے قارئین یہ محسوس کر رہے کہ چوگلے موصوف نے کیسی غلط معلومات فراہم کی ہیں۔ ہم جناب حسن عبدالکریم چوگلے کا خط تشکر و امتنان کے ساتھ شائع کرتے ہیں تاکہ غلط فہمی کا ازالہ ہو جائے۔ (ادارہ)

حسن عبدالکریم چوگلے عماد الیکٹرک پوسٹ بکس 5910
دوحہ قطر

مدیر محترم ـــ ہر دلعزیز ماہنامہ نقش کوکن کا دسمبر ۱۹۸۳ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ قطر سے متعلق تعارف پڑھ کر خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ خلیجی عرب ممالک کے سبھی ممالک سے ہمارا گہرا تعلق ماضی میں بھی رہا۔ اور اب بھی ہے۔ اسی سرزمین نے ہمارے نوجوانوں کو روزی کا ایک ایسا سنہرا موقع فراہم کیا ہے جس سے خصوصاً ہمارے ضلعے کی اور عموماً قوم و دیش کی ترقی میں کافی مل رہی ہے۔

یہ خط خصوصاً اس لئے لکھ رہا ہوں کہ لکھنے والے کا نام میرے نام سے مشابہت رکھتا ہے۔ معلوم نہیں یہ تعارف کس حسن چوگلے نے لکھا ہے۔ معلومات کچھ حد تک صحیح ہونے کے باوجود ادھوری اور نامکمل معلوم ہوتی ہے۔ سوچا اس کی تلافی کر دوں تاکہ لوگوں کو قطر کے حالات سمجھنے میں غلط فہمی نہ رہے۔

مندرجہ ذیل نکات تعارف کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

(۱) قطر کے ایک طرف جو خشکی کا حصہ ہے جس کا ایک حصہ سعودی عرب اور دوسرا ابوظبی کا بارڈر سے ملتا ہے۔

(۲) جس شہر کا نام دکھال بتایا گیا ہے وہ دکھال نہیں بلکہ دخان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(۳) اُم سعید اب کافی ترقی کر چکا ہے اور اب وہاں پر ہر قسم کی سہولیات دستیاب ہیں۔

(۴) قطر میں ایک یونیورسٹی تعمیر ہو چکی ہے جس کا نام قطر یونیورسٹی ہے۔

(۵) آبادی اوسطاً بڑھی نہیں مگر تعمیرات کافی ہو چکی ہیں اس لئے کرائے ۲۵ سے ۳۰ فیصد کم ہو چکے ہیں۔

(۶) اب حادثاتی موت کا معاوضہ ۔۔۔۔۳۰ ریال ہو چکا ہے

(۷) گذشتہ ۳/۴ سالوں سے قطر میں گلف ٹائمز کے نام سے ایک روزنامہ اخبار بھی جاری ہوا۔

(جاری)

(۸) حمد جنرل اسپتال کے نام سے ایک بہت ہی اہم اور جدید سازو سامان سے آراستہ اسپتال تعمیر ہو چکا ہے۔

(۹) چونکہ ملک میں تعمیری ترقی زوروں پر ہے لہٰذا ہر چیز کا کنٹرول اب بیرونی ملکوں سے (خصوصاً انگریزوں سے) مقامی لوگوں کے پاس منتقل ہوتا جا رہا ہے

(حسن عبدالکریم چوگلے)

محمد شریف ظفر انور دارالسلام افریقہ

ماہ اکتوبر کا جریدہ ملتے ہی حسب معمول پہلے نظر پڑی صفحہ اول اور آخری صفحہ پر جسے میں نقش کوکن کا باڈی پارٹ کہتا ہوں۔ اس باڈی پارٹ سے وقتاً فوقتاً مبارک کاپڑی صاحب خطۂ کوکن کی فلاح و بہبودی سے لے کر ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کے تعلق سے اپنی آواز قارئین تک پہنچاتے رہتے ہیں جو نہایت ضروری ہے۔ اور اس بار جس حق گوئی پر مبنی جو مضامین انھوں نے تحریر کئے ہیں وہ تو غیر معمولی اظہار مسرت کے قابل ہیں

بیرون ہند میں ہم بغیر کسی مذہبی و ملی امتیاز کے مل جل کر رہنے کے عادی ہندوستانی نسل کے لوگ ہمیشہ سے یہ یاد کئے ہوئے ہیں کہ وطنِ عزیز میں کبھی کبھی معمولی قومی جھگڑوں کے علاوہ سب کچھ خیریت ہے۔ مگر یہ بیان کر بہت افسوس ہوا کہ چوٹی کے لیڈر بھی بے بس اور کمزور اقلیت کے تئیں حقوق انسانی کی ناانصافیوں پر بے رخی برت رہے ہیں بلکہ الزام تراشی اور جانبداری کے جذبہ میں مغلوب ہیں لہٰذا ملک کی امن و سلامتی کے ان ضامن لیڈروں کی سکڑی ذہنیت ایسے مہذب طریقے سے جھنجھوڑی جانی چاہیئے ——— اب کی بار اگر مبارک کاپڑی صاحب سے متفق نہیں ہو رہا ہو تو شرنت شیوا جی مہاراج کی تصویر والی بات سے ہماری عاقبت کے متعلق دعا ما نگنا چاہیئے کیونکہ جو کچھ فلسفے میں

بھلا کیا جواز ——— (محمد شریف ظفر انور)

قاضی انصار کھنڈوہ

نقشِ کوکن کا آزادی نمبر میرے سامنے ہے۔ اس شمارے میں آپ نے جو محنت کی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ عرصے سے نقش کوکن کی تعریف سُن رہا تھا۔ جتنی تعریف سنی تھی اس سے کئی گنا بہتر پایا۔ (قاضی انصار)

معین ایم بھاگور ممبئی

دسمبر ۸۳ء کے نقش کوکن کے صفحہ ۳۷ پر مسٹر ناظر توڑا نے صالحہ عبدالرشید قاضی کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ کوکن کے پہلے بیرسٹر محمد امین آزاد تھے جو بعد میں پاکستان چلے گئے۔ جواب سے پتہ نہیں چلتا کہ آزاد صاحب کہاں کے باشندہ تھے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے پہلے بیرسٹر جناب دیشمکھ صاحب تھے جنھوں نے اپنا لقب دیشمکھ کی بجائے آزاد رکھا تھا وہ کاندھا نامی چھوٹی سی بستی کے باشندہ تھے۔ جو ناگوٹھنہ ضلع رائے گڑھ میں ہے۔ وہاں کی مسلم آبادی ۱۹۴۷ء کے فسادات میں ختم ہوگئی۔ آزاد صاحب پاکستان بننے سے قبل ہی انتقال کر گئے تھے۔ کرمنل کے بہت مشہور کونسل تھے سلہ

معین الدین بھاگور ممبئی

سلہ آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ اولین بیرسٹر جناب دیشمکھ المعروف آزاد تھے محمد امین آزاد صاحب جو پاکستان چلے گئے تھے۔ ایک سحر طراز مقرر تھے، مصلح قوم اور سماجی رہنما تھے (ادارہ)

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
اقبال

صحیفہ ہمّام بن منبّہ (عربی و انگریزی)

یہ صحیفہ دراصل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا صحیفہ ہے۔ لیکن اسے مرتب ان کے شاگرد ھمّام بن منبّہ نے کیا ہے۔ اس لئے یہ صحیفہ ہمّام بن منبّہ کہلاتا ہے۔

ہمارے سامنے یہ صحیفہ جناب محمد حمید اللہ نے مرتب کرکے پیش کیا ہے۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد رحیم الدین، ریٹائرڈ پرنسپل عثمانیہ کالج ورنگل نے کیا ہے۔ زیر تبصرہ نسخہ اس کا دسواں ایڈیشن ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کبار میں ہیں جنھوں نے سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث روایت کی ہے۔ ان کا شمار مکثرین میں ہوتا ہے۔ یعنی کثرت سے روایت کرنے والوں میں۔

روایت احادیث میں ان کے ہم پایہ عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس تھے۔ مگر عددی لحاظ سے حضرت ابو ہریرہ کی روایات ان دونوں صحابہ کرام سے زیادہ ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس روایت کے وقت درایت کا بھی خیال رکھتے تھے لیکن حضرت ابو ہریرہ محض روایت پر اکتفا کرتے تھے۔

صحیفہ ہمّام بن منبّہ میں ۱۳۷ احادیث ہیں۔ اس کے قلمی نسخے دمشق، شام، مصر اور برلن اور استانبول میں موجود ہیں۔ ان نسخوں میں الفاظ حدیث میں کچھ اختلافات ہیں۔ مولف نے ہر حدیث کا نمبر دیکر اس کی نشاندہی کر دی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ جن کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ یہ جنگ خیبر کے سال مسلمان ہوئے۔ اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے کچھ اس طرح وابستہ ہوگئے کہ دنیا کے سب کاروبار کو چھوڑ دیا۔ دن رات آستانۂ نبوت پر پڑے رہتے۔ اور آپؐ جو کچھ ارشاد فرماتے حفظ کر لیتے۔

کتب احادیث میں استفادہ کے اعتبار سے مؤطا امام مالک کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ کہ اس کتاب سے لوگوں نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں استفادہ شروع کر دیا تھا۔ صحیفہ ہمام بن منبہ تالیف کے لحاظ سے گرچہ مقدم ہے۔ مگر یہ مختلف جگہ قلمی نسخوں کی صورت میں موجود تھا۔ اس سے استفادے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوئی حتی کہ سنٹرل کلچرل اسلامک پریس نے محمد حمید اللہ صاحب کی نگرانی میں شائع کیا اور استفادے کی صورت پیدا ہوئی۔

تاریخ وفات حضرت ابو ہریرہ ۵۸ھ ہجری

" " ہمام بن منبہ ۱۰۱ھ "

پالن حقانی اور مسلک اہل حدیث

یہ ۱۶ صفحات کا ایک کتابچہ ہے۔ ادارہ احیاء العلوم ہریانہ سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مشہور واعظ خوش بیان جناب حقانی صاحب پالن پوری کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ اہل حدیث بھی کوئی نیا فرقہ ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اہل حدیث تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تھے۔ یہ استدلال کا ایک مخصوص طریقہ ہے۔ وہ جو مسلک اہل حدیث سے تعلق نہیں رکھتے یقیناً یہ کتابچہ پڑھ کر چونک پڑیں گے۔

دوماہی رسالہ "ارژنگِ ادب" دھولیہ

ترسیلِ زر اور دفتر کا پتہ:
۱۶ ۳۴۳ فرسٹ لین دھولیہ ۴۲۴۰۰۱
مہاراشٹر بھارت

پہلے تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ دہلی اور لکھنؤ کے بعد بمبئی اردو زبان کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔ مگر اس دوماہی رسالے کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ صرف بمبئی نہیں بلکہ پورے مہاراشٹر میں اردو زبان کو غیر معمولی قبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ اور مہاراشٹر کے ادبا و شعرا بڑھ چڑھ کر اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں۔

"ارژنگِ ادب" یعنی اردو ادب کی تصاویر اور نقش و نگار۔ چین اور ایران کے دو مصور مشہور ہیں: مانی اور بہزاد۔ مانی چین کے تھے اور بہزاد فارس کے، ارژنگ انھیں دونوں کی تخلیقات کو کہتے ہیں۔ اس نام سے ظاہر ہے کہ اس دوماہی رسالے میں اردو ادب کے نقوش اور خد و خال پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اس شمارے میں کئی قابلِ قدر مضامین ہیں۔ ہر ادیب اور شاعر کا اپنا اپنا نقطۂ نگاہ ہوتا ہے۔ اور وہ اسی راستے سے انسان کے خیالات تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کسی رسالے کو محض ادب، شاعری اور تنقید میں محصور کر دینا علم کی وسعت پر تنگی کو ترجیح دینے کے مترادف ہے۔ اسی لئے رسالے کے سرپرستوں کو ڈاکٹر عبد الکریم صاحب نائیک اور جناب متین الرحمٰن صاحب بھوپالی کا یہ مشورہ بہت مفید معلوم ہوتا ہے کہ رسالے کو فکشن، شاعری اور تنقید پر محصور نہ رکھیں بلکہ اس میں علمی، معلوماتی، معاشرتی اور معاشی مسائل کو بھی جگہ دیں۔

زیرِ تبصرہ شمارہ بہ حیثیت ادارہ بڑا قابلِ قدر ہے۔

سنبوری تشنہ

جس میں مادری زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی طرح مضمون "شراب کے بیپاری" جس میں خلیجی ممالک میں جانے والوں کی ذہنیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ دوسرے مضامین بھی قابلِ قدر ہیں۔ چند نظمیں بھی ہیں۔ افسانے ایک پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی نظم ترانہ میں اردو بھی ہے۔

میری نیک تمنائیں اس رسالے کے ساتھ ہیں۔ خدا کرے یہ بڑھے اور پھلے پھولے، اور صحیح معنوں میں اردو ادب کا نقیب اور علم بردار بنے۔

اردو اساتذہ کا ترجمان

"آموزگار" جلگاؤں مہاراشٹر

بابت اگست ۸۳ء

یہ ایک تعلیمی اور ادبی ماہ نامہ ہے جو جلگاؤں مہاراشٹر سے نکلتا ہے۔ اس سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں مہاراشٹر بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا ہے۔

آموزگار کے مضامین میں زیادہ تر تعلیمی مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے، یعنی اسکول اور مدارس کے مسائل۔ اس ماہ نامے کے سرپرست بھی اسکولوں کے اساتذہ ہیں جو تعلیمی امور سے کافی واقفیت رکھتے ہیں۔

اس وقت اردو اسکول کن مسائل سے دو چار ہیں اس ماہ نامے میں ان امور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اساتذہ کی صحیح رہ نمائی کی جاتی رہی ہے۔ درس و تدریس کے طریقے بھی بتائے جاتے ہیں، جیسے زیرِ تبصرہ شمارہ کا ایک مضمون ہے "گرامر کی تدریس"۔

بال بھارتی ادارہ بال بھارتی جو ساتویں جماعت تک کی کتابیں تیار کرتا ہے۔ اس کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہ مضمون قابلِ مطالعہ ہے۔ بحیثیت مجموعی ...

اس مضمون سے تیموں رشتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک مضمون کا عنوان ہے "بچے کو سزا مت دیجیے"۔ پھر بہار شریف کی درسی کتابوں کا تنقیدی جائزہ ہے۔

ان مضامین سے ظاہر ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا منفرد رسالہ ہے۔ جو بہار شریف کے تعلیمی مسائل پر روشنی ڈالتا ہے۔ اور اساتذہ اور طلبہ کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ اس رسالے کے اجراء سے اردو اسکولوں کی ایک اہم ضرورت پوری ہو گئی ہے۔ خدا اس کو پائندہ و تابندہ رکھے۔

"ہماری زبان"

انجمن ترقی اردو ہند (دہلی) کا ترجمان

بابت ۸ جون ۸۳ء

اس شمارے میں ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد وزیر اعلیٰ بہار کے اس جرأت مندانہ اقدام کی تعریف کی گئی ہے کہ انھوں نے اس ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دے دیا ہے۔ اس کے بعد ریاستی حکومت پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے، جیسے اردو یونیورسٹی کا قیام، اردو ٹائپسٹ، اردو داں اور اردو شارٹ ہینڈ وغیرہ۔ اس شمارے سے ظاہر ہے کہ کاروان اردو قدم بقدم آگے بڑھتا جا رہا ہے۔

وزیر اعلیٰ بہار کے اس منصفانہ فیصلے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ ڈاکٹر عبد المغنی صدر انجمن ترقی اردو بہار نے درست فرمایا کہ بہار میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینا تاریخ آزاد ہند کا ایک اہم واقعہ ہے۔

"ہماری زبان" ہی کے یکم اکتوبر ۸۳ء کے شمارے میں جناب حکیم اللہ صاحب کا ایک مضمون ہے:

"اردو زبان کا مسئلہ اور رسم خط"

یہ مسئلہ اکثر زیر غور اور زیر بحث آتا رہا ہے جہاں تک اردو رسم خط کو دوسرے رسم خط جیسے ہندی اور رومن میں منتقل کرنے کا سوال ہے اس کی ہم تائید کرتے ہیں۔ اس سے ہندی داں اور انگریزی داں بھی اردو سے واقف ہو سکیں گے لیکن جہاں تک یہ سوال ہے کہ اردو رسم خط کو چھوڑ کر رومن رسم خط اختیار کیا جائے تو یہ تجویز اردو کیلئے خودکشی کے مترادف ہے۔ اس رسم خط کے باعث اردو کا فارسی اور عربی سے رشتہ ہے۔ اور اس کی انفرادیت باقی ہے۔ اگر یہ رسم خط ترک کر دیا جائے تو اس زبان کا عربی و فارسی سے رشتہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور اس کی انفرادیت بھی جاتی رہے گی

قسمت

فقیر نے ایک آدمی سے پیسے مانگے۔ اس آدمی نے کہا:

"میں اپنی داڑھی پر تین بار ہاتھ پھیرتا ہوں۔ جتنے بال میرے ہاتھ میں آئیں گے اتنے روپے میں تمہیں دوں گا۔"

فقیر بہت خوش ہوا۔ سخی داتا نے تین بار اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا مگر کوئی بال اس کے ہاتھ میں نہیں آیا:

"تمہاری قسمت میں کچھ بھی نہیں ہے"۔ اس نے فقیر سے کہا۔

"یوں نہیں حضور"۔ فقیر بولا "داڑھی آپ کی اور ہاتھ میرا پھیر دیکھئے میری قسمت"۔

★ دو سہیلیاں کسی دعوت میں ملیں تو پہلی سہیلی نے دوسری کو کہا: "کل تمہارے شوہر کو نئے سوٹ میں میں پہچان نہ سکی"۔

دوسری نے جواب دیا: "اری پگلی! صرف سوٹ ہی نیا نہیں تھا بلکہ شوہر بھی نئے ہیں ۔۔۔۔۔"

Prop KADER SETH
MOTOR RADIATOR
ٹرانس ورلڈ ٹریڈ فیبر سروس ایوارڈ
دہلی کا انعام یافتہ
K. A. WELDING & REPAIRING WORKS.
ہمارے یہاں ہر قسم کے المونیم اور گیس الیکٹرک ویلڈنگ اور موٹر
ریڈییٹر کا کام نہایت اچھے کاریگروں کی زیر نگرانی ہوتا ہے نیز موٹر
کے نئے ریڈییٹر کور، ٹرک، کار، بسیں، ٹریکٹر، بلڈوزر اور کھودر،
کرانگ گاڑی، جنریٹر اور دیگر انجنوں کے نئے ریڈییٹر کور سپلائی کئے جاتے ہیں۔
مالک، عبدالقادر پاؤسکر
کے اے ویلڈنگ اینڈ ریپیرنگ ورکس
فون
آفس : ۸۶۳۰۶۹
ورکشاپ : ۸۶۳۲۰۱
رہائش گاہ : ۳۷۶۹۶۷

مرتبہ : فیض صابی

داپھول تا بمبئی "رات رانی" S.T. سروس

داپھول تا بمبئی رات کے وقت سفر کرنے والی S.T. سروس شروع ہوکر دو مہینہ کا عرصہ گزرا ہے۔ یہ گاڑی شب میں ۹ بجے داپھول سے نکلتی ہے اور صبح سوا سات بجے پریل (بمبئی) سے داپھول کے لئے روانہ ہوتی ہے۔

اس گاڑی سے نہ صرف داپھول بلکہ کھاڑی کے متعدد گاؤں، بالخصوص پنگاری، بھوپن، پڈیری، کاڑول، بیوہ، امبرگھر، نوشے، دیلدور، انجنویل، کولتھرا، پنچنری اور اس کے قرب وجوار کے دیگر گاؤں والوں کے لئے سہولت پیدا ہوگئی ہے۔ داپھول پہونچ کر دوشی وکاس سمیتی کے صدر جناب عثمان عبداللہ پنچی اس کوشش میں ہیں کہ پریل سے نکل کر بمبئی سینٹرل آنے والی گاڑی جسے بمبئی سینٹرل میں صرف پانچ نشستیں محفوظ ہیں اس کی مبیشتر بکنگ بمبئی سینٹرل پر کی جانے کا انتظام ہو تاکہ رات میں داپھول کے لئے روانہ ہونے والی گاڑی جو اکثر ادھر لوٹ پھوٹ کر جاتی ہے اس کا بار کچھ کم ہو جائے اور مسافر (جن کی تعداد بمبئی سینٹرل پر زیادہ ہے) اطمینان و آرام کے ساتھ سفر کر سکیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کوشش میں پنچی صاحب کا ساتھ دیں اور یہ سروس جاری رکھنے میں تعاون فرمائیں۔

آکاش وانی رتناگری میں مشاعرہ

آکاش وانی رتناگری کی طرف سے گزشتہ مہینے (۱۰ دسمبر ۱۹۸۳ء کو) مدعو سامعین کے لئے ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا جس میں بدیع الزماں خاور، عارف سیمابی، انور یوسفی، عبدالرزاق رہبر، پرویز باغی، اقبال آصف، اعجاز فیض آبادی، آدم نصرت، مضطر چے گڑھی، بشیر قمر، صابر مجگانوی، ابراہیم نور، آصف نائیک اور وحید شر گانوی نے اپنا تازہ کلام پیش کیا۔

اس مشاعرہ کی ریکارڈنگ کا پہلا حصہ گزشتہ مہینے ۱۶ دسمبر ۱۹۸۳ء کو نشر کیا گیا۔ اور دوسرا حصہ ماہ رواں (جنوری ۱۹۸۴ء) میں نشر کیا جانے والا ہے۔

ساحر شیوی کا دوسرا مجموعۂ کلام

مشرقی افریقہ میں مقیم معروف اردو شاعر جناب ساحر شیوی کا دوسرا مجموعۂ کلام "وقت کا سورج" کے نام سے طبع ہوکر منظر عام پر آگیا ہے۔ یہ شعری مجموعہ موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی نے عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ نہایت ہی خوب صورت انداز میں شائع کیا ہے۔ اس کا پیش لفظ پریم گوپال متل نے لکھا ہے اور اس میں ممتاز شعرا

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت، کامیابی یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے۔

عدم اشاعت پر ناراض نہ ہوں
بلکہ ادارہ کو
تحریراً مطلع فرمائیں۔

(مدیر)

نقاد حرمت الاکرام مرحوم کی یادگار رائے بھی شامل ہے جو انھوں نے انتقال سے چند ہی روز پہلے تحریر فرمائی تھی۔

ساحر صاحب کا پہلا مجموعۂ کلام نیم شگفتہ [illegible] سے ۱۹۷۹ء میں ممبئی سے شائع ہوا تھا۔ امید ہے کہ ان کا دوسرا شعری مجموعہ ان کے پہلے شعری مجموعے کی طرح ہی مقبول ہوگا اور اہل نظر اس کی خاطر خواہ پذیرائی کریں گے۔

واگھیورے اُردو اسکول

بزم اردو ہیپون کی جانب سے منعقدہ تقریری و تحریری مقابلہ میں مدرسہ ہٰذا کے طلبہ و طالبات نے چوتھی بار نمایاں کامیابی حاصل کر کے اپنی روایات کو برقرار رکھا ہے۔

تحریری مقابلہ پہلا گروپ { حسین علی علوی (پہلا انعام) / زیتون اسماعیل کھانی (دوسرا انعام) } شیلڈ

تحریری مقابلہ دوسرا گروپ { مقبول یعقوب کھنڈبکر (پہلا انعام) / اشرف ابراہیم بیوبکر (دوسرا انعام) } شیلڈ

تقریری مقابلہ گروپ پہلا } ارشد عبدالحمید صابلے (تیسرا انعام)

تقریری مقابلہ گروپ دوسرا } آصف زین الدین کھنڈبکر (تیسرا انعام)

واگھیورے اردو اسکول پچھلے چار سال سے لگاتار ہر بار تین تا چار شیلڈ حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہے۔

عطیہ برائے غریب طلبہ فنڈ

آدرش ہائی اسکول کرجی (کھیڈ) کے غریب طلبہ فنڈ کے لئے موضع کرجی کے جناب عبدالحمید ابراہیم پرکار نے امسال کویت میں مقیم ہمارے خیر خواہوں کی مدد سے ۳۶۰۰ روپے کا بیش بہا عطیہ ارسال کیا ہے۔ جناب موصوف اور دیگر حضرات نے اس کار خیر سے ہمدردی اور خلوص کا ثبوت دیا ہے۔ جس کے لئے اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب آئی اے مقدم صاحب اور جملہ اساتذہ ان کے تہہ دل سے مشکور ہیں۔

ذکی شرف الدین فقیہ ایک ہونہار طالب علم

ذکی یا میسے مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک شاخ بھیونڈی کے سابق منیجر کے صاحبزادے اور شاد آدم شیخ ٹیکنیکل ہائی اسکول بھیونڈی کے سابق طالب علم ذکی فقیہ نے امسال آرکیٹیکچر کا پانچ سالہ کورس نمایاں طور پر کامیاب کر کے اپنے خاندان اور مدرسہ کا نام روشن کیا ہے۔ انھوں نے جون ۱۹۷۵ء میں شاد آدم ٹیکنیکل ہائی اسکول سے ایس ایس سی اور جون ۱۹۷۷ء میں ہائر سیکنڈری سرٹیفکیٹ کا امتحان پاس کیا۔ اور آرکیٹیکچر کے ۵ سالہ کورس میں داخلہ لیا۔ اسی دوران بلڈنگ مینجمنٹ کا ۲ سالہ کورس ۱۹۸۰ء میں پاس کیا۔ اور اگست ۱۹۸۳ء میں ڈپلوما ان انٹیریر ڈیکوریشن کے دو سالہ کورس میں کامیابی حاصل کی۔ ان تمام کامیابیوں پر ذکی اور اس کے اہل خاندان کی خدمت میں

مقصود رکھانگے کی بے مثال کامیابی

حال ہی میں مہاراشٹر اسٹیٹ کامرس ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹس ایسوسی ایشنز کی طرف سے لی گئی شارٹ ہینڈ کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ جس میں شارٹ ہینڈ (۹۰ لفظ فی منٹ) کی امتحان میں یشونت کمرشیل انسٹی ٹیوٹ کے طالب علم مقصود ابراہیم رکھانگے متوطن داپولی ۸۷ فیصد مارکس حاصل کر کے پورے مہاراشٹر میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے ——— پچھلی بار بھی (۸۰ لفظ فی منٹ کے امتحان میں) ۹۵ فیصد مارکس حاصل کر کے پورے مہاراشٹر میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے تھے۔ فی الحال انھوں نے بی اے بھی سکنڈ کلاس میں پاس کیا ہے۔

اڑیسہ میں اردو اکیڈمی قائم ہوگی!

اڑیسہ کے وزیر اعلیٰ مسٹر جانکی بلبھ پٹنائک نے اعلان کیا ہے کہ جلد ہی ریاست میں اردو اکیڈمی قائم کی جائے گی۔

جناب اے. ڈی ساونت

کوکن مرکنٹائل کوآپریٹو بنک کے بورڈ آف آن ڈائریکٹرز کی میٹنگ میں جناب عبداللہ داؤد ساونت کو اس ادارہ کی صدارت کا عہدہ تفویض کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک اور ڈاکٹر اے آر انڈرے کے بعد کوکن بنک کی چیرمین شپ کے لئے منتخب ہونے والے جناب اے ڈی ساونت صاحب اپنے پیشرو صدور کی طرح بنک کو ترقی کی طرف مزید آگے بڑھائیں گے ایسی قوی امید ہے۔

ساونت صاحب کا جنم ۱۹۳۵ میں ان کے وطن دابھٹ تعلقہ منڈن گڑھ ضلع رتناگری میں ہوا۔ ابتدائی تعلیم وہیں مکمل ہوئی۔ اور ثانوی مدارج کے لئے نیشنل ہائی اسکول داپولی میں آئے جہاں درجۂ اول سے ایس ایس سی کا امتحان پاس کیا، اور اعلیٰ تعلیم کے لئے اسماعیل یوسف کالج بمبئی میں داخلہ لیا۔

جناب عبداللہ ساونت نے بمبئی یونیورسٹی سے خصوصی مضمون اکنامکس کے ساتھ B.A کی سند حاصل کی اور لیبر ویلفیر، انڈسٹریل ریلیشنز اور پرسنل مینجمنٹ (ان) مضامین کے ساتھ سوشیل سروس اینڈ منسٹریشن کا پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما بھی پاس کرلیا۔ آپ نے قانون کی (پوسٹ گریجویٹ) سند بھی حاصل کی جس کا خصوصی مضمون رہا ہے "کمرشیل لاء" — متذکرہ تعلیمی اسناد کے علاوہ ساونت صاحب کے پاس عمل و دخل کا طویل تجربہ بھی ہے۔ آپ نے آٹھ سال تک ایسٹ ایشیاٹک کمپنی میں پرسنل آفیسر کی خدمت انجام دی ہے تو تین سال ڈو پچسان انٹرفران کمپنی میں پرسنل منیجر کا عہدہ سنبھالا ہے۔ فی الحال بارہ سال سے سندھیا ورک شاپ میں پرسنل منیجر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ آپ نے تحقیقی مقالے بھی لکھے ہیں جن میں دو کافی مقبول ہوئے۔

علم و عمل کی مذکورہ مصروفیات کے دوران آپ نے خدمتِ قومی سے کبھی جی نہیں چرایا۔ اسماعیل یوسف کالج میں آپ اسٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکریٹری تھے۔ اسی طرح ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشیل سائنسز جہاں آپ نے سوشیل سروس کا پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما حاصل کیا ہے وہاں بھی اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے جنرل سیکریٹری رہے۔ اپنے وطنی ادارہ دابھٹ ویلفیر ایسوسی ایشن کے آپ صدر رہیں تو ینگ بیلس ایجوکیشن سوسائٹی بمبئی کے آپ نائب صدر رہے۔ انڈین انسٹی آف پرسنل مینجمنٹ کی بمبئی برانچ کی مجلس منتظمہ کے آپ رکن رہے ہیں تو انڈسٹریل ریلیشنز اینڈ پروڈکٹیویٹی سب کمیٹی کے زیر اہتمام انڈین انجینئرنگ انڈسٹریز کے تین سالوں تک رکن رہے ہیں۔ پچھلے چند سالوں سے کوکن مرکنٹائل کوآپریٹو بنک کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے رکن رہے اور حالیہ انتخاب میں آپ کو صدر چن لیا گیا ہے۔

ساونت صاحب کی فعال شخصیت اور دور رس نگاہوں سے قوم کو بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر عبدالغنی دلوی

ضلع رتناگری کے موضع پنگاری (تعلقہ گوہاگر) میں ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء کو ڈاکٹر دلوی صاحب کا جنم ہوا۔ ابتدائی

تعلیم بھی وہیں مکمل کی۔ اور ثانوی تعلیم احمد سیلر ہائی اسکول ممبئی میں ہوئی۔ جہاں آپ نے درجہ اول میں S.S.C. کا امتحان پاس کیا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے اسماعیل یوسف کالج ممبئی میں داخلہ لیا۔ اور وہاں انٹر سائنس کے امتحان میں کامیابی حاصل کرنے حاصل کرنے کے بعد انسٹی ٹیوٹ آف سائنس میں داخل ہوئے۔ شوق پرواز کو پر پرواز مل گئے۔ ۱۹۶۸ء میں ممبئی یونیورسٹی سے بی ایس سی B.Sc. میں داخل ہوئے اور ایسی کامیابی حاصل کی کہ اسی برتے پر بھابھا اٹامک ریسرچ سینٹر کے ٹریننگ اسکول میں داخلہ مل گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بھابھا اٹامک ریسرچ سینٹر (جسے مخفف میں B.A.R.C. کہا جاتا ہے۔) میں ٹریننگ میں کل ہند پیمانہ پر مقابلہ ہوتا ہے۔ جہاں ہزار ڈیڑھ ہزار شریک ہوتے ہیں اور صرف ڈیڑھ سو بچوں کو منتخب کیا جاتا ہے۔ تو ایسی حالت میں BARC. میں داخل ہونے سے حوصلوں کو مزید جلا ملی۔ سال بھر کا تربیتی کورس اسی قدر محنت اور لگن کے ساتھ پورا کیا کہ تکمیل تعلیم کے ساتھ ۱۹۶۹ میں BARC. میں سائنٹفک آفیسر کے عہدہ پر فائز کر لئے گئے۔ (یہ درجہ اول کی آفیسر کی گزیٹیڈ پوسٹ ہے) حکومت ہند کے اس عظیم الشان ادارہ میں ملازمت حاصل کرنے کے بعد آتش شوق اور بھڑکی۔ اور ڈاکٹریٹ کے لئے آپ نے ممبئی یونیورسٹی میں نام رجسٹر کرلیا۔ اور اس طرح ڈاکٹر امیا جوبارک BARC. کی ریڈیو کیمیکل لیبارٹری کے گروپ ڈائریکٹر ہیں۔ ان کی رہنمائی میں پی ایچ ڈی کے لئے تھیسس پیش کئے جن پر جون ۱۹۸۳ء میں آپ کو سند حاصل ہوئی ہے۔

ڈاکٹر دلوی انڈین کیمیکل سوسائٹی کے فیلو (F.I.C.S.) ہیں۔ اسی طرح انڈین ایسوسی ایشن آف نیوکلر کیمسٹ کے بھی فیلو (F.I.A.N.C.) ہیں۔ نیز انڈین سوسائٹی آف انالیٹیکل سائنٹسٹ کے بھی فیلو (F.I.S.A.S.) ہیں۔ اتنی اونچی اسناد اور عالی قدر فیلوشپ حاصل کرنے کے بعد بھی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے۔ ہنوز طلب العلم جاری ہے۔ اور آپ بیرون ملک میں مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔ ہم ڈاکٹر دلوی صاحب کو ان کی Ph.D میں کامیابی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ خدا اس ذہین صفت طالب علم کو اپنے ارادوں میں کامیابی عطا فرمائے۔ اس موقع پر علامہ اقبال سر محمد اقبال کا شعر یاد آتا ہے کہ

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

ڈاکٹر دلوی صاحب جیسے لوگ قوم کے لئے بالخصوص کوکنی برادری کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔

جناب ادریس احمد چوگلے

پچھلے شمارہ میں جناب ادریس چوگلے کی ممبئی میونسپل کارپوریشن میں سپرنٹنڈنٹ آف لائسنس کے عہدہ پر ترقی کی خبر پڑھ کر دوستوں اور چاہنے والوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ کیوں نہ ہو باشندگان کوکن کے لئے یہ بات باعث افتخار ہے کہ اس برادری کا ایک رکن ممبئی میونسپلٹی کی تاریخ میں پہلی بار اس عہدہ جلیلہ پر متمکن ہوا ہے۔ آپ نے یکم دسمبر ۸۳ء سے اس عہدہ کا چارج سنبھالا۔

جناب ادریس احمد چوگلے متوطن ہیرولی تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگری ۱۹۵۰ء میں ایک کلرک کی حیثیت سے ممبئی میونسپل کارپوریشن میں داخل ہوئے اور اپنی ۳۳ سالہ سروس میں ۶ سال انسپکٹر، ۱۳ سال سینئر انسپکٹر، ۴ سال اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ تو دو سال ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

آنجہانی سنس کی خدمات انجام دیں۔ ان کی یہ ساری سروس
اسی ڈپارٹمنٹ میں پوری ہوئی ہے۔ اسی طرح اس تقرری
کے پیچھے ان کا طویل تجربہ اور خداداد صلاحیت کارفرما ہے۔
جناب ایڈریس چوگلے اپنی مادرِ علمی نیشنل ہائی اسکول داپولی
کا نام نہایت فخر و محبت کے ساتھ لیتے ہیں کہ اسی ادارہ
اور وہاں کے اساتذہ نے ان میں علم کی ایسی روشنی
بھر دی جو کامیابی کی راہیں متعین کرنے میں ہمیشہ
کام آتی ہے۔

سماجی خدمات انجام دینے والی نوجوان نسل میں
جناب ایڈریس چوگلے معروف نہ ہوں مگر اس حقیقت سے
انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوکنی برادری میں سماجی بیداری
پیدا کرنے والی انجمن کوکنی مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن بمبئی
کی بنیاد جن ہاتھوں نے رکھی ان میں جناب ایڈریس چوگلے
کے بھی مبارک ہاتھ شامل تھے۔ آج علالتِ طبع کی بنا پر وہ
سرگرم کار نہیں ہیں مگر قوم و ملت کا بے پناہ درد رکھتے ہیں۔
اور کوکنی برادری کے تعمیری منصوبوں یا کسی فرد کی ترقی
کی خبر پاکر بے حد خوشی محسوس کرتے ہیں۔

ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب ایڈرس چوگلے
کو یہ عہدہ مبارک کرے اور سروس کے اگلے سالوں میں
کامیاب و سرخرو ہو کر نکلیں۔

جناب عباس موٹلیکر

ایک باعزم سند یافتہ انجینئر جنھوں نے اپنی
تعلیمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر صنعتی کاروبار میں
قدم رکھا اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ کوکن
مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک کے بورڈ آف ڈائریکٹرز نے
حالیہ انتخاب میں انھیں بالاتفاق رائے سیکریٹری چن لیا ہے۔
موصوف ہرنئی تعلقہ داپولی ضلع رتناگری کے
علم دوست خاندان کے رکن اور جناب کمال الدین موٹلیکر
کے فرزند ہیں۔ سنہ ۱۹۴۳ء میں اپنے آبائی وطن میں جنم ہوا۔
ابتدائی تعلیم بھی وہیں مکمل کی اور پھر نیشنل ہائی اسکول
داپولی سے S.S.C. اور گوگٹے کالج رتناگری سے انٹر سائنس
کا امتحان پاس کیا۔ انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا
شوق انھیں میسور یونیورسٹی تک لے گیا۔ اور میکانیکل انجینئرنگ
بی ای (B.E.) میں کامیابی حاصل کر کے لوٹے۔ یہاں
آکر آپ نے انتظامی امور کا ڈپلوما بھی حاصل کیا اور اب اپنے
کاروبار بنام "ماڈرن میکانیکل انڈسٹریز" کو اپنے علم و عمل
کی روشنی عطا کی ہے۔

موٹلیکر صاحب اپنے گاؤں کی فلاح و بہبود
کے لئے بھی کوشاں ہیں۔ کوکن بینک کی ڈیولپمنٹ کمیٹی
اور لون کمیٹی پر چار سال کام کرنے کے بعد پچھلے سال
عام انتخابات میں آپ ڈائریکٹر چن لئے گئے تھے۔ ہماری
دلی دعا ہے کہ جواں عزم و ولولہ ارادوں کے حامل سیکریٹری
کا حسنِ عمل بینک کو مزید استحکام اور فروغ عطا کرنے
میں ممد و معاون ثابت ہو۔

ڈاکٹر نسرین شیخ

پولیس انسپکٹر صاحب ہیریکر کی دختر اور ڈاکٹر
خالد مصطفےٰ شیخ کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر نسرین شیخ نے
امسال گرانٹ میڈیکل کالج جے جے ہسپتال بمبئی سے
بمبئی یونیورسٹی کی ماسٹر آف سرجری کا امتحان اولین
کوشش میں کامیاب کیا۔ موصوفہ ارضِ کوکن کی پہلی مسلم
خاتون ہیں جنھیں یہ اعزاز حاصل ہوا ہے بلکہ شہر بمبئی
میں بھی واحد مسلم خاتون سرجن ہیں۔

ڈاکٹر مسز شیخ نے M.B.B.S. کا امتحان بھی اسی
کالج سے ۱۹۷۹ء اپریل میں پاس کیا تھا۔ وہ دو سال

تک جنرل سرجری کی رجسٹرار بھی تھیں۔ اس طرح دو سال کا پڑھانے کا تجربہ بھی رکھتی ہیں۔ مورخہ ۱۷ دسمبر ۸۳ء کو آپ کے کنسلٹنگ روم کا افتتاح عمل میں آیا تھا۔ اور ڈاکٹر ڈھالا زبالی کلینک میں انھوں نے مریضوں کا علاج اور دکھی دلوں کی خدمت کرنا شروع کیا ہے۔ خدا انھیں کامیابی عطا فرمائے اور ان کے ہاتھوں سے عوام کو فیض نصیب کرے۔

نیروبی میں کوکنی مسلم خواتین کی سرگرمیاں

نیروبی میں مقیم کوکنی مسلم خواتین کی سرگرمیاں قابلِ صد ستائش ہیں۔ اپنی خانگی مصروفیات کے باوجود وہ کم و بیش سال بھر کسی نہ کسی دینی، تعلیمی یا سماجی کارگزاریوں میں سرگرمِ عمل نظر آتی ہیں۔

ماہ اگست ۸۳ء میں پکوان کا مقابلہ COKERY COMPETION کے اہتمام کے بعد محرم کے پہلے عشرہ میں شہیدانِ کربلا کی یاد تازہ کرنے کی غرض سے ایک مجلس منعقد کی گئی تھی۔ مورخہ ۱۷ دسمبر کو بزمِ خواتین نے کوکنی مسلم ایسوسی ایشن ہال میں جشنِ عید میلاد النبیؐ بڑی دھوم دھام سے منایا۔ علاوہ ازیں درس و تدریس کا ہفتہ واری سلسلہ بدستور جاری ہے۔

مرسلہ: شیخ اسمٰعیل نیروبی

رتناگری سندھو درگ بینک کے نئے چیئرمن مقرر کئے گئے

مہاراشٹر حکومت نے مسٹر شامراؤ پیکے ایم ایل سی اور مسٹر کیشوراؤ رانے ایم ایل اے کی چیئرمن شپ میں رتناگری اور سندھو درگ ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو بینکس بورڈ آف ڈائرکٹرس تشکیل دیئے۔ رتناگری ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو بینک کا سابق بورڈ اس وقت تحلیل کر دیا گیا جب نیو سندھو درگ ڈسٹرکٹ کی تشکیل دی گئی۔ اور ان بنکوں کے نئے ایڈمنسٹریٹر کا تقرر کیا گیا تھا۔

بیگ لیباریٹری کی توسیع

ناگپاڑہ پر واقع ڈاکٹر زاہد بیگ کی پیتھالوجی لیباریٹری میں ایکسرے مشین اور دیگر جدید ترین آلات نصب کئے گئے جس کا اجراء ۲۵ دسمبر کو عمل میں آیا۔ یہ اپنی طرز کی جدید کلینک بن گئی ہے۔ جہاں ماہرین کی نگرانی میں میڈیکل تشخیص کی جملہ سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ اس موقع پر شہر کے کئی بڑے ڈاکٹر، صحافی اور سوشیل ورکرز شریک ہوئے۔

بزمِ فروغِ ادب کوکن مہاڈ کی اپیل

بزمِ فروغِ ادب، کوکن مہاڈ، ضلع رائے گڈھ، خطۂ کوکن میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے لئے اولین اقدام کے طور پر بچوں اور اسکولی طلبہ کے معیار کو ملحوظ رکھ کر کہانیوں اور نظموں کا مجموعہ شائع کرنے جا رہا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں ملک اور بیرونِ ملک میں آباد ہندوستانی قلم کاروں سے بالخصوص خطۂ کوکن کے قلم کاروں و خواتین سے گزارش ہے کہ وہ بچوں اور طلبہ کے حق میں مفید، معلوماتی اور صحت مند مختصر کہانیوں اور نظموں کے ساتھ تعاون فرمائیں ۔۔۔ مزید ان حضرات سے بھی گزارش ہے جو ملک اور بیرونِ ملک میں رہتے ہوئے بزمِ ہٰذا کے ساتھ مالی اعانت کرنے کے خواہش مند ہوں اور اپنے تعاون سے اردو کی ترقی میں ہمرکاب رہنا چاہیں وہ بھی درج ذیل پتہ پر رقومات ارسال فرمائیں:

پتہ: رشید آثار
صدر بزمِ فروغِ ادب کوکن
مقام پوسٹ دہور، تعلقہ مہاڈ
ضلع رائے گڈھ پن کوڈ: ۴۰۲۳۰۱

بمبئی مرکنٹائل بنک کی جانب سے
مفت علاج

۲۶ نومبر ۸۳ء کو بنک کی جانب سے کاغذی پورہ اورنگ آباد میں آنکھوں کے معائنہ و علاج کے ایک کیمپ کا افتتاح بنک کے چیرمین مسٹر حسینی ڈاکٹر کے ہاتھوں کیا گیا۔ اس موقع پر جناب عبدالعظیم صاحب وزیر حکومت مہاراشٹر موجود تھے۔ کیمپ کے لئے حیدرآباد کے مشہور ماہر چشم حسین صاحب ارسطو، اورنگ آباد میڈیکل کالج کے ڈاکٹر شیام سندر راؤ اور ڈاکٹر روہی داس واگھوارے کی خدمات بھی حاصل تھیں۔ اورنگ آباد کے کلکٹر اور ایم ایل اے بھی کیمپ کے معائنے کے لئے تشریف لائے تھے۔

بنک کے ڈائریکٹر ذوالفقار حسین اور مقامی بورڈ کے چیرمین غلام دستگیر خاں صاحب اور اورنگ آباد برانچ کے منیجر مسٹر راجانے مہمانوں کا استقبال کیا۔ کیمپ سے کاغذی پورہ، موسالا، کھلڑی، رسول پورا اور خلد آباد کے افراد نے فائدہ اٹھایا۔ مریضوں میں حسب ضرورت مفت دوائیں بھی تقسیم کی گئیں۔ مستحق افراد کو بنک کی جانب سے عینکیں بھی تقسیم کی جائیں گی۔ کاغذی پورہ میں بنک کی جانب سے ایک ہیلتھ سینٹر پہلے ہی سے چلایا جا رہا ہے۔ اس موقع پر چیرمین مسٹر حسینی ڈاکٹر نے گرام پنچایت کی نئی عمارت کا افتتاح فرمایا۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد بھی ان ہی کے ہاتھوں رکھا گیا تھا۔

نعتیہ مشاعرہ

بزم شعر و ادب کی ماہانہ نشست مورخہ ۱۷ دسمبر ۸۳ء کی شب میں ڈاکٹر عبدالکریم نائیک صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ میلادالنبی کی مناسبت سے اس نشست میں نعتیہ کلام پڑھا گیا۔ جناب سید کنول نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ نشست میں مہر بہلانی، قیصر رتناگردی، عزیز آذر، عبدالمجید ننگیکر، شرف الدین قاضی، ابراہیم خان طالب، معین الدین ملا، مولانا محمود جیال، فرحت اشرفی، محمود الحسن ماہر، شاداب رتناگردی، واجد محسن، آغاز کیفی، سید کنول، حمید قاضی، یعقوب ساغر، شمس الدین شمس، اطہر قیصری، منظر یا عماند ڈلوی اور مہمان شعراء جناب بسمل کیفی، جے نارائن، انجم کیفی، اختر بستوی صاحب نے اپنے کلام بلاغت سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ چند منتخب اشعار نذر قارئین ہیں:-

مہر: مکرم محمد رسول مکرم
مسلّم محمد کا مسلک مسلّم

قیصر: ہم عازم طیبہ ہیں کہ کشتی کو ہماری
آغوش میں ساحل لئے طوفان ملا ہے

محمود جیال: نہ ہوتے نے آپ یہ دنیا نہ ہوتی
فروغ بزم انس و جان محمد

ابراہیم طالب: کوثر کا اسے جام عطا ہوگا یقیناً
آئے گا سر حشر جو مستانہ نبی کا

معین الدین ملا: میری نگاہ سوئے دیار حبیب ہے
آنے کو ہے بلاوا وہ ساعت قریب ہے

محمود الحسن ماہر: کیا شان محمد صلِّ علیٰ وہ اول بھی وہ آخر بھی
وہ ختم رسل محبوب خدا وہ اول بھی وہ آخر بھی

عزیز آذر: والشمس جس کا چہرہ ہے واللیل جس کی زلف
یٰسین جس کا اسم مزمّل خطاب ہے

شاداب رتناگردی: وہ یکتائے زمانہ تھے وہ یکتائے زمانہ ہیں
نہیں ثانی نہیں ان کا نہ سایہ اس میں کیا شک ہے

فرحت اشرفی: فرش تا عرش برسات ہے نور کی
آج پیدا ہوئے ہیں ہمارے نبی

جنوری ۸۴ء

وارث محسن: عرب کی سرزمیں سے ایک ایسا چاند ابھرا تھا
اُسی کے نور سے روشن ہوئے کون و مکاں سارے

سعید کنول: زبانِ کفر و جہالت پہ پڑ گئے تالے
ظہورِ حق و صداقت کو یاں وہ پہ آئے

شرف الدین قاضی: دل میں نہ ہو عشق رسولِ عربی کا
لاکھوں میں کہوں گا وہ مسلمان نہیں ہے

آغاز کیفی: دیکھیں ہیں دنیا کی ہر رونقیں اُس کے آگے
جس کو ہو آپؐ کا دیدار رسولِ عربی

اطہر قیصری: کمال بندگی نے بڑھ کے مٹھی میں خدائی لی
درِ احمد پہ ہم نے تاجداروں کو گدا دیکھا

یعقوب ساغر: قرار آئے گا اس دم یقیں کامل ہے
درِ رسولؐ سے ہو کر جو کلی گزرے

منظر بانعاند ڈلوی: خوش نصیبی سے مدینے میں سفر ہو جائے
ہم نہیں شام مدینے میں سحر ہو جائے

عبد المجید تنگیکر: آپ حق کے پیا آپ پہ حق فدا
عشق کی اس جلالت پہ لاکھوں سلام

نامہ نگار: سعید کنول

مراٹھی فلمیں عربین گلف میں

کوکن کے مشہور مراٹھی فلم پروڈیوسر روپ قادر کی دو مراٹھی فلمیں "آبلیچ دانت آبلیچ اونٹھ" اور "چندر ہوتا ساکشی لا" سارے عربین گلف میں فروری ۸۴ء میں ریلیز کی جائیں گی۔ یہ پہلا موقع ہے جب عرب ممالک میں مراٹھی فلمیں ریلیز ہونے جا رہی ہیں۔ عرب ممالک میں مقیم کوکنی افراد کے لئے یہ خبر کافی مسرت خیز ہوگی۔

انجمن استادانِ فارسی کی چھٹی کانفرنس

وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی ڈاکٹر ایم ایس گور نے تو چرچ گیٹ کنونشن ہال میں چھٹی آل انڈیا پرشین ٹیچرس کانفرنس کا افتتاح کیا۔ صدر جلسہ ایس اے ایچ عابدی تھے۔ بمبئی یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹیڈیز (فارسی) کے چیئرمین پرنسپل ڈاکٹر عبد اللہ ویس نغشی نے فارسی کی ترقی کے لیے بمبئی یونیورسٹی کی جانب سے دی جانے والی سہولیات کا ذکر کیا۔ اس موقع پر آل انڈیا پرشین ٹیچرز ایسوسی ایشن کی جانب سے گجرات کے ڈاکٹر اے ایم قریشی اور بمبئی کے ڈاکٹر این ایس گوریکر کو خصوصی انعام سے نوازا گیا۔

آر کے میڈیکل اسٹور کا اجراء

۲۵ دسمبر ۸۳ء کو ضیا اپارٹمنٹ نزد بمبئی سینٹرل جناب واثق احمد پرکار کے آر کے میڈیکل اینڈ جنرل اسٹور کا افتتاح عالی جناب حسین خان دلوائی سابق وزیر حکومت مہاراشٹر کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ جناب علی ایم شمسی صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ اس موقع پر شہر کی بالخصوص کوکنی برادری کی ممتاز ہستیاں بڑی تعداد میں شریک تھیں۔

بزمِ نسواں مہاراشٹر (رتناگری) کا جلسۂ عید میلاد

۱۹ دسمبر ۸۳ء کو بزمِ نسواں مہاراشٹر رتناگری سینٹر کی جانب سے بچت بھون میں جامعہ اصلاح البنات بمبئی کی معلمہ ہاجرہ حسین ساکھرکر کی زیرِ صدارت ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا تھا جس میں جامعہ اصلاح البنات کی طالبات بھی مدعو تھیں۔ محترمہ طلعت شیخ نے سورہ رحمٰن کی قرأت سے اس تقریب کا آغاز کیا۔ بزم کی صدر محترمہ حمیدہ بیگم آڈرے نے معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ نائیک گرلس ہائی اسکول کی طالبات رخسانہ ٹیمریکر، شبانہ سلیمان ناکھوا نے تقریریں کیں۔ محترمہ ہاجرہ حسین ساکھرکر نے نعت پڑھی اور خطبۂ صدارت پیش کیا۔

★

نقشِ کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست کی اشاعت پر نہ صرف آپ قوم و ادب کے حقیقی خیر خواہوں سے متعارف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے ——— لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے:۔

لائف ممبر:۔

جناب ظہور احمد بخش امام — بمبئی
محترمہ رضیہ بیگم اسماعیل چوگلے — ″
جناب ایم ایس انوری — دارالسلام

بیرونِ ہند سالانہ خریدار:۔

جناب مدن موہن کالیہ — لندن
″ فیصر محمد بیگ — تقبا سودی عربیہ
″ سراج الدین مجگاؤنکر — جدّہ
″ ظفر سرگروہ — المنیرہ
″ توحید احمد اعظمی — دمام

سالانہ خریدار:

جناب آدم عبدالرحمٰن ڈاور — ے وڈوولی ضلع رائے گڈھ
″ ابراہیم علی کھوت — مبرا
— اے ایل جے جونیر کالج مہسلہ — ضلع رائے گڈھ
جناب ایوب دھرموجی — تارڈیل ضلع رتناگری
مس عارفہ حسین پیرکار — کالستہ
جناب عبدالرحیم خان سرگروہ — سیوڑی بمبئی
— انجمن اسلام ہائی اسکول — بجنجوہ مروڈ
— انجمن رفاہِ عام — ضلع بستی
ڈاکٹر این۔ ایس شیخ — ناسک
حاجی شیخ احمد برڈے — پینگاری ضلع رتناگری
جناب عبدالغفور عزیز سرنگ — وڈالا بمبئی

شرحِ خریداری

سالانہ: ۲۵ روپیے ★ بیرونِ ہند: ۱۰۰ روپیے/ تاحیات خریداری: ۲۵۰ روپیے ★ بیرونِ ہند: ۱۲۵۰ روپیے

شادی خانہ آبادی

★ نقشِ کوکن کے مقبول قلم کار اور مشہور شاعر جناب شرف کمالی کی دختر شہناز کا عقد مسعود ۲۸ دسمبر ۱۹۸۳ء کی شام نیشنل کالج باندرہ بمبئی کے ہال میں نوجوان مرین انجینئر جناب منصور امیر شاہ کے ساتھ انجام پایا۔

★ لندن (انگلینڈ) کے اولین ہندوستانی کونسلر شری مدن موہن کالیہ کی دختر سندھیا کالیا کی شادی گزشتہ مہینہ نوٹنگھم کے الیکٹرونک انجینئر ورینیہ شرما کے ساتھ انجام پائی۔ دولہا دلہن کو بھارت، پاکستان، سری لنکا، یورپ اور امریکہ سے مبارکبادی کے پیغامات موصول ہوئے۔ وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے بھی اپنے خط کے ذریعہ اس جوڑے کے لئے نیک تمناؤں کے ساتھ خوشحالی اور مسرت کی دعا دی ہے۔

★ بمبئی آندھرا ٹرانسپورٹ کے مالک حاجی غلام محمد سیٹھ کے یہاں ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء کو تقریب نکاح خوانی انجمن اسلام بوری بندر میں رکھی گئی اور شام اوبرائے ٹاور ہوٹل میں استقبالیہ دیا گیا۔ اس جشن میں شہر کی معزز ہستیوں نے کثیر تعداد میں شرکت کر کے دولہا دولہن کو دعائیں اور تحفے تحائف دئیے اور حاجی محمد سیٹھ و برادران کو مبارکباد دی۔

★ کراچی پاکستان کے ایک ممتاز بحری پائلٹ کیپٹن شہاب مقدم کی دختر سیما کا عقد مسعود آفتاب احمد ادریس بلبلے کے ساتھ ۹ دسمبر ۱۹۸۳ء کو انجام پایا۔

★ لکھنؤ کے مشہور تاجر اور بمبئی کے ادبی حلقہ میں جانی پہچانی شخصیت جناب محمود چھاپرا صاحب کے فرزند امتیاز کی شادی فرحت بنت محمد علی حسن کے ساتھ ۲۳ دسمبر ۸۳ء کو صابو صدیق گراؤنڈ بمبئی پر انجام پائی۔

★ ضلع رائے گڑھ کے مشہور وکیل جناب داؤد آدم راؤت کی دختر ڈاکٹر نفیس بانو کی شادی ڈاکٹر محمد صالح فرزند عبداللہ راؤت کے ساتھ ان کے وطن موربہ میں ۱۱ دسمبر ۸۳ء کو انجام پائی۔

★ حکومت مہاراشٹر میں محکمہ داخلہ کے ریٹائرڈ سیکریٹری جناب عبدالستار کھتکھٹے کے فرزند محمد اقبال کی شادی رعنا زرّیں بنت حاجی عبدالمجید محمد ابراہیم تنگیکر کے ساتھ ۲۲ دسمبر ۸۳ء کو بیگ محمد باغ بمبئی میں انجام پائی۔

★ جناب مجاز غلام محمد ڈانگے کی شادی شریفہ بنت عزیزہ مستیم کے ساتھ ۴ دسمبر ۸۳ء کو بھیونڈی ضلع تھانہ میں انجام پائی۔

★ ٹیکس کنسلٹنٹ جناب عبدالحمید قاضی کی دختر افسری کی شادی محمد حنیف عبدالرزاق پٹیل کے ساتھ ۲۰ نومبر ۱۹۸۳ء کو صابو صدیق گراؤنڈ پر انجام پائی۔

★ جناب سید عبدالماجد ابن سید احمد نذیر کا عقد مسعود یاسمین بنت سید محمد سعید نذیر کے ساتھ ۴ دسمبر ۸۳ء کی صبح چونا بھٹی مسجد بمبئی ۲۲ میں انجام پایا۔

★ نقشِ کوکن کے دیرینہ سرپرست جناب عبدالقادر شمس الدین (A.K.S.) پرکار کی دختر رفیعہ کی شادی جناب عبدالرزاق کاسکر کے فرزند شاداحمد کے ساتھ یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو کالستہ تعلقہ چپلون میں انجام پائی۔

شادی کی خبریں

شادی سے متعلق خبریں شریکِ اشاعت ہوتی ہیں۔ جنھوں نے ادارہ کی سرپرستی فرمائی ہے یا اس پرمسرت موقع پر جو کم از کم ۲۵ روپے کے عطیہ سے نقشِ کوکن کو نوازتے ہیں۔ شادی کی خبریں بغرضِ اشاعت بھیجتے وقت اس امر کا خیال رہے۔

(ادارہ)

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

★ جناب ابراہیم مغل (صفدر رتناگیروی) کی ہمشیرہ عائشہ بی موسیٰ مغل کا مختصر سی علالت کے بعد ۱۷ دسمبر ۱۹۸۳ء کو بمبئی میں انتقال ہوگیا۔

★ بمبئی کے معروف قوال غفار آزاد کے ماموں جناب فقیر محمد علی میاں پرکار کا ۸ دسمبر ۸۳ء کو تھانہ میں انتقال ہوا۔

★ ۱۸ دسمبر ۸۳ء کو جناب محمد صالح محمد اسحاق ڈاورے کے جواں سال فرزند آدم کا مختصر سی علالت کے بعد جنوبی افریقہ میں انتقال ہوگیا۔

★ شیون (بزرگ) تعلقہ کھیڈ کی محترمہ صابرہ بی عبداللہ چیکلے ۱۰ نومبر ۸۳ء کو راہیِ عدم ہوگئیں۔ مرحومہ سرطان کے موذی مرض میں مبتلا تھیں۔

★ نقشِ کوکن کے ایک دیرینہ ہمدرد جناب محمود اسماعیل واڈکر جو نیول ڈاکیارڈ بمبئی میں ملازم تھے ۲۶ دسمبر ۸۳ء کو بمبئی میں انتقال کر گئے۔ ان کی میت ان کے وطن دالوٹ ضلع رائے گڑھ میں لیجا کر سپردِ خاک کی گئی۔

★ بہرولی نمبر ۲ تعلقہ کھیڈ کی ایک علم دوست اور دیندار ہستی جناب احمد وزیر کھوت جوگلے جو گوونڈی بمبئی میں مقیم تھے اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے سے جاں بحق ہوگئے۔

★ بہرولی نمبر ۲ تعلقہ کھیڈ کی ایک بزرگ خاتون عابدہ بی عمر نائیک طویل علالت کے بعد رحلت فرماگئیں۔

★ شیون تعلقہ کھیڈ کے جناب ابراہیم محمد اسحاق فرفرے کا طویل علالت کے بعد ۲۸ نومبر ۸۳ء کو انتقال ہوگیا۔

★ ۲۸ دسمبر ۸۳ء کو شرگاؤں رتناگری کے جناب قاضی علی فقیر محمد قاضی کا انتقال ہوگیا۔

★ ۲۴ نومبر ۸۳ء کو دابھول ضلع رتناگری کی معزز ہستی جناب نظام الدین نصر الدین بدر کا حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا۔

★ بھیونڈی کے ممبر اسمبلی جناب وقار مومن کے دادا کا پچھلے مہینہ انتقال ہوگیا۔

★ اردو رپورٹر اور رپورٹر آفسیٹ پریس کے پارٹنر جناب سید علی حیدر صاحب کی اکلوتی لڑکی سیدہ ماہ طلعت کا ۱۳ دسمبر ۸۳ء کو انتقال ہوگیا۔

★ کلیان کی ایک معزز شخصیت جناب نجم الدین کمال الدین کھوت (۶۹ سال) کا ۲ دسمبر ۸۳ء بروز جمعہ بمبئی کے ہرکسن داس اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ وہ ایک عرصہ سے بیمار تھے۔

★ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم مدرسہ حسینیہ رانا چیر میں استاد رہ چکے ہیں اور انھوں نے آخر عمر تک دین و ملت کی خدمت کی۔

★ مجگاؤں ڈاک کینٹین کے سپروائزر جناب عبدالستار ابراہیم میرکر کے ۱۷ سالہ فرزند محمد نسیم ۹ نومبر ۸۳ء کو منگل کے روز اپنے وطن ساکھری میں کشتی ڈوب جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔

★ وڈولی تعلقہ واڑا ضلع تھانہ کے ہر دلعزیز سماجی رکن اور دیندار دلپذیر شخصیت جناب حاجی انور محمود میاں بھورے کا ۲ دسمبر ۸۳ء کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے تھانہ میں انتقال ہوا۔ مرحوم کو اپنے وطن وڈولی میں سپردِ خاک کیا گیا۔

★ جماعت المسلمین ممبر مسجد کے چیف ٹرسٹی حاجی عمر ایوب قریشی کا گزشتہ ماہ انتقال ہوگیا۔ انھیں ان کے آبائی وطن دیوگاؤں اورنگ آباد میں سپردِ خاک کیا گیا۔

★ ۹ دسمبر ۸۳ء کو ملک کے عظیم جنرل شاہ نواز حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ موصوف نے وطن کی آزادی کے سلسلے میں بیشمار خدمات کیں۔ وہ سوبھاش چندر بوس کی آزاد ہند فوج کے جنرل تھے اور جمعیۃ العلماء کی مجلسِ عاملہ کے اہم رکن تھے۔

آخری صفحہ

قومی دھارا (جاری)

اور آپ بھول گئے آزادی کے اُس عظیم پیشوا کو جو پاکستان کی تشکیل کی ہر جانب مذمت کرتا پھرتا تھا۔
لوگ جسے ابوالکلام آزاد کے نام سے جانتے ہیں، جو ہندوستان کی خونیں تقسیم سے قبل انڈین نیشنل کانگریس کے صدر تھے۔
آزادی کے بعد جو اس ملک کی تعمیر و ترقی میں جٹے رہے اور مسلمانوں سے کہتے پھرتے تھے کہ یہی ہمارا وطن ہے۔
ہمیں یہیں رہنا ہے اور اس ملک کو عظیم بنانا ہے۔۔۔ اور گاندھی جی اور نہرو جن کے سیکولرزم کی قسمیں کھاتے تھے۔
مگر فرقہ پرستوں نے انھیں بھی نہیں بخشا اور انھیں بھی اپنے "قومی دھارے" میں شامل نہیں پایا۔
اور آپ بھول گئے ذاکر حسین کو جو کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میرا گھر ہے اور اس کی عوام میرا خاندان۔
مگر پھر بھی فرقہ وارانہ فسادات رُکے نہیں اور مسلمان کٹتے اور مرتے رہے۔
اور وہ رفیع احمد قدوائی جس سے بہتر وزیر غذا ابھی تک ہندوستان کو نصیب نہیں ہوا۔
جس کی نظر میں بھوک کا کوئی مذہب نہیں تھا، لہٰذا وہ ہر کسی کی مشکل کشائی کرتا تھا۔
یہ مسلمان ہندوستان کے غذائی مسئلے حل کرتے کرتے اپنی شدھ بدھ کھو گیا تھا اور جو راشن کی قطار میں خود کھڑا ہو کر اپنا راشن لیا کرتا تھا
مگر پھر بھی سبھوں کو شکایت ہے کہ مسلمان قومی دھارے میں شامل نہیں
اور وہ حسرت موہانی جن کا قلم قومی یکجہتی کو خراجِ عقیدت پیش کرتا رہا
اور ہدایت اللہ، صادق علی، علی یاور جنگ اور اکبر علی خان جن کی "ہندوستانیت" کئی غیر مسلموں سے بلند تھی۔
وہ آئینِ ہند کو مقدس مانتے رہے، جنھوں نے کبھی کسی کا مذہب نہیں پوچھا
ان کے ذاتی سیکریٹری اور مشیر ان کی اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل تھی
ان میں سے دو حضرات نے غیر مسلم خواتین سے ان کا مذہب تبدیل کیے بغیر شادی کی۔
مگر ہمارے سیاسی لیڈران یہ کہنے سے کبھی نہیں چوکے کہ مسلمانوں کو قومی دھارے میں شامل ہونا چاہیے

(دراصل آزادی کے بعد سے مسلم قوم کی حالت وہی ہے جو آزادی سے پہلے پوری ہندوستانی قوم کی تھی۔
پہلے ہندوستانی قوم انگریزوں کے تلوے چاٹتی تھی اور انھیں ہر ممکن خوش کرنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی
یہ ہندوستانی اپنے ہم وطنوں کی جاسوسی کیا کرتے تھے اور انگریزوں کے مخبر بن کر اپنی قوم کو کٹواتے اور مرواتے تھے۔
آج مسلمان غیر مسلموں کے تلوے چاٹا کرتے ہیں اور کئی مسلمان "میر جعفر" کا کامیاب کردار ادا کر رہے ہیں
اور آج مسلمان تقریباً ہر سیاسی پارٹی میں شریک ہی نہیں متحرک بھی ہے
وہ کانگریس (آئی) میں بھی ہے اور جنتا پارٹی میں بھی۔ وہ لوک دل میں بھی ہے اور بھارتیہ جنتا پارٹی میں بھی
وہ سوشلسٹ پارٹی میں بھی ہے اور کمیونسٹ پارٹی میں بھی۔ وہ تیلگو دیسم میں بھی ہے اور ڈی ایم کے میں بھی۔
حتیٰ کہ وہ شیو سینا میں بھی ہے اور ان ساری پارٹیوں کے پلیٹ فارم سے وہ تقاریر کرتے ہیں۔
ان کی پارٹی کے غیر مسلم امیدوار کے خلاف چاہے مسلم لیگ کا امیدوار کھڑا ہو یا مسلم مجلس کا اسے شکست دلائے۔
مگر پھر بھی مسلمان قومی دھارے میں شامل نہیں۔
تو پھر آخر یہ قومی دھارا کیا ہے اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے
(قومی دھارا جاری ہے)

مبارک کاپڑی

FEBRUARY-1984

Rs. 2-50

23RD
YEAR OF PUBLICATION

NAQSHE KOKAN MONTHLY

نقش کوکن

قائم شدہ ۱۹۶۲ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

کوکن انڈین لینگویجز نیوز پیپرز ایسوسی ایشن بمبئی

جلد ۲۳ / فروری ۱۹۸۴ء / شمارہ نمبر ۲

مجلس مشاورت :
★ پروفیسر محمد شفیع شیخ ★ پرنسپل رشیدہ قاضی
★ پروفیسر رشید داعی ★ پروفیسر عرفان فقیہ
★ پروفیسر شکیل پر پارکر ★ پروفیسر ڈاکٹر حمیدہ دلوی
★ اے ای ملا ★ ریاض آفندی

اعزازی نمائندے
• ابراہیم تیداڈی (انگلینڈ) • یاسین سروگ (سعودی عربیہ)
• اے قیس اسمٰعیل دھنشے اقبال الدین مقدم جمال (جنوبی افریقہ)
• شیخ اسماعیل (مشرقی افریقہ) • شاہجہاں سرنگ (یو اے ای)

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر : ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر : ایس اے رحیم توپکر

قیمت فی پرچہ : ۲/۵۰ روپے
سالانہ خریداری : ۲۵ روپے
تا عمر خریداری : ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سالانہ خریداری : ۱۴۰ روپے
تا عمر خریداری : ۱۲۵۰ روپے

مقام اشاعت : ۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

مقام طباعت : اجمل پریس بمبئی ۳

ملکیت : نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (E 3006)

فون : 865384/869974/861577

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ :
۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

تمام متنازعہ امور میں حق سماعت
عدالت ہائے بمبئی کو ہوگا

تاریخ اشاعت : یکم فروری ۱۹۸۴ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری ہے

اس ماہ کے نقوش

خصوصی پیش کش

منتخبات

القرآن

لِمَنْ یَجُوْزُ اَنْ یَّصُوْمَ رَمَضَانَ بَعْدَہٗ

کس کس کو روزہ رمضان دوسرے دنوں میں رکھنے کی اجازت ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ط فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ط وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَھُوَ خَیْرٌ لَّہٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(البقرۃ)

مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں (یعنی اہل کتاب) پر روزہ رکھنا فرض تھا تم پر بھی فرض کیا گیا، تاکہ تم (بہت سے گناہوں سے) بچو (وہ بھی) گنتی کے چند روز ہیں۔ پس جو شخص تم سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی (پوری) کرے۔ اور جن کو کھانا دینے کا مقدور ہے ان پر ایک روزہ کے بدلے ایک محتاج کو کھانا کھلانا ہے، اور جو شخص خوشی سے نیک کام کرنا چاہے تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے، اور سمجھو تو روزہ رکھنا (بہر حال) تمہارے حق میں بہتر ہے۔

یہ خصوصی پیش کش جناب ای ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

پہلا صفحہ

پچھلے چند سالوں سے ہمارے ملک میں ایک بڑی تعداد میں ہریجن اسلام قبول کر رہے ہیں،
جس سے ہماری حکومت اور اکثریتی فرقہ دونوں کافی پریشان اور ہراساں ہیں اور انتہائی نامعقول حرکات کر رہے ہیں۔
حال ہی میں وشو ہندو پریشد نے ہندو دھرم کی بقا کی خاطر پورے ہندوستان میں ایکاتمتا یگیہ کا انعقاد کیا۔
یہ جتاناکہ برہمن- بھولے بھالے ہندوؤں کو یقین دلانا چاہتے کہ یگیہ کر کے ہندو دھرم کو بچایا جا سکتا ہے۔
اور حکومت کو حسب معلوم اس میں "بیرونی ہاتھ" نظر آیا اور یہ کہ اس کے لئے عرب ممالک سے کافی پیسہ آ رہا ہے۔
فرض کیجئے ایک ہریجن اگر پانچسو روپے کی خاطر مسلمان بن سکتا ہے تو آپ اسے چھ سو روپے دیجئے وہ ضرور دوبارہ ہندو بن جائے گا۔
اگر وہ دوبارہ ہندو نہیں بنتا تو اس کے تبدیلی مذہب کا سبب پیسہ نہیں بلکہ "کچھ اور" ہے۔
وہ کچھ اور کیا ہے۔ سبھی جانتے ہیں۔ مگر بڑی خوبصورتی سے اس سے آنکھیں چرائے ہوئے ہیں۔

آج بھی دیہاتوں میں ہریجنوں کو زندہ جلایا جاتا ہے، ان کی عورتوں کی عصمت دری ہوتی ہے۔
ہزاروں مندر ایسے ہیں جن میں ہریجنوں کا داخلہ سخت منع ہے۔
ابھی تک ہریجن کا سایہ پڑنے پر برہمن غسل لینا ضروری سمجھتے ہیں۔
اکثریتی فرقہ اگر تبدیلی مذہب کو روکنا چاہے تو اسے ہریجنوں کے ساتھ مساوات برتنا ہوگا۔
انھیں اپنے مندروں میں داخلہ دینا ہوگا۔ ان پر ہونے والے ہر ظلم اور ستم کا انسداد کرنا ہوگا۔
مگر ایسا کرنے سے، برہمنوں کا دھرم نشٹ ہو جائے گا اس لئے وہ ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔
اور بھولے بھالے ہندوؤں کو بے وقوف بنا کر یگیہ کراتے رہیں گے۔ جن جاگرن کی تقریبیں کرائیں گے۔
لیکن ہریجنوں کو مساوی درجہ دینا تو درکنار ان کے سائے سے بھاگتے رہیں گے۔

مذہب تبدیل کرنے والے ہمیشہ یہ بیانات دیتے آئے کہ وہ کسی دباؤ، زبردستی یا لالچ سے مذہب تبدیل نہیں کر رہے۔
بلکہ یہ سماجی ناانصافی کے خلاف آواز ہے، اور پھر مسلمان ہمارے ساتھ کھانا کھاتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے ہیں، گلے لگاتے ہیں
حکومت بھی جانتی ہے کہ تبدیلی مذہب کا سبب نہ بیرونی ہاتھ ہے نہ پیسہ مگر شنکر آچاریوں اور پنڈتوں سے وہ بغاوت کیسے کرے؟
پھر انھیں الکشن کی خاطر کروڑوں روپیہ (ہندوستان کے سو بڑے صنعت کاروں میں ۹۰ برہمن ہیں) کہاں سے ملے گا؟
تبدیلی مذہب کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اکثریتی فرقہ اپنے مسائل بھول کر صرف دوسروں کے مسائل میں ٹانگ اڑاتا رہا۔
ہریجنوں اور دلتوں پر ہونے والے مظالم سے انھیں کوئی سروکار نہیں، ہاں مسلم پرسنل لا کی فکر انھیں کھائے جا رہی ہے۔
ہریجنوں کی بستیاں جلائی جاتی ہیں۔ مگر انھیں مسلم پرسنل لا میں تبدیلی اس کا اولین مقصد ہے۔
انہی لوگوں نے اپنی قوم میں چند مصلح پیدا کرنے کے بجائے حمید دلوائی کو جنم دیا اور بڑھاوا دیا۔
غیر مسلم عورتوں نے ابھی تک لاتعداد سیمنار اور جلسے وغیرہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی خاطر منعقد کرائے۔
یہ عورتیں اگر معاشرے کی فلاح کی حقیقی خیر خواہ ہیں تو انھوں نے ایک آدھ مورچہ قحبہ خانے اور عیاشی کے اڈوں کے خلاف کیوں نہیں نکالا؟
(مطلب یہ ہوا کہ ان کے شوہر جائز طریقے سے چار بیویاں نہ رکھیں۔ مگر ناجائز طریقے سے کچھ بھی کریں، کوئی مضائقہ نہیں)
غرض کہ اکثریتی فرقے کو اپنا مذہب بچانے کے لئے "جن جاگرن" کی نہیں بلکہ "من جاگرن" کی ضرورت ہے۔

مبارک کاپڑی

نئی دہلی میں اجتماعات

یہ سچ ہے کہ مسز اندرا گاندھی کے دورِ وزارت میں ہندوستان کی عزت و شہرت کو چار چاند لگ گئے ہیں. دو سال کے اندر جو پے در پے تین عظیم اجتماعات ہندوستان میں ہوئے ان کے باعث یہ ملک ساری دنیا کی توجہات کا مرکز بن گیا

پہلا اجتماع تو ایشیائی گیمز کا ہوا. نئی دہلی میں ایشیا کے بڑے بڑے کھلاڑیوں کا اجتماع ہوا اس اجتماع کے باعث دنیا کے اس طبقے میں ملک کا وقار بہت بلند ہو گیا، جو کھیل کود کو ایک ضروری حصہ سمجھتا ہے.

دوسرا اجتماع ناوابستہ ممالک کی کانفرنس کا تھا. یہ تحریک سب سے پہلے پنڈت جواہر لال نہرو نے پیش کی تھی. صدر ناصر، مارشل ٹیٹو اور پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کی بنیاد ڈالی. یہ چھوٹی سی تحریک مختصر سی مدت میں دنیا کی ایک عظیم تحریک بن گئی. اور آج اس کے ممبروں کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہو گئی ہے. اور یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ دنیا کے سیاسی معاشی اور سماجی مسائل کا اس تحریک سے متاثر ہونا ناگزیر ہے.

تیسرا اجتماع دولتِ مشترکہ کے ممبروں کا تھا، جو ابھی نومبر میں ہوا. دولتِ مشترکہ ان ممالک کی تنظیم کا نام ہے جو پہلے تاجِ برطانیہ کے زیرِ اقتدار تھے. برطانیہ نے جاتے جاتے ان ممالک کی ایک تنظیم قائم کر دی، جو دولتِ مشترکہ کی تنظیم کہلاتی ہے. آج اس کے ممبروں کی تعداد ۴۴ ہے. اس کا سربراہ تاجِ برطانیہ کا وارث ہوتا ہے. آج کل اس کی سربراہ ملکہ الزبتھ ہیں جو اس تاج کی وارث ہیں. یوں تو برطانیہ کی حکومت ان ممالک سے اٹھ گئی ہے مگر اس تنظیم کے ذریعے ان ممالک پر ایک قسم کی بالادستی اب بھی برطانیہ کی قائم ہے — نئی دہلی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان دو سالوں میں ان اجتماعات میں شریک ہونے والے متعدد اشخاص کی میزبانی کا شرف اس کو حاصل ہوا. بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ ان اجتماعات کا حاصل کیا ہے. یہ اجتماعات منعقد ہوئے. لیکن کے باوجود عراق و ایران اور فلسطین و اسرائیل کے مسائل جوں کے توں باقی ہیں. یہ درست ہے. اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ممالک کسی ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے. یہ صرف مشورہ دیتے ہیں اور انھوں نے بہترین مشورے دیئے. یوں بھی دنیا کی اتنی تنظیموں کا ایک جگہ جمع ہونا بے فائدہ نہیں ہو سکتا. اس کا دنیا کے مسائل پر گہرا اثر پڑتا ہے. امریکہ اور روس کوئی اقدام کرنے سے پہلے دنیا کی رائے عامہ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور ان کو یہ رائے عامہ ان تنظیموں کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہے. مثلاً ایٹمی میزائیلوں کی تنصیب کا سوال ہے. ان دونوں ممالک کو اس تنظیم کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ اس مسئلے میں یورپ اور ایشیا کا نقطۂ نظر کیا ہے.

رہ گئے معاشی اور سماجی مسائل تو ان تنظیموں کے ذریعے ان مسائل کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے. اور اس طرح سارے ممالک ایک دوسرے کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہیں. ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ ان اجتماعات کے ٹھوس نتائج برآمد ہوں گے.

یومِ جمہوریہ کی ۳۴ ویں سالگرہ مبارک ہو.

آزاد ہندوستان غلام مسلمان

ملک میں تقریباً ہر روز ہونے والے فسادات کی خبروں سے ہندوستانی مسلمان کے لاشعور پر ایک نہ مٹنے والا خوف طاری ہو چکا ہے۔ اور کسی حد تک اسی خوف کے احساس نے مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا کر رکھ دیا ہے۔

ملک کے عیّار سیاستداں اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر مسلمانوں کے دل و دماغ سے اس انجانے خوف کا احساس نکل گیا اور دستورِ ہند میں عطا کردہ حقوق کے صحیح معنوں اور آزادی کے صحیح مفہوم سے ملک کا مسلمان واقف ہو گیا تو ملک کی حالت کچھ اور ہوگی۔ اور ان عیّار سیاستدانوں کا مستقبل تاریک ترین ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت اور سیکولرزم کے نام پہ فرقہ پرست اور رجعت پسند پارٹیوں کو اپنی من مانی کرنے کے لئے چھوٹ دے دی گئی ہے تاکہ خوف و دہشت کا یہ احساس مسلمانوں کے اذہان پر نقش ہو جائے اور مسلمان دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارے۔ اور یہی سبب ہے کہ ایک تنہا مسلمان اپنے آپ کو کسی بھی غیر مسلم علاقہ میں اجنبی اور غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ اس میں نہ بے خوفی سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی قوت باقی رہتی ہے نہ ہی غلط سلط باتوں پر اعتراض کرنے کی جرأت...... یہی وہ خوف ہے جو لاشعور پر ثبت ہو چکا ہے اور یہی ڈر مسلمانوں کو مصلحت کا لبادہ اوڑھنے پہ مجبور کرتا رہتا ہے — اب بھی وقت ہے، مسلمانوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر اس ملک میں باعزت زندگی گزارنی ہے تو دل و دماغ سے اس انجانے خوف کو دور کرنا ہوگا۔ ملک کے عیار ترین سیاستدانوں کی یہی کوشش ہوگی کہ یہ خوف کبھی دور نہ ہونے پائے۔ اسی لئے آزادی کے چھتیس سال بعد بھی حکمراں طبقہ فسادات روکنے کی تدابیر کرنے کی بجائے فسادات پر آنسو بہانا پسند کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تسلّی کے دو بول (جانی نقصانات پر) اور کچھ روپیوں کی امداد (مالی بربادیوں پر) اور پھر ایک آدھ انکوائری کمیشن کا تقرر مسلمانوں کو مدہوش کر دیتا ہے — آج اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو اور خاص طور پر آنے والی نسلوں کو آزادی، جمہوریت اور سیکولرزم کے وہ مفہوم سمجھائے جائیں جو دستورِ ہند میں تحریر ہیں۔ جب تک مسلمان اپنے حقوق و فرائض سے صحیح طور پر واقف نہیں ہوگا وہ گمراہ کیا جاتا رہے گا۔ اس سلسلے میں ایک بڑی ذمہ داری مدرّس حضرات اور صحافیوں پر بھی آتی ہے۔ اگر اخبارات دستورِ ہند کے ان آرٹیکلس کو جن میں شہری حقوق کی ضمانت دی گئی ہے تفسیر و تبصرہ کے ساتھ اکثر و بیشتر شائع کرتے رہیں تو یقیناً عوام کو ان حقوق سے واقفیت ہو جائے گی جو دستور میں انھیں عطا کئے گئے ہیں۔ اسی طرح ہائی اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ کرام کا بھی فرض ہے کہ وہ طلبہ کو دستور میں عطا کردہ حقوق کی اہمیت سے واقف کرائیں اور ان کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے خوف کا پردہ کھینچ پھینکیں اور آنے والی نسلوں میں احساس کمتری کا جذبہ نہ پیدا ہونے دیں۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن

دہلی کا تاریخی لال قلعہ

لال قلعہ ہماری تاریخ آزادی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ جہاں ۱۸۵۷ء میں برطانوی سامراج کے خلاف ہندوستان میں پہلی بار صدائے احتجاج بلند کیا گیا۔ اور سامراج کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا۔ بہادر شاہ ظفر کے سپاہیوں نے ظلم اور غلامی کے خلاف اپنے ہتھیار اٹھا لیے۔ اور اس طرح تاریخ کے صفحات پر بہادر شاہ ظفر کا نام زندہ جاوید بن گیا۔

لال قلعہ شاہ جہاں نے تعمیر کرایا اور اس کے بعد یہ مغل بادشاہوں کی رہائش گاہ بن گیا۔ جواہر لال نہرو نے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو لال قلعہ کی فصیل سے یونین جیک اتار کر ترنگا لہرایا تھا۔ لال قلعہ کا سنگ بنیاد ۱۶۳۹ء میں رکھا گیا۔ مغل شہنشاہ شاہ جہاں نے اپنے پایہ تخت کو آگرہ سے منتقل کر کے دہلی کو دارالخلافہ بنانا چاہا، اور لال قلعہ کی بنیاد رکھی۔ شاہ جہاں نے آگرہ میں گیارہ سال حکومت کی۔ بہرحال لال قلعہ کی تعمیر شروع ہوئی، اور اس کی تکمیل نو برسوں میں ہوئی۔ اس کی تعمیر پر نو کروڑ روپے صرف ہوئے۔ اس میں پانی کو گرم کرنے کا انتظام دیواروں ہی میں پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ پانی کی ٹانکی میں پھول پتے اور بیل بوٹے کچھ اس طرح سے تراشے گئے ہیں کہ اگر پانی بھرا ہوا ہو تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے واقعی پھول پتیاں تیر رہی ہیں۔ قلعہ کا ایک اور حصہ جو آج بھی لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے وہ "ایوان خاص" ہے۔ یہ شاندار سنگ مرمر کا وسیع ہال ہے۔ جس میں ۳۳ ستون ہیں۔ جو نقاشی کا شاندار نمونہ ہیں۔ یہی وہ ایوان خاص ہے جہاں بہادر شاہ ظفر نے انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی کے دوران اپنا اجلاس منعقد کیا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اورنگ زیب کے دو بھائیوں مراد اور دارا کو قتل کیا گیا۔ جہاں سے مشہور کوہ نور ہیرے کو نادر شاہ نے حاصل کیا تھا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے شاہ عالم نے مہادجی سندھیا کو تحفظ گاہ گشتی کا حکم دیا تھا۔ جہاں بہادر شاہ ظفر پر مقدمہ چلایا گیا۔ اسی تاریخی مقام پر شاہ جارج نے تاریخی دربار منعقد کیا تھا۔

لال قلعہ کے دیگر محلوں میں رنگ محل، ممتاز محل، خاص محل اور مثمن برج بھی ہے۔ رنگ محل کے در و دیوار میں شیشے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے خوبصورتی سے جڑے ہوئے ہیں۔ جن سے ہزاروں عکس ابھر آتے ہیں۔ اور ایک شاندار نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ موتی مسجد کے شمال میں حیات بخش باغ ہے۔ جہاں مربع کی شکل کے لان ہیں اور درمیان میں نہر کا راستہ ہے۔

لال قلعہ کی تعریف اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک کہ اس کی طرف جانے والے تین عظیم الشان باب الداخلہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ مغربی اور جنوبی سمت میں موجود گیٹ ہیں انھیں لاہوری گیٹ اور دہلی گیٹ کہا جاتا ہے۔ دہلی گیٹ کے باہر دو سنگی ہاتھی ہیں۔ جنھیں اورنگ زیب نے گروا دیا تھا۔ لیکن لارڈ کرزن نے ۱۹۰۳ء میں بنوا دیا۔ لال قلعہ کے لاہوری گیٹ اور محلات پر چھت دار راستہ بنا ہوا ہے۔ جس کو چھتہ چوک کہتے ہیں۔ جہاں اب دکانیں

قائم ہیں۔ لاہوری گیٹ کے روبرو شہر کا قدیم مشہور چاندنی چوک واقع ہے۔ لال قلعہ پر یونین جیک برطانیہ نے اس وقت لہرایا تھا جب ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی کو برطانوی سپاہیوں نے کچل دیا تھا۔ اور بہادر شاہ ظفر کو قیدی بنا لیا تھا۔

لال قلعہ دہلی وہ تاریخی مقام ہے جہاں انڈین نیشنل آرمی کے تین عہدیداروں پر مقدمہ چلایا گیا۔ اور برسوں کے بعد جواہر لال نہرو نے بیرسٹر کا لباس پہن کر انڈین نیشنل آرمی کے تین عہدیداروں کی جانب سے پیروی کی تھی۔ آج اسی لال قلعہ پر ترنگا لہرا کر یوم آزادی منایا جاتا ہے۔ قومی پریڈ یہیں ہوتی ہے۔ وزیر اعظم تینوں افواج کے گارڈ آف آنرز کا معائنہ کرتے ہیں۔ لال قلعہ کا ایوانِ عام ۵۰۰ فٹ چوڑا ہے یہاں مغل بادشاہ اپنا دربار منعقد کرتے تھے۔

اور یہیں سے فنونِ لطیفہ کے ماہر انعام و اکرام پاتے تھے اور شاعر اور موسیقار اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے اور بے انتہا انعامات اور وظیفہ جات سے سرفراز ہوتے اور داد و تحسین حاصل کرتے۔

لال قلعہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لال پتھر کا استعمال زیادہ ہوا ہے۔ یہیں ہندوستانی جنگی یادگار میوزیم ہے جو عالمی جنگ پر قائم کیا گیا تھا۔ اس میں ٹکٹ، تصاویر، سکّے، اسلحہ اور دیگر جنگی سامان ہے۔ جو ہندوستانی سپاہیوں نے استعمال کیا تھا۔

دہلی میوزیم آثارِ قدیمہ کا میوزیم ہے جو رنگ محل کے جنوب میں واقع ہے۔ اس میں قدیم و نادر مخطوطات اور مغل بادشاہوں کے زمانے کے ملبوسات اور تلواریں ہیں۔ یہاں ابھی تک آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر اور ان کی شریکِ حیات زینت بیگم کے متعلقہ زیورات بھی موجود ہیں۔ زمانے کے سرد و گرم کے باوجود لال قلعہ اب بھی شان و شوکت سے کھڑا ہے۔

Mr. Mushtaq Antulay weds Neelam D/o. Barrister A. R. Antulay.

(SEE DETAILS ON PAGE NO. 57)

Farewell function held in honour of Shri Sanaullah Antulay on his retirement from B. P. T. Service.

(SEE DETAILS ON PAGE NO. 51)

Mr. Manmohansingh Bedi, Mayor of Bombay, seen Inaugurating the Colaba Branch of Bombay Mercantile Co-op Bank Ltd., on Friday, the 30th December, 1983. Flanking him are Mr. Zain Rangoonwala, Mannging Director, Dr. N. N. Kailas, Mr. Firoz Baldiwala and other Directors of the Bank.

Two shields won by the National High School, Dapoli during 1983-84.

(SEE DETAILS ON PAGE NO. 51)

معارف الحدیث

مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

کتاب الرقاق فی النصائح

عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما زھد عبدٌ فی الدنیا الا انبت اللہ الحکمۃ فی قلبہ وانطق بہا لسانہ وبصّرہ عیب الدنیا وداءھا ودواءھا واخرجہ منھا سالماً الی دار السلام (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوذر کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی بندہ دنیا کے معاملات سے بے رغبتی اختیار نہیں کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کی نشو ونما کر دیتا ہے اور اس کی زبان کو حکمت کی گویائی بخش دیتا ہے اور اس کو دنیا کے عیوب، اس کی بیماریاں اور اس کی دوائیں دکھا دیتا ہے۔ اور اس کو دنیا سے صحیح وسالم دارالسلام کی طرف نکال لیتا ہے۔ (یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے)

تشریح:-

اس حدیث میں دنیا سے زہد اور بے رغبتی کے فوائد بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اس سے دل میں حکمت۔ دانائی اور روشن ضمیری کی نشو ونما ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ زبان پر حکمت کی باتیں ہونے لگتی ہیں۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس پر دنیا کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ دنیا کے عیوب، بیماریاں اور بحران کا علاج معلوم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اس کو دنیا سے نیکی و سلامتی کے ساتھ نکال کر دارالسلام یعنی سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف پہنچا دیتا ہے۔

دارالسلام جنت کا ایک نام ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حکمت و دانائی کا تعلق زہد اور ترک دنیا سے ہے۔ تجربے سے بھی ثابت ہے کہ جو دنیا سے کنارہ کش ہوتا ہے اس میں تدبر و تفکر کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اسرار شریعت اور معارف وحکمت دینیہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ایسے بندوں کے لئے خدا کا یہ عطیہ ہے۔

اس خصوصی پیش کش کے لئے جگر جناب شریف زین الدین پٹیل کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے

غزلیں

شیخ تاج الدین تاج
مہاڈ، ضلع رائے گڈھ

بظاہر تو ہنستے رہے مسکرائے
مگر سوزشِ غم ہیں دل میں چھپائے

دلِ زار کی اضطرابی جو دیکھی
وہ طنزاً میرے حال پر مسکرائے

تصور بہاروں کا ہے اک سہارا
خدا جانتا ہے کہ آئے نہ آئے

گذرتا چلا ہوں میں منزل بہ منزل
مجھے زندگی راس آئے نہ آئے

رہے تاج جذبہ یہ اپنا سلامت
صداقت پہ ممکن نہیں آنچ آئے

★

رفیق وستا

یاں مجھے اے ہم سخن! تنہا مجھے
چند لفظوں میں بیاں کرنا مجھے

تیز تھا، آخر ترا احساس تھا
کوٹھری میں بند کیوں رکھا مجھے

بولتی ہے شہر کی گونگی ہوا
کچھ سنائی دے ابھی اونچا مجھے

کم نہیں کچھ دھوپ کا احساس بھی
دیں اگر دیوار و در سایہ مجھے

تم اگر چاہو تو کوئی حادثہ
مار ہی ڈالے، چلو اچھا مجھے

تھا مرے اندر مرا قاتل رفیقؔ
غور سے تو نے کبھی دیکھا مجھے؟

فاروق رحمٰن کرلا بمبئی

تن کا ہے نہ دھن کا ہے
اپنا رشتہ من کا ہے

میچ یقیناً جیتیں گے
لیکن خطرہ رن کا ہے

تو نے کیسے لوٹ لیا
کام تو یہ رہزن کا ہے

شہر اُسے کیوں راس آئے
پنچھی وہ تو بن کا ہے

اُس کی بس میں ہم اور تم
مالک وہ ٹن ٹن کا ہے

سیتا رام کی کون سنے
یہ یگ تو راون کا ہے

اک نہ اک دن چمکے گا
یہ ذرہ کوکن کا ہے

★

امتیاز راہی شیوی

دشوار رہِ زیست ہے اور دھوپ کڑی ہے
اس دل کو مگر منزلِ مقصد کی پڑی ہے

ہر چند کہ ہر گام پہ آفات ہوں درپیش
چھوٹا نہ کبھی دل ہو یہی بات بڑی ہے

اے گوشۂ گمنامیٔ دل تیری فضا پر
سایہ کبھی چھایا نہ کبھی دھوپ پڑی ہے

درپیش ہے وہ خطۂ خوابیدہ بہر رنگ
کیوں میری نظر ایک ہی منظر پہ گڑی ہے

عہدِ غمِ فرقت میں برستے ہوئے بادل
محسوس یہ ہوتا ہے کہ اشکوں کی جھڑی ہے

آسودہ ہوں ہر طرح سے ماحول میں لیکن
محرومیٔ احباب کی تکلیف بڑی ہے

ہم صدمۂ اغیار سے غافل ہیں ہوتے
کچھ لوگ ہیں راہی کہ جنھیں اپنی پڑی ہے

شذرات

دشو ہندو پریشد
یعنی
ہندوؤں کی عالمی تنظیم

قارئین نقش کوکن نے دشو ہندو پریشد اور اس کی ایکتا ماتا یگیہ کے متعلق اخباروں میں پڑھا ہوگا۔ اور ممبئی وغیرہ میں اس یگیہ کا جلوس بھی دیکھا ہوگا۔ میں اپنے قارئین کو آج یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ تنظیم کن حالات کی پیداوار ہے اور اس سے پہلے کب کب اس قسم کی تنظیمیں ہندوؤں میں جنم لے چکی ہیں۔

بھگتی کی تحریک یہ عجیب سی بات ہے جب سے اسلام ہندوستان میں آیا ہے اس دھرم کو اسلام کی طرف سے ایک کھٹکا سا لگا رہتا ہے۔ اس لئے اس میں وقتاً فوقتاً اصلاحی تحریکات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ پندرہویں صدی عیسوی جو ہندوستان میں اسلامی اقتدار کے عروج کا زمانہ تھا اور ہندوؤں کا ذہن و فکر اسلام کے عقیدۂ توحید تعلیم مساوات اور تبدیلی مذہب کے نظریے سے متاثر ہو رہا تھا تو اس دور میں اسلام کے مقابل بھگتی کی تحریک زور پکڑا۔ اس تحریک نے ہندوؤں کا ذہن اسلام کی طرف سے موڑنے کی کوشش کی۔

اس تحریک کی بنیاد بارہویں صدی عیسوی میں ڈالی گئی تھی۔ جو ہندوستان میں اسلام کے اثر و نفوذ کا زمانہ تھا۔ لیکن یہ تحریک چودھویں صدی عیسوی کے قریب شمالی ہندوستان میں پروان چڑھی۔ جب اسلام ہندوستان کے اس خطے میں تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ اور ہندو اسلام قبول کر رہے تھے۔

یہ رامانج اور رامانند کا دور کہلاتا ہے۔ اس کے بعد پندرہویں صدی عیسوی میں سورداس جی اور تلسی داس جی نے اس تحریک میں نئی جان ڈال دی۔ ان دنوں ہندوستان کے تخت پر شہنشاہ اکبر متمکن تھے۔ اور دعاۃ اسلام سارے شمالی ہند میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کر رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہما اللہ ان داعیوں کی سرپرستی فرما رہے تھے۔

نیچ ذات کے ہندوؤں پر جس چیز نے سب سے زیادہ اثر کیا وہ اسلام کا عقیدۂ توحید اور مساوات کی تعلیم تھی۔ ہریجن اور اچھوت جو صدیوں سے اونچی ذات کے ہندوؤں کی غلامی کرتے آ رہے تھے، ان کو اسلام کی مساوات میں اپنی بھلائی نظر آنے لگی اور وہ مسلمان ہونے لگے۔

ہندوؤں کا دوسرا طبقہ جو فلسفیوں اور دانشوروں کا طبقہ تھا، وہ عقیدۂ توحید سے متاثر ہوا۔

گیتا کا جو یہ نظریہ تھا کہ اپنا خراب دھرم بھی دوسرے کے اچھے دھرم سے اچھا ہوتا ہے، جس طرح اپنا پرانا کپڑا دوسروں کے نئے کپڑے سے۔ اس لئے دھرم بدلنے کی ضرورت نہیں۔ اسلام نے اس نظریے کے خلاف آواز بلند کی اور یہ تعلیم دی کہ انسان کو قبول حق کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہئے خواہ وہ کہیں ملے۔

بھگتی تحریک کے ذریعے ہندوؤں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ توحید اور مساوات کی تعلیم ہندو دھرم میں بھی ہے۔ اس لئے اپنا دھرم چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر نجات کے لئے رام اور کرشن کی بھگتی کی دعوت دی گئی۔ اور

اس کو عقیدۂ توحید کے مساوی قرار دینے کے لئے اودیت واد (وحدت الوجود) کا سہارا لیا گیا۔ اس تحریک نے ہندوؤں کے ذہن پر خاطر خواہ اثر کیا۔ اور اسلام کا بڑھتا ہوا اثر و رسوخ رک گیا۔

برھمو سماج اس کے بعد انیسویں صدی عیسوی میں جب سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل رحمہما اللہ نے نکاح بیوگان کی تحریک شروع کی اور ہندوؤں کی بیوہ عورتوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو راجہ رام موہن رائے نے برھمو سماج کی بنیاد ڈالی اور ہندوؤں کو بیوہ ہندو عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو بیوہ عورتوں میں اسلام قبول کرنے کا جو میلان پیدا ہو چلا تھا اس پر روک لگ گئی۔

برھمو سماج نے اسلام کے خلاف دوسرا تیر یہ چلایا کہ انبیائے کرام کے دعوائے نبوت و رسالت اور وحی و الہام کو خود ساختہ اور من گھڑت قرار دیا۔ اس طرح تمام انبیاء کی تکذیب کر دی۔ اور ہندو سماج کو بھی عقیدہ رسالت و نبوت کی مخالفت پر آمادہ کر لیا۔

آریہ سماج انھیں دنوں ہندوؤں میں ایک اور پر جوش اور ہنگامہ آرا تحریک جاری ہوئی۔ اور وہ آریہ سماج کی تحریک تھی۔ اس تحریک کے بانی "سوامی دیانند سرسوتی" تھے۔ یہ سماج جزئی طور پر خدا کی توحید کا قائل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے مناظرانہ رنگ میں تمام ادیان عالم پر ہندو مت کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اپنے تمام دلائل کی بنیاد ویدوں پر رکھی۔ گیتا اور دوسری دھرم شاستروں کو ہندو دھرم کا ماخذ قرار دینے سے انکار کیا۔

سوامی دیانند سرسوتی جب نراکار یعنی بے مثال خدا پر تقریر کرتے تو چونکہ اس میں توحید کا رنگ پایا جاتا تھا مسلمان ان کی تائید پر کمربستہ ہو جاتے اور ہندو مخالفت پر۔ سرسید احمد خان جو ان دنوں بنارس کے منصف تھے، اس وقت اپنے مکان کے احاطے میں ان کی تقریر کا انتظام کر دیا۔ جب سناتن دھرم کے ہندوؤں نے ان کو تقریر کے لئے کوئی جگہ نہیں دی۔ اس سماج کی بنیاد لاہور میں ایک مسلمان کے گھر میں ڈالی گئی۔

لیکن سوامی جی کی وفات کے بعد جب ان کی تصنیف "ستیارتھ پرکاش" شائع ہوئی تو اس کا چودھواں باب اسلام پر اعتراضات سے بھرا ہوا تھا۔ حالانکہ سوامی جی کی زندگی میں اس کتاب کا جو نسخہ شائع ہوا اس میں یہ باب نہیں تھا۔ یہ نسخہ ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ نسخہ میری نظر سے بھی گزرا ہے۔

تھیوسائیکل سوسائٹی لیکن ان تمام تحریکوں کے باوجود اسلام ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر تھا۔ یہ دیکھ کر ہندو مدبروں نے ایک اور تحریک کی بنیاد ڈالی۔ اس کا نام ہے "تھیوسافی"۔ اس کی بانی ایک امریکی خاتون "مسز اینی بسنت" تھیں۔ اس تحریک کا مقصد بھی کچھ کم و بیش وہی تھا جو مذکورہ بالا تحریکوں کا تھا۔ یعنی اسلام کا اثر و نفوذ روکنے کے لئے ایک دفاعی نظام کی تیاری۔

ست سنگ اور ہرے کرشنا اس کے بعد ہندو دانشوروں نے جب یہ دیکھا کہ "تھیوسافی" تحریک بے اثر ہو گئی ہے تو رادھا سوامی کی "ست سنگ" اور پھر "ہرے راما ہرے کرشنا" تحریک چلائی گئی۔ ان تمام تحریکوں کے مقاصد ایک جیسے ہیں۔ یعنی اسلامی اثر و نفوذ کا ازالہ۔

وشو ہندو پریشد لیکن تمام تحریکوں کے باوجود جب ماضی قریب میں ہندوستان کے بہت سے ہندوؤں نے اجتماعی طور پر اسلام قبول کیا تو ہندو دانشور پھر فکر مند ہوگئے اور "وشو ہندو پریشد" کی تحریک شروع۔ اس کا جو پروگرام ہے۔ یعنی ایکتا تا یگیہ جس کے جلوس ہر دوار سے

کنیا کماری، گنگا ساگر (مغربی بنگال) سے سومناتھ اور کھٹمنڈو (نیپال) سے رام یشورم کو روانہ ہوئے۔ ہر جلوس کے آگے ایک سجا سجایا رتھ، اس پر بھارت ماتا کی ایک بڑی تصویر اور ایک بڑا سا جل کمبھ جس میں گنگوتری کا جل تھا۔ اس جل کی چھوٹی بوتلیں دس دس روپے میں بک رہی تھیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دھارمک تحریک ہے۔ آر۔ ایس۔ ایس اور جن سنگھ کی اس کو حمایت حاصل ہے۔

اس پریشد کا دروازہ تمام ہندو جاتیوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔ خواہ وہ ہریجن ہو یا اچھوت۔ یعنی یہ بھی پیغام مساوات لے کر نکلا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ "منوسمرتی" جس پر ذات پات کی بنیاد ہے۔ اس کو ہم کالعدم، منسوخ یا ناقابل عمل سمجھتے ہیں۔

اس کے صدر رشٹریان بھگوت سنگھ ہیں۔ جو میواڑ راجستھان کی ۵۷ ویں پشت سے تعلق رکھتے ہیں۔

ایکتماتا یگیہ کے پروگرام پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مظاہرۂ اجتماعیت اور کثرت تعداد کے ذریعہ ہندؤں کے ذہن و فکر کو متاثر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو قبول اسلام کی لہر چل پڑی ہے اس کے خلاف ایک مورچہ لگایا ہے۔ یہ کوئی مذہبی تحریک ہے یا سیاسی۔ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہے۔ اس لئے کہ آج کل مذہب کے بازار میں سیاست کا سکہ چلتا ہے اور سیاست کے بازار میں مذہب کا۔ پھر لطف یہ کہ یہ دونوں سکّے کھوٹے ہوتے ہیں۔ مسز اندرا گاندھی نے تو اس پریشد پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے ہندوستان میں فرقہ پرستی کو تقویت ملے گی۔

ڈھاکہ میں اسلامی وزراء خارجہ کی چودھویں کانفرنس

۶؍ دسمبر ۱۹۸۳ء سے ۱۲؍ دسمبر ۱۹۸۳ء تک ڈھاکہ میں اسلامی وزرائے خارجہ کی چودھویں کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں عالمی مسائل پر غور کیا گیا خصوصاً مسلم ممالک کے مسائل پر جیسے ایران و عراق کی جنگ، افغانستان اور اسرائیل و فلسطین کے مسائل۔

اس کانفرنس میں ایک نرالی بات یہ ہوئی کہ اس میں "ترک شمالی قبرص" کا ایک نمائندہ بھی ایک ممبر کی حیثیت سے شریک ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی ممالک کی تعداد میں ایک ملک کا اضافہ ہو گیا۔

اسلامی عدالت انصاف کا قیام اس کانفرنس میں تنظیم اسلامی کانفرنس کے جنرل سیکریٹری مسٹر حبیب چٹی نے یہ خوش خبری سنائی کہ اسلامی عدالت انصاف کا دستور بن گیا ہے، جو اس کانفرنس کے پندرہویں اجلاس میں جو مراقش میں ہونے والا ہے، آخری منظوری کے لئے پیش کیا جائے گا۔ اس عدالت انصاف کا صدر مقام کویت میں ہوگا۔

اس کانفرنس میں پاکستان کے وزیر خارجہ کی اس تجویز نے ساری دنیا کو چونکا دیا ہوگا کہ کسی ایک اسلامی ملک پر حملہ تمام اسلامی ممالک پر حملہ تصور کیا جائے۔ خدا کرے کہ یہ روز سعید آجائے اور تمام عالم اسلام اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے متحد و متفق ہو جائیں۔

قلمکاروں سے

خطوط، مراسلات، خبریں، سوالات وغیرہ انلانڈ لیٹر یا پوسٹ کارڈ پر لکھے جائیں۔
نیز بھیجنے والے کا پورا نام و پتہ درج ہونا ضروری ہے۔
(مدیر)

سوزِ ناتمام

انجم عباسی

ایک پہ ایک پانچ چھ اسٹول
اپنے کاندھے پہ گاڑ کر بڑھئی
شہر بھر میں گھماتا رہتا ہے
دل میں خوابوں کی چاندنی لے کر
گلیوں گلیوں پھراتا رہتا ہے
ناامیدی لہو رلاتی ہے
اس بھیر کو بکھو بھراتی ہے
روز یہ کاروبار جاری ہے

★

گیتانجلی

حسین وجیہ الدین مقدم

(سلسلہ کی چھٹی کڑی)

توڑ اس ننھے سے پھول کو
اٹھا لے اسے
دیر نہ کر
مجھے ڈر ہے
کہ کہیں وہ مرجھا کر،
مٹی میں نہ مل جائے
کیا حرج ہے اگر،
اسے تیرے ہار میں،
کوئی جگہ نہ مل سکے
لیکن اپنی زحمتِ دست سے،
اسے عزت بخش دے،
اور توڑ لے اسے
ڈرتا ہوں کہ بے خبری کے عالم میں،
دن گذر جائے،
اور تحفہ کی ساعتِ پیشکش
ہاتھ سے نکل جائے۔
اس کا رنگ فق ہی کیوں نہ ہو،
اور اس کی خوشبو،
کتنی ہلکی کیوں نہ ہو،
پر اس ننھے سے پھول کو،
وقت گذرنے سے پہلے،
اپنی عبادت کے کام میں لا۔

جنوری ۸۲ء

★

تاریکیوں کے بیچ

ابو شاہد تسنیمی
راجہ واڑی ضلع رتناگری

میں نہ جانے کب تلک
سوتا رہا، سوتا رہا، سوتا رہا،
اور جب آنکھیں کھولیں تو
دیکھنے اور دیکھے جانے کا عمل جاری ہوا
اک چمکتا چاند میرے گرد منڈلاتا ہوا
نور کے ہالے میں
مجھ کو قید کر کے
ذہن کی خوابیدگی کو ختم کر کے
دل میں لہرانے لگا
اور میں
تاریکیوں میں بھول کر
اپنی رعنائیوں میں ڈھونڈا کیا اپنا وجود
یکلخت پھر
ایک خوف کی فضا قائم ہوئی
وقت کے خونخوار ہاتھوں نے مجھے
آگ کے دریا میں لا ڈالا
اور میں
جھلسا کیا، جھلسا کیا، جھلسا کیا
اور پھر تا دیر
اس اندھی فضا میں
قہقہے گونجا کیے
دفعتاً
ماضی کا دروازہ کھلا
اور پھر
بیتا ہوا ہر لمحہ
ہر دستور
ہر منظر
کسی اک نقش کی صورت
ابھرنے اور پھر مٹنے لگا۔
اور میں
سوچا کیا، سوچا کیا، سوچا کیا۔
میں کل بھی تھا
میں اب بھی ہوں
کل بھی رہوں گا
جاوداں
تاریکیوں کے بیچ میں

★

نیاز اعظمی

ہندوستانی جمہوریت — ایک اور سالگرہ

آج جمہوریہ ہند کی عمر ۳۴ سال ہوگئی ہے۔ آج ہم ہندوستانی جمہوریت کی ایک اور سالگرہ منا رہے ہیں۔ محض اس لئے کہ سالگرہ منانا ایک رسم ہے، رواج ہے، روایت ہے۔ مہذب انسانوں کا ایک دستور ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سالگرہ منانا آج کے دور میں ایک فیشن ہے۔ اپنے آپ کو مہذب کہلانا ہے۔ ترقی کے نام پر فیشن کی اس دوڑ میں (پھسڈی بن کر ہی سہی) شامل رہنا ہے تو "سالگرہیں" منانے کا سلسلہ بھی جاری رکھنا ہوگا۔ ورنہ ایک ایسے ملک میں جہاں ہڑتالوں کی سالگرہ منائی جاتی ہو، فرقہ وارانہ فسادات کی سالگرہ منائی جاتی ہو، مذہبی، علاقائی، لسانی، طبقاتی امتیازات برقرار ہوں، سماجی و معاشی مساوات و انصاف سے لوگ محروم ہوں، روز افزوں قیمتوں کے بوجھ تلے دب کر ضروریات زندگی کی تکمیل کا محض خواب دیکھتے رہ جائیں۔ روزمرہ کی زندگی میں تحفظ کا احساس تک باقی نہ رہ گیا ہو۔ ہر مرحلہ پر خود غرضی، نفس پرستی، بد دیانتی اور بے حیائی انسانی شرافت و حمیت کا مذاق اڑا رہی ہو، لوگوں میں جشن منانے کا حوصلہ کہاں پیدا ہوگا۔

ہوشربا گرانی کے تلے سسکتے ہوئے عوام سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس مبارک قومی تقریب کے موقع پر مسرور ہوں گے جبکہ جشن کے لئے مہینے کی پوری آمدنی بھی کنبہ کو صرف اناج فراہم کرنے سے قاصر ہے اور وہ غذائی سامان خریدتے وقت اعلیٰ و ادنیٰ قسم میں امتیاز نہیں کر پاتے۔ اعلیٰ اقسام تو شاید دوسری دنیا کے لوگوں کے لئے ہی مخصوص ہیں۔ کیوں کہ ان کی قیمتیں آسمان پر ہیں۔ اور آسمان پر اسپوتنک اور آریہ بھٹ تو پہونچ سکتے ہیں غریب عوام تو حسرت سے صرف اس طرف دیکھ ہی سکتے ہیں۔ باتیں ماورا کی ہیں زمین کی مخلوق کیسے سمجھ سکتی ہے؟

کیڑے مکوڑے کی طرح تنگ و تاریک گلیوں میں انتہائی غیر صحت مند، بوسیدہ اپنی بے بسی پر آپ ماتم کرتے ہوئے جھونپڑوں میں رہنے والی ذی روح بالکل انسانی شکل و صورت رکھنے والی مخلوق سے جشن جمہوریت میں شرکت کے خواہشمند ہیں۔ جو پانی، روشنی اور حوائج ضروریہ کے لئے مناسب جگہ تک کی سہولت سے محروم ہیں۔ جنھوں نے دو دو نسلیں گندے پانی کی نالیوں کے کنارے رہتے ہوئے گزار دیں۔ اور آج بھی زبان حال سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا "ہمارا ملک آزاد ہے"؟

بے بسی، محرومی، ناآسودگی، انتشار و اضطرار کی جو فضا اب پیدا ہوگئی ہے کیا کبھی کسی نے اس کا تصور بھی کیا تھا۔ گوکھلے، گاندھی، مولانا آزاد، جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی جوہر، راجندر پرشاد اور سیکڑوں محبان وطن نے ملک کو آزاد کرانے کے لئے عظیم قربانیاں کیا اسی لئے دی تھیں کہ جب ملک آزاد ہو جائے اور ملک میں اپنا بنایا ہوا آئین یا دستور نافذ ہو تو ہندوستانی اپنے ہی دیس میں اجنبی اور غریب الوطن بن جائے۔ اپنے ہی بھائیوں سے اپنی جان و مال، عزت و ناموس کو غیر محفوظ سمجھنے لگے۔ اپنے ہی

ملک کی پولیس فورس سے خطرہ محسوس کرے اور جان و مال کی سلامتی کے لئے در در بھیک مانگتا پھرے ــ!! ؟

یہ سوال آج ہر دانشور، امن پسند، صلح جو، محب وطن اور قوم پرست کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ سوال کسی فرقہ یا طبقہ کی بقا کا نہیں، ملک کی بقا کا ہے۔ آج ملک کا مستقبل خطرہ میں ہے۔ اور یہ اربابِ اقتدار کے لئے زبردست چیلنج ہے کہ وہ ملک میں پھیلی ہوئی بے اطمینانی کو کس طرح دور کریں گے اور عوام میں کس طرح اعتماد بحال کریں گے، جنھیں ۲۶ سال تک محض وعدوں پر زندہ رکھا گیا ہے۔ وعدوں کی لنگوٹی ننگے جسم کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتی رہی ہے اور اس طویل مدت میں سادہ لوح عوام نے کمال رواداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ انتہائی صبر و استقامت کا ثبوت دیا ہے۔ مسائل کو حل کرنے میں ہر سطح پر حکومت کے ساتھ تعاون کیا ہے ـ انھیں کیا ملا ؟ قیمتیں بڑھیں، اشیاءِ خورد و نوش کی قلت ہوئی، فسادات رونما ہوئے ۔ زندگی اجیرن بن گئی۔

آزادی کے ثمرات سے محروم عوام خوش آئند فردا کے ہنوز منتظر ہیں.... اور..... آج پھر وہ صبر و انتظار کے لئے تیار ہیں کہ جمہوریۂ ہند کا آئندہ سال ان کے لئے خوشیوں کی سوغات لائے گا۔ اتحاد و اتفاق کی داغ بیل ڈالے گا۔ یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا ماحول پیدا کرے گا۔ معاشی آسودگی کا سامان فراہم کرے گا.... اور، پھر وہ سب ایک دوسرے سے گلے مل کر حقیقی معنوں میں جشنِ جمہوریہ منائیں گے۔

.....ہندوستانی جمہوریت کی پہلی سالگرہ ــ! کاش! وہ مبارک گھڑی جلد آئے!!

★

"کہتا ہوں سچ....."

شرف کمالی

"مرگ مشکل زندگی مشکل تر است"

عروس البلاد بمبئی کی رنگینیوں اور رعنائیوں اور جانفزائیوں کی ہوشربا داستانیں اسقدر ہیں کہ سناتے جائیے یہ کبھی ختم ہی نہیں ہوں گی۔ اور آپ کہہ اٹھیں گے کہ "نثار بمبئی کن متاع کہنہ و نو را"۔ بمبئی پریولیوں کا سایہ یقیناً ہے کہ لیکن "تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا" کہنا اب بڑی غلط بات کہنے کے مترادف ہے۔ ایک زور تھا سو گزر گیا۔ اب سننے کو عہد ماضی کی داستانیں رہ گئیں۔ کچھ سنانے والے جو باقی ہیں وہ جب چلے جائیں گے تو پھر کہاں کا کہنا اور کہاں کا سننا۔؟ پڑھنے کو اخبارات باقی ہیں۔ ان کے صفحات کس نہج کی خبریں ہم پہنچاتے ہیں یہ دیکھنے کے لئے ہم آپ کی خدمت میں عروس البلاد بمبئی کے کثیر الاشاعت اردو روزنامہ "انقلاب" ۱۲ جنوری ۱۹۸۴ء کے آخری صفحہ کی تین خبریں من و عن نقل کرتے ہیں۔ بقیہ اسی تاریخ کے شمارے میں اشاعت پذیر ایک چوتھی خبر جو ترلوپندرم سے ہے آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

پہلی خبر:

بمبئی میں چار لاکھ انسان
حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور

بمبئی ۱۲ جنوری۔ حال ہی میں ایک سروے کیا گیا ہے جس کے مطابق شمالی بمبئی میں واقع ایشیا کی سب سے بڑی جھونپڑپٹی دھاراوی میں رہنے والے عوام ان جانوروں اور حیوانوں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے ہیں جنھیں افراد اپنی تفریح طبع کے لئے پال رکھتے ہیں۔ اس جھونپڑپٹی میں جس کا مجموعی رقبہ دس مربع کلومیٹر سے زائد نہیں ہے، چار لاکھ غریب مفلوک الحال انسان بستے ہیں۔ جہاں کا ماحول غیر صحت مند ہے۔ نہ بیت الخلاء نہ اسکول نہ تو کھیل کے میدان نہ ہی پارک اور تفریح گاہیں!!

سروے کی رپورٹ میں حکومت مہاراشٹر سے پرزور اپیل اور درخواست کی گئی ہے کہ وہ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائیٹیوں کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کرے اور ہاؤسنگ کے بہتر منصوبوں کو روبہ عمل لائے۔ یہ سروے پیپلز ایجوکیشن سوسائٹی سدھارتھ لا کالج قانونی مرکز کے شعبہ قانون سے منسلک اساتذہ و طلبہ پر مشتمل ایک ٹیم نے کیا ہے۔ اور حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کی ہے۔

دوسری خبر:

سانتا کروز کے فلیٹ میں قحبہ خانہ
چار طوائفیں، منیجر اور مالک گرفتار

بمبئی ۱۲ جنوری۔ سانتا کروز پولیس نے پیر کے روز ایک فلیٹ پر چھاپا مارا اور چار طوائفوں کے ساتھ قحبہ خانہ کے منیجر اور اس کے مالک کو گرفتار کیا۔ منیجر کا نام منجو بتلایا گیا ہے۔ ایک فیشن ایبل علاقے میں چلائے جانے والے اس قحبہ خانے پر سینئر انسپکٹر دلیپ سلگاؤنکر نے چھاپا مارا تھا۔

تیسری خبر: کالینہ کی بھٹی پر چھاپہ
دو لاکھ بارہ ہزار کی شراب ضبط

بمبئی ۱۲ جنوری ——— کل دو لاکھ بارہ ہزار روپے کی غیر قانونی شراب

واکولہ پولیس نے ایک بھٹی پر چھاپہ مار کر ضبط کی ہے۔ پولیس نے بازیل زورم جینو اور غلام رسول شیخ نامی دو افراد کو گرفتار کیا ہے۔ شراب کی بھٹی کالینہ گاؤں میں کولیوری کے مقام پر لگائی گئی تھی۔ پولیس کے مبصر نے کہا کہ ایک ہزار نو سو لیٹر شراب سے بھرے ہوئے ٹائر ٹیوب اور پلاسٹک بیگ کے ساتھ شراب کشید کرنے کے آلات بھی ضبط کیے گئے۔

چوتھی خبر:

"مجھے گالیوں سے کوئی پریشانی نہیں" (اندرا گاندھی)

ٹریویندرم ۱۲ جنوری۔ "اگر لوگ مجھے گالیاں دیں تو اس سے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔" یہ بات وزیر اعظم اندرا گاندھی نے اپوزیشن پارٹیوں کی نکتہ چینی کے حوالے سے کی ایک جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اپنے بچپن کے ابتدائی زمانے سے میں نے لاٹھی چارج حتیٰ کہ گولیوں تک کا سامنا کیا ہے۔

مذکورہ خبریں پڑھنے والا قاری کس منہ سے اس شہر کو عروس البلاد کہے؟ وہ شہر جہاں لاکھوں مفلوک الحال ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دن گزار رہے ہیں۔ بات صرف ایک دھاراوی تک محدود نہیں ہے۔ وڈالا، گھاٹ کوپر، چمبور، کنجور مارگ، وکرولی، گوونڈی، اندھیری اور متعدد ایسے علاقے ہیں جہاں دادا لوگ من مانی کرتے ہیں۔ جھونپڑپٹی کے مالک بھی وہی ہیں۔ غریبوں سے برابر کرایہ وصول کرتے ہیں۔ پھر ان کے "ہفتے" برابر قانون کے رکھوالوں تک پہنچتے ہیں۔ رشوت کا سلسلہ زلفِ محبوب سے بھی زیادہ دراز ہے۔ رشوت خور بزبانِ حال کہتے ہیں ؎

> ہم اگر رشوت نہیں لیں گے تو پھر کھائیں گے کیا؟
> یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟
> ملک بھر کو قید کر دے کس کے بس کی بات ہے
> چیر سے سب ہیں۔ کوئی دو چار دس کی بات ہے؟

جوشؔ

عزت مآب انتولے کی خدمت میں منظوم سپاس نامہ میں راقم الحروف نے کہا ہے:

> نظامِ مبئی ناقص ہے یہ امرِ مسلّم ہے
> ہمارے شہر میں فٹ پاتھ پر بھی لوگ سوتے ہیں
> یہاں قانون کے رکھوالے گو موجود ہیں لیکن
> قتیلیوں میں مگر عرفانؔ کتنے قتل ہوتے ہیں

حضرتِ جوشؔ کا طنز ہو یا شرفؔ کا گلہ ہو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے سننے والے واہ واہ کرتے ہیں اور عملاً کوئی نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ کچھ مقبول لیڈر پیدل یاترا کر کے بیانات دیتے ہیں۔ وعدے وعید پر اف نے ختم ہوئے ہیں۔ پھر وہی رفتار..... "ہم اگر رشوت نہیں لیں گے تو پھر کھائیں گے کیا" والی بات! ہندوستان آزاد ملک ہے۔ سیکولر اسٹیٹ ہے۔ سب درست۔ لیکن اس کا علاج آخر کب ہوگا کہ انسان کو انسان کی سی زندگی جینے کا موقع ملے؟

دوسری خبر قحبہ خانے سے متعلق تو ؎

> یہاں پیر بھی آتے ہیں جواں بھی
> تنومند بیٹے بھی اَبّا میاں بھی

لیکن ان حوّا کی بیٹیوں کی زبوں حالی کا انجام کیا ہے۔ بہبود کی یہ ہم جنس آخر قعرِ مذلت میں کب تک رہے گی؟ یہاں بھی وہی رشوت والی بات سامنے آجاتی ہے۔ خبریں پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے۔ ہمارے خطے میں بڑی بوڑھیاں ایک گیت گایا کرتی تھیں: "بنگالیا زاؤں نکو..... بنگال چیو رانڈ و خراب گو"۔ اب وہ گیت بمبئی کے بارے میں سو فیصدی حقیقت ہے۔

ہم اپنے سمدھی سے ملنے ہمیشہ جایا کرتے ہیں۔ ان کی گلی میں ایک شراب خانہ بھی ہے، جس کا نام یوں لکھا ہے: "SUNNY PERMIT ROOM" ہم کو پہلے حیرت ہوئی کہ

سُنّی پرمٹ روم ۔ شیعوں کے لئے شراب خانہ کھلا ہے تو کہیں
شیعوں کے لئے بھی یقیناً ہوگا ۔ روزانہ پرمٹ روم کو دیکھتے رہے۔
اپنے سمدھی کو پنجوقتہ مسجد سے آتے بھی گاہے بہ گاہے دیکھتے رہے۔
دل ہی دل میں گنگناتے رہے ؎

مے خانے سے مسجد تک، ملتے ہیں نقوش پا
یا رند گیا ہوگا، یا شیخ گیا ہوگا

حیرت اس لئے نہیں ہوئی کہ آج کل علمائے کرام کی بھی
گروپ بازیاں ہیں۔ دیوبندی اور بریلوی عقائد کے علماء
کے مابین اختلافات کے قصے روزانہ کے آزمودہ ہیں۔ ایک گروہ
کہتا ہے پہلے مُرغی تو فوراً دوسرا گروہ فتویٰ صادر فرماتا ہے
"غلط! پہلے انڈا"۔ میرے آبائی گاؤں میں تو انھیں اختلافات
کی وجہ سے ایک مسجد میں بیک وقت دو جماعتوں میں علیٰحدہ
علیٰحدہ عقائد کے لوگ نماز ادا کرتے ہیں، اور اس کا واحد
سبب بھی ہیں ایک مولانا۔ چنانچہ خیال ہوا کہ ہمارے
سمدھی جنھیں ہم پیار سے مولانا ہی کہتے ہیں کہیں سے فتویٰ
لے آئے ہوں گے اور مذکورہ سُنّی پرمٹ روم کا اجراء ہوا ہوگا۔
لیکن ہمارے پوتے نے ایک دن غلطی کا ازالہ کیا۔ اس نے کہا
یہ SUNNY کا تلفظ "سُنّی" نہیں ہے بلکہ "سَنّی" ہے۔
اس کے بعد ہم نے مولانا آزاد روڈ پر ایک انگریزی بورڈ کو یوں
پڑھا "سُنّی جمعیتہ العلماء ہند"۔ سیاستدانوں نے قہر کر ڈالا۔
سیاست کو مسجدوں، مندروں اور گردواروں تک گھسیٹ
لے آئے۔ اور تفرقہ بندیاں بندیاں کر دیں۔ تاکہ من مانے
طریقے سے اپنی سیاست کے گھوڑے دوڑا سکیں۔ چھوڑیئے
ان باتوں کو۔ اللہ تعالیٰ یا تو انھیں ہدایت عطا فرمائے یا
یا پھر اپنے قہر وغضب سے ان کی عقل ٹھکانے لگائے ؎

ان کا جو فرض ہے اہلِ سیاست جانیں
اپنا مذہب تو محبت ہے جہاں تک پہونچے

پہیلی خبر جو چار لاکھ مفلوک الحال حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے
والے انسانوں کے بارے میں ہے پڑھ کر ہمیں تعجب ہوا کہ اتنی
کھری کھری کہنے والا ہریشچندر کون ہے؟ پتہ چلا بے چارے
طلبہ ہیں جنھوں نے سچ بولنے کی یہ حماقت کی ہے۔ کوئی بات نہیں
آخر "لا" قانون کے طلبہ ہیں۔ ڈگریاں ملنے پر راہ پر ضرور آئیں گے،
اتنا سچ بول کر کیسے چلے گا؟ کل انھیں ہی ملک کی باگ ڈور
سنبھالنا ہے۔ ہم ان کی خدمت میں حضرت اکبر کا ایک شعر
کچھ حصے خالی چھوڑ کر پیش کرتے ہیں ؎

قابلِ رشک ہیں زمانے میں
ـــــ وکیلوں کا رات ـــــ کی

ان بے چارے بچوں کو اتنا دماغ کہ حکومت مہاراشٹر سے
پُر زور اپیل بھی کی ہے کہ گو آپ پٹیو باد سنگ سوسائٹیوں
کی ہمت افزائی کریں۔ ع اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
ان سادہ لوح نوجوانوں کو پتہ نہیں کہ جھونپڑ پٹیوں کے داداؤں
کی پہونچ کہاں تک ہے۔ انھیں کے لئے راقم الحروف نے
کبھی کہا ہے "آہو، آمھی بن جے پی بھالا"
قحبہ خانوں کے ٹھاٹ بھی آپ نے دیکھے۔ ان کے بھی نمبر اور
مالک، مالک کے لے ڈی سی ہوا کرتے ہیں۔ خبریں پڑھ کر
ایک بمبئی سے باہر رہنے والا قاری یہی محسوس کرے گا کہ
یہ شرابیوں، کبابیوں، غنڈوں کا شہر ہے۔ جہاں یہ
دھندے کھلے عام جاری ہیں!!
مرزا غالب کی شہرت کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان کا VISION
عجیب تھا۔ اپنے موجودہ دور کے سو برس بعد کا اندازہ بھی انھیں
تھا۔ ان کا شعر ہے ؎

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و ساغر و سبو کیا ہے

دو لاکھ بارہ ہزار کی شراب اگر وہ دیکھ لیتے تو نہ معلوم کیا کہتے؟

حکومت اگر ان غیر قانونی دھندوں پر روک نہیں لگا سکتی
تو مناسب ہوگا کہ ان دھندوں کو قانونی اجازت ہی دے ڈالے
تاکہ کرپشن کا تو کچھ حد تک خاتمہ ہو۔ لیکن ایسی اجازت دینے
کے بعد انسانی اخلاق واقدار کا خدا حافظ!! اندرا جی کی صلاحیتوں
سے کیسے انکار ہے۔ وہ عالمی شہرت کی حامل ہیں۔ لیکن اس کے
باوجود ملکی بے راہ رویوں پر وہ قابو نہ پا سکیں۔ اور جب
اپوزیشن کی گالیاں سنیں تو فرمایا: مجھے گالیوں سے کوئی
پریشانی نہیں۔ بقول غالب

دشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
منظور ہے نزاکتِ آواز دیکھنا

اب ان بیماریوں کے علاج کے متعلق ہم سوچ ہی رہے تھے
کہ مورخہ ۱۵ جنوری کا انقلاب اس کا حل لے آیا۔ مسٹر
ساٹھے فرماتے ہیں:

(انقلاب ۱۵ جنوری صفحۂ اول کی خبر)

مظاہرہ کیسے کیا جائے
مرکزی وزیر ساٹھے کی تجویز

نئی دہلی ۱۴ جنوری — مشتعل نوجوان کھڑکیوں کے شیشے
توڑنے اور بسیں جلانے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ مرکزی وزیر
برائے کیمیکلز اور مصنوعی کھاد مسٹر وسنت ساٹھے نے کہا "تمام
سیاسی لیڈران اور مفکرین کو ایک جگہ بند کر دینا چاہیئے۔
اور انھیں اس وقت تک رہا نہ کرنا چاہیئے جب تک وہ
مختلف مسائل کا ایک جمہوری طریقۂ کار نہ دریافت کرلیں۔"
انھوں نے کہا کہ "اگر کسی مظاہرے کی ضرورت ہے تو وہ اسی
قسم کا مظاہرہ ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو نوجوانوں کا اشتعال
اسی طرح مقامی تشدد کی صورت میں ظاہر ہوتا رہے گا۔
جس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔"
ملاحظہ فرمایئے شری ساٹھے کی حق بیانی۔ ڈر ہے کہ کہیں
اس حق بیانی کا کوئی خمیازہ انھیں بھگتنا نہ پڑے۔
ہم نے اخبار کی خبریں اور ان پر صرف تبصرہ کیا ہے۔
بات دانش وروں کی ہے۔ اہلِ دانش اس پر غور فرمائیں۔
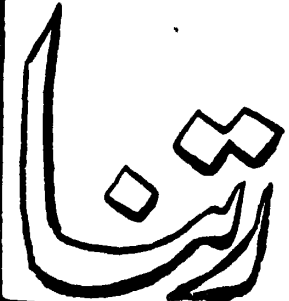
ارسال کردہ:

حسد
سہیل عبدالستار کردیکر

علم نحو کا امام اصمعی بہت بوڑھا ہو چکا تھا لیکن صحت و توانائی
قابلِ رشک تھی۔ کسی نے پوچھا "حضرت آپ کی عمر کیا ہے" اصمعی نے
جواب دیا "ایک سو بیس سال" اس شخص نے حیرت سے کہا "اول تو اتنی
لمبی عمر ہر ایک کو نہیں ملتی، اس پر قابلِ رشک صحت و توانائی۔ آخر اس
صحت کا راز کیا ہے؟ کچھ ہمیں بھی بتایئے"
اصمعی نے جواب دیا "اس کا کوئی راز نہیں۔ زندگی کی
قاتل ایک چیز ہے، اور وہ ہے 'حسد' — میں زندگی بھر
اس سے دُور رہا۔"

خصوصی مضمون

”اثر کرے نہ کرے سُن تو لے مری فریاد“

قاسم یعقوب بجلے بی۔ایس سی
(متوطن واتھیور ے)

سفر انسان کی زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ ذہنی اعتبار سے بھی وہ اس فانی دنیا کا مسافر ہی ہے۔ انسان اپنی فطرت کے پیش نظر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ بعض اوقات نامساعد حالات اسے سفر اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کبھی زر و جواہرات کی طمع نے اسے نقل مکانی پر مجبور کیا تو کبھی دنیا کی تسخیر اس کے سفر کا موجب بنی۔ کبھی نت نئی دنیا کی کھوج نے اسے سرگرداں رکھا۔ انسان کی متجسس فطرت نے اسے خلائی دنیا میں گردش کرا رہی ہے۔

خطۂ کوکن کے افراد بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اگر ہم خطۂ کوکن کے مختلف علاقوں میں آباد لوگوں کا لب ولہجہ اور مختلف رسم و رواج کی بنیاد پر جائزہ لیں تو یہ حقیقت ہم پر منکشف ہوگی کہ یہ مختلف مقامات سے آکر بسے ہوئے لوگوں کی آبادی ہے اور اکثریت لبِ ساحل آباد ہے۔ زمانۂ قدیم میں بحری ذریعۂ نقل و حمل ہی موثر ترین سمجھا جاتا تھا۔ اور ساحلی علاقہ سے چولی دامن کا ساتھ ہونے کی وجہ سے اہالیانِ کوکن نے سمندری زندگی کو کسب معاش کے سلسلے میں اولیت دی اور اس طرح بیرونی دنیا سے وہ روشناس ہوتے گئے۔ ان لوگوں نے حتی الامکان اپنے دورانِ سفر مختلف دور افتادہ ممالک کا اقتصادی، تعلیمی اور سماجی لحاظ سے مشاہدہ کیا اور ان مشاہدات سے فائدہ بھی اٹھایا۔

اس دور میں براعظم افریقہ سیم و زر، اور زر و جواہرات کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ کوکن کے قدیم ملازمت پیشہ لوگوں نے اپنی زندگی کو کامیاب بنانے کی خاطر اپنے وطن سے دور افتادہ ممالک میں قسمت آزمائی کو ترجیح دی۔ اور دائرۂ عمل کی خاطر جنوبی افریقہ کو سرفہرست قرار دیا۔ ان کا فیصلہ، ان کی زمانہ شناسی، دور بینی اور فہم و ادراک کا پتہ دیتا ہے۔ حصولِ زر ہی محض ان کا مقصد تھا تو واقعی وہ کامیاب ہوئے۔ انھوں نے اپنے آپ کو شعبۂ تجارت سے وابستہ کیا اور اپنا مقام بنایا۔ آج اہلِ کوکن نہ صرف جنوبی افریقہ تک محدود ہیں بلکہ دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں موجود اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے منسلک ہیں۔

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا
اقبالؔ

دنیا انقلاب پذیر ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ زمانہ کی قدریں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ نیز اس کی ضروریات و تقاضے بھی مختلف النوع ہوتے ہیں۔ اسلام نہ صرف آفاقی مذہب ہے بلکہ مکمل ضابطۂ حیات بھی ہے۔ مذہب اسلام نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی دنیا سے نبرد آزما ہونے کے طریقوں کی قرآن و حدیث میں نشاندہی کی ہے۔ یہ ہماری بدنصیبی یا محرومی ہے کہ ہم اس علم و عرفان کے خزانہ سے مستفید نہیں ہوتے۔ اگر ہم اپنے اندر مادۂ افہام و تفہیم اور نکات قرآن و حدیث کو

سمجھنے کی اور رد عمل لانے کی بیداری پیدا کرلیں تو ہم درپیش مشکلات اور رکاوٹوں پر آسانی قابو پا سکتے ہیں اور دنیا میں دوبارہ اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

جن لوگوں نے وقت کی نبض شناسی نہیں کی اور وقت کی رفتار کے مخالف سمت میں زور آزمائی کی وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ اور کئی درس عبرت کی تصویریں بنے ہوئے ہیں۔ وقت کی بے رحمی نے انھیں ملک یوگنڈا سے نکلنے پر مجبور کیا اور ان کا انخلاء بے سروسامانی کی حالت میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ بھی ممکنات میں ہے کہ یوگنڈا کی تاریخ اور جگہ پھر دہرائی جائے۔ اگر ہمارا مقصد دنیا میں زندہ اقوام کی طرح زندہ رہنا ہے اور ترقی کی راہیں طے کرنا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ماضی کی غلطیوں کا جائزہ لیں۔ ان سے سبق حاصل کریں۔ حال کے تقاضوں اور ضروریات کو سمجھتے ہوئے مستقبل کی منصوبہ بندی کریں۔

یوں تو مشرقِ وسطیٰ سے تعلقات استوار ہوئے ایک زمانہ بیت چکا ہے۔ گزشتہ دہائی میں تیل کی اہمیت نے عالمی سیاست پر جو اثر ڈالا ہے اس سے ہر کس و ناکس واقف ہے۔ تیل کی زبردست مانگ اور اس سے حاصل شدہ آمدنی نے اس علاقہ میں ترقی کی نئی راہیں کھول دیں اور ملازمت پیشہ لوگوں کی آمدنی میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ مذکورہ علاقوں کی حیرت انگیز ترقی نے یہاں ملازمت پیشہ لوگوں کی تقدیریں بدلنے میں نمایاں کردار ادا کیا اور انھوں نے اپنی توقعات سے زیادہ صلہ پایا۔

باشندگان کوکن کو حصول زر کی خاطر کن کن مراحل و مشکلات سے گزرنا پڑا ان کا یہاں تذکرہ بے موقع و بے محل نہ ہوگا۔ جنوبی افریقہ و یوروپ کے دیگر ممالک میں عارضی یا دائمی سکونت پذیر لوگوں کو ہر وقت نسلی تعصب کا شکار رہنا پڑا۔ دولت کی فراہمی و دیگر سہولتیں مہیا ہونے کے باوجود اکثر لوگوں کی امداد تعلیمی میدان میں پسماندہ ہی رہی۔ وہاں کے مروجہ قوانین نے انھیں اپنے اہل خانہ سے علیحدہ رہائش پر مجبور کیا۔ کبھی کبھی یہ علیحدگی کا وقفہ ۳ تا ۱۰ سال بھی رہا ہے۔ کیا یہ سب عین انسانی فطرت کی ضد نہ تھا کہ زن و شوہر ایک لمبی میعاد تک تنہائی کا عذاب جھیلنے پر مجبور رہیں۔ کس طرح ان لوگوں کو اپنے احساسات و جذبات کے خلاف جنگ کرنا پڑی ہوگی۔ اس کا تصور ہی اذیت ناک ہے۔

آج کوکن کی کثیر تعداد ریاستہائے خلیج میں برسرِ روزگار ہے۔ ان کی یہاں کی زندگی پھولوں کی سیج ہرگز نہیں ہے۔ یہاں سے اپنے وطن تعطیلات گزارنے جانے والوں کی ظاہری آن بان و شان و شوکت دوسروں کی آنکھیں خیرہ کرتی ہیں اور سرزمین عرب میں ان کو اپنے لئے ایک خاص کشش محسوس ہوتی ہے۔ اور وہ بنا سوچے سمجھے خوش آئند زندگی کے حسین خواب آنکھوں میں سجائے اپنی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کرتے ہوئے خیالی جنت میں پہونچ جاتے ہیں۔ یہاں آمد پر حقیقتِ حال کا جب ان پر انکشاف ہوتا ہے اس وقت ان کو پتہ چلتا ہے کہ حقیقت اور تخیل میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ وہ ہر کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جن کا کبھی انھوں نے تصور بھی کرنا گوارہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی انفرادیت کھو بیٹھتے ہیں۔ حکم بجا آوری ان کی شخصیت کا اٹوٹ حصہ بن جاتی ہے۔

مجموعی طور پر سبھوں کا کم و بیش یہی حال ہے۔ وطن سے دوری، اجنبی ماحول اور موسم کی شدت ان پر کیا اثر کرتی ہے اس کی حقیقت وہی لوگ جانتے ہیں جو اس رہگذر سے گزر رہے ہیں۔ شاید یہ شعر یہاں ملازمت پیشہ لوگوں کی حالت کا احاطہ کر سکے۔

زندگی درد کے تپتے ہوئے صحرا میں جلی
ہم مگر ہنستے رہے پھر بھی زمانے کے لئے

کیا یہ مناسب و موزوں ہوگا کہ ہم عرق ریزی و جانفشانی سے حاصل کردہ دولت کا بیجا یا غلط استعمال کریں؟ کیا ہم اس میں حق بجانب ہوں گے کہ ہماری آنے والی نسل کو بھی اس جاں گسل و تلخ تجربات سے گزرنے پر مجبور کریں؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ اگر ہمیں زندگی میں کامیاب و کامران بننا ہے تو ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ اپنا محاسبہ کریں۔ مستقبل کی تعمیر میں منہمک ہو جائیں تاکہ آنے والی نسل کی مناسب آبیاری ہو، اور وہ ہمیں اچھے ناموں سے یاد کرے۔ ریاست ہائے خلیج کے موجودہ معاشی بحران کے نتیجہ میں پیدا شدہ غیر یقینی حالات ملازمت پیشہ لوگوں کے زبردست انخلاء کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے بھی آج اثاثہ کا صحیح استعمال کا مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ زر کا صحیح استعمال ہی انسان کے معاملہ فہمی، جہاں بینی، دور اندیشی اور ذہنی پختگی کا آئینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم کوشش کریں کہ کسبِ حلال کا صحیح تصرّف ہو اور ہمارے خون کی ایک ایک بوند کے عوض کشید کردہ دولت رائیگاں نہ جائے۔

ماضی قریب میں صاحب جائیداد ہونا امارت کی سند سمجھا جاتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ بیرونی ممالک سے وابستہ کوکنی حضرات نے مختلف آراضیات اس کی اہمیت کا اندازہ لگائے بغیر ہی خرید لیں۔ ان کا نصب العین کبھی نہ رہا کہ زراعت کو ایک پیشہ کے طور پر اپنائیں۔ اور اس کا نتیجہ جمہوری ہندوستان کے نافذ کردہ قوانین کے تحت یہ نکلا کہ مالکانِ زمین کی اکثریت اپنے حقِ ملکیت سے محروم ہوگئی۔ کیا یہ نقصان شدید نہیں ہے؟ اس مثال سے میرا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ زمین و جائیداد میں سرمایہ نہ لگایا جائے۔ بلکہ ایسی خرید کردہ زمین کا پیشہ ورانہ طور پر صحیح استعمال اور اسے منفعت بخش بنانا ہے کہ اسی میں ہمارا مفاد مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اگانے اور پیدا کرنے کی صلاحیت سے نوازا ہے۔ اس نعمت کو یاد رکھنا اور اس کی قدر کرنا ہی ہمارے لئے باعثِ افتخار ہو سکتا ہے۔ صنعت و حرفت ایک جائز خدمت ہی نہیں بلکہ علماء اور ائمہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔ صنعت و حرفت کی طرف قرآن شریف نے جابجا توجہ مبذول کرائی ہے۔ اسلام نے قرآن اور سنتِ رسولؐ کے ذریعہ تجارت کرنے کی پر زور دعوت دی ہے۔ اور اس مقصد کے لئے سفر اختیار کرنے کی ترغیب بھی دی ہے اور اسے اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر کیا ہے نیز تجارت کی غرض سے سفر کرنے والوں کا ذکر مجاہدین فی سبیل اللہ کے ساتھ کیا ہے۔ وقت کا تقاضہ اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان رشد و ہدایات کو عمل کے سانچے میں ڈھالیں۔

آج کے تیز گام زمانہ کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر اگر ہمیں چلنا ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ قومی اور بین الاقوامی حالات کا غائر مطالعہ کریں۔ روز بروز رونما ہونے والی سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی تبدیلیوں کا جائزہ لیں اور اپنا لائحہ عمل ترتیب دیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق اپنے بندوں کو مختلف النوع صلاحیتیں مختلف تناسب کے ساتھ عطا کی ہیں۔ اور انسان نے ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ہی ارتقائی مدارج طے کئے ہیں۔ چنانچہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں کہ جن کے اندر اہلیت اور صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ مگر وہ دولت سے محروم ہیں۔ اس کے برعکس بعض صاحبِ مال افراد کے پاس صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت نے سرمایہ اور صلاحیت یا مال اور محنت کے درمیان شرکت و تعاون کی اجازت دی ہے۔ اور اس نے اشتراک کو باعثِ برکت قرار دیا ہے۔

کیا موجودہ حالات اور متوقع غیر یقینی رجحانات میں ہم ان واضح اشارات کو سمجھتے ہوئے اپنے لئے کارآمد نہیں بنا سکتے۔

اگر صحیح سرمایہ کاری نہ ہوا اور مثبت اور علمی انداز فکر نہ ہو تو قارون کے خزانے کی اہمیت بھی ہیچ ہے۔ زرِ مبادلہ کی دن بہ دن گرتی ہوئی قیمت اس کا بین ثبوت ہے۔ ایک اخباری بیان کے مطابق فی الوقت ایک روپیہ کی قیمت صرف ۱۸ پیسے ہے۔ جو لوگ اپنے پیسوں کو خزانے کی شکل میں محفوظ رکھنا چاہتے ہوں وہ اس سے سبق لے سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں بنک میں جمع شدہ رقم سے حاصل کردہ سود کی رقم کا استعمال بھی حرام ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے بہترین حل یہی دکھائی دیتا ہے کہ مناسب شرائط، قواعد اور ضوابط پر مشتمل اشتراک میں کاروبار کریں۔ اور زر کا صحیح تصرف کریں۔

آج کے اس دورِ کفر و الحاد اور مادہ پرستی نے ہمیں اس قدر گمراہ کر دیا ہے کہ اسلام کی ہمہ گیر اور ہمہ تاثیر تعلیمات کو ہم بھلا بیٹھے ہیں۔ ہم نے زر پرستی، خود غرضی اور خود نمائی کی خاطر رشتوں کی اہمیت کو پامال کر دیا ہے۔ عدم اعتمادی و بدگمانی کا زہر ہماری رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ مفاد پرستی اور اندھی تقلید جزو ایمان بن گئی ہے۔ آج بزرگوں کا پاس و لحاظ داستانِ پارینہ بنی ہوئی ہے۔ اپنے سے بڑوں کی عمر و تجربہ کی بھٹی سے اخذ کردہ باتیں ہماری سماعت پر گراں گزرنے لگی ہیں۔ ان کی عقل و فہم اس قابل ہی نہیں رہی کہ ان خیر خواہوں کی ہدایات کو سمجھیں اور عمل کریں۔ ان کی دوررس اور زمانہ شناس نگاہوں کی قدر کریں جو کہ کم سن اور نوجوان کو میسر نہیں۔

آج حکومت ہند نے مختلف سطح پر کئی اقسام کی قابل عمل اسکیمیں وضع کی ہیں جن سے ہم خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ زمانہ متقاضی ہے کہ ہماری صنعت، حرفت اور تجارت کامرکز ہو تاکہ زر کے صحیح استعمال کے ساتھ ہم اپنی انفرادیت بھی صحیح و سالم رکھ سکیں۔ اور جو پریشانیاں مصائب اور صعوبتیں ہمارا مقدر بنی ان سے آنے والی نسلیں محفوظ رہ سکیں۔ یہاں چاہئے کہ شاعرِ مشرق کے اس زندہ جاوید پیغام کو گرہ میں باندھ لیں۔ اس پر عمل پیرا ہوں اور غفلت شعاری ترک کریں:

وہی زمانہ کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

★

آٹھویں قسط

آؤ عربی سیکھیں

پروفیسر شفیع شیخ

الجمع المکسر :- برخلاف الجمع السالم کے الجمع المکسر میں واحد لفظ کی ترکیب صحیح و سالم نہیں رہتی۔ بلکہ ٹوٹ جاتی ہے۔ اور لکھنے کے اعتبار سے الجمع المکسر عربی قواعد کا ایک مشکل باب ہے۔ بہت کم زبانیں ایسی ہیں جو جمع کے اتنے زیادہ اور مختلف اوزان رکھتی ہوں۔

اوزان کی روشنی میں دیکھا جائے تو الجمع المکسر متنوع ضرور ہے لیکن اگر انہیں یاد رکھا جائے تو اس کے تنوع سے پیدا ہونیوالی مشکل دور بھی ہو سکتی ہے۔ اوزان نے بڑی حد تک ان مشکلوں کو حل کر دیا ہے۔ اور جمع کی یہ بحث ایک حد تک سہل منکشف ہو گئی ہے؟

اوزان کسے کہتے ہیں ؟ :

عربی زبان کے الفاظ و افعال بنیادی طور پر تین حروف پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یہی تین حروف حروفِ اصلی، حروفِ مادہ یا بنیادی حروف کہلاتے ہیں: عَلَمٌ، وَلَدٌ، رَجُلٌ اور بِنْتٌ وغیرہ میں یہ تینوں حروف بے حد واضح طور پر موجود ہیں۔ اُمٌّ، حَدٌّ وغیرہ مشدد لفظ کو دو مانا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ان الفاظ میں بھی تینوں اصلی حروف موجود ہیں۔ وہ الفاظ جن کے حروف تعداد میں تین سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں وہ تین حروف اصلی کے حامل ہوتے ہیں: حقیر، قصیر، قریب، بعید وغیرہ میں ی حرف علت ہونے کی بنا پر حذف کر دی جائے گی۔ اور حقر، قصر، قرب، بعد حروف اصلی نکل آئیں گے — اس کا مطلب نہیں کہ عربی میں الفاظ صرف تین حروف پر مشتمل ہوتے ہیں۔ چار حروف والے الفاظ کی مثالیں ہم نے اوپر پڑھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حروف اصلی حرف تین حروف ہوتے ہیں۔ اور دیگر حروف حروفِ زائد کہلاتے ہیں۔ منزل، اقبال، مقابلہ، انتقال، استعمال وغیرہ عربی ہی کے الفاظ ہیں۔ اور ہر لفظ میں اصلی حروف تین (۳) ہیں۔ حروف اصلی کی شناخت کے لئے اوزان مقرر کئے گئے ہیں۔ آیئے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔

ف + ع + ل (فَعَلَ) تین بنیادی حروف تسلیم کئے گئے ہیں۔ اگر جمع المکسر کا ایک وزن اَفْعَال لیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اَفْعَالٌ کے پانچ حروف میں تین حروف اصلی ہیں اور دو زائد۔ ان کا تجزیہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اصلی حروف تین ہیں۔

ا + ف + ع + ا + ل
حرف زائد ۱ + حرف اصلی ۱ + حرف اصلی ۲ + حرف زائد ۲ + حرف اصلی ۳

اب حروف کا تجزیہ یوں ہوگا:

حروف اصلی ف + ع + ل فَعَلَ = ۳
حروف زائد ا + ا = ۲
کل حروف = ۵

اب اگر کسی لفظ کی جمع افعال کے وزن پر لائی جاتی ہے تو حروف زائد (دونوں الف) جگہ پر برقرار رہیں گے اور ف + ع + ل حروف اصلی ہٹا کر اس لفظ کے تینوں اصلی حروف ان جگہوں پر رکھ دیئے جائیں گے۔

اوزان کے اعراب :- اوزان اگر صحیح صحیح پڑھے نہ جا سکیں، اگر

جاری ہے

ان میں زبر، زیر اور پیش کے فرق سے اشکال پیدا ہوتا ہو تو انھیں معیاری اوزان نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ جہاں تک اوزان کا تعلق ہے ہر وزن کے اعراب کے مستقل اصول مرتب کئے گئے ہیں۔ ایک مخصوص وزن پر بننے والے تمام جمع الفاظ کے اعراب کا وہی اصول اپناتے ہیں جو اس وزن سے مخصوص ہے۔

آج ہم الجمع المکسر کے ایک نہایت اہم وزن "اَفْعَالٌ" کے ذریعہ مندرجہ بالا تمام اصول سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اَفْعَالٌ :- افعال جمع کا ایک اہم وزن ہے اس میں پانچ حروف ہیں :

ا	+ ف	+ ع	+ ا	+ ل
۱	۲	۳	۴	۵

اس میں نمبر ۱ اور نمبر ۴ پر آنے والے دونوں الف زائد ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان حروف کا حروف اصلی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حروف نمبر ۲، ۳ اور ۵ حروفِ اصلی ہیں۔ اب اگر کسی واحد لفظ کی جمع "افعال" کے وزن پر لاتی ہو تو نمبر ۲، ۳ اور ۵ کے حروف ہٹا کر اس لفظ کے تینوں اصلی حروف بالترتیب انھیں جگہوں پر رکھ دیئے جائیں۔ نمبر ۱ اور نمبر ۴ کے زائد حروف یعنی دونوں الف بدستور اپنی جگہ پر قائم رہیں گے۔

افعال کا اعراب :

جیسے کہ اوزان میں جیسا کہ اس سے پیشتر بتلایا جا چکا ہے، اعراب کے اصول مستقل اور نہ بدلنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ جمع کئے وزن کے ساتھ ان کے اعراب بھی ذہن نشین کر لئے جائیں۔

اعراب ←	ـَ	ـْ	ـَ	ـْ	ـٌ
وزن ←	ا	ف	ع	ا	ل
ترتیب کا نمبر ←	۱	۲	۳	۴	۵

اس کا مطلب یہ ہوا کہ افعال کا پہلا حرف (الف) زبر، دوسرا (ف) جزم، تیسرا (ع) زبر، چوتھا (الف) جزم اور پانچواں (ل) دو پیش کے ساتھ لکھا جائے گا۔

افعال کی مثالیں :

اس وزن پر جمع لانے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جس واحد کی جمع ہم اس وزن پر بنا رہے ہیں اس کی جمع کا وزن افعال ہی ہے۔ جس طرح ہم اپنی چابیوں کے گچھے کی تمام چابیوں سے واقف ہوتے ہیں کہ کون سی چابی کس تالے کی ہے۔ اسی طرح یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ کون سا واحد کس وزن کے ذریعے جمع بنایا جائے گا۔

اس سلسلے میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ جمع کا وزن جانا بوجھا ہوتا ہے۔ اس کے اعراب متعین ہوتے ہیں۔ لیکن واحد لفظ مختلف اوزان اور اعراب رکھتے ہیں۔ اور اعراب کی حیثیت سے ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔

ذیل میں واحد اور جمع کا چارٹ حروف کے تجزیے کے ساتھ دیا جا رہا ہے:

واحد						جمع						
نمبر شمار	حروف اصلی			لفظ	معنی	اعراب کی ترتیب					جمع	معنی
	۱	۲	۳			ـَ	ـْ	ـَ	ـْ	ـٌ		
						۱	۲	۳	۴	۵		
۱	وَ	لَ	دٌ	وَلَدٌ	لڑکا	ا	و	ل	ا	د	اَوْلَادٌ	لڑکے
۲	وَ	قْ	تٌ	وَقْتٌ	وقت	ا	و	ق	ا	ت	اَوْقَاتٌ	اوقات
۳	حُ	كْ	مٌ	حُكْمٌ	حکم	ا	ح	ك	ا	م	اَحْكَامٌ	احکام
۴	حِ	مْ	لٌ	حِمْلٌ	بوجھ	ا	ح	م	ا	ل	اَحْمَالٌ	بوجھ (جمع)
۵	فَ	خِ	ذٌ	فَخِذٌ	ران	ا	ف	خ	ا	ذ	اَفْخَاذٌ	ران (جمع)

ان پانچ مثالوں میں ایک بات بہت واضح ہو کر سامنے آتی ہے اگر واحد مثالوں کو بنظرِ غائر دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ واحد لفظ کے اعراب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثلاً وَلَدٌ میں تینوں حرف متحرک ہیں۔ جب کہ وَقْتٌ میں درمیانی حرف ق ساکن ہے۔ حُکْمٌ میں پہلے حرف پر پیش ہے۔ جب کہ اس سے پہلے کی مثالوں میں پہلے حرف پر زبر تھا۔ مثال نمبر ۴ جِمَلٌ میں پہلے حرف پر زیر ہے۔ مثال نمبر ۵ میں دوسرا حرف زیر کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

جمع کے ذیل میں ایک اور اہم بات نظر آتی ہے۔ حروف زائد مستقل اور دائم ہیں مندرجہ بالا چارٹ میں جمع کے کالم ۱ اور ۲ میں پانچوں مثالوں میں اوپر سے نیچے تک الف ہی ہیں۔ گویا حروف زائد اپنی شکل نہیں بدلتے اور جوں کے توں رہتے ہیں۔

نقشِ کوکن کے
بیرونی خیر خواہوں سے

بیرونی ممالک میں رہنے والے
نقشِ کوکن کے خیر خواہوں سے درخواست ہے کہ
وہ جب بھی ہندوستان آئیں
نقشِ کوکن کے تعلق سے
اپنے تبادلۂ خیالات کے لئے دفتر ضرور تشریف لائیں۔
اس سے پرچے کی ترویج و اشاعت کے لئے
راستے کھل جائیں گے۔
نیز بیرونی ممالک میں
ہماری قوم کی سرگرمیوں سے
ہمیں آگاہی ہوگی۔

(ادارہ)

باغی بانکوٹی
(جرمن پرکار)

نورُخی غزل

جو ربّ العالمین ہے اسی کو پالنہار کہتے ہیں
جنھیں انکار ہے اِس سے اُنھیں کفّار کہتے ہیں

جو عیبوں کو چھپاتا ہے اسے ستّار کہتے ہیں
مگر اس کی ضد ہو تو سب اس کو ناہنجار کہتے ہیں

شفیع المذنبیں کو احمدِ مختار کہتے ہیں
شفیع بن کر کرے جو شر اسے مکّار کہتے ہیں

نکوکاری کی گل پاشی ہی کو گلزار کہتے ہیں
بدی کی آبیاری ہی کو فصلِ خار کہتے ہیں

لڑی بن کر رہیں باہم تو تسبیح یار کہتے ہیں
تنفّر کے گلے کے طوق کو زنّار کہتے ہیں

مجسم پیکرِ اخلاق کو اوتار کہتے ہیں
جو ہیں شیطاں صفت انکو شیاطیں، یار کہتے ہیں

کرے گردش جو مرکز سے اُسے پرکار کہتے ہیں
جو مرکز سے ہٹاتا ہے اُسے غدّار کہتے ہیں

کرے جو کاٹ باطل کی اُسے تلوار کہتے ہیں
ذہن اُلجھا دے راہِ حق سے اُس کو سوتی تار کہتے ہیں

ضرورت پر اگر باغی کبھی اشعار کہتے ہیں
تو مارے رشک کے اُن کو بُرا دو چار کہتے ہیں

شفیق وستا

ہندوستان کی جمہوری حکومت

ہر شخص جانتا ہوگا کہ ہم کہ زمین کے جس خطے میں رہتے ہیں وہ ہندوستان کہلاتا ہے۔ کشمیر سے سیلون تک اور برما سے سندھ کی وادی تک زمانۂ قدیم سے ہمارے دیس کے حدود اربعہ کچھ ایسے تھے کہ لوگ اسے ایک چھوٹا سا براعظم سمجھتے آئے ہیں۔ ہمارے جغرافیہ کی بہ نسبت ہماری قدیم تاریخ بڑی شاندار اور دلچسپ ہے۔ آسمان سے سرگوشی کرتے ہوئے پہاڑ، کہساروں کی آغوش میں بہتے دریا، سدا بہار جنگل، ہرے بھرے سبزہ زار اور چراگاہیں، لہلہاتے کھیت معدنی خزانے۔ ہندوستان دیس کیا تھا سونے کی چڑیا تھی۔ اس چڑیا کا جادو تھا کہ آریہ، کشان، ھن، ایرانی، افغانی اور مغل یکے بعد دیگرے گویا کچے دھاگے میں بندھے ہوئے چلے آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ دوسرے کئی اور قبائلی خاندان آئے۔ ان میں سے چند چلے گئے بقیہ سب نے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا اور اس کی ترقی میں کوشاں رہے۔ وید، رامائن، مہابھارت، کالی داس، اشوک اور اکبر، تاج محل اور مغل آرٹ کے دیگر شاہکار ہندوستانی علوم و فنون کی وہ معرکۃ الآرا مخلوقات ہیں کہ بس ناز کرتے رہئے۔

جب مغربی اقوام کی نظر اس سونے کی چڑیا پر پڑی تو توان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ مغربی ممالک نے اس چڑیا کے لئے جال بچھائے، پرتگیز آئے، فرانسیسی اور ڈچ آئے اور پھر انگریز آئے تو اس شان سے کہ انھوں نے اس سونے کی چڑیا کو اپنے ہتھکنڈوں سے دام کر ہی لیا۔ اور لگ بھگ تین صدی تک حکومت کی۔ جب مغلیہ سلطنت کو زوال آگیا تو انگریزوں کی طاقت اور بڑھ گئی۔ اس کی وجہ سے ہندوستانیوں میں ذہنی اضطراب پیدا ہوگیا۔ انگریزوں کے نافذ کردہ سماجی اور تعلیمی اصلاحات کا ایک معکوس اور ہندوستانیوں کے حق میں مثبت اثر ہوا کہ تعلیم یافتہ لوگوں میں قومیت کا احساس پیدا ہوگیا۔ ہندوستانی اب اپنے حقوق کے لئے لڑنے لگے۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد پڑی۔ کانگریس مہذب اور تعلیم یافتہ ہندوستانیوں پر مشتمل تھی۔ انگریز حکومت اگرچہ وقتاً فوقتاً مختلف قوانین کے ذریعے اصلاحات نافذ کرتی رہی مگر ان اصلاحات سے ہندوستانی مطمئن نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انھیں حکومت میں شریک کیا جائے۔ انگریزوں کی پالیسی ہندوستانیوں کے اس فطری حق کی ایک عرصے تک مزاحمت کرتی رہی۔ مگر ہندوستان میں انگریزی سامراج اب ایک بے پناہ سیلاب کے راستے میں تھا۔ کب تک جما رہتا۔ آخر کار خدا خدا کر کے یہ کفر ٹوٹ گیا۔ اور ہندوستان مہاتما گاندھی، جواہر لال اور دوسروں کی قیادت میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوگیا۔ اس کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۵۱ء کو اپنا اساسی دستور بن چکا ہے۔ اس دستور کے مطابق زندگی کے ہر شعبے میں ہمہ گیر ترقی کے لئے ہم نے بڑے بڑے منصوبے بنائے ہیں۔

جن میں سے کچھ تشنۂ تکمیل ہیں اور کچھ زیر تکمیل۔ ان تمام منصوبوں کی تکمیل کے لئے فقط سرمایہ ہی نہیں ہماری اپنی محنت، لگن اور اتفاق بھی درکار ہے۔ اب یہ کام ہمیں خود اپنے ہاتھوں انجام دینے ہیں۔ گاندھی، نہرو، ابوالکلام، تلک وغیرہ اپنا کام کر چکے ہیں۔ ان لیڈروں کی دیواروں پر چسپاں بے جان تصویریں اور مقرروں کی دھواں دھار تقریروں سے کام نہیں ہوگا۔ ہمارے عقائد اور اوہام یہ کام نہیں کر سکیں گے۔ گلاب کے حسین پھول یا بحر عرب اور خلیج بنگال کی موجیں اُٹھ کر یہ کام نہیں کریں گی۔ یہ کام گوشت پوست کے بنے زندہ انسانوں کا ہے جو ہمیں خود کرنا ہے۔

آج جو ہمارے دیس میں غذائی، لسانی اور علاقائی مسائل کی وجہ سے ایک بحران پیدا ہو گیا ہے ہم سب کو بلا امتیاز مذہب و ملت ان مسائل پر سر جوڑ کر سوچنا ہے اور انھیں حل کرنا ہے۔ اس اہم کے لئے ضروری ہے کہ ہم باہمی امور میں مساوات، رواداری اور اخوت سے کام لیں۔ ہمیں ماضی کی ٹھوکروں کو یاد رکھتے ہوئے اپنا مستقبل سنوارنا ہے۔

ایک مثال سے بات کو سمجھئے۔ شاید ۱۸۳۶ء میں انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ مگر کچھ ہی دنوں میں افغانوں کی غیرت نے وہ جوش مارا کہ انگریز افغانستان سے دم دبا کر بھاگ گئے۔ اُدھر یہ اتفاق اور غیرت میں پوشیدہ زبردست قوت کی ایک مثال تھی۔ افغانوں نے اپنی زمین پر گھڑی بھر کے لئے غیروں کے قدم جمنے نہ دیئے، ادھر ہم ہندوستانی تھے غلام ابن غلام ابن غلام۔ تین سو سال غیروں کے غلام رہے۔ یہ سب ہماری اپنی باہمی پھوٹ اور نفاق ہی کے کڑوے پھل تھے۔ ہم سے کچھ لوگوں نے بدیسیوں کو شہ دی۔ کسی نے ٹیپو کو دغا دیا، کوئی میر صادق بنا تو کوئی میر جعفر پیدا ہوا۔ ہمیں ایسے غداروں پر لعنت بھیجتے ہوئے اب اتفاق اور رواداری کے ساتھ آگے قدم بڑھانا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو کہا جائے ہماری کنیز بن جائے گی۔ زمین سورج کے گرد گھومے یا نہ گھومے بہاریں ہمارے چمن کا طواف ضرور کریں گی۔

دنیا کے تمام اساسی دستوروں میں ہمارے دستور کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہندوستانی حکومت خود مختار، جمہوری اور غیر شخصی ہے۔ خود مختاری کی مثال یوں ہے کہ ہندوستان نے غیر ملک سے متعدد تجارتی، ثقافتی اور اقتصادی معاہدات کر رکھے ہیں، مگر یہ کبھی کسی کے دباؤ میں نہیں آیا۔ اس کی خارجہ اور داخلہ پالیسی اپنی ہے۔ اس میں کسی غیر کا کوئی دخل نہیں۔ ہمارا آئین جمہوری ہے۔ جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس میں عوام کی اکثریت کے فیصلوں سے کام انجام پاتے ہیں۔ کوئی مطلق العنان حکمراں نہیں ہوتا۔ حکومت کا سب کاروبار عوام کے چنے ہوئے نمائندے چلاتے ہیں۔ اس باپ کا وارث بیٹا نہیں ہوتا۔ یعنی حکمرانی موروثی نہیں ہوتی۔ عوام جسے اکثریت سے چنتے وہی حکمراں ہے۔ اسی آئین کے مطابق اب تک ہندوستان میں چھ سات بار عام انتخابات ہو چکے ہیں اور کاروبار حکومت چل رہا ہے۔

یہ پرچہ آپ کو کیسا لگا؟

پرچے کے معیار ہی کو نہیں
مزاج کو بھی ملحوظ خاطر رکھئے اور بتائیے کہ
پرچہ آپ کو کیسا لگا؟
اگر آپ کو پسند ہے تو اپنے دوستوں سے
کہئے کہ اس کے خریدار بن جائیں۔

(ادارہ)

خوراک اور ہماری زندگی

ہاشم عبداللہ

ہر سال ملک میں تقریباً ۵۰ لاکھ بچوں کا اضافہ ہوتا ہے جس میں سے ایک بڑی تعداد میں بچے اپنی چھٹی بہار دیکھنے سے پہلے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ اس بڑے پیمانہ پر بچوں کی اموات کے اسباب میں اسہال، نمونیہ اور ماؤں کی خراب صحت کی بنا پر پیدائش کے وقت بچوں کا معمول سے کم وزن شامل ہے۔

ہندوستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کی تقریباً ۷۰ فیصد سے زیادہ آبادی زراعت پیشہ ہے اور اس سے کہیں زیادہ آبادی غریب اور ان پڑھ ہے۔ یہ لوگ اپنی غذا پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے اور اپنی غذا میں گندم، دال اور سبزی کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ اس غذا میں پروٹین اور دوسرے اہم اجزاء تو ہوتے ہیں اسے مکمل غذا نہیں کہتے۔

ہماری غذا میں مندرجہ ذیل چیزیں ہوتی ہونی چاہئے۔ کیونکہ ان سب میں وہ تمام اجزاء موجود ہیں جس سے جسم بنتا ہے۔

(۱) پروٹین (Protien) (۲) کاربوہائیڈریٹ (carbohydrate) (۳) چربی (Fat) (۴) نمک (Salt) (۵) وٹامن (Vitamin) (۶) پانی (Water)

پروٹین (Protien): 68.5gr روزانہ فی کس پروٹین ضروری ہے۔ اس کے علاوہ Animal Protien بھی ملنی چاہئے۔ جو انڈا، گوشت اور مچھلی سے مل سکتا ہے۔

ہماری خوراک میں جو حصہ گوشت پیدا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ رگوں Tissues اور سیلس cells کو بڑھاتے ہیں اور اس کی کمی کو پورا کرتے ہیں یہی کام پروٹین کا ہے۔ اس لئے ہماری خوراک میں پروٹین کا ہونا نہایت ضروری ہے — پروٹین دو قسم کی ہوتی ہیں:

— حیوانی پروٹین Animal Protien:

حیوانی پروٹین زیادہ زود ہضم ہوتا ہے اس لئے اس سے جسم میں قوت حاصل ہوتی ہے اور چونکہ حیوانات میں پروٹین کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اس لئے ہماری خوراک میں حیوانی پروٹین کا ہونا بہت ضروری ہے — دودھ، دہی، انڈا، مچھلی اور گوشت میں حیوانی پروٹین ہوتی ہے۔

— نباتی پروٹین Vegitable Protien:

سبزی، دال، چنا، بادام اور اخروٹ کو نباتی پروٹین کہتے ہیں۔

— کاربوہائیڈریٹ Carbohydrate:

اسٹارچ، میدہ، ہر قسم کی چینی، گوند وغیرہ سب کاربوہائیڈریٹ ہے۔ اس سے بدن میں گرمی اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے ان لوگوں کو جن کو جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اسٹارچ عام طور پر اناج مثلاً گیہوں، جوار، مکئی، آلو، چاول، جو، پیاز، گاجر، شلجم میں ملتا ہے۔

— چربی (Fat):

چربی پودوں اور جانوروں دونوں سے ملتی ہے۔ جانوروں سے حاصل کی ہوئی چربی ہم کو گھی، مکھن، گوشت اور دودھ وغیرہ مچھلی، مچھلی کا تیل اور انڈوں سے ملتی ہے۔

فردوس کاشانہ

نباتی چربی بادام، اخروٹ، مونگ پھلی، ناریل کا تیل، سرسوں سے حاصل ہوتی ہے۔ چربی جسم میں طاقت اور گرمی کو بڑھاتی ہے۔ اس کے زیادہ استعمال سے نقصان ہوتا ہے۔

— نمک (Salt) :-

یہ کھانے کو صرف ذائقہ دار ہی نہیں بناتا بلکہ جسم کے خون کو صاف کرتا ہے۔ اور خوراک کو ہضم کرتا ہے۔ اور ہم کو تندرست رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ ہڈیوں کو مضبوط کرنے کے کام آتا ہے۔

• وٹامنس Vitamins :-

جس طرح موٹر گاڑی تیل کے بغیر بگڑ جاتی ہے اور آگے نہیں چل سکتی، اسی طرح انسان کا جسم وٹامن کے بغیر سوکھ جاتا ہے۔ اور وہ بیمار پڑ جاتا ہے۔

وٹامنس پانچ قسم کے زیادہ اہم ہوتے ہیں ان کو A.B.C.D.E کہتے ہیں۔ اگر پہلے چار میں سے ایک بھی تین چار ماہ تک نہ ملے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

پانی (Water)

یہ بھی خوراک کا نہایت ضروری حصہ ہے ہمارے بدن کا بہت سا حصہ پانی کا بنا ہوا ہے۔ جسم کو تندرست حالت میں رکھنے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

عورتوں کو مردوں کی بہ نسبت ۱/۴ حصہ پروٹین کی ضرورت پڑتی ہے ان کو اتنی ہی طاقت چاہیے۔ لڑکوں کو ان کے قد اور وزن کے موافق ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر تندرست انسان کو ۱/۴ پونڈ پروٹین ۱/۴ پونڈ چربی اور ایک پونڈ کاربوہائیڈریٹ کی روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ہماری روزمرہ کی غذا میں دودھ کی بنی ہوئی چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر دودھ ٹھیک مقدار میں مل جائے تو انڈا، مچھلی اور گوشت کھانے کی بالکل ضرورت نہیں۔ آٹا یا چاول تو عام طور پر ہماری غذا میں رہتے ہیں۔ اور ان کا ہونا ضروری بھی ہے۔ لیکن سفید آٹا (میدہ) اور صاف کئے ہوئے چاول کا استعمال نہ ہونا چاہیے۔ چوکر ملا ہوا آٹا اور بغیر صاف کئے ہوئے چاول نہایت اچھی خوراک ہے۔ کیونکہ ان میں وٹامن ہوتے ہیں۔ لیمو، نارنگی، ٹماٹر، مولی، گاجر، پیاز اور مرچ بھی کھانا ضروری ہے۔ پتے دار ترکاریاں اچھی سمجھی جاتی ہیں کیونکہ ان میں نمک اور وٹامن دونوں ہوتے ہیں — دال، روٹی، چاول، گوشت، روٹی اچھی خوراک ہے۔ کیونکہ ان میں ایک کی کمی دوسری چیز کو پورا کر دیتی ہے — ہمیں اپنی خوراک کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اس سے ہماری صحت اچھی رہے گی کیونکہ اچھی خوراک ہی صحت کی ضامن ہے۔ اور اس طرح ہم ملک اور قوم کی خدمت کر سکیں گے ......

سوال آپ کے جواب ہمارے

از: مسٹر تابر تور

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔

★ سوالات غیر مہذب اور غیر ذمہ دارانہ نہ ہوں۔

★ جوابات کے لئے مناسب جگہ چھوڑی جائے۔

★ حسن علی مالگونڈکر — بحرین

سوال: محرم میں جو مجلس پڑھی جاتی ہے وہ کس نے لکھی ہے ؟

ج: محرم کی مجالس (روضۃ ابکا) جناب فقیہ بالو میاں اندریکر کی لکھی ہوئی ہیں۔

سوال: فقیہ، یہ نام ہے یا فقہ جاننے والے / لکھنے والے کو کہتے ہیں ؟

ج: فقہ جاننے والے کو فقیہ کہتے ہیں مگر اب تو یہ نام بھی بن گیا ہے۔ جیسے بانگی، مُلّا، قاضی، خطیب۔ یہ خاندانی نام بن کر رہ گئے ہیں۔

★ مراد علی یعقوب ناخوا — لور پریل بمبئی

سوال: مرد عورت کی خوبصورتی پر فریفتہ ہو جاتا ہے، عورت کے لئے مرد میں کیا چیز کشش کا باعث ہوتی ہے ؟

ج: تن، من، دھن کی فراوانی بیک وقت۔

سوال: محبوبہ اگر بیوی بن جائے ؟

ج: بیچارے مرد کا دل کسی اور محبوبہ کی تلاش میں بھٹکنے لگے گا۔

★ عبدالرشید عبدالرحمٰن حسین — سوس تعلقہ کھیڈ

سوال: انسانی زندگی کن دو حصوں میں منقسم ہے ؟

ج: دو نہیں تین کہئے: لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا۔

سوال: مکہ شریف کی وہ پہاڑیاں کون سی ہیں جہاں پر دوڑنا ارکانِ حج میں داخل ہے ؟

ج: صفا۔ مروہ۔

سوال: اس پیغمبر کا نام بتایئے جو حیوانات ہی پر نہیں بلکہ جنّات پر بھی حکومت کرتے تھے ؟

ج: حضرت سلیمان علیہ السلام۔

★ عنایت اللہ عبدالغنی ساہوکار — کلیان ضلع تھانہ

سوال: سب سے پہلے کس ہندوستانی کالج نے مغربی تعلیم کا درس دینا شروع کیا ؟

ج: ہندو کالج (موجودہ نام پریسیڈنسی کالج) کلکتہ نے جو ۱۸۱۷ء میں قائم ہوا ہے۔

سوال: برٹش دورِ حکومت میں ہندوستان کی راجدھانی کلکتہ سے منتقل ہو کر دہلی کب آئی ؟

ج: ۱۹۱۲ء میں۔

★ ذوالفقار محمد قاسم سروے — سوس کھیڈ ضلع رتناگری

سوال: بمبئی یونیورسٹی کا وائس چانسلر کون ہے ؟

ج: ڈاکٹر گورے

★ خلیل ناگلیکر — رتناگری

سوال: کیا ہم کوئی غزل بھیجیں تو آپ اسے شائع کریں گے ؟

ج: ضرور کریں گے بشرطیکہ قابلِ اشاعت ہو۔

★ دلدار احمد چیلکر — سیوڑیل اسٹریٹ بمبئی

سوال: دنیا میں سب سے حسین چیز کیا ہے ؟

ج: خود حضرت انسان

سوال: انسان کو سب سے زیادہ خوشی کب ہوتی ہے ؟

ج: جب وہ خلافِ توقع اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائے۔

سوال: کوئی شخص دوسرے کو بے وقوف مگر خود کو عقلمند سمجھے تو ؟

ج: تو جان لیجئے کہ وہ ذہنی طور پر مریض ہے۔

★ **نفیسہ علی** — چپلون ضلع رتناگری

سوال:- کیا مبارک کاپڑی صاحب شادی شدہ ہیں؟

ج:- شادی شدہ ہی نہیں بلکہ صاحبِ اولاد بھی ہیں۔

سوال:- زمانۂ قدیم سے آج تک کون کون سے شہر بھارت کا صدر مقام رہے ہیں؟

ج:- دہلی، کلکتہ، دیوگری (دولت آباد) آگرہ

★ **عثمان یعقوب واگلے** — اندھیری بمبئی ۹۳

سوال:- (سبوتیج) سبوتاژ کے کیا معنی ہیں؟

ج:- سبوتاژ کے معنی تو بہت سنگین ہیں مگر لوگوں نے اسے بے محل استعمال کر کے اتنا ہلکا کر دیا ہے کہ وہ اپنی شدت کھو بیٹھا ہے۔ سبوتاژ کے معنی ہیں خفیہ طور پر بغاوت کرنا۔ مگر آج کل پکنک پر جاتے جاتے کوئی شخص چلنے سے معذرت چاہے تو اس کے ساتھی اس کی اس حرکت کو سبوتاژ کہتے ہیں۔

سوال:- کچھ دوست دشمنی پر اتر آتے ہیں تو پھر بھی ملنا جلنا بند نہیں کرتے۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

ج:- یہ بھی ترکِ محبت کی ایک سیاست ہے اور محبت اور سیاست میں سب کچھ چلتا ہے۔

سوال:- کون اپنا اور کون پرایا۔ کیسے پہچانا جائے؟

ج:- پہچاننا بڑا مشکل ہے۔ تاہم اتنا یاد رکھئے کہ جو مشکل میں ساتھ دے وہ اپنا، باقی سب پرائے ہیں۔

★ **عبدالغنی آدم چوگلے** — کرافورڈ مارکیٹ

سوال:- کیا کسی وکیٹ کیپر نے ٹیسٹ ٹیم میں کپتانی کی ہے؟

ج:- خود اپنے ملک ہندوستان میں فرخ انجینیر ٹیم کے کپتان تھے جب کہ وہ وکیٹ کیپنگ کیا کرتے تھے۔

★ **عبدالرشید عبدالرحمٰن سین** — سونس تعلقہ کھیڈ

سوال:- دنیا میں سب سے زیادہ حسین کس کو کہا گیا تھا؟

ج:- حضرت یوسفؑ کو۔

سوال:- دنیا میں تیز بولر کون ہے؟

ج:- اس سلسلے میں کوئی ایک رائے نہیں ہو سکتی۔ ویسے اس وقت دنیا کے تیز گیند بازوں میں عمران خان، مالکم مارشل، ڈینیس لیلی وغیرہ کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

★ **انور علی تاج الدین اونکر** — رتناگری

سوال:- فلم ڈائریکٹر گلزار ہندو ہے یا مسلمان؟

ج:- نہ ہندو نہ مسلمان بلکہ وہ سکھ ہیں اور نام ہے سمپورن سنگھ۔

سوال:- اناج کا ناپ تول کلوگرام سے کرتے ہیں۔ بتا دیجئے کہ نیکی بدی کو ناپنے کا پیمانہ کون سا ہے؟

ج:- ضمیر

★ **محمد سعید عبدالستار کنکلے** — وہور۔ مہاڈ ضلع رائگڈھ

سوال:- موجودہ سیاست کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:- یہ آزاد ہندوستان کی آزاد سیاست ہے۔

سوال:- اندرا گاندھی کی ڈگری کیا ہے؟

ج:- اندرا کے علم کو ڈگریوں سے نہیں ناپا جا سکتا۔

★ **عثمان یعقوب چوگلے** — گھاٹ کوپر۔ بمبئی

سوال:- شک و شبہ میں کیا فرق ہے؟

ج:- دونوں ایک ہی مالا کے دانے ہیں مگر جان کے دشمن ہیں۔ ایک بار جو کوئی شخص اس کا شکار ہو گیا تو سمجھئے اس کا خدا ہی حافظ ہے۔

سوال:- ناسا NASA کیا چیز ہے؟

ج:- ناسا NASA انٹرنیشنل ایروناٹک اینڈ اسپیس ایڈمنسٹریشن کی مخفف ہے۔ یہ امریکہ کے طیارہ سازی اور خلائی ادارے کا نام ہے۔

گوش بر آواز

• نقشِ کوکن بلاناغہ پڑھتا ہوں۔ مبارک صاحب بہت ہی اہم موضوعات پر بے مثال خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ مذہبی ڈھکوسلوں، اکائیوں کا مسئلہ، مارکس اور کمیونزم، واجد علی شاہ اور گودر یج کا تقابل اور اب Spying کی داستان ان کے گہرے Knowledge نالج اور سوچ و فکر کا مظہر ہیں۔ پرچہ کی کتابت توجہ طلب ہے۔ کاغذ بھی بہتر استعمال ہو تو کرم ہوگا۔

محمد حنیف سرگروہ ۔ آر سی کنسٹرکشن
اندھیری ۔ بمبئی

• گذشتہ ماہ (اگست ۸۳ء) قارئین کے خطوط کالم میں اس بات کا انکشاف ہوا کہ نقشِ کوکن کے خریداروں کی تعداد بیس سال گذر جانے کے باوجود ڈیڑھ ہزار سے آگے نہیں بڑھی۔ یہ جان کر اردو پڑھنے والے بالعموم اور کوکن کے اردو داں بالخصوص کے ذوق کا اندازہ ہوا۔ یہ ایک المیہ ہے کہ اخلاقی آوارگی اور نفس پرستی کی دعوت دینے والے پرچوں کی خوب سرپرستی کی جاتی ہے مگر ان تمام خرافات اور لغویات سے پاک پرچہ کے پڑھنے والوں کی تعداد محدود ہے۔

عباس حسین سروے
العقیلیہ ۔ سعودی عربیہ

• جناب اشفاق حسین صاحب مدیر اردو انٹرنیشنل ٹورنٹو کینیڈا کے توسط سے ماہ نامہ نقشِ کوکن کا شمارہ نمبر ۱۲، دسمبر ۱۹۸۳ء ملا۔ پڑھنے کے بعد نہ جانے کیوں یہ احساس ہوا کہ جن حضرات نے بھی یہ ماہ نامہ جاری کیا ہے ان کا مقصد بزنس نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ۵۲ صفحات کے اس مختصر ماہ نامے میں وہ سب کچھ ہے جو بعض اس سے زیادہ صفحات رکھنے والے جریدوں میں نہیں ہے۔ اس کے باوجود مجموعی طور پر اس ماہ نامہ کا جھکاؤ دین اور اسلام کی طرف اور اس کی غیر محسوس اشاعت کی طرف کسی قدر زیادہ محسوس ہوا۔ اگر یہ میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو جس ماحول اور جن حالات میں اس ماہ نامہ کی اشاعت ہو رہی ہے وہ اگر جہاد نہیں تو اس کا ایک حصہ ضرور ہے۔ اور اسی سبب مجھے "نقشِ کوکن" پسند ہے۔

جوش مندوری
ٹورنٹو ۔ کینیڈا

• ماہ جنوری کا رسالہ نظر نواز ہوا۔ خوب بلکہ خوب تر ہے لیکن رسالہ پڑھنے کے بعد شرف کمالی صاحب کا "کہتا ہوں سچ" مضمون نہ ہونے کی وجہ سے پیاس نہ بجھ سکی۔ امید کہ اگلے مہینہ میں اس کی تلافی ہوگی۔

محمد سعید عبدالستار گنگے
ڈہور ۔ مہاڈ ۔ رائے گڑھ (مہاراشٹر)

• نومبر ۱۹۸۳ء کے نقشِ کوکن میں تہوار کے کالم میں محرمیت یا حماقت اس عنوان سے ڈاکٹر تسنیم چوگلے نے کوکن کے مسلمانوں کے عقیدے ماہ محرم کے بارے میں ہے اس کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ میں ان کی ہم خیال ہوں اور ان کی صاف گوئی اور اظہار خیال کی قدر کرتی ہوں۔

اختر بانو حسین میاں کھوت
مقام کانہے تعلقہ چپلون

• حسب معمول اس مہینے میں بھی نقش کوکن اپنی مقررہ تاریخ یعنی ۱۰ جنوری کو موصول ہوا۔ اور اسی دن پڑھ بھی لیا جیسا کہ پہلے سے کرتا آیا ہوں۔ مگر اس بار پیاس بجھی نہیں۔ تشنگی کا احساس ہوا۔ وجہ یہ کہ جناب شرف کمالی صاحب کا تنقیدی مضمون "کہتا ہوں سچ" شامل نہیں تھا۔ ویسے یہ رسالہ اپنے معیار میں اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن دو چیزوں میں کچھ زیادہ ہی دلکشی ہوتی ہے جناب مبارک کاپڑی صاحب کا صفحۂ اول و آخر اور شرف کمالی صاحب کے تیر و نشتر۔ شرف صاحب اپنی تحریر سے ہمارے سماج و معاشرے کی غیر ضروری رسومات و خامیوں کو لوگوں کے سامنے لانے کا جو عظیم الشان کارنامہ دے رہے ہیں اس کی ابھی بھی ہمارے معاشرے و سماج کو بے حد ضرورت ہے۔

جناب مبارک کاپڑی صاحب نے ایشین گیمز اور غیر جانبدار کانفرنس کے اوپر خرچ ہونے والے سرمایہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے کیا ہو سکتا ہے ...! تو میرا اندازہ ہے کہ اس پر غور کریں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اللہ کا لاکھ شکر ہے کہ کم از کم اس کی وجہ سے گیا اور دہلی میں جو سرمایہ ہو گیا تو شاید کبھی بھی نہیں ہوتا۔ ورنہ یہ سب کہاں خرچ ہوتا۔ یہ عام لوگوں کی سمجھ سے باہر تھا۔ اور ہاں اس سے ایک زبردست فائدہ ضرور ہو گیا۔ ایشین گیمز، غیر جانبدار کانفرنس، مختصر کہ کانفرنس سے تیسری دنیا کے ممالک میں ہندوستان کا نام سرفہرست رہا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہاں خلیج (گلف) کے ممالک میں انڈین لوگ جو مسکین کے لقب سے جانے جاتے تھے تو اب یقین ہو گیا کہ ہندی مسکین نہیں بلکہ ایک ایسے دیش سے تعلق رکھتے ہیں جو دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں سے ایک ہے۔

عبدالکریم چوگلے

دوحہ۔ قطر

تبصرے

نام کتاب : حدیث خیر و شر
مولف : مولانا حافظ عبد المتین جوناگڈھی
ناشر : الدار الحدیثیہ بنگلور

اس کتاب میں ان اعتراضات کا جواب ہے جو جناب محمد یاسین حقانی نے اہل حدیث پر کئے ہیں۔

اس میں سب سے پہلے تو فرقہ اہل حدیث کی قدامت پر بحث کی گئی ہے، اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ فرقہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے زمانے میں بھی موجود تھا۔ پھر ان فقہی مسائل کا بیان ہے جو احناف اور اہل حدیث کے درمیان مابہ النزاع ہیں جیسے رکعات تراویح، طلاق، مصافحہ ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں سے، آمین بالجہر یا بالسر، رفع یدین وغیرہ۔

★

نام کتاب : حقیقۃ الفقہ
تصنیف : مولانا محمد یوسف صاحب جے پوری
ناشر : ادارہ دعوۃ الاسلام مومن پورہ بمبئی ۱۱

اس کتاب میں فقہی مسائل کی اہل حدیث کے نقطۂ نظر سے توضیح و تشریح کی گئی ہے۔ اور مد مقابل کے مسلک پر فرقۂ اہل حدیث کی برتری دکھائی گئی ہے۔ خطاب زیادہ تر حضرت امام ابو حنیفہ اور احناف کی طرف ہے۔ اس میں امام موصوف کی توصیف بھی کی گئی ہے مگر تنقیص کا پہلو غالب ہے۔

★

ماہناموں کے قابل مطالعہ مضامین

رسول اللہ علیہ وسلم اور شعر و سخن کی قدر دان تین قسطوں میں } از: عبید اللہ کوٹی — مطبوعہ معارف اعظم گڑھ شمارہ ستمبر، اکتوبر، نومبر

جو یہ کہتے ہیں کہ شعر و سخن مطلقاً اسلامی مزاج کے خلاف ہے ان کو اس مضمون کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے

[ٹولوں سمیت — تعاون مدیر]

حضرت مسیح کے بعد نصرانیت کا نیا قالب } از ضیاء الدین اصلاحی — معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۸۱ء

موجودہ مسیحیت کو سمجھنے کے لئے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا۔ اس میں توحید، مسیح کی عبودیت اور تثلیث کے ارکان ثلثہ پر بہت دقیق بحث کی گئی ہے۔

ہجرت کے بارے میں مستشرقین کا موقف } از ع۔ پ — معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۸۱ء

یہ ایک بیحد اہم مضمون ہے۔ اس میں ہجرت کے متعلق مستشرقین کی غلط بیانیوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ مضمون شروع سے آخر تک قابل مطالعہ ہے۔

استحسان — از مولوی نسیم اللہ اعظمی — مطبوعہ معارف اعظم گڑھ اگست ۸۲ء

استحسان کسی مسئلے کے متعلق ایسے فتوے کو کہتے ہیں جو سابقہ نظیروں سے مختلف ہو۔ اس مضمون کی افادی حیثیت مطالعے کے بعد ہی معلوم ہوگی۔ اس میں بیع و شراء، زراعتی زمین۔ قرض، چوری وغیرہ کے متعلق ان فقہی احکام کا ذکر ہے۔ جو فقہ کے عام احکام سے مختلف ہیں لیکن شرعاً جائز ہیں۔

مضمون	مصنف	مطبوعہ
۱۔ ہند ملک حقائق کے آئینے میں	از عبد الرحمٰن	مطبوعہ ماہی سائنس کی دنیا نئی دہلی
۲۔ انٹارکٹیکا قطب جنوبی میں قیام کے لئے نئی پناہ گاہ	از نجیب الرحمٰن	شمارہ اپریل
۳۔ بلڈ پریشر جدید نقطۂ نظر سے	" "	جون۔ جولائی ۸۲ء

اظہارِ تشکر

کوکن مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک کے سالانہ اجلاس کے بعد بورڈ آف ڈائریکٹران کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا اور چیرمن کے عہدہ کے لئے متفقہ طور پر میرا انتخاب ہوا۔ اس سلسلہ میں میرے قریبی دوستوں اور خیر خواہوں کی جانب سے نیز بنک کے خیر خواہوں کی طرف سے کثیر تعداد میں تہنیتی خطوط اور پیغامات موصول ہو رہے ہیں ان احباب کی نیک خواہشات کے پیچھے جو پرخلوص جذبہ کارفرما ہے اس کا مجھے پوری طرح احساس ہے لیکن اپنی کاروباری مصروفیات کی وجہ سے ان تمام حضرات کا فرداً فرداً شکریہ ادا کرنا دشوار ہے اسلئے معذرت کے ساتھ نقش کوکن کے توسط سے میں ان تمام دوستوں اور خیر خواہوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

منجانب: عبداللہ داؤد ساونت

A.D. Saavant

آغا حشر کشمیری کی نظم شکریہ یورپ — از: پروفیسر نظام الدین گوریکر — مطبوعہ: نوائے ادب بمبئی اکتوبر ۱۹۵۳ء

جنگِ آزادی میں

اردو صحافت کا حصہ... — از جمنا داس اختر

اردو اخبارات اور قومی یکجہتی — از رئیس الدین فریدی

اردو صحافت اور سنسر — از موہن چگ

اردو صحافت اور ظریفانہ شاعری — از رضا نقوی واہی

مطبوعہ ماہنامہ آجکل دہلی اردو صحافت نمبر شمارہ نومبر دسمبر

نہرو جی کے لطائف — از: نثار احمد انصاری — پندرہ روزہ یوجنا دہلی۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء

لڑکیوں کی تعلیم مسلم عہدِ حکومت میں — از ایس ایم جعفر — آموزگار جلگاؤں مہاراشٹر اکتوبر ۱۹۶۳ء

حج کمیٹی

(پارلیمنٹ کے ایکٹ نمبر ۱۵ سنہ ۱۹۵۹ء کے تحت تشکیل شدہ ادارہ)

حج سنہ ۱۹۸۴ء کے لئے ایئر انڈیا چارٹر پروگرام کا اعلان

حج سنہ ۱۹۸۴ء کے لئے ایسے عازمین حج سے جو ہوائی جہاز کے ذریعے سفر کرنے کے خواہشمند ہوں، حج کمیٹی درخواستیں طلب کرتی ہے حکومت ہند نے ہوائی سفر سے جانے والے عازمین حج کو فی کس ۴۰۰۰/= سعودی ریال کا زر مبادلہ (اس کی مساوی رقم بمطابق ہندوستانی کرنسی کا اعلان بعد میں کیا جائے گا) دینا منظور کیا ہے۔ اس کے علاوہ یا بجنسوا ایسے عازمین حج کو جو بیرونی ممالک میں قیام پذیر اپنے رشتہ داروں سے حاصل کئے گئے زر مبادلہ کے ڈرافٹ پیش کر سکیں (جن کی تفصیل ہدایات کے کتابچے میں درج ہے) حج پہ جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ تمام عازمین حج کا انتخاب مروّجہ قوانین اور ضوابط کے تحت ہوگا۔

حج کمیٹی بذریعہ ایئر انڈیا، بمبئی - جدّہ - بمبئی، دہلی - جدّہ - دہلی اور مدراس - جدّہ - مدراس چارٹر پروازوں کا انتظام کر رہی ہے۔ یہ پروازیں اگست سنہ ۱۹۸۴ء میں شروع ہوں گی۔ ایئر انڈیا سے ہوائی جہاز چارٹر پروازوں کی صحیح تاریخیں موصول ہونے کے بعد اُن کا اعلان کیا جائے گا۔ تاہم یہ پروازیں بمبئی - جدّہ، دہلی - جدّہ اور مدراس - جدّہ یکم اگست ۱۹۸۴ء سے شروع ہو کر ۱۳ اگست سنہ ۱۹۸۴ء تک ہوں گی۔ اور عازمین حج ان تاریخوں میں سے اپنی پسندیدہ پرواز منتخب کر سکتے ہیں۔ عازمین حج اس بات کو نوٹ کر لیں کہ یہ تاریخیں عارضی ہیں اور اس لئے ان میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

تمام عازمین حج اپنے درخواست فارم کے متعلقہ کالم میں اپنی پسندیدہ روانگی کی تین تاریخیں ترجیح کے لحاظ سے لکھیں۔ اور دئے گئے تین میں سے کسی ایک ہوائی اڈے یعنی بمبئی - دہلی - مدراس کو منتخب کریں، جہاں سے وہ پرواز کرنا چاہتے ہوں۔

کرایہ :- بمبئی - جدّہ - بمبئی، دہلی - جدّہ - دہلی ——— اور مدراس - جدّہ - مدراس کا واپسی کرایہ مقرر کرنے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ لہٰذا ہر بالغ عازم حج اپنی درخواست فارم کے ساتھ پیشگی کرایہ کے طور پر ۶۷۰۰/= روپے (چھ ہزار سات سو روپے) اور بچے جن کی عمر دو سال تک ہے ۶۷۰/= روپئے کا بنک ڈرافٹ جو حج کمیٹی، بمبئی یا متعلقہ ریاستی حج کمیٹی کے نام ہو۔ البتہ بمبئی - جدّہ، دہلی - جدّہ اور مدراس جدّہ کا مکمل کرایہ مختلف ہوگا اور مزید رقم بوقت بکنگ لی جائے گی۔

درخواست وصول کرنے کی آخری تاریخ :

درخواستیں وصول ہونے کی آخری تاریخ ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۸۴ء ہے۔ اس تاریخ کے بعد ملنے والی کوئی بھی درخواست تفکر اُلتہ پہ ناقابل قبول ہوگی۔

اہم اطلاع : مندرجہ ذیل صوبائی حج کمیٹیوں کو حج کی درخواستوں کی وصولی اور قرعہ اندازی کا کام سونپا گیا ہے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل ریاستوں کے عازمین حج اپنی درخواستیں کرایہ کی پیشگی رقم کے بینک ڈرافٹ (جو متعلقہ ریاستی حج کمیٹی کے نام ہو) کے سمیت متعلقہ ریاستی حج کمیٹی کے دفتر کو مندرجہ ذیل پتہ پر بذریعہ رجسٹری ڈاک روانہ کریں :۔

(۱) اترپردیش :۔ دی سکریٹری، یو۔پی اسٹیٹ حج کمیٹی، مسلم مسافر خانہ، چارباغ، لکھنؤ نمبر ۲۲۶۰۰۱، یو۔پی۔

(۲) گجرات (دادرا نگر حویلی مشتمل) :۔ دی سکریٹری، گجرات راجیہ حج سمیتی، بلاک نمبر ۸، پہلا منزلہ، سچوالیہ، گاندھی نگر نمبر ۳۸۲۰۱۰، گجرات۔

(۳) مغربی بنگال (انڈمان نکوبار آئی لینڈ مشتمل) :۔ دی سکریٹری، ویسٹ بنگال اسٹیٹ حج کمیٹی اینڈ انڈر سکریٹری ویسٹ بنگال، ہوم ڈپارٹمنٹ، رائٹرس بلڈنگ، کلکتہ ۱، مغربی بنگال۔

(۴) بہار :۔ دی سکریٹری، بہار اسٹیٹ حج کمیٹی اینڈ انڈر سکریٹری گورنمنٹ آف بہار، کیبنٹ سکریٹری اینڈ کوآرڈی نیشن ڈپارٹمنٹ (جنرل برانچ) پٹنہ (بہار)

(۵) کیرالا :۔ دی سکریٹری، کیرالا اسٹیٹ حج کمیٹی اینڈ ریونیو، ڈویژنل افیسر، کوزی کوڈ، کیرالا۔

(۶) کرناٹک :۔ دی سکریٹری، کرناٹک اسٹیٹ حج کمیٹی اینڈ انڈر سکریٹری گورنمنٹ، G/I ریوینیو ڈپارٹمنٹ (وقف سیل)، کرناٹک گورنمنٹ سکریٹریٹ "ودھان سودھا" بنگلور، کرناٹک۔

(۷) مدھیہ پردیش :۔ دی سکریٹری مدھیہ پردیش اسٹیٹ حج کمیٹی، "عطا کاٹیج" بدھوارا، نزد محمدی مسجد، بھوپال نمبر ۴۶۲۰۰۱، مدھیہ پردیش۔

(۸) تامل ناڈو (پانڈیچری مشتمل) :۔ دی سکریٹری، تامل ناڈو اسٹیٹ حج کمیٹی، فورٹ، سینٹ جارج، مدراس نمبر ۶۰۰۰۰۹، تامل ناڈو۔

(۹) جموں و کشمیر :۔ ڈویژنل کمشنر (کنوینر جموں و کشمیر اسٹیٹ حج کمیٹی) کشمیر ڈویژن سری نگر نمبر ۱۹۰۰۰۱، کشمیر۔

(۱۰) آندھرا پردیش :۔ دی سکریٹری، اسٹیٹ حج کمیٹی آندھرا پردیش، آفس آف کمشنر آف پولیس، حیدرآباد نمبر ۵۰۰۰۰۲، آندھرا پردیش۔

(۱۱) دہلی :۔ دی سکریٹری، دہلی اسٹیٹ حج کمیٹی، ۲۰۸، راؤز ایونیو، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

(۱۲) راجستھان :۔ دی سکریٹری اسٹیٹ حج کمیٹی راجستھان اینڈ ڈپوٹی سکریٹری گورنمنٹ آف راجستھان ہوم (GR - III) ڈپارٹمنٹ، جے پور، راجستھان۔

(۱۳) آسام (تریپورہ / منی پور / ناگالینڈ / میگھالیہ / اروناچل / سکم مشتمل) :۔ دی سکریٹری، اسٹیٹ حج کمیٹی آسام، معرفت آسام ایڈمنسٹریشن ٹریبیونل، پان بازار، گوہاٹی نمبر ۷۸۱۰۰۱، آسام

نوٹ :- دیگر ریاستوں مثلاً مہاراشٹر/گوا/دمن/دیو/اڑیسہ/ہریانہ/پنجاب اور چنڈی گڑھ کے عازمینِ حج اپنی حج کی درخواستیں مع کرایہ کے بینک ڈرافٹ (جو حج کمیٹی بمبئی کے نام ہو) کے ساتھ براہِ راست ایکزیکیٹو آفیسر، حج کمیٹی، صابو صدیق مسافر خانہ، لوکمانیہ تلک مارگ بمبئی ۴۰۰۰۰۱ کو بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ روانہ کریں۔

عازمینِ حج کے اپنے مفاد کے لئے انھیں مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ حج کمیٹی کی جانب سے جاری کردہ درخواست فارم کی خانہ پری ہدایات کے کتابچے میں دی گئی ہدایات کے مطابق کریں۔ نامکمل درخواستیں قبول نہیں کی جائیں گی، حج کمیٹی نے مذکورہ بالا ریاستی حج کمیٹیوں کے علاوہ کسی فرد، ادارہ یا ایجنسی کو درخواست فارم تقسیم کرنے، درخواست قبول کرنے یا حج سے متعلق کوئی کاروائی کرنے کی قسم اجازت نہیں دی ہے۔

مفصل تفصیلات کے لئے حج کمیٹی، بمبئی/متعلقہ ریاستی حج کمیٹی کو لکھیں۔

مقام :- بمبئی

تاریخ :- ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۸۴ء

دستخط

(شمیم احمد کاظمی)

ایکزیکیٹو آفیسر

حج کمیٹی (انڈیا) بمبئی۔

بیس نکاتی پروگرام سے
خوشحال زندگی کی جانب پیش قدمی
حصولِ مقصد کیلئے
مہاراشٹر باعزم

مرتبہ: فی بن صماد

مستری فاؤنڈیشن بمبئی کی جانب سے انعام

رتنا گری ضلع کے ثانوی مدارس میں سے مسلم طلبہ میں سب سے زیادہ فی صد نمبر حاصل کر کے ایس ایس سی کے امتحان میں کامیاب ہونے والے طالب علم کو مستری فاؤنڈیشن بمبئی کی جانب سے ایک سو ایک روپیوں کا نقد انعام دیا جانے والا ہے
چنانچہ مہاراشٹر اردو ہائی اسکول کرڈوئی، تعلقہ سنگمیشور کی طالبہ شہر بانو اسماعیل جوگلے نے اس سال ۵۸۵ بٹے ۷۰۰ (۸۳٫۵۷) نمبر حاصل کرتے ہوئے مذکورہ انعام حاصل کیا ہے۔ ایسی اطلاع معتبر ذریعہ سے ملی ہے۔ اس مستحق طالبہ کو مستری فاؤنڈیشن کے اور نقش کوکن کے منتظمین اور مسلم ایجوکیشن سوسائٹی رتناگری کے اراکین وغیرہ کی جانب سے مبارک باد!

محمد حاجی داؤد بھائی مستری برادران
منتظمین مستری فاؤنڈیشن بمبئی

مہاراشٹر اردو ہائی اسکول کی سالانہ گیدرنگ

۲ جنوری ۸۴ء کو مہاراشٹر اردو ہائی اسکول میں سالانہ سوشل گیدرنگ منعقد ہوئی۔ ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب ایم ایم ملا کی تعارفی تقریر اور غرض و غایت کے بعد جناب ڈی اے حولدار نے اسکول کی رپورٹ پیش کی اور ایس ایس سی میں ہائی اسکول کے اول آنے والے مندرجہ ذیل طلبہ و طالبات کو صدر جلسہ رتناگری ضلع کے ایجوکیشن افسر جناب سیواشش پانشکر کے ہاتھوں انعامات نوازا گیا: شہر بانو جوگلے، سکندر کاپڑی ایس ایس سی پر اول۔ دلشاد غیبی: دوم ۔ ریاز بھونبل سوم۔

طلبہ و طالبات میں عصمت ساونت (نہم)، انیسہ بھونبل (ہشتم)، بشیر کھاپکے (ہفتم)، آصف مالگنڈکر (ششم)، مجید ٹھاکر (پنجم)
اس پروگرام میں آکاش وانی رتناگری کے آفیسر جناب انیل دیشمکھ بطور مہمان خصوصی شریک تھے۔
افتتاحی پروگرام کے بعد اردو ڈرامہ منحوس قدم اور مراٹھی ڈرامے نے پہلے دن شائقین سے خوب داد تحسین حاصل کی۔
دوسرے دن نیبر دکی تلاش، ہیرا اپنا "قابل داد تھے۔
غزلیں، گیت، قوالیاں، ڈانس اور ڈراموں سے یہ پروگرام کافی رنگین ہوگیا۔ قدر افزائی کے طور پر جناب اسماعیل جوے، احمد حاجی علی موڈک، ابراہیم حسین بھونبل نے بڑے بڑے انعامات دیئے۔
اس کامیاب گیدرنگ کا سہرا جناب سراج احمد مومن، جناب اکبر بھاکتے، فاطمہ خطیب، رفیق پٹیل، دت ادپٹیل، مجید جوے اور ہائی اسکول کے ہونہار طلبہ و طالبات کے سر ہے۔

نیر ٹری میں پدیاترا

کوکن مسلم ایجوکیشن نیر ٹری کی عمارت کے تعمیری پروگرام کے فنڈز میں اضافہ کرنے کی غرض سے پندرہ کلومیٹر کا اتوار ۸ رجنوری کو اہتمام کیا گیا اس انتہائی کامیاب واک میں چھوٹے بڑے سب شریک تھے حصہ لینے والوں میں سب سے کم سن چھ سالہ نائلہ عنایت اللہ جمعدار تھی۔ جوان سال ظہیر سنگرار اور ریاقت مقری نے سب سے پہلے واک مکمل کی

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت، کامیابی یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے۔

عدم اشاعت پر ناراض نہ ہوں
بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

قومی اعزازات

ہر سال کی طرح امسال ۲۶ جنوری ۸۳ء کو مختلف جہت نمایاں شخصیتوں کو پدم بھوشن اور پدم شری کے اعزازات سے نوازا گیا۔ پدم شری کا اعزاز پانے والے ۱۷ افراد میں ایک مسلمان ہے۔ ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامینٹل ریسرچ سینٹر کے سائنسدان پروفیسر عبید صدیقی۔

پدم شری کا اعزاز پانے والے ۵۲ افراد میں جناب ایم ایچ انصاری (چیف آف پروٹوکول وزارت خارجہ)، ڈاکٹر خلیل اللہ (کارڈیالوجی کے پروفیسر)، مشہور اردو ادیبہ قرۃ العین حیدر، آسامی ادیب جناب سید عبدالملک، سری نگر کے گورنمنٹ میڈیکل کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر سید ناصر احمد شاہ اور بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک کے منیجنگ ڈائریکٹر شری زین جی نگون والا بھی شامل ہیں۔

واگھبورے میں جلسۂ میلاد

حسب سابق واگھبورے اردو اسکول میں جشن میلاد النبی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا۔ تقریری مقابلہ میں ۴۸ بچوں نے سیرت پر روشنی ڈالی۔ ۴۵ بچوں نے نعت خوانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ گاؤں والوں نے نقد انعامات دے کر بچوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ہر سال اس تقریب کے لئے ساؤتھ افریقہ سے جناب حاجی قاسم زین الدین صاحب ایک خطیر رقم روانہ کرتے ہیں۔

علم دوستی

۱۳ جنوری ۱۹۸۳ء کو اردو اسکول نارنہ تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ کے چیئرمین جناب محمد صاحب اسحاق سنگے کی والدہ محترمہ آمنہ اسحاق صاحبہ نے مذکورہ اسکول کو ایک مشت دو ہزار دو سو پچاس ۲۲۵۰ روپے کے ڈیسک عنایت کئے۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے۔ مذکورہ ڈیسک جناب علی عباس دھنسے اور قاضی برادران قاضی قطب الدین سیٹھ اور قاضی محمود سیٹھ ہرڈی نے خصوصی رعایت کے ساتھ بہت وقت مقررہ سے پہلے ہی تیار کرا کے اسکول میں پہنچائے۔ جو قابل قدر اور باعث شکر گزاری ہے۔ (نامہ نگار: نوگل بھارتی)

مینا بازار

انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول باندرہ بمبئی کی ترقی و توسیع کے جامع منصوبہ پر عملدرآمد کی غرض سے جمعہ ۲۳ دسمبر اسکول کے احاطہ میں ایک مینا بازار برائے مستورات منعقد کیا گیا۔ مینا بازار میں ہائی اسکول کی طالبات کے تیار کردہ دستکاریوں کے نمونوں کی نمائش بغرض فروخت رکھی گئی تھی۔ کھانے پینے کی لذیذ اشیاء مناسب داموں پر بیچی گئیں۔ نیز تفریح کا بھی بھرپور انتظام تھا۔ اسکول بلڈنگ فنڈ میں مینا بازار کے ذریعہ پندرہ ہزار روپے جمع کر دیئے گئے۔ مسز نسیم یوسف پٹیل صاحبہ نے مینا بازار کا افتتاح کیا۔ مینا بازار کی یہ شاندار کامیابی اسکول کی معلمات اور طالبات کی محنت کا ثمرہ ہے۔ پرنسپل مسز رشیدہ قاضی کی سربراہی میں مدرسۂ ہذا نے جو ترقی کی ہے اس کے پیش نظر یہ امید بندھتی ہے کہ عنقریب موجودہ عمارت سے متصل ہونے کی اور شفٹ سسٹم کا خاتمہ ہوگا۔

گوولکوٹ (چپلون) میں سیرۃ النبی کا جلسہ

حسب سابق گوولکوٹ اردو اسکول میں ۱۳ جنوری ۸۳ء کو جشن میلاد النبی عالی جناب مولانا حافظ و قاری علیم اللہ صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ طالب علم سلیم قاسم کھارے نے تلاوت کلام پاک سے۔ جناب عبدالرزاق گوٹھے صاحب نے تعارفی تقریر کی۔ حمد و نعت کے بعد طلبہ اور طالبات کی بڑی پرجوش تقاریر ہوئیں۔ صدر صاحب نے سیرت پاک پر بہت سادہ الفاظ میں روشنی ڈالی۔ جناب عبدالرشید شیخ صاحب نے شکریہ ادا کیا۔

. . . . .

غزل خوانی کے مقابلے میں

بزم اردو، چپلون ضلع رتناگری کی طرف سے گزشتہ مہینے ۷ جنوری ۱۹۸۳ء کو منعقدہ غزل خوانی کے مقابلے میں نیشنل ہائی اسکول دابھول کی دسویں جماعت کی دو طالبات، شریفہ اسحاق ملا اور نجمہ یوسف ملا نے گروپ سوم کے مقابلے میں انفرادی طور پر بالترتیب اول اور دوم انعامات حاصل کر کے قاسم احمد پرکار شیلڈ بھی جیت لی۔ اور پانچویں جماعت کی طالبہ تبسم قمرالدین رکھانگے نے گروپ دوم کے مقابلے میں انفرادی طور پر دوسرا انعام حاصل کر کے اسکول کی اس شاندار کامیابی میں مزید اضافہ کیا۔ جناب شیخ احمد وانگڑے، جناب اقبال عبدالرحیم مغل، جناب مشتاق حسن کھوت، جناب حاجی عباس پلنک اور جناب مقصود ابراہیم رکھانگے وغیرہ نے انھیں نقد انعامات سے نواز کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

ماپاری محلہ کی شاندار کامیابی

بزم اردو چپلون کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سال رواں ۸۳-۱۹۸۲ء کے مقابلوں میں ماپاری محلہ اردو اسکول نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بزم کے مقابلوں میں پرائمری سائیڈ سے چپلون تعلقہ کے تمام اردو اسکول، رتناگری ضلع کے تمام اردو ہائی اسکول اور کالج حصہ لیتے ہیں۔ ان مقابلوں میں حصہ لے کر انعامات حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل طلبہ نے انعامات حاصل کئے ہیں جو اسکول کے لئے قابل فخر ہے:

(۱) تقریری مقابلہ گروپ ۱:

اول انعام: پروین عبدالغفار میمن

دوم انعام: روبینہ عباس دلوی

گروپ ۱ کا گروپ انعام: جناب قاسم احمد پرکار شیلڈ

(۲) تحریری مقابلہ گروپ ۱:

دوم انعام: عقیلہ عبداللطیف اندرے

سوم انعام: امین قمرالدین مقری۔

(۳) غزل خوانی مقابلہ گروپ ۱:

دوم انعام: شبیر عبدالقادر دیسائی

سوم انعام: فوزیہ صالح خان دلوائی

گروپ انعام: بزم اردو چپلون شیلڈ

(۴) غزل خوانی مقابلہ گروپ ۲:

تیسرا انعام: ابرار عبدالکریم فقیر

اس اسکول کی معلمہ محترمہ زہرہ بھاٹکر M.A.D.Ed اور نوشاد دیشمکھ B.A.B.Ed قابل مبارکباد ہیں۔ جن کی محنت کے نتیجہ میں یہ انعامات ملے ہیں۔

خواتین کا جلسۂ میلادالنبیؐ

۷ جنوری ۱۹۸۳ء کو خواتین کی عید میلادالنبیؐ کمیٹی ممبئی کے زیر اہتمام المالطیفی ہال میں جلسۂ میلادالنبیؐ منایا گیا۔ یہ کمیٹی گزشتہ ۱۳ سال سے نہایت اہتمام کے ساتھ جلسۂ میلادالنبیؐ کا انتظام کرتی ہے۔ پہلے تو خواتین و حضرات کا مشترکہ جلسہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن گزشتہ دو سال سے خواتین کے اصرار پر صرف خواتین کے لئے علاحدہ جلسہ کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ اس جلسہ کی صدارت محترمہ بیگم نجمہ ہبت اللہ ممبر پارلیمنٹ نے کی، جس میں ممبئی کی تعلیم یافتہ اور روشن خیال خواتین بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کثیر تعداد میں موجود تھیں۔

مس آمنہ علی کی قرأت کے بعد مس صفیہ ذوالفقار نے حمد پڑھی۔ جلسہ کی کنوینر مسز رضیہ نظام الدین نے تعارف کراتے ہوئے سب کا خیر مقدم کیا۔ مسز نجمہ ہبت اللہ کا تعارف کراتے ہوئے موصوفہ کو اقوام متحدہ میں ہندوستان کی کامیاب نمائندگی پر دلی مبارکباد پیش کی۔ صابر اسٹر کالج کی شعبۂ عربی و اسلامیات کی لیکچرار محترمہ عابدہ ہارون خوشتر صاحبہ نے اپنی جامع تقریر میں اتباع سنت اور اطاعت رسولؐ کی تلقین کی۔ محترمہ مریم لکھنے

اور محترمہ رشیدہ قاضی (پرنسپل انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول باندرہ) کی تقاریر کے بعد مسز نجمہ ہبت اللہ نے بڑا موثر اور دل نشین خطبۂ صدارت دیا۔

اس جلسہ میں بڑی اچھی نعتیں پڑھی گئیں۔ محترمہ مزمل بیگم، محترمہ روشن آرا نائیک، مس قزوینہ بھی، مس فریدہ شیخ، مسز عائشہ عبدالقادر، مسز ملکہ حیدر اور مسز صفیہ ذوالفقار کی نعتوں نے محفل میں ایک کیفیت پیدا کر دی۔

مفت، آنکھوں کا کیمپ

چیئرمین مجگاؤں لائنز کلب مسٹر عبدالکریم قاضی کی مساعی جمیلہ کی بنا پر لائنز کلب انٹرنیشنل کے زیر اہتمام انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول باندرہ میں ۲۰ اور ۲۱ دسمبر کو آنکھوں کے معائنہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ مہمان خصوصی پرویز سیٹھ تھے۔ اعزازی مہمانوں میں لائن وسنت وید یا، لائن ششی کانت، نیز کجلیشور کا بیاز یوی، اور مجگاؤں کے پریسیڈنٹ نے رسم افتتاح میں شرکت کی۔ جسلوک ہاسپٹل کے ماہر چشم ڈاکٹر نیئران کا پورا عملہ دو دن مصروف کار رہا۔ بیم تا دہم کی تمام طالبات کی آنکھوں کا معائنہ کیا گیا۔ وہ جنھیں چشموں کی ضرورت تھی انھیں عنقریب مفت چشمے فراہم کئے جائیں گے۔ گنتی کی ایسی چند طالبات جن کی آنکھوں میں ایسے نقص پائے گئے جو بذریعہ آپریشن ہی ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ ان کی اعانت سربراہان لائنز کلب نے قبول کی، جنھیں ٹانک نیز دوسری دوائیاں درکار تھیں ان کے لئے دوائیاں فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی لائنز کلب نے لی۔

رکن الدین داؤد پرکار شیلڈس

ماہم (ممبئی) کے ہر دل عزیز ٹراویل ایجنٹ اور عادل انٹرپرائز اور ڈائمنڈ ٹریولس کے پارٹنر جناب عادل پرکار کلیا والا نے بزم اردو چپلون ضلع رتناگری کو تین عدد شیلڈس بطور عطیہ دینے کا اعلان کیا ہے۔

بزم اردو کی طرف سے یہ شیلڈس ۱۹۸۴ء میں منعقد ہونے والے تحریری مقابلوں کے موقع پر گروپ نمبر ۱ گروپ نمبر ۲ اور گروپ نمبر ۳ کے اجتماعی انعام کے طور پر رکن الدین داؤد پرکار رننگ شیلڈ کے نام سے جاری کی جائیں گی۔ اور ان میں سے ہر شیلڈ اگلے تحریری مقابلوں کے انعقاد تک سال بھر متعلقہ اسکول کی تحویل میں رہا کرے گی۔

رتناگری / سندھودرگ اضلاع کے مسلم طلبہ کو وظیفے

کوکن مسلم ایجوکیشن سوسائٹی رتناگری کی بمبئی سب کمیٹی نے اس سال (۸۴/۱۹۸۳ء) رتناگری / سندھودرگ اضلاع کے حسب ذیل مسلم طلبہ کو حسب قابلیت مندرجہ ذیل یکمشت وظیفے منظور کئے ہیں:

فی کس ۱۰۰ (ایک سو روپیے): (۱) مرتضیٰ عبداللہ دلوی (۲) محمد ایوب عثمان جالگوتکر

فی کس ۱۵۰ (ڈیڑھ سو روپیے): (۱) شاہدہ حسن قاضی (۲) اسد حسین خان سانکھرکر (۳) اخلاق حسین داؤد کھوت (۴) ساجد علی میاں شیخ۔ (۵) نثار احمد وجیہہ الدین الڈے (۶) اقبال علی گو لندازر

فی کس ۱۵۰ (ڈیڑھ سو) روپیے: (۱) اقبال اسماعیل بامنے (۲) شاہین محمد دلوی (۳) زبیر احمد عبدالستار منگی

۲۰۰ (دو سو) روپیے: نفیسہ جعفر موٹھکطوے

۲۵۰ (اڑھائی سو) روپیے: شفیع احمد محمود داکھو

کل میزان: ۲۰۰۰ (دو ہزار) روپیے

(پروفیسر) احمد مبہاؤالدین دازکر — چیئرمین

(ڈاکٹر) عبدالکریم محمد نایک — سکریٹری

اعلان شعبۂ ممبئی

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک لمیٹیڈ

خالص منافع : ۸۹ لاکھ ۶۲ ہزار اور ۱۱۵ کروڑ ڈپازٹ۔

فارن ایکسچینج کے کاروبار میں اضافہ

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک گذشتہ سال کے دوران ہمہ جہتی ترقی کرکے یکم جولائی ۱۹۸۳ء کو اپنے وجود کے ۴۶ ویں سال میں داخل ہوا۔ اور پورے ملک کے کوآپریٹیو سیکٹر کے بینکوں میں ڈپازٹس ورکنگ فنڈ اور خالص منافع کے لحاظ سے اپنے مثالی اور اعلیٰ مقام کو برقرار رکھ سکا۔

خالص منافع:۔ ۳۰ جون ۱۹۸۳ء کو ختم ہونے والے سال کے دوران بنک نے ۸۹۶۲۰۰۰ روپے منافع کمایا۔ جب کہ گذشتہ سال منافع ۸۲۳۶۰۰۰ تھا۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ۱۲ فیصد کی شرح کو برقرار رکھا اور اس کی سفارش کی ہے کیونکہ مہاراشٹر کوآپریٹیو سوسائیٹیز ایکٹ کے تحت اس سے زیادہ دینے کی اجازت نہیں ہے۔

ڈپازٹس:۔ بنک کے کل ڈپازٹس ۸۹۸۸۶۹۰۰ روپیے سے بڑھ کر ۳۰ جون ۱۹۸۳ کو ۱۰۹۹۶۵۷۰۰ روپئے ہوگئے۔ اس سال کے دوران بنک نے ۱۰۰ کروڑ کے طویل نشان کو پار کیا۔ ڈپازٹس میں اضافے کی یہ شرح جو ۲۲،۳۳ فیصد ہے ساری بنک انڈسٹری کی شرح ۱۶،۱۲ فیصد سے زیادہ رہی۔ اور کھاتوں کی کل تعداد بڑھ کر ۲۹۸۰۰۰ ہوگئی۔

پیڈ اپ شیئر کیپٹل:۔ کل پیڈ اپ شیئر کیپٹل ۳۰ جون ۱۹۸۲ء کو ۱۵۳۳۴۰۰۰ روپے تھا جو ۳۰ جون ۱۹۸۳ء کو کل ملا کر ۱۶۳۶۳۰۰۰ روپئے ہوگیا اور شیئر ہولڈروں کی تعداد ۹۲۹۶۶ سے بڑھ کر ۹۴۵۱۴ ہوگئی۔

ریزرو اور دوسرے فنڈ:۔ گذشتہ سال کے اختتام پر ریزرو اور دوسرے فنڈ کی رقم ۵۰۴۸۰۰۰ روپے تھی جو ۳۰ جون ۱۹۸۳ء کو بڑھ کر ۵۸۸۸۴۰۰۰ روپئے ہوگئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۶۰.۴ فیصد کا اضافہ ہوا جس سے بنک کا ذاتی فنڈ جو پیڈ اپ شیئر کیپٹل اور ریزرو فنڈ پر مشتمل ہے ۷۵۳۴۷۰۰۰ روپئے پر پہنچ گیا ہے۔ یہ ٹوٹل ڈپازٹ کا ۶،۸۵ فیصد ہے۔ اس سے بنک کی بہتری کا پتہ چلتا ہے، بنک نے ملک کی ترجیحات کے مطابق کمزور طبقات کو ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کے تحت قرضے بڑھائے۔ کچھ مہینے پہلے ایک کتابچہ بنک نے شائع کیا۔ جس میں مختلف اسکیمیں جو بنک نے عام آدمی کے فائدے کے لئے بنائی ہیں سمجھائی گئی ہیں۔ یہ کتابچہ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کو پیش کیا گیا

قرضے:۔ ۳۰ جون ۱۹۸۳ء تک کل ۵۸۵۷۰۵۰۰۰ روپے کے قرضے دیئے گئے۔ جبکہ ۳۰ جون ۱۹۸۲ء کو ۴۰۰۶۲۴۰۰۰ روپے کے قرضے تھے۔ ۳۰ جون ۱۹۸۳ء کو ختم ہونے والے سال کے دوران قرضوں میں ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام سمیت ترجیحی سیکٹر کا حصہ ۴۶ فیصد ہے جب کہ پچھلے سال ۴۰ فیصد تھا۔ اس سے بنک کی ان کوششوں کا اظہار ہوتا ہے جس سے بنک نے ترجیحی سیکٹر کو بہتر بنانے کے لئے ریزرو بنک کے بتائے ہوئے ہدایات پر قرضے دیئے۔

فارن ایکسچینج کا کاروبار:۔ اس سال فارن ایکسچینج ڈویژن نے جو کاروبار کیا اس میں ہمہ جہتی ترقی ہوئی۔ ایکسپورٹ سیکٹر کو ۱۶۱،۷۷ لاکھ روپے کے قرضے دیئے۔ جس سے بنک کی کوششوں کا اظہار ہوتا ہے جو بنک کی ملک کی ایکسپورٹ بڑھانے کے لئے کرتی ہے۔ دوران سال جو امپورٹ بل اور لیٹرز آف کریڈٹ جاری کئے گئے ان کی کل مالیت ۷،۶۵۳۳۳ لاکھ روپے ہے۔ غیر ملکوں میں آباد ہندوستانیوں کے ڈپازٹ حاصل کرنے اور کھاتے کھولنے میں بنک کی کامیابی بدستور جاری ہے۔

ورکنگ کیپٹل:۔ بنک کا ورکنگ کیپٹل جو ۱۲۰۳۱۶۹۰۰۰ روپئے تھا اس سے بڑھ کر ۱۳۹۶۳۸۸۰۰۰ روپئے ہوگیا۔ جس سے

ہمہ جہتی ترقی واضح ہو گئی۔

ٹریننگ کالج: بنک کے عملے کو کاروبار میں مہارت حاصل کرنے کے لئے اور گاہکوں کی بہتر خدمت انجام دینے کے لئے شیخ محمد علی بخش بینکرز ٹریننگ کالج برائے تربیت بھیجا گیا۔

شاخیں: ۳۰ جون ۸۳ء تک بنک کی ۲۹ شاخیں تھیں جس میں واشی نئی بمبئی میں سال دوران کھولی گئی برانچ شامل ہے۔ اور بہت جلد ۳۰ جون ۸۴ء کو ختم ہونے والے سال کے دوران ملاڈ برانچ کھولی جائے گی۔ بنک نے ۳۰ دسمبر ۸۳ء کو تلابہ میں نئی برانچ قائم کی ہے۔

> جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
> بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

شرحِ خریداری

ماہنامہ نقشِ کوکن بمبئی

اگر آپ نقش نوازی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں تو آج ہی زرِ خریداری بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔

سالانہ چندہ : ۲۵ روپے
بیرونِ ہند : ۱۰۰ ٫٫
تاحیات خریداری : ۲۵۰ ٫٫
٫٫ ٫٫ بیرونِ ہند : ۱۲۵۰ ٫٫

نقش نواز

نقش کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست شائع کرنے سے نہ صرف آپ قوم و ادب کے خیر خواہوں سے واقف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے۔ ادارہ۔

لائف ممبر:-

محترمہ افسر کا خان نیروبی (افریقہ)
" ثمینہ نظیر ملدے مہسلہ
جناب رفیق احمد کوکاٹے شرپور دھن
" عبدالشکور علی لابے بمبئی ۹
" اے۔ کے دلوی بینگاری
" حسین میاں داڑیکر (انجمن اتحاد المستقیم) وڈالا بمبئی
" عبدالسلام راول کوسہ ممبرا
بزم تعلیم مہسلہ

بیرون ہند سالانہ خریدار:

جناب ایم آئی پرکار المینرہ سعودی عربیہ
" عبدالمجید عبدالغفور جوگلے دمام "
" عمر یوسف ڈیسائی ذہران "
" عبدالغفار خواجہ پٹیل سعودی عربیہ
" ایوب خان برمنگھم انگلینڈ
محترمہ مدینہ آئی گیتے مالندی (افریقہ)

سالانہ خریدار

محترمہ فاطمہ عبدالرحمٰن کاپڑی کونڈیولا
جناب سید احمد ایم ایل اے بمبئی
محترمہ تسنیم صدیق ڈون کلیان
حاجی داؤد ابراہیم ہائی اسکول کالستہ
جناب این یو کالسیکر کابلہ
ڈی جے بی کالج چپلون
جناب عبدالمجید محمد قاسم مردنکر ٹیمبالہ
" قطب الدین حمید خان ناگوٹھنہ
حسن میاں داؤد علی پرکار بنچ گرد کشی
گرتھالیہ فروس
جناب گلزار ابراہیم ادھیکاری ناگوٹھنہ
" نورالدین ابراہیم مایکر موربہ
" محمد حنیف عبدالرزاق جھٹام دہور
فیروز داج ریپئرنگ ورکس مہاڈ

جناب وزیر کونڈیوکر مہاڈ
" مختار احمد عبدالقادر انعامدار مہاڈ
" خلیل احمد علی لالو کالینہ بمبئی
" شریف محمد لالہ رتناگری
نیشنل اردو لائبریری بھیونڈی ۲
جناب عثمان علی صاحب فنسوپکر کولا رتناگری
" عزیز احمد قاضی بمبئی ۳
" جمال اے گڈکری وڈالا۔ بمبئی
محترمہ قمرالنساء عبدالرزاق دھنسے وڈالا۔ بمبئی

★

★ ★ ★

★

تصویریں

ثناء اللہ انتولے کی سبکدوشی

گذشتہ ۳۱ دسمبر کی شام بیرسٹر عبدالرحمٰن انتولے (سابق وزیر اعلیٰ مہاراشٹر) کے بھائی الحاج ثناء اللہ انتولے کی بمبئی پورٹ ٹرسٹ کے ڈریجنگ سیکشن میں چالیس سالہ سروس سے سبکدوشی پر ایک الوداعی جلسہ ڈریجر وکاس کے بالائی عرشہ پر منعقد کیا گیا تھا۔ جس کی صدارت گودی مزدوروں کے کل ہند رہنما ایس آر کلکرنی نے فرمائی اور عالی جناب بیرسٹر اے آر انتولے مع اپنی زوجہ محترمہ نرگس انتولے اور اپنے بھتیجہ (ہونے والے داماد) مشتاق انتولے اور امین انتولے کے شریک جلسہ ہوئے۔ ڈریجنگ سیکشن کے اعلیٰ افسران کے علاوہ مزدور رہنما منوہر کوتوال اور موہن راؤ بھی جلسہ میں شریک تھے۔ انتولے صاحب کو دیکھنے اور ان کی تقریر سننے کے لئے اس قدر ہجوم ہوا کہ جہاز سے باہر وارف پر بھی لوگ کثیر تعداد میں کھڑے تھے۔ جناب ثناء اللہ کے چاہنے والوں نے انہیں تحائف اور پھولوں سے لاد دیا۔ اس موقع پر لی گئی ایک تصویر میں جناب مشتاق انتولے منتظمین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب کہ دائیں سے بائیں جناب ثناء اللہ، بیرسٹر انتولے صاحب، شری کلکرنی اور شری منوہر کوتوال وغیرہ بھی دکھائی دیتے ہیں۔

سال رواں میں نیشنل ہائی اسکول داپولی کو دو شیلڈس

رواں تعلیمی سال (۱۹۸۳ - ۸۴ء) کے دوران بزم اردو چپلون کی جانب سے ضلعی سطح پر منعقدہ مقابلوں میں نیشنل ہائی اسکول [illegible] نے تین گروپوں میں کل سات انفرادی انعامات حاصل کئے ہیں اور دو اہم شیلڈس جیت کر اپنی کامیابی کا ایک ریکارڈ قائم کیا ہے جس کے لئے اس اسکول کے جواں سال و جواں عزم ہیڈ ماسٹر جناب عبداللہ محمد خان صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔

زیر نظر تصویر میں دائیں طرف جو شیلڈ دکھائی دے رہی ہے وہ گروپ نمبر ۳ (ہائی اسکول گروپ) کے تحریری مقابلہ میں اس اسکول کے درجہ دہم کی طالبات خالدہ ابراہیم سرنگ اور ریحانہ عباس جوانے کی امتیازی کامیابی کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے بزم اردو نے اب نیشنل ہائی اسکول کو اس شیلڈ کا دائمی حقدار قرار دیا ہے اور اگلے تحریری مقابلے سے نئی شیلڈ جاری کرنے کا اعلان کیا ہے۔

تصویر میں بائیں جانب جو دوسری شیلڈ نظر آرہی ہے وہ گروپ ۳ (ہائی اسکول گروپ) کے بیت بازی غزل خوانی میں درجہ دہم ہی کی طالبات حریفہ اسحاق ملا کے بالترتیب اول اور دوم آنے کی وجہ سے ملتی ہے۔ یہ شیلڈ رننگ ہے اور پہلی بار اس اسکول کو حاصل ہوئی ہے۔

تصویر میں یہ شیلڈس حاصل کرنے والی مذکورہ چار لڑکیاں دکھائی دے رہی ہیں ان کے (دائیں سے بائیں) ترتیب وار نام ہیں: خالدہ ابراہیم سرنگ، ریحانہ عباس جوانے، حریفہ اسحاق ملا اور نجمہ یوسف ملا۔

رقم بھیجنے والے کرم فرما

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام پتہ مع پن کوڈ لکھنا نہ بھولیں۔ عموماً لوگ کوپن پر اپنا نام نہیں لکھتے۔ ڈاکیہ رقم ادا کر کے چلا جاتا ہے اور پھر یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ رسالہ رقم کس کی جانب سے ملی ہے۔

منی آرڈر کوپن پر نام و پتہ تحریر ہو تو تعمیل ارشاد میں تاخیر نہیں ہوگی۔

(ادارہ)

لونڈوا رتناگری میں جلسۂ اعزاز

۷ نومبر ۸۳ء بمقام کونڈوراعالی جناب محمد اسحاق مادرے صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ کا انعقاد ہوا جس میں جناب عبدالرحیم ابراہیم شیکاسن، عبدالشکور قادر ساونت، عبدالحمید عباس خان، اقبال قاسم خان، شوکت اسماعیل مادرے اور جناب حسین محمود مادرے کو ماڈرن ایجوکیشنل سوسائٹی کونڈورا کی جانب سے مدعو کیا گیا تھا۔ سکریٹری جناب علی حسین خان نے سوسائٹی کے زیر اہتمام چلنے والے ماڈرن اردو ہائی اسکول کی پوری معلومات فراہم کی۔ مہمانان متاثر ہوئے اور مسرت کا اظہار کیا۔ جناب عبدالرحیم شیکاسن نے اپنی جاوجہد سے جمع کی گئی بارہ ہزار روپے کی رقم پیش کی۔ جناب عبدالشکور قادر ساونت صاحب کی جانب سے ایک ہزار ایک روپیہ بطور عطیہ پیش کیا گیا نیز موصوف نے ماہانہ سو روپے دیتے رہنے کا وعدہ فرمایا۔ جناب عبدالحمید عباس خان کی جانب سے ایک ہزار ایک روپے نقد عطیہ موصول ہوا اور سو روپے ماہانہ کی پیشکش کی گئی۔ نیز صاحب موصوف نے بحرین میں اپنی کاوشوں سے جمع کردہ رقم مبلغ بارہ سو اکسٹھ روپے بھی پیش کی۔ جناب اقبال خان صاحب کی جانب سے پانچ سو ایک روپے نقد اور ماہانہ سو روپے کی پیشکش کی گئی۔ جناب شوکت اسماعیل مادرے اور حسین اسماعیل مادرے صاحبان نے بیرون ملک پہونچ کر ماڈرن اردو ہائی اسکول کی حتی المقدور اعانت کا وعدہ فرمایا۔ اراکین مجلس منتظمہ ماڈرن ایجوکیشنل سوسائٹی کونڈورا نے مہمانان مذکور کا شکریہ ادا کیا۔

نامہ نگار: عبدالرزاق قاسم ہزارے

یوم انجمن میں علم دوستی کا مظاہرہ

انجمن اسلام انجیرہ حلقہ ممبئی کے زیر اہتمام ۲۶ جنوری ۸۴ء کو انجمن کے دفتر واقع گورڈن ہال اپارٹمنٹ کے لان میں ۳۳ واں یوم انجمن جناب ڈاکٹر عبدالقدوس منشی صدر انجمن حلقہ ممبئی اور پرنسپل مہاراشٹر کالج ممبئی کے زیر صدارت انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں عالی جناب مصطفیٰ فقیہ، جناب اسماعیل کانگا سالیسیٹر، جناب زکریا اگاڑی اور ڈاکٹر عبدالرحیم انڈرے بطور مہمان شریک تھے۔ جناب صدیق قادری مہر مہیلائی نے اپنی تعارفی تقریر میں انجمن کی ترویج و ترقی اور اس کی ساری سرگرمیوں سے لوگوں کو متعارف فرمایا۔ جناب ابراہیم سندیلکر اور جناب عبداللہ فقیہ صاحبان نے بھی انجمن کی کارگذاریوں کا ذکر فرمایا۔ ڈاکٹر اے آر انڈرے، جناب علی ایم شمسی اور جناب فقیر محمد مستری کے علاوہ پنکر صاحب، زکریا اگاڑی صاحب، کانگا صاحب، جناب

کوکن کے پوسٹ گریجویٹ طلبہ

ادارہ کوکن انٹرنیشنل گذارش کرتا ہے کہ اضلاع تھانہ، رائے گڑھ، رتناگری اور سندھودرگ کے طلبہ نیز ممبئی کے کوکنی طلبہ جنھوں نے پوسٹ گریجویٹ امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے اپنے نام پتے اور امتحان سے پتۂ ذیل پر ادارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ ان کے اعزاز میں ایک جلسۂ تہنیت کا اہتمام کیا جائے۔

جنرل سیکریٹری
کوکن انٹرنیشنل، ناگپاڑہ نیبرہڈ ہاؤس
صفیہ زبیر روڈ، ممبئی ۴۰۰۰۰۸

نقش کوکن آپ کا پرچہ ہے
قوم کا ارگن ہے۔

... [illegible] پالی ٹکنک اور مصطفےٰ فقیہ صاحب نے بھی تقریریں کیں۔ [illegible] صاحب نے اپنی جیب خاص سے دس ہزار روپے، تو [illegible] صاحب نے پانچ ہزار روپے اور بسم اللہ ٹرسٹ کی جانب سے پانچ ہزار روپے عطیہ کا اعلان کیا ڈاکٹر اندرے صاحب نے انجمن کے تعاون سے آگے بڑھنے والے ایم بی بی ایس کے ایک طالب علم کی پورے کورس کی فری شپ دینے کا وعدہ کیا۔ جلسہ میں مرود، شریوردھن اور مہسلہ تعلقہ سے اعلیٰ تعلیمی سند پانے والے طلبہ وطالبات کی گلپوشی کی گئی پروفیسر شکیل نے نظامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے تو جناب جبار تماں صاحب نے دلکش انداز میں شکریہ ادا کیا

جناب ادریس چوگلے کے اعزاز میں جلسہ

مورخہ [illegible] جنوری [illegible] کو [illegible] بھائی ہال [illegible] ممبئی ۹ میں جناب ادریس احمد چوگلے کی [illegible] میں سپرنٹنڈنٹ آف لائسنس کے عہدے پر تقرری [illegible] خوشی میں ان کے [illegible] چاہنے والوں نے ایک شاندار اعزازی جلسہ کا اہتمام کیا تھا جس کی صدارت سابق وزیر حکومت مہاراشٹر جناب حسین خان صاحب دلوائی نے فرمائی۔ مولانا اکبر سلیمان مقدم کی تلاوت قرآن پاک کے مولانا مستقیم صاحب نے خوش الحانی کے ساتھ نعت پڑھی اور جناب علی ایم شمسی صاحب کی استقبالیہ تقریر کے ساتھ جلسہ شروع ہوا۔ جناب مہر مہسلائی، عمر اوگئے، عبدالرزاق بھنسے اور مبارک کاپڑی نے اس موقع پہ تقریریں کیں، تو جناب محمود الحسن ماہر نے ترنم کے ساتھ غزل پڑھ کر حاضرین سے داد تحسین وصول کی۔

بانیان جلسہ کے علاوہ اور بھی کئی حضرات واداروں نے صاحب اعزاز کی گلپوشی فرمائی۔

اس جلسہ میں سبکدوش سپرنٹنڈنٹ شری پاڈ گاؤنکر اور لائسنس ڈپارٹمنٹ کے افسران شریک تھے۔

نظامت کے فرائض جناب فقیر محمد مستری نے انجام دیئے۔ اختتام سے قبل حاضرین کی آئسکریم سے تواضع کی گئی۔

ماہانہ طرحی نشست

بزم شعر و ادب کی ماہانہ طرحی نشست مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۴ء کی شب گورڈن ہال پارلیمنٹ میں منعقد ہوئی جس کے لئے مصرع طرح تھا "ہمارا دل تو مثل آئینہ تھا"۔ صدارت جناب محمود الحسن ماہر صاحب نے کی اور نظامت کے فرائض سعید کنول نے انجام دیئے۔ چائے کے وقفے کے دوران سالانہ حساب کی رپورٹ پیش کی گئی۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۸۴ء کے لئے انتخابات عمل میں آئے۔ اتفاق رائے سے پھر ایکبار صدر اور سکریٹری بالترتیب مہر مہسلائی اور سعید کنول کا انتخاب ہوا۔

نشست میں مندرجہ ذیل شعراء حضرات نے اپنے کلام بلاغت نظام سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔

صدر مشاعرہ محمود الحسن ماہر
سمجھتے تھے مسیحا لوگ جس کو
دیا بن کر وہی پھیلا ہوا تھا

قیصر رتناگردی
نہ دو دشنام دنیا کیا کہے گی
تمہارا تھا، بھلا تھا یا برا تھا

مہر مہسلائی
بھلایا اجنبی کی طرح لیکن
وہ رہ رہ کر مجھے ہی دیکھتا تھا

عارف احمدجی
اُجالوں میں تو سایہ مل ہی جاتا
اندھیروں میں ہی اس کو ڈھونڈتا تھا

صفدر رتناگروی
ہوا دھندلا غم یاراں سے ورنہ
ہمارا دل تو مثل آئینہ تھا

عزیز آذر
بھلا دنیا سے ہم کیا لو لگاتے
یقیں جس کی فنا کا ہو چکا تھا

شاداب رتناگروی
زمانے نے جسے سمجھا فسانہ
کہ ابدیت کا وہ تبصرہ تھا

سعید کنول
گماں تھا روشنی بستی میں ہوگی
سر راہ ٹمٹماتا اک دیا تھا

بسمل کیفی
رہی کیا آبرو آب رواں کی
یہی تو زندگی کا مدعا تھا

آغاز کیفی
مرے پیش نظر اک آئینہ تھا
کہ کوئی ماہ رو جلوہ نما تھا

واحد محسن
غضب کی دھوپ تھی شہر طلب میں
جسے دیکھو طلبگار بلا تھا

یعقوب ساغر
یہ میرا دل یہ میرا حوصلہ تھا
ستم خاموش سب کے سہہ گیا تھا

حمید رضی
نہ دیکھا کیا کسی کا مدعا تھا
ہمارا دل تو مثل آئینہ تھا

مجید تاج
وہ رہزن تھا جسے سمجھا تھا رہبر
رہِ ہستی میں یہ دھوکا ہوا تھا

اطہر قیصری
مجھے دوزخ جلاتی غیر ممکن
میں کلمہ گو شفیعِ حشر کا تھا

بیرسٹر عبدالرؤف کو اعزاز

نیروبی مشرقی افریقہ کے جناب بیرسٹر عبدالرؤف سمنا کے کی رجسٹرار آف ہائی کورٹ آف نیروبی کے عہدہ پر تقرری عمل میں آئی ہے۔ ہم بخلوص دل مبارکباد پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی اور ترقی درجات عطا فرمائے۔

کولھاپور ریڈی ایڈرس کا اجراء

۲۰ جنوری ۱۹۸۴ء کو کولھاپور میں جناب شرف کمالی کے فرزندان کمال لالہ اور عارف کا قائم کردہ "کولھاپور ریڈی ایڈرس" کا افتتاح شرف صاحب کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

افتتاحی تقریب میں قرآن خوانی ہوئی۔ یہ ادارہ راجا باڑے کالونی ـ کادل نالہ کولھاپور میں واقع ہے۔

آپ ہی بتلائیں ہم بتلائیں کیا

بزم امدادیہ و انجمن تعلیم یہ دونوں اپنی اپنی جگہ انفرادی حیثیت رکھنے والے ادارے ہیں۔ ان دونوں اداروں میں کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔ مگر جناب عابد رحمٰن ان مہاڑک، عبدالرحمٰن صاحب کھوت اور دیگر پانچ حضرات نے روزنامہ ساگر اور تنا گری ٹائمز میں بالترتیب ۸۳/۱۰/۱۵ اور ۸۳/۱۱/۲۲ کو مذکورہ بالا مسئلہ پر جو پوری طرح لغو اور بے بنیاد بیان پیش کیا ہے اس سے مسلم سماج میں نااتفاقی پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے۔

ایک ہی گاؤں میں کئی تعلیمی ادارے، مساجد، درگاہ جو مختلف محلوں اور جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ادارے ایک ہی گاؤں کے رہتے ہوئے بھی آپس میں ان کا تعلق نہیں کے برابر ہوتا ہے۔ پھر انجمن تعلیم اور بزم امدادیہ کے بارے میں یہ بے جا مسائل کیوں پیش کئے جا رہے ہیں۔

جناب نورالدین دادر کو تخمیناً ۵۰۰۰ روپے کی رقم بطور نقصان تلافی ادا کرنی پڑی۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ایک ذمہ دار شخص کے ہاتھوں ایک سوسائٹی کا اتنا بڑا نقصان ہو سکتا ہے۔

یہ اعلان کرتے ہوئے ہمیں فخر ہوتا ہے کہ جناب آے آر ڈی خطیب کی کاوشوں نے اس ادارے کو جو نئی شان بخشی ہے اس کی مثال شاید ہی کھیڑ کے کسی مسلم ادارے میں ملے۔

احمد عبدالغفور تانبے

اطلاع عام

سیٹلائٹ فیشن یہ فرم ۵ دسمبر ۱۹۸۳ء تک پارٹنر شپ فرم تھی۔ نئے معاہدے کے تحت ۵ دسمبر ۱۹۸۳ء سے پارٹنر شپ فرم منسوخ ہوگئی ہے اور اس کے سابق پارٹنرس (۱) جناب آغا سید علمدار حسین اور (۲) جناب اقبال حسن خیراب پارٹنر شپ سے علیحدہ ہوگئے ہیں۔ لہٰذا عوام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کے بعد سے سیٹلائٹ فیشن پروپرائٹری کنسرن اس نئے پارٹنر شپ کی تبدیلی کے بعد کسی قسم کے تجارتی معاہدے، کسی بھی قسم کے بقایہ جات قرضہ جات یا بنکس لون کی ذمہ دار سیٹلائٹ فیشن نہیں ہوگی۔

سابق پارٹنرس کے کسی بھی قسم کے بقایہ جات یا قرضہ جات کا تعلق یا تجارتی معاہدہ کا تعلق اب کمپنی سے نہیں ہوگا۔

غلام دستگیر پیرکار

سیٹلائٹ فیشن

۷ جے انڈسٹریل اسٹیٹ، آئی بی پٹیل روڈ، گوریگاؤں
بمبئی ۴۰۰۰۶۳

شادی خانہ آبادی

بیرسٹر عبدالرحمٰن انتولے کی بیٹی / بھتیجے کی شادی

۴ر جنوری کو مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلیٰ اے آر انتولے کی دختر نیک اختر نیلم، اور انتولے صاحب کے بھتیجے مشتاق رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ شادی کی شاندار تقریب کوپریج گراؤنڈ کے پی ڈی جمخانہ میں منعقد ہوئی اس تقریب نے ایک بار پھر ثابت کر دیا مسٹر انتولے آج بھی زبردست سیاسی طاقت کے مالک اور عوام کے دلوں پر حکومت کرنے والے بے تاج بادشاہ ہیں۔

۴ر جنوری کی شام کو سردی کے باوجود ہزاروں افراد جن میں سیاست دان سے لے کر عام آدمی تک سبھی مکتب خیال کے لوگ اس تاریخی شادی میں شرکت کے لئے کوپریج گراؤنڈ پر جمع تھے۔

صدر جمہوریہ ہند عزت مآب ذیل سنگھ، ریاستی وزیر اعلیٰ وسنت دادا پاٹل، گورنر مہاراشٹر آئی ایچ لطیف، مرکزی وزراء میں شری نرسمہا راؤ، غلام نبی آزاد، گلیمار اے۔ لوک سبھا اسپیکر بلرام جاکھڑ، اے آئی سی سی (آئی) جنرل سکریٹری جی کے موپنار، سابق سکریٹری مہاپترا کے علاوہ ریاستی کابینہ کے اراکین، ممبران پارلیمنٹ، اراکین اسمبلی اور حزب مخالف لیڈران کی بڑی تعداد نے کچھ دیر کے لئے اپنی سیاسی مصروفیات کو بالائے طاق رکھا اور مشتاق نیلم شادی کی تقریب میں شرکت کی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سابق وزیر اعلیٰ مہاراشٹر مسٹر عبدالرحمٰن انتولے آج بھی اپنی سیاست پر درخشندہ ستارے کی طرح چمک رہے ہیں۔

فلم اداکاروں میں سنیل دت، دیوآنند، شیخ مختار، شاعر کیفی اعظمی، کرکٹرس سنیل گاؤسکر اور اجیت واڈیکر، ممتاز صحافی و سوشل ورکروں کے علاوہ شہر کے مشہور صنعت کار اس مبارک موقع پر دولہا دلہن کو مبارکباد دینے والوں میں پیش پیش تھے ۔۔۔ یہاں پر اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایسے وقت میں جب کہ انتولے برسر اقتدار نہیں ہیں انتولے صاحب کی بیٹی کی شادی میں چھوٹے سے لے کر بڑے تک اتنے عظیم پیمانے پر لوگوں کا ہجوم واقعی حیرت کا باعث ہے۔ کئی وزرائے اعلیٰ کے بیٹے بیٹیوں کی شادی ہوئی مگر ان تقاریب میں عقیدت مندوں کی اتنی بڑی تعداد نہیں دیکھی گئی۔ یہ چیز بجائے خود انتولے کی عوامی مقبولیت کی بین دلیل ہے۔ پورا اسٹیڈیم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دولہا دلہن، انتولے صاحب اور محترمہ نرگس انتولے کو مبارکباد دینے کے لئے ہجوم کو قطار میں کھڑے ہونا پڑا۔

اس شادی کی تقریب میں لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ مشہور فلم ساز اور اداکار جو شریف آف بمبئی سنیل دت عام ورکروں کے ساتھ ہاتھ پکڑے ہوئے دولہا دلہن اور انتولے کے گرد حصار بنائے ہوئے تھے۔ سنیل دت لوگوں سے اسٹیج کے گرد بھیڑ لگانے سے منع کر رہے تھے۔ اور انتولے صاحب اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر بے قابو مجمع کے خلوص کا گرم جوشی سے جواب دے رہے تھے۔

شالینی تائی پاٹل جنہیں کبھی انتولے نے اپنی حکومت سے برطرف کر دیا تھا اور وسنت دادا پاٹل بڑی دیر تک انتولے صاحب کے ساتھ رہے اور ان کی خوشی میں ہاتھ بٹایا۔

رونلڈ ریاوٹ اور دتا مومن اور کئی ایم ایل اے انتظامات میں مصروف پائے گئے۔ وکلاء، بیرسٹر اور جج صاحبان نے اپنی قانونی دنیا کے ایک ساتھی بیرسٹر عبدالرحمٰن انتولے کی بیٹی کی شادی میں نہ صرف شرکت کی بلکہ معزز مہمانوں کے استقبال میں پیش پیش رہے ۔۔۔ ریاست مہاراشٹر میں مشتاق نیلم کی شادی ایک مثالی تقریب تھی۔ جسے مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ بہر حال اس تقریب میں اتنے عظیم الشان پیمانے پر عوام و خواص کی شرکت نے انتولے کی عوامی مقبولیت کا ثبوت فراہم کر دیا۔

زیر نظر تصویر میں دولہا دلہن کے ساتھ بیرسٹر انتولے صاحب اور

کی داہنی طرف انڈین یوتھ کانگریس (آئی) دہلی کے جوائنٹ سکریٹری جناب شوکت یعقوب خان نظر آرہے ہیں۔

★ ڈاکٹر عبدالکریم کھیمانی کے فرزند ڈاکٹر رفیق کھیمانی اور صابرہ بانو بنت حافظ نار محمد رکھاکھو کی شادی کی استقبالیہ تقریب یکم جنوری ۸۴ء کو ہوٹل تاج محل بمبئی میں انجام پائی۔

★ ۳ جنوری ۸۴ء کی شام محمد حاجی آدم اینڈ کمپنی کے پارٹنر جناب بابا سیٹھ مرحوم کے فرزند عبدالخالق عبدالحمید دھنّا کا عقد مسعود صفیہ بنت علی ہاشم کچھی کے ساتھ انجام پانے کے موقع پر برلا کیندر چوپاٹی میں ایک استقبالیہ مع عشائیہ انعقاد پذیر ہوا۔

★ امراضِ قلب کے مشہور معالج ڈاکٹر بیدار بابا کی دختر عصمت کی شادی عباس علی بن حاجی سلطان علی برڈا والا کے ساتھ ۳ جنوری ۸۴ء کو نور باغ بمبئی میں انجام پائی۔

★ جناب ادریس احمد چوگلے کے فرزند اقبال کی شادی شریفہ بنت اسحاق قاضی متوطن پسدیری کے ساتھ اور بھائی آدم کھوت کی شادی بلقیس بنت سلیمان الانا کے ساتھ، نیز ابوبکر اسحاق قاضی کی شادی نیلوفر ختی تانبے کے ساتھ بہر ولی ۲ میں ۳ جنوری ۸۴ء کی شب میں انجام پائی۔ اس موقع پر ان کے دوست احباب کثیر تعداد میں بمبئی سے جاکر شریک ہوئے۔

★ کوکن ٹیکسٹائل ملس کے پارٹنر اور کرلا بمبئی ۷۰ کی علم دوست دیندار ہستی جناب شرف الدین یونس قاضی کے فرزند مسعود کی شادی فریدہ بی بنت آدم عثمان ٹولے کے ساتھ ۸ جنوری ۸۴ء کو سینٹ ایزابیل ہائی اسکول کے گراؤنڈ پر بنرک دا حتشام انجام پائی۔

★ جناب فقیر محمد لالہ صاحب جج کی بھتیجی فوزیہ بنت غلام محمد لالہ کی شادی اقبال عبداللطیف قاضی کے ساتھ ۸ جنوری ۸۴ء کو ہیوم ہائی اسکول بمبئی کے گراؤنڈ پر انجام پائی۔

★ ادارۂ نقشِ کوکن کے ایک دیرینہ سرپرست حاجی عثمان عربی (مالک سینٹرل آئس اینڈ کولڈ اسٹوریج کمپنی بمبئی) کی پوتی شمیم بنت حاجی ہارون کچھی ملا کی شادی فاروق ابن محمد صدیق متوطن سورت کے ساتھ ۸ جنوری ۸۴ء کی شام صابو صدیق گراؤنڈ بمبئی پر انجام پائی۔

★ جناب عبدالستار محمد حنیف ہرزک کا عقد مسعود فاطمہ بنت محمد عباس پانساری کے ساتھ ۸ جنوری ۸۴ء کی صبح ۸ جنوری ۸۴ء کو بلینونی ساؤتھ افریقہ میں انجام پایا۔ ۱۱ بجے جامع مسجد بینونی میں نکاح کی تقریب منعقد ہوئی۔ اس کے بعد ٹاؤن ہال بینونی میں ظہرانہ ترتیب دیا گیا تھا۔

★ جناب عبدالمجید عبدالعزیز کنکے متوطن دہور ضلع رائے گڑھ کے فرزند جمال الدین کی نسبت النور شریف گھواڈے (ڈرکی) کی دختر صدیقہ بیگم کے ساتھ ۸ دسمبر ۸۴ء کو دہور میں انجام پذیر ہوئی۔

★ مجگاؤں ڈاک بمبئی کے ماسٹر محمد صالح سردے کے فرزند عبدالرزاق کی شادی زبیدہ بنت قاسم حمدولے کے ساتھ ۲۲ جنوری ۸۴ء کو السلطیفی ہال بمبئی میں انجام پائی۔

★ ڈاکٹر عبدالوہاب پرکار کی دختر خورشید کی شادی نعیم بن اے عبداللہ کے ساتھ انجام پانے کی خوشی میں ۱۵ جنوری ۸۴ء کو ہوٹل تاج محل میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔

★ جناب الحاج پروفیسر احمد بہاؤالدین دادرکر کا نواسہ بدرالدین ابن فضل الدین پرکار کی شادی ذاکرہ بنت ظہیر احمد پرکار کے ساتھ اور نواسی منیرہ بنت فضل الدین پرکار کی شادی نجیب ابن حاجی عبدالرؤف پرکار کے ساتھ ۳۰ جنوری ۸۴ء کو بیت الامن نوتن نگر رتناگری میں انجام پائی۔

★ ادارۂ نقشِ کوکن کے سابق ٹرسٹی الحاج عبداللطیف سلیمان حاجی المعروف بادشاہ بھائی کے دوست جناب یٰسین فنش مرچنٹ کے فرزند نورشید عالم کی نسبت مشتری بیگم کے ساتھ ارگنی میں ۳۱ جنوری ۸۴ء کو بحسن وخوبی طے ہوئی۔

★ جناب بشیر احمد دیسائی کا عقد مسعود زلیخا بنت قاسم ردمانے کے ساتھ یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو ایڈیسن روڈ کی مسجد کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ میں انجام پایا۔

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

• کرڈوئی (ضلع رتنا گری) کے جناب قادر مؤرک کے فرزند اور کیپٹن فقیر محمد مؤرک کے داماد مشتاق (جو کہ جہاز پر تھرڈ آفیسر تھے) کا لندن کے نزدیک جہاز کے ڈوب جانے سے انتقال ہوا۔ مرحوم کی عمر ۲۹ سال تھی۔ میت کو لندن سے لاکر ان کے وطن میں دفن کیا گیا۔

• مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۸۴ء بروز بدھ تاج آفس کے مالک محترم خلیل فقیہ کی اہلیہ اور بزم نسواں کی خزانچی محترمہ مہر النساء فقیہ انتقال کر گئیں۔ انھیں اسی روز یعنی بدھ کو بھیونڈی میں سپرد خاک کیا گیا۔

• ہندوستانی فلم انڈسٹری کے کیریکٹر ایکٹر آرٹسٹ نذیر حسین کا ۶۳ سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد ان کی رہائش گاہ پر بمبئی میں انتقال ہو گیا۔

نذیر حسین بمبئی آنے سے قبل کلکتہ میں انڈین نیشنل آرمی (آزاد ہند فوج) میں شامل تھے۔ ان کی پہلی فلم "پہلا آدمی" تھی۔ اس کے بعد انھوں نے چار سو سے زاید ہندوستانی فلموں میں اپنی اداکاری کے کمالات دکھائے۔

• بھیونڈی کے معروف صنعت کار جناب امتیاز فقیہ کے والد ریٹائرڈ کسٹم آفیسر محترم حسن فقیہ ۳ جنوری کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

• پنیرو یلا والے جناب جعفر شیخ کے ۱۳ سالہ فرزند محمد علی ۳ جنوری ۸۴ کو مہاسہ پنیرو یلی روڈ پر بس کے حادثہ میں جاں بحق ہو گئے۔

• ۲۱ جنوری ۸۴ء کو بزم فروغ علم و ادب تارنہ تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڈھ کے خازن اور مشہور برگزیدہ رہنما حسین میاں ابراہیم سنگے صاحب کا طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔

• ۱۶ جنوری ۸۴ء کو رائے گڈھ ضلع پریشد کے ہیڈ ماسٹر جناب حسین احمد لوکھنڈے کے برادر عزیز حسن کا مختصر سی علالت کے بعد پوربندر گجرات میں انتقال ہو گیا۔

• شیون بوڑک تعلقہ کھیڈ ضلع رتنا گری کے محترم ابراہیم کمال الدین فرفرے صاحب طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

• شیون تعلقہ کھیڈ رتنا گری کی محترمہ شریفہ بی شیخ محمود نورے طویل علالت کے بعد ۹ جنوری ۸۴ء کو وفات پا گئیں۔ لواحقین میں چار فرزند اور پوتوں پوتیوں کا کنبہ ہے۔

• نقش کوکن کے ایک دیرینہ خریدار جناب یوسف علی سانولیکر کا مارچ ۸۳ء میں کیپ ٹاؤن افریقہ میں انتقال ہوا۔

• جناب ادریس احمد چوگلے (سپرنٹنڈنٹ آف لائسنس بمبئی میونسپلٹی) کے خالو جناب آدم داؤد چوگلے (جن کے سایہ عاطفت میں ادریس صاحب پروان چڑھے) ۱۷ جنوری ۸۴ء کو ماہرولی میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم نیول ڈاکیارڈ میں سروس انجام دے کر سبکدوش ہو گئے تھے، اور سرطان کے موذی مرض کا شکار ہو گئے۔

• جناب غلام غوث جھنام متوطن وہور ضلع رائے گڈھ کا ۱۳ جنوری ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

• ۲۳ جنوری ۸۴ء کی صبح ڈاکیارڈ کالوتی کنجور مارگ میں جناب عبدالرحمٰن کمال الدین بھاردے متوطن موضع سازنگ تعلقہ داپولی کا بعمر ۴۲ سال انتقال ہو گیا۔ مرحوم نیول ڈاکیارڈ میں ماسٹر تھے۔

• نل بازار بمبئی میں پائے کے مشہور تاجر جناب عبدالرحمٰن تانبے کا ۸ جنوری ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

• بمبئی میں ہوٹلیں چلانے والی کوکنی برادری دبیر خاندان متوطن ہرہر کے ایک رکن جناب عباس اسماعیل دبیر کا حرکت قلب بند ہو جانے سے پچھلے مہینہ انتقال ہو گیا۔

• اورن ضلع رائے گڈھ کی معزز ہستی جناب محمد اسماعیل نورنگے پیرانہ سالی کے باعث پچھلے مہینہ انتقال کر گئے۔

• ریٹائرڈ انسپکٹر آف پولیس جناب آئی آئی قادری کا ۲۷ جنوری ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

صفحہ آخری

قومی دھارا (جاری)

اور سبھا جی کی ازاد ہند فوج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے جنرل شاہ نواز کو بھی کوئی قومی دھارا میں شامل نہیں پا سکا
اور جس دن محمد شفیع قریشی، کشمیر کے فاروق عبداللہ اور ان کی پارٹی کی مذمت کرتے ہیں اس روز حیدرآباد میں ہندو مسلم فساد پھوٹ پڑتا ہے
جس دن خان غنی خان چودھری جماعت اسلامی پر برستے ہیں، پورنیہ کے مسلمانوں پر جلاوطنی کی تلوار لٹکائی جاتی ہے۔
اور جس وقت کوئی وزیر مسلم لیگ کو تاڑ رہا تھا، کوئی مسلمان وزیر کسی پتلے کی نقاب کشائی کر رہا تھا،
کوئی مسلمان وزیر "بھومی پوجن" کر رہا تھا ـــــ اور اسی وقت آسام میں تین ہزار معصوم مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔
اور جس وقت اے اے رحیم غیر ممالک کے ساتھ بے شمار معاہدے کر رہے تھے، بالا صاحب دیورس مسلمانوں کو "ملک دشمن" قرار دے رہا تھا۔
اور جس وقت انتولے ابرن کے کسانوں کے مسائل حل کر رہے تھے، بال ٹھاکرے مسلمانوں کو "پاکستان کا جاسوس" قرار دے رہا تھا۔
ان سارے مسلمانوں میں سے کوئی بھی قومی دھارے میں شامل نظر نہیں آتا کسی کو۔
اور ان میں سے کسی مسلمان کی ہندوستانیت ہندو مسلم فساد کو نہ روک سکی۔
ان فسادات کو نہ شوکت اللہ انصاری کی ہندوستانیت روک سکی، نہ برکت اللہ خان کی،
نہ مہدی نواز جنگ کی، نہ خورشید عالم خان کی۔ نہ سید محمد کی، نہ محمد ابراہیم کی، نہ سر اکبر حیدری کی، نہ جعفر شریف کی۔
نہ عارف بیگ کی، نہ فضل الرحمٰن کی، نہ احمد محی الدین کی، نہ اے اے رحیم کی، نہ علیم الدین احمد خان کی، نہ محمد یونس سلیم کی،
نہ سید میر قاسم کی، نہ جسٹس رحمٰن انتولے کی، نہ سید محمود کی، نہ غنی خان چودھری کی ہندوستانیت۔
ان میں سے کوئی مسلمان قومی دھارے میں شامل نہیں؟ ان میں سے کوئی سچا ہندوستانی نہیں؟؟
آزادی کے بعد آج تک لاتعداد افراد ہمارے ملک کی جاسوسی کرتے پکڑے گئے ـــــ ان میں سے ایک بھی مسلمان نہیں۔
پاکستان کی جاسوسی کرتے ہوئے بھی غیر مسلم ہی پکڑے گئے ہیں۔
(کھیل میں پاکستان کی جیت پر اگر چند کم ظرف مسلمان پٹاخے چھوڑتے ہیں تو اس سے کوئی قومی نقصان تو نہیں ہوتا۔
البتہ یہ جاسوس اپنی وطن فروشی کے ذریعے ملک کا ناقابل تلافی نقصان کر جاتے ہیں)۔
اور یہاں کے مسلمان مرادآباد، بھیونڈی، سلگاؤں، حیدرآباد، جمشید پور اور آسام کے زخم سینے پہ سہتے ہوئے بھی
عرب ممالک میں سفیر اور خصوصی سفیر بن کر جاتے ہیں اور پروپگنڈہ کرتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمان کافی مطمئن اور محفوظ ہیں۔
اور نتیجے میں کروڑوں روپے کی مالی امداد ان سے مانگ کر لے آتے ہیں

اور مسلم اسکولوں میں "شیواجی جینتی" منائی جاتی ہے
اور کوئی غیر مسلم "السلام علیکم" تو نہیں کہتا البتہ مسلمان "نمسکار" ضرور کہتے ہیں۔
اور یہ ہندو راشٹر تو نہیں مگر سرکاری چھٹیوں کو مسلمان بھی "دیوالی" کی چھٹی ہی کہتا ہے۔
اور غیر مسلم حضرات حضرت عمرؓ یا حضرت ابوبکرؓ سے واقف نہیں مگر مسلمان بھیم اور ارجن کو جانتا ہے۔
اور ہجرت کو غیر مسلم "بھاگنے" سے تعبیر کرتا ہے اور مسلمان رام چندر جی کے بن باس کی داستان بڑی دلچسپی سے سنتا ہے۔
البتہ پھر بھی آپ سن رہے ہیں نا کہ مسلمان "قومی دھارے" میں شامل نہیں
تو پھر آخر یہ قومی دھارا کیا ہے؟ اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے؟
(قومی دھارا جاری)

مبارک کاپڑی

NAQSHE KOKAN (BOMBAY) FEBRUARY 1984 Regd. No: MH/BYE/61

Licensed to post without pre-payment Mandvi Bombay. Licence No. 8

جشن جمہوریہ مبارک ہو

Printed at AJMAL PRESS, Bombay-3. & Published from 44, Jail Road (East). Bombay-9. DR. A. M. NAIK M B B S. for NAQSHE KOKAN Publication Trust Bombay-9 Title Cover Printed at AMIN ART PTG PRESS BOMBAY-9

MARCH - 1984
Rs. 2-50

नकशे
कोकण
23RD
YEAR OF PUBLICATION

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی
NAQSHE KOKAN MONTHLY

نقش کوکن

Sikandar Kapdi

Zain G. Rangoonwala

Gulzar Mistry

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

قائم شدہ: سنہ ۱۹۶۲ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انڈین لینگویجز نیوز پیپرز ایسوسی ایشن بمبئی

جلد ۲۳ / مارچ سنہ ۱۹۸۴ء / شمارہ نمبر ۳

فی پرچہ :	۲½	روپے
سالانہ خریداری :	۲۵	روپے
تاعمر خریداری :	۲۵۰	روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ :	۱۰۰	روپے
″ تاعمر :	۱۲۵۰	روپے

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: ڈاکٹر عبدالکریم نائیک

معاون مدیر: ایس اے رحیم قیصر

مقام طباعت: اجمل پریس بمبئی ۳

مقام اشاعت: ۲۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

ملکیت: نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (E 3006)

فون: 865384/869974/861572

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ: ۲۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری، بمبئی ۹

تمام تنازعہ امور میں حق سماعت عدالت ہائے بمبئی کو ہوگا۔

تاریخ اشاعت: یکم مارچ سنہ ۱۹۸۴ء

اس ماہ کے نقوش

خصوصی پیش کش

منتخبات القرآن

الحج

حج

علیٰ مَن یَّجِبُ الحَجُّ
حج کس پر فرض ہے۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اور لوگوں پر (فرض) ہے کہ خدا کے لئے خانۂ کعبہ کا حج کریں جس کو اس حد تک پہونچنے کا مقدور ہو۔ اور جو (مقدور رکھنے کے باوجود) ناشکری کرے (حج کو نہ جائے) تو اللہ دنیا جہان سے بے نیاز ہے۔

★ مَتیٰ یُتَزَوَّدُ لِلْحَجِّ وَکَیْفَ
زادِ راہِ حج کب اور کس طرح بہم پہونچایا جائے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ؗ وَاتَّقُوْنِ یٰاُولِی الْاَلْبَابِ ۝

اور حج جانے سے پہلے زادِ راہ بہم پہونچا لو کہ بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔

★ مَاهِیَ بُغْیَةُ الْهَدْیِ وَالنُّسُكِ
قربانی کا اصل مقصد کیا ہے

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ؕ

خدا تک نہ تو ان کے گوشت ہی پہونچ سکتے ہیں اور نہ ان کے خون بلکہ اس تک تمہاری (اور فرماں برداری) پہونچتی ہے۔

یہ خصوصی پیش کش جناب ای ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے آمین

پہلا صفحہ

آزادی کے بعد فرقہ پرستی کا زہر پھیلانے میں کئی چھوٹے بڑے لیڈروں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔
ان ہی نمایاں شخصیتوں میں سے ایک حضرت ہیں : بال ٹھاکرے صاحب

بال ٹھاکرے سیاست میں آنے سے قبل فری پریس جرنل میں ایک کارٹونسٹ تھے۔
انتظامیہ نے تنخواہ بڑھانے سے انکار کیا تو نوکری چھوڑ کر غصے میں آ کر شیوسینا کی بنیاد ڈالی۔
شیوسینا کی بنیاد کے وقت بال ٹھاکرے نے اعلان کیا تھا کہ شیوسینا سیاست میں حصہ نہیں لے گی۔
البتہ ایک آدھ سال کے بعد ہی انھوں نے اپنا فیصلہ بدلا اور الکشن کے لئے امیدوار کھڑے کئے۔
مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ وسنت راؤ نائیک نے شیوسینا کو بلا بڑھا کر اسے بارسوخ بنا دیا۔
انھیں کے دورِ حکومت میں شیوسینا ایک آوارہ "بیل" کی طرح ہر کسی کو کاٹتی رہی۔
ان دنوں راج وی پی نائیک کرتے تھے مگر فرمان بال ٹھاکرے جاری کیا کرتے تھے۔
لہٰذا مجھے ساری بمبئی کے تاجروں کی قابلِ رحم حالت بھی یاد ہے اور حکومت کی مجرمانہ خاموشی بھی،
جب شیوسینا نے جابجا نوٹس لگا دیئے تھے کہ ہر کسی کو اپنی دکان پر مراٹھی میں بھی بورڈ آویزاں کرنا چاہیے۔
اور اس فرمان کی خلاف ورزی کرنے والوں کی دکانیں (پولیس کی موجودگی میں) توڑ پھوڑ ڈالی گئی تھیں۔
۱۹۷۰ء کے بھیونڈی کے فساد میں بھی شیوسینا کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔
نائیک کے دورِ حکومت میں ہونے والے اس ہولناک فساد میں مادن کمیشن شیوسینا کو فساد کا ذمہ دار قرار دے بھی چکا ہے۔
پھر بال ٹھاکرے نے چولا بدلا اور چوہان کے دورِ حکومت میں کانگریس کے سخت مخالف بن گئے۔
البتہ ایمرجنسی میں یہ نام نہاد شیر بھیگی بلی بن گیا اور ایمرجنسی اور اندرا گاندھی کے گن گانے لگا۔
ایمرجنسی کے بعد پھر کانگریس مخالف، انتولے کے دورِ حکومت میں طرفدار اور اب پھر کانگریس مخالف بن گئے۔
بال ٹھاکرے کا مطالعہ اور تاریخ بے حد سطحی یا بالکل نہیں کے برابر معلوم پڑتا ہے۔
لہٰذا انیل کنجھ کھاڑیلکر کے دس بارہ مضامین پڑھ کر ہی وہ سوشلزم کو پیارے ہو گئے۔
اس عملی سوشلسٹ کی تنظیم کی سرگرمیاں کیا ہیں ؟ غنڈہ گردی، لوٹ مار، ہاکروں سے زبردستی پیسہ وصول کرنا،
جنوبی ہند کے مسلمان باشندوں کو ڈرانا دھمکانا، زبردست مورچے نکالنا اور پولیس پر (مراٹھا اردو کے مطابق) دکانوں کو لوٹنا اور توڑ پھوڑ
لال باغ سے دادر تک پھیلی ہوئی ان کی سلطنت میں سارے کارکن غنڈہ عناصر ہی ہیں۔
اس مرتبہ اپنی پہلی کانفرنس میں بال ٹھاکرے مسلمانوں پر کچھ زیادہ ہی "مہربان" ہوئے ہیں۔
اور اعلان کیا ہے کہ مسلمان پاکستان کی جیت پر پٹاخے چھوڑتے ہیں اس لئے انھیں ہندوستان سے نکال دینا چاہیے۔
ہم پوچھتے ہیں کہ آج بنگال، تری پورہ اور کیرالا کی مارکسی حکومتوں کو ساری ہدایات روس سے ملتی ہیں۔
روس اور امریکہ کی جاسوسی کرتے کئی غیر مسلم افراد گرفتار ہوتے ہیں۔ وہ زیادہ ملک دشمن ہیں یا مسلمان ؟
مگر ہم جانتے ہیں کہ بال ٹھاکرے اور شیوسینا کے پیرو کار تیسرے درجے کے افراد ہیں جو پٹاخے کے موضوع پر مشتعل ہو سکتے ہیں۔
ان اشتعال انگیز بیانات کے باعث اگر ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ماہرین نفسیات کے ذریعہ بال ٹھاکرے کا تجزیہ کرائیں۔
اگر ماہرین نفسیات انھیں پاگل قرار دیں تو حکومت اپنے خرچ سے ان کا علاج کرائے
اگر ماہرین نفسیات انھیں صحیح الدماغ قرار دیں تو حکومت انھیں نیشنل سیکورٹی ایکٹ کے تحت فوراً گرفتار کرے۔

مبارک کاپڑی

فلسطینیوں کا تریپولی سے انخلاء

میں آج کے اداریوں میں سنہ ۱۹۸۳ء کے ایک نہایت تلخ و ناخوشگوار واقعہ پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ واقعہ ہے تریپولی سے فلسطینیوں کا انخلاء۔ امسال اس بدنصیب قوم پر دوسری مرتبہ یہ قیامت ڈھائی گئی۔ ابھی دلوں میں ان کے قتلِ عام کی یاد تازہ تھی۔ خون کے وہ دھبے ابھی مدھم بھی نہیں ہوئے تھے کہ یہ دوسرا ہولناک واقعہ رونما ہوا اور یہ بلند ہمت و بلند حوصلہ لیکن بدنصیب قوم دیکھتے ہی دیکھتے اپنے وطن سے بے وطن ہو گئی۔ انھیں تسبیح کے دانوں کی طرح دنیا کے مختلف ممالک میں بکھیر دیا گیا۔ معلوم نہیں کہ اب یہ بہادر قوم کہاں اپنا آشیاں بنائے گی۔

فلسطینیوں کا تریپولی سے انخلاء اسرائیلی سیاست کا ایک شاہکار ہے۔ یہ سیاست عرب ممالک میں روزانہ ایک نیا گل کھلا رہی ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ اسرائیلیوں کا یہ گلزار بجلی اور خزاں کی زد میں آئے گا۔

مگر ایک حقیقت جس پر ہمیں اس وقت سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس جراٰت مند قوم نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے جو راستہ اختیار کیا۔ کیا وہ درست تھا؟ دہشت گردی اور تخریب کاری کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بقائے باہم کا اصول انسانی معاشرے کے لئے ابر رحمت کا کام دیتا ہے اس سے زندگی کے صحرا میں ہر طرف ہریالی ہوتی ہیں اور انسانیت کی خشک کھیتی ہری بھری ہوتی ہے۔

ہم یہ تسلیم کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتے کہ فلسطینیوں کے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں۔ ان کا اپنا وطن ہونا چاہیئے۔ جہاں وہ عزت اور امن و سکون سے رہ سکیں۔ مگر اپنا یہ حق منوانے کے لئے ہوائی جہازوں کا اغوا کرنا، بم کے دھماکے کرنا، بے گناہوں کا خون بہانا۔ اس کا کبھی نیک نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ اپنے مطالبات منوانے کا یہ طریقہ پسندیدہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اس دور کی فتنہ سامان سیاست کی ایک دین ہے۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ جب فلسطینیوں نے اسرائیلی علاقے پر حملے کئے۔ خواہ ہتھ گولے پھینک کر یا راکٹ برسا کر۔ اس کے جواب میں اسرائیلیوں نے ان پر دوہری شدت کے ساتھ حملہ کیا۔ اور فلسطینیوں کو زیادہ جانی و مالی نقصان پہونچایا۔ لیکن یہ نقصانات اٹھانے کے بعد بھی فلسطینیوں نے تخریب کاری کا طریقہ ترک نہیں کیا۔ ان کے نزدیک ارباب حل و عقد کے مردہ ضمیر کو جھنجھوڑنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ عالمی شخصیتیں اور بین الاقوامی تنظیمیں اس طرح ان کے مطالبات کی اہمیت سمجھیں گی۔ اور ان کو جائز حقوق دلانے کے لئے عملی قدم اٹھائیں گی۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ یہ دہشت گردی و تخریب کاری دیکھ کر اسرائیل کے ساتھ ان کی ہمدردی بڑھ گئی۔ وہ کہنے لگے کہ یہ فلسطینی بھی کیا بلا ہیں کہ اسرائیلیوں کو آرام کی نیند سونے نہیں دیتے۔ خود اسرائیل اس نتیجہ پر پہونچا کہ جب تک فلسطینی ہیں، یہ امن کی نیند نہیں سو سکتے۔ ہر وقت ان کی دراندازی کا خطرہ لگا رہے گا۔ لہٰذا ان کو ان کی پناہ گاہ

سے بے دخل کرنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ اسی اسرائیلی منصوبے کا نتیجہ تھا کہ مآل کار فلسطینیوں کو اپنے وطن سے بے دخل ہونا پڑا۔ اب وہ مختلف ممالک میں بکھیر دیئے گئے ہیں۔ یقیناً یہ ان کے لئے قیامت کی گھڑی ہے۔ اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس آڑے وقت میں ان کی مدد کے لئے کوئی بھائی سامنے آیا نہیں۔ اور اسرائیلیوں کے بے پناہ حملوں نے ان کو گھر سے بے گھر کر دیا۔ ہم اس اداریے میں ان سے اظہار ہمدردی کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں۔

قلمی معاونین

اپنی تخلیقات کے خاتمے پر اپنا نام مکمل پتہ پن کوڈ کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک طرف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصلی نام بھی تحریر کریں۔ مضامین کی ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔ (ادارہ)

قطبِ جنوبی
یا
انٹارکٹیکا

قطبِ جنوبی (انٹارکٹیکا) دنیا کا آٹھواں براعظم ہے۔ اس کا رقبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر ہندوستان اور چین کو یا امریکہ اور روس کو ملا دیا جائے تب بھی قطبِ جنوبی ہی کا رقبہ زیادہ ہوگا۔

محلِ وقوع: یہ زمین کے جنوب ترین خطے میں واقع ہے۔ اس کو ارضِ ظلمت یا برفستان بھی بولتے ہیں — یہ ایک غیر آباد براعظم ہے۔

سمندر: اس براعظم کے چاروں طرف سمندر ہے۔ اس میں مچھلیاں اتنی ہیں کہ ان کے ذریعے دنیا کا غذائی مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ مچھلیوں کے علاوہ دوسرے آبی جانور بھی بے شمار ہیں — یہاں ماہی گیری نہیں ہوتی نہ اور جانور سمندر سے نکالے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ سمندر آبی جانوروں سے بھرا ہوا ہے۔ ان بحری جانوروں میں کرل (KRILL) اور سیل نامی مچھلیاں بہت ہیں۔

چڑیا: اس برفستان میں جو چڑیا ہوتی ہے اس کو "پنگوئن" کہتے ہیں۔ اس کا سارا جسم نرم نرم پروں سے بھرا ہوتا ہے ایسی ہی دوسری چڑیا بھی ہیں۔ ان کا گزر بسر انھیں مچھلیوں پر ہے۔

دن اور رات: یہاں چھ مہینوں کا دن اور چھ مہینوں کی رات ہوتی ہے۔ اسی لئے جو دو ہندوستانی ٹیمیں وہاں گئیں ان کو روزمرہ کے کھانے پینے کے معمولات میں بڑا فرق پڑا، اور صحت متاثر ہوئی۔

اس عظیم براعظم کا نوے فی صد حصہ برف سے ڈھکا ہے۔ یہاں برف ہی کے پہاڑ بھی ہیں جو ۲ سے ۴ کیلو میٹر تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔

تازہ پانی: انٹارکٹیکا میں تازہ پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔ یہ پانی کثافت و آلودگی سے بالکل پاک و صاف ہے۔ اسی طرح شور و غل اور زندگی کی ہماہمی سے ناآشنا ہے۔

آندھی اور طوفان: لیکن یہاں ہمیشہ آندھی اور طوفان رہتا ہے۔ اور بڑے بڑے جھکڑ چلتے رہتے ہیں جس سے [illegible] سائنسدانوں کی جھونپڑیاں بھی اڑ جاتی ہیں۔ اور ریڈیو وغیرہ ذرائع ابلاغ رسانی میں زبردست خلل واقع ہو جاتا ہے۔

آبادی: یہ ایک غیر آباد براعظم ہے۔ دوسرے براعظموں کے صرف بارہ سو سائنسدان یہاں کی تجربہ گاہوں میں کام کرتے ہیں۔

معدنیات: یہاں معدنیات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ جو ابھی برف کے نیچے مدفون ہے۔

پانی کے بلبلے: ابھی تک برف کے جو تجربے ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑوں میٹر گہرائی میں پانی کے بیشمار بلبلے جمع ہیں۔ اس سے زمین کی قدرتی تاریخ کے کئی عقدے کھل سکیں گے۔

قدیم انٹارکٹیکا: سائنسدانوں کا خیال ہے کہ کروڑوں سال پہلے انٹارکٹیکا (قطبِ جنوبی) ہندوستان، [illegible]

لیٹن امریکہ اور آسٹریلیا سے جڑا ہوا تھا۔

سفر نامہ ابن بطوطہ | یہ قطب جنوبی (انٹارکٹیکا) کے وہ جغرافیائی و طبعی حالات ہیں جو ۱۵ر جولائی ۸۳ء کے یوجنا میں بیان کئے گئے ہیں۔ اب آئیے ابن بطوطہ کا مطالعہ کریں۔ اس براعظم کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔ وہاں کے باشندے اسکیمو، کتے کی گاڑیاں، قاقم، سنجاب اور سمور کی تجارت کا بھی انوکھا حال لکھا ہے۔

بلغاریہ | وہ ترکی سے پہلے بلغاریہ آیا جو سائبیریا کا سرد ترین علاقہ ہے اور جہاں سب سے چھوٹی رات ہوتی ہے۔ وہ بلغاریہ میں رمضان شریف میں آیا۔ وہاں مسلمانوں کی آبادی تھی۔ ان کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی اور ابھی افطار ہی میں مشغول تھا کہ عشاء کی اذان ہوگئی۔ عشاء اور تراویح پڑھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی صبح کی اذان کا وقت آگیا۔ بلغاریہ میں اسی طرح دن بھی چھوٹا ہوتا ہے، یعنی قطب جنوبی کی طرح یہاں بھی چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے۔ اور وہاں کے مسلمان روزہ اور نمازوں کے لئے اوقات مقرر کر لیتے ہیں۔

ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ قطب جنوبی وہاں سے چالیس رات دن کی مسافت پر ہے۔ اس کا ارادہ وہاں جانے کا تھا مگر راستہ پُر ہول اور دشوار گزار تھا۔ اس لئے ارادہ ترک کر دیا۔ البتہ انھوں نے قطب جنوبی کے جو حالات سُنے تھے وہ اپنے سفر نامے میں درج کئے ہیں جس کا بیان نے اوپر درج کیا۔

ہندوستانی سائنسدانوں کی مہمیں | خیر ابن بطوطہ تو وہاں نہیں جا سکا لیکن ہندوستانی سائنسدانوں کی دو پارٹیاں وہاں پہنچ چکی ہیں اور سائنسی تجربات میں مشغول ہیں۔ پہلی پارٹی ۹ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو قطب جنوبی پہونچی۔ اس میں ۲۱ سائنسداں تھے۔ دوسری پارٹی ایک سال بعد ۲۸ر دسمبر ۸۲ء کو وہاں گئی۔ اس میں ۲۸ سائنسداں تھے۔ انھوں نے وہاں تجربہ گاہ کے لئے جو جگہ منتخب کی اس کو "دکچھنی گنگوتری" کا نام دیا گیا۔ یہیں بیٹھ کر ہندوستانی سائنسداں تجربے کر رہے ہیں۔ (یوجنا ۱۵ر جولائی ۸۳ء)

اب ہم ہندوستانیوں کو امید رکھنی چاہئے کہ آندھی، طوفان اور مقناطیسی لہروں کے جھکڑ پر ہم قابو پالیں گے۔ اس لئے کہ قطب جنوبی ہی ان قدرتی آفات کے مرکز ہیں۔ اور اب وہاں ہمارے چوکیدار موجود ہیں۔ اب وہ ان آفتوں کو ہندوستان کی طرف بڑھنے نہیں دیں گے۔ کرل اور سیل مچھلیوں کی بہتات کے باعث غذائی مسئلہ بھی ایک حد تک حل ہو جائے گا۔ رہ گئی معدنی دولت تو بہر حال اس سے ہمارا ملک مالا مال ہو جائے گا۔ اس لئے کہ وہ براعظم معدنی دولتوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ ہماری توقعات ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یوجنا کے مضمون نگار کا خیال اس سے کچھ مختلف ہے۔ اس نے سوال کیا ہے کہ ہمارے لئے وہاں تجربے کرنا کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب ہمارے سائنسداں ہی دے سکیں گے۔

ہم تو سیلاب سے اُجڑتے رہیں، خشک سالی سے مرتے رہیں اور نانِ شبینہ کے لئے جانوروں کی طرح کھٹتے رہیں اور آپ انٹارکٹیکا میں بیٹھ کر تجربے کرتے رہیں۔

"اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی"

معارف الحدیث

مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

کتاب الرقاق ــ باب البکاء والخوف :-

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
امرنی ربی بتسع: خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ، وکلمۃ العدل
فی الغضب والرضا، والقصد فی الفقر والغنیٰ وان اصل من قطعنی واعطی
من حرمنی واعفو عمن ظلمنی وان یکون صمتی فکرا ونظری عبرۃ
وآمر بالعرف، وقیل بالمعروف۔ (رواہ ترمذی)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ کو میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ہے: خدا سے ڈرنا ظاہر اور باطن میں۔ عدل کی بات کہنی غضب اور رضامندی کی حالت میں۔ میانہ روی اختیار کرنا غریبی اور امیری میں۔ اور یہ کہ میں اس شخص کے ساتھ صلہ رحمی کروں جس نے قطع رحم کیا، یعنی رشتہ داری کے حقوق پامال کئے۔ اور یہ کہ میں اس شخص کو معاف کردوں جس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اور یہ کہ میری خاموشی فکر ہو (یعنی غور و خوض) اور میری گویائی ذکر ہو (یعنی ذکر اللہ)، اور میری نظر عبرت ہو اور یہ کہ میں نیکی کا حکم کروں (ترمذی)

تشریح :-

یہ ساری باتیں انسان کے اعلیٰ اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ انھیں باتوں سے انسانی معاشرے میں استواری آتی ہے۔ خصوصاً صلہ رحمی کی تو انسانی معاشرے میں بڑی اہمیت ہے۔

میری خاموشی فکر ہو یعنی انسان فضول گوئی سے پرہیز کرے اور خدا اور رسول کی باتیں زیادہ کرے۔ امت کے واسطے ذکر رسول ذکر خدا ہی ہے۔ اس لئے قرآن مجید کے بعد احادیث کا پڑھنا اور پڑھانا بھی ذکر الٰہی میں شامل ہے۔

میری نظر عبرت ہو یعنی میں ہر چیز کو عبرت کی نگاہ سے دیکھوں جس سے نیکی اور بدی کا عرفان حاصل ہو۔

میں نیکی کا حکم دوں۔ یہ امتِ محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ اسی بنا پر اس کو خیر امت کہا گیا ہے۔

اس حدیث میں جو عملی وظائف بتائے گئے ہیں ان وظائف پر عمل کرنے والا باعمل انسان کہلائے گا۔

اس خصوصی پیش کش کیلئے جگر جناب شریف زین الدین پارکر نے بطور عطیہ پیش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا فرمائے۔

غزلیں

نظمی

مجلّتوں پہ بھروسا بہت ضروری ہے
سفر میں ہو، تو یہ سایہ بہت ضروری ہے

یہ سوچیئے کہ ہمارا کوئی جواب نہیں
کبھی کبھی یہ سمجھنا بہت ضروری ہے

ملے ہو آج تو دو چار دن کے بعد ملو
تعلقات میں وقفہ بہت ضروری ہے

ہمارے گھر تو ہیں پانی پہ تیرنے والے
ہوا کے رُخ کو سمجھنا بہت ضروری ہے

نہ ہو خلوص دلوں میں تو کوئی بات نہیں
مگر خلوص سے ملنا بہت ضروری ہے

یہ راہ لوٹ نہ لے اجنبی سمجھ کے کہیں
دُعا سلام کا رشتہ بہت ضروری ہے

نہ جانے کب کوئی پیچھے ڈھکیل دے نظمی
ہر اشتہار کو پڑھنا بہت ضروری ہے

●

نظام الدین نظام

ثبوت ہونے کا یوں زیرِ آب دے دوں گا
اُکھڑتی سانس کو شکلِ حباب دے دوں گا

میں مرتے مرتے تیرا نام لوں گا اے اللہ
اور ایک لفظ میں سب کا جواب دے دوں گا

یہ جان تیری امانت ہے تو ہی لے لینا
جو مجھ سے خرچ ہوئی ہے حساب دے دوں گا

شکست کھا کے جو لوٹا تو میرا وعدہ ہے
کسی کو زین کسی کو رکاب دے دوں گا

سیاہی راس نہ آئے تو اے شبِ ہجراں
چراغ کیا ہے، تجھے ماہتاب دے دوں گا

جسے نڈھال ہوائیں دھوئیں سے ڈھالیں گی
میں اُس ہیولے کو رنگِ شراب دے دوں گا

اگر چڑھائے گا لہجے پہ چاشنی کا کور
تو کیا اُتار کے میں بھی نقاب دے دوں گا۔

شذرات

"ووٹ اور خدمتِ خلق"

شیخ سعدی نے کہا ہے:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سعدی پرانے زمانے کے آدمی تھے جو ایسی بے تکی سی بات کہہ گئے۔ موڈرن خدمتِ خلق تو یہ ہے کہ داہنے ہاتھ میں الکشن کے بڑے بڑے پوسٹر ہوں اور بائیں ہاتھ میں وعدہ جات کی لمبی چوڑی فہرست۔ اور جسم پر کھادی کا لباس۔ ہم اور آپ خدمتِ خلق کی اس تعریف پر ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ ایوانِ سیاست کے در و دیوار پر خدمتِ خلق کی یہی تعریف موٹے موٹے حروف میں لکھی ہے۔

خدمتِ خلق کی یہ تعریف کہ روٹی، کپڑے اور مکان کا بندوبست کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی دیکھ ریکھ کرنا، شہر کو اچکوں، بدمعاشوں اور بھکاریوں کو پاک و صاف کرنا۔ یہ سب خدمتِ خلق کی پرانی تعریف ہے۔ یہ وعظ و نصیحت شیخ سعدی جیسے بزرگوں ہی کو زیب دیتی ہے۔

خدمتِ خلق کی موڈرن تعریف یہ ہے: قوم کو سبز باغ دکھانا، مجمع میں پچھے دار تقریر کرنا، اپنے ایجنٹوں سے دورانِ تقریر تالیاں بجوانا، بوتھ پر ہلا مچانا، اپنے حریف کو مار پیٹ کی دھمکی دینا، ہر موڑ اور گلی کوچے میں اپنے دلالوں سے اپنے حق میں نعرے لگوانا۔ یہ ہے موڈرن خدمتِ خلق ـــــ مگر روزنامہ انقلاب $29\frac{3}{83}$ کی خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھارت کے بے وقوف عوام بھی عقلمند ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہ خدمتِ خلق کی اس موڈرن تعریف کی دھجیاں اڑانے لگے ہیں۔ چنانچہ جام نگر (گجرات) کی خبر یہ ہے کہ

> وہاں گدھوں کا ایک جلوس نکالا گیا۔
> ہر گدھے کے گلے میں ایک کارپوریٹر کے نام کی تختی تھی۔ (انقلاب $29\frac{3}{83}$)

یقیناً یہ وہی کارپوریٹر ہوں گے جنھوں نے شیخ سعدی کی خدمتِ خلق کی تعریف سے انحراف کیا ہوگا۔ (ادارہ)

اسلامی ریاستیں

مجھے اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ پندرھویں صدی کے مسلمانوں کا دماغ پھر گیا ہے۔ وہ اس دورِ لا مذہبیت و دہریت میں اسلامی اسٹیٹ کے قیام کی باتیں کرتے ہیں۔ اور تو اور یہ بنگلہ دیش کہ

"کے آدمی کے پیر شدی"

کا مصداق ہے۔ یہ بھی اسلامی ریاست بن رہا ہے۔ (ٹائمز آف انڈیا) ـــ وہاں کے اربابِ سیاست کو یہ خیال نہیں آیا کہ اس خبر سے تو لا مذہب چونک اٹھیں گے۔ اخباروں اور صحافیوں کی نیند حرام ہو جائے گی۔ بھلا اتنے محسنوں کا دل دکھا کے اس غریب ملک کو اسلامی ریاست بنانا کوئی اسلام دوستی ہے؟

لندن میں اسلامی مرکز کی تعمیر

اسی قبیل کی ایک خبر یہ ہے کہ لندن میں ڈیڑھ کروڑ ڈالر کی لاگت سے ایک اسلامی مرکز کی تعمیر ہو رہی ہے۔ اس میں ایک

مسجد، لائبریری اور امام کا حجرہ بھی ہوگا۔ منارے کی بلندی ۳۵ میٹر اور گنبد کی گولائی ۱۹ میٹر ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے سر پھرے مسلمان لندن میں جمع ہوگئے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے تو فرسودہ زمانے کے مسلمانوں کے متعلق یہ کہا تھا کہ

" دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں "

مگر اس خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے مسلمانوں میں بھی ان فرسودہ مسلمانوں کی روح حلول کر گئی ہے۔ اور اب یہ بھی یورپ میں مساجد اور منارے بنانے لگے ہیں۔

دوسرے کروں میں ذہین مخلوق کی تلاش

انقلاب 29/3/83

امریکی سائنسدانوں نے ۲۵ قطر والی دوربین سے دوسرے کروں میں انسان جیسی ذہین مخلوق کی تلاش شروع کر دی ہے۔

خدا کی پناہ! اس آتشیں مخلوق کی کہاں کہاں نظر ہے۔

ہم تو علم الیقین کی بنا پر اس کے قائل ہیں۔ یہ ہم سے ایک قدم آگے بڑھ کر عین الیقین کا مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے:

" ہر کسے بقدر ہمت اوست "

" اندھے دیکھیں گے اور بہرے سنیں گے "

ٹائمز آف انڈیا 1/5/83

جناب مسیح نے اپنے حواریوں سے بار بار یہ بات کہی تھی۔ اور عیسائی حضرات صرف اعتقاداً یہ بات مانتے چلے آرہے تھے۔ مگر اب ٹائمز آف انڈیا 1/5/83 کی یہ خبر پڑھ لیجئے کہ لندن کے سائنسدانوں نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے اندھے دیکھ سکیں گے اور بہرے سن سکیں گے۔ یہ آلہ غالباً ناک پر لگایا جائے گا۔

انجیل نویس آج زندہ نہیں۔ ورنہ وہ یہ خبر پڑھ کر یقیناً بھڑک اٹھتے اور مسیح کی منادی زور زور سے کرنے لگتے۔

آسام میں ہلاک شدگان کی تعداد

انقلاب 4/5/83

یہ طرفہ تماشا ہے کہ آج کل کمپیوٹر کے ذریعے منٹوں میں لاکھوں اور کروڑوں کا حساب لگا لیتے ہیں لیکن ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آسام کے فساد میں کتنے لوگ مارے گئے۔ حزب مخالف لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں بار بار حکومت سے پوچھتی ہے مگر حکومت کوئی معین تعداد بتانے سے قاصر رہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آسام ہی ایک ایسی ریاست ہے جہاں کمپیوٹر کام نہیں کرتا ہے۔ شاید وہاں کی آب و ہوا حکومت کے کمپیوٹر کے لئے سازگار نہیں ہے۔

ادارہ

★

کیا آپ جانتے ہیں؟

مصنوعی سیارے:

آزاد بھارت آج تک فضا میں سات مصنوعی سیارے چھوڑ چکا ہے، جن کے نام، تاریخ اور وزن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

نام	تاریخ پرواز	وزن
آریہ بھٹ	19 4/75	۳۶۰ کیلوگرام
بھاسکر اول	7 6/79	۴۴۴ کیلوگرام
روہنی اول	18 6/80	۳۵ کیلوگرام
روہنی دوم	21 5/81	۴۰ ” ”
ایپل	19 6/81	۲۸۰ ” ”
بھاسکر دوم	20 11/81	۴۳۶ ” ”
انسیٹ (۱) اے	10 4/82	1185 ” ”
روہنی سوم	سنہ ۱۹۸۳ء	

انسیٹ (۱) اے امریکہ کے خلائی سینٹر سے فضا میں داغا گیا۔ اس پر دو ارب چھبیس کروڑ اٹھاسی لاکھ روپئے خرچ ہوئے۔ اگر اسی خرچ پر قیاس کر کے تمام سیاروں کے مجموعی اخراجات کا اندازہ لگائیں تو کسی طرح پندرہ ارب سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اگر اس سے سیلاب سے تحفظ کا انتظام کیا جاتا تو تحفظ کا پورا انتظام ہو جاتا۔ انسانی جان ضائع ہوتی نہ کھیتی باڑی۔ ملک ایک مستقل مصیبت سے نجات پا جاتا۔

مسٹر ایم کے رینو بابو ڈائریکٹر آف انسٹی ٹیوٹ کا یہ قول ہے کہ فلکیات ایک ایسا علم ہے جہاں انسانی علم دروازے سے جھانک رہا ہے۔ ہم فلکیات کے معاملے میں اغراض، مقاصد اور نتائج متعین نہیں کر سکتے۔ (یوجنا ۳۰ اکتوبر ۸۲ء)

مصنوعی سیاروں کی اقسام مصنوعی سیارے تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ مواصلاتی، موسمی اور دفاعی۔

مواصلاتی سیارے کے ذریعے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا ہے۔ موسمی سیارے کے ذریعے موسم کے حالات بتائے جاتے ہیں۔ دفاعی سیارے کے ذریعے ملک کے دفاع کا کام لیا جاتا ہے۔ یہ فوجوں اور ہتھیاروں کی نقل و حرکت کی اطلاع دیتا ہے۔ سیارہ سازی میں بھارت کا گیارہواں مقام ہے۔

تیل کی تلاش:

تیل کا پہلا کنواں سنہ ۱۹۵۹ء میں کھمبائت میں کھودا گیا۔ دوسرا سنہ ۱۹۶۰ء میں انکلیشور (گجرات) میں، تیسرا کنواں بھی سنہ ۱۹۶۲ء میں سنند (گجرات) ہی میں کھودا گیا۔

سنہ ۵۸ء میں تیل اور قدرتی گیس کمیشن میں صرف ساٹھ آدمی کام کرتے تھے۔ آج ۲۸ ہزار آدمی کام کر رہے ہیں۔

(یوجنا ۱۵ فروری سنہ ۸۳ء)

دوربین:

تامل ناڈو کے مقام کاوالور میں ایشیا کی سب سے بڑی دوربین ۹۰ انچ قطر والی نصب کی جانے والی ہے۔ یہ دنیا کی پندرہویں سب سے بڑی دوربین ہوگی۔ فی الحال ۱۵، ۳۰ اور ۴۰ انچ قطر والی دوربینیں وہاں موجود ہیں۔ دوربین کا خام مال برآمد شدہ ہے۔ مگر اس کے گھسنے اور عدسے (LENS) بنانے کا کام

بنگلور میں کیا گیا۔ عدسے کی تیاری سب سے نازک مسئلہ ہے۔ بال بھر کا فرق بھی فضا کی پیمائش میں ہزاروں میل کا فاصلہ گھٹا یا بڑھا دے گا۔

چکری کا انکشاف :-

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف آسٹروفزکس نے سیارہ یورینس کے گرد چکری کی موجودگی کا پتہ لگایا۔ پہلے یہ صرف سیارہ جوپیٹر کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔

خط کوفی :- عہد نبوی میں قرآن کریم جس رسم خط میں لکھا جاتا تھا اس کو "خط کوفی" کہتے ہیں۔ اس خط میں اعراب اور نقطے نہیں ہوتے۔ اعراب یعنی زیر، زبر، پیش اور تشدید۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد میں بھی قرآن کریم اسی خط کوفی ہی میں مدون کیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان وقت کو جو خطوط لکھے وہ بھی خط کوفی میں ہی تھے۔

خلافت راشدہ کے دور میں قرآن کریم کے ایک لاکھ سے زائد نسخے ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ کتابت قرآن کی طرف مسلمانوں کا والہانہ رجحان تھا۔

حضرت عثمانؓ کے نسخے : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دست مبارک سے قرآن کریم کے آٹھ نسخے لکھے۔

تاشقند والا نسخہ :- ایک نسخہ تاشقند کے میوزیم میں موجود ہے۔ اس نسخہ کی فوٹو آفسیٹ کاپی امریکہ سے شائع ہو چکی ہے۔

ترکی کا نسخہ ؛ قرآن کریم کا وہ نسخہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہادت کے وقت تلاوت فرما رہے تھے اور جس پر آپ کے خون کے قطرے گرے تھے وہ نسخہ ترکی کے شہر استنبول میں خانقاہ سعادت میں موجود ہے۔ ان نسخوں اور آج کل کے مروجہ قرآن کریم میں کوئی فرق نہیں۔ ہو بہو ایک ہے۔

عبد اللہ بن مسعود : حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے قرآن کریم کا ایک نسخہ لکھا تھا۔ اور ایک دوسرے صحابی نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے لئے۔ یہ سارے نسخے خط کوفی ہی تھے، جن میں اعراب یعنی زیر، زبر، پیش اور تشدید نہیں ہوتی اور نقطے بھی نہیں ہوتے۔

حضرت علیؓ : سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عجمیوں یعنی غیر عرب کی سہولت کے لئے الفاظ پر رنگین نقطے لگائے۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے جو ولید بن عبد الملک کے دور میں مشرقی ممالک کا گورنر تھا الفاظ قرآنیہ پر اعراب اور نقطے لگائے، جس سے عجمیوں کے لئے قرآن کریم کا پڑھنا آسان ہو گیا۔

محراب نبوی پر کتابت قرآن : سب سے پہلے ولید بن عبد الملک نے خط کوفی میں ہی مسجد نبوی کے محراب پر قرآن کریم کی آیات لکھوائیں۔ اس کے بعد تو مساجد کی دیواروں پر قرآن کریم لکھنے کا عام رواج ہو گیا۔

خط نسخ و نستعلیق : قرآن کریم کے رسم خط میں نمایاں تبدیلی اس وقت آئی جب خط نسخ اور خط نستعلیق ایجاد ہوا۔

خط نستعلیق :- اردو رسم خط جس خوش خط میں لکھا جاتا ہے اس کو خط نستعلیق کہتے ہیں۔

خط نسخ :- خط نستعلیق کو جب ذرا عربی رسم خط میں لکھتے ہیں تو اس کو خط نسخ بولتے ہیں۔ ان دونوں خطوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ آج کل تاج کمپنی ہند و پاک سے قرآن مجید کے جو نسخے شائع ہوتے ہیں وہ خط نسخ میں ہوتے ہیں۔ جامع مسجد دہلی اور تاج محل پر جو قرآنی آیات لکھی ہیں وہ خط نسخ ہی میں ہیں۔ البتہ قطب مینار پر جو تحریر ہے وہ اصلاح یافتہ خط کوفی میں ہے جس کو خط رقاع بھی کہتے ہیں۔

کتابت قرآن کا شوق : مسلم عوام و خواص سبھی قرآن کریم کی کتابت کرنا بہت بڑا ثواب سمجھتے تھے۔ شہزادے اور

شاہان وقت بھی اپنا وقت کتابت قرآن میں صرف کرتے تھے۔ بادشاہ عالمگیر کو تو اس سے خاص شغف تھا۔ قرآن کریم کے ایسے بہت سے نسخے خدابخش لائبریری پٹنہ، کتب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد اور بہت سی دوسری لائبریریوں کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہیں۔

آرائش و زیبائش قرآن مسلمانوں نے محض قرآن کریم کی کتابت کے شوق میں اچھی روشنائی، قلم اور کاغذ ایجاد کیا نقش و نگار، گلکاری، طلا کاری اور طغریٰ کا فن سیکھا۔ اور اس میں وہ کمال حاصل کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

کاتب ابن مقلہ : نئی نئی رسم خط کے ایجاد کرنے والوں میں ابن مقلہ کا نام سرفہرست آتا ہے۔ یہ ساتویں ہجری کے مشہور کاتب تھے۔

جلد سازی : مسلمانوں نے محض قرآن کریم کی حفاظت کے لئے جلد سازی کا فن سیکھا۔ اور اس کو بام عروج پہ پہنچا دیا۔ قرآن کریم کی مطلّیٰ یعنی وہ جلدیں جن پر سونے کے پانی کا نقش و نگار اور پھول پتیاں ہیں عام طور پر بڑی بڑی لائبریریوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ابھی تک قرآن کریم کی سنہری جلدوں کا رواج ہے۔ "ڈیوڈ جیمس" نے "قرآن بائنڈنگ" کے نام سے بہت سی دیدہ زیب، پرکشش اور خوب صورت جلدوں کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ جو انھوں نے مختلف ممالک سے جمع کیا ہے۔ اس میں ایک جلد کشمیر کی بھی ہے۔

یہ سب باتیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلمانوں کو ہر دور میں قرآن کریم سے بے انتہا شغف رہا ہے۔

> وہ شخص مومن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کھانا کھالے اور پاس ہی اُس کا پڑوسی بھوکا رہے۔
>
> حضرت عباسؓ

میرا کوکن

باغی
بھانکوٹی
(جرمن پرکار)

دامنِ کوہ میں صدیوں ہی سے بستا ہے میرا کوکن
ساحل ساحل باہیں اپنی پھیلاتا ہے میرا کوکن

جس کی ندیاں دودھ کے ساگر جس کے چشمے زمزم و کوثر
سبزہ و برگ و گل سے سب کو بہاتا ہے میرا کوکن

پہلو بہ پہلو ٹیلا ٹیلا گھاٹی گھاٹی وادی وادی
دشت و جبل کے خلدِ نظر پہ اتراتا ہے میرا کوکن

جس کا ہر کنکر ہے گوہر جس کا ہر ذرّہ ہے جوہر
نور سے اپنے ہر اک شئے کو نکھراتا ہے میرا کوکن

جس کی ہوائیں سُر کا سرگم جس کی فضا میں تانِ مجسّم
زمزموں گیتوں کی بارش بھی برساتا ہے میرا کوکن

میرا وطن ہے گلشن گلشن میرا وطن ہے سیج کی دلہن
رنگ و بو کی ہر سو پھواریں بکھراتا ہے میرا کوکن

صبح ہے جس کی صبحِ بنارس شام اودھ ہے جس کی شام
رات کی تاریکی میں اکثر جگ لاتا ہے میرا کوکن

کٹہل و کاجو، آم و سپاری، ناریل اور کیلوں کا گھر
میٹھے میووں سے عالم کو للچاتا ہے میرا کوکن

آریاؤں کا ذکر ہی کیا ہے ترک و عرب سب کو اپنایا
گود میں جو بھی آیا سب کو سہلاتا ہے میرا کوکن

بگڑوں کو ہر بار بنائے بچھڑوں کو سو بار ملائے
روٹھے ہوئے بچوں کو اپنے پھسلاتا ہے میرا کوکن

لاکھ زمانہ گر ٹھکرائے لاکھ اسے نظروں سے گرائے
یہ کیا کم ہے باغی کو تو اپناتا ہے میرا کوکن

کہتا ہوں سچ......

شرف کمالی

"ہندیاں بیگانہ از ناموسِ ہند"

ہمارا ملک جس قدر بڑا ہے اُسی قدر اس کے مسائل بھی زبردست ہیں۔ یہی آبادی کا مسئلہ لیجیے۔ خاندانی منصوبہ بندی پر کروڑوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ سیمینار، پوسٹرس، جلسے، جلوس غرض کہ ہر ممکنہ کوشش جاری ہے کہ آبادی بڑھنے نہ پائے۔ لیکن یہ مہم اگر تیز ہے تو آبادی میں اضافہ کی رفتار تیز تر ہے۔ کچھ ہندوستان دشمن شاید ان حضرات میں جو یہ کہتے ہیں کہ ہندوستانی کچھ نہیں کر سکتے۔ پھر آبادی میں بے تحاشا اضافہ کرنے کون آیا ہے؟ اس کا سہرا ہمارے ہی تو سر ہے۔ یہ ہمارا ہی کارنامۂ عظیم ہے۔ آبادی روکنے کی کوشش یقیناً ہوئی، آج بھی جاری ہے۔ اس کے باوجود بھی ہمارا کام بفضل اللہ جاری ہے۔ اب کوئی ہمیں مبارکباد نہ کہہ سکے تو یہ اس کا ظرف ہے!

ذرا ہندوستان میں آکر دیکھیے آٹو رکشاؤں کے پیچھے یہی نعرہ ہے "ہم دو ہمارے دو"۔ ایک دیہاتی سے ہم نے اس نعرے کی وضاحت چاہی تو اس ان پڑھ نے بڑا عجیب جواب دیا۔ جسے سن کر ہماری باچھیں کھِلی کی کھِلی رہ گئیں۔ اس نے کہا کہ ہم جو دو میاں بیوی ہیں نا ہمارے دو محبوب نیتا ہیں ایک "اندرا جی" اور دوسرے "راجیو گاندھی"۔ اس بامعنی نعرے کے متعلق ہمارا لیڈر تا مقدوم ہم سے ایک دن دریافت کرنے لگا تو ہم لاجواب سے ہو کر رہ گئے۔ اور سر دست کہہ دیا "میاں یہ تشریح ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔" وہ کب چپ رہنے والا تھا۔ کہنے لگا:

"پھر کس سے پوچھا جائے؟"

ہم نے کہا "میاں اب بس ہو چکا۔ ہمارا پنڈ چھوڑو۔ جاؤ۔"

"یعنی پپّا سے!"

"ہاں ہاں پپّا یا ڈیڈی سے۔"

ہمارا منّا ہے تو ہندوستانی لیکن پتا جی کی بجائے پپّا یا ڈیڈی اور ماتوشری یا امّی جان کے بدلے ممّی کہتا ہے۔ آزادی کی چھتیسویں سال گزر جانے کے بعد ہماری تہذیب کا یہ حال ہے ڈیڈی ممّی خوش ہیں۔ کیونکہ انگریزی کا استعمال ان کے نزدیک مہذب ہونے کی دلیل ہے۔ "ہندوستان ریکولر اسٹیٹ ہے"۔ سنتے سنتے کان پک گئے۔ ہمارے مسلم رہنما بے چارے شبانہ روز اس جملے کا ورد ہی کرتے ہیں۔ بھلے اس سیکولر اسٹیٹ میں مسلمانوں پر، ان کے مذہب پر، ان کی تہذیب پر ہر ہر قدم پر حملے کیسے جا رہے ہوں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

ہم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ آبادی کا جس قدر تدارک کیا جا رہا ہے اُسی قدر یہ گھٹنے کی بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بارے میں ہماری رائے کچھ ہمارے نیتاؤں سے مختلف ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ سو فیصدی درست ہے کہ آبادی گھٹانا بڑھانا خالق کائنات کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ خدا کی باتیں خدا ہی

جانے۔ ایک کُتیا بارہ پلّے جنتی ہے۔ بکری زیادہ سے زیادہ دو یا تین بکراندوں کو جنم دے سکتی ہے۔ اور بھینس اور گائے تو ایک ہی بچھڑا جن دیتی ہے۔ ہم روزانہ لاکھوں کی تعداد میں بکریاں اور دیگر جانور اللّٰہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور یوں ہمارے غذا کا مسئلہ کچھ حد تک حل ہو جاتا ہے۔ ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی کوئی بھی ہندوستانی کُتّے کاٹ کر ان کا گوشت نہیں کھاتا۔ ایسا کرنے کو کسی کو پاگل کُتّے نے نہیں کاٹا ہے۔ اس صورتِ حال کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بکریوں اور دیگر جانوروں کی تعداد کتّوں سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کُتّے کئی گنا کم ہیں۔ آخر ان بارہ پلّوں کا کیا ہوا؟ یہی حال انسانی آبادی کا ہے۔ اس پر جب سے روک لگ گئی ہے یہ بے تحاشا بڑھ رہی ہے۔ اب جہاں کوئی چیز حد سے زیادہ ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کوالٹی گھٹ جاتی ہے۔ عوام کی کوالٹی کی بات چھوڑیئے بڑے بڑے نیتاؤں کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔ کوالٹی ہے کہاں؟ ایک آدھ شخصیت اگر موزوں نظر آئے تو زہے نصیب!

لیجئے ایک اسی قسم کے مَاب لیڈر (MOB-LEADER) ہیں۔ ان کے دماغ کے دریچے جب بند ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے پیروں کو "بمبئی بند" کا آدیش دیتے ہیں اور پھر شیواجی پارک میں اپنی جمعیت کو تلقین فرماتے ہیں کہ بند کے روز پتھراؤ، لوٹ مار، آتش زنی، ہلّڑ بازی اور سرکاری عملے سے بلا روک ٹوک مقابلہ، قانون شکنی ہر چیز جائز بلکہ پُنیہ ہے۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ ایک بند کی وجہ سے کتنے کروڑ کا خسارہ ہے۔ ملک کی ترقی کی رفتار میں کتنی رکاوٹ ہے۔ سرو دھرم سما بھاؤ کے فلسفے کی کس قدر مٹّی پلید ہوتی ہے۔ یہ نہیں سوچا جاتا کہ روز کما کر کھانے والے مزدور کے گھر میں بال بچوں کے روٹی کا مسئلہ کس طرح حل ہوگا؟ مزدور بے چارہ بند سے تنگ آکر شام کو دارو پی غم غلط کر کے جھومتے جھامتے گھر پہونچتا ہے تو بیوی کو مار پیٹ کر سُلانے کا انتظام کرتا ہے۔ بچے باپ کی آنکھوں میں اُترا ہوا خون دیکھ کر سہم کر سو جاتے ہیں۔ کیا اسی کو سیکولر اسٹیٹ کہئے گا؟۔

اسی قسم کے لیڈر اِس سیکولر اسٹیٹ میں جب مسلمانوں کے خلاف کہنے پر اُتر آتے ہیں تو ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ کبھی کوئی زر خرید مسلمان پکڑ لیتے ہیں یا پھر خود ہی یہ فرض ادا کرتے ہیں۔ آوازیں اُٹھتی ہیں مسلمانوں کو اس ملک سے باہر نکال پھینکنا ضروری ہے۔ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی ضروری ہے۔ اور اسی قسم کی باتیں زیادہ دلیری سے کہی جاتی ہیں۔ فسادات کروائے جاتے ہیں۔ پھر سمجھدار لیڈروں کی باری آتی ہے۔ وہ اسلام کی تعریف ایک آدھ جلسے میں کر دیتے ہیں۔ فساد ہوا تو انکوائری کمیشن مقرر ہوتا ہے — اور ان مہربانیوں کے شربت پی کر مسلمان بے چارے خوش ہوا — خیر ہمارے دیس نکالے کی بات پر ہم حضرت جگرؔ کا شعر ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگِ محفل
کسے دیکھ کر آپ شرمائیے گا

مطلب ہے کہ ہماری روایات کے مقابل اپنی جہالت پر شرمانا پھر آپ کو کہاں نصیب ہوگا۔ یعنی آج تبلیغی اجتماعات کے متوازن ہندو ایکا تمتا آندولن کا پروگرام بنتا ہے۔ یا جج کے نمونے پر دشو ہندو پریشد کا خیال آتا ہے۔ جب ہم نہیں ہوں گے تو یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ — یاد رہے کہ ہندوستان کی سرزمین ہندو مسلم اتحاد کی علم بردار رہی ہے۔

ایک مسلم شاعر کی زبانی اس عظمت کو سنیے اور سر دُھنیے:

چشتی نے جس زمیں پہ پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

دانشمند فرقہ واریت کبھی پسند نہیں کرتے۔ مختلف ذاتیں، مختلف نسلیں، مختلف تہذیب اور مختلف مذاہب کے باوجود اتفاق و اتحاد کی شیرازہ بندی میں منسلک رہنے کا نام انسانیت ہے۔ مذہب کوئی بھی ہو انسانیت ہی کا درس دیتا ہے۔ اور اسلام کا تو کہنا ہی کیا۔ اس کا نظریہ کہ اللہ رب العالمین ۔ رسول رحمۃ للعالمین اور ہدایت کی کتاب ذکر للعالمین۔ وہ قرآن جس کا پہلا سبق ہی درس انسانیت دیتا ہے۔ بقول حالی

یہ پہلا سبق ہے کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

اسلام کے پاس قرآن ایک مکمل دستورِ حیات، ضابطۂ اخلاق ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کا اخلاق سنوارتا ہے۔ لیکن اس ہدایت کا اثر ہونے کے لئے متقی یعنی پرہیزگار ہونا شرط ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں اچھے اخلاق اور اوصاف انسانی گروہوں میں نظر آئیں گے وہ یقیناً اسلام کی دین ہیں۔ اب ہماری سیکولر اسٹیٹ کے مذکورہ ہلکی کوالٹی کے کچھ ماب لیڈرز (MOB LEADERS) اسلامی نظامِ حیات کو مٹانے کے درپے ہیں تو اس سے مسلمانوں یا اسلام کا کچھ نہیں بگڑتا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ اس قسم کے غلط اذہان ہر دور میں ہوئے لیکن وہ پنپ نہیں سکے۔ اپنی موت آپ ہی مر گئے۔ یہ ماحول جو ہمارے اردگرد ہے اس میں مختلف امراض کے جراثیم ہیں اور وہ انسان پر ہمہ وقت کے ساتھ حملہ آور ہوتے ہیں۔ لیکن قدرت نے انسانی خون میں سفید خلیے (WHITE CELLS) عطا فرمائے ہیں۔ امراض کے مذکورہ جراثیم جب جسم انسانی میں داخل ہوتے ہیں تو یہ (WHITE CELLS) سفید خلیے ان کو مار کر ان کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ اور مرض ہو ہی نہیں پایا۔ ان سفید خلیوں کی عدم موجودگی میں انسان لکیمیا یا بلڈ کینسر کا شکار ہو کر جان کھو دیتا ہے۔ جیسے جیسے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ

ع "مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا"

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو تقویٰ کے سفید خلیے عطا فرمائے ہیں۔ اسی لئے بیرونی حملہ آور اس پر حملہ کر کے اپنی موت آپ ہی مر جاتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے مذکورہ ہلکی کوالٹی کے لیڈروں کے بے سروپا بیانات پر آتش پا ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور اسلامی روایات پر حملہ کرنے والوں سے ببانگِ دہل کہہ دیں کہ

ع ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

ہمارے اس ملک کی تہذیب کی روایات نہایت شاندار ہیں۔ اس ملک میں ہندو اور مسلمان ہمیشہ متحد ہو کر بلکہ ایک جان دو قالب بن کر رہے ہیں۔ اسی سرزمین پر ہمایوں اپنی ہندو بہن کی راکھی قبول کرنے کے بعد اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر بہن سے لڑنے والے دشمن کے مقابلے کو پہونچا ہے۔ اسی سرزمین پر چھترپتی شیواجی مہاراج نے حضرت یعقوب شاہ "سردری" کو اپنا پیرو مرشد (گرو) تسلیم کیا ہے۔ بلکہ چھترپتی اور ان کے آباؤ اجداد مسلم دوست رہے۔ شیواجی کے پتا شاہ جی اور چچا شریف جی تھے۔ یہ دونوں نام شاہ شریف کے نام سے

ماخوذ ہیں۔ خود چھترپتی کے چھ باڈی گارڈز مسلمان تھے۔ پوری بحری فوج مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ یہاں خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عقیدت مندوں میں ہزاروں غیر مسلم آج بھی ہیں۔ جن میں ہمارے بیشتر سربراہانِ مملکت بھی شامل ہیں۔ دوسری طرف ناریل کو ہندو شری پھل کہتے ہیں یہاں کے مسلمان فاتحہ کی شیرینی میں یہی شری پھل استعمال کرتے ہیں۔ دراصل ہندوستانی تہذیب کی عظمت اسی گنگا جمنی تہذیب میں مضمر ہے۔ لہٰذا ہندو کو ہندو بن کر اور مسلمان کو دائرۂ اسلام میں رہ کر ھ+م = ہم کہہ کر فخر سے ہندوستان کو دنیا میں سربلندی عطا کرنا ضروری ہے۔

بُرا سوچنے والا، بُرا کہنے والا اور بُرا سننے والا تینوں بُرائی کے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بُرائی کا تدارک آبادی کے اضافے کے تدارک سے زیادہ اہم سمجھ کر کیا جائے۔

ہندو تہذیب کو بُرا کہنے والا مسلمان صرف ہندوؤں کے لئے بُرا نہیں بلکہ اپنی قوم کے لئے بھی بُرا ثابت ہوگا۔ اسی طرح سے ذرا بنظرِ غائر مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کے مسائل کو لے کر بات کا بتنگڑ بنانے والے بزعم خود پیرانِ وطن جب شر پھیلانے پر آمادہ ہوتے ہیں تو شیرازۂ وطن کو بکھیر کر رکھ دیتے ہیں۔ اس لئے جب وہ مسلم قوم کے خلاف کوئی غلط بات کہہ دیں تو دانشمند ہندوؤں کو خوشی نہیں منانی چاہئے کیونکہ اس کے بعد کل کوئی اوچھا وار وہ اپنی قوم پر بھی کرنے والے ہیں۔ مثلاً میرے پڑوس میں لاٹ سے ہندو پڑوسی کا گھر بقعۂ نور بنا ہے اور پوجا پاٹ شروع ہے تو میں اپنے گھر میں آئے ہوئے مہمانوں سے کہوں گا کہ "وہاں شری ستیہ نارائن کی مہا پوجا ہے۔" لیکن ایک روز ایک سرپھرا ہندو دوست مجھ سے کہہ رہا تھا "وہاں ناریا کی پوجا ہے"۔ مجھے اس کی بدتمیزی پر بڑا غصہ آیا کہ بدتمیز اپنے دیوتا کا نام بھی ڈھنگ سے نہیں لینا جانتا۔ معلوم ہوا کہ پہلے سال انھوں نے کہا کہ "شری کہنے کی کیا ضرورت ہے صرف ستیہ نارائن کی پوجا کہنا کافی ہے" کسی نے اس پر ان کا تھوڑا نہیں پھوڑا تو ہمت بڑھ گئی اور دوسرے سال وہ بولے پوجا کہنا کافی ہے۔ لہٰذا ہر سال ایک ایک صفت کم کر کے وہ شری ستیہ نارائن کی مہا پوجا کو "ناریا کی پوجا" تک لے آئے تھے۔ مگر ایک مسلمان ہونے کے باوجود بھی مجھے یہ چیز بُری لگی۔ اسی طرح کوئی شریف ماہرِ تعلیم ہجرت کو پلائن نہیں لکھ سکتا۔ وہ جب بھی کہے گا تو کسی مذہب کے پیغمبر یا مقدس شخصیت کا ذکر عزت و احترام سے کرے گا۔ لیکن تاریخ کی کتابوں کے دل آزار ابواب پڑھ کر لکھنے والوں کی عقل کا ماتم کرنا پڑتا ہے کہ

ع شمعِ جاں افسردہ در فانوسِ ہند
ہندیاں بیگانہ از ناموسِ ہند

قسط ۷

از: پروفیسر شفیع شیخ

آؤ عربی سیکھیں

اگر واحد لفظوں کے اعراب کا چارٹ بنایا جائے تو ان مثالوں کے اعراب اس طرح لکھے جائیں گے۔

نمبر شمار	مثال	پہلے حرف کا اعراب	دوسرے حرف کا اعراب	تیسرے حرف کا اعراب	مجموعی ترکیب
۱	وَلَدٌ	َ	َ	ٌ	َ َ ٌ
۲	وَقْتٌ	َ	ْ	ٌ	َ ْ ٌ
۳	حُكْمٌ	ُ	ْ	ٌ	ُ ْ ٌ
۴	حِمْلٌ	ِ	ْ	ٌ	ِ ْ ٌ
۵	فَخِذٌ	َ	ِ	ٌ	َ ِ ٌ

اس چارٹ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان مثالوں کے پہلے اور دوسرے حرف کے اعراب میں کوئی یکسانیت نہیں ہے۔ صرف تیسرے حرف کا اعراب مشترک ہے۔ اور یہ اس اصول کے تحت ہے کہ اسم عام کے آخری حرف پر تنوین لگائی جاتی ہے۔

اعادہ: یہ بات رکھئے کہ عربی میں ایک ہی جمع کے وزن پر آنے والے واحد لفظوں کے اعراب یکساں نہیں ہوتے۔ البتہ ایک ہی جمع کے وزن پر آنے والے جمع لفظ یکساں اعراب کے ساتھ لکھے جاتے ہیں جیسا کہ آپ نے افعال کی مثالوں میں دیکھا۔

ذیل میں چند نئے الفاظ دیئے جا رہے ہیں انھیں غور سے پڑھیں اور یاد کرلیں:

ذخیرہ الفاظ: مَطَرٌ: بارش ــ ثَوبٌ: لباس ــ عَوْنٌ: مددگار ــ سَیْفٌ: تلوار ــ قَوْلٌ: قول ــ قُفْلٌ: تالا ــ نُورٌ: روشنی ــ عَضُدٌ: بازو ــ عِیْدٌ: تہوار ــ عُنُقٌ: گردن

مشق ۶

ذخیرۂ الفاظ کے تحت جو لفظ دیئے گئے ہیں ان کی جمع افعال کے وزن پر لائی جاتی ہے۔ آپ ان تمام واحد الفاظ کو جمع میں تبدیل کر کے اعراب لگائیں اور معنی بھی لکھیں۔

کلید مشق ۶

مَطَرٌ + اَمْطَارٌ = بارش
ثَوْبٌ + اَثْوَابٌ = ملبوسات
عَوْنٌ + اَعْوَانٌ = بہت سے مددگار
سَیْفٌ + اَسْیَافٌ = تلواریں
قَوْلٌ + اَقْوَالٌ = اقوال
قُفْلٌ + اَقْفَالٌ = تالے
نُوْرٌ + اَنْوَارٌ = روشنیاں
عَضُدٌ + اَعْضَادٌ = بہت سے بازو
عِیْدٌ + اَعْیَادٌ = بہت سے تہوار
عُنُقٌ + اَعْنَاقٌ = گردنیں

غزلیں

مُغل اقبال اختر

خورشید ڈھونڈتے ہیں قمر ڈھونڈتے ہیں ہم
پھر تابناک شام و سحر ڈھونڈتے ہیں ہم

بن جائے جو دلیل ہماری حیات کی
جینے کا ایسا کوئی ہنر ڈھونڈتے ہیں ہم

جو پربتوں کو کاٹ کے ندیاں بہا سکے
وہ تیشۂ عمل میں اثر ڈھونڈتے ہیں ہم

ہم کو تیرے جہاں کے فرشتوں سے کام کیا
یارب تیرے جہاں میں بشر ڈھونڈتے ہیں ہم

اختر کہاں سے نخلِ تمنا ہو بار ور!
قسمت میں جو نہیں وہ ثمر ڈھونڈتے ہیں ہم

منظر باغمانڈلائی

جو چشمِ ناز کا گھائل نہیں ہے
وہ بزمِ یار کے قابل نہیں ہے

ڈبو دے ہاں ڈبو دے موجِ طوفاں
مجھے اب خواہشِ منزل نہیں ہے

زمانہ ہے مخالف اور تو بھی
نگاہِ لطف پہ مائل نہیں ہے

ہیں دھبے خون کے دامن پہ تیرے
کہے گا کون تو قاتل نہیں ہے

تم اپنی مشکلوں کا حل تلاشو
میری مشکل کوئی مشکل نہیں ہے

تو اپنا لے یا ٹھکرا دے یہ کہہ کر
تو میری بزم کے قابل نہیں ہے

جو کہلاتا ہے کامل خود کو منظر
حقیقت یہ ہے وہ کامل نہیں ہے

مارچ ۱۹۸۲ء

رفیق وستا

نظر کیوں جانبِ منزل نہیں ہے
سفر جب دھوپ کا مشکل نہیں ہے

نہایت اونچا ہوں اپنا آپ سے میں
مرا سایہ مرے قابل نہیں ہے

سمندر خشک ہو جائے گا اک دن
ہمارے شہر میں ساحل نہیں ہے

یہاں تنہا مری تنہائیاں ہیں
یہ محفل آپ کی محفل نہیں ہے

کسی کی یاد دکھ ہے زندگی بھی
سکونِ زندگی حاصل نہیں ہے

وہ پتھر ہیں، خدا ہیں، دیوتا ہیں
اگر سینے میں ان کے دل نہیں ہے

عجب الجھن ہے یہ وستا ہماری
کوئی آساں سی مشکل نہیں ہے

★

ایک سوال؟

عبدالمجید ایم اے بی ایڈ
پونا

بوڑھا صبح ۴ بجے سے کھانس رہا تھا۔ کھانس کھانس کر وہ سونے والوں کو جگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا ایک بارہ تیرہ سال کا بچہ پاس ہی گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کی بیوی جو دن بھر سخت محنت اور کام کرتی رہی تھی تھک کر سو گئی تھی۔ لیکن بوڑھے کریم خان کو نیند بہت کم آتی تھی۔ ایک تو کھانسی، دوسرے اسے دنیا بھر کی تمام پریشانیاں اس کی نیند کو اڑا دیتی تھیں۔ اسے اخبار پڑھنے کی بڑی لت تھی۔ اس کی زندگی کا کوئی دن ایسا نہیں گذرا جس دن اس نے اخبار نہ دیکھا ہو۔ وہ صبح ۵ بجے سے اخبار کا بے چینی سے انتظار کرتا رہتا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے اس کی آنکھیں بہت کمزور ہو گئی تھیں اور اسے دکھائی نہیں دینے لگا تھا۔ چنانچہ اب وہ خود سے اخبار پڑھنے سے معذور تھا۔ صبح ناشتہ کے بعد وہ اپنے بارہ تیرہ سالہ بچے کو اخبار پڑھ کر سنانے کی فرمائش کرتا۔ بچہ جو آٹھویں نویں جماعت میں پڑھتا تھا کہیں کہیں اخبار پڑھتے پڑھتے اٹک بھی جاتا تھا۔ کریم خان نے پچھلے تین چار روز سے اخبار نہیں سنا تھا چنانچہ وہ بہت بے چین تھے اور چاہتے تھے کہ پچھلے تمام اخبارات جو نہیں پڑھے گئے ہیں پڑھوالیں۔ اس نے اپنے بچے کو آواز دی اور کہا بیٹا پچھلے اخبارات تو سناؤ، دنیا کی کیا خبر ہے۔

بچہ پہلے تو صرف سرخی سناتا۔ اگر سرخی توجہ کے قابل ہوتی تو بوڑھا بچہ کو پوری خبر پڑھنے کے لئے کہتا ورنہ صرف سرخی سن کر کہتا آگے پڑھو۔ آج بھی حسب معمول بچے نے اخبار کھولا اور پڑھنے لگا: "۷۲ لاکھ کی چرس ضبط ۔ دو افراد حراست میں"۔ "ہوں"! بوڑھے نے کہا: آگے پڑھو۔ بچہ نے اخبار کی دوسری سرخی پڑھی "لاہور میں بم کا دھماکہ"۔ "ہوں"۔ بوڑھے کے ہوں کا مطلب تھا آگے پڑھو۔ اب بوڑھا جب تک ہوں نہیں کہتا بچہ برابر سرخیاں سناتا جاتا۔ تیسری سرخی بچہ نے سنائی: "حیدرآباد میں فساد، چھ ہلاک کئی زخمی۔ کئی دکانیں نذر آتش۔ قتل کے الزام میں پانچ افراد کو عمر قید۔ اہل خانہ کو بے ہوش کر کے ریلوے کے ریٹائرڈ افسر کا گھر لوٹ لیا۔ ایک شخص ٹیکسی ڈرائیور سے ٹیکسی چھین کر فرار ہو گیا"۔ بچہ بدستور سرخیاں سناتا جا رہا تھا۔ بوڑھے کے چہرے پر فکر اور غم کے گہرے بادل چھا گئے اور وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ روزانہ اخبار میں کیا اسی قسم کی خبریں ہوتی ہیں۔ ایک دن بھی ایک آدھ اچھی خبر سننے کو نہیں ملتی۔ یہ دنیا کو کیا ہو گیا ہے۔

بوڑھے کو سوچ میں دیکھ کر بچہ نے اخبار کا صفحہ پلٹا اور مزید سرخیاں پڑھنے لگا۔ "دو ساتھیوں کی مدد سے بیوی کو چھری مار کر زخمی کر دیا"۔ "۷۱ سالہ لڑکی کا اغوا، عصمت دری اور سفاکانہ قتل ۔ سربازار دن دہاڑے قتل"، "ایک لاٹھی میں بھیجہ پاش پاش ۔ پرائی عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنے کا بھیانک انجام"۔ بوڑھا کھانسنے لگا۔ اس کے ماتھے کی لکیریں اور گہری ہو گئیں، بچہ نے اخبار سمیٹ کر رکھ دیا اور پھر دوسرا اخبار اٹھایا اور پڑھنے لگا: "۴۲ سالہ دلہن کو جلا دینے کا

ایک اور واقعہ ۔ سیمنٹ کی چوری میں ایک عورت گرفتار ۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے بچوں کا قتل ۔

بوڑھے سے اب برداشت نہیں ہو سکا۔ اس نے بچے سے کہا: بیٹا! کیا روز یہی خبریں ہوتی ہیں؟ بیٹے کم از کم دل کو خوش کرنے کے لئے تو ایک آدھ اچھی خبر سنا دو۔ بچے نے کہا ابا جان اخبار میں جو کچھ چھپا ہے میں وہی تو پڑھ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر بچے نے آگے کی سرخی پڑھی: بازار سے مٹی کا تیل غائب، شکر کے بھاؤ میں اضافہ۔ کرپشن میں ایک آفیسر گرفتار۔ اناج میں ملاوٹ۔ ذخیرہ اندوزی۔ بیروزگاری، شراب، سیکس رشوت۔ انسان کی جان ارزاں اناج مہنگا، ہر طرف ظلم و بربریت اور انارکی، انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔

اس کی آنکھیں گہرے دکھ اور غم سے ڈبڈبا گئیں۔ اور وہ بڑبڑانے لگا۔ اب یہ زمین انسانوں کے اپنے قابل نہیں رہی۔ خدا کو اب اور کس چیز کا انتظار ہے — وہ دور کہیں خلاؤں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ جیسے وہ سوال کر رہا ہو۔ وہ مسلمان جنہیں خیرالامت کہا جاتا ہے۔ جسے اللہ نے دنیا سے برائی کو مٹانے کے لئے ہی پیدا کیا تھا۔ جو ہمیشہ اور ہر وقت برائی کو روکتے تھے اور بھلائی کا حکم دیتے تھے کہاں گئے؟ کہاں گئے وہ لوگ؟ وہ لوگ کہاں ہیں؟؟

رقم بھیجنے والے

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام و پتہ مع پن کوڈ لکھنا نہ بھولیں عموماً لوگ کوپن پر اپنا نام نہیں لکھتے۔ ڈاکیہ رقم ادا کر کے چلا جاتا ہے۔ اور پھر یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ مرسلہ رقم کس کی جانب سے ملی ہے — منی آرڈر کوپن پر نام و پتہ بخوبی ہو تو تعمیل ارشاد میں تاخیر نہیں ہوگی۔

(ادارہ)

اظہارِ خیال

عزیزہ حسن دلوی
ہینڈن ۔ لندن

بعض والدین رشتہ طے کرتے وقت صرف سرمایہ دیکھتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ لڑکی اور لڑکے کی عمر کیا ہے، اور اپنی جوان بیٹی کی شادی بڑی عمر کے مرد سے کردیتے ہیں۔ اور شادی کے بعد وہ بیٹی کے شاندار مستقبل کی آس بھی لگا لیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ انسان کی آرزوؤں، تمناؤں میں وہ دم خم نہیں ہوتا نہ ہی انسان کا دل اس طرح جوان رہتا ہے جس طرح جوانی میں تھا۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ مقام ہوتا ہے۔ بغیر وقت کے آئین کے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ مثال کے طور پر جس طرح خوشی کے موقع پر رونا اور غمی کے موقع پر ہنسنا۔ اسی طرح جوان اور بوڑھے کا رشتہ بھی کچھ عجیب لگتا ہے۔ بڑھاپے میں انسان ہر کام جوش میں لینے کے بجائے ہوش و حواس میں لیتا ہے۔ وہ کام کرتا ہے جس کام کے کرنے کو اسے عقل اجازت دے۔ جہاں تک میرا خیال ہے ماں باپ کو عمروں کے اختلاف کو ضرور مد نظر رکھنا چاہئے۔ ہم عمر جوڑے عائلی زندگی میں جس طرح خوش و خرم رہ سکتے ہیں۔ عمر میں امتیاز رکھنے والے جوڑے اس قدر ہنسی خوشی زندگی نہیں گزار سکتے۔

شادی سے پہلے لڑکی اور لڑکے کی رضامندی اور ان کو آپس میں متعارف اور واقفیت حاصل کرنے کا موقع بھی دیا جائے۔ بعض والدین مذہب کی رو سے اور معاشرے کے ماحول سے اس تجویز کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ تجویز بری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جب ہم بازار میں کوئی چیز خریدنے جاتے ہیں تو بار بار یہ بھی دیکھتے ہیں کہ چیز اچھی بھی ہو سستی بھی ہو۔ یعنی روزمرہ کی چیزیں خریدتے وقت ہم اتنا کچھ سوچتے ہیں۔ اور جب شادی کی بات ہوئی تو آنکھیں بند کر کے فیصلہ کر دیتے ہیں۔ میں تو کہوں گی کہ شادی کو اس سے بھی زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے یہ تو عمر بھر کا بندھن ہوتا ہے۔ لڑکی اور لڑکے کو ساری زندگی ساتھ گزارنی ہوتی ہے۔ اس لئے لڑکی لڑکے کو مل کر بیٹھنے کا موقع دیا جائے تاکہ ایک دوسرے کو اچھی طرح پرکھ لیں۔ ایک دوسرے کے مزاج سے آشنا ہوں۔

آج کل کے حالات و تقاضے بالکل بدل چکے ہیں تعلیم نے ہر ایک کو حقوق و فرائض سے آگاہی دی ہے۔ تعلیم سے روشن خیالی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اب تعلیم یافتہ اپنے ان پڑھ بزرگوں کی پرانی رسوم و روایات سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ ان ہی پرانی رسوم میں بچپن کی شادی بھی شامل ہے۔ بزرگ تو بچپن میں رشتے کر دیتے تھے۔ منگنیاں ہو جاتی تھیں۔ مگر اولاد جب شعور کو پہنچتی ہے تو وہ اپنی پسند کا

صفحۂ خواتین کی پیش کش محترمہ نور جہاں بیگم محمود چوگلے کی رہین منت ہے۔ خدا انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

انتخاب کرلیتی ہے۔ جب نئی نسل اپنی مرضی کا کوئی فیصلہ کرلیتی ہے تو بزرگ انھیں خودسر، پرانی روایات سے باغی اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازتے ہیں۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی لڑکی یا لڑکے کو وہی رشتہ منظور ہو جو بچپن میں ان کے ماں باپ نے طے کیا تھا بعض اوقات اس فیصلہ سے اختلاف کیا جاتا ہے۔ اور اپنی پسند کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسی طرح کئی خطرناک واقعات رونما ہوتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ بچپن کی منگنی اچھی نہیں ہے۔ بلکہ لڑکے اور لڑکی کے جوان ہونے کا انتظار کریں اور دوسروں سے تعلقات کی خاطر شادی خاندان سے باہر کی جائے تو بہتر ہے۔ خاندان میں شادی کرنے سے روابط محدود ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اور انسان اپنے آپ میں کھو کر رہ جاتا ہے۔

ہمارے معاشرے ایک اور مسئلہ جہیز کا ہے یہ رسم بھی ختم ہونی چاہیئے۔ جہیز اسلامی اصولوں کے مطابق دیا جائے یا پھر اتنا کہ لڑکی کے ماں باپ کو دینے میں آسانی ہو یہ نہ ہو کہ بنک سے قرض لے کر جہیز دیا جائے یا گھر اور زمین گروی رکھ کر۔

عورت مفکرین کی نظر میں

از: خدیجہ شیخ حسن مجگاؤنکر

۱) عورت کی گود انسان کا پہلا مکتب ہے۔ (والٹیر)

۲) عورت کو خدا نے صرف محبت کیلئے پیدا کیا ہے۔ (رومیو)

۳) نیک عورت اندھیری رات میں روشن ستارہ ہے۔ (نامعلوم)

۴) رونے کے آرٹ کو اگر دنیا میں کسی نے بہترین صورت میں پیش کیا ہے تو وہ عورت ہے۔ (کرشن چندر)

۵) عورت کا دل سمندر کی سطح کی مانند خاموش ہے مگر گہرائیوں میں طوفانی انگڑائیاں لئے ہوئے۔ (ارسطو)

۶) عورت کبھی محبت نہیں کرتی۔ مگر جب کرتی ہے تو سب کچھ فنا کردیتی ہے۔ (مسبقو)

۷) عورت زندگی کی بہترین ساتھی اور دکھ درد میں مرد کی بہترین معاون ہے۔ (گوئٹے)

۸) انسان کے لئے ایمان کے بعد سب سے بڑی دولت عورت ہے۔ (حضرت)

۹) عورت خوشبو، نغمہ، رقص اور روشنی کا مجموعہ ہے (شیکسپئر)

۱۰) عورت انسان کے لئے بہترین آسمانی تحفہ ہے (ملٹن)

۱۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت قدرتاً حیادار ہوتی ہے۔ (پریم چندر)

۱۲) اللہ نے عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا کہ وہ مرد پر حکومت کرے نہ اس کے پیروں سے پیدا کیا کہ وہ اس کی غلامی کرے بلکہ اس کی پسلیوں سے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کے دل کے قریب رہ کر زندگی کے ہر میدان میں اس کی مدد و معاون بنے۔ (عربی قول)

۱۳) عورت ہر چیز کو خوب صورت، ہر کام کو دلچسپ اور ہر جگہ کو گلزار بنا دیتی ہے۔ (اسمتھ)

۱۴) جس طرح کانٹوں سے بھری شاخ کو پھول خوب صورت بنا دیتا ہے اسی طرح نیک شعار عورت گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔ (اسمتھ)

۱۵) جس گھر میں عورت نہیں وہاں سعادت کے فرشتے قدم نہیں رکھتے۔ (سکندر)

چھوٹی چھوٹی خوشیاں

گھروں کو خوشیوں سے بھرنے کے لئے چھوٹی چھوٹی خوشیاں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے تہوار، چھوٹی چھوٹی تقاریب، شادی کی سالگرہ، بچے کی کامیابی

کیپارٹی، مختلف تہواروں پر ملن پارٹیاں۔ غرض آپ ہر اچھی خبر، خوشگوار واقعے یا خصوصی دن کو یادگار تقریب کے طور پر منا سکتے ہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسی تقاریب پر زیادہ خرچ نہ کیا جائے۔ چائے کے ایک کپ کے ساتھ گھر کی بنی ہوئی کوئی چیز اور بس۔

ایسی تقاریب کو پُرلطف بنانے کے لئے چند مشورے حاضر ہیں:۔

گھریلو تقریبات کو صرف ایسے لوگوں تک محدود رکھنا چاہئے جن سے آپ کی بے تکلفی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو مدعو کر کے آپ کو زیادہ تکلف یا اخراجات کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور محض ان کی آمد سے گھر میں چہل پہل ہو جائے گی۔ البتہ مہمانوں کا انتخاب اس طرح کیجئے کہ ہر بار دو ایک مہمان نئے ہوں۔ اس طرح آپ کے حلقۂ اثر میں بھی اضافہ ہوگا اور نئے مہمان کی موجودگی سے (بشرطیکہ اس کا انتخاب کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ وہ مردم بیزار یا بور نہ ہوں) تقریب کی دلچسپی میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

بچوں کی تقاریب گھروں میں زیادہ رونق پیدا کر سکتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے بھی زیادہ خرچ کرنا ضروری نہیں۔ اصل مقصد بچوں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ ایسے موقع پر آپ اپنے بچوں اور ان کے دوستوں کو گھر میں جمع کریں تو کچھ دیر ان کے ساتھ ضرور کھیلیں یا انہیں اپنے کھلائیں۔ اور کچھ دیر انہیں آپ کی غیر موجودگی میں بھی کھل کر ہنسنے اور خوشیاں منانے کا موقع ملنا چاہئے۔

کہیں آپ کے گھر میں بھی زیادہ خاموشی تو نہیں چھا گئی۔ بسم اللہ کیجئے۔ ایک چھوٹی سی تقریب، ایک دوسرے سے پیار و محبت بڑھانے کے لئے، ہنسنے بولنے کے لئے۔ آج ہی سے اس کی منصوبہ بندی کیجئے۔ کل آپ کا گھر قہقہوں سے معمور ہوگا۔

نئی ترکیب کا اچار لیموں کا

سو عدد لیموں لے کر ان کو تراش لیں۔ ہر ایک کا عرق نکالیں اور اسے چھان کر کسی چینی یا مٹی کے مرتبان میں رکھ لیں۔ اس کے بعد کوئی لوہا لے کر آگ پر گرم کریں۔ جب وہ سُرخ انگارہ ہو جائے تو اسے نکال کر عرق میں ڈبو کر نکال لیں اور اجوائن، نمک، لاہوری نمک سانبھر، نمک کچونا، دانہ الائچی خورد وکلاں، پیپلا، مولی، مرچ سُرخ، مرچ سیاہ، زیرہ سفید سب حسب انداز لے کر باریک پیس لیں اور لیموں کے چھلکوں میں بھر کر عرق میں چھوڑ دیں۔ ایک ہفتہ کے بعد اچار استعمال کے قابل ہو جائے گا۔

بابت ملکیت و دیگر تفصیلات

فارم ۴ — رول نمبر ۸

مقام اشاعت :۔ ۴۴ جیل روڈ ایسٹ۔ بمبئی ۴۰۰۰۰۹
وقفۂ اشاعت :۔ ماہانہ
طابع :۔ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
قومیت :۔ ہندوستانی
پتہ :۔ ۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۴۰۰۰۰۹
ناشر :۔ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
قومیت :۔ ہندوستانی
پتہ :۔ ۴۴ جیل روڈ ایسٹ۔ ڈونگری بمبئی ۴۰۰۰۰۹
مدیر :۔ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
قومیت :۔ ہندوستانی
پتہ :۔ ۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۴۰۰۰۰۹

میں عبدالکریم نائیک اقرار کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں۔

دستخط پرنٹر پبلشر
یکم مارچ ۱۹۸۴ء

از: مسٹر تابڑ توڑ

★ آپ نقشِ کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر مہذب اور غیر شائستہ نہ ہوں۔
★ جوابات کے لیے مناسب جگہ چھوڑی جائے۔

معین حسین میاں مایکر مورہ ضلع رائے گڈھ

سوال: انسان کو سکون کہاں حاصل ہو سکتا ہے؟

ج: بزرگوں نے کہا ہے کہ جسے دنیا میں امن و سکون نصیب نہیں ہوا وہ مر کر بھی چین نہیں پائے گا۔ غالباً مرزا غالب نے اسی لیے تو یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

البتہ علامہ اقبال نے اس کا حل تلاش کیا ہے۔ کہتے ہیں

نہ جہاں میں مجھ کو اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرمِ خانہ خراب کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

سوال: دنیا میں دولت کب تک ساتھ دیتی ہے؟

ج: اپنی عمر کی آخری حد تک (اب یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ دولت مند اس حد تک پہلے ہو پہنچے گا یا دولت)

نجمہ داؤد بھوورے اگاڑی نگر اندھیری بمبئی

سوال: عورت کا سب سے اہم روپ؟

ج: ماں کی مامتا۔

سوال: عورت کی قابلِ تعظیم و تکریم پوزیشن۔

ج: ایام حمل۔

سوال: عورت شرم و حیا کا پیکر ہے تو مرد؟

ج: اس پیکر کا محافظ۔

★ **مشتاق حسین عمر** رابوڑی۔ تھانہ

سوال: سالگرہ کے موقع پر عمر کے حساب سے موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ مگر کیک کاٹنے سے پہلے انہیں گل کر دیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

ج: تاکہ یہ احساس تازہ ہو جائے کہ زندگی کے اتنے سال گل ہو گئے۔

سوال: وہ کیا چیز ہے جس کے پیچھے زمانہ پاگل ہے؟

ج: دولت۔

★ **غفار خان احمد خان** داسنگی بمبئی

سوال: زندگی میں سب سے آسان کام کون سا ہے اور مشکل کون سا؟

ج: نصیحت کرنا آسان ہے اور سچ بولنا مشکل۔

سوال: کیا دوستوں سے بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟

ج: جی ہاں! اگرچہ وہ خوشامدی ہوں۔

سوال: کفرانِ نعمت کیا ہے؟

ج: نعمت کا نامناسب استعمال۔

★ **عبدالغنی چوگلے** کرافورڈ مارکیٹ بمبئی ۳

سوال: کرکٹ ٹیسٹ میچ سے قبل ٹاس کون اچھالتا ہے؟

ج: امپائر۔

سوال: انسان کے لئے قدرت کا سب سے بڑا عطیہ؟

ج: سعادت مند اولاد۔

★ **دلاور کمال الدین کھوت** — پوچھلونے

سوال: تاج محل پر ساحر لدھیانوی نے بھی نظم لکھی ہے۔ اور شکیل نے بھی۔ دونوں میں کون سی اچھی ہے؟

ج: پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔

سوال: یہ شعر کس کا ہے

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ج: مومن خاں مومن کا ہے۔

سوال: عشق کے لئے حسن ضروری ہے یا حسن کیلئے عشق؟

ج: عشق نے کہا ہے کہ فانی ہے محبت کا گداز
زندگی چند فریبوں کا صنم خانہ ہے
حسن اس فکر میں غلطاں ہے کہ انسان کا دل
اپنے ہی رقص کے ادراک سے بیگانہ ہے

★ **شرف النساء یعقوب میرکر** — تھانی واڑہ کرلا بمبئی

سوال: صابن کے اشتہار میں عورتوں ہی کی تصویریں کیوں دی جاتی ہیں؟

ج: عورت صنفِ نازک ہے۔ اس کے نرم نازک و ملائم جلد کے لئے جو صابن سازگار ہو وہ سبھوں کے لئے قابلِ استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے عورت کی تصویر دی جاتی ہے۔

سوال: مرد کسی غیر عورت کو خط لکھے تو وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہے۔ عورت کسی غیر مرد کو خط لکھے تو وہ بیچارہ کیا کرے؟

ج: عورت کے باپ سے رجوع فرمائے۔

★ **شیخ اقبال قاسم** — چوڑامن پود

سوال: میلاد شریف کا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ میلاد شریف کی ایجاد کب ہوئی؟

ج: ہماری اگلی اشاعت میں جناب شرف کمالی کا مقالہ مولود نامہ پڑھئے۔ میلاد شریف سے متعلق آپ کے اور بھی کئی سوالات حل ہوں گے۔

سوال: نقشِ کوکن میں غزلیات کے ساتھ نعتیہ کلام کیوں نہیں چھپتے؟

ج: نعتیہ کلام بھی شائع ہوتا ہے۔ غالباً آپ نقشِ کوکن کا مطالعہ نہیں کرتے۔

★ **قدسیہ عبداللہ جھاڈیک** — ساکھرولی کھیڑ

سوال: قیامت کسے کہتے ہیں؟

ج: روزِ محشر یا عذاب و ثواب کا یوم الحساب۔ مگر شاعروں نے اسے مختلف معنوں میں استعمال کیا ہے مثلاً:

ایک جوانی ہی قیامت سے بھلا کیا کم تھی
اس پہ غمزہ بھی ہے، عشوہ بھی ہے، رعنائی بھی

سوال: دنیا میں سب سے عقلمند عورت کون ہے؟

ج: جسے اپنے کان کھلے مگر زبان بند رکھنے پر قدرت حاصل ہو۔

★ **ناصر الدین کمال الدین پنجی** — ڈاکیارڈ روڈ بمبئی

س: کوکن میں اردو تعلیم کا ہائی اسکول سب سے پہلے کہاں قائم ہوا؟

ج: داپولی ضلع رتناگری میں جس کا پہلا نام اینگلو اردو ہائی اسکول تھا۔ اب نیشنل ہائی اسکول داپولی کے نام سے موسوم ہے۔

س: کوکن میں سب سے بڑا ہائی اسکول کون سا ہے اور اسے کون چلاتا ہے۔ کس مقام اور گاؤں میں ہے؟

ج: جگہ کے اعتبار سے سب سے بڑا ہائی اسکول نیشنل ہائی اسکول داپولی ہے۔ جسے داپولی ایجوکیشنل سوسائٹی جاری رکھے ہوئے ہے اور یہ کوکن کے صحت افزا مقام داپولی ضلع رتناگری میں واقع ہے۔

مولوی سمیع اللہ

شورِ ادب

ترتیب : شعبۂ تالیف و تصنیف مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔
صفحات : ۱۴۴
قیمت : اٹھارہ روپے
کاغذ، کتابت و طباعت : اعلیٰ و دیدہ زیب

یہ کتاب ایف۔ وائی۔ بی۔ اے کے ان طلبہ کے لئے مرتب کی گئی ہے جو اسکول سے نکل کر کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہیں۔ اس میں مشہور ادباء و شعراء کے مضامین کا انتخاب ہے۔

حصۂ نثر میں ۲۳ مضامین ہیں۔ میر امن کی شہزادی، علامہ شبلی کے سرسید اور اردو لٹریچر سے لے کر پطرس کے کتے تک ہے۔ ہر مضمون سبق آموز اور معلومات افزا ہے لیکن پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون "ادب میں جدیدیت کا مفہوم" کافی انفرادیت اور جدیدیت کا حامل ہے۔ یہ ایک دقیق اور قابلِ مطالعہ مضمون ہے۔ اس میں جدید شاعری کا مفہوم اور مقصد متعین کیا گیا ہے۔ اور اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علامہ شبلی کا مضمون بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح سر سید احمد خان نے اردو زبان کو فصاحت، سادگی اور قومی ضروریات کے سانچے میں ڈھالا۔ اور حشو و زوائد سے پاک کیا۔

رہ گئے پطرس کے کتے تو ان کے کیا کہنے۔ ان کی بزم آرائی سے تو ہم سب محظوظ ہوتے ہی رہتے ہیں۔

دوسرے مضامین بھی قابلِ مطالعہ ہیں۔ ان مضامین کا مطالعہ کرنے کے بعد طالب علم کالج میں اجنبیت محسوس نہیں کرے گا۔

حصۂ نظم : اس حصے میں ۳۵ اساتذۂ سخن کی نظمیں ہیں۔ اس میں میر، سودا اور خواجہ میر درد جیسے بلند پایہ شعراء کے علاوہ نظیر اکبرآبادی کا "آدمی نامہ" اور اکبر الہ آبادی کا "برق کلیسا" بھی ہے۔

شاد عظیم آبادی کا غزل

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

بھی ہے۔ غالب۔ ذوق۔ حالی۔ داغ سبھی جلوہ افروز ہیں۔

اکبر الہ آبادی

مضمون جناب عبدالغنی صاحب
مطبوعہ رسالہ "آج کل" نئی دہلی شمارہ جنوری ۱۹۸۲ء

یہ ایک محققانہ مضمون ہے۔ اور اس میں اکبر الہ آبادی کی شاعرانہ صلاحیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اکبر پر جو ابتذال گوئی اور رکاکت پسندی کا الزام ہے۔ اس کو محققانہ طور پر جائزہ لیا ہے ان کے اشعار۔ غزلوں اور نظموں کے ایسے نمونے پیش کئے ہیں جن سے ان کی شاعری کا مقصد اور ان کے خیالات کی سمت متعین ہوتی ہے۔

اکبر تہذیب یورپ پر طنز کرنے میں بہت بے باک تھے۔ ان کو یقین تھا کہ یہ تہذیب ایشیائی تہذیب پر اثر انداز ہو کر رہے گی۔ اس لئے ان کی خامیاں اشعار میں بیان کرتے تھے۔

اکبر کی نظموں میں "برق کلیسا" ایک ایسی نظم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر مغربی اثرات سے خوف زدہ تھے۔ اسی لئے ایک حسینۂ یورپ کو حاصل کرنے کے لئے ایک شیخ کی زبان سے یہ کہلواتے ہیں کہ

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

کہتے ہیں کہ غالب نکتہ سنج تھے تو اکبر نکتہ چیں۔
اکبر اخلاقیات سے شغف رکھتے تھے مگر اقبال کی طرح
نظریۂ حیات و نظامِ فکر کی ترتیب نہیں کر سکتے تھے۔
معانی و مفہوم سے قطع نظر کر کے فنی اعتبار سے اس میں
اکبر کو ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر قرار دیا گیا ہے۔ چند اشعار
ملاحظہ ہوں:

ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو
جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا لیکن سرا ملتا نہیں

فنی اعتبار سے برقِ کلیسا میں یورپین مس کے حسن و جمال
کی جن الفاظ میں تعریف کی گئی ہے اس سے شاعری پر
ان کی قدرت کا پتہ لگتا ہے۔ یہ پوری نظم طنزیہ ہے مگر اس
میں اس کی زلف، بھنویں، قدِ رعنا، آنکھ، گال اور چال کو
جن جن چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے وہ واقعی قابلِ داد ہے۔
جو اکبر کی شاعری سے دلچسپی رکھتے ہوں ان کو اس مضمون کا
ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

وقت کا سورج

تصنیف: جناب ساحر شیوی
صفحات: ۱۲۰
قیمت: ۲۵ روپے
کاغذ، کتابت، طباعت: اعلیٰ و عمدہ
زیر اہتمام: جناب گوپال متل
ناشر: موڈرن پبلشنگ ہاؤس دریا گنج۔ نئی دہلی ۲

یہ جناب ساحر صاحب شیوی کے کلام کا مجموعہ ہے۔
اس میں ۵۱ نظمیں، ۳۵ غزلیں، ۲۰ رباعیات، ۱۷ قطعات
اور کچھ متفرق اشعار ہیں ۔۔۔ [illegible]
ملیح [illegible]

بعد جو نظمیں ہیں وہ جدیدیت کی حامل ہیں۔ ایسے اشعار
کے جملے۔ فقرے اور مصرعے بہت بلیغ ہوتے ہیں۔ ان سے
مستفید ہونے کے لئے درد مند دل اور زخم خوردہ طبیعت
کا ہونا بہت ضروری ہے۔

غزلیں: اس حصۂ کتاب میں جناب ساحر صاحب ایک
ایک پُرگو شاعر کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ہر غزل
ایک نہ ایک خوبی لئے ہے۔ سلاست، روانی، شگفتگی
اور برجستگی سب خوبیاں موجود ہیں۔
پہلی غزل کا آخری شعر ہے:

ساحر جیسی کہتی تیری ویسی ہی آواز
بات بڑی بھی چھوٹے منہ سے چھوٹی لگتی ہے

رباعیات: اس حصۂ کتاب میں جناب ساحر صاحب کا حسن کلام
اور نکھر آتا ہے۔ میں نے بہت سی رباعیوں پر نشان لگائے ہیں سب
تو درج نہیں کر سکتا ایک رباعی لکھتا ہوں:

ذرّوں کو ستاروں میں بدل دیتے ہیں
پت جھڑ کو بہاروں میں بدل دیتے ہیں
ڈرتے ہی نہیں گردشِ ایام سے ہم
دنیا کو اشاروں میں بدل دیتے ہیں

قطعات: یہی حال قطعات کا ہے۔ لیجئے پہلا قطعہ سُنئے!

گو بُرا آج حالِ اُردو ہے
چار جانب جمالِ اُردو ہے
خود ہی بیمار خود ہی طبیب
بس یہی تو کمالِ اُردو ہے

اشعار: اس حصۂ کتاب کا یہ شعر جناب ساحر کی طرزِ فکر
پر روشنی ڈالتا ہے:

کہے گا کون ستمگر کو تمہیں بھلا ساحر
جدید رنگ میں تم شاعر، نہیں کہ [illegible]

مرتبہ : فیض بن صادق

مبارکباد

انجمن خیر الاسلام مہابلیشور ہائی اسکول کے ہردلعزیز پرنسپل مسٹر کفایت اللہ خان کی گرانقدر تعلیمی اور ثقافتی خدمات کے عوض حکومت مہاراشٹر نے انھیں ریاستی ایوارڈ کے لئے منتخب کیا ہے یتیموں کی فلاح وبہبود اور ترقی کے لئے بھی مسٹر خان کے کارہائے نمایاں ناقابل فراموش ہیں۔ ہم اس موقع پر انھیں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف قرضاوی کو ادارہ دعوت القرآن کی طرف سے استقبالیہ

عالم اسلام کی ممتاز شخصیت، فقہ الزکوٰۃ جیسی محققانہ کتابوں کے مولف اور قطر یونیورسٹی کے ڈین ڈاکٹر یوسف القرضاوی، نیز ریاض سے آئے ہوئے دیگر معزز مہمان احمد توتونجی سابق سیکریٹری ندوۃ الشباب ریاض، ڈاکٹر احمد محمد علی صدر اسلامک ڈیولپمنٹ بنک جدہ، اور ڈاکٹر منظور عالم استاذ جامعہ امام محمد بن سعود ریاض کے اعزاز میں ادارہ دعوت القرآن کی جانب سے ایک استقبالیہ مہاراشٹر کالج بمبئی کے لائبریری ہال میں دیا گیا۔ معززین شہر اور مختلف تنظیموں کے ذمہ داران اس تقریب میں موجود تھے۔

(نامہ نگار نعیم الحسن)

ترنیڈ انڈیا ۱۹۸۴ء میں بدیع الزماں خاور کا تذکرہ

ایشیا انٹرنیشنل نئی دہلی کی طرف سے امسال ترنیڈ انڈیا ۱۹۸۴ء میں تذکرہ کے لئے جن اہم ادبی شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے ان میں ارضِ کوکن کے مشہور اردو شاعر بدیع الزماں خاور کا نام بھی شامل ہے۔

ڈرائنگ کے امتحان میں نایک گرلس ہائی اسکول رتناگری کی نمایاں کامیابی

ستمبر ۸۳ء میں ہونے والے ایلیمنٹری ڈرائنگ کے امتحان میں اس اسکول سے ۵ بچے شریک ہوئے اور انٹرمیڈیٹ ڈرائنگ امتحان میں تین بچوں نے شرکت کی۔ دونوں امتحانات کا نتیجہ ۱۰۰% رہا۔

کامیاب طلبہ کے نام:

ایلیمنٹری:- ۱) مظفر عبداللہ ہوڑیکر۔
۲) سمیر علی میاں جھگاڈنکر۔
۳) جاوید اسماعیل مُلّا۔
۴) مشتاق آدم راجواڑکر۔
۵) ابراہیم اسماعیل پانجری۔

انٹرمیڈیٹ:-
۱) ریاض داؤد سولکر
۲) نظیر محمد کوتوڈیکر
۳) ناصر علی اکجی

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقشِ کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی؟

عدم اشاعت پر
ناراض نہ ہوں
بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

بزم نسواں رتنا گری کا جلسہ

۲۸ جنوری ۸۴ء کو بزم نسواں رتنا گری کے زیر اہتمام ایک جلسہ تقاریر زیر صدارت محترمہ پروفیسر ڈاکٹر میمونہ دلوی صاحبہ انعقاد پذیر ہوا جس میں انجمن خیر الاسلام ہائی اسکول مدنپورہ کی پرنسپل محترمہ انیس صاحبہ بطور مہمان خصوصی شریک تھیں۔ محترمہ نیلم نفضل ماسٹر نے تعارفی تقریر کی اور صدر بزم محترمہ حمیدہ آڈتے صاحبہ نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ مہمانان کی تقریر کے بعد مشہور مغنیہ شہر بانو نے غزلیں سنائیں جنہیں بے حد پسند کیا گیا۔

بین المدارس تقریری مقابلوں میں فاروق ہائی اسکول کی شاندار کامیابی

امسال فاروق ستّار عمر بھائی ہائی اسکول برائے طلبہ، جوگیشوری، بمبئی کے طلبہ کل مہاراشٹر بین المدارس تقریری مقابلوں میں انعامات سے نوازے گئے۔

★ اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا کے زیر اہتمام انٹر اسکول تقریری مقابلہ بمقام: احمد سیلر ہائی اسکول ناگپاڑہ بمبئی میں منعقد ہوا۔ اس مقابلے میں اسکول ہذا کے ہونہار طالب علم ارشد شمیم ملا کو پہلا انعام سلور کپ اور ضیاء الرحمٰن صدیقی کو تیسرا انعام سلور کپ کا حقدار قرار دیا گیا۔ اور اسکول کو فاران ٹرافی سے نوازا گیا۔

★ حاجی زکریا حاجی احمد پٹیل ٹرسٹ بمبئی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے بین المدارس سیرت النبیؐ تقریری مقابلے میں ضیاء الرحمٰن صدیقی نے پہلا انعام ۱۲۶ روپے نقد، سند اور کتابیں حاصل کیں۔

★ اے. ٹی. ٹی ہائی اسکول اینڈ جونیر کالج مالیگاؤں، بتقریب گولڈن جوبلی، منعقدہ مہاراشٹر تقریری مقابلے میں ضیاء الرحمٰن صدیقی کو دوسرا انعام ایک سیمیں کپ، ۷۵ روپے نقد، قیمتی قلم اور سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا۔

★ دینی تعلیمی کمیٹی عبدالواحد مولیدینہ مدارس، پونہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے کل مہاراشٹر سیرت النبیؐ تقریری مقابلے کے جشن سیمیں کے موقع پر طالب علم ضیاء الرحمٰن صدیقی نے تیسرا انعام، ۳۰ روپے نقد اور کتابیں حاصل کیں۔

انجمن خیر الاسلام تھانہ کا سالانہ جلسہ

جناب عبدالرشید میمن صاحب نے انجمن خیر الاسلام اردو ہائی اسکول ماہی گیری تھانہ کی ہیڈ ماسٹری کا چارج لیتے ہی نہایت قلیل عرصہ میں اسکول کی کایا پلٹ دی۔ نئے ہیڈ ماسٹر کی وجہ سے ان تمام سرگرمیوں کا آغاز ہوا جن سے ایک تعلیمی ادارے کو حقیقی معنی میں ضرورت ہے۔ ابتدا مختلف قسم کے کھیلوں سے ہوئی۔ پھر بچوں میں تقریری، تحریری اور خوشخطی کے مقابلے ہوئے۔ اور آخر میں سالانہ جلسہ وتقسیم انعامات کی تقریب منعقد کی گئی۔ جناب اسحاق مزدیل صاحب نے مہمانوں کا تعارف کرایا۔ صدر جلسہ پربھاکر ہیگڈے، معزز مہمان جناب کانتی کولی، جناب مٹھالال جین اور جناب دلیپ دہیریکر صاحب کی تقریریں کافی حوصلہ افزا تھیں۔ علاوہ ازیں جناب سید صاحب، جناب عبدالستار شیخ صاحب، جناب محمود بھائی، جناب عبدالرزاق پریان صاحب اور جناب عبدالحمید بلیاری صاحب نے شرکت کر کے تقریب کی رونق بڑھائی۔ بچوں کے ثقافتی پروگرام کے تحت ڈراموں نے بچوں میں نیا حوصلہ پیدا ہوا۔ ۲۸ جنوری ۸۴ء، شام کو ساڑھے ۵ بجے اس تقریب کا آغاز ہوا اور رات ۱۰ بجے یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

پدم شری زین جی رنگون والا

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب زین العابدین غلام حسین رنگون والا، کوآپریٹیو بینکنگ میں پہلے بینکر ہیں جنھیں پدم شری کے اعزاز سے نوازا گیا۔ یکم جولائی سنہ ۱۹۱۳ء کو رنگون والا کا جنم ہوا۔ مگر بدقسمتی سے ۱۲ سال کی ہی عمر میں یتیم ہو گئے۔ آپنے دادرس کالج میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد سر پوچکھاناوالا کی ماتحتی میں سینٹرل بنک آف انڈیا میں عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اس دور کے سرمایہ دار سماج کے ہاتھوں عام آدمی اور چھوٹے موٹے بیوپاریوں سے متاثر ہوکر آپ نے شیخ محمد علی اللہ بخش کی مدد سے ۱۰۶۰۰ روپے کے قلیل سرمایہ سے سنہ ۱۹۲۹ء میں ایک کوآپریٹیو کریڈیٹ سوسائٹی قائم کی تاکہ عام آدمی میں کفایت شعاری کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اور ان کی مالی امداد کی جائے۔ کوآپریٹیو کریڈیٹ سوسائٹی ترقی کرتے کرتے صرف دو سال کی قلیل مدت میں اربن کوآپریٹیو بنک ہوگیا۔ جس میں ۵ لاکھ سے زیادہ کھاتہ دار ہیں۔ کھاتہ داروں کی اکثریت وزیراعظم کے ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کے تحت بنک سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک لمیٹڈ آج ہندوستان کی سب سے بڑی اور ممتاز اربن کوآپریٹیو بنک ہے۔

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک کے توسط سے قوم کی خدمت کے لئے زین جی رنگون والا کا جوش و خروش اور ان کی انتھک کوششیں آنے والی نسلوں کے لئے ناقابل فراموش ورثہ ہیں۔

رنگون والا صاحب نے دنیا بھر کا سفر کیا ہے اور آپ مختلف قومی اور بین الاقوامی ثقافتی، تعلیمی اور سماجی تنظیموں سے وابستہ ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے آپکو اسپیشل ایگزیکیٹیو مجسٹریٹ کا خطاب دے کر نوازا ہے۔ آپ کے وسیع تجربے، ذہانت اور کام کرنے کی قوت کو ملک میں امداد باہمی کی تحریک کے احیاء کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور ان ریاستوں میں جہاں بھی کوآپریٹیو تحریک شیر خوارگی کے عالم میں ہے رنگون والا صاحب کے تجربے سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ عوام اور خاص طور پر کوآپریٹیو سیکٹر زین جی رنگون والا کو پدم شری کے اعزاز سے نوازنے پر صدر جمہوریہ ہند کو مبارکباد پیش کرتا ہے۔

گلزار مستری

پاسٹومیک لمیٹڈ بھانہ کے اسسٹنٹ منیجر (ڈیزائن) جناب گلزار الیف مستری یکم جنوری سنہ ۸۴ء کو جب اس نئے عہدے کا چارج لینے کمپنی کے دفتر میں داخل ہوئے تو انھیں گیارہ سال پہلے کا دن ضرور یاد آیا ہوگا جب آپ نے صابو صدیق پالی ٹیکنک سے میکانیکل انجینئر کا امتحان درجہ اول میں پاس کرنے کے بعد اپرنٹس انجینئر کی حیثیت سے اس کمپنی میں اپنی عملی زندگی کا آغاز ۷۳ء میں کی تھی۔ یہ کمپنی جو اوھر ہیڈ ٹرالی کرین بنانے میں کافی شہرت رکھتی ہے ہر سال چند محدود انجینئروں کو تربیتی کورس میں داخلہ دیتی ہے۔ یکم ستمبر ۷۲ء کو ۱۰۴ امیدواروں میں اول نمبر پانے والے جناب گلزار مستری نے نہ صرف یہاں کورس پورا کیا بلکہ جونیئر ڈیزائن انجینئر کے عہدہ پر آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ سات سال تک گراں مایہ خدمت انجام دینے کے باوجود

ترقی کے امکانات معدوم نظر آئے تو کمپنی کو خیرباد کہا۔
سال بھر آپ نے مملکت سعودی عربیہ میں خدمت انجام
دی۔ کچھ عرصہ تک .W.M.I کرین لمیٹڈ اور ڈبلیو ایچ
براڈی میں بھی کام کیا۔ بالآخر ڈائنا کرافٹ مشین کمپنی میں
سینئر ڈیزائن انجینئر کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ بلیٹ کنویئر
بنانے میں ہندوستان کی ممتاز کمپنیوں میں اس کمپنی کا
شمار ہے۔ یہاں سائٹ ایگزیکیوشن کے لئے آپ کو
اکثر اوقات ہندوستان کے مختلف شہروں میں جانا
پڑتا تھا۔ لہٰذا یہ خیال پیش نظر تھا کہ کوئی ایسی کمپنی
مل جائے جہاں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے کمال فن
کا مظاہرہ کرنے کا موقع ملے۔ بالآخر وہ کمپنی جہاں کبھی
آپ نے ایک اپرنٹس کی حیثیت سے اپنی عملی زندگی کی شروعات
کی تھی، وہیں اسسٹنٹ منیجر (ڈیزائن) کے عہدہ پر بلا لئے گئے۔

سارنگ تعلقہ داپولی ضلع رتناگری کا یہ باشندہ
اور انجمن اسلام عبدالستار شعیب ہائی اسکول بمبئی کا
طالب علم جس تیز روی کے ساتھ مائل ترقی ہے اردو
ذریعۂ تعلیم کے لئے یہ بات قابلِ قدر ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ
اللہ تبارک وتعالیٰ اس باعزم و بلند ہمت نوجوان کو زندگی
کے ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے۔ اور ملک و ملت
کے لئے سرمایۂ افتخار بنائے۔ آمین۔

سکندر کاپڑی

خاندان اور ماحول بچوں کے مستقبل کی تعمیر میں کافی نمایاں
کردار ادا کرتے ہیں۔ سکندر کاپڑی اس مقولے کی روشن
مثال ہے۔ کونڈپورہ (ضلع رتناگری) کے جناب
یوسف شرف الدین کاپڑی صاحب کا فرزند سکندر ۱۹۸۳ء
کے ایس ایس سی امتحان میں ۸۳٫۵۷ فیصد (۵۸۵/۷۰۰)
نمبر حاصل کر کے رتناگری ضلع کے مسلم طلبہ میں اول رہا۔
اور کئی انعامات، ایوارڈ اور اسکالرشپ کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔
سکندر بچپن ہی سے پڑھائی لکھائی میں کافی ذہین
رہا ہے۔ اور اب ایس ایس سی میں نمایاں نمبروں سے
کامیابی حاصل کر کے پونا کے گروارے کالج میں زیر تعلیم
ہے۔ سکندر کے والد جناب یوسف کاپڑی صاحب کونڈپورہ
گاؤں کے پچھلے ۲۵ سالوں سے سرپنچ ہیں اور گاؤں
کی فلاح و بہبود کے لئے بے لوث خدمت انجام دے رہے
ہیں۔ سکندر کی شخصیت کی تعمیر میں بھی ان کا نمایاں کردار
رہا ہے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا
غالب

تصحیح

پچھلے شمارہ (فروری ۸۴ء) میں جناب باغی بانکوٹی
کی نو رخی غزل میں کتابت کی دو غلطیاں جو درج ذیل ہیں
قارئین نوٹ فرمائیں۔
تیسرے شعر کا مصرعۂ ثانی اس طرح ہے:
"شفیع بن کر کرے جو شر اسے اشرار کہتے ہیں"
"اشرار" کی جگہ سہواً "مکار" لکھا گیا ہے۔
اسی طرح آٹھویں شعر کا مصرعۂ ثانی اس طرح ہے:
"ذہن الجھا دے حق سے اس کو سوتی تار کہتے ہیں"
اس مصرعہ میں حق سے پہلے راہ لکھا گیا جو غلط ہے۔
مدیر

RENEWAL OF SUBSCRIPTION

بیرونِ ہند خریداروں کی تجدیدِ خریداری

بیرونِ ہند خریداروں کی خدمت میں ہم نے حسب دستور تجدیدِ خریداری کی درخواست بھیجی تھی جس کے نتیجہ میں کچھ سرپرستوں نے زرِ مبادلہ ارسال فرمایا، مگر کچھ لوگوں کی طرف ابھی تک رقم واجب الادا ہے۔ بلو بیاد یاد دہانی مشکل ہو گئی ہے۔ اس لئے کہ اب فارن پوسٹیج میں بے حد و حساب اضافہ ہوا ہے لہٰذا یاد دہانی کی ایک صورت ہمارے سامنے یہ ہے کہ ہم ان حضرات کے نمبر درج کریں جن کی طرف رقم واجب الادا ہے۔ امید کہ اس طرح مذکورہ حضرات کو اپنی طرف واجب الادا رقم سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ مشرقی اور جنوبی افریقہ کے خریداروں سے وصولیابی کا ذمہ ہمارے چند کرم فرماؤں نے لیا ہے لہٰذا ان مقامات کے خریداروں کے نام شامل فہرست نہیں ہوں گے۔

پرچہ آپ کا ہے۔ کوکنی قوم کا آرگن ہے۔ اس کی سرپرستی آپ کا قومی و اخلاقی فرض ہے۔ اور اس سرپرستی کے لئے ہم آپ کے ممنون ہیں۔

منتظر کرم سرکیولیشن منیجر

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

زیرِ اہتمام نقش کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ

۲۴ جیل روڈ ایسٹ۔ بمبئی ۴۰۰۰۰۹

دواخانہ کا افتتاح

راجیو گاندھی جھونپڑپٹی ٹیگور نگر وکرولی میں ڈاکٹر نزیحہ محمد رفیق ابراہیم نے ایک نیا دواخانہ کھولا ہے جس کا افتتاح کونسلر پراجلا الیس بچاؤ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

ڈاکٹر اسمٰعیل ڈاکٹر سیل کے چیرمین نامزد

بمبئی پردیش کانگریس کمیٹی آئی کے صدر مرلی دیورا نے ڈاکٹر ایم اسماعیل کو ڈاکٹر سیل کا چیرمین نامزد کیا ہے۔

ڈاکٹر اسماعیل بمبئی پردیش یوتھ کانگریس آئی کے سابق نائب صدر اور حکومت مہاراشٹر کی سنجے گاندھی نرادھار یوجنا کے حلقہ کھیت واڑی کمیٹی کے چیرمین ہیں۔ ڈاکٹر سیل کے متعلقہ امور کے سلسلہ میں آزاد میدان میں واقع کانگریس آئی کے آفس میں روزانہ پانچ اور چھ بجے کے درمیان موجود رہیں گے۔

تلک میں دینی جلسہ

بمقام تلک تعلقہ کھیڑ ضلع رتناگری ۲۱ فروری اتوار کو ۱۰ بجے دن میں ایک دینی جلسہ منعقد ہوا جس میں قاری محمد حنیف اعظمی مبارکپوری نے بیان فرمایا۔ (نامہ نگار شیخ آدم جو گلے رتناگری)

رضا صاحب کا انتخاب

مشہور شاعر و ادیب اور بلند پایہ محقق جناب کالی داس گپتا رضا کو انجمن ترقی اردو مہاراشٹر کا صدر منتخب کیا گیا ہے۔

بزم شعر و ادب کوکن (بمبئی) کی ماہانہ
طرحی نشست

بزم شعر و ادب کوکن کی ماہانہ طرحی نشست مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۸۳ء کی شب میں دفتر انجمن اسلام جنجیرہ گورڈن اپارٹمنٹ ناگپاڑہ میں منعقد ہوئی۔ صدارت کے فرائض جناب صفدر رتناگری صاحب نے انجام دیئے۔ اور مشاعرہ کی نظامت بزم کے سیکریٹری جناب سعید کنول نے سنبھالی۔ اس مشاعرہ میں مندرجہ ذیل شعراء نے اپنے طرحی کلام کو سامعین کو محظوظ فرمایا۔

جناب صفدر رتناگری: جسے تو بڑے غور سے سن رہا تھا
وہ تھی چیخ میرے پڑوسی کے گھر کی

مہر مہسلائی
مسلسل تڑپنا مسلسل ترسنا
یہ قصہ ہے دل کا کہانی نظر کی

قیصر رتناگری
قفس توڑ کر کیسے قفس سے اڑوں گا
ہے معلوم طاقت مجھے بال و پر کی

ہاشم نوگانوی
غریبوں کے گھر میں ہو کیسے اجالا
نہ سورج کی ہے نہ رسائی قمر کی

محمود الحسن ماہر
ذرا سی خطا خلد میں ہو گئی تھی
یہ کیا کر دیا دی سزا عمر بھر کی

عزیز آذر
عبادت خدا کی ہے سونے سے بہتر
دلاتی ہے احساس اذاں یہ سحر کی

شاداب رتناگری
ہے دشوار پہچان دونوں میں اب تو
کہ ہے شکل میں راہزن راہبر کی

اطہر قیصری
اندھیرے میں یہ چند لمحوں کے مہماں
کرن چیخ کر کہہ رہی ہے سحر کی

آغاز کیفی: اندھیرے اجالے گلے مل رہے ہیں
یہی ہے نشانی نمودِ سحر کی

واحد محسن
ابھی رات بھٹکے گی سو ناز ہیں یہ
کرن رونما ہو رہی ہے سحر کی

محمود شاہد
کبھی جمیعت کا سایہ کبھی آسماں کا
کبھی یاد گھر کی کبھی دھن سفر کی

سعید کنول
چھپا لے تو آنچل میں چہرے کو اپنے
نظر لگ نہ جائے کسی نظرِ بد کی

جام کیفی
نقاب اب جو چہرے سے ان کے نہ سرکی
ہے توہین اے دل یہ جذب و اثر کی

عبدالمجید تاج
یہ غیروں پہ انگلی اٹھالے سے پہلے
کبھی تو نے دامن پہ اپنے نظر کی

حمید قاضی
جو طوفان فطرت میں ہے ہر نہر کی
نہر میں بھی ہیں وسعتیں بحر و بر کی

(نامہ نگار: سعید کنول)

قرۃ العین حیدر کو پدم شری کا اعزاز

صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے محترمہ قرۃ العین حیدر کو پدم شری کا خطاب ملا ہے۔ موصوفہ نے زبان و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ ناول نگاری کے میدان میں انھیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ انھوں نے اردو ناول کو نیا اسلوب عطا کیا ہے۔ ان کے تخلیق کردہ ناولوں کو دنیا کی کسی بھی زبان کے بہترین ناولوں کے مقابلے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ صدر جمہوریہ ہند نے انھیں یہ اعزاز دے کر پوری اردو دنیا کی عزت افزائی کی ہے۔

(نامہ نگار: انجمن ترقی اردو ــ چندی گڑھ)

★

نقش نواز

نقشِ کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست شائع کرنے سے نہ صرف آپ قوم و ادب کے خیر خواہوں سے واقف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیجئے، اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

لائف ممبر

نام	مقام
جناب لطیف عبداللہ گبیر کر	بمبئی ۱۰
" کمال الدین عبداللہ کوکاٹے	جنجیرہ مروڈ
" آئی آئی ساونت	بمبئی ۸
" عبداللہ علی گھر ٹکر	جنجیرہ مروڈ
" مہادیو ایند محبوب	بمبئی ۹

بیرونِ ہند سالانہ خریدار

نام	مقام
جناب فضل برکار	دمام سعودی عربیہ
" احمد یونس برورے	ینبو سعودی عربیہ
" فنسیہ محی الدین	عنیزہ سعودی عربیہ
" عبداللہ آلمیدہ جرفرے	نیروبی افریقہ
" عبداللہ نورے	برمنگھم انگلینڈ
" مراد علی داورے	زیرا دوبئی
" سراج الدین محمد مودکر	دوحہ قطر
" معین الدین حمدونے	دوحہ قطر

سالانہ خریدار

نام	مقام
بیگم عزیزہ داؤد نایک گرلز ہائی اسکول	رتناگری
انجمن اسلام جنجیرہ حلقہ بمبئی	بمبئی ۸
جناب نورالدین خطیب	جنجیرہ مروڈ
" قاضی عبدالستار مہسلائی	اگر دا نڈکا
ڈاکٹر طلبہ انصاری	مالیگاؤں
بیگم صادقہ فڈنیس اردو کنیا شالہ	ساکری ناکہ
جناب ریاض حسن ڈھاکم	جنجیرہ مروڈ
ڈاکٹر ایم اے کوکاٹے	جنجیرہ مروڈ
جناب احمد میاں ابراہیم باگوجھنکر	جنجیرہ مروڈ
" اقبال عبدالرحمٰن مرزا	جنجیرہ مروڈ
جناب عظیم خانزادہ	جنجیرہ مروڈ
" بدرعالم طاہر خان	جنجیرہ مروڈ
" عبدالرؤف ہرزک	جنجیرہ مروڈ
ماڈرن اردو ہائی اسکول	کوتل پورہ
ڈاکٹر محمد انور ساٹھیکر	دہیسر
محترمہ حسینہ بی محمد سلیم ٹھاکور	گریے
جناب ابراہیم احمد خان	بیسلاپور
" افضل عبداللہ گونداز	ورلی بمبئی ۱۸
" عباس محمد دھنسے	ودولی
" عبدالرزاق عباس دھنسے	ودولی

مبارکباد

انجمن خیر الاسلام مہابلیشور ہائی اسکول کے ہر دلعزیز پرنسپل مسٹر کفایت اللہ خان کی گرانقدر سماجی تعلیمی اور ثقافتی خدمات کے عوض حکومت مہاراشٹر نے انھیں ریاستی ایوارڈ کے لئے منتخب کیا ہے۔ یتیموں کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے بھی مسٹر خان کے کارہائے نمایاں ناقابل فراموش ہیں۔ ہم اس موقع پر انھیں پُرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور دعاگو ہیں کہ خدا انھیں مزید خطابات سے سرفراز کرے۔

فاروق ستار عمر بھائی اسکول کی کامیابی

اے ٹی ٹی ہائی اسکول مالیگاؤں کی گولڈن جوبلی تقریب کے سلسلے میں مذکورہ اسکول کی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام مرحوم الحاج محمد صدیق (فتو پہلوان) کشتی ٹرافی کے عنوان سے آل مہاراشٹر تقریری مقابلہ ہوا۔ جس میں کل ۴۵ طلبہ طالبات نے حصہ لیا۔

عمر ستار عمر بھائی ہائی اسکول جوگیشوری بمبئی (برائے طلبہ) کے طالب علم ضیاء الرحمن عبد الرحمن صدیقی کو انفرادی دوم انعام (ایک سو پچھتر روپے نقد یا ایک سلیس کپ) ایک قیمتی قلم اور سرٹیفکیٹ) سے نوازا گیا۔ دوسرے طالب علم ارشد شمیم ملا نے ایک قلم اور ایک سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ مولانا مشتاق احمد، نعیم صاحب، جناب علی حسن وصفی اور جناب شرف الدین شیخ نے ان طلبہ کی رہنمائی کی۔

مسٹر انتولے کا مقدمہ

سپریم کورٹ نے جس دن یہ فیصلہ دیا کہ سابق وزیر اعلیٰ مسٹر اے آر انتولے پر مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ مسٹر انتولے کا رد عمل قابل تعریف ہے کہ جنھوں نے کہا کہ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ جس کو بھی سخت آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اتنا ہی بہتر مستقبل اس کا منتظر ہوتا ہے۔ اور میں اسے خدا کی آزمائش تصور کرتا ہوں۔

اب تک تو یہ مقدمہ صرف ٹیکنیکل بحث میں الجھا رہا کہ عدالت کو سماعت کا اختیار ہے یا نہیں لیکن اب سپریم کورٹ نے مقدمہ چلانے کی اجازت دے دی ہے۔

پروفیسر عالی جعفری سبکدوش

اسماعیل یوسف کالج بمبئی کے پروفیسر ڈاکٹر عالی جعفری ۴۲ سالہ تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ماہ فروری ۸۴ میں سبکدوش ہوگئے ہیں۔ ۲۵ فروری ۸۴ کو آپ کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔

رتناگری میں شریعت بچاؤ مہم

۲۹ جنوری ۸۴ کو گوکھلے ایجوکیشن کالج کے کوکن ہال میں رتناگری ضلع مسلم پرسنل لا کمیٹی کی جانب سے شریعت بچاؤ مہم سے متعلق عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت ہفت روزہ اشودھن کے ایڈیٹر ڈاکٹر محمود عمر شیخ صاحب نے کی۔ مہمان خصوصی کے طور پر نیلا یونس شیخ صاحب حاضر تھے۔ جلسے کا افتتاح ہفت روزہ اشودھن کے معاون ایڈیٹر جناب طاہر بیڈیرے صاحب نے فرمایا۔ اس موقع پر مولانا ڈاکٹر شکیل احمد، جناب بال پالنکر، علی شمسی، ڈاکٹر عبدالکریم نائیک، اشرف کمالی، شمس الدین بھاٹکر صاحبان نے مسلم پرسنل لا سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

شریعت بچاؤ مہم سارے ہندوستان میں جاری ہے۔ رتناگری قلعہ کی جانب سے بھی مسلم پرسنل لا کی حمایت میں ایک ہزار دستخطوں کا مراسلہ وزیر اعظم اندرا گاندھی کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ڈاکٹر زیڈ یو شیخ صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اسی دن شام کے وقت مہاراشٹر اردو اکیڈیمی کے سیمینار کو حاضر وزیر سے مہاراشٹر جناب بھائی صاحب سعادت اور عبدالعظیم نیز سابق وزیر قانون حسین خان دلوائی صاحب کو مسلم پرسنل لا کمیٹی کی جانب سے انامر قاضی صاحب نے قرآن پاک کلام اللہ ترجمہ پیش کیا۔

شادیِ خانہ آبادی

★ جناب اشتیاق محمد خان (سپرنٹنڈنٹ جعفر سلیمان مسلم اسٹوڈنٹس ہوسٹل) کی دختر ریشماں کی شادی مرزا زاہد بیگ کے ساتھ ۱۲ فروری ۸۴ء کی شام انڈین مرچنٹس چیمبر ہال بمبئی میں انجام پائی۔

★ جناب حنیف خان محمود خان پٹھان کی شادی کینیا ہائی کورٹ کے رجسٹرار بیرسٹر عبدالرؤف منا کی دختر رضیہ بیگم کے ساتھ ۱۱ دسمبر ۸۳ء کو نیروبی (افریقہ) میں انجام پائی۔

★ جناب شہاب الدین حسن کاسکر کی دختر نسیم بانو کی شادی جناب نورالدین ملک کے فرزند الطاف حسین کے ساتھ ۲۹ جنوری ۸۴ء کو مروڈ جنجیرہ ضلع رائے گڑھ میں بحسن و خوبی انجام پائی۔

★ ۲ فروری ۱۹۸۴ء کی صبح الحاج ریاض داؤد انڈے (متوطن بانکوٹ) کا عقد مسعود شمس النساء احمد خان دیشمکھ کے ساتھ کھوٹیل تعلقہ مہاڈ میں طے پایا۔

★ گجرات ٹرانسپورٹ سروس کے جناب حاجی رزاق یوسف موٹر والا کی دختر فرزانہ بانو کی شادی محمد امین بن عبدالحمید گودیل کے ساتھ صابو صدیق گراؤنڈ بمبئی پر ۱۹ فروری ۸۴ء کو انجام پائی۔

★ مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۸۴ء کے روز جماعت المسلمین وڑدلی تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ کے سابق خازن جناب عباس علی دھنسے کے فرزند اور حافظ قاری مولوی معین الدین دھنسے کے برادران عبدالرزاق بی اے جناب عبدالغنی یونس سین کی دختر مہرالنساء کے ساتھ اور عبدالستار کی جناب محمود یونس الکوکر کی دختر حوا کے ساتھ وڑدلی تعلقہ مانگاؤں میں عقد خوانی انجام پائی۔

★ نقشِ کوکن کے دیرینہ ہمدرد و سرپرست مقیم کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ جناب عبدالرزاق عثمان مرتضیٰ کی دختر فاطمہ کی شادی منور جھولے آف کیپ ٹاؤن کے ساتھ ۱۹ فروری ۸۴ء کو بہتر کرو احتشام انجام پائی۔

سات مسجد کا انتخاب

سات تاڑ قدیم مسجد بمبئی کا تیسواں سالانہ اجلاس نیز آٹھواں انتخابی اجلاس سات تاڑ قدیم مسجد میں ۲۶ فروری ۱۹۸۴ء بالترتیب صبح ۱۰ بجے و ۱۱ بجے زیر صدارت عالیجناب محمد حسین شیخ صاحب منعقد ہوئے۔ انتخاب نو میں جناب محمد ابراہیم پٹھان صاحب دوبارہ ٹرسٹی منتخب ہوئے جناب حاجی محمد علی جمل صاحب اور جناب عمر ابراہیم پرکار صاحبان کی بجائے بالترتیب جناب محمد شعیب جمل اور جناب عبدالرحمن پٹھان (شاہد پٹھان) ٹرسٹیان منتخب ہوئے۔ (شرف کمالی ناظر سات تاڑ قدیم مسجد ٹرسٹ بمبئی)

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

• موٹر ایکسیڈنٹ کلیمس ٹریبونل برائے بمبئی عظمیٰ کے ممبر جج جناب محمد اسحاق بہاء الدین راجپوٹے کی چچازاد بہن آمنہ بی بی بانو میاں راجپوٹے کا طویل علالت کے بعد بعمر ۹۰ سال ۲۰ جنوری ۱۹۸۴ء کو ان کے وطن چپلون ضلع رتناگری میں انتقال ہوا۔

• ۹ فروری ۱۹۸۴ء بروز جمعرات بھیونڈی مسلم لیگ کے صدر جناب محمد اسماعیل حاجی جوکھو صاحب کے چھوٹے بھائی محمد قاسم حاجی جوکھو طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

• ۱۱ فروری ۸۴ء کو ممتاز ماہر تعلیم و قانون، وطن کی آزادی کے لئے سرفروشانہ کوشش کرنے والے اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس کے صدر استقبالیہ محترم جسٹس بشیر احمد سعید اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔

• ٹرانسپورٹ اور ڈاک ورکرس یونین کے سیکریٹری سابق ایم ایل اے جناب خلیق احمد المعروف کے اے خان کی والدہ محترمہ طویل علالت کے بعد ۱۲ فروری ۸۴ء کو سیفی ہسپتال بمبئی میں راہی عدم ہوگئیں۔

• اردو بلٹز کے جناب ہارون رشید صاحب کی والدہ کا ان کے آبائی وطن ادسیا ضلع غازی پور میں بعمر ۷۰ سال انتقال ہوگیا۔

• ٹھاکور انجینئرنگ ورکس کے مالک حاجی محمد صاحب ٹھاکور کی بڑی دختر یعنی جناب عبدالقادر پاؤسکر (ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ محکمہ صحت بمبئی میونسپلٹی) کی رفیقۂ حیات [illegible] انجینئرنگ کے جناب عبدالسلام پاؤسکر کی [illegible] والدہ محترمہ ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔

• دابولی ضلع رتناگری کی ایک فعال شخصیت جناب غلام محمد رکھانگے (جناب عبدالسیٹھ کے بھائی) ۲۹ فروری ۸۴ء کو حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال کر گئے۔ مرحوم دابولی ایجوکیشن سوسائٹی و دیگر اداروں سے منسلک تھے اور نقش کوکن کے دیرینہ خیر خواہ تھے۔

• مشہور شاعر اور فلمی رائٹر جناب شعور نیازی طویل علالت کے بعد بھابھا اسپتال کرلا میں انتقال کر گئے۔ مرحوم ایک اچھے شاعر ہی نہیں بلکہ دردمند سوشل ورکر بھی تھے انجمن تبلیغ الاسلام اردو ہائی اسکول اور دیگر تعلیمی اداروں سے بھی وابستہ تھے۔

• مالیگاؤں کی ایک عظیم ہستی (سابق ریاستی وزیر جناب نہال احمد صاحب کے والد بزرگوار) مولوی محمد عثمان صاحب طویل علالت کے بعد مالک حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم مدرسہ جامعۃ الصالحات کے بانی اور روح رواں تھے۔

• ادارہ نقش کوکن کے دیرینہ سرپرست اور ہندوستان کے مشہور و معروف ادارہ علی بھائی شرف علی اینڈ کمپنی پرائیویٹ لمیٹڈ کے منیجنگ ڈائریکٹر اور بزرگ ہستی محترم جناب حاتم بھائی علی بھائی امیر الدین طویل علالت کے بعد ۱۱ دسمبر ۸۳ء بروز اتوار اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ مرحوم بہت ہی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کی نگرانی میں مطبع محمدی نے جدید کمرشیل طباعت میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

• آسمان اردو ادب کے درخشاں ستارے محترم ساغر نظامی کا پچھلے مہینہ انتقال ہوگیا۔ آپ ایک سچے محب وطن تھے ہندوستان کو آزادی دلانے میں آپ کی نمایاں خدمات ہیں۔ آپ کو اردو، انگریزی اور فارسی زبان پر حد درجہ عبور حاصل تھا۔ ان کی شاعری کی وجہ سے وہ ہمیشہ اس دنیا میں امر رہیں گے۔

• محکمہ انفورسمنٹ کے ایک ذمہ دار افسر جناب گلزار خان سرگروہ کی والدہ ۷ فروری ۸۴ء کو راہیٔ عدم ہوگئیں۔ آپ عرصۂ دراز سے علیل تھیں۔

• پنویل ضلع رائے گڑھ کی معزز ہستی اور بمبئی کے نوجوان ڈاکٹر اسحاق (بہاسدا یم) اور ڈاکٹر شرف قاضی (کرلا) کے خسر جناب احمد صاحب خطیب کا ۶ جنوری ۸۴ء کو سائن اسپتال بمبئی میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم عارضۂ قلب میں مبتلا تھے۔ پنویل کی کئی سماجی و تعلیمی انجمنوں کے آپ رکن اور نقشِ کوکن کے دیرینہ خیر خواہ تھے۔

• کیپٹن الحاج عبدالرزاق بھوبنل کی والدہ کا ۳ فروری ۸۴ء کو ان کے وطن سبطوڑہ ضلع رتناگری میں ناگہانی طور پر انتقال ہوگیا۔

• حضرت محمد اسحاق ناڈکر صاحب توکلی چشتی القادری متوطن بانکوٹ ۱۱ فروری ۸۴ء کو حبیب اسپتال بمبئی میں مختصر سی علالت کے بعد ——— واصل بحق ہوگئے۔

• نقشِ کوکن کے ایک دیرینہ سرپرست مقیم سنگاپور جناب حاجی ناظم بابا کا پچھلے مہینے (فروری ۸۴ء میں) حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا۔

• بانکوٹ کی مشہور شخصیت جناب حسن شیخ نوری کا ۱۴ جنوری ۸۴ء کو بعمر ۸۵ سال انتقال ہوگیا۔

• شیون بزرگ تعلقہ کھیڈ کے جناب ابراہیم قطب الدین علوی جنوری کے آخری ہفتہ میں رحلت فرما گئے۔ مرحوم کوکن کے شاعر جناب سہا شیوی کے بھائی تھے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ آپ نے درس و تدریس اور مسجد میں امامت کی خدمت میں صرف کیا۔

• محترمہ رقیہ بائی زوجہ مرحوم اسماعیل کا ۲۴ دسمبر کو بمبئی میں انتقال ہوگیا۔

آخری صفحہ

اور استاد بسم اللہ خان کی شہنائی میں آپ کو کون سی آواز سنائی دیتی ہے؟
اور کیا اُستاد مشتاق علی خان اور استاد ولایت خان کے ستار میں بھی کسی کو ہندوستانیت سنائی نہیں دیتی؟
استاد جہانگیر خان اور استاد کرامت اللہ خان کے طبلے سے بھی کسی کو ہندوستانیت کی آواز سنائی نہیں دیتی؟
اور استاد علاء الدین خان، استاد علی اکبر خان اور استاد حفیظ علی خان کے سرود میں
اور استاد بڑے غلام علی خان، استاد نثار حسین خان، استاد الطاف حسین خان، استاد رجب علی خان،
کے شاستریہ سنگیت سے بھی کسی کو ہندوستانیت کی آواز سنائی نہیں دیتی؟
خالص ہندوانی سنگیت جسے شاستریہ سنگیت کہتے ہیں میں مسلمان غیر مسلموں سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔
ان حضرات نے ہر روز اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے تک ریاض کر کے شاستریہ سنگیت کو جلا بخشی تھی۔
اور نوشاد علی جنھیں شاستریہ سنگیت کا استاد کہتے ہیں، بھی قومی دھارے میں نہیں؟
اور مرحوم محمد رفیع کے خالص ہندوستانیت میں رنگے ہوئے لاتعداد گیت بھی ہندوستانی نہیں تھے؟
اور کہتے ہیں کہ آج تک گائے جانے والے بھجنوں میں بہترین بھجن محمد رفیع نے گائے ہیں۔
اور یوسف خان کا دلیپ کمار بننا بھی مسلمانوں کو قومی دھارے میں شامل نہ کر سکا
کہتے ہیں اس اداکار نے آج تک کسی فلم میں مسلم کردار ادا نہیں کیا۔
مکمل ہندوستانیت میں رنگا ہوا یہ اداکار چونکہ یوسف بھی ہے اس لئے ۸۰ فیصد ہندوستانی پریس کا قابل ملعون بنا ہے
اور نہ جانے کتنے مسلم فنکار جو اپنے نام بدل کر پردۂ سیمیں پر کام کر رہے ہیں
مگر ہر طرف یہی شور ہے کہ مسلمان قومی دھارے میں شامل نہیں۔
اور وہ سید کرمانی جنھوں نے شاید ہی کسی پاکستانی کھلاڑی کی کیچ چھوڑی ہو گی۔
اور وہ منصور علی خان پٹودی جن کی کپتانی کو لوگ کرکٹ کا ایک اسکول سمجھتے ہیں۔
اور وہ عابد علی جو اپنی بالنگ سے مخالف ٹیم میں صف ماتم بچھا دیا کرتا تھا۔
اور وہ اسلم شیر خان اور ظفر اقبال جنھوں نے پاکستان کے خلاف شاید ہی کوئی پنلٹی اسٹروک گول میں تبدیل نہ کیا ہو۔
یہ اور ایسے کئی کھلاڑیوں کی محنت، لگن اور حب الوطنی مسلمانوں کو قومی دھارے میں شامل نہ پا سکی۔
نہ وہ ڈاکٹر قاسم سمیت لاتعداد سائنس داں مسلمانوں کو قومی دھارے میں شامل ہونے کی دلیل ہیں،
اور نہ ایم ایف حسین اور ف طہٰ احمد کا بے مثال آرٹ ہی مسلمانوں کو قومی دھارے میں شامل کر سکا
نہ حکیم اجمل خان کا ہمدرد نہ حافظ یوسف دہلوی کی شمع
نہ امین سایانی کی آواز جو ریڈیو سے پچھلے ۳۰ سالوں سے برابر سنائی دے رہی ہے۔
اور آج بھی یہ آواز برابر سنائی دے رہی ہے کہ مسلمان قومی دھارے میں شامل نہیں۔
تو پھر آخر یہ قومی دھارا کیا ہے اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے

(قومی دھارا جاری)

مبارک کاپڑی

Licensed to post without pre-payment Mandvi Bombay. Licence No. 8

AJMAL PRESS, Bombay-3 & Published from 44 Jail Road (East) Bombay-9. DR A. M. NAIK M.B.B.S. NOSHE KOKAN Publication Trust Bombay-9 Title Cover Printed at AMIN ART PTG PRESS BOMBAY-9

APRIL - 1984
Rs. 2-50

नकशे
कोकण
23RD
YEAR OF PUBLICATION

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی
NAQSHE KOKAN MONTHLY

نقش کوکن

قائم شدہ: ۱۹۶۲ء

ماھنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انڈین لینگویجز نیوز پیپر ایسوسی ایشن بمبئی

جلد ۲۳ / اپریل سنہ ۱۹۸۴ء / شمارہ ۴

قیمت فی پرچہ : ۲½ روپے
سالانہ خریداری : ۲۵ روپے
تاعمر خریداری : ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ : ۱۰۰/۱۵۰ روپے
" " تاعمر : ۱۲۵۰ روپے

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر : ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر : ایس۔ اے رحیم قیصر

مقام طباعت : اجمل پریس بمبئی ۳
مقام اشاعت : ۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

ملکیت : نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (E 3006)

فون: 865384/801572/869974

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:
۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری، بمبئی ۹

تمام متنازعہ امور میں
حق سماعت عدالت ہائے بمبئی کو ہوگا۔

تاریخ اشاعت: یکم اپریل ۱۹۸۴ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

اس ماہ کے نقوش

خصوصی پیشکش

منتخبات القرآن

★ مَاذَا یُنْفِقُ الْمُسْلِمُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکَیْفَ وَ اِلَامَ

مسلمانوں کو خیرات کس طرح اور کس حد تک کرنی چاہئے

★ تَعْرِیْفُ الصَّدَقَۃِ

خیرات کی تعریف

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝

(البقرہ)

جو لوگ اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی (خیرات کی) مثال اس دانے کی سی (ہے) جس سے سات بالیں پیدا ہوئیں۔ ہر بال میں سو دانے۔ اور اللہ برکت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ (بڑی کشائش والا (اور ہر ایک کے حال سے) واقف ہے۔

★ مَاذَا یَفْعَلُ الْمُسْلِمُ بِالسَّائِلِ

سائل کے ساتھ مسلمانوں کا برتاؤ کیسا ہونا چاہئے۔

۱۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝

اور سائل کو نہ جھڑکنا۔

(الضحیٰ)

۲۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ۝

(البقرہ)

نرمی سے
جواب دے دینا اور
(سائل کے اصرار سے) درگذر کرنا اُس خیرات سے بہت بہتر ہے
(جس کے دینے) کے بعد سائل کو کسی طرح کی ایذا ہو۔ اور اللہ بے نیاز (اور) بردبار ہے۔

یہ خصوصی پیشکش جناب ای۔ ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجرِ عظیم عطا فرمائے

پہلا صفحہ

اس مرتبہ اس صفحے پر چند نئے فارمولے پیش کر رہا ہوں جو ہندوستانی سیاست کو بے نقاب کرتے ہیں۔

۱۔ گائے کی چربی + سؤر کی چربی = ووٹ

۲۔ اندرا گاندھی + راجیو گاندھی = کانگریس (آئی)

۳۔ فرقہ پرستی + فرقہ پرستی = واجپائی + چرن سنگھ

۴۔ بھارتیہ جنتا پارٹی = آر۔ایس۔ایس = وشو ہندو پریشد

۵۔ سیاست ۔ انسانیت = ہندوستانی سیاست

۶۔ قلابازی + قلابازی + قلابازی + قلابازی + قلابازی + قلابازی = بہوگنا

۷۔ بھنڈرن والے + لونگوال + جرنیل سنگھ = اندرا گاندھی

۸۔ ۲ + ۲ = ۵ = اندرا کانگریس

۹۔ آیا رام + گیا رام = جگ جیون رام

۱۰۔ ½ سیاست داں = مینکا گاندھی

۱۱۔ مسلم ایم۔ایل۔اے + مسلم ایم۔پی + مسلم وزراء = صفر

۱۲۔ چرن (سنگھ) + بندے + پر (کاش سنگھ) ندلے + در (بارہ سنگھ) نرلے = پنجاب

۱۳۔ کانگریس = کانگریس (اے) + کانگریس (بی) + کانگریس (سی) + کانگریس (ڈی) + کانگریس (ای) + کانگریس (ایف) + کانگریس (جی) + کانگریس (ایچ) + کانگریس (آئی) + کانگریس (جے) + کانگریس (کے)...... + کانگریس (زیڈ)

۱۴۔ اندرا گاندھی + چرن سنگھ + واجپائی = مثلث متساوی الساقین

۱۵۔ (بھنڈرن والے + لونگووال) + $\sqrt{\text{اندرا گاندھی}}$ + (پرکاش سنگھ بادل)[۳] × تومہرا

= ─────────────────────

(بھجن لال)[۲] × دربارہ سنگھ ـ (چرن سنگھ × سیٹھی) + برنالہ

(اس سمجھ میں نہ آنے والے فارمولے کا نام ہے) "پنجاب"

۱۶۔ ۱۰۰ فیصد ہندو = واجپائی

۱۰۱ فیصد ہندو = اندرا گاندھی

۱۰۲ فیصد ہندو = بالا صاحب دیورس

۱۷۔ نیشنل ڈیموکریٹک محاذ = وہ مثلث جس کے صرف دو اضلاع ہوتے ہیں۔

۱۸۔ ۹۰٪ اندرا + ۱۰٪ راجیو = دور درشن

۱۹۔ 75٪ مسلم دشمنی + 25٪ سکھ دشمنی = قومی اخبارات

مبارک کاپڑی

قومی اتحاد

اس وقت ملک جن اہم اور نازک مسائل سے دوچار ہے وہ قومی اتحاد و یک جہتی، ملک کی سالمیت اور امن وامان کے مسائل ہیں۔ ماضی قریب میں انھیں وجوہات کے باعث ملک کی تقسیم ہو چکی ہے۔ مبادا پھر تاریخ اپنے آپ کو دہرائے۔ مسز اندرا گاندھی اور دوسرے سیاست دان برابر اس خدشے کا اظہار کر رہے ہیں۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ بار بار کی انتباہ کے بعد بھی جگہ جگہ قومی منافرت کے مظاہرے دیکھنے میں آرہے ہیں۔ اگر کہیں ٹیپو سلطان کا مجسمہ نصب کرنے کا پروگرام بنتا ہے تو اس کی مخالفت ہوتی ہے۔ کہیں مذبح خانہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا جارہا ہے تو اس کے خلاف احتجاج کیا جاتا ہے۔ بند کا تو ایک سلسلہ چل پڑا ہے۔ آج بمبئی بند ہے تو کل پنجاب و ہریانہ بند ہے۔ بدامنی کا یہ عالم ہے کہ ریڈیو سنئے یا اخبار پڑھئے سب سے زیادہ خبریں بدامنی کی ہوں گی۔ اِدھر قتل اُدھر ڈاکہ، کہیں آتش زنی اور کہیں دھوکہ فریب۔ ان خبروں سے ہم یہ محسوس کر سکتے ہیں کہ ہمارا معاشرہ کتنا انحطاط پذیر ہو رہا ہے۔ اور ہمارے خیالات فتنہ و فساد اور تخریب کاری کے رجحان سے کس قدر زہر آلود ہوگئے ہیں۔

اس وقت ملک کی رگ رگ میں جو یہ بیماریاں سرایت کر گئی ہیں، ہمارے سیاست دانوں نے ان کا ازالہ سیکولرزم لادینی حکومت کے ذریعہ کرنے کی ٹھان لی ہے۔

ان کو اس میں اس کا مداوا نظر آتا ہے۔ حالانکہ ہر دن جو سورج چڑھتا ہے وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ سیکولرزم یا لادینی حکومت ہندوستانی مزاج کے مطابق نہیں۔ جوں جوں سیکولرزم کو فروغ دیا جا رہا ہے ملک کے حالات ابتر ہوتے جارہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ سیکولرزم کو کوئی تقدس کا درجہ حاصل نہیں؛ نہ ہندوستانیوں کے ذہن و فکر پر اس کی کوئی گرفت۔

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو مذہب اور دھرم کا گہوارہ ہے، یہاں کے شہری مذہبی اقدار کا احترام کرتے ہیں، مذہبی ودھارمک کتابوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اور مذہبی شخصیتوں کے اخلاق و سیرت کی پیروی کرتے ہیں۔ اس لئے حالات کا تقاضہ یہ تھا کہ ہندوستان میں مذہبی اقدار کو زندہ کیا جاتا۔ مذہبی رہنماؤں کی زندگی کو اہمیت دی جاتی۔ اسکول اور کالج میں ایسے بزرگوں کے حالات زندگی پڑھائے جاتے۔ ریڈیو اور ٹی۔وی کے ثقافتی و کلچرل پروگرام میں مذہبی آثار کو جگہ دی جاتی۔ مگر سیکولر حکومت میں اس کی گنجائش نہیں۔ اس میں موسیقی اور رقص و سرود کو جو اہمیت ہے وہ گیتا، رامائن اور بائبل کے پاٹھ کو نہیں۔

اب کہ ۳۴ سالہ تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جس آئیڈیل پر ملک کا نظم و نسق قائم ہے اس کی لوگوں کے دلوں پر کوئی گرفت نہیں ہے تو ارباب حکومت کو اپنی پالیسی پر

ظر ثانی کرنی چاہئے۔
مثلاً کبھی کبھی سرکاری سطح پر قومی اتحاد و یک جہتی
کی تقریب منائی جاتی ہے۔ اس میں شعراء و دانشور
مدعو کئے جاتے ہیں۔ اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ مختلف
فرقے کے لوگ آپس میں مل جل کر گا بجالیں گے تو فرقہ وارانہ
اتحاد قائم ہو جائے گا۔ لیکن مشاہدہ بتا رہا ہے کہ
ان تقریب سے قومی اتحاد و یک جہتی کے قیام میں کوئی
مدد نہیں ملتی۔ اگر اس کے مقابل ہر قوم کو ان کے بزرگوں
کی ان تعلیمات سے روشناس کرائی جائیں جو قومی اتحاد و یک جہتی
سے متعلق ہیں تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوگ ان
تعلیمات کا احترام کریں گے۔ اس لئے کہ وہ اپنے مذہبی بزرگوں کو
واجب الاحترام مانتے ہیں۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی
کہ ہندوستانی سماج میں مذہبی اقدار کو کمزور کرنے کے بجائے مضبوط کرنے کی
کوشش کی جائے۔

رفیع اللہ شہاب

جہیز

اخبارات میں ہر پندرہ روز کے بعد کسی نہ کسی شہر سے یہ خبر ضرور شائع ہوتی ہے کہ تیل کا چولھا پھٹنے سے ایک لڑکی جل گئی۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ لڑکی یا تو نئی بیاہی ہوئی دلہن ہوتی ہے یا کوئی ایسی لڑکی ہوتی ہے جس کی شادی قریب ہو۔

ہمارے ہاں اصلاح کا دعویٰ کرنے والوں کی کمی نہیں۔ لیکن کسی نے بھی اس امر پر غور کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ چولہے پھٹنے سے صرف دلہن اور نوجوان لڑکیاں ہی کیوں مرتی ہیں۔ دراصل یہ ساری کارستانیاں جہیز کی ہندوانہ رسم کی ہیں۔ اور نوجوان لڑکیوں کو اس کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ جہیز کی رسم امیروں کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ لیکن انھوں نے یہ رسم اختیار کر کے لاکھوں غریب گھرانوں کا سکون چھین لیا ہے اور ان بیچاروں کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی نوجوان لڑکیوں کو کس طرح رخصت کریں۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ جہیز کتنا ہی مہیا کیوں نہ کر دیا جائے۔ سسرال والوں کی حریص نظروں میں وہ ہمیشہ کم ہی رہتا ہے، جس کے نتیجے میں بےچاری نئی نویلی دلہنوں کو ہر وقت طرح طرح کے طعنے سہنے پڑتے ہیں اور نتیجہ تیل کے چولہے کے پھٹنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ انھیں برائیوں کی وجہ سے شریعت اسلامی نے اس رسم بد کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

پہلی نظر میں جہیز عربی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ اور بلاشبہ یہ عربی زبان کا لفظ بھی ہے۔ لیکن اس کے وہ معنی نہیں جو ہمارے یہاں مروج ہو گئے ہیں۔ عرب میں اس کے معنی ہلکے تیز رفتار گھوڑے کے ہیں۔ اور اس کے جو معنی ہمارے ہاں لئے جاتے ہیں یعنی شادی کے موقعے پر دلہن کے ساتھ زیورات اور کپڑوں کے علاوہ گھریلو ضروریات کا تمام سامان کہ جس میں اب ٹیلی وژن اور فریج بھی شمار ہوتے ہیں مہیا کیا جائے۔ اس قسم کے جہیز کا رواج عربوں میں نہ تو اسلام سے قبل تھا اور نہ ہی اسلام قبول کرنے کے بعد کوئی ایسی صورت پیدا ہوئی۔ بلکہ شریعت اسلامی نے شادی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری ہونے والے خاوند پر ڈالی ہے۔ اس کی شادی کے لئے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اگر وہ یہ اخراجات پورے نہیں کر سکتا تو اس سے بڑھ کر روزے رکھ کر اپنے نفس پر قابو پانا چاہیئے۔ اس مسئلے کو غلط تاویلات سے بچانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی صورت میں امت مسلمہ کے سامنے ایک نمونہ پیش فرمایا۔

سیرت النبی ؐ کی تمام کتابوں میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شادی کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں معمولی اختلاف ہے۔ اس لئے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تفصیلات ایک ایسی معتبر کتاب سے نقل کی جاتی ہیں کہ جس پر شیعہ سمیت تمام فرقوں کا اتفاق ہے۔ اس کتاب کا نام "روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء" ہے۔ اس

کتاب کے جلد دوم کے صفحہ ۴۲، ۵۰، پر یہ تفصیلات ملتی ہیں:
جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے شادی کی خواہش ظاہر فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ حق مہر کا کیا بندوبست کروگے؟ عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ فرمایا تمھاری وہ قبطی زرہ بکتر کہاں ہے؟ عرض کیا وہ تو موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس اسی کو مہر قرار دے کر دے دو۔
کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے وہ زرہ بکتر چار سو اسی درہم میں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ فروخت کی۔ وہ زرہ بکتر ایسی کشادہ اور سخت تھی کہ اس پر تلوار بھی اثر نہ کر سکتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ خریدنے کے بعد حضرت علیؓ کو واپس کر دی۔ حضرت علی المرتضیٰ وہ زرہ بکتر اور اس کی قیمت جو چار سو اسّی درہم تھی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کے کے حق میں دعا فرمائی اور اس رقم کے ۱/۴ حصے یعنی ایک سو بیس درہم تو خوشبو خریدنے پر صرف کئے۔ بقیہ تین حصوں یعنی تین سو ساٹھ درہم کے دو دھاری دار کپڑے، چاندی کے دو بازو بند، ایک بستر کا لحاف اور اسی کا ایک تکیہ بنوایا۔ بعض مورخین دو تکیے لکھتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ گھر کی عام ضروریات کی کچھ چیزیں تھیں۔ یہ سب سامان حق مہر کی اس رقم سے مہیا کیا گیا۔ جو حضرت علیؓ نے شادی سے پہلے ادا کر دیا تھا۔
اب اگر کوئی امیر گھرانہ حضرت فاطمہؓ کے مذکورہ بالا ساز و سامان سے موجودہ رسم جہیز کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کرے تو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ یہ تمام سامان حق مہر کی اسی رقم سے مہیا کیا گیا تھا جو حضرت علیؓ نے شادی سے پہلے ادا کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کے پاس جیسا کہ بتایا جا چکا ہے حق مہر کی رقم تک موجود نہ تھی، جس کے لئے انھیں اپنی سب سے محبوب چیز یعنی زرہ بکتر کو فروخت کیا۔
حضرت علیؓ نے خود کاشانۂ نبوی میں پرورش پائی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؓ نہایت پیاری تھیں۔
اگر آپؐ چاہتے تو حضرت فاطمہؓ کی شادی کے لئے بڑے سے بڑے جہیز کا انتظام فرما سکتے تھے۔ لیکن آپؐ کو تو امت مسلمہ کو عملی تعلیم دینی تھی کہ شریعت اسلامیہ کی رُو سے شادی کے تمام اخراجات کی ذمہ داری ہونے والے خاوند پر ہے، جسے اُسے حق مہر کی صورت میں شادی سے پہلے ادا کرنا ہوتا ہے۔
لیکن افسوس ہے کہ ہم نے اسلامی شادی کی اس اصل بنیاد یعنی حق مہر کو تو ایک رسمی چیز بنا دیا ہے اور اس کی حیثیت محض ایک دکھلاوے کی رہ گئی ہے۔ جو کبھی ادا نہیں کیا جاتا۔ اس کے بدلے میں ہمارے افراد نے ہندو معاشرے سے رسم جہیز کو اختیار کر لیا ہے جس نے لاکھوں گھرانوں کا سکون چھین لیا ہے۔
خیال رہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادیوں کے لئے حضرت فاطمہؓ جتنے گھریلو سامان کا بھی انتظام نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی امہات المومنین میں سے کوئی اپنے ساتھ ایسا ساز و سامان لائیں۔ اگر ایسا ہوتا تو سیرت کی کتابوں میں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ دراصل معاملہ یوں تھا کہ حضور کی دوسری صاحبزادیاں جن گھرانوں میں بیاہی گئیں یعنی حضرت ابوالعاصؓ اور حضرت عثمانؓ۔ تو وہاں گھریلو ضروریات کا سامان پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس لئے ان کے لئے آپؐ نے کسی ساز و سامان کا انتظام

نہ فرمایا۔ لیکن ہمارے اُمراء نے تو ان اسلامی تعلیمات کی مخالفت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ جن گھروں میں ان کی بچیوں کی شادیاں ہوتی ہیں وہاں ضرورت کا سامان پہلے ہی سے موجود ہوتا ہے، جن میں نوّے فیصد سامان کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔

ان تفصیلات سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ شریعت اسلامی میں لڑکیوں کو کچھ دینا جائز نہیں۔ شریعت اسلامی میں تو انھیں دینا ایسا ہی قرآنی فرض ہے جیسا کہ نماز روزہ فرض ہے۔ اس مقصد کے لئے شریعت اسلامیہ نے والدین کے مال میں ان کا باقاعدہ حصہ مقرر کیا ہے۔ زندگی میں بھی جب لڑکیوں کو ضرورت لاحق ہو وہ اس کو دینے کے پابند ہیں۔ اور موت کے بعد وراثت میں بھی مقررہ حصہ پاتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ شریعت کے اس حکم پر بھی بہت کم عمل ہوتا ہے۔ اور عام طور پر لڑکیوں کو ان کے حصہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہ حصہ چونکہ ہر خاندان کی مالی حالت کے مطابق ہوتا ہے اس لئے غریب خاندانوں کے لئے اس کی پیروی لازمی نہیں ہوتی جیسا کہ رسم جہیز میں وہ کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن ہم نے اسلامی احکامات کے بالکل الٹ طرز عمل اختیار کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے ہماری نوجوان بچیوں کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس سے بچانے کے لئے ہم کب اسلامی احکام پر عمل کریں گے؟

بقیہ: کرب کے ستارے

اغلاط سے متعلق ہے۔ پرنٹنگ بھی کوئی خاص جاذب نظر نہیں۔ اگر یہ کتاب انگلستان میں چھپتی تو ممکن تھا کتاب کا گیٹ اپ SET UP اس سے کہیں بہتر ہوتا — آخر میں، سرورق کی تصویر سے بھی اتفاق نہیں۔ جو رومانی ناولوں کا بہت ہی عام اور فرسودہ لیبل ہے۔ ممکن ہے آئندہ کسی علامتی SURRIALISTIC عکس کو مدنظر رکھا جائے تو بہتر ہو گا۔

عمر سرنگ
برائے انڈین مسلم فیڈریشن یو۔ کے

چند اصلاح طلب باتیں

از: شہاب بانکوٹی

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اس لئے شادی بیاہ کے سلسلے میں خالص شرعی طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اللہ کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لوگوں کو خوش کرنے کی کوشش کرنا دنیا پرستوں کا کام ہے۔ اہل ایمان کی زندگیاں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے وقف ہوتی ہیں۔

● شادی کی تقریب کو ہر قسم کے تکلفات نیز باجہ، موسیقی اور فلمی گانوں جیسی لغویات سے پاک اور سادہ بنایا جائے ● غیر اسلامی رسوم اور جہالت کے طور طریقوں سے اجتناب کیا جائے ● نمائشی اخراجات اور فضول خرچی سے لازماً بچنا چاہیئے۔ احادیث میں آتا ہے کہ کم خرچ کی شادی باعث برکت ہوتی ہے ● پردے کے احکام کی خلاف ورزی، مرد و زن کا اختلاط اور فوٹو گرافی کا اہتمام تہذیب جدید کے تحفے ہیں۔ لیکن اسلام کی نظر میں یہ سب اخلاقی و معاشرتی بگاڑ پیدا کرنے والی چیزیں ہیں ● مہر کے معاملہ میں افراط و تفریط سے بچنا چاہئے۔ کوئی شخص اپنی حیثیت سے بڑھ کر اتنا مہر نہ باندھے کہ آئندہ بھی اس کی ادائیگی ممکن نہ ہو۔ اور نہ ایک صاحب حیثیت آدمی کے لئے یہ مناسب ہے کہ [illegible] بیس روپے کا مہر محض خانہ پری کے لئے باندھے۔ لمزواج مطہرات کا مہر تقریباً پانچسو درہم تھا جو ۱۵۳ اگرام چاندی کے برابر ہے ● جہیز ایک غیر اسلامی رسم ہے۔ اس کا مطالبہ مہر [illegible] ● نمائشی قسم کے دعوتی کارڈ پر ہزاروں روپیہ خرچ کرنا محض حاصل کرنے کا سامان ہے ● تحفہ دینے کی رسم بھی اصلاح طلب ہے شادی کے موقع پر اکثر تحفے دکھاوے اور نام و نمود کیلئے دیئے جاتے ہیں چنانچہ اس کا بدلہ بھی آئندہ مطلوب ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کی رو سے دکھاوے کیلئے خرچ کرنا اہل ایمان کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر کام اسلامی طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

کتاب الرقاق فی النصائح

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طلب الدنیا حلالا لا استعفافا عن المسئلۃ وسعیا علی اھلہ ولطفا علی جارہ لقی اللہ تعالیٰ یوم القیامۃ ووجہہ مثل القمر لیلۃ البدر۔ ومن طلب الدنیا حلالا مکاثرا مفاخرا مرائیا لقی اللہ تعالیٰ وھو علیہ غضبان ــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان وابو نعیم فی الحلیۃ۔

ترجمہ :۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حلال طریقے سے دنیا کی طلب کی اپنے اہل وعیال کی خبرگیری کے لئے اور اپنے پڑوسیوں پر لطف واحسان کرنے کے لئے وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا لیکن جس نے دنیا کمائی تو حلال طریقے سے مگر اس کی نیت یہ ہو کہ مال جمع کرے، دولت پر فخر کرے اور لوگوں کو دکھلائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس پر سخت غضب ناک ہوگا ــ یہ حدیث بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابونعیم نے حلیہ میں بیان کی ہے۔

تشریح :۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صرف رزق حلال ہی کافی نہیں بلکہ نیت بھی نیک ہونی چاہئے۔ یعنی بھیک مانگنے سے بچنے کی، اہل وعیال کی خبرگیری کی اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی نیت ہو تو یہ دولت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوتی ہے۔ لیکن جس کی نیت صرف مال جمع کرنا ہو یا فخر و ریاکاری ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے سخت ناراض ہوتا ہے۔

پرویز باغی :-

پتھروں میں بھی گہر مل جائے گا — گھر سے نکلو، ہم سفر مل جائے گا
بے گھری یوں ختم کر دی جائے گی — جن کے گھر ہیں، ان کو گھر مل جائے گا
راکھ کو یارو کریدو تو سہی — کوئی پوشیدہ شرر مل جائے گا
آزما لینا دلیروں کو کبھی — کچھ نہ کچھ ہر دل میں ڈر مل جائے گا
نیکیوں کو ڈال دے دریا میں تو
سوچتا کیوں ہے، ثمر مل جائے گا

★

ساحر شیوی کینیا۔ مشرقی افریقہ :-

کہانی بے یقینی کی فسانہ بے یقینی کا — سرابوں کی طرح دھوکا زمانہ بے یقینی کا
سرایت خوں میں ہوتے ہی جبیں کا زہر بن جائے — زمیں پہ کیوں اگاتے ہو وہ دانہ بے یقینی کا
دکھائے ایک اک لمحہ نے سو سو شعبدے مجھ کو — ملا ہے شہر میں تیرے خزانہ بے یقینی کا
جہاں مزدور پہ نظرِ کرم ڈالی نہیں جاتی — نہ کیوں مسمار ہو وہ کارخانہ بے یقینی کا
چلو دیکھو یہ منظر شیخوں پیروں کے مزاروں پر — ہے سجدوں سے منور آستانہ بے یقینی کا
اتر سکتی ہیں جو دل میں سنو بیدل کی وہ باتیں — سنائے لاکھ وہ قصہ پرانا بے یقینی کا
جیسے گاتے ہوئے اسکول میں کتراتے ہیں بچے
لکھا ہے کس نے یہ ساحر ترانہ بے یقینی کا

★

منور علی منور فروس :-

پریشاں کرنے والوں کو پریشاں دیکھتا ہوں میں — تمسخر کرنے والوں کو پشیماں دیکھتا ہوں میں
جو مضطر اور بے کس پر بہت آوازے کستے تھے — انھیں تو آج افکاروں میں حیراں دیکھتا ہوں میں
پھلا پھولا گھر اپنا دیکھ کر جو فخر کرتے تھے — وہی پھولا پھلا گھر آج ویراں دیکھتا ہوں میں
علاجِ غم کیا ہوں شاعری جو راس آئی ہے
ہجومِ غم میں منور کو غزل خواں دیکھتا ہوں میں

★

شذرات

بھینسوں کی لڑائی

بھارت میں بھینسوں کی لڑائی شروع ہو چکی ہے۔ ایک بھینسا تو دہلی کا ہے۔ جو سب سے موٹا۔ تگڑا اور مضبوط ہے۔ دوسرا بھینسا کشمیر کا ہے، تیسرا پنجاب کا، چوتھا مدراس کا۔ پانچواں آندھرا پردیش کا۔ چھٹا کرناٹک کا اور ساتواں بنگال کا۔

دہلی کا بھینسا باری باری ان تمام بھینسوں پر حملے کرتا ہے۔ یہ لڑائی کے بڑے بڑے داؤ پیچ جانتا ہے۔ شاید اس نے چپکے چپکے کراٹا سیکھ رکھا ہے۔

یہ جب کسی بھینسے پر حملہ کرتا ہے تو کوشش یہ ہوتی ہے تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی وار میں سینگیں توڑ دے اور آنکھیں پھوڑ ڈالے۔ یہ سب بھینسوں پر بڑی آزادی سے حملے کرتا ہے۔ سوائے کشمیری بھینسے کے۔

کشمیر ایک وادی ہے۔ اس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ دہلی والا بھینسا سوچتا ہے کہ اگر اس پر زوردار حملہ کیا گیا تو کہیں یہ اپنا بچاؤ کرتے کرتے پہاڑ کے اس پار نہ چلا جائے۔

کچھ اسی قسم کا اندیشہ پنجاب اور بنگال کے بھینسوں کے متعلق بھی ہے۔ اگر انھیں ایک مرتبہ زور سے رگیدا گیا تو کہیں یہ بھی بدحواسی میں اچھل کود کے باونڈری نہ پھلانگ جائیں۔ اسی لئے ان تینوں بھینسوں پر اوچھے اوچھے وار کئے جاتے ہیں۔ اور وہ بھی بہت سنبھل سنبھل کر۔

رہ گئے مدراس۔ آندھرا پردیش اور کرناٹک کے بھینسے۔ تو ان کی طرف سے زیادہ فکر نہیں۔ کرناٹک اور آندھرا پردیش کے بھینسے تو ریاستی چہار دیواری میں بند ہیں۔ یہ دہلی والے بھینسے سے فری اسٹائل کشتی لڑ نہیں سکتے۔ اگر لڑیں گے تو رنگ کے پاس آکر اپنی ہار کا اعلان کرنا ہوگا۔ ان میں اتنا دم خم نہیں کہ رنگ پھلانگ کے اس پار چلے جائیں۔ اور اگر ایسی حماقت کریں گے تو ایک چہار دیواری سے نکل کے دوسری چہار دیواری میں قید ہو جائیں گے۔

رہ گیا مدراسی بھینسا، تو اس کی طرف سے ذرا ذرا اندیشہ ہے۔ اور اندیشہ یہ ہے کہ کہیں یہ سمندر میں چھلانگ نہ لگا دے۔ اور اگر وہ ایسا کر بیٹھا تو خواہ مخواہ دہلی والے بھینسے پر ہنسا کا الزام آئے گا۔ اس لئے کہ اس صورت میں مدراس کا بھینسا سمندر میں بے آب و دانہ مر جائے گا۔ وہاں دانہ تو ملے گا ہی نہیں۔ پانی بھی نہیں ملے گا۔ چونکہ سمندر کا پانی بڑا ہی کھرا ہوتا ہے۔ پی نہیں سکتے۔ اگر مدراسی بھینسے نے یہ پانی پیا تو حلق سوکھ کر کانٹا ہو جائے گا۔ اور وہ پانی میں رہتے ہوئے بھی تڑپ تڑپ کے بے پانی مر جائے گا۔

غرض دہلی والے بھینسے کے سامنے کسی بھینسے کی خیر نہیں معلوم ہوتی ہے۔ یہ علاقائی بھینسے ہیں۔ یہ بین الاقوامی داؤ پیچ کیا جانیں۔ یہ تو دہلی والے بھینسے سے ہار کر جب بھاگتے ہیں تو اپنی ریاست ہی کے جانداروں اور غیر جانداروں کو روندتے

چلے جاتے ہیں۔

دہلی والے بھینسے کی حیثیت چکرورتی راجے کے گھوڑے کی سی ہے۔ وہ گھوڑا اسی لئے چھوڑا جاتا ہے کہ دیکھیں کس ماں کے لال میں اس کو پکڑنے کی ہمت ہے۔ کہ کھڑی کھڑی فصلیں کھاتا پھرے۔ جہاں تہاں لید کیا کرے۔ جس کو چاہے لات مار دے۔ کسی میں مجال نہیں کہ اُف کرے۔ اگر کسی قسمت کے مارے نے اُف کیا تو راجہ پورے لاؤ لشکر کے ساتھ اس کو تہس نہس کرنے دوڑ پڑتا ہے۔ دہلی والے بھینسے کا بھی یہی حال ہے۔ یہ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمعے میں پھنکارتا ہے۔ مگر کسی میں دم نہیں کہ سانس لے۔ سبھی دم سادھے بیٹھے رہتے ہیں۔ اگر کسی میں ہمت ہوئی تو بس بطور انکار اس طرح سر ہلا دیا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ مکھی یا مچھر بھگانے کیلئے سر ہلایا ہے۔

البتہ ڈر ایک بات کا ہے۔ وہ یہ کہ کہیں یہ سارے بھینسے مل جل کر۔ قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملا کر ایک مرتبہ دہلی والے بھینسے پر ٹوٹ پڑیں۔ مگر دہلی والے بھینسے کے دل سے یہ ڈر بھی نکل چکا ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ دیکھ چکا ہے کہ ان بھینسوں کو قدم سے قدم ملانا آتا ہے نہ کندھے سے کندھا۔ یہ جب بیٹھتے ہیں تو دُم سے دُم ملا کے بیٹھتے ہیں۔ اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کے الگ الگ سُر اور تان الاپتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی والے بھینسے کو ان بھینسوں کا کوئی ڈر نہیں۔

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی ہے
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

"سکے" کی تاریخ بہت پرانی ہے۔

کبھی یہ سکے لوہے کے بنے، کبھی تانبے اور پیتل کے۔ کبھی سونے اور چاندی کے، کبھی چمڑے اور المونیم کے۔ سکوں سے پہلے دنیا میں مال کے بدلے مال دیا جاتا تھا۔ یا نمک، کوڑی، چاندی یا سونے کے ٹکڑوں کو تبادلہ کا ذریعہ بنایا جاتا تھا۔

سب سے پہلا سکہ آج سے کوئی ۲۷ سو سال پہلے عراق میں ڈھالا گیا تھا۔ یہ سکہ سونے اور چاندی سے بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد یونان نے سکے ڈھالے۔ لیکن یونان میں ان کی نہ مرکزیت تھی اور نہ یکسانیت۔ یونان کا ہر شہر اپنا علیحدہ سکہ ڈھال لیتا تھا۔ سکوں کی خوب صورتی کے مقابلے ہوتے تھے۔ ان سکوں پر ایک جانب کسی دیوی یا دیوتا کی تصویر بنی ہوتی تھی اور دوسری جانب بادشاہ یا سردار کا عکس ہوتا تھا۔ یہ سکے ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کر بنائے جاتے تھے، اور اسی وجہ سے کبھی دو سکوں کا سائز ایک جیسا نہیں ہوتا تھا۔ یونانی سکے پوری دنیا میں قبول کر لئے جاتے تھے۔

اس کے چار سو برس بعد یعنی آج سے ۲۲ سو سال پہلے روم نے بھی اپنے سکے رائج کر دیئے۔ ان سکوں میں بعض کا وزن ایک پونڈ ہوتا تھا اور بعض کا ایک تولہ۔ یہ تمام سکے خالص سونے کے ہوتے تھے۔ لیکن سو برس کے بعد چاندی کا سکہ بھی بننے لگا۔ اور کچھ عرصہ بعد تانبے کا سکہ بھی رائج ہو گیا۔

کچھ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ دنیا میں سب سے قدیم سکے چین کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چین میں آج سے پانچ ہزار سال پہلے سے سکوں کا رواج تھا۔ ہر صوبہ اپنے الگ سکے بناتا تھا۔ یہ سکے تانبے اور پیتل کی ملی جلی دھات سے بنائے جاتے تھے۔

چین کے موجودہ مورخ تو یہاں تک دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ چین نے سب سے پہلے سکے رائج کئے بلکہ چینی کاریگروں نے ہی یونان، بابل، نینوا، مصر اور ہندوستان جاکر وہاں کے عوام کی ضرورت کے لئے شاہی حکم پر سکے ڈھالے تھے۔ اور سیکڑوں برس تک مختلف ملکوں کی ٹکسالوں کا سارا انتظام چینی کاریگروں کے ہی تحت رہا۔ لیکن چونکہ یہ چینی مورخ اپنے اس دعوے کے حق میں کوئی ٹھوس اور دستاویزی ثبوت نہیں پیش کر سکے ہیں اس لئے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ چینی کئی دفعہ خود کو جھوٹا ثابت کر چکے ہیں۔

سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں جنوبی امریکہ میں اسپینیوں نے سب سے پہلے ڈالر نام کا سکہ بنایا۔ ایک سکے کے برابر سے چار ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ ہر ٹکڑا آدھا ڈالر سمجھا جاتا تھا پورا سکہ دو ڈالر کا سمجھا جاتا تھا۔ ۱۷۹۱ء میں امریکی کانگریس کے حکم پر سب سے پہلے امریکی سکہ ڈھالا گیا اور صدی کے آخر تک فلاڈلفیا میں باقاعدہ سکے ڈھالنے والا ایک

ادارہ بنا دیا گیا۔ اور اب تو ایسی مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں جو
ایک گھنٹے میں پانچ ہزار سکے ڈھال دیتی ہیں۔ موجودہ اد۔ یعنی
سینٹ ۱۸۵۶ء میں سب سے پہلے ڈھالا گیا تھا۔ اس کے بعد
۱۸۶۶ء میں نکل اور تانبے کی دھات کے ملے جلے چھوٹے سکے
ڈھالے جانے لگے۔ ۱۹۳۳ء تک امریکہ میں سونے کے سکے
بھی چلا کرتے تھے۔ لیکن اب وہاں سونے کے سکے بالکل نہیں چلتے۔

سکوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ گول ہی ہوں۔ کسی ملک
کا سکہ گول ہوتا ہے کسی کا چوکور، کسی کا تکونا۔

دنیا کے ابتدائی سکوں میں سب سے پہلے یونان نے جانور
کی تصویر بنائی۔ تب سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔
دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں اس ملک کے جانوروں کی
تصویریں سکوں پر ملتی ہیں۔ اسی طرح چڑیاں بھی سکوں پر
بنائی جاتی ہیں۔ برما کی اٹھنی پر خاص طور سے ہندوستانی
مور کی تصویر بنائی گئی تھی۔ ایک یونانی سکہ میں الّو کی
تصویر بھی پائی گئی ہے۔ امریکہ، جاپان، آسٹریلیا اور اسرائیل
میں بعض خاص خاص تقاریب کے مواقع پر خصوصی ڈیزائن
کے سکے بھی ڈھالے جاتے ہیں۔

جنوبی پیسفک کے ایک جزیرہ یاپ میں ایک
زمانے تک پتھر کے سکے بنائے جاتے تھے۔ اور ساری
خرید و فروخت انہیں سکوں کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ ان
سکوں کے بیچ میں ایک سوراخ ضرور کر دیا جاتا تھا۔

جس زمانے میں سکوں کی حیثیت سے کوڑیاں چلتی
تھیں تو ان کے درمیان بھی سوراخ کر دیا جاتا تھا۔ پانچ پانچ
کوڑیوں میں دھاگہ باندھ کر "گنڈا" بنا لیا جاتا تھا جو بذات خود
ایک سکہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک روپے میں چونسٹھ پیسے
ہوتے تھے اور ایک پیسے میں دو دھیلے یا تین پائیاں ہوتی
تھیں۔ ایک پیسے میں سولہ سے لے کر بیس گنڈے ملتے تھے۔

گنڈوں کی قیمت مقرر نہیں تھی۔ ان کا بھاؤ اترتا چڑھتا رہتا
تھا۔ ...... کے سکے کی قیمت ڈیڑھ دمڑی ہوتی تھی۔
ہندوستانی روپے کی کہانی تو کچھ پرانی نہیں ہے۔
غالباً یہ لفظ سنسکرت کے لفظ روپم سے نکلا ہے جس کے
معنی چاندی کے ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے مشہور
مفکر منوجی نے اپنی ایک تصنیف میں ایک چاندی
کے سکے کا تذکرہ کیا ہے جسے اس زمانے میں روپیہ مشک
کہا جاتا تھا۔ اس کا وزن ۳۵ رتی کے لگ بھگ تھا۔
ہندوستان میں باقاعدہ روپیہ رائج کرنے کا شرف
شیر شاہ سوری کو حاصل ہے۔ وہ پہلا حکمران تھا جس نے
تمام سکوں میں وزن کا معیار قائم کیا۔ اور ایک سکہ کا نام
روپیہ رکھا جو چاندی کا ہوتا تھا۔ اور جس کا وزن ۱۷۸ رتی تھا۔
اس روپے کے چہرے پر کلمہ لکھا تھا۔ اور پشت پر لکھا ہوا
تھا: "خدا اس سلطنت کو دوام عطا کرے"۔ اسی جانب
ہندی زبان میں بادشاہ کا نام بھی درج تھا۔
شیر شاہ کے بعد مغلوں نے بھی اس سکہ میں کوئی تبدیلی
نہیں کی۔ بلکہ ہندوستانی کرنسی کو ایک نئے قالب میں
ڈھالنے کے لئے اٹھنی، چونی، دونی اور اکنی کے سکے بھی
رائج کر دیئے۔ اپنے اقتدار کے ابتدائی دور میں ایسٹ انڈیا
کمپنی خود اپنی ٹکسال میں اپنے سکے ڈھالا کرتی تھی۔
مدراس کے فورٹ سینٹ جارج میں کمپنی بہادر کی
ٹکسال کام کرتی رہتی تھی۔ کمپنی کے سکے پر پہلے ایک ستارہ
بنا ہوا ہوتا تھا۔ ۱۶۶۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بمبئی میں سب سے
پہلے روپیہ بنایا۔ اس روپے کے چہرہ پر انگلستان کا
شاہی نشان بنا تھا لیکن ۱۶۷۸ میں شاہ جیمس دوم
کی اجازت سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو روپے ڈھالے
ان کی پشت پر کمپنی کا نشان کندہ تھا۔ ۱۶۸۹ء میں

شہنشاہ فرخ سیر نے بھی کمپنی کو سکے ڈھالنے کی
اجازت دے دی۔ اور مغلیہ حکومت کے روپے بھی کمپنی کی ٹکسال میں
ڈھلنے لگے۔ کمپنی کے روپوں پر انگلستان کے بادشاہ کی
تصویر ہوتی تھی۔ اس لئے کمپنی کے روپے کو اور بعد میں ہندوستان
کی انگریزی حکومت کے روپے کو "چہرہ شاہی" بھی کہا جاتا تھا۔
تاکہ مغل بادشاہوں کے جاری کردہ روپوں سے فرق کیا جا سکے
مغل بادشاہ تصویر کو حرام سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے
روپوں پر ان کی تصویر نہیں ہوتی تھی۔

۱۸۱۸ء میں سب سے پہلے ۱۸۰ رتی کا چاندی کا روپیہ ڈھالا
گیا اور پھر اسی وزن کو تمام ٹکسالوں نے اپنا لیا۔ ورنہ اس سے
قبل ہر ٹکسال کا روپیہ الگ الگ وزن کا ہوتا تھا۔ بعد میں
روپیہ ایک تولہ وزن کا ہونے لگا۔

اب چاندی کا روپیہ بالکل روپوش ہو چکا ہے۔ نکل ملی
ہوئی دھات کا روپیہ دس برس قبل رائج ضرور تھا۔ لیکن
اب وہ خال خال ہی نظر آتا ہے۔ روپے کی جگہ روپے کے
نوٹ نے لے لی ہے۔

پرانے اور نئے سکے جمع کرنے کا شوق آج کل عام
ہوتا جا رہا ہے۔ اور ایک عام اندازے کے مطابق اس
وقت ایک کروڑ مرد اور عورتیں اس شوق میں مبتلا ہیں۔
ان میں سے بعض کا ذخیرہ واقعی دیکھنے کے قابل ہے۔ ان کا
یہ شوق کبھی کبھی ان کو منٹوں میں دولت مند بھی بنا دیتا ہے۔
کیونکہ نایاب سکے لاکھوں میں فروخت ہو جاتے ہیں
ساری دنیا کے میوزیم ہر وقت پرانے سکوں کی خریداری کے
لئے تیار رہتے ہیں۔

اخلاق
ہمارے ایمان کی کسوٹی ہیں۔

غزلیں

★ شرف کمالی

مسکرا دیتی ہے کچھ اشک بھی کم آتے ہیں
بمبئی شہر سے سبجنی کے بلم آتے ہیں

ہم غریبوں کا مقدر بھی عجب ہے یارب
عید کے چاند کے ہمراہ بھی غم آتے ہیں

لحن نے تیز کرو، وعدوں کی لے تیز کرو
ووٹ دینے کو سفیرانِ سلم آتے ہیں
(slum)

شاید اب بھی ہے انہیں ہم سے بچھڑنے کا ملال
وہ تصور میں بھی با دیدۂ نم آتے ہیں

رند بھی اس لئے پڑھنے لگے "تبلیغی نصاب"!
"سو نئے میخانہ سفیرانِ حرم آتے ہیں"

پیشِ خدمت ہوں لئے اپنے سوالات کہو
ہاں نکیرین سے کہہ دیجئے ہم آتے ہیں

ملک الموت چلو روحِ شرف قبض کرو
باادب کہہ دو شہنشاہِ قلم آتے ہیں

★

★ ماہر اکبانی

مانا کہ روشنی کو اندھیرے نگل گئے
کچھ اور بھی چراغ عزائم کے جل گئے

ہم کیا غمِ حیات کے سانچے میں ڈھل گئے
جتنے جبینِ وقت کے بل تھے نکل گئے

اپنے غموں پہ فرصتِ گریہ کہاں ملی
تم کو اداس دیکھ کر آنسو مچل گئے

شمس و قمر کی سرحدیں چھوتے ہوئے تمام
اہلِ نظر کے قافلے آگے نکل گئے

کچھ ایسے ہم سفر ملے راہِ حیات میں
منزل کو پا لیا تو نگاہیں بدل گئے

ہر حادثہ حیات کا پیغامِ ہوش تھا
ہم اپنی لغزشوں کے سہارے سنبھل گئے

ماہر میں وہ چراغ ہوں بزمِ حیات کا
جس سے کئی چراغ گلے مل کے جل گئے

★

(نویں قسط)

پروفیسر شفیع شیخ

آؤ عربی سیکھیں

الجمع المکسر: فُعُولٌ :-

پچھلی بار ہم نے "اَفْعَالٌ" کے وزن پر بننے والی جمع کی مثالیں پڑھیں عربی جمع کے لئے اَفعالٌ کی طرح فُعُولٌ کا وزن بھی بہت عام ہے۔ اور کئی الفاظ اسی وزن کی مدد سے بنائے جاتے ہیں۔

اس سے پہلے ہم پڑھ چکے ہیں کہ عربی زبان کے تقریباً تمام الفاظ تین بنیادی حروف کی مدد سے بنائے جاتے ہیں۔ نمونے کے طور پر "ف۔ع۔ل" کو حروفِ اصلی مان لیا گیا ہے۔ انھیں حروف کو اوزان کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور حروفِ زائد استعمال کرکے ان کی شکلیں بآسانی تبدیل کردی جاتی ہیں۔ اعادے کے طور پر دہراتے چلیں کہ اَفْعَالٌ کے وزن میں پانچ حروف ہیں جن میں "ف۔ع۔ل" حروفِ اصلی یا بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ دونوں الف حرفِ زائد کہلاتے ہیں۔ اسی طرح فُعُولٌ کے وزن میں صرف ایک حرفِ زائد "و" ہے۔ فُعُولٌ میں چار حروف ہیں جن میں پہلے، دوسرے اور چوتھے حرف اصلی ہیں۔ اور تیسرا حرف "و" زائد ہے۔ اس اعتبار سے اس کی شکل کچھ اس طرح بنے گی:

فُعُولٌ

ف + ع + و + ل

۱ ۲ ۳ ۴

حرفِ اصلی۱ حرفِ اصلی۲ حرفِ زائد۱ حرفِ اصلی۳

فُعُولٌ کا اعراب :-

جمع کے ہر وزن کے اعراب دوسرے وزن سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر وزن کے اعراب اچھی طرح یاد کر لئے جائیں۔ فُعُولٌ میں پہلے اور دوسرے حرف پر پیش، تیسرے حرف پر جزم اور آخری حرف پر پیش کی تنوین لگائی جائے گی۔

اعراب	ُ	ُ	ْ	ٌ
وزن	ف	ع	و	ل
ترتیب	۱	۲	۳	۴

مبتدی طلبہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جمع کے اوزان کی ایک بیاض بنالیں اور وزن کے تحت آنے والے واحد الفاظ اور ان کی جمع مع اعراب اور معنی کے لکھ لیا کریں۔

فُعُولٌ کی مثالیں :-

عربوں نے جمع کے مختلف اوزان مقرر کئے ہیں۔ لیکن کس وزن پر کس قسم کا واحد لفظ استعمال کیا جائے۔ اس کے نپے تلے اصول وضع نہیں کئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جمع الفاظ تو اپنے اوزان اور اعراب کی بنا پر یکساں ہوتے ہیں لیکن واحد کے اعراب اور کبھی کبھی حروف کی تعداد میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ ذیل میں فعول کے وزن پر لائے جانے والے واحد الفاظ اور ان کی جمع مع اعراب کے درج کئے جاتے ہیں۔

جدول نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیے۔

فعول کی مثالوں میں ہم نے دیکھا کہ تیسرا حرف

زائد "و" مستقل اپنی جگہ پر موجود ہے۔ اور حروف اصلی
پہلے، دوسرے اور چوتھے مقام پر تبدیل ہوتے ہیں۔
اس ترتیب کو اگر ذہن نشین کر لیا جائے تو اوزان کی مدد سے
جمع الفاظ بہت آسانی سے بنائے جا سکتے ہیں۔ افعالٌ
کی طرح فُعُولٌ کے واحد الفاظ بھی مختلف اعراب رکھتے
ہیں۔ مندرجہ بالا چارٹ میں واحد الفاظ کے اعراب اس
طرح ہیں۔

جدول نمبر (۲) ملاحظہ فرمائیے۔

اس طرح چارٹ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ واحد
الفاظ کے اعراب کی مجموعی ترتیب میں کوئی یکسانیت نہیں
ہے۔ جب کہ ان تمام الفاظ کی جمع ایک ہی وزن فُعُولٌ
پر لائی جاتی ہے۔

فِعَالٌ کا وزن :۔ یہ وزن الجمع المکسر کا تیسرا اہم
وزن ہے۔ فُعُولٌ کی طرح یہ وزن بھی چار حرفی ہے لیکن
اس کے اعراب کی ترتیب فعول سے مختلف ہے۔
اور حرف زائد یہاں "و" کے بجائے الف ہے۔

ف + ع + ا + ل
[۱] [۲] [۳] [۴]
حرف اصلی۱ حرف اصلی۲ حرف زائد۱ حرف اصلی۳

اس وزن کے سلسلے میں جو بات یاد رکھنی چاہیے وہ یہ کہ
اس کا تیسرا حرف، حرف زائد ہمیشہ الف ہوگا۔

فِعَالٌ کا اعراب : اس وزن کے اعراب مندرجہ
ذیل طریقہ پر لگائے جائیں گے:

اعراب	ـِ	ـَ	ـ	ـٌ
وزن	ف	ع	ا	ل
ترتیب	۱	۲	۳	۴

فِعالٌ کی مثالیں :۔ یہ وزن الجمع المکسر کے مقبول اوزان
میں سے ایک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی کے کئی واحد لفظ اسی وزن
پر بنائے جاتے ہیں۔

مثالیں جدول (۳) میں ملاحظہ ہوں۔

فِعال کی ایک اور خصوصیت قابلِ ذکر ہے۔ اس
وزن کو چار حرفی واحد صفات کی جمع کے طور پر استعمال
کیا جا سکتا ہے۔ اب تک ہم نے جن الفاظ سے بحث کی
خواہ وہ افعال کے وزن کو اختیار کرتے ہوں خواہ فُعُولٌ
یا فعال پر آنے والی جمع لکھی جاتی ہیں۔

جدول نمبر (۴) میں ملاحظہ ہوں۔

ذخیرۂ الفاظ کے تحت وہ الفاظ دیئے جا رہے ہیں
جن کی جمع فعولٌ یا فعالٌ کے وزن پر لائی جاتی ہے۔
انھیں یاد کریں۔

ذخیرۂ الفاظ :

فُعُولٌ کے تحت آنے والے واحد الفاظ :۔

۱۔ فَرْع = شاخ	۲۔ خَطٌّ = لکیر
۳۔ حَرْبٌ = جنگ	۴۔ حَقٌّ = حق
۵۔ قَبْرٌ = قبر	۶۔ قَصْرٌ = محل
۷۔ قِرْدٌ = بندر	۸۔ فَنٌّ = فن
۹۔ فَرْقٌ = فرق	۱۰۔ قَرْنٌ = سینگ، ایک صدی

فِعَالٌ کے تحت آنے والے واحد الفاظ :۔

۱۱۔ جَمَلٌ = اونٹ ۔ ۱۲۔ کَلْبٌ = کتا
۱۳۔ صَعْبٌ = مشکل ۔ ۱۴۔ صَلْبٌ = سخت
۱۵۔ قَصِيْرٌ = پستہ قد ۔ ۱۶۔ طَوِيْلٌ = لمبا
۱۷۔ قَبِيْحٌ = بدصورت ۔ ۱۸۔ حَسَنٌ = خوبصورت، اچھا
۱۹۔ خَصْلَةٌ = خصلت، رَقَبَةٌ = گردن } ان دونوں لفظوں میں آخری حرف "ۃ" حرف زائد ہے۔

مشق ۷:

مندرجہ بالا الفاظ کی جمع اُن کے اوزان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بنائیے۔ اور ان کے معنی بھی لکھیے:

کلید مشق ۶

۱۔ فُرُوْعٌ = شاخیں ۲۔ خُطُوْطٌ = لکیریں

۳۔ حُرُوْبٌ = جنگیں ۴۔ حُقُوْقٌ = حقوق

۵۔ قُبُوْرٌ = قبریں ۶۔ قُصُوْرٌ = محلات

۷۔ قُدُوْدٌ = کئی بت/قد ۸۔ فُنُوْنٌ = فنون

۹۔ فُرُوْقٌ = کئی فرق ۱۰۔ قُرُوْنٌ = کئی سینگ، کئی صدیاں

۱۱۔ جِمَالٌ = کئی اونٹ ۱۲۔ کِلَابٌ = کُتّے

۱۳۔ صِعَابٌ = مشکل (جمع) ۱۴۔ صِلَابٌ = سخت (جمع)

۱۵۔ قِصَارٌ = پستہ قد (جمع) ۱۶۔ طِوَالٌ = لمبے (جمع)

۱۷۔ قِبَاحٌ = بدصورت (جمع) ۱۸۔ حِسَانٌ = خوبصورت (جمع) اچھے

۱۹۔ رِقَابٌ = گردنیں ۲۰۔ خِصَالٌ = خصلتیں

جدول نمبر ۱

نمبر شمار	واحد: حروف اصلی ۱	۲	۳	لفظ	معنی	جمع: اعراب کی ترتیب ۱	۲	۳	۴	جمع	معنی
۱	بَ	حْ	رٌ	بَحْرٌ	سمندر	بُ	حُ	وُ	رٌ	بُحُورٌ	کئی سمندر
۲	نِ	مْ	سٌ	نِمْسٌ	نیولا	نُ	مُ	وُ	سٌ	نُمُوسٌ	نیولے
۳	جُ	نْ	دٌ	جُنْدٌ	فوجی	جُ	نُ	وُ	دٌ	جُنُودٌ	کئی فوجی
۴	کَ	بِ	دٌ	کَبِدٌ	کلیجا	کُ	بُ	وُ	دٌ	کُبُودٌ	کئی کلیجے

جدول نمبر ۲

نمبر شمار	مثال	اعراب: پہلا حرف	دوسرا حرف	تیسرا حرف	مجموعی ترتیب
۱	بَحْرٌ	ـَ	ـْ	ـٌ	ـَ ـْ ـٌ
۲	نِمْسٌ	ـِ	ـْ	ـٌ	ـِ ـْ ـٌ
۳	جُنْدٌ	ـُ	ـْ	ـٌ	ـُ ـْ ـٌ
	کَبِدٌ	ـَ	ـِ	ـٌ	ـَ ـِ ـٌ

جدول نمبر ۳

نمبر شمار	واحد: حروف اصلی ۱	۲	۳	لفظ	معنی	جمع: اعراب کی ترتیب ۱	۲	۳	۴	جمع	معنی
۱	عَ	بْ	دٌ	عَبْدٌ	بندہ	عِ	بَ	ا	دٌ	عِبَادٌ	بندے
۲	ذِ	ئْ	بٌ	ذِئْبٌ	بھیڑیا	ذِ	ء	ا	بٌ	ذِئَابٌ	بھیڑیے
۳	جَ	بَ	لٌ	جَبَلٌ	پہاڑ	جِ	بَ	ا	لٌ	جِبَالٌ	کئی پہاڑ
۴	رُ	مْ	حٌ	رُمْحٌ	نیزہ	رِ	مَ	ا	حٌ	رِمَاحٌ	نیزے
۵	رَ	جُ	لٌ	رَجُلٌ	مرد	رِ	جَ	ا	لٌ	رِجَالٌ	کئی مرد

جدول نمبر ۴

نمبر شمار	واحد: حروف اصلی + زائد ۱	۲	۳ (زائد)	۴	لفظ	معنی	جمع: اعراب کی ترتیب ۱	۲	۳	۴	جمع	معنی
۱	صَ	غِ	یْ	رٌ	صَغِیْرٌ	چھوٹا	صِ	غَ	ا	رٌ	صِغَارٌ	چھوٹے
۲	کَ	بِ	یْ	رٌ	کَبِیْرٌ	بڑا	کِ	بَ	ا	رٌ	کِبَارٌ	بڑے
۳	کَ	رِ	یْ	مٌ	کَرِیْمٌ	سخی	کِ	رَ	ا	مٌ	کِرَامٌ	کئی سخی

شرف کمالی

کہتا ہوں سچ .....

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈیمی کے زیر اہتمام ۲۹ جنوری ۱۹۸۴ء کو "اردو کی ترقی میں کوکن کا حصہ" اس موضوع پر رتناگری میں ایک سمینار منعقد ہوا۔ جس میں جناب شرف کمالی نے ایک تحقیقی مقالہ پڑھا تھا۔ باوجودیکہ فی الوقت مولود شریف کی مجلسیں کم سے کم منعقد ہونے لگی ہیں شرف صاحب کا مقالہ بیحد پسند کیا گیا۔ مقالہ کی افادیت اور اس تحقیقی خدمت کی قدردانی کے پیش نظر ہم اسے ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

مولوی اسمٰعیل کوکنی کا مولود نامہ

قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں کے ساتھ اُس دور کی رزم آرائیاں و بزم آرائیاں تاریخ کے صفحات پر اس عروج و زوال کی نشاندہی کرتی رہتی ہیں۔ کسی قوم کی تہذیبی اقدار کا جائزہ لیتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قوم کی سیاسی، مذہبی ترقیوں کے ساتھ اس کی ثقافتی و تمدنی حالت کیسی تھی، ان کی روزمرہ زندگی کے اصول کیسا تھے، اس کی مجلسی زندگی کا کیا عالم تھا۔ اور ان روزمرہ مشاغل کو دیکھ کر اس کی صلاحیتوں کو پرکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کے عہد کا جائزہ لینا ہے تو میدانِ جنگ کی صف آرائیوں کے ساتھ ان کی عالم نوازی، شاہی مجلسیں، علمی صلاحیت، ان کا شوقِ فن تعمیر، ان کی غریب نوازیاں۔ غرض مختلف گوشہ ہائے حیات کا مطالعہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ ایسے غائر مطالعہ کے بعد ہی ہم کسی قوم کی تہذیبی سطح پر کوئی متوازن رائے قائم کرسکتے ہیں۔

"اردو کی ترقی میں کوکن کا حصہ" کے موضوع پر مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکاڈیمی کے زیر اہتمام سمینار کا انعقاد دراصل اسی قسم کی ایک کھوج ہے کہ معدن الجواہر رتناگری میں ایک اجتماع دانش وروں کا ہو۔ اور قصۂ پارینہ کے اوراق پلٹ کر دہرایا جائے کہ کوکن میں اردو کے تعلق سے کیسے کیسے جواہر یہاں موجود تھے اور زلفِ اردو کے سنوارنے والوں میں یہاں کون کون آئینہ و شانہ لئے مصروف تزئین رہا۔ اس بارے میں یہاں مختلف خیالات پیش ہوں گے اور یہ ساری باتیں اکاڈیمی کے توسط سے ریکارڈ بنکر رہیں گی۔ میرے حصے میں مولوی محمد اسمٰعیل کا مولود نامہ آیا ہے۔ مولوی صاحب کی ادبی خدمات کا تحقیقی جائزہ ڈاکٹر عبدالستار دلوی اور ڈاکٹر میمونہ دلوی نے لیا ہے۔ مولوی اسمٰعیل کوکنی کے بارے میں "بمبئی میں اردو" میں بھی ڈاکٹر میمونہ دلوی نے جو باتیں درج کی ہیں ان سے ان کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ اس موضوع پر اظہارِ خیال کے لئے قرعۂ فال ہوسکتا ہے میرے نام پر انھیں کی ایما پر پڑا ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ

مولوی صاحب نے جب مذکورہ ضخیم مولود نامہ تالیف کیا اُس وقت
پریس کی سہولتیں اس قدر عام نہ تھیں جیسی وہ آج ہیں۔ اس
کتاب کے قلمی نسخے کوکن میں جا بجا اور قریہ قریہ آپ کو
ملیں گے۔ میرے دادا مولوی کمال الدین نور اللہ مرقدہٗ
نے کم و بیش پچاس جلدوں کی کتابت کی جن میں سے متعدد
جلدیں میں نے خود بنظر خود دیکھی ہیں۔ میرے والد محترم
[illegible] کرتے تھے کہ اس وقت ایک نسخے کی لکھائی کے
لئے دس یا بارہ روپئے ملا کرتے تھے۔ دادا مرحوم کی کتابت
شدہ ایک جلد بطور باقیات الصالحات میرے پاس
موجود ہے۔ کہ مبلغ پانچ ہزار روپے کے عوض بھی میں نے
اسے فروخت کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بحمداللہ
یہ قلمی نسخہ میری بھی لائبریری کی زینت ہے۔ آغاز کے چند
چند صفحے بوسیدہ ہو چکے تھے جن کی دوبارہ کتابت
میرے والد مرحوم نے کی، اور اصل کتاب سے انھیں جوڑا۔
وہ خود بھی اس مولود نامہ کی کتابت کو ذریعۂ معاش بنائے
ہوئے تھے۔ دونوں بزرگ خوش نویس خطاط تھے اور مولود نامہ
کے حافظ بھی لہٰذا اس نسبت سے اس موضوع پر
اظہار خیال کا حق مجھے پہنچتا ہے۔

کوکن بالفاظ دیگر کوہ کن اس نام کی صراحت ہی
بذات خود بتاتی ہے کہ اس کا تعلق صرف اردو ہی
سے نہیں بلکہ اس سے قبل فارسی سے بھی قریبی رہا۔ مغربی
ساحل پر عربوں کی آمد پر ان کی آبادیاں یہاں قائم ہوئیں۔
ظاہر ہے عربی کا تعلق بھی یہاں کے عوام سے رہا۔
کوکنیوں اور عربوں میں بڑی مدت بہت بھی ہے۔ فارسی اور
عربی کے خلط ملط کا اثر یہاں کے عوام پر رہا۔ چنانچہ پلیٹ
کے لئے عربی کا لفظ صحنک آج بھی یہاں مستعمل ہے۔
باورچی خانہ کو مطبخ خانہ یہاں کے لوگ آج بھی کہتے
اِذن کو اِذَن فنجان کو فنزان ہے اور کھانے کی مجلس کے
اہتمام پر برخاست کہنے کا رواج ہے۔

حضرت قطب الدین مخدوم علی مہائمی کے چھ صدی
قبل کے دور میں بھی یہاں یقیناً اور بڑے عالم
ہو گزرے ہیں حضرت قاضی علی سنگیشوری بھی اس عہد
کے بزرگ ہیں چنانچہ اس قبیل کے بزرگوں کے مخطوطات
یہاں کوکن میں نظر آتے ہیں۔ افسوس اس بات پر یقیناً ہے
کہ یہ قلمی نسخے نہیں کہیں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ جن کو متبرک
مان کر چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ تحقیقی ذہن انھیں
حاصل کر سکیں۔ اور یہ محفوظ ہو سکیں۔

مولوی اسمٰعیل کوکنی سے قبل بابو صاحب فقیہ اندیکر
مصنف مثنوی روضۃ البکا "مشہور اور نامور شاعر
ہو گزرے ہیں۔ ان کے ہمعصر قاضی محمد یوسف مرگھے
عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ عہدہ
قضاوت کے علاوہ قاضی محمد یوسف کو حکومت کی
طرف سے معمولی جرائم کے مقدمات فیصل کرنے کے اختیارات
بھی دیئے گئے تھے۔ ان کے معاونین کو چوگلے کہا کرتے
تھے۔ آج بھی ایسے کئی خاندان ہندوؤں اور مسلمانوں میں
موجود ہیں جو چوگلے کہلاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان خاندانوں
کے بزرگ ایسی پنچایتوں کے رکن رہے ہوں گے۔ اس کا
تفصیلی تذکرہ بمبئی یونیورسٹی تحقیقی مقالہ میں ڈاکٹر میمونہ دلوی
نے کیا ہے۔

فقیہ کی مجالس روضۃ البکا آج بھی کوکن کے دیہاتوں
میں محرم کے عاشورے تک پڑھی جاتی ہیں۔ الغرض مولوی
صاحب کے پیش رو اور پیروؤں میں متعدد علماء و محققین کے
نام ہیں۔ میں نے صرف چند ناموں ہی پر اکتفا کی ہے۔
کیونکہ میرا اصل موضوع مولود نامہ ہے۔ مولوی اسمٰعیل کے

لکھنے والوں میں جو نام ہمیں ملتے ہیں ان میں "مجالس الضیاء" (نصیحت النساء) کی مصنفہ مثنوی نگار خاتون حمیدہ شیخ محمد نامی کم بلند پایہ شاعرہ ہے۔ حمیدہ کی مجالس سنہ ۱۳۰۶ھ میں مطبع دت پرساد میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔ اس زمانے کے رواجوں پر حمیدہ نے تیکھے طنز کئے ہیں۔ سنا ہے کوکنی قدامت پسند گھرانوں میں اس کی اشاعت پر بڑا واویلا مچا۔ اور سربرآوردہ کوکنیوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا۔ چنانچہ یہ کتاب ضبط کرلی گئی۔ اشعار واقعی دلچسپ ہیں۔ لہٰذا مشتے نمونہ از خروارے چند اشعار نقل کر رہا ہوں:-

ایک ہوتا ڈونگرا اور جا دوا تا — تو ہوتا شیخ حبیب اللہ جا نانا
جا تی ختم زیلی تیا چی آخر — کرالالا گلا سکرات ظاہر
اسے یا ان تیں اچھا گھرا یا — ایں مرتاؤں تمیں ماتھا دھرایا
زائیا جا طرف بیٹھوں لرایا — تبارک چی تمیں سورت پرایا
اتا سورا تیں ماجی نے آسا — منا خود نائی دسے ماز بھروسا
حکیمانی دوا بھی موپ کیلی — کمر کاری منا اک نائی زہیلی
یوا یکوں لاگلے سارے لرایا — یروسی لاگلے بھی تلملالا
غرض ہوتا تو صاحب مال والا — منگنے زاتیل نہ کاں تیالا ملالا
اجی او بہن ہوا چیلا زاؤں — اُڈے اوڑے ذرا دیکھوں شی ایوں
اجی خروس اتا میں تن ہشی ایلوں — نگٹ ماتھیا ورچی چادر اُتر لوں
غریبا جاتے میتھا ورنہ زاتیل — ہزاروں طرح چے تے بہانے کرتیل
گھراں سے لکڑی میں کیشی ایوں — پھر دستور کناں جیا گھری سوردوں

مذکورہ اشعار کوکنی کے ہیں۔ کوکنی ایک بولی ہے۔ جو مراٹھی سے قریب ہے لیکن مراٹھی امرت کے ساتھ اس میں اردو آب حیات بھی شامل ہے۔ دیکھنے کو مراٹھی میں بگھتے اور بیٹھنے کو بسنے کہتے ہیں لیکن حمیدہ بیٹھوں شی اور دیکھوں شی لکھتی ہے۔ اس کی اردو شاعری بھی قابل تعریف ہے۔ مرحوم حاجی باقر فقیہ قصبہ بھیمڑی کے جودوسخا سے متاثر ہوکر اس نے سخاوت نامہ لکھا ہے۔ ضیاء المجالس یا اسے حمیدہ کی کوکنی مثنوی کہئے۔ اس پر قطعۂ تاریخ بدر الدین غالب نے لکھا ہے۔ جن کا خاندانی لقب دھامنسکر ہے۔ وہ دھامنڈیوی تحصیل کھیڈ ضلع رتناگری کے باشندے ہیں۔ فرماتے ہیں

ع ازروئے زباں سال رقم کرغالب
تنبیہ رسومات قبیحہ بہ زناں

مصرعہ ثانی سال تاریخ سنہ ۱۳۰۶ھ اخذ ہوتا ہے۔ ہمیں اس بات پر فخر یقیناً ہے کہ جس زمانے میں مرزا نوشہ اسد اللہ خان غالب کا طوطی دہلی میں بول رہا تھا رتناگری میں بھی ایک غالب کی آواز اردو کے سلسلے میں گونجی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ کے والد دھاگا بیچنے والے تھے اس لئے وہ غزالی کہلائے۔ غزل عربی لفظ ہے اور اس کے ایک معنی کاتنے کے بھی ہیں۔ پہلے پیشہ ور لوگوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ جیسے بڑھئی، کپڑا بننے والے، نائی، کفش دوز لیکن جب مسلمانوں میں تعلیم عام ہوئی تو ادنیٰ سے ادنیٰ پیشے والے بھی تعلیم حاصل کرنے لگے یہاں تک کہ انہیں پیشہ وروں میں ایسے ایسے باکمال علماء، ائمہ اور مشائخ پیدا ہوئے کہ جن کو ہم آج امام اور علامہ کے القاب سے بصد ادب یاد کرتے ہیں۔ مثلاً امام ابو حنیفہؒ بزاز تھے اور امام ابو جعفر کفش دوز یعنی [illegible] تھے۔ ہمارے مولوی محمد اسماعیل کوکنی بھی پیشے کے اعتبار سے ماہی گیر خاندان کے فرد ہیں جنہیں خاندانی عصبیت اپنے اندر رکھنے والے قدامت پسند "دالدی" کہہ کر طعنہ زنی کرتے تھے۔ اور ان کی ترقی پسند تحریک کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ان طعنوں سے تنگ آکر مولوی محمد اسمٰعیل نے رتناگری سے کنارہ کشی اختیار کی اور ایک عرصہ تک وہ غائب رہے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب ملا صاحبان اور

پیر صاحبان کی دعا اور فاتحہ پھونکنی کی نلی میں بند کر کے رکھی جاتی تھی۔ اور اس پر اعتراض کرنے والے کو ستایا جاتا تھا۔ دوسری طرف برہمنوں کی رجعت پسندی، چھوت چھات سے دوسرے طبقے نالاں تھے۔ ہر چین گلے میں ناریل کے خول بیلی لٹکاتے تھے۔ برہمن مسلمانوں کو بھی بزعم خود اچھوت سمجھتے تھے۔ یعنی ماہی گیروں کو والدی کہنے والا بزعم خود شیر مسلم طبقہ اور برہمن دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ برہمنیت کی تنگ نظری کے خلاف اچھا جا مولوی اسمٰعیل کوکنی نے ردّ ہندو لکھی۔

ایک عرصہ تک غائب رہنے کے بعد پتہ چلا کہ وہ حیدرآباد میں ہیں۔ اور وہ وہاں سے مولوی کی سند لے کر آئے تھے۔ اب مذکورہ ہر دو تحفہ الفقہ کے دندان شکن جوابات دینا ان کے لئے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ رتناگری شہر کے مضافات میں راجیوڑہ مولوی صاحب کا مولد و مسکن تھا۔ یہیں ان کا گھر تھا۔ یہیں آج سے ایک صدی قبل ان کا مطبع جگ منتر تھا۔ جہاں سے ان کی مطبوعات تحفۂ ابراہیم خانیہ، تحفۂ احمدیہ، ردّ ہندو شائع ہوئیں۔ وہ اپنے دور کے جیّد عالم اور صاحب طرز ادیب مفکر تھے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ فِي كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا۔ یعنی اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ ہر سو سال میں ایک ایسے شخص کو بھیجتے ہیں جو ان کے لئے دین کی تجدید کرتا ہے۔ مجدد کی کوئی خاص علامت نہیں اور نہ ہی کے ماتھے پر لکھا ہی ہوتا ہے کہ یہ اس صدی کے مجدد ہیں۔ بلکہ بعض مرتبہ مجدد کو خود ہی معلوم نہیں ہوتا کہ میں مجدد ہوں مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ مولوی محمد اسمٰعیل کوکنی اُن کی مثال اصلاحی خدمات کے پیش نظر اس دور کے علاقۂ کوکن کے لئے من جانب اللہ مجدد

ہیں ان کے بارے میں معتبر روایت ہے کہ ایک بار فرض نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد انھوں نے سورۃ الناس کی تلاوت شروع فرمائی۔ مقتدی ششدر و پیچ میں کہ آخری سورہ وہ بھی مختصر ختم ہو جانے پر مولانا دوسری رکعت میں کیا پڑھیں گے۔ لیکن مولانا نے اس سورہ کی تیسری آیت اِلٰہِ النَّاس پڑھ کر رکوع کے لئے اللہ اکبر کہا۔ ظاہر ہے بقیہ تین آیات دوسری رکعت میں تلاوت فرمائیں۔ میری اپنی ناقص رائے میں یہ ہمت ایک مجدد ہی کر سکتا ہے۔

انھوں نے بڑی طویل عمر پائی تھی۔ راجیوڑہ میں ایک مسجد، ایک دینی مدرسہ ان کی وجہ سے آباد تھے۔ یہیں ان کا دفتر بھی تھا۔ کچھ مدت تک نواب جنجیرہ سیدی ابراہیم خان کی ملازمت میں رہے۔ جہاں انھیں جاگیر بخشی گئی تھی۔ یہاں سے جاگیر کی آمدنی چاول وغیرہ کی صورت میں بادبانی کشتی میں بھر کر مولوی صاحب کے لئے رتناگری میں پہنچائے جاتے تھے۔ وہ شرعی قاضی بھی تھے۔ اور رتناگری کے علاوہ بمبئی بھنڈی بازار میں بھی ان کا دفتر قضاوت تھا۔ سنہ ۱۳۰۳ھ میں اس مرد مجاہد نے بمبئی میں انتقال فرمایا۔ اور وہ بڑے قبرستان میں سپرد خاک ہیں۔ جہاں ان کی قبر بزبان حال کہتی ہے

؎ بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

مولوی صاحب کا خاندانی لقب برطھے تھا ان کی تصانیف ہی ان کے لئے اولاد کے ہم مرتبہ تھیں۔ ورنہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ ان کا تعلق بانکوٹ سے قریبی رہا۔ رسالہ "تحفۂ احمدیہ" پہلی مرتبہ سنہ ۱۲۶۷ھ مطابق سنہ ۱۸۵۰ء اور دوسری مرتبہ سنہ ۱۲۸۰ھ میں شائع کیا جس میں نکاح، طلاق، ایجاب و قبول کے مسائل درج ہیں۔ یہ رسالہ بانکوٹ میں تالیف کیا گیا اور بمبئی سے علو بھائی لقمان کے پریس

سے شائع ہوا۔ بانکوٹ، جنجرہ، بمبئی سے قریبی تعلقات کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانے میں خشکی کی راہیں محدود کیا بلکہ مسدود تھیں اور بادبانی کشتیوں سے بحری سفر آسان تھا۔ انھوں نے سنہ ۱۲۳۲ھ مطابق سنہ ۱۸۵۶ء ہفت روزہ "معدن الفیض" جاری کیا۔ جس میں ہندو بیرونِ ہند کی خبریں نیز مقامی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ علاوہ ازیں اسلامی مسائل پر مضامین لکھے جاتے تھے۔ وہ سید عبدالقادر ملکاپوری کے شاگرد تھے۔ اور اپنے استاد سے انھیں گہری عقیدت تھی۔ نکاح کے متعلق ان کا دوسرا رسالہ "تحفۂ ابراہیم خانیہ" سنہ ۱۲۸۹ھ میں مطبع جگمنتر رتناگری میں شائع ہوکر منظرِ عام پر آیا۔ میرے پاس بفضل اللہ ایک جلد موجود ہے۔ آخری صفحے پر لکھا ہے قیمت اس رسالے کی فی نسخہ مجلّد کے اڑھائی روپے اور بے جلد سوا دو روپے مقرر ہوئی ہے تاریخ ۲۷ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۹ ہجریہ مقدسہ۔ مقدمہ کتاب میں وہ رقم طراز ہیں

تالیف کیا اس کو کمترین بندگانِ باری خادم الطلاب، محمد اسماعیل کوکنی رتناگری نے۔ اور چونکہ تالیف اس رسالے کی جناب نواب مستطاب معلی الالقاب، عمدۃ الاشراف، محمود الاوصاف، خان عالی شان، رفیع البیان، مالک سلطنت جلکشان علاقہ جزیرہ ڈانڈا راجپوری حضرت ابراہیم خان المخاطب یاقوت خان صاحب بہادر دامت سلطنتہ و حشمتہ کی ملازمت رفاقت میں اتمام پائی۔ اس لئے بنا بر امید اس بات کے یہ رسالہ آنجناب عظمت مآب کے منظورِ نظر ہو کر انھیں کی جانب سے اس ہمارے دیارِ کوکن اور اس کے اطراف واکناف کے اور دوسرے بھی دیار و امصار میں خاص و عام اہلِ اسلام کے تحفہ ہو نام اس کا تحفۂ ابراہیم خانیہ رکھا ہے۔

اپریل سنہ ۱۹۸۲ء

بانکوٹ میں محمد اسماعیل کوکنی نے ایک جگہ دیا تھا۔ جس کا نام شیخ محمد پٹیل تھا۔ شیخ محمد پٹیل کو دو بیٹیاں اور چار بیٹے تھے۔ ان کی اولاد آج بھی رتناگری میں ہے۔ بمبئی سے نکلنے والے مراٹھی ہفت روزہ "شودھن" کے مالک و مدیر اور میرے مخلص کرم فرما جناب محمود عمر المعروف ڈاکٹر ایم اے شیخ انجم شیخ محمد پٹیل کے نواسے ہیں۔ تعجب اس بات پر یقیناً ہے کہ آج سے ایک صدی قبل کے حالات اس درجہ دل خوش کن ہیں۔ رتناگری میں مطبع جگمنتر اور دو کا پریس ہے۔ معدن الفیض ہفت روزہ آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے۔ نہ معلوم اس ترقی کو کس کی نظر کھا گئی۔ اور اس کے بعد ایک جمود سا طاری رہا کہ یہ نقوش پھر زندہ نہ ہو سکے۔ بلکہ نئی نسل کو آج اپنے بزرگوں کے ان عظیم خدمات کا صحیح پتہ تک نہیں ہے۔ ایسے کیا کہا جائے۔ نئی نسل علامہ اقبال کے اس شعر کو نوٹ کر لے تو مناسب ہے کہ

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیوں کر ہو

مولود نامے سے قبل یہ عربوں کا برزنجی نامہ رائج تھا۔ اسی کو پیش نظر رکھ کر مولوی محمد اسمٰعیل کوکنی نے مولود نامہ ترتیب دیا ہوگا۔ کیونکہ اس کا اسٹرکچر بالکل وہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عربی قصائد کے ساتھ مولوی صاحب نے ولی دکنی، علیم اللہ، سراج اورنگ آبادی نیز حافظ و سعدی شیرازی و دیگر مشاہیر شعراء کے دکنی و فارسی کا کلام اس میں شامل کیا۔

مولود نامہ دراصل ولادتِ نبی اکرمؐ اور مدحِ نبی معظمؐ پر مشتمل ہے۔ اس لئے اسے مدح شریف بھی کہتے ہیں۔ اس کا آغاز درود شریف کے بعد ایک طویل طویل عربی نثر کی عبارت سے ہوتا ہے۔ جس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع التابعینؒ، اولادِ رسول اللہؐ، اہلِ بیتِ رسول اللہؐ نیز ازواجِ مطہراتؓ اور متعدد اولیائے عظامؒ کی ارواح پر

ہوتا ہے۔ فاتحہ کے اختتام پر مولود نامہ کے اشعار سنگیت کے
سُروں پر ڈھلتے ہیں۔ راگنیاں سینکڑوں تعداد میں لیکن مقررہ
ایک ہی لحن سے کہیں بھی سُننے الاپی جاتی ہیں۔ مولود نامے
کے خالق مولوی محمد اسمٰعیل کوکنی ہوئے۔ لیکن ان پکّے راگوں کو
اشعار کے مضامین کی مناسبت سے کمپوز کرنے والے میوزک
ڈائریکٹر کا کچھ اتا پتا نہیں۔ ہوسکتا ہے یہ کمال بھی مولوی
صاحب ہی کا ہو۔ پہلے ایک سلام میں ولادت باسعادت
کا ذکر یوں ہے:

جب ہوئے پیدا محمدؐ مشک کی خوشبو چلی
ہوئی منظر ساری دنیا الصلوٰۃ والسلام

مولود نامے کی راگنیاں جب پکّے راگوں کی طرح ہوتی ہیں تو
بڑا لطف آتا ہے دس بارہ میلاد خواں ایک ہی آواز
میں الاپتے ہیں

بموئے یا مولے، موئے جیلی سیدی مولا

تو مقابل دس بارہ ذاکرین ایک آواز میں شعر پڑھتے ہیں:

چہ بندے، دل دریں دنیا کہ روزی چند مہمانی

"ذاکرین" کا بگاڑ کر جاکھری مستعمل ہے۔
مضمون اگر خوشی کا ہے تو راگ بھی طرب افزا ہے
مثلاً خوشی کا شعر ملاحظہ فرمائیے:

سہ اک ناگن بیٹھی محل اوپر دو زلف لٹکتے گال اوپر
یا بسمل کا منڈلال اوپر یا لیلِ قدر کا نور ہوا

مضمون عبرت خیز ہے تو طرز دیکھئے:

زبردستی مکن چندیں مرنجاں زیر دستاں را
کہ چوں وقت اجل آید خوری آرام پشیمانی

اکثر یہ محفلیں شب ہی میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور
نیم شب کے بعد یہ نشہ دو آتشہ ہو جاتا تھا۔
کبھی دھن میں امیر خسرو کی غزل چھیڑی جا رہی ہے جس کے
ہر شعر کا مصرعہ اولیٰ آدھا فارسی ہے اور آدھا دکنی تو مصرعہ ثانی
بھی فارسی اور دکنی ہے۔ اب آپ اسے دکنی کہئے یا جو بھی کچھ

زحالِ مسکیں مکن تغافل
دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں
نہ لیوے کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف
روزِ وصلت چوں عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں کالی رتیاں

کلام سعدی شیرازی ملاحظہ فرمائیے:

گلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبی بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتی با گل نشستم
کمالِ ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ان اشعار کا عربی وزن ہے:

صلوٰۃ اللہ علی الھادی الامینا

اسی طرح اور کچھ فارسی کے نعتیات مولود نامہ سے ملاحظہ فرمائیے:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست
اے جانِ عالم سوز من از من چرا رنجیدہ
اے شمع شب افروز من از من چرا رنجیدہ
نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم
بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائے کہ من بودم

پری پیکر نگارے، سرو قدے، اللہ رخسارے
سراپا آفتِ دل بود شب جائے کہ من بودم

یادت ما جرم ما را در گذار | ما گنہگاریم تو آمرزگار
تو نکوکاری و ما بد کردہ ایم | جرم بے اندازِ بے حد کردہ ایم
ساقیا برخیز و در جام را | خاک بر سر کُن غمِ ایّام را

سر سلسلۂ اہلِ جنوں موئے محمدؐ
محرابِ عبادت، خمِ ابروئے محمدؐ
خورشید سپہرِ احدے روئے محمدؐ
سر چشمِ صفاتِ صمدے خوئے محمدؐ

فارسی ہی کی طرح دکنی کلام بھی سُنتے جائیے اور سر دُھنتے جائیے۔ اشعار ہیں سراج اورنگ آبادی کے

خبرِ تحیرِ عشق سن، نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا، نہ تو میں رہا، جو رہی سو بے خبری رہی
چلی سمتِ غیب سے وہ ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر اک شاخِ نہالِ غم جسے دل کہیں سو ہری رہی
شہِ بے خودی نے عطا کیا وہ لباسِ برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

یاراں سجن کو جب کہ میرا سلام بولو
جو ہے پرت سندیسہ سارا تمام بولو
گل کے نیانے ہارے، گل پر خزاں کیوں لایا
گل کو تیار کرکر اس باغ میں چھڑایا
مالی کو جاکے بولو، کچی کلی نہ توڑو
دعا رے کو کیا کروں میں خالق نے یوں بنایا

اس عشق منے گھر باندھ سکی کیا کوچہ گلی نرالی ہے
اس کوچن میں ملت آؤ پیا کیا مست مگن متوالی ہے
کیا پچّن ہیں ان ہاتن میں کیا کچّن ہیں ان باتن میں
مجھ مار چلی دو نین میں گیا پھند بھری ہنگالن ہے

سکھی سپنوں میں پیو آن ملا جب جاگ اٹھی تب دور ہوا
جاگن پچھے یاد کروں دل تڑپا سینہ چور ہوا

ولی کے اشعار ہیں:

اُس سرو خوش ادا کوں ہمارا سلام ہے | اُس یارِ بیوفا کوں ہمارا سلام ہے
لیتا نہیں سلام ہماری جواب سوں | اُس صاحبِ حیا کوں ہمارا سلام ہے

خوب رو خوب کام کرتے ہیں | اک نگاہ میں غلام کرتے ہیں
دل لے جاتے ہیں اے ولی میرا | سروِ قد جب خرام کرتے ہیں

علیم اللہ کے اشعار ہیں:

ہوا جو ذات کا عاشق اُسے ننگ نام کیا کرنا
صنم کے دید بن دوسرا کچھ بھی کام کیا کرنا
علیم اللہ شریعت کا علم سب علت پردہ ہے
عبادت کوں حضوری کے صبح و شام کیا کرنا

کچھ اشعار میں قصے بیان کئے گئے ہیں۔ جیسے

دوازدہ پسر یعقوب کے | جن میں یوسف نامی بشر
وہ پاک صورت چاند تھے | جوں روشنی شمس و قمر
اک دن سب بھایاں مِلے | یوسف کو لے کھیلن چلے
مصلحتاں ایسی دل میں کئے | ڈالے ہیں کنویں کے بھیتر
واں فضلِ حق بے شک ہوا | خدمت منے حوراں دیا
یوسف نبی مرسل اہے کر | آئے ہیں کنویں سے باہر

اس مولود نامہ میں عربی اشعار بھی ہیں۔ سلام عربی میں ہے۔

الصلوٰۃ علیک زین الانبیاء والسلام علیک
الصلوٰۃ علیک اصفی الاصفیاء والسلام علیک

درمیان میں عربی آیات بھی پڑھے جاتے ہیں جن کے مطالب سے نصیحت اخذ کرنا ہے۔ اور کچھ عربی اشعار بھی سُنئے:

جَلَّ رَبِّیْ ذُوالجلالِ وتعالَ المتعال
عَنْ شَبِیہٖ اَوْ نَظِیرٍ اَوْ مَثِیلٍ اَوْ مِثال

اخیر میں حضرت آدم اور حضرت حوّا کی آمد کا ذکر یوں ہے:

"جب رب نے آدم کو پیدا جو کیا"۔ اس میں آگے ذکر ہے کہ آدم کی پسلی سے جب حوا عالم وجود میں آئیں تو آدم نے دریافت کیا "بولے آدم، یہ کون خدایا؟"

پھر غیب سے ندا آتی ہے کہ "یہ بندی ہے میری" اور آدم بارگاہِ ایزدی میں استدعا کرتے ہیں "یارب یہ جوڑا کر دیا مجھ کو" جب وہ آدم کا جوڑا بنیں تو مہر دریافت کرنے پر ندا آئی: "میرے محبوب پر پڑھنا لاکھ درود ــــ الف مرات صلی اللہ علیہ وسلم ــــ آخر میں سندل اور پھول تقسیم ہوتے ہیں اس وقت یہ اشعار یوں درج ہیں ــــ

جب چہرۂ مبارک پر جو پسینہ حضرت کے آجاتا ہے
اس نور کے قطروں سے بھی ہوتی مشک نمائی پھولوں کی
جس رہ سے گزر کر جاتے تھے وہ شارع محشر ہر دوسرا
دن تین ملک بو آتی تھی وہ مشک نمائی پھولوں کی

اور سب سے آخر میں ایک عربی عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا ذکر ہے ــــ اور آخری سلام کے لئے سب ذاکرین کھڑے ہو کر سلام پڑھتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

اے خدا صدقہ کبریائی کا / صدقہ اس نور مصطفائی کا
نیج وخم سے چھڑائیے ہم کو / سیدھی راہ پر چلائیے ہم کو
بے وطن کو وطن پہ پہنچا دے / قید سے قیدیوں کو چھڑا دے
جو ہیں مجبور ان کی سن فریاد / اور ہر غمزدہ کے دل کو شاد
مرتے دم غیب سے مدد کیجے / ساتھ ایمان کے اٹھا لیجے
جب دم واپسیں ہو یا اللہ / لب پہ ہو لا الہ الا اللہ

اور مولود نامہ آخری دعا کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

مذکورہ مولود نامہ واقعتاً بڑی محنت اور کاوش سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ اپنے قسم کی یہ واحد کتاب ہے جس میں ہندی، اردو، فارسی، کوکنی اور عربی کے اشعار یکجا کئے گئے ہیں۔ اور وہ بھی ایک خاص ڈھنگ کے ساتھ ایک مخصوص لحن میں پڑھے جاتے ہیں۔

مولوی محمد اسمٰعیل کوکنی نے مولود نامہ مرتب کر کے کوکنی عوام کو ایک کلچرل پہلو میں حضور کی مدح کا طریقہ دیا۔ یہ طریقہ خوب رائج بھی ہوا۔ ثواب کی خاطر یہ محفلیں سجنے لگیں اور میلاد خوانوں کے گروپ تیار ہوئے۔

میرے والد کے علاوہ میں نے حاجی عبدالقادر جی ایم پرکار، حاجی داؤد امین، حسین میاں موٹلیکر، جوار دلوی، محمد ابراہیم فرفرے، حسام الدین خطیب، غنی ملاجی، موسیٰ ملاجی اور متعدد حضرات کو یہ مولود نامہ پڑھتے ہوئے سنا۔ حسین موٹلیکر مرحوم خوش گلو میلاد خواں تھے۔ لیکن کوکن کے یہ میلاد خواں میلاد ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے۔ اور اس خطے کے اکثر دیہاتوں میں مسجدیں ہمیشہ مرثیہ خواں رہیں۔ اب نئی تعلیمی ترقی کے ساتھ جب ذہنوں میں بیداری آئی۔ کچھ تبلیغی تحریک سے نئی نسل روشناس ہوئی تو اس نے دیکھا کہ قوم مولود ناموں ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھی ہے۔ اور اقبال کا شعر ان پر صادق آتا ہے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

اس کا اثر یہ ہوا کہ نئے صحت مند رجحان نے اصلاح تو کر دی لیکن میلاد خوانوں کی غلط روی کو نمایاں کر کے نیا طبقہ میلاد پڑھنے کو علم ہلاکت اور تضیع اوقات سے منسوب کرنے لگا۔ اور یہ علم جو سینہ بسینہ چلا آرہا تھا اب ختم ہو چکا ہے۔ کتابیں البتہ باقی ہیں راگنیوں کے واقف کار تو مر چکے ہیں یا چند مرنے کے انتظار میں ہیں۔ اچھا ہوتا اگر کلچرل قیمت کے لحاظ سے یہ فن باقی رہے۔ لوگ اسے دین سمجھ کر نہیں بلکہ اس کی ادبی و ثقافتی قدر کر کے اپنائیں۔ مولوی اسماعیل کوکنی نے اسے تالیف کر کے دین سے انحراف یقیناً نہیں سکھایا تھا اتفاق کی بات کہ یہاں کے عوام دین کے صحیح راستے پر نہیں تھے اور مولود نامہ

اس انحراف کا سبب بتا نظر آیا ـــــ زندگی اسی وقت زندگی کہلائے گی جب اس میں تازگی ہو۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ دین کے لیق کے لئے جو کوششیں جاری ہیں ان کے ساتھ ساتھ مولود نامہ جیسی بے مثال کتب بھی ہمارے ساتھ ہوں۔ ہم ذوق و شوق سے انھیں پڑھیں۔

مولود نامہ کے مؤلف اور تحفۂ ابراہیم خانیہ و تحفۂ احمدیہ کے مصنف مولوی اسماعیل کوکنی مرحوم کی شخصیت کو، ان کی خدمات کو اردو ادب کا کوئی طالب علم، کوئی شیدائی خراجِ عقیدت پیش کئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ انھیں ہم کوکن کا ولی بھی سمجھ لیں تو درست ہے۔ ان کی جلائی ہوئی شمع کے اُجالے آج بھی روشن ہیں۔ قیصر و نصرت، یاغی، شرف، خاور، عارف، صوفی، ساحر، آزاد، مہر اور ایسے کتنے اس شمع کے پروانے اس سرزمین سے اردو کے لئے کام کر رہے ہیں۔

اسی طرح تحقیق میں گوریکر، ڈاکٹر عبدالستار دلوی، ڈاکٹر میمونہ دلوی، یونس اگاسکر اور متعدد فرزندانِ کوکن مولوی اسمٰعیل کوکنی کی جوت کو جلا بخش رہے ہیں۔ نیز نقش کوکن، شعور، آوازِ وطن، صبحِ امید اور رتنوراق ہمیں معدن الفیض کی جگہ کارپرداز نظر آتے ہیں۔

مولوی اسمٰعیل کوکنی کے اپنے وطن رتنا گری میں گھر گھر سے اُجالے ہیں اور اطراف و اکناف میں تعلیم کا فروغ اس قدر ہے کہ ... عالم شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ بہتر ہوگا کہ یہ سب متحد ہو کر رتنا گری میں مولوی محمد اسماعیل کوکنی میموریل قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اور مہاراشٹر اردو اکاڈمی اس میں ان کے ساتھ تعاون کرے۔ یہ میموریل مولوی موصوف کے لئے صحیح خراجِ عقیدت ہوگا۔

★ ★
★

گلشام جیتپوری

اردھی

[ریڈیو پر آردھی کا پروگرام سُنتے شری گلشام جی کو بیت بازی کا سلسلہ شروع کرنے کا خیال آیا۔ اس کے لئے آپ نے ہم سے ہر ماہ بلاناغہ ایک صفحہ کی درخواست کی۔ گلشام جی کی خواہش اور قارئین کی دلچسپی کے پیشِ نظر صفحہ پیشِ خدمت ہے۔ امید کہ پسند آ جائے ــــ اپنی گراں قدر رائے سے ضرور نواز ئیے۔]
(ادارہ)

راہِ وفا میں چلتے چلتے کس کی سوچیں بدلی تھیں
کس نے کس کا ہاتھ چھڑایا میں بھی سوچوں تو بھی سوچ

چھاؤں مل جائے دامنِ گُل کی
ہے غریبی میں یہ لباس بہت

تنہائی فراق کا عالم نہ پوچھئے
گویا کسی کے سوگ میں دُنیا خموش ہے

یہ قربتیں میری آنکھوں میں کیسی اُتری ہیں
کہ خواب بھی میرے رخصت ہیں رت جگا بھی گیا

اس حسن سوگوار کو ہے جس کا انتظار
جھونکا ہوا کا تھا نہیں آئے گا لوٹ کر

رات بھر میرا نے جس ا ے سر مژگاں تارے
مجھ کو تھا وہم کہ یوں رات گذر جائے گی

یاد ہیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

نظر اٹھی تو نہ تھا کوئی ہم سفر اپنا
وفا کے دشت میں داغوں کی روشنی کے سوا

اُن کو اُداس دیکھ کے ہوتا ہے یہ گماں
جیسے کوئی بہار کا لمحہ اُداس ہو

وہ شوخیاں وہ تبسّم وہ قہقہے نہ رہے
ہر ایک چیز کو حسرت سے دیکھتی ہو تم

مری تو آنکھوں میں آنسو تھے دیکھتی کیا میں
سُنا ہے جاتے ہوئے وہ بھی خوب رو یا تھا

آنکھیں کھلیں تو جاگ اُٹھیں حسرتیں تمام
اُس کو بھی کھو دیا جسے پایا تھا خواب میں

نازک تھا دل تو پھول کی پتّی سے بھی شکیل
دُنیا کے حادثات نے پتھر بنا دیا

آنکھوں میں انتظار کے لمحات سونپ کر
نیندیں بھی کوئی لے گیا اپنی، سفر کے ساتھ

ہوا میں عکس ہیں اپنے ہی جیسے چہرہ کے
زمیں پہ پھول ہیں یارانِ آشنا کی طرح

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شُد
روئے گُل سیر نہ دیدم کہ بہار آخر شُد

دل کی دہلیز پہ آیا نہ وہ دستک دینے
آرزو بند کواڑوں میں مچلتی ہی رہی

یادِ ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اسٹینوگرافی کی افادیت

اجے گھوش

آج ہمارے ملک میں بیروزگاری کا مسئلہ دن بدن شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ خاص کر تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے تو یہ اور بھی سنگین ہے۔ اگر تعلیم یافتہ شخص کو ملازمت نہیں ملتی تو وہ اپنی علمی صلاحیت کو کوسنے لگتا ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اپنی دل شکستگی کے باعث وہ غلط عادتوں اور جرائم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور وہ نیک انسان بننے سے محروم رہتا ہے۔

ایک مفکر کے قول کے مطابق روپیہ پیسہ ہی تمام مسائل کی جڑ ہے، پیٹ بھر روٹی ملے بغیر کسی کام میں دل نہیں لگ سکتا اور نہ ہی وہ کوئی تعمیری کام کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ ملک کی اقتصادی حالت اور قوم کو سدھارنے میں اپنا رول ادا نہیں کر سکتا۔

ہمارے ملک میں بدقسمتی سے تعلیم ایسی نہیں جو ملازمت سے جڑی ہوئی ہو۔ اس لئے تعلیمی صلاحیت بڑھانے کے ساتھ ساتھ تکنیکی کام جاننا بھی ضروری ہے۔ بلاشبہ آج ہمارے ملک میں مختلف کاموں اور پیشوں کی تربیت اور تعلیم دی جاتی ہے۔ لیکن چونکہ ان کاموں کو سیکھنے کے بعد ان کا تجربہ بھی درکار ہوتا ہے اور وہ تجربہ ان کے پاس نہیں ہوتا اس لئے انھیں مناسب کام نہیں مل پاتا۔ ابھی تک سرکاری سطح پر ایسے اقدامات نہیں کئے گئے ہیں جن سے تربیت کے بعد کام کا ملنا یقینی ہو سکے۔ اس لئے کام کے پانے کے لئے کافی انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے آئین کے بنیادی حقوق میں کام کرنے اور پانے کا حق شامل نہیں کیا گیا ہے۔ ابھی اس کو شامل کرنے کے لئے کافی وقت لگے گا۔

ان حالات میں اسٹینوگرافی ہی وہ پیشہ ہے جس کے لئے سابقہ تجربہ درکار نہیں ہوتا۔ اس کے لئے اعلیٰ تعلیم کوالیفکیشن بھی درکار نہیں ہیں۔ اس کے ذریعہ معمولی قابلیت اور علمی صلاحیت کے ارکان بھی خواہ وہ مرد ہوں یا عورت کم وقت میں اچھی ملازمت پا سکتے ہیں۔ اس کے لئے برائے نام تجربہ درکار ہوتا ہے۔ اس کے لئے کسی سفارش وغیرہ کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ اسٹینوگرافی میں ملازمت پانے کے امکانات روشن ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اچھے اسٹینوگرافروں کی مانگ زیادہ ہے اور ان کی تعداد کم ہے۔

سرکاری دفاتر کے ہر شعبے میں اور پرائیویٹ اداروں کے ہر محکمے میں کسی نہ کسی صورت میں اسٹینوگرافر درکار ہیں۔ "اسٹینوگرافر، پرسنل اسسٹنٹ اور پرائیویٹ سیکریٹری" یہ تین وہ آسامیاں ہیں جن کی ضرورت جونیئر افسروں سے لے کر وزیروں تک ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ودھان سبھاؤں اور ودھان پریشدوں میں نیز لوک سبھا، راجیہ سبھا میں رپورٹروں کی بڑی تعداد درکار ہے۔ اس کے لئے اسٹینوگرافی کا جاننا بہت ضروری ہے۔ رپورٹروں کی عدم موجودگی میں ان اداروں کی کارروائیوں کو احاطۂ تحریر میں لانا بہت دشوار ہے۔ بلکہ ناممکن ہی ہے۔ رپورٹری ایوان کی کارروائیوں کو

حرف بحرف لکھتا ہے۔ دراصل رپورٹر ایک طرح سے وہ تاریخ ساز ہے جو بالواسطہ طور پر واقعات کی ترتیب کو تحریری شکل میں پیش کرتا ہے۔ رپورٹر ہی ان واقعات کو من وعن بیان کر سکتے ہیں۔ اور پھر یہی تحریریں مستقبل میں ریکارڈ کی حیثیت سے پیش کی جاتی ہیں۔

اگرچہ اسٹینوگرافی کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ لیکن ان کی کمی برابر محسوس کی جا رہی ہے۔ اگرچہ اسٹاف سلیکشن اور یونین پبلک سروس کمیشن ہر سال کل ہند پیمانے پر اچھے اسٹینوگرافروں کی تلاش کے لئے امتحانات منعقد کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اچھے اچھے اسٹینوگرافر کافی تعداد میں دستیاب نہیں ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سی آسامیاں خالی پڑی رہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ طلبہ کی رہنمائی صحیح طور پر نہیں کی جاتی۔

اسٹینوگرافی کے لئے اچھے اساتذہ کی کمی ہے۔ ان کو تربیت نہیں دی جاتی۔ پھر اس کے بارے میں معلومات بھی نہیں ہیں۔ اگر مطلوبہ سہولتیں فراہم کی جائیں تو معمولی میٹریکولیٹ پاس طالب علم اس کے ذریعے اچھی زندگی گذار سکتا ہے۔

اسٹینوگرافی کی تربیت لینے کے بعد بھی مسلسل محنت اور مشق جاری رہنی چاہیئے۔ عام طور پر اسٹینوگرافی کی تعلیم ایک سال کی ہے، خواہ وہ کسی زبان کی ہو۔ امیدوار کم سے کم میٹریکولیشن ہونا چاہئے۔ اس فن کو سیکھنے میں زبان پر عبور ہونا بہت ضروری ہے۔

سرکار کی طرف سے انڈسٹریل ٹریننگ اسکولوں میں اسٹینوگرافی کی مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ تربیت مکمل کر لینے کے بعد اسٹینوگرافر کی رفتار تحریر ۸۰ تا ۱۰۰ الفاظ فی منٹ ہوتی ہے۔ وہ ۹۰ الفاظ ایک منٹ میں ٹائپ کر سکتا ہے البتہ اس کو سیکھنے کے لئے گہری دلچسپی، وابستگی، پابندی، روزانہ کی مشق، اچھی یادداشت کی ضرورت ہے۔ ان صفات کے باعث امیدوار اچھا اسٹینوگرافر بن سکتا ہے......

جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

آئندہ ماہ سے نقش کوکن کے لئے ایک خصوصی مضمون "جھوٹ کی عادت نہیں مجھے" مستقل عنوان کے تحت شائع ہو رہا ہے۔ یہ مضمون جناب باغی بانکوٹی صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ ہوگا۔ ادارہ اس خوش آئند اعلان کے لئے مسرور ہے۔

حوا کی بیٹیاں

عبد الرحمٰن درزی
بھیونڈی

ہر مقرر اسٹیج پر آتے ہی "خواتین و حضرات" کے ابتدائی کلمات کیوں کہتا ہے۔ مردوں کی محفل میں اگر کوئی خاتون تشریف لے آئے تو سارے مرد تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن حوا کی بیٹیاں کہیں بیٹھی ہوں اور ابن آدم بدقسمتی سے اُدھر آ نکلے تو کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ آخر مرد عورتوں کو اتنی لفٹ یا بھاؤ کیوں دیتے ہیں؟

خواتین کی ذہنی و جسمانی ساخت میں اُس کے معمارِ حقیقی نے جو مسالہ استعمال کیا ہے وہ بہت نازک ہے۔ جیسے شیشے کی گڑیاں ہوں کہ ذراسی ٹھیس لگی تو چکنا چور ہو جائیں۔ فطری طور پر عورت کمزور ہے۔ اسی لئے اسے ہر منزل پر مرد کے مضبوط ہاتھوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور مرد سہارا دینے کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ وہ ہر وقت اسی فکر میں گھلتے رہتے ہیں کہ ؎

ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مانا کہ خواتین جسمانی طور پر بہت نازک واقع ہوئی ہیں۔ لیکن قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اسے ذہنی طور پر نازک بنا دیا۔ ہر عورت کو خدائے پاک کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ یہی کمزوری اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ جس کے آگے بڑے بڑے جگر دار مردوں کے پتّے پانی ہوتے ہیں۔ یقین مانئے اگر خواتین ذہنی طور پر کم درجہ ہوتیں تو ان کا حُسنِ جہاں سوز قطعی بے کار ہوتا۔ وہ چاہے دشنۂ مژگاں کو ہزار بار تیز کرتیں مگر سب وار خالی ہو جاتے۔

عورت کی حساس طبیعت اور ذہنی نزاکت میں وہ ہتھیار پوشیدہ ہے جو لوہے کو موم کر دیتا ہے۔ یہ وہ آگ ہے کہ پلاٹینم بھی پگھل کر سیسہ بن جائے۔

ایک طرف تو یہ صورتِ حال ہے مگر دوسری طرف دیکھئے کہ ان کی شہد کی طرح میٹھی نزاکت یا حماقت ہی میں وہ جادو ہے کہ مرد کچّے دھاگے سے بندھے چلے آتے ہیں۔ بھدّی سے بھدّی عورت بھی ہیلن آف ٹرائے بن جاتی ہے۔ اور دیوتا آسمان سے اُتر کر اس کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے رنگین آنچل کو چوم کر تھوڑی دیر کے لئے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

ایک فرانسیسی مصنف نے عورتوں کی پچیس ۲۵ قسمیں بیان کی ہیں۔ کاش اُسے کوئی بتاتا کہ میاں! ہر عورت بجائے خود ایک قسم ہے۔ جب تک ایک بھی عورت دنیا میں موجود ہے شعرا کو نت نئے مضامین سوجھیں گے۔ ہر عورت ایک نئے مضمون کو جنم دے سکتی ہے۔ ایسا مضمون جس اتھاہ گہرائیوں کو آج تک کوئی نہیں پہنچا۔

سب مردوں میں نسوانیت کے کچھ اجزا بھی پائے جاتے ہیں، اور تمام عورتوں میں تھوڑا سا مردانہ پن ضرور موجود ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے کو سمجھنے میں خوب غلطیاں کرتے ہیں۔ قدم قدم پر بھٹکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے تڑپتے ہیں۔ راتوں کو جاگتے ہیں۔ تارے گنتے ہیں، تپتی ریت

پر تنکے پاؤں چلتے ہیں۔ اور نہ جانے کیا کیا حماقتیں ان سے
سرزد ہوتی ہیں۔ پھر بھی ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے
سے قاصر رہتے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ کے ماہر سراغ رسانوں کی
طرح ایک دوسرے کے ذہن میں جھانک کر دیکھنے کی ناکام
کوشش کرتے ہیں۔ مگر کچھ نہیں پاتے۔ ناچار ایکدوسرے
پر مرمٹنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں ہمیں محبت ہوگئی ہے۔

عورت اس بچہ کی مانند ہے جسے انگلی پکڑ کر سڑک پار کروائی
جاتی ہے۔ گو وہ خود بھی شاہ راہِ حیات پر چل سکتی ہے۔ مگر
اس کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ اور وہ گھبرا کر وہیں بیٹھ جاتی ہے۔
آگے چلنے سے انکار کر دیتی ہے، جس طرح بچہ سرزنش کی توقع
رکھتا ہے اسی طرح عورت کی تمنا رکھتی ہے کہ کوئی اُسے
ڈانٹ پلائے اور اکیلے جانے سے آئندہ منع کر دے۔

عورت کے مطالبات۔ اگر وعدہ کر کے وفا نہ کئے جائیں تو
محبت کی جڑیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ مرد جب عورت کو تحفہ دیتا
ہے تو صرف اس لئے کہ جو مسرت اُسے دیتے وقت حاصل ہوتی
ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ عورت یہ سمجھتی ہے کہ اس کی
قدر کی جا رہی ہے۔ اُسے قلبی تسکین ہوتی ہے۔

جب عورت کی تعریف کی جائے اور اس کے بالوں
کی لٹوں کو کالی ناگن کا نام دیا جائے (چاہے وہ بال ایسے سخت
ہوں کہ دانتوں کا برش بنانے کے کام آسکے) تو وہ بہت
خوش ہوتی ہے۔ ذرا جھوٹ موٹ کسی عورت سے اتنا
دیکھئے کہ خانم آپ تو اتنی خوب صورت ہیں کہ جیسی کوہ قاف کی
پریاں تو وہ فوراً مان جائے گی کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ اس کی
ذہنی کمزوری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ خوشامد کو
بہت پسند کرتی ہے۔ ناقابل یقین باتوں پر ایمان لے آتی
ہے۔ صرف اس لئے کہ آپ نے اُس کی تعریف کی ہے۔

اسے حسین کہہ دیا ہے

اسرار ۱۹۸۳ء

کلیم رضا ملکاپوری

قطعات

نامکمل سی بے اثر تقریر
حرفِ نافہم کی طرح تحریر
میں ضیا اس طرح ہوں دنیا میں
جیسے ٹوٹے فریم میں تصویر

★

کون سمجھے گا مری تقصیر کو
قید ہی ہونا ہے جب تقدیر کو
آرہی ہے گرم لوہے سے صدا
دستِ نازک سے نہ چھو زنجیر کو

★

روشنی چاند کی دھیمی دھیمی سی
خوشبو مہک رہی ہے بھینی بھینی سی
روز و شب کی ضیا شکایت کس سے
زندگی ہو رہی ہے پھیکی پھیکی سی

★

تم نے کتنے ہی ظلم ڈھائے مگر
اشکِ غم ہنس کے پی لئے ہم نے
لب پہ شکوہ اگر کبھی آیا
ہونٹ شرما کے سی لئے ہم نے

★

از:۔ مسٹر تابڑ توڑ

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر مہذب اور غیر ذمہ دارانہ نہ ہوں۔
★ جوابات کے لئے مناسب جگہ چھوڑی جائے۔

★ اختر ابراہیم ہرنیکر وہور ضلع رائےگڑھ
سوال:۔ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ کونسا ہے؟
ج:۔ گرین لینڈ۔
سوال:۔ اچھے دوست کی پہچان کیا ہے؟
ج:۔ جو برے وقت میں کام آئے۔
سوال:۔ دنیا میں کتنی زبانیں بولی جاتی ہیں؟
ج:۔ تین ہزار چونسٹھ (3064)

★ نعیمہ غیاث الدین قادری دابھول ضلع رتناگری
سوال:۔ شراب کیا ہے؟
ج:۔ اس کے ہجوں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں شر+آب ہے۔ یعنی ایسا پانی (آب) جو شر (برائی) پھیلائے۔ اسی لئے تو اسے اُم الخبائث کہتے ہیں۔
سوال:۔ موت کون سی اچھی ہوتی ہے؟
ج:۔ جو شہادت کا درجہ عطا کرے۔

★ قاسم کھوت پوفلون تعلقہ داپولی
سوال:۔ انڈے کو اُبالنے کے بعد مائع ایک ٹھوس شکل اختیار کرتا ہے۔ کیوں؟ (سائنسی وجہ)۔
ج:۔ سائنسی وجہ جاننے کے لئے یہ سوال آپ ماہ نامہ سائنس کی دنیا دہلی سے کیجئے۔
سوال:۔ یونانی میڈیسن میں یونانی کی بجائے عربی Term اور ایلوپیتھی میں یونانی ٹرم کا استعمال ہوتا ہے۔ ایسا کیوں؟
ج:۔ یہ سوال آپ انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن سے کرتے تو بہتر۔
سوال:۔ امیر لوگ کچھ دے دلا کے تو غریب پس ماندہ اقوام کا سرٹیفیکیٹ لے کر اونچا مقام حاصل کرتے ہیں۔ متوسط طبقہ کے لئے کوئی راستہ؟
ج:۔ ہنر مندی یا میرٹ کا بل بوتہ۔

★ علی احمد خطیب لندن
سوال:۔ جنگل سے باہر آئے ہوئے جانور اور جنگل سے باہر آئے ہوئے انسان میں کیا فرق ہے؟
ج:۔ شکل وصورت کا۔
سوال:۔ جو شخص ہمیشہ اپنے وطن کو برا کہتا ہے اسے کس نام سے پکارا جائے؟
ج:۔ غدارِ وطن

★ ناصر الدین کمال الدین نیچی ڈاکیارڈ روڈ بمبئی
سوال:۔ یوم جمہوریہ اور یوم آزادی کی تعریف؟
ج:۔ یوم آزادی وہ دن جس روز ملک آزاد ہوا۔ اور یوم جمہوریہ وہ دن جب جمہوری دستور کے ساتھ ملک نے اپنی طرزِ حکومت کا آغاز کیا۔

★ شریف عبداللہ قاضی — مودی اسٹریٹ بمبئی

سوال :۔ سیاست کس کو کہتے ہیں؟

ج :۔ اپنے دامن کے چاک کو لوگوں کی نظروں سے بچانے کے لئے دوسروں کے گریبان میں لگے ہوئے پیوند کی طرف سب کی نظریں مبذول کرانا سیاست ہے۔

سوال :۔ انسان اور شیطان میں کیا فرق ہے؟

ج :۔ جو گناہ کر کے پچھتائے، ندامت کے آنسو بہائے وہ انسان ہے۔ اور جو گناہوں پر اترائے وہ شیطان ہے۔

★ شگفتہ عبدالمجید سونکر — ساکھری ناٹے تعلقہ راجاپور

سوال :۔ فیبر کیا ہے اور اس کا استعمال کس لئے کیا جاتا ہے؟

ج :۔ فیبر ریشے کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال پارچہ بافی میں کیا جاتا ہے۔

سوال :۔ احساس کمتری دور کرنے کی کوئی خاص تدبیر؟

ج :۔ جو کام بھی کیجئے یقین و اعتماد کے ساتھ کیجئے۔ خواہ مخواہ ڈرتے رہنا کہ ہم سے کوئی غلطی ہو جائے گی احساس کمتری کو جنم دیتا ہے۔ اس سے احتراز کیجئے۔

سوال :۔ نقش کوکن میں خانہ داری، بالخصوص پکوان کے طریقے بیان کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

ج :۔ ضرور کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اشتراک وتعاون تو کرے۔ کیا ہم آپ سے اس تعاون کی امید کریں۔

★ نثار احمد وجیہ الدین الڈے — بمبئی ۳

سوال :۔ جس طرح ڈاکٹر نسرین بشیخ نے بمبئی میں اولین مسلم خاتون سرجن ہونے کا شرف حاصل کیا ہے، کیا کوکن کی کسی خاتون نے اولین انجینئر ہونے کا اعزاز پایا ہے؟

ج :۔ ابھی تک تو یہ بات ہمارے علم میں نہیں آئی۔

سوال :۔ کیا ضلع رتناگری میں اردو ذریعہ تعلیم کا گرلز ہائی اسکول ہے؟ ہے تو کہاں ہے؟

ج :۔ شہر رتناگری میں بیگم عزیزہ داؤد نائیک گرلز ہائی اسکول

★ اشتیاق شریف خان — ڈونگری بمبئی ۹

سوال :۔ بھارت میں کرکٹ کا سب سے بہترین آل راؤنڈر کون ہے؟

ج :۔ روی شاستری۔

سوال :۔ بھارتی ٹیم کے کپتان کپل دیو آپ کی نظر میں؟

ج :۔ قاتل بولر مقتول کپتان۔

★ شفیق عبدالغفار ناخوا — شیر گاؤں رتناگری

سوال :۔ دہلی بھارت کا بڑا شہر ہے یا راجدھانی؟ اسے اردو میں دارالسلطنت یا دارالخلافہ کیا لکھنا صحیح ہے؟

ج :۔ صدر مقام۔

★ حمیدہ عبدالرشید سرکھوت — چراغ نگر گھاٹکوپر بمبئی

سوال :۔ پاگل اور نفسیاتی مریض میں کیا فرق ہے؟

ج :۔ پاگل تو صرف ہوائی قلعے تعمیر کرتا ہے مگر نفسیاتی مریض خود کو ہوائی قلعہ کا قلعہ دار سمجھتا ہے۔

سوال :۔ عاقل اور نادان میں کیا فرق ہے؟

ج :۔ عاقل اپنے کو چھوٹا ظاہر کر کے بلند مرتبہ پاتا ہے۔ مگر نادان اپنے کو بڑا بتا کر ذلت اٹھاتا ہے۔

سوال :۔ دنیا میں آبادی کے لحاظ سے بڑا ملک کونسا ہے؟

ج :۔ چین۔

گوشِ بر آواز

★ نقشِ کوکن کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ آخری سفر پر قومی دھارا مضمون شائع کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ نقشِ کوکن کسی کے آگے جھکنے والا نہیں ہے۔ میں آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں۔ اور دعا گو ہوں کہ اسی طرح آپ اپنے قلم کو حق کی خاطر دھار دار رکھیں گے۔

سنہ ۸۳ پر نقشِ نواز میں جو لائف ممبر کے نام شائع ہوئے ہیں اس میں میرا نام کا جناب رفیق احمد کالوکھے کے بجائے رفیق احمد کو کاٹے لکھا ہوا ہے۔ ویسے شریوردھن میں رفیق احمد کو کاٹے کوئی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کاتب صاحب کی غلطی ہو۔ اس نئے شمارے کی کوشش کریں گے۔ یہ امید رکھوں؟

غلام احمد محمد حسن کالوکھے

شریوردھن

• فہرست میں سہوِ کتابت سے نام کو کاٹے لکھا گیا ہے حالانکہ پرچہ کی ترسیل کالوکھے اسی نام سے جاری ہے۔

(ادارہ)

★ ماہِ دسمبر ۸۳ء کا رسالہ خوب سے خوب تر تھا لیکن میں جسے رسالے کی جان سمجھتا ہوں وہ ہے آپ کے دو صفحات۔ اس میں سے آخری صفحہ غائب نظر آیا۔ امید کہ اس کی تلافی ہوگی۔

محمد سعید عبدالستار گونکے وہور

مہاڈ۔ ضلع رائے گڑھ (قلابہ)

★ عرصۂ دراز سے مسلسل نقشِ کوکن پڑھتا آرہا ہوں۔ اور یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا یہ پسندیدہ رسالہ ایک معیاری ماہ نامہ بن گیا ہے۔

فروری ۸۳ء کا پرچہ زیرِ مطالعہ ہے۔ جناب مبارک کاپڑی صاحب کا پہلا اور آخری صفحہ، جناب شرف کمالی صاحب کا کہتا ہوں سچ کے ساتھ جناب قاسم یعقوب بجیلے صاحب کا خصوصی مضمون "اثر کرے نہ کرے سُن تو لے میری فریاد" نے کافی متاثر کر دیا۔ خطۂ کوکن کے باشندگان خصوصاً ریاست ہائے خلیج (Arabian Gulf) میں برسرِ روزگار حضرات کے لئے موصوف کا یہ مضمون مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

محمود حسن قاضی

واشی نگر نئی بمبئی

★ نقشِ کوکن کا خریدار تو نہیں ہوں مگر باقاعدگی سے اس کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ پرچہ بہت ہی اچھا ہے۔ متنوع مضامین نے پرچہ کو رنگارنگ بنا دیا ہے۔ البتہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ اسلام کا پرچار کر رہے ہیں۔ سوال و جواب کا کالم دلچسپ چیز ہے۔ لیکن اس بات سے بھی آپ اتفاق کریں گے کہ کچھ سوالات تو محض فضول ہوتے ہیں۔ ان کی ہمت افزائی نہ کی جائے۔ سوال و جواب کا مقصد ناظرین کے علم میں اضافہ کرنا ہے۔

نیاز احمد شبیر الدین ملّا

ڈونگری۔ بمبئی

★ نقشِ کوکن کی جانب سے سپاسنامہ دے کر آپ لوگوں نے میری جو عزت افزائی کی اُس کا میں بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ یہ صرف آپ لوگوں کی ذرہ نوازی تھی۔ قوم کی خدمت کرنا میرا پسندیدہ شیوہ ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ میری نقشِ کوکن کے لئے دلی دعا ہے۔

اہلِ کوکن کو تجھ پہ سدا ناز رہے
اے نقشِ کوکن تو ہمیشہ آباد رہے

اسماعیل جوے جوہانسبرگ
(جنوبی افریقہ)

★ ماہ فروری کا نقشِ کوکن پڑھا۔ پہلے صفحے سے آخری صفحے تک شاید ہی کوئی سطر ایسی ہو جو پڑھنے کے قابل نہ ہو۔ دینی معلومات، جمہوریت پر مضامین، نیاز اعظمی کا "جمہوریت ایک اور سالگرہ" پوری ہندوستانی قوم کا جائزہ ہے۔ بھائی قاسم یعقوب بجلے صاحب نے اپنے خصوصی مضمون میں خوب بااثر فریاد کی ہے۔ شرف صاحب سچ کہتے ہوئے کچھ بھٹکے سے لگے۔ بزرگ شاعر باغی بانکوٹی ضرورت پر بے مول اشعار کہہ گئے ہیں۔ صفحہ خواتین پھر سے غائب پا کر مجلس مشاورت کی خواتین پروفیسر اور پرنسپل صاحبہ کی لسٹ سے اپیل کرنے کو جی چاہتا ہے کہ وہ ضرور ہر ماہ کچھ نہ کچھ لکھتی رہیں۔

بھائی کاپڑی صاحب کا من بیاگرن ہندوستان کے ان اخبارات میں ترجمہ کروانے کے لائق ہے جسے ہندی اکثریت پڑھتی ہے۔ خصوصاً ٹھاکرے اور اڈوانی متوجہ ہوں۔ قومی دھارے کا کتابچہ تو اگر ایسے لیڈروں کو پیش کیا جائے جو وقتاً فوقتاً زہر اُگلتے رہتے ہیں

عباس سریہ ے
العفیلہ سعودی عربیہ

★ مبارک کاپڑی صاحب کی بے لاگ، بے خوف اور ٹھوس حقائق کی بنیادوں پر لکھی جانے والی تحریریں آج کل ہر سطح کے لوگوں میں بڑا سنجیدہ موضوع بنی ہوئی ہیں۔ ان کا پہلا اور آخری صفحہ بڑا جاندار، جامع، برمحل، مدلل اور اس انداز سے موثر ہوتے ہیں کہ قاری کے شعور کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ میری مخلصانہ التماس ہے کہ کاپڑی صاحب کے تمام پہلے اور آخری صفحات اپنے موزوں اور مناسب عنوان کے ساتھ کتابی صورت میں پیش کئے جائیں۔ اس کام کے لئے میرا اور میرے دوستوں کا کسی بھی نوعیت کا تعاون ضروری سمجھا جائے تو یقیناً خوشی ہوگی۔

اسی طرح جناب شرف کمالی صاحب کے کہتا ہوں سچ کے تحت شائع شدہ تحریری تیروں کو ایک کتابی ترکش میں یکجا کر دیا جائے تو وہ بھی آنے والی نسلوں کے لئے بڑے پائے کی چیز ہوگی۔

جاوید دروے
بمبئی

★ نقشِ کوکن کا معیار دیدہ زیب سرورق اور باقاعدہ اشاعت واقعی قابلِ تعریف ہے۔ آپ کی اردو دوستی کا قائل ہونا پڑتا ہے کیونکہ آج کا اردو کش دور، قارئین کا محدود حلقہ، کاغذ و طباعت کی گرانی کے باوجود پچاس سے زائد صفحات پر پرچہ نکالتے رہنا بڑی کوشش کا کام ہے۔ میری دعا ہے کہ خداوندِ عالم آپ کے حوصلے اور بلند فرمائے۔

اپنی ایک دیرینہ خواہش کے پیشِ نظر ایک غزل حاضرِ خدمت کر رہا ہوں۔ وصولیابی کی رسید اور اشاعت کی اطلاع سے نوازیں۔ کرم ہوگا۔

شاہد لطیف
گھاٹ کوپر بمبئی

"وحشت ہی سہی"

اُردو ادب میں ڈرامے کی صنف پر بہت کم کام ہوا ہے اور بہت ہی کم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ برعکس اس کے شعر و افسانے کی تصانیف کی اشاعت بے انتہا عام اور مقبول ہے۔ زبان و ادب کا یہ کم مائگی ہے کہ تمثیل نگاری کی صنف ہنوز مقبولِ عام نہیں ــــ برصغیر ہند و پاک میں پچھلی نصف صدی کے عرصے میں بیشتر اصناف ادب مغربی ادب کے اثر سے متاثر و مستفید ہوئی ہیں۔ چنانچہ مشرقی فن تمثیل میں بھی موضوع و تکنیک کے لحاظ سے تاثر و استفادیت کا در آنا از بس ضروری تھا۔ تاہم ڈرامے کی زمین میں خاطر خواہ تصانیف معرضِ وجود میں نہیں آسکیں، اور اس فضا میں ہمیشہ ایک خلا سا محسوس ہوتا رہا جو ہنوز جاری و ساری ہے۔ لیکن انگلستان میں آباد تارکانِ وطن نے محرکاتِ زبان و ادب سے دُور رہ کر بھی اردو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں اچھی خاصی خدمات انجام دی ہیں۔ پچھلے دس سال سے زائد عرصے میں لندن اور لندن کے گرد و نواح کے اندر اردو ادب کی مختلف اصناف میں قابلِ قدر تخلیقات منظرِ شہود پر آچکی ہیں۔

"وحشت ہی سہی" کے نام سے ایس۔ آئی آغا کی حالیہ تصنیفِ تمثیل مذکورہ بالا تخلیقات کا ایک جزو لاینفک ہے۔ جو یقینی طور پر انگلستان میں آباد اردو اسٹیج کے شائقین کے لئے ایک نعمت غیر متوقع سے کم نہیں۔ گو کہ ڈراموں کا یہ مجموعہ ہندوستان سے شائع ہوا ہے لیکن اس میں ان ڈراموں کی داغ بیل یہاں کی سرزمین پر پروان چڑھی ہے جو لندن کے مقامی تھیٹر میں پردۂ کشف کے مراحل سے گزر چکے ہیں۔

وحشت ہی سہی دو طویل ڈراموں پر مشتمل ایک کتاب ہے جو اسٹار پبلک سینٹر ۱۰۴۱ دریبہ کلاں نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی رسمِ اجراء بروز ہفتہ ۱۶ اپریل ۱۹۸۳ء بمقام انڈین مسلم فیڈریشن ہال، لیٹن اسٹون لندن ای ۱۱ معرضِ عمل میں آئی۔ یہ ڈرامے "جُرمِ الفت" اور "وحشت ہی سہی" (جو کتاب کے سرورق کا عنوان بھی ہے) کے نام سے سرِ فہرست کتاب نوشتہ ہیں۔

اول الذکر ڈرامے کی مرکزی تھیم ہمارے تاریخی کلچر اور روایات پر مبنی ایک پُرانی کہانی کی غماز ہے۔ جو سلیم اور انارکلی کے معاشقے سے ماخوذ ہے۔ اور ثانی الذکر میں مغرب کے موجود دَور کی تمثیل نگاری کا عکس نظر آتا ہے۔

"جُرمِ الفت" میں آئی۔ ایس۔ آغا نے عام روایتی کہانی کو ایک نئے اسلوب سے پیش کیا ہے۔ چنانچہ مرکزی تھیم فرسودہ روایاتی عشق و رومان کے دائرے سے نکل کر استعماریت اور پرولتاری سماج کے مابین جنگ و کشمکش کا روپ دھار لیتی ہے۔ اور یہی کشمکش اسکرپٹ کے اندر ڈرامائی واقعات کو انتہائے عروج تک لے جانے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہی ایک جدتِ طرز ہے جس کے لئے تمثیل نگار قابلِ مبارکباد ہے۔

دوسرا ڈرامہ "وحشت ہی سہی" تذبذب و کشمکش کے واقعات سے مملو ہے۔ مکالمات کی برجستگی، کردار کی منطقی تشکیل، ڈرامائی واقعات کا تدریجی عروج، یہ تمام اجزائے تمثیل انسانی جذبات اور نفسیاتی قدروں کے آئینہ دار ہیں۔ ڈرامے کی یہی فضا ڈرامے کی دلچسپی کی کلید ہے۔

جو بات نہایت ناگوار گزرتی ہے وہ کتابت کے جابجا

نقش نواز

نقشِ کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست شائع کرنے سے نہ صرف آپ قوم و ادب کے خیر خواہوں سے واقف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

لائف ممبر

ڈاکٹر اے۔ اے بحرین والا — بمبئی ۲
جناب ایچ۔ اے غنی — بمبئی ۸
" ریاض پرکار — اندھیری
محترمہ نیلم فضل ماسٹر — شرگاؤں رتناگری

بیرونِ ہند سالانہ خریدار

جناب ارشاد زین الدین عیدروس
محترمہ سودابی اے آر انوری — برمنگھم

سالانہ خریدار

میسرز اسکائی برڈ ٹریول سروس — مہاڈ
جناب داؤد خان محمد خان چیکر — مہاڈ
" اسرار احمد خان دیشمکھ — مہاڈ
" حمید خان عمر خان دیشمکھ — ناگوٹھانہ
لال بہادر شاستری گرنتھالیہ — پنہالے
جناب علی میاں حمزہ دلوی — پگاری حویلی
سینٹرل ہائی اسکول — اورن
جناب عبداللہ عیسیٰ قاضی — شرگاؤں رتناگری

جناب وسیم اخلاق انوری — ماجری
" عبدالرحمٰن فنسوپکر — رتناگری
ڈاکٹر نسرین خالد شیخ — بمبئی ۷
جناب نور اے۔ جی نیرپکر — اورن
" نور ملا — اورن
محترمہ عابدہ محی الدین خان — بمبئی ۱۰
جناب سید شاہ سکندر — ترو پتی
نونہال آزاد واچنالیہ — انجنویل
جناب حسین داؤد مہاڈیک — ساکھردتی
" حسین نرفرے عروج — شیوں
" عبداللہ اسماعیل جمعدار — جنجیرہ مرود
" بشیر گوٹھیکر — جنجیرہ مرود
" اسحاق نور بیگ پٹیل — ناسک
" محمد علی احمد لوکھنڈے — وڈولی
حاجی ایس ایم مقادم ہائی اسکول — کھیڈ
اسماعیل اردو اسکول — مجگاؤں رتناگری
جناب حسن اسماعیل قاضی — پادس
" عبدالمجید عبداللہ قاضی — مجگاؤں رتناگری
" اے آئی پٹھان — شیو کھول رتناگری

مرتبہ : [illegible] بن حماد

بدیع الزماں خاورؔ کا مراٹھی مجموعۂ کلام

مہاراشٹر راجیہ ہتیہ سنسکرت منڈل نے مشہور شاعر بدیع الزماں خاورؔ کی مراٹھی غزلوں کے اولین مجموعے غزلانت زنگ مانجھا" (غزلوں میں زنگ بیرا) کے مسوّدے کو اشاعت کے لئے مالی امداد کا مستحق قرار دیا ہے۔ اور اب یہ مسوّدہ طباعت کے مرحلے میں ہے۔ امید ہے کہ موصوف کا یہ اوّلین مراٹھی مجموعۂ کلام جلد ہی منظر عام پر آجائے گا۔ اور مہاراشٹر کے ادبی و شعری حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہو گی۔

کوکنی مسلم ایسوسی ایشن کا سالانہ جلسہ

کوکنی مسلم ایسوسی ایشن نیروبی کا ۷۵ واں سالانہ جلسہ ۲۶ر مارچ ۸۳ء بروز سنیچر و اتوار کی درمیانی شب کو سر سیّد علی سپورٹس کلب میں زیر صدارت جناب عبدالشکور منعقد ہوا۔

ٹیبل ٹینس

کوکنی مسلم کلب نیروبی کینیا مشرقی افریقہ کے اوپن ٹیبل ٹینس چیمپئن شپ مقابلے ۲۰ر فروری سے ۲۴ر فروری ۸۳ء تک آرین اسپورٹس کلب نیروبی میں کھیلے گئے۔ ان مقابلوں میں ملک بھر کے تمام چوٹی کے کھلاڑیوں نے حصہ لیا

ٹریزر ہنٹ (TREASURE HUNT)

۵ فروری ۸۳ء کو کلب نے سالانہ TREASURE HUNT کا اہتمام کیا۔ جیتنے والوں کے نام یوں ہیں:

اوّل : اسلم پرکار و حبیب پرکار ۔ دوم : اقبال پرکار و اشرف النساء اقبال پرکار ۔ سوم : بہار الدین پرکار و رفیقہ بہار الدین پرکار۔

الوداعیہ جلسہ

۲۸ر فروری کو مہاراشٹر اردو ہائی سکول کرڈوئی میں S.S.C. کے طلبہ و طالبات کے اعزاز میں الوداعی تقریب منعقد کی گئی۔ جناب حاجی احمد علی موڈک صاحب نے صدارت فرمائی۔ جناب اسماعیل نورالدین جولے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے حاضر تھے۔ خطبۂ صدارت سے پہلے صدر صاحب نے خصوصی انعامات کا اعلان کیا۔ نیز نہم میں اول اور دوم درجہ میں کامیاب ہونے والے طلبہ و طالبات کو ۲۵ر روپے کا انعام اور S.S.C. میں اول دوم، سوم آنے والوں کو بالترتیب ۱۵۱ روپے، ۱۰۱ روپے اور ۵۱ روپے کے انعام کا اعلان کیا۔ آخر میں ہیڈ ماسٹر جناب ایم ایم گولا نے شکریہ ادا کیا۔

بھابھا اٹامک ریسرچ سینٹر کے نئے ڈائریکٹر

بھابھا اٹامک ریسرچ سینٹر کے ڈائریکٹر کی حیثیت سے ڈاکٹر پی کے آئینگر کو نامزد کیا گیا۔ موصوف کو فزکس اور کیمیکل گروپ کا ڈائریکٹر بنایا گیا ہے۔ ڈاکٹر آئینگر کی جگہ پر ڈاکٹر راجہ رامنا کو اٹامک انرجی کمیشن کا چیئرمین مقرر کیا گیا ہے۔ اٹامک انرجی میں ڈاکٹر این ۔ آئی جی بھابھا اور ڈاکٹر ایچ این سیٹھنا سابق چیئرمین رہ چکے ہیں

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت، کامیابی یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقشِ کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے۔

عدم اشاعت پر ناراض نہ ہوں بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

ڈی ماڈیل انگلش اسکول سیطوڑہ کی سلور جوبلی

مسلم ایجوکیشن سوسائٹی سیطوڑہ اور اس کے ذریعہ چلائے جانے والے ڈی ماڈیل انگلش اسکول کا ۱۹۸۳-۸۴ء یہ جشنِ طلائی سال ہے۔ بہت سی دشواریوں اور مرحلوں سے گذر کر سوسائٹی نے دیہی علاقہ میں تعلیمی ادارہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ سوسائٹی کی اپنی بہت بڑی جگہ ہے۔ مدرسے کے لئے ۱۹ کمروں پر مشتمل ایک بڑی خوب صورت عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ دن بدن مدرسے کی ترقی کے ساتھ طلبہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

فی الحال ایس ایس سی تک جماعتیں ہیں۔ مگر ہائر سیکنڈری اور صنعتی تعلیم بھی ضروری ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ آئندہ سال سے ہائر سیکنڈری آئے۔ ٹی آئی (I.T.I) کی طرح ٹیکنیکل کورس شروع کریں اس کے لئے مالی امداد کی ازحد ضرورت ہے۔ سوسائٹی نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ عطیات اور اشتہارات کے ذریعہ روپیہ جمع کریں گے۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر موجودہ عمارت بھی ناکافی ہے۔ اس کے لئے نئی عمارتوں کا تعمیر کرنا، ہائر سیکنڈری اور ٹیکنیکل کورسیس کے لئے نئی اشیاء خریدنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا ہم آپ سے ایسی امید رکھتے ہیں کہ آپ لوگ اس سلسلے میں ہماری بھرپور تائید کرتے ہوئے مالی امداد کریں گے۔ آپ کی مدد اور تعاون سے ہی ہم اس کام کو بہتر طور پر انجام دے پائیں گے۔

المُلتمسین:-

علی ابراہیم پاگرکر — احمد اے۔ آر قاضی

صدر — محترم

مسلم ایجوکیشن سوسائٹی و اراکین — ایجوکیشن ویلفیئر سوسائٹی و اراکین

چیئرمن

سلور جوبلی کمیٹی و اراکین

ضلع تھانہ کے دیہی مسلمانوں کی فلاحی تنظیم

تھانے ڈسٹرکٹ رورل مسلم ویلفیئر آرگنائزیشن (ضلع تھانہ کے دیہی مسلمانوں کی فلاحی تنظیم)

مرکزی دفتر:- سردست پڈگھا بوریولی۔ صدر: جناب محمد یوسف رئیس عرف بابو سیٹھ (منور)۔ جنرل سکریٹری: حاجی عبدالحمید ناچن (پڈگھا بوریولی)۔ نائب صدور: محمد انور منشی (سوپارہ)، یوسف بھائی چابک سوار (جوہار) اور نعیم نذیر خان (ممبرا)۔ سکریٹریز: جناب امیر صاحب فقیہ (واڑہ)، عبدالسلام راول (کوسہ) اور امتیاز احمد کوہاری (بدلاپور)۔ خازن: منصور احمد ناچن (پڈگھا)

ممبران مجلس عاملہ:- عبدالعزیز پاپلے (ارنالا)، امیر خان محمد خان (وسئی)، صفوان احمد کوہاری (بدلاپور)، عبدالرزاق میمن (بوئیسر)، شرف الدین ملا (پاپڑی)، حاجی علی دھنانی (پالگھر)

ہمایوں مقری (تکولی)، امان اللہ کنسکلے (رایان)، فقیر آدم مجید شیخ (شیر گاؤں)، عبداللہ راوت (کلوہ)، عابد علی پٹیل (کاسٹی میران)، عالمگیر ڈائرے (کنڈوس)، غلام احمد اکبر فقیہ (گھسانیولی)، عبید پٹیل (مہاپولی)، عبدالقیوم شیخ (کھرڈی)، عبدالقادر زواری (واہولی)، شبیر احمد بوبیرے (مانگنی)، شرف الدین پٹیل (واسندری)، سلطان بھابھے (وڈولی)، محمد یوسف شیخ (موکھاڈا)،

نامزد ممبران:- [illegible] (سوپارہ)، ایڈووکیٹ مظفر شیخ (کلوہ)، اسعد عثمان شیخ (پچھالی) اور امتیاز احمد کوہاری (بدلاپور)

ایڈوائزری بورڈ کے ممبران:-

ڈاکٹر اسحاق جھانہ والا چیئرمن ایڈوائزری بورڈ۔

دیگر اراکین:- حاجی عبدالاحد نردیل (باندرہ)، حاجی احمد

زکریا (باندرہ)، رضوان حارث (باندرہ)، زکریا اگھاڑی (بمبئی)
سلمان ماہی (مدیر فوزان نقانے)، غلام محمد مومن (بھیونڈی)،
رشیم پٹھان (بھیونڈی)، مظفر آغا (بھیونڈی)۔ —
حنیف دلار ے اور رضوان بوبیرے (بھیونڈی)۔

۲۷واں آل مہاراشٹر ہائی اسکولس تقریری مقابلہ

۱۶ فروری ۱۹۸۳ء بروز جمعرات رئیس ہائی اسکول بھیونڈی میں
۲۷واں آل مہاراشٹر ہائی اسکولس تقریری مقابلہ منعقد ہوا۔
مقابلہ کی صدارت سابق نائب مرکزی وزیر قانون جناب
یونس سلیم صاحب کی۔ مہمان خصوصی مشہور مزاح نگار یوسف ناظم
صاحب تھے۔ ۲۰ ہائی اسکولس کے ۴۰ طلبا و طالبات نے مقابلے
میں شرکت کی۔ یعقوب بیگ ہائی اسکول نیویل کے طالب علم
زیاد عبدالوہاب ڈلار نے دوسرا انعام حاصل کیا۔ ہم کے
دوسرے طالب علم نذیر محمد کبھی نے نواں انعام حاصل کیا۔

دابھول میں سالانہ جلسہ تقسیم انعامات اسناد

انجمن خیر الاسلام اردو ہائی اسکول، دابھول کا سالانہ
جلسہ تقسیم انعامات و اسناد برائے کھیل کود ۱۰ مارچ
۱۹۸۳ء کو دابھول ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر جناب عثمان
عبداللہ نیچی صاحب کی صدارت میں منعقد کیا گیا۔ مہمان
خصوصی جناب منظور احمد صاحب (ہیڈ ماسٹر انجمن خیر الاسلام
اردو ہائی اسکول پنہا لجہ) اور جناب گلزار خطیب (سابق
نائب سرپنچ، دابھول) تھے۔

سالانہ کھیلوں میں اول، دوم اور سوم آنے والے
طلبہ و طالبات کو صدر صاحب کے ہاتھوں انعامات و اسناد
سے نوازا گیا۔ اس طرح سال گذشتہ ہر جماعت میں اول، دوم اور
سوم نمبر سے کامیاب ہونے والے طلبہ و طالبات کو انعامات دیکر
ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

پچھلے سال اسکول کی شاندار کامیابی (ایس ایس سی سو فیصد
رزلٹ) کی خوشی میں دابھول ایجوکیشن سوسائٹی کی طرف سے
ایس ایس سی میں اول، دوم اور سوم نمبر پانے والے طلبہ و
طالبات، نیز اساتذۂ کرام کو انعامات دے کر ان کی ہمت افزائی
کی گئی —— اسی طرح سالانہ ہوم اگزام میں ہر جماعت سے اول
درجہ میں کامیاب ہونے والے طلبہ و طالبات کو بھی انعامات
دیئے گئے۔ دابھول ایجوکیشن سوسائٹی کا مستحسن اقدام
سے ایسا محسوس کیا گیا کہ اب یہ سوسائٹی دوبارہ بیدار ہو چکی ہے۔
اولڈ بوائز ایسوسی ایشن دابھول کی طرف سے سال رواں کا
بہترین طالب علم انعام جماعت نہم کی ہونہار طالبہ تنزہ آغا ق احمد
تریشی کو دیا گیا۔

بزم شعر و ادب کوکن کا مشاعرہ

بزم شعر و ادب کوکن (بمبئی) کی ماہانہ طرحی نشست مورخہ
۱۷ مارچ ۱۹۸۳ء کی شب جناب شاداب رتناگیری صاحب
کی صدارت میں ہوئی۔ نظامت کے فرائض جناب سعید کنول نے
انجام دیئے۔ اس مشاعرہ میں مندرجہ ذیل شعراء نے اپنے
طرحی کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا:

جناب شاداب رتناگیری:

ایک مفلس کے جنازے کو اٹھانے کے لئے
کون کہتا ہے چلو ساتھ میں ہم آتے ہیں

مہر جھسلائی:— آخرت میں کھلی آنکھ تو یہ راز کھلا
کام دنیا میں ہی یہ جاہ و حشم آتے ہیں

تیمر رتناگری:— چلتے چلتے میں اگر جانا تقاضے مقصد
دور سے آتی تھی آواز کہ ہم آتے ہیں

شرف کمالی:— لیکن نے تیز کرو، دعدوں کی لئے تیز کرو
ووٹ دینے کو سفیران سلم آتے ہیں

صفدر رتناگردی :۔ مانند پڑ جاتی ہے صفدر ید بیضا کی چمک
دامِ فرعون میں جب اہلِ قلم آتے ہیں

محمود الحسن ماہر :۔ ختم کیجے نہ ابھی سلسلۂ دار و رسن
ٹھہریے ٹھہریے ہم آتے ہیں ہم آتے ہیں

اطہر تیمری :۔ یہ عقیدت کا تقاضا ہے جبیں جھکتی ہے
جب تصور میں وہ مینارِ حرم آتے ہیں

ناچیز قیصری :۔ میرے زخموں کو کرید و نہ تسلی دے کر
آپ کو نت نئے اندازِ ستم آتے ہیں

سعید کنول :۔ دیکھنا یہ ہے مجھے جانِ ستم میرے بعد
اب تیرے کوچے میں کس کس کے قدم آتے ہیں

واحد محسن :۔ وقت کا زہر لہو میں جو اُتر جاتا ہے
مجھ میں وحشت کے خطرناک قدم آتے ہیں

آغاز کیفی :۔ زندگی ریت کے صحرا میں جھلس جاتی ہے
تب کہیں ہاتھ میں دینار و درم آتے ہیں

بسمل کیفی :۔ نارِ نمرود بھی گلشن میں بدل جاتی ہے
اس میں جب اہلِ صداقت کے قدم آتے ہیں

نامہ نگار :۔ سعید کنول
سکریٹری بزمِ شعر و ادب، کوکن (ممبئی)

جناب رکھانگی کی ادارت میں

مراٹھی کے صحافیوں کی انجمن کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والے جریدہ (پندرہ روزہ) "چلول" یعنی تحریک کی ادارت کی ذمہ داری مشہور صحافی جناب اسماعیل رکھانگی کو سونپ دی گئی ہے۔

مہاڈ میں تعمیری سرگرمیاں ماند

ضلع رائے گڑھ میں حلقہ مہاڈ کی تمام تعمیرات جو پارسال سے جاری ہیں سیمنٹ کے فقدان کے باعث معطل ہو گئی ہیں۔ علاوہ ازیں تعمیرات کے لئے صرف ۵ مہینے ہی قابلِ استعمال ہوا کرتے ہیں۔ اور اس اثنا میں سیمنٹ فراہم نہ ہوا تو تعمیرات رُک جاتی ہیں۔ حلقہ کے رکن اسمبلی جناب اشوک صابلے صاحب اس سلسلہ میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔

کونڈیورے میں بنک کا اجراء

۱۱ فروری ۱۹۸۳ء کو موضع کونڈیورے ضلع رتناگری میں رتناگری مدھیہ ورتی کوآپریٹیو بنک کی ۲۴ ویں شاخ کا اجراء شری ابھے سنگھ راجے بھونسلے ریاستی وزیر مالیات کے ہاتھوں انجام پایا۔ اس افتتاحی تقریب کی صدارت متعلقہ بنک کے چیرمین اور ایم۔ ایل۔ اے جناب شام راؤ پیجے نے کی۔

ماڈرن اردو اسکول کونڈیورے کیلئے

۱۷ فروری ۱۹۸۳ء کو بحرین میں کپتان جناب احمد صاحب مہاتے (ماخزن والے) کی زیرِ صدارت ماڈرن ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیرِ اہتمام چلنے والے ماڈرن اردو ہائی سکول کے اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر جلسہ کا انعقاد ہوا جو گلف میں متعلقہ اسکول کا پہلا جلسہ تھا

کپتان جناب حاجی عبدالقادر شیکاسن اور جناب عبدالرحیم شیکاسن بانی ماڈرن اردو اسکول کونڈیورے جو سعودی عرب میں بسلسلہ ملازمت مقیم ہیں کسی ضرورت سے بحرین آئے تھے۔ انھوں نے اس تقریب میں شرکت کی اور اسکول کے متعلق تفصیلی روشنی ڈالی۔ جناب قاسم صاحب ماہری والے نے بحرین میں ایک اچھے ہندوستانی سماجی کارکن ہیں۔ آپ نے اسکول کی آئندہ ترقی کے لئے بہت سی تجاویز پیش کیں۔ موصوف نے ایک ہزار ایک روپیہ کا نقد عطیہ دیا اور بحرین میں مزید چندہ جمع کرنے کا ذمہ بھی لیا۔ جناب سید عثمان ابراہیم۔ زکریا خطیب پاڑہ والے، ... (قصبہ والے)۔ جناب عمر محمد جوے۔ موسیٰ ملک ... (کروی)۔ نذیر خان (کونڈیورے) نے بھی اس جلسہ میں شرکت کی اور اسکول کی ترقی کا وعدہ فرمایا۔ نذیر خان صاحب

نے مبلغ پانچ صد نقد عطیہ عنایت کیا۔ جلسے کے صدر کپتان جناب احمد صاحب مہاتے نے ایک ہزار ایک روپے کا چیک عطا کیا۔ لائف ممبر بنتے اور اسکول کے تعمیری پروگرام میں اپنا بھرپور تعاون دینے کا بھی وعدہ فرمایا۔

(نامہ نگار عبدالرزاق قاسم خان سیکریٹری)

جلسۂ تہنیت

جناب محمد کفایت اللہ خان صدر مدرس انجمن خیر الاسلام اردو ہائی اسکول مہابلیشور کو ضلع پریشد ستارا کی جانب سے بہترین مدرس اور حکومت مہاراشٹر کی جانب سے اسٹیٹ ایوارڈ ملنے کی خوشی میں ایک تہنیتی جلسہ ۱۵ مارچ ۸۴ء کو انجمن خیر الاسلام ہائی اسکول مدنپورہ بمبئی میں زیر صدارت جناب اے۔ بی صدیقی ایجوکیشن انسپکٹر بمبئی عظمیٰ اشمالی انعقاد پذیر ہوا۔ جناب محمد علی مٹھا صاحب بطور مہمان خصوصی شریک تھے۔

پارک سائٹ کپ

نیشنل کرکٹ کلب پارک سائٹ وکھرولی بمبئی کے زیر اہتمام پارک سائٹ کے لئے مورود اور اس کے کرکٹ کے مقابلے ۲۶ جنوری ۱۹۸۴ء کو شروع ہوئے تھے۔ اور اس کا فائنل ۱۷ مارچ ۸۴ء کو کھیلا گیا جس میں نیشنل کرکٹ کلب نے پروڈنشیل کرکٹ کلب کو شکست دے کر پارک سائٹ کپ جیت لیا۔

اس سلسلے میں ۱۸ مارچ کی شب کو جناب ادریس چوگلے صاحب سپرنٹنڈنٹ آف لائسنس بمبئی میونسپل کارپوریشن کی زیر صدارت تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد ہوا جس میں مشہور کرکٹ کھلاڑی فخر کوکن غلام پرکار صاحب اور روی ٹھکر صاحب شریک ہوئے۔ انھیں کے دست مبارک سے انعامات تقسیم کئے گئے۔

الحاج محی الدین خطیب

بمبئی میونسپل کارپوریشن کے ایک ذمہ دار افسر جناب محی الدین خطیب متوطن تو رزیل ضلع رتناگری گزشتہ مئی ۸۴ء کو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔ سبکدوشی کے فوراً بعد جب آپ کے لئے کئی نجی اداروں کی جانب سے بڑی بڑی تنخواہ پر تقرری کی دعوت ملی مگر آپ نے فریضۂ حج کو سب پر مقدم جانا اور عازم سفر ہوئے۔ خدا نے انھیں اپنے ارادہ میں کامیاب کیا اور آپ کی زوجہ محترمہ بھی اس کی ہمسفر تھیں۔

مہاڈ پولادپور تعلقہ مسلم امن کمیٹی

۱۱ مارچ ۱۹۸۴ء کو فجندر جونیئر کالج، دھور میں ایک عام اجلاس ہوا جس میں ضلع رائے گڈھ کے مہاڈ اور پولادپور تعلقوں کے ۵۸ دیہاتوں سے عمائدین شریک ہوئے۔ تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ عمائدین میں سے اکثر مقررین نے امن کمیٹی اور اس کے اغراض و مقاصد کے بنیادی نوعیتوں پر اپنے اپنے خیالات کا بے باکانہ اظہار کیا۔ اجلاس میں شرکت کی غرض سے خصوصی طور پر بمبئی سے الحاج عبدالغنی صاحب فجندار، جناب ایچ۔ بی مقادم صاحب اور جناب بدر سیٹھ قاضی نے شرکت کی۔

اس اجلاس عام میں مہاڈ پولادپور تعلقہ مسلم امن ایڈہاک کمیٹی تحلیل کر دی گئی اور مستقبل کی مستقل کمیٹی تشکیل دی گئی جن میں درج ذیل حضرات کا انتخاب ہوا:۔

صدر: جناب عبدالرشید اسانے نائب صدور: (۱) جناب شیخ حسن مقادم (۲) عبدالغفور کربلکر — سکریٹری: جناب غلام محمد بیلا جوائنٹ سیکریٹریز: (۱) جناب نظام الدین انتولے (۲) جناب آصف بلوکر — خازن: جناب داؤد سیٹھ پانساری۔

اراکین میں ابراہیم محمد تاج — ابراہیم خان چچکر — غلام محمد کربیلکر — عباس گوڈے — حاجی اسماعیل کربیلکر — ابراہیم عثمان کاپڑی، احمد عمر شیخناگ — غلام احمد خطیب، شریف دھانکر، ابراہیم ارکر — احمد ہارون پوشیلکر — ڈاکٹر پاڈسکر — اور عبدالغنی فجیتے نامزد کئے گئے۔ کمیٹی نے اپنی سرپرستی کے لئے

جناب ڈاکٹر احمد خان دیش مکھ۔ جناب الحاج عبدالغنی مجمدار
اور جناب ایس جی۔ بی۔ مقادم مقرر ہوئے۔ لیگل ایڈوائزر کی
حیثیت سے جناب اکبر اسانے، جناب اصغر اسانے اور جناب
خطیب (وکلاء) نامزد ہوئے۔

اس کمیٹی میں ایک تعلیمی سیل قائم کیا گیا، جو متعلقہ تعلقوں
کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لے گا اور ضروری مشوروں سے
بنانے کا فریضہ انجام دے گا۔ کمیٹی کی ایک دستور ساز مجلس
بھی عمل میں آئی جس کے ذمہ کمیٹی کا مکمل دستور مرتب کرنے
کا فریضہ سونپا گیا

نظامت کے فرائض جناب غلام محمد بٹیل نے انجام دیئے۔
موصوف نے مجمدار جونیر کالج کے اردو لیکچرر جناب رشید آثار
کی تحریر کردہ نظم "روح عمل" حاضرین کی خدمت میں
پیش کی۔ جو کافی سراہی گئی۔

اجلاس سے قبل جملہ حاضرین کی خدمت میں ایڈہاک
کمیٹی کی جانب سے ظہرانہ پیش کیا گیا تھا۔ اور دوران اجلاس
الحاج عبدالغنی صاحب مجمدار کے دولت کدے پر موصوف
کی جانب سے عصرانہ دیا گیا۔ شام میں سات بجے اجلاس
کے خاتمے کا اعلان ہوا۔

المرسل: غلام محمد بٹیل سیکریٹری

بزم اردو قطر کے دو مشاعرے

بزم اردو قطر کی جانب سے ۱۹۸۲ء کا پہلا مشاعرہ
بزم صبا شخاتی (عبداللہ جعفر شخانی) کے جائے قیام پر
منعقد پذیر ہوا۔ مصرعہ طرح تھا:

"اس انس پر گماں ہے کہیں آخری نہ ہو"

جناب کیف بٹالوی صاحب کی زیر صدارت جناب برجیا بوترابی،
قاضی فراز، اصغر نقوی، صبا شخاتی۔ ممتاز راشد۔
بشیر نیاز اور صدر موصوف کیف بٹالوی صاحب نے طرحی
اپریل ۱۹۸۲ء
اور غیر طرحی کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

دوسرا مشاعرہ ۱۶ اپریل ۱۹۸۲ء کو محترم صدر
بزم اردو قطر برجیا بوترابی صاحب کے جائے قیام پر ہوا۔ طرحی
اور غیر طرحی کلام پر سخن فہم حضرات نے خوب داد دی۔ مصرعہ
طرح دی گئی تھی:

"کیسے بدلتے رہتے ہیں دن رات دیکھیے"

جناب اصغر نقوی مصطفے آبادی کی زیر صدارت
آخر شب تک مشاعرہ چلتا رہا۔ نظامت کے پہلے دور میں جناب
ممتاز راشد صاحب کو زحمت دی۔

جناب برجیا بوترابی، اصغر نقوی، قاضی فراز، خالد عبدالرفیع
کیف بٹالوی، م۔ ممتاز راشد، خالد رشید ساگر، احمد یا مجور،
آذر شاہی، انور آفاقی، باسط صاحب، سلیم سرور، رشید نیاز،
گوہر نواب گوہر نے طرحی اور غیر طرحی کلام پیش کیا۔

داپولی میں تبلیغی اجتماع

کوکن کے صحت افزا مقام داپولی ضلع رتنا گری میں
۱۷ اور ۱۸ مارچ ۱۹۸۲ء دو روزہ تبلیغی اجتماع نہایت
کامیاب رہا۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار لوگوں نے اس اجتماع میں
شرکت کی۔ اکابرین دین کے ایمان افروز بیانات نے ایک
روح پرور سماں باندھ دیا تھا۔ مقامی حضرات کے علاوہ
ہرنے، ساکھری ناٹے، رتنا گری، بورونڈی و قرب و جوار
کے مسلمانوں نے اس کے انتظام و انصرام میں تعاون پیش کیا۔

یہ پرچہ آپ کو کیسا لگا؟

یہ پرچہ کے معیار ہی کو نہیں مزاج کو بھی ملحوظ خاطر
رکھئیے اور یہ بتائیے کہ پرچہ آپ کو کیسا لگا۔ اگر آپ کو پسند
ہے تو اپنے دوستوں سے کہیے کہ اس کے خریدار بن جائیں۔
(ادارہ)

مقابلہ غزل خوانی اور انعام

بزمِ اردو چپلون ضلع رتناگری نے آئندہ تعلیمی سال ۸۵-۱۹۸۴ء سے مقابلہ غزل خوانی کے لئے ایک یادگار خصوصی انعام جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ خصوصی انعام ارضِ کوکن کے نامور اردو شاعر صوفی بانکوٹی مرحوم (وفات ۱۹۷۶) کی یادگار میں دیا جائے گا۔ اور ان ہی کے نام سے موسوم ہوگا۔ اس خصوصی انعام کا مستحق ٹھہرنے والے اسکول کو بزمِ اردو کی طرف سے نقد مالی عطیہ کے ساتھ ساتھ جاری کیا جانے والا صوفی بانکوٹی سلور کپ بھی فتح کے نشان کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ بزم کے اعلان کے مطابق یہ یادگار سلور کپ گشتی ہوگا۔ اور ایک سال تک انعام یافتہ اسکول کی تحویل میں رہا کرے گا۔ بزمِ اردو چپلون کی طرف سے صوفی مرحوم کی یاد میں ایس ایس سی کے طلبہ کے لئے ایک تعلیمی انعام اس سے پہلے ہی جاری کیا جا چکا ہے۔

طاہر بھائی کیاسی

بمبئی ریجنل کانگریس کمیٹی (آئی) کے صدر مرلی دیورا نے ساؤتھ سینٹرل ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی (آئی) کے نائب صدر مسٹر طاہر بھائی کیاسی کو بمبئی ریجنل کانگریس کمیٹی (آئی) ریپیئر اینڈ ری کنسٹرکشن سیل کا کنوینر مقرر کیا ہے۔ آپ نے اپنے عہدے کا چارج سنبھال لیا ہے۔

نیشنل ہائی اسکول داپولی میں سائنس اور آرٹ نمائش

نیشنل ہائی اسکول داپولی ضلع رتناگری میں ۱۱ مارچ ۱۹۸۴ء کو سائنس اور آرٹس کی ایک شاندار نمائش کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں اسکول کے طلبہ و طالبات نے اپنے تین اساتذہ جناب حسن کھوت، جناب عبدالعلیم مومن اور جناب سکندر نائیکواڑے کی رہنمائی اور نگرانی میں تیار کئے ہوئے ۱۰۰ سے زائد چھوٹے بڑے آئیٹم نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کئے۔ منڈنگڈہ کے تحصیلدار جناب قمرالدین کمال قاضی نے اس نمائش کا افتتاح کیا۔ اور سراج الاسلام جونیئر کالج فردوس تعلقہ کھیڑ کے پرنسپل اور ضلع رتناگری کے ممتاز ماہر تعلیم جناب محمد عبدالغفور پرکار صاحب نے تقریب کی صدارت فرمائی۔ اس تقریب کے شروع میں مسلم ایجوکیشن سوسائٹی کے ٹرسٹی جناب غلام محمد رکھانگے کے انتقال پر تعزیتی قرارداد منظور کر کے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور صدر کے ہاتھوں مختلف طلبہ و طالبات کو انعام دیئے گئے۔ ہیڈ ماسٹر جناب عبداللہ محمد خان نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا، اور جناب عثمان قاضی نے پروگرام کی اناؤنسنگ کے فرائض انجام دیئے۔

نیشنل ہائی اسکول داپولی کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی یہ سب سے بڑی اور کامیاب نمائش تھی جسے تقریباً ایک ہزار خواتین و حضرات نے دیکھا اور پسند کیا۔ جناب قمرالدین قاضی اور جناب عبدالرشید عمر رکھانگے نے بچوں کی حوصلہ افزائی کے طور پر اپنی جیب خاص سے گراں قدر عطیات سے نوازا۔

صابر شیخ کی تقرری

تھانے ضلع اردو پراتھمک شکشک سنگھ کے جنرل سیکریٹری اور ضلع پریشد اردو اسکول نمبر ۱ اکلیان کے معاون مدرس جناب صابر شیخ کو ان کی قابلیت کے پیشِ نظر مہاراشٹر راجیہ پاٹھیہ پستک نرمتی و ابھیاس کرم سنشودھن منڈل (پونے) نے قومی یکجہتی پر ریسرچ کے لئے منتخب کیا ہے۔ تھانہ ضلع کے اس پہلے اردو مدرس کی تقرری پر ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

تصویریں

موصول شدہ فوٹو بلاک عدم گنجائش کی بناء پر شریکِ اشاعت نہیں ہو سکے اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

★ انجمن اسلام کرلا کے پرنسپل جناب سید آمیر ۹ مارچ ۸۴ء بروز جمعہ شام چار بجے اس دار فانی سے رخصت فرما گئے۔ آپ چاند سلطانہ احمد نگر، احمد سعید اور انجمن اسلام بوری بندر کے ہیڈ ماسٹر رہ چکے تھے۔ آپ بہترین مدرس اور مخلص انسان تھے۔

★ ۱۰ فروری ۸۴ء کے روز جماعت المسلمین وڈولی، تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ کے سابق متولی جناب محمد عبد اللہ محمد دفیقہ کا طویل علالت کے بعد وڈولی تعلقہ مانگاؤں میں انتقال ہوگیا۔

★ ریٹائرڈ جج جناب فقیر محمد لالہ صاحب کی بھانجی زہرہ بی عبد الرحمٰن لالہ کا ۶ مارچ ۸۴ء کو انتقال ہوگیا مرحومہ ہائی بلڈ پریشر اور عارضہ قلب میں مبتلا تھی۔

★ جناب قمر کالو کھے کی والدہ حسینہ محمد حسین کالو کھے کا جنوری ۱۹۸۴ء میں ان کے وطن شری وردھن میں انتقال ہوگیا

★ ۶ فروری ۸۴ء کو جناب یعقوب یونس بڈلے کی سولہ سالہ دختر نور جہاں کا مختصر سی علالت کے بعد ان کے وطن وڈولی تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ میں انتقال ہوگیا۔

★ ممباسہ (کینیا) میں محترمہ حوا بی عبد الغنی سارنگ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔

★ جناب حسین لامبے (متوطن نمسونے ضلع رتناگری) مقیم ارلا بمبئی کا ۲۳ مارچ کو حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا۔

★ بمبئی کے ایک نامور صحافی اردو بلٹز ٹائمز کے مدیر جناب نور اشفاق کا ۲۳ مارچ کی صبح حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہوگیا۔ مرحوم بچوں کے صفحہ کے کامیاب ترتیب کار تھے اور حضرت بوجھن کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔

اپریل ۱۹۸۴ء

شادی خانہ آبادی

★ جناب علی قاسم انورکر کا عقد مسعود ممتاز بنت حسین نو پلونکر کے ساتھ ۲۱ مارچ ۸۴ء کو ان کے وطن ماجری تعلقہ مروڈ ضلع رائے گڑھ میں انجام پایا۔

★ سومیشور (رتناگری) کے سماجی کارکن اور رتناگری ضلع پریشد کے اسسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشن انسپکٹر جناب قاضی علی صاحب کے فرزند نذیر احمد قاضی DEM کی شادی معزز انہ بیگم کے ساتھ نیز دختر صادقہ بیگم کی شادی انیس احمد B.A. کے ساتھ ۴ مارچ ۱۹۸۴ء کو المالطیقی ہال بمبئی میں انجام پائی۔

★ نقش کوکن کے سعودی عربیہ میں نمائندہ خصوصی جناب عباس حسین مروے متوطن شیون تعلقہ کھیڈ کے بھائی عقیل کی شادی شاہدہ بنت ابراہیم دلوائی کے ساتھ سماج منزل ہال گھاٹ کوپر بمبئی میں ۲۵ مارچ ۸۴ء کو انجام پائی۔

★ صدر جماعت المسلمین نظام پور ضلع رائے گڑھ جناب حسن آدم ترالکا ونکر کی دختر رخسانہ بیگم کی شادی جناب عباس اسحاق لوکھنڈے کے فرزند محمد اسحاق کے ساتھ اور یونس کی شادی اختری کے ساتھ ۲۴ مارچ ۸۴ء کو نظام پور تعلقہ مانگاؤں میں انجام پائی۔ اس خوشی کے موقع پر قوالی کا پروگرام بھی تھا جس میں قلندر آزاد اور شمشاد بانو نے اپنی مسحور کن قوالیوں سے حاضرین کو محظوظ فرمایا۔ یہ پوری تقریبات کیپ ٹاؤن (ساؤتھ افریقہ) میں مقیم جناب الحاج احمد آدم لوکھنڈے نے اپنی جیب خاص سے سر انجام دیں۔

★ ڈاکٹر عبد الحمید پٹیل کی شادی بھیونڈی کے جناب خلیل فرید کی دختر سبینہ کے ساتھ ۲۵ مارچ ۸۴ء کو تلوجہ ضلع رائے گڑھ

جن خطوط، مراسلات، مضامین یا سوالات میں بھیجنے والے کا پورا نام و پتہ نہ ہو ادارہ انھیں شائع کرنے سے قاصر ہے۔

آخری صفحہ (جاری) لہٰذا جب کبھی آپ کے پاس یا آپ کے محلے میں کوئی کہتا ہے کہ مسلمانو! قومی دھارے میں شامل ہو جاؤ
تو آپ یہ دیکھئے کہ وہ وہاں اپنی تقریر جاری نہ رکھ سکے اور پھر کبھی لوٹ کر وہ آپ کے علاقے میں نہ آسکے۔
اس نے لئے میں آپ کو بھنڈرن والے کی طرح تلوار ہاتھ میں لینے کے لئے نہیں کہتا۔
نہ بالا صاحب دیورس کی طرح آپ کو لاٹھی اٹھانے کے لئے کہتا ہوں۔
نہ بال ٹھاکرے کی طرح آپ کو پتھر اٹھانے کے لئے کہتا ہوں۔

ہمیں ہرگز ایسے کسی جنون کا مظاہرہ نہیں کرنا ہے۔

ہمیں یہ خیال رکھنا ہے کہ یہ نام نہاد مسلمان جو اس قومی دھارے میں شامل ہو کر جج سے چیف جسٹس بن جاتے ہیں
ایسے مسلمان ہمارے لیڈر ہونے کا دعویٰ نہ کریں۔ وہ مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی تجوریاں نہ بھریں۔
وہ مسلمانوں کو صرف "ووٹ بینک" سمجھ کر ہم سے ووٹ نہ لے جائیں۔
نہ ہم نیلے کوئی قومی دھارے میں بہنے کے شوق میں احساس کمتری میں مبتلا ہو کر ہاتھ جوڑ جوڑ کر نمستے کہتا پھرے۔
نہ قومی دھارے میں بہنے کے شوق میں ہمارے آنگن میں گنگا آئے نہ ہم شیوراتری منائیں۔
ہمیں ہر قیمت پر اپنی انفرادیت برقرار رکھنی ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ اس کی کتنی بھاری قیمت ہمیں چکانی پڑے گی
مگر ہماری پوری تاریخ ایسی قربانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور اسلام کے پھلنے پھولنے کا راز بھی قربانی ہی ہے
اس ملک میں جہاں اذان کی آواز سے غیر مسلموں کے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں
اور مسلم خواتین کو پردے میں دیکھ کر غیر مسلم خواتین کو گرمی محسوس ہونے لگتی ہے۔
اس ملک میں اپنی انفرادیت قائم رکھنے کے لئے ہمیں بے حساب قربانیاں دینی پڑیں گی۔ مگر یہ تقاضہ ہے وقت کا۔
اور پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔ ہم ہندوستانی ہیں۔
اور ایک ہندوستانی کی تعریف یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی زندگی اس ملک کی فلاح بہبود میں گذارے۔
اس کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر شعبے میں اپنے ملک کا نام بلند کرے۔
اس کی تعریف یہ نہیں کہ وہ مکمل طور پر ہندو بن جائے۔
اس لئے اے ارباب حکومت و سیاست! کان کھول کر سن لو کہ ہندوستانی بن جانے کا مطلب ہندو بن جانا نہیں
ہم ہندوستانی ہیں ——— اور بلاشبہ ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم تیلگو دیشم میں بھی ہیں اور لوک دل میں بھی۔
ہم ہندوستانی ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے سائنس، فلم، ادب، کھیل کود، سیاست و صحافت غرض کہ ہر میدان میں
اپنے ملک کی ناموری کی خاطر جان توڑ کام کیا ہے۔
اور اگر اس لئے ہمیں قومی دھارے میں شامل ہونے کی سند نہیں ملتی، تو ہمیں اس کی ضرورت بھی نہیں البتہ ہم مسلمان بھی ہیں
اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ بہر ترتیب "قومی دھارا" سمندر سے جا کر ملتا ہے۔

مبارک کاپڑی

آخری صفحہ (جاری)

یہ لوگ چاہے کتنی قسمیں کھائیں کہ نہیں، ان کا مطلب یہ نہیں ہے
وہ تو محض مسلمانوں کو ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ وغیرہ وغیرہ
تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ کس میدان میں مسلمانوں نے ملک کی ترقی میں ہاتھ نہیں بٹایا۔
وہ سائنس ہو یا سیاست، وہ ادب ہو یا موسیقی، وہ صحافت ہو یا طب۔
کیا ایسا بھی کوئی میدان ہے جس میں مسلمانوں کا کردار نہیں ہے۔
اور اس کے باوجود کیا مسلمانوں کو "قومی دھارے" میں شامل ہونے کا سرٹیفکٹ ملا؟
جن مسلمانوں نے مکمل طور پر اپنے مذہب کو ٹھکرا دیا، اپنی شریعت اور قوانین الٰہی کا کھلم کھلا مذاق اڑایا۔
صرف انھیں مسلمانوں کو "قوم پرست" اور قومی دھارے میں شامل سمجھا گیا۔
لہٰذا اب جو حضرات آپ سے کہہ رہے ہیں نا کہ قومی دھارے میں شامل ہو جاؤ
تو ان کا مقصد ہے کہ آپ "جے، جے۔ جے، جے، جے پانڈورنگا" اور "وٹھل وٹھل" کرنے کے لئے مندر کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔
آپ بھی مورتیوں کی پوجا کریں، آرتی اتاریں، یا نگی آپ کے آنگن میں ناچے۔
آپ ہولی میں رنگ اور بھنگ اڑاتے پھریں، آپ بھی مہا شیوراتری منائیں۔
اور یہ رمضان میں روزے رکھنے کا رواج تو عرب ممالک سے چلا آتا ہے۔ یہ ملک دشمنی ہے۔
لہٰذا آپ سوموار کا فاقہ کریں اور سولہ سوموار منائیں۔
آپ میں سے اگر کوئی صاحب حیثیت ہے تو وہ ایک آدھ عالی شان مندر بنوا کر اپنی ہندوستانیت کا ثبوت دے۔
(ایسا کوئی مسلمان نہ صرف سارے قومی پریس میں ہیرو بن جائے گا بلکہ ممکن ہے کہ درسی کتاب میں اس پر ایک آدھ مضمون بھی ہو)
آپ کے اسکولوں میں بھی روزانہ پوجا پاٹ ہوتی ہیں۔ اور آپ کی تقریبوں کا آغاز قرآن خوانی سے نہیں بلکہ بھجنوں اور کرتنوں سے ہو۔
آپ بھی اپنے آنگن میں ایک بڑا سا گنپتی سجا دیں یا کم از کم گنپتی کے لئے بھاری چندہ دیں۔
اور آپ حج کے لئے مکہ معظمہ جانا چھوڑیں بلکہ دیش بھگتی کا ثبوت دیتے ہوئے کاشی جا کر تیرتھ کر لیں۔
اور یہ آپ کے نام ہیں عبدالرحمٰن یا عبدالرزاق وغیرہ ـــــ ان سے عربستان کی بو آتی ہے۔
قومی دھارے میں شامل ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے آپ اپنا نام بھی خالص "ہندوستانی" (یعنی ہندوانی) رکھیں۔
قومی یکجہتی کی خاطر آپ بھی مندروں میں جا کر گھنٹے بجائیں۔
تب پھر آپ کو بلراج مدھوک جی قومی دھارے میں شامل ہونے کا سرٹیفکٹ دے گا اور اندرا گاندھی بھی۔
واجپائی اور چرن سنگھ بھی آپ سے خوش ہوں گے کہ چلو سارے مسلمان قومی دھارے میں شامل ہو گئے۔
جی ہاں! یہی تکمیل ہے قومی دھارے کی!
یہ قومی دھارا جس کی رٹ آپ آزادی کے بعد سے اب تک سن رہے ہیں نا وہ یہیں جا کر ختم ہوتا ہے۔
کہ ہر مسلمان کا مکمل طور پر ہندو بن جانا۔
جو کسی بھی غیرت مند اور سچے مسلمان کو ہرگز قبول نہیں ہوگا۔

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

قومی دھارا ہمارا

لہٰذا آج آئیے، میں آپ کو بتاؤں کہ یہ قومی دھارا کیا ہوتا ہے اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے؟؟

فخر الدین علی احمد جب صدارتی الیکشن کے لئے کھڑے ہوئے تھے تب اور ان کے صدر بننے کے بعد بھی
سارے جن سنگھی اخبارات ان کے خلاف جی بھر کر لکھتے رہے، سارے جن سنگھی اخبارات انھیں صرف فخرو لکھ کر مذاق اڑاتے تھے۔
ایک بار جب فخر الدین علی احمد نے گنپتی کے تہوار کے موقع پر پونا میں جا کر مشہور دگڑو سیٹھ کے گنپتی کی پوجا کی
تو راتوں رات وہ سارے ہندوستانی پریس کے لئے سچے قوم پرست سچے ہندوستانی بن گئے اور سبھی ان کے گن گانے لگے
محمد علی کریم چھاگلہ نے جب اسلام اور اسلامی شریعت کا کھلم کھلا مذاق اڑایا تو انھیں قومی دھارے میں شامل ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا گیا۔
حمید دلوائی چونکہ اسلامی شریعت اور قرآن کریم کو نہیں مانتا تھا اس لئے اسے قوم پرست مسلمان قرار دیا گیا،
اخبارات میں اس کے بیانات کو ہمیشہ صفحۂ اول پر جگہ دی گئی، اگر دے کے آپریشن کے لئے حکومت نے
پچاس ہزار روپے دیئے اور اس کی سالگرہ ہر سال لیگ آف سوشیل سروس میں بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے
ہاں آئیے، میں آپ کو بتاؤں کہ قومی دھارے کا مطلب کیا ہے؟؟
تو سنئیے ——— قومی دھارے کی تعریف ہے:

ہر مسلمان کا مکمل طور ہندو بن جانا

جی ہاں! ہر لحاظ سے مسلمانوں کا ہندو بن جانا،
مسلمانوں میں ایک فی صد بھی مسلمانیت باقی نہ رہنا ——— یہی قومی دھارے کی تکمیل ہے
آپ اگر کسی بنا پر اپنے نام غیر اسلامی رکھتے ہیں، تب بھی کچھ نہ ہوگا، آپ کے اعمال بھی غیر اسلامی ہونے چاہیے۔
جب تک ایسا نہیں ہوتا، آپ قومی دھارے میں شامل نہیں ہوتے۔
اس سے ہٹ کر آپ کچھ بھی کریں، اس ملک کی ترویج و ترقی میں آپ کتنا ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔
کتنی ہی جدو جہد کریں، کتنی ہی قربانیاں دیں، آپ اس ملک کی سرخروئی کے لئے۔
البتہ اگر آپ میں تھوڑی سی مسلمانیت باقی ہے تو آپ قومی دھارے میں شامل نہیں
لہٰذا جب آپ سے واجپائی یا اندرا گاندھی کہتے ہیں کہ قومی دھارے میں شامل ہو جاؤ
تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مکمل طور پہ ہندو بن جائیں۔
اور سنئیے یہ جو ہدایت اللہ اور جسٹس بیگ آپ سے کہتے ہیں نا کہ قومی دھارے میں شامل ہو جاؤ
تو اِن کا مطلب بھی یہ ہے کہ آپ مکمل طور پہ ہندو بن جائیں

(باقی صفحہ ۵۱ پر)

MAY 1984

Rs. 2-50

नकशे कोकण

23RD YEAR OF PUBLICATION

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

NAQSHE KOKAN MONTHLY

نقش کوکن

Dr. Rafique B. Parkar

Shri H. M. Dalwai
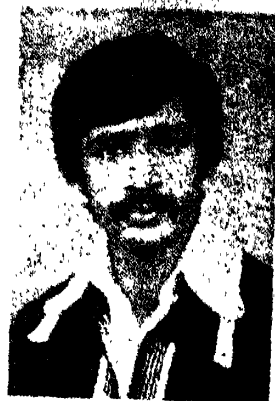
Dr. Iqbal Rumane
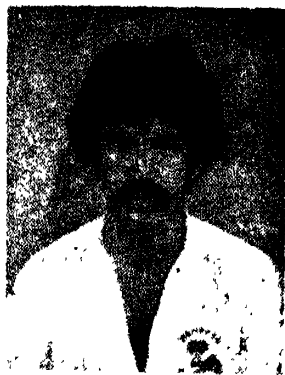
Arshad A. G. Dalvi
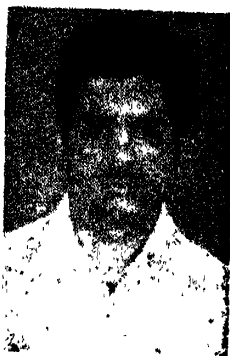
Mohd. Jamil Parkar

Zahoor Gitay

Late Justice Bashir Ahmed Sayeed

قائم شدہ ۱۹۶۲ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انجمن لینگویجز نیوز پیپرز ایسوسی ایشن بمبئی

جلد ۲۳/ مئی سنہ ۱۹۸۳ء/ شمارہ ۵

قیمت فی پرچہ : ۲½ روپیے
سالانہ خریداری : ۲۵ روپیے
تاعمر خریداری : ۲۵۰ روپیے
بیرونی ممالک سے سالانہ : ۱۰۰/۱۵۸ روپیے
" تاعمر : ۱۲۵۰ روپیے

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر : ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر : ایس اے رحیم قیصر

ملکیت : نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (E3006)

فون : 869974/861572/86538

مقام طباعت : اجمل پریس بمبئی ۳

مقام اشاعت : ۲۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ :
۲۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

تاریخ اشاعت : یکم مئی سنہ ۱۹۸۳ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس ماہ کے نقوش

صفحہ نمبر

خصوصی پیش کش

منتخبات القرآن

★ هَلْ يَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِ اَنْ يُّتْبِعَ مَآ اَنْفَقَ مَنًّا

کیا مسلمان کو خیرات کا احسان جتانا چاہیے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ

مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور (سائل کو) ایذا دینے سے اس شخص کی طرح اکارت نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے۔

(البقرۃ)

★ مَاذَا يُنْفِقُ الْمُسْلِمُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

مسلمانوں کو خدا کی راہ میں کتنا خرچ کرنا چاہیے

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

اور تم سے دریافت ہیں کہ
خدا کی راہ میں کتنا خرچ کریں۔ تو (ان کو) سمجھا دو کہ
جتنا تمہاری جانب سے زیادہ ہو اور اللہ (اپنے) احکام
تم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے
کہ تم دنیا اور آخرت کے معاملات پر غور کرو۔

(البقرۃ)

یہ خصوصی پیش کش جناب ای ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے عظیم عطا فرمائے (آمین)

پہلا صفحہ

برسوں سے ہمارے ملک میں بڑا ہی زوردار پروپگنڈہ ہو رہا ہے:
"کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے"۔
نہ جانے کتنے اخبارات، رسائل اور کتابوں کے صفحات اس موضوع پر سیاہ ہوتے ہیں۔
ہندوستان بھر کی تقریباً تمام یونیورسٹیوں کی نصابی کتابوں میں مورخین نے یہ الزام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔
من گھڑت کہانیوں کے ذریعہ یہ الزام ثابت کرنے کے لئے لاتعداد نام نہاد مورخین نے ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔
نہ جانے کتنے اسکولوں میں اس موضوع پر تقریری مقابلے منعقد ہوئے ہیں۔
البتہ ہر ذہین اور ایماندار مورخ نے اس الزام کو بے بنیاد اور من گھڑت ثابت کیا ہے۔

مسلمانوں میں اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ "میں مسلمان نہیں ہوں" تو اسے شوق سے ایسا کہنے کی اجازت ہے۔
اگر کسی نے اسلام کے بنیادی عقائد سے انکار کیا، مسلمانوں نے انھیں اسلام سے خارج از اسلام کر دیا۔ مثلاً قادیانی

ایک طویل عرصے سے سکھ کہہ رہے ہیں کہ ہم ہندو نہیں ہیں اور سکھ ایک الگ قوم ہے۔
لہٰذا آئین کی دفعہ ۲۵ بدل کر دو جس کے تحت سکھوں کو بھی ہندو ہی مانا گیا ہے۔
سکھ حق بجانب ہیں اس لئے کہ گوتم بدھ کو بھی ہندوؤں نے بھگوان کا اوتار بنا کر پیش کیا۔
اور اس طرح بدھ ازم جس نے ہندوستان میں جنم لیا، اب وہ مذہب آج ہندوستان میں نہ ہونے کے برابر ہے۔
لہٰذا سکھوں کو بھی یہ ڈر ہے کہ گرو نانک کو بھگوان کا اوتار بنا کر سکھ مت بھی ہندو ازم کے سمندر میں ضم ہو جائیگا۔
لہٰذا سکھ کہتے ہیں کہ دفعہ ۲۵ بدل دو اس لئے کہ ہم ہندو نہیں ہیں۔
اور حکومت ان کو تشدد کا نشانہ بنا کر کہتی ہے کہ نہیں تم ہندو ہی ہو۔
کانگریس آئی، بھارتیہ جنتا، لوک دل، آر ایس ایس غرض کہ ہر پارٹی نے یہ دھمکی دی ہے کہ اگر دفعہ ۲۵ ختم کیا گیا
(یعنی اگر سکھ یہ کہتے رہے کہ وہ ہندو نہیں ہیں) تو ایک زبردست ملک گیر تحریک چلائی جائے گی۔

اورنگ زیب نے کبھی تلوار ہاتھ میں لے کر کسی سے یہ کہنے کی کہ خود کو مسلمان کہو، مثال نہیں ملتی۔
البتہ بندوق ہاتھ میں لے کر ہمارا اکثریتی فرقہ سکھوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ "خود کو ہندو کہو"
لہٰذا کسی بھی سنجیدہ مورخ نے یہ ثابت نہیں کیا کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔
البتہ آنے والے کل میں یہ بات دلیل کے ساتھ لکھی جائے گی کہ ہندو ازم گن کے زور سے پھیلا ہے۔

مبارک کاپڑی

مئی ۱۹۸۳ء

راکیش شرما کی خلائی پرواز

ہندوستان نے اپنے کلاہِ افتخار میں اور ایک
کلغی کا اضافہ کرلیا ہے۔ یعنی ایشیا ڈرتا والبتہ ممالک
کانفرنس اور انٹارکٹیکا مہموں کے بعد اب خلاء میں
ایک ہندوستانی کو بھیج دیا۔

راکیش شرما پہلا ہندوستانی خلاباز ہے جس نے
سوویت یونین کے اشتراک سے خلا میں قدم رکھا۔
اور یہ پہلا موقع ہے کہ ویڈیو کیسیٹ کے ذریعہ ہندوستان
کے رہنے والوں نے فضا میں انسانوں کو چلتے پھرتے،
ورزشیں اور مختلف تجربات کرتے دیکھا۔ بے وزنی
کے عالم میں انسان کس طرح سوتا جاگتا ہے، کھاتا
پیتا ہے اور اپنے فاضل کھانوں کو کس طرح فضا میں پھینک
دیتا ہے۔ یہ سب مناظر ویڈیو کیسٹ کی مدد سے دیکھا۔
مسز اندرا گاندھی وزیر اعظم ہند نے ہندوستانی
خلا باز سے بات چیت کی۔ ہمیں یہ منظر بھی دکھایا گیا۔
یہ خلائی سائنس و ٹکنالوجی کا کمال تھا کہ زمین اور
آسمان کی دوری مٹ گئی۔ اور دونوں اس طرح باتیں
کر رہے تھے گویا دونوں اس طرح باتیں کر رہے تھے گویا
دونوں دو بدو اور آمنے سامنے بیٹھے ہوں اس خلائی
کامیابی پر ہم جتنا فخر کریں کم ہے۔

لیکن اس کے ساتھ تعجب ہم نے ... ...
اندرا گاندھی کو یہ اعلان کرتے ہوئے دیکھا کہ وہ سات
... ... اب ... دو ممالک کا
دورہ کروں گی۔ یعنی لیبیا اور ٹیونیشیا کا۔ اس کی وجہ یہ
بتلائی کہ ملک کے حالات ٹھیک نہیں۔ پنجاب میں
بدامنی اور دہشت گردی کا دور دورہ ہے۔ اس لئے میں نے
اپنا دورہ مختصر کردیا ہے۔ تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔
یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں نے ملک کے حالات قابو سے
باہر دیکھ کر راہِ فرار اختیار کرلی ہے۔

یہ اعلان نہایت افسوسناک تھا۔ یہ اعلان سن کر
ہمارا سر ندامت سے جھک گیا۔ ابھی تو ہم سربلند تھے۔ اور
ابھی سرنگوں ہوگئے۔ یہ موقع تو ایسا تھا کہ ہماری وزیر اعظم
فخر کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ممالک کا دورہ کرتیں۔ اور ہر جگہ
ہندوستان کی عظمت کا ڈنکا بجاتیں۔ مگر وہ ملک کے
حالات سے اس قدر وحشت زدہ تھیں کہ اپنا دورہ طویل
کرنے کے بجائے نہایت مختصر کردیا۔ حالانکہ فخر و عزت
کا یہ دن بار بار نہیں آئے گا

یوں ہمارے اور خلاباز بھی خلا میں جائیں گے اور
قرینہ یہ ہے کہ اب خلائی آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع
ہوجائے گا۔ لیکن فخر کا وہ دن جب ہندوستان کا
پہلا سپوت راکیش شرما خلا میں گیا پھر کبھی نہیں آئے گا۔
یہ فخر و سربلندی کا پہلا دن تھا ... ... اولیت بھی
ختم نہ ہوگی۔ یہی دن تھا ... ... تمام ممالک میں
گھوم گھوم کر اپنا ڈنکا بجانے کا۔ مگر ملک کے
دہشت زدہ حالات نے ہم سے یہ نادر موقع چھین لیا

بلکہ غضب تو یہ ہوا کہ جس دن اخبارات میں اس خلائی پرواز کی خبر تھی اسی دن انھیں اخبارات میں یہ خبر بھی تھی کہ آج ہریانہ اور دہلی بند ہے۔ اور سارے پنجاب کو بدترین قسم کا دہشت زدہ علاقہ قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس سے زیادہ دھماکہ خیز خبر یہ آئی کہ جینیوں اور بودھشٹوں کی کونسل نے مطالبہ کیا ہے کہ دستور ہند کی دفعہ ۲۵ میں ترمیم کرنے سے پہلے ہم سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ یہ مشورہ کیا ہوگا۔ ہم جانتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں کہیں گے کہ اگر سکھوں کو ہندو سماج سے الگ ایک قوم قرار دیا گیا تو پھر ہم دونوں کو بھی دو الگ قوم قرار دے دیجئے۔ اس لئے کہ ہندو تو ہم بھی نہیں۔ ہم نہ وید کو مانتے ہیں نہ اپنشد کو۔ صرف دستور میں لکھ دینے سے ہم ہندو نہیں ہو جاتے۔ اس کے بعد کون کون سے مطالبات سر اٹھائیں گے۔ اس کے تصور سے ہی بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

تقسیم ہند سے پہلے دو قومی نظریے کا فتنہ اٹھا۔ اسی فتنے نے پاکستان کو جنم دیا اب دو قومی نظریہ نہیں بلکہ چار قومی نظریہ سر اٹھائے گا۔ چاروں کے الگ الگ مطالبات ہوں گے۔ آخری مطالبہ یہ ہوگا کہ چاروں اپنے لئے الگ الگ ریاستیں مانگیں گی۔ اس طرح ملک کے مزید حصے بخرے ہو جائیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بڑا خطرہ ہے۔ جو اس وقت ملک کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ مبادا ملک کے اور تین ٹکڑے ہو جائیں۔ مسز اندرا گاندھی جو حالات سے پوری طرح باخبر اور ایک بیدار مغز خاتون ہیں ان حالات میں انھیں چلنے کیسے دے سکتا تھا۔ انھوں نے اپنی ذہنی بے چینی کا اس طرح اظہار کیا کہ اپنا مجوزہ دورہ نہایت "مختصر کر دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ملک کا ایک مدبر و ہوشیار سیاست داں ایسا فیصلہ اسی وقت کرتا ہے جب انھیں ملک کی کشتی منجدھار میں نظر آتی ہے۔

خلائی کامیابی نے ہمیں سربلند کیا ہے تو ملک کے حالات نے ہمیں سرنگوں بھی کر دیا ہے۔

مراسلہ نگاروں کو معلوم ہو کہ
وہ خطوط جو حد ادب سے گرے ہوئے ہوتے ہیں
یا جن کے پتے نامعلوم یا نامکمل ہوتے ہیں
ادارے کی طرف سے نہ وہ شائع کئے جاتے ہیں
نہ ان کا جواب دیا جاتا ہے
(ادارہ)

مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

کتاب الرقاق

وعن جبیر بن نفیر مرسلاً قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
ما أوحي علیّ أن أجمع المال وأکون من التاجرین۔ ولکن أوحي إليّ
أن سبّح بحمد ربك وکن من الساجدین واعبد ربك حتیٰ یأتیك
الیقین۔ رواہ فی شرح السنۃ وابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی مسلم۔

ترجمہ:۔ جبیر بن نفیر سے مرسلاً یہ روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری طرف یہ وحی نہیں بھیجی گئی کہ میں مال جمع کروں اور میں تاجروں میں سے ہو جاؤں لیکن میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ تسبیح کر اپنے پروردگار کی حمد کی۔ اور ہو جاؤ سجدہ کرنے والوں میں سے۔ اور اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کرو کہ موت آجائے۔ یہ حدیث روایت کی ہے شرح السنہ میں۔ اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابو مسلم سے۔

شرح:۔ یہ حدیث مرسل ہے یعنی سند میں اس راوی کا نام نہیں ہے۔ جس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی۔ حدیث مرسل قابلِ اعتبار اور صحیح سمجھی جاتی ہے۔ اس امید پر کہ راوی نے ضرور صحابی سے روایت سنی ہوگی۔

اس حدیث میں زہد، تعلق باللہ اور ترکِ دنیا کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کی اصل غرض بتائی ہے۔ مال جمع کرنے اور تجارت کرنے کے گر تو ماہرینِ اقتصادیات بتایا کرتے ہیں جس کے لئے ایمان اور اخلاق کی کوئی شرط نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم دے کر آئے اس کے لئے نیکی، تقویٰ اور طہارت نفس ضروری ہے۔ ایسا ہی آدمی ان تعلیمات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مومن ایمان لانے کے بعد آپ کی ذات ستودہ صفات سے فیض حاصل کرنے کا پابند ہے۔ رہ گیا مال اور تجارت تو یہ علم تو دنیاداروں سے بھی حاصل کر سکتا ہے۔

افتتاح
اتوار ۱۳ مئی ۱۹۸۴ء
بوقت ۲½ بجے دوپہر
شریوردھن
شریوردھن (ضلع رائے گڑھ) میں
کوکن مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ
نئی عمارت میں منتقل
موبائل ریکوری وین
و
سیف ڈپازٹ لاکرس
کی سہولت پیش کرتی ہے۔
آپ سے شرکت کی استدعا ہے۔
بمقام:۔ ساحل، مغل محلہ، شریوردھن، ضلع رائے گڑھ
افتتاح بدست: عالی جناب حسین دلوائی (ممبر آف پارلیمنٹ)
مہمانِ خصوصی:۔ جناب محمد صالح اسماعیل بروڈ (کویت کے مشہور تاجر)
اعزازی مہمان:۔ شری رویندر راؤت (ایم۔ ایل۔ سی)
شری اشوک گنپت صابلے (ایم۔ ایل۔ اے)
اے۔ ڈی ساونت
چیئرمن
اے۔ کے موڈلیکر
اعزازی سیکریٹری

شذرات

قرآن مجید کا ساڑھے تیرہ سو سالہ نسخہ

قاہرہ یونیورسٹی کی خبر ہے کہ اس کی لائبریری میں قرآن مجید کا ایک ساڑھے تیرہ سو سالہ پرانا نسخہ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نسخہ ہے۔ اس کے ایک ہزار سے زائد صفحات ہیں۔ یہ ہرن کی کھال پر لکھا ہوا ہے اس کا خط کوفی ہے۔ یہ نسخہ دھات کے ایک صندوق میں بند تھا۔

اس کی تاریخ یوں بیان کی گئی ہے کہ آج سے پانچ سو سال قبل ایک افریقی بزرگ یہ نسخہ مصر لائے تھے۔ اور ایک قیمتی خزانے کے طور پر بطور تحفہ قاہرہ یونیورسٹی کی لائبریری کو دیا تھا۔ یہ کتب خانہ جہاں کتابوں کا بڑا ذخیرہ ہے، یہ صندوق کتابوں کے انبار میں چھپ گیا۔ لیکن جب لائبریری کی نئی فہرست مرتب کی جانے لگی تو کتابوں کے انبار میں یہ نسخہ ملا۔ ظاہر ہے کہ یہ نسخہ مسلمانوں کے لئے ایک نایاب خزانہ، انمول گوہر اور بے بہا دولت ہے۔ اور آج کل تو آثار قدیمہ والے بھی ایسی قدیم کتابوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اس نسخے کی قدامت پر آج تک کسی نے کوئی شک نہیں کیا ہے۔ اور سچ پوچھئے تو شک کرنے کی گنجائش بھی نہیں۔ مسلمان عہد نبوی سے ہی قرآن کریم کی کتابت کرتے چلے آرہے ہیں۔ حتیٰ کہ صحابۂ کرام میں چند اصحاب "کاتبِ وحی" کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔ اس زمانے میں کتابت درخت کی چھالوں اور چمڑوں پر ہی ہوا کرتی تھی۔ پھر خلافتِ راشدہ کے عہد میں قرآن کریم کی کتابت عام ہو گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک لاکھ سے زیادہ نسخے لکھے جا چکے تھے۔ مسلمانوں میں یہ پیشہ بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بڑے مسلمان فرمانروا امورِ سلطنت سے وقت نکال کر قرآن مجید کی کتابت کیا کرتے تھے۔ اور وہ اس کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔

شہنشاہ اورنگ زیب کی قرآن نویسی تو مشہور ہے۔ پھر یہ کہ فرطِ عقیدت میں انھوں نے فن تحریر میں بڑا کمال حاصل کیا حتیٰ کہ حسن، نفاست اور صفائی میں آج بھی کوئی تحریر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آج بھی تاج محل آگرہ اور جامع مسجد کی تحریریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ بیعنہٖ (رحمہ اللہ) کتب خانہ خدا بخش لائبریری میں اورنگ زیب کا لکھی ہوئی معوذتین دیکھی ہے۔ کیسی حسین، صاف و شستہ تحریر ہے۔

کہتے ہیں جب پرتگالی پادریوں نے مغل اعظم شہنشاہ اکبر کے سامنے بائیبل کا مطبوعہ نسخہ پیش کیا تو انھوں نے نہایت نفرت و حقارت سے کہا کہ کیا تم لوگ اپنی مذہبی کتاب اتنے گندے اور بھدے حروف میں چھاپتے ہو۔ ان دنوں طباعت کی مشین نئی نئی ایجاد ہوئی تھی۔ طباعت گندی اور حروف بھدے ہوتے تھے۔ سلاطین آلِ عثمان نے بھی اسی لئے اپنے چھاپہ خانہ قائم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس دریافت کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ اس پر بھی

غور کر لینا چاہیے۔ اور وہ یہ قرآن کریم کے علاوہ اور جتنی مذہبی کتب ہیں ان میں تحریفات کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی پرانا نسخہ دریافت ہو جائے تو ان لوگوں میں گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے کہ معلوم نہیں کہ نئے اور پرانے نسخوں میں اختلاف تو نہیں۔ وید، گیتا، بائبل اور انجیل سبھوں کا یہی حال ہے۔ نئے اور پرانے نسخوں میں جا بجا اختلافات ہیں۔ مگر قرآن مجید کا نسخہ نیا ہو یا پرانا ان میں ذرا بھی اختلاف نہیں چنانچہ یہ ساڑھے تیرہ سو سالہ قدیم نسخہ بھی موجودہ نسخوں کے عین مطابق ہے۔

روس اور قرآن کریم

خبر ہے کہ تاشقند میں قرآن کریم کا ایک نہایت خوب صورت اور دیدہ زیب نسخہ شائع کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ ان مسلمان سیاحوں کو بطور تحفہ دیا جاتا ہے جو تاشقند آتے ہیں۔ خود مسلمانانِ تاشقند کو اس نسخے کا کوئی علم نہیں۔ اللہ اعلم بالصواب۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو یہ بھی اس دور کی سیاست کی ایک شعبدہ گری ہے۔

پہلوانوں کی خوراک

یہ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ یہ فری اسٹائل کشتیوں کا دور ہے۔ پہلے دو پہلوان "ڈوئل" لڑا کرتے تھے۔ اور جیتنے والا ہارنے والے کو جان سے مار دیتا تھا۔ باکسنگ کا مقابلہ تو ابھی تک ہوتا ہے، جو زمانۂ وحشت کی ایک یادگار ہے۔ ہم دیسی لوگ اس قسم کی کشتیوں کے قائل نہیں۔ ہم تو صرف چت پٹ کا مقابلہ جانتے ہیں۔ غلام محمد گاماں نے محض آدھے منٹ میں زبسکو کو چت کر کے رستم زماں کا خطاب حاصل کر لیا تھا

ایک مرتبہ ان پہلوانوں سے ان کی خوراک کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ کو تعجب ہوگا کہ یورپین پہلوانوں نے ایک لمبی چوڑی فہرست بتائی: آٹھ گیلن دودھ، چار درجن انڈے، چار مرغ روزانہ وغیرہ وغیرہ ... مگر جب پاکستانی پہلوان اسلم سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ "جو میسر آجاتا ہے وہ صبر و شکر کے ساتھ کھا لیتا ہوں۔" اور یہی جواب اسلامی ایشیائی مزاج کے مطابق ہے۔ خدا دے تو اچھی اچھی خوراک کھائے مگر طبیعت میں صبر و شکر و خاکساری کا مادہ ہونا چاہیے۔

اردو کی قبولیت

زبانِ اردو کی قبولیت کا ایک تازہ ثبوت یہ ہے کہ پچھلے ماہ کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ میں ایک طرحی بزمِ مشاعرہ منعقد ہوئی جس کی مہمان خصوصی محترمہ رقیہ صاحبہ نائک تھیں۔ یہ جنوبی افریقہ کا پہلا مشاعرہ تھا۔ اور بزمِ اردو کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں نٹال اور ٹرانسوال کے لوگوں نے بھی شرکت کی۔ مصرعہ طرح تھا:

"تا حشر اک یہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا"

اس بزم مشاعرہ کی ابتدا خدا کی حمد اور ایک استقبالیہ نظم سے ہوئی۔ اس کے بعد رقیہ نائک نے ڈاکٹر اقبال کے اس مصرعہ پر ایک پُر مغز مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ اپنی معنویت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے اس کا مستحق ہے کہ اسے علیحدہ نمایاں طور پر شائع کیا جائے۔

اس بزم مشاعرہ میں نٹال اور ٹرانسوال کے شعراء کے کلام پڑھے گئے۔ یوں تو ہر نظم اس قابل ہے کہ اس کی داد دی جائے۔ ہندوستان جو اردو زبان کا وطن ہے اس سے ہزاروں میل دور ایک غیر ملک میں جہاں کی

مئی ۶۳ء

زبان، تہذیب اور ثقافت ہندوستان سے بہت مختلف ہے۔ وہاں اردو زبان کی یہ مقبولیت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ پھر لطف یہ کہ وہ شعراء جنھوں نے اپنا اپنا کلام اس بزم میں پیش کیا وہ سب کو کنی ہیں۔ جن کی مادری زبان کوکنی یعنی بگڑی ہوئی مراٹھی ہے۔ ان لوگوں کے دلوں پر اردو زبان کی یہ گرفت اس بات کی دلیل ہے کہ اس زبان کی لطافت و حلاوت سبھوں کو اپنا گرویدہ بنالیتی ہے۔ اور اگر سرکاری طور پر اس زبان کی کوئی خاص حوصلہ افزائی نہ کی جاتی ہو تب بھی اس زبان میں خود زندہ رہنے کی صلاحیت موجود ہے۔

یوں تو اس مشاعرے کی سبھی نظمیں قابلِ ذکر ہیں لیکن جناب گل صاحب کا یہ شعر تو اردو زبان کی اعلیٰ روایات کے بالکل مطابق ہے۔

سیکھ گلشن میں رہ کے اے گل کہ رنگِ گل ہی نہیں ہے سب کچھ
وفا کی خوشبو نہیں ہو جس میں، وہ گل نہیں بلکہ خار ہوگا۔

دُور درشن کا ایک پروگرام :-

ہولی کے موقع پر ٹی وی نے اپنے دور درشن کے پروگرام میں ہندوستان ہمارا کا ایک پروگرام دکھایا۔ یہ دراصل قومی اتحاد و یک جہتی کا پروگرام تھا اس میں مختلف ریاستوں کے بچوں کا ایک کیمپ تھا کیمل کود اور کھانے پینے کے علاوہ ایک پروگرام تقاریر کا بھی تھا۔ اس میں تین بچوں نے مذہب کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور اس پر پابندی لگا دینے کی تجویز پیش کی۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ مذہب سے فرقہ وارانہ منافرت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا مذہب پر پابندی لگا دینی چاہئے۔ ایک لڑکے نے مذہب کی حمایت میں تقریر کی۔

اس کیمپ سے ظاہر ہے کہ یہاں بچوں کو مذہب کے خلاف بغاوت کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اور اس رازِ درونِ خانہ کا انکشاف ہوتا ہے کہ حکومت اور دور درشن والے بچوں کی اس نہج پہ تربیت کر رہے ہیں کہ یہ بڑے ہو کر مذہب کے خلاف علمِ بغاوت بلند کریں۔ اور یہ ملک بھی روس اور چین جیسا مذہب دشمن ملک بن جائے۔

اسی کے ساتھ یہ خبر بھی سُن لیجئے کہ ایشیائی اسپورٹس کے سلسلے میں تاشقند سے بھی کچھ کھلاڑی آئے تھے۔ یہ نسلاً مسلمان تھے مگر یہ تاشقند میں قرآن کے دیدار کو ترستے رہتے تھے۔ یہاں یہ لوگ ایک مذہبی انجمن میں آئے اور وہاں کے انچارج سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کو قرآن کریم اور خانہ کعبہ کی تصویر کی زیارت کرائی جائے۔ یہ اردو اور انگریزی بالکل نہیں جانتے تھے۔ صرف ایک شخص فارسی جانتا تھا۔ اس نے اپنے تمام ساتھیوں کی خواہشات کی ترجمانی کی۔ ان کو جب قرآن کریم کا نسخہ دکھایا گیا تو ان کی وارفتگی کا عجیب عالم تھا۔ کبھی چومتے، کبھی آنکھوں پر رکھتے اور کبھی سینے سے لگاتے۔ اسی وارفتگی کا نظارہ خانہ کعبہ کی تصویر کے ساتھ دکھائی دیا۔ وہ اشارے سے کہتے جا رہے تھے کہ اسلام اور ایمان ہمارا نسلی ورثہ ہے۔ لیکن ہماری حکومت نے ہم کو ان روحانی نعمتوں سے محروم کر رکھا ہے۔ اور ہم اپنی مذہبی کتابوں، مقاماتِ مقدسہ کے دیدار کو ترس گئے ہیں۔ ہر وقت دل میں ایک چنگاری سی سلگتی رہتی ہے۔

شاید ہندوستان کے اربابِ حکومت بھی روس اور چین کی تاریخ یہاں دہرانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے قومی اتحاد و یک جہتی کے نام پر بچوں کو مذہب کے خلاف بغاوت کی ٹریننگ دی جا رہی ہے — یہ بات ہر چند چھپائی جائے مگر ہم تو خط کا مضموں بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر۔

★

خوشی سے جاؤ تم

نوگل بھارتی

(بزم فروغِ ادب کوکن کے جوائنٹ سیکریٹری جناب شیخ تاج الدین تاج کی مسقط روانگی کے موقع پر الوداعی جلسے میں پڑھی گئی نظم)

یاد کرنے کو حاصل خوشی سے جاؤ تم
تمھیں بلاتی ہے منزل خوشی سے جاؤ تم

اے میرے تاج میں تم سے بچھڑ کے روؤں گا
یہ کہہ رہا ہے مگر دل خوشی سے جاؤ تم

دیارِ غیر میں جانے کی کیا ضرورت ہے
یہ کہنے والے ہیں کاہل خوشی سے جاؤ تم

وطن سے دور رہو گے تو جانے کیسا ہوگا
ہے سوچنا ہی یہ مہمل خوشی سے جاؤ تم

خزاں کے بعد ہی فصلِ بہار آتی ہے
ملیں گے پھر کبھی دو دل خوشی سے جاؤ تم

یقین ہے کہ تم آؤ گے کامراں ہو کر
یہ کہہ رہا ہے میرا دل خوشی سے جاؤ تم

امیدیں اردو زباں کی ہیں تم سے وابستہ
سدھار دو اب سوئے منزل خوشی سے جاؤ تم

ہم اہلِ بزمِ فروغِ ادب نہ بھولیں گے
رکھیں گے یاد تمھیں دل خوشی سے جاؤ تم

خدا نے چاہا تو تم کو زیادہ مسقط میں
ملے گا زیست کا حاصل خوشی سے جاؤ تم

خدارا تم بھی نہ نوگل کو بھولنا اے تاج
تمھیں نہ بھولے گا یہ دل خوشی سے جاؤ تم

●

غزل

ساحر شیوی
کینیا، مشرقی افریقہ

(نقشِ کوکن کے تازہ شمارہ (اپریل ۸۲) میں جناب کاڑی صاحب کا ٹوپی دھارا بہت پسند آیا۔ پڑھتے پڑھتے ایک شعر ٹوپی دھارے پر ہوگیا اسی شعر کے زور پہ ایک غزل ہوگئی۔ جو نقشِ کوکن کے لئے ارسال خدمت ہے۔ ساحر)

بلواؤں کو دیکھتے ٹوپی سر سے گراؤں نا نا نا
چھوڑ کے اپنے گاؤں کو تیرے شہر میں آؤں نا نا نا

میرے گھر کو آگ لگا کر پھر وہ مجھ سے کہتے ہیں
میں بھی ٹوپی دھارے میں شامل ہو جاؤں نا نا نا

خون پسینہ ایک کیا جب صحت اس کی دیکھی ہے
دیکھ کے اونچے محلوں کو گھر اپنا جلاؤں نا نا نا

کیا حاصل ہوگا میں اس کے سامنے فن کی بات کروں
جیسے کسی بھی بھینس کے آگے بین بجاؤں نا نا نا

میں آدم ہوں آدم کی معراج کو پا کر دم لوں گا
عرش سے اترا ہوں بندر کا ناچ دکھاؤں نا نا نا

بے شک میں مٹی کا دیا ہوں طوفانوں سے کھیلا ہوں
پاس سمندر کے موجوں سے کیا گھبراؤں نا نا نا

اک پردیسی گاؤں میں آ کر یاری کرنے کو جو کہے
انجانے میں اس کی جانب ہاتھ بڑھاؤں نا نا نا

ہاتھ بدی کے دستک دیں گر راتوں میں دروازوں پہ
اس کو میں آسیب سمجھ کر ڈرتا جاؤں نا نا نا

آئی تھی میرے آنگن میں ایک خوشی کی لہر کبھی
روک نہ پایا میں اس کو اب کیا پچھتاؤں نا نا نا

ذلت سے جینا جو پڑے تو موت بھلی اس سے ساحر
آگے آگے جا کر پیچھے پیچھے آؤں نا نا نا

"کہتا ہوں سچ......"

شرف کمالی

اصل تہذیب است دیں،
دین است عشق

دنیا کے کسی گوشے پر بھی نظر دوڑائیے، آپ جان جائیے گا کہ ہر طرف، ہر دھندے میں کچھ غلط قسم کے لوگ ہوا ہی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی موجودگی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صداقت مفقود ہو چکی ہے۔ جوہری بازار میں اصلی جوہری ہیں لیکن نقلی، جعل ساز جوہریوں کی کمی نہیں۔ وہ بھی اپنا کھوٹا سکّہ بہت مہارت سے چلاتے ہیں۔ پروفیسر، ٹیچر، وکیل، بیرسٹر، حکیم، وید، ڈاکٹر، مولوی، مُلّا، پانڈے، مجاور، پنڈت، افسر، ایکٹر ہر پیشے کے DUPLICATE جعلساز ہر جگہ موجود ہیں۔ فلموں میں خطرناک مناظر انھیں ڈپلی کیٹ ایکٹروں پہ فلمائے جاتے ہیں۔ ڈبل رول کرنے والوں نے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام تک کو نہیں چھوڑا۔ جھوٹا لبادہ اوڑھ کر اس مارکیٹ میں بھی ان کی چاندی ہے۔

جعلساز نقلی پیروں کی بات چھوڑئیے ہمارے ملک میں روحانیت کے کئی قابلِ صد تعظیم مراکز آج بھی یقیناً ہیں۔ پیروں کا سایہ صرف عروس البلاد بمبئی ہی تک محدود نہیں ہے۔ کشمیر تا کنیا کماری۔ ارضِ ہند کا ذرہ، ذرہ، گوشہ گوشہ فیضِ عرفان سے معمور ہے۔ بھارت کی سرزمین سنتوں، رشیوں، منیوں۔ فقیروں اور پیروں کی کھولی ہے۔ ہماری تہذیب پر اس روحانیت کا گہرا اثر ہے۔ خواجہ حضرت معین الدین چشتیؒ، عطائے رسولؐ بلاشبہ ہیں اور انھیں سلطان الہند (ہند الولی) کا خطاب یقیناً زیب دیتا ہے۔ ان کے دربار کی شان اور جاہ و جلال دیکھ کر ہر کوئی متاثر ہو جاتا ہے یہی حال محبوب الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدینؒ کا ہے۔ اور ہر آستانہ مرکزِ رشد و ہدایت ہے۔ خواجہ اجمیر کی شان سے متاثر ہو کر سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کہا تھا کہ اس سرزمین پر سینکڑوں حکمران آئے اور چلے گئے لیکن ہر دور میں فرمانروائی کا حقیقی مرکز خواجہ کا اجمیر رہا ہے اور سلطنتِ ہند کا مستقل تاج حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سر پر سجا ہے۔

حضرت عمران انصاری نے کیا خوب کہا ہے ؎

به اندازِ نبوّت دین کی تبلیغ فرمائی
به الفاظ دگر پیغمبرِ ہندوستاں خواجہؒ

تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ مغل حکمران روحانیت کے ان مراکز پر پاپیادہ حاضری دیا کرتے تھے۔ حضرت شاہ سلیم چشتیؒ سے شہنشاہِ اکبر کی عقیدت۔ علاوہ ازیں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے والہانہ عقیدت کی یادگاریں آج بھی موجود ہیں۔ بزرگانِ دین کی عظمتوں سے انکار کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے۔ ان جیتے جاگتے درباروں کے مقابل کچھ جنوں پیشہ وروں نے نقلی آستانے اور دربار بھی بت کدوں کی طرح گھڑے اور سجائے ہیں۔ یہ سارے چلّے اس لئے ہیں کہ پیٹ بھرنے کا آسان طریقہ ان دین فروشوں کو یہاں نظر آیا۔ اور علامہ اقبالؒ نے ان کے لئے

کیا خوب کہا ہے ؎

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

نقلی قبروں کی مخالفت ضروری ہے۔ لیکن ان کی زد میں صحیح معنوں میں جو خدارسیدہ بزرگ ہو گذرے ہیں، ان کے خلاف ہذیان سرائی دلیلِ نامعقولیت ہے۔ بزرگانِ عظام کے نام پر فاتحہ پڑھ بخشنا جائز ہے یا ناجائز ہے اس پر جھگڑا اور نااتفاقی پیدا کرنا نامعقول فعل ہے۔ ایک صاحب جنھیں فاتحہ سے خدا واسطے کا بیر تھا فرمانے لگے کہ آپ کا یہ فاتحہ بغداد شریف تک کس طرح پہونچتا ہے؟ یہ سنتے ہی ایک سامنے کھڑے جاہل نے انھیں ماں کی گالی دی۔ ماں کی گالی سن کر وہ خفا ہوئے۔ جاہل نے سمجھایا حضور دیکھئے میں نے گالی یہاں دی وہ آپ کی ابھی حضور تک پہونچ کر اس کا اثر آپ کے دل تک پہونچا۔ بالکل اسی طریقے سے عقیدت مندانِ پیرانِ پیر کا فاتحہ بغداد تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ جواب ایک دیہاتی ان پڑھ کا ہے۔ لیکن ماننا پڑے گا کہ ہے لاجیکل!!

آج کل ہمارے اپنے ماحول میں تبلیغی جماعت دعوت کا کام یقیناً بہت اہم کر رہی ہے۔ خود ہم بھی اس کی افادیت کے معترف ہیں۔ اور تبلیغی اجتماعات سے استفادہ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اس تحریک کے اکابرین عقائد کے جھگڑوں میں نہ کبھی الجھتے ہیں نہ کسی کو الجھاتے ہیں۔ ان کا مشن صرف دعوت و تبلیغ ہے۔ لوگ اس تحریک سے متاثر ہیں۔ وہ مذہبی بحث و مباحثہ سے دور رہنے کی تبلیغ فرماتے ہیں۔ کیونکہ دینی و مذہبی بحث کے لئے انسان کا سلجھا ہوا ہونا ضروری ہے۔ اس کے اپنے مطالعہ سے معلومات کی گہرائی ضروری ہے۔ لیکن اس اچھی تحریک سے متاثر شدہ ہر شخص کچھ عالم و فاضل نہیں ہوتا ہمارا مشاہدہ ہے کہ دیہاتوں کی سطح تک تبلیغی تحریک کچھ غلط لوگوں کی وجہ خواہ مخواہ بدنام ہے۔ جمعہ جمعہ نماز کی ابتدا ہوئے آٹھ ہی روز ہوئے ہیں لیکن دماغ خواہ مخواہ چڑھا ہوا ہے۔ بے علم تو ہیں لیکن اپنے آپ کو امام غزالیؒ سے بھی دو چار قدم آگے سمجھتے ہیں۔ نہ پڑھا ہے نہ لکھا ہے نام محمد فاضل رکھا۔ اور لگے مفتیِ دین بن کر فتویٰ صادر فرمانے۔ مرغی حلال۔ انڈا حرام۔ بکری کے پائے جائز، مغز (بھیجا) حرام۔ پھر بزرگانِ دین کی شان میں گستاخانہ انداز میں باتیں کر کے یہ شٹ پونجیو نمازیے ماحول میں انتشار پھیلانے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔ ان کی وجہ فرقہ بندی کو ہوا ملتی ہے۔ بعض جگہ یہ زہر آلود فضا انتہا کو پہونچی ہوئی ہے۔ میرے اپنے آبائی وطن میں نئی تعمیر شدہ مسجد میں دو جماعتوں میں لوگ نماز ادا کرتے ہیں۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے؟ ہم تو ادبی جواب "اقبال" کی زبان میں دیں گے کہ ؎

تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

جہاں تک اولیاء کا تعلق ہے مولانا روم فرماتے ہیں کہ "اولیاء را ہست قدرت از الٰہ"۔ اور یہ ہیں کہ مخالفت برائے مخالفت پر آمادہ ہیں اور ایک جنون سر پر سوار ہے جس کی وجہ بے سر و پا باتیں کرنے میں اپنی شان سمجھتے ہیں۔ دین کو سمجھنا بہت محنت کا کام ہے۔ مسلمان کو صبر و رضا کی منزل سے گزر کر اپنا مشن علم و دانش اور فیضانِ عشق سے پورا کرنا ہے۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہے اور اسلامی تعلیم کہیں خلفشار اور انتشار پھیلانا نہیں سکھاتی۔ ایک نو دولتیا ایک ماروتی کار خریدتا ہے۔ اور اس میں دو چار میل گھومنے

کے بعد اگر سوچلے ہے کہ بارونق کار ہی ٹرانسپورٹیشن کا واحد
ذریعہ دنیا میں ہے۔ باقی سارے بری، بحری، ہوائی ذرائع
آمد و رفت بے کار ہیں (بدعت ہیں)۔ اب یہ فیصلہ سننے کے
بعد آپ اس نوجوان لیتے کے بارے میں کیا فیصلہ صادر فرمائیں
گے؟ آپ یقیناً کہیں گے کہ پہلے اسے رتنا گری بھیج دو۔
وہاں علاج ممکن نہ ہو تو کھانے لے آؤ۔ اور یہاں پر اگر بھی وہ
اپنا جنون نہ چھوڑے تو اسے بریلی روانہ کردو۔ بالکل یہی
حال ان سادہ لوحوں کا ہے۔ جس لائن پر ان کی ریل دوڑ
رہی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں یہی ایک لائن ہے۔
نماز پڑھنے والا اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ
پر احسان کرتا ہے اور نہ ہی دنیا کے کسی انسان پر۔ یقیناً
نماز مقدم ہے۔ اس کی ادائیگی فرض ہے۔ لیکن اس پر
زور کرنے کا نتیجہ بہت خراب ہے۔ نماز ہے مگر عشق کا
پتہ نہیں۔ سینہ سوزِ عشق سے خالی ہے تو کوئی فائدہ نہیں۔
ع اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا؟
نماز کے متعلق اقبال کے چند اشعار نذرِ قارئین کرتے چلیں۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رُو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

جماعتوں میں آپس میں پھوٹ کا بھدا مظاہرہ کرنے والوں
پر علامہ اقبال کا یہ قول صادق آتا ہے کہ
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں
جب ان کو جھگڑوں سے فرصت ملے تو [illegible] سوچئے کہ یہ
[illegible]

اسوۂ حسنہ سے میل کھاتے ہیں؟ پھر ذرا ٹھنڈے دل سے
سوچئے کہ وہ صنم جو ہماری راہوں میں حائل ہیں وہ کون سے
ہیں؟ پتہ چلے گا کہ ہم بے معرفت فسادات میں بلا وجہ
الجھے ہوئے ہیں۔ یہ اصنام متولیت کے ہیں۔ گرام پنچایت کی
رکنیت اور سرپنچی کے ہیں۔ یعنی مقامی سیاست دبے پاؤں
ہماری مسجدوں میں در آئی ہے۔ اب ذرا ہمت کیجئے اور
ان اصنام کو جنھوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا توڑ پھوڑ ڈالیے۔ نیز
ایک دوسرے سے باہم مل کر اسلامی اخوت کی شان بڑھایئے
جب ایسی فضا آپ استوار کرسکیں تب آپ ہمارے متولی
اور سب کچھ۔ اور پھر نماز میں بھی انشاء اللہ وہ مزہ آ جائے
کہ آپ کا دل ہی گواہی دے گا کہ ایک سجدے میں پوری
نماز ہو جائے۔

ہاں، تو بزرگانِ دین کی عظمتوں کے ہم تو صدقِ دل سے
قائل ہیں۔ اس عقیدے سے بحمداللہ ہماری خدا ترسی میں کوئی
فرق نہیں پڑتا۔ اپنا تو بقول شخصے عقیدہ ہے کہ

دست بر دامنِ مرداں زن و اندیشہ مکن
آنکہ با نوح نشیند چہ غم از طوفانش

سجادہ نشینوں کا بھی کسی وقت جائزہ لیجئے۔ وہ اپنے
روحانی مشن کے سلسلے کو اپنی دھن میں جاری رکھے ہوئے
ہیں۔ حلقہ ارادت میں لیتے وقت نیکی اختیار کرنے کی
تلقین فرماتے ہیں۔ نماز کو قائم کرنے کی تاکید بھی کرتے ہیں۔
اب اس کا کیا علاج کہ اندھا دھند مخالفت پر اتر آئے
ہوئے لوگ یہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ان کے گرد
مریدوں کا سواد دیکھ کر طنز کرتے ہیں کہہ دیتے ہیں پیراں نمی پرند
مریداں می پرانند۔ لیکن وہ ان سادی مخالفتوں کو
صبر و استقلال سے سہہ لیتے ہیں۔ وہ عرفی کے شعر کو
کبھی کبھی دہرا لیتے ہیں کہ

عرفی تو میندیش ز غوغائے رقیباں
کاوازِ سگاں کم نکند رزقِ گدا را

ہم بفضل اللہ بزرگوں کی مجلسوں میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل کرکے دل میں تازگی پیدا ہوئی ہے۔ یہاں بھی بات تبلیغ و اشاعتِ دین کی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ان کا اپنا انداز جداگانہ ہے یہی وہ ہیں جن کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اب کوئی ابتدائی تعلیم ختم کرکے انتہا سمجھ لے تو گھاٹے میں رہے گا۔ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ مردِ مومن کے زمان و مکان اس عالم کے سوا اور بھی ہیں۔ یہاں نگاہ سے نگاہ ملتے ہی تقدیریں واقعی بدل جاتی ہیں۔ ؎

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ کیوں نہ خوبیٔ قسمت پہ اپنی ناز کرے

اتنا ضرور ہے کہ یہاں بھی منزلیں تلاشِ بسیار کے بعد ملتی ہیں۔ یہاں کا اصول ہے جس نے پایا اس نے چھپایا۔ ہم نے محنت کے بعد کچھ بزرگوں کا پتہ لگایا ہے۔ ان سے روحانی فیوض سمیٹے ہیں۔ آپ بھی ڈھونڈیئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ڈھونڈنے شہر سے نکلا اُسے ویرانے کو
نظر آیا نہیں پردہ نشیں دیوانے کو
شیخ سے پوچھا تو کعبے کا پتہ بتلایا
میں جو پنڈت سے ملا، لے گیا بت خانے کو
میری حالت پہ نظر کرکے یہ مرشد نے کہا
تو ان کا جلوہ دیکھنے والے کو دیکھ لے
وہ جلوہ دکھائیں گے تو دیکھا نہ جائے گا

ایک بات اپنے بیان کردہ فارمولے کے مطابق یہاں بھی ہے کہ اصلی سجادہ نشینوں سے بھی بڑھ کر یہاں نقلی پیر گھومتے ہیں۔ خاندان ہوگا ایرا غیرا، نتھو خیرا لیکن کہلوائیں گے قادری، چشتی، نظامی، نقشبندی اور کیا کیا۔۔۔ ؟ یہ کبھی زمیندار ہوں گے، کھوت پاٹل ہوں گے، شنکار کا شوق بھی ہوگا۔ لیکن سجادہ نشین بن کر تو دنیا کو بہر طور کب کھائے مچھندر کے مصداق خوب گلچھرے اڑاتے ہیں۔ یہ نقلی پیر اصلی سے بھی زیادہ اصلی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی ہر ادا حشر سامان۔ زلفیں، سیاہ گھٹائیں۔ چہرے یک ایک سے رشکِ قمر۔ اس پر زرکی سی چمک، فقیرانہ پیوند جڑا جُبّہ۔ آنکھیں خمار آلود ان میں سُرمے کی ہلکی سی لکیر، طبیعت میں ایک مستانہ پن۔ بہت ممکن ہے شراب بھی پیتے ہوں۔ اور ان کا دعویٰ بھی ہوتا ہے کہ ہم جسے منہ لگائیں وہ جنتی ہو جائے۔ ان کی خواتین بھی مُرید ہوا کرتی ہیں۔ مُرشد جنت کے پرمٹ دینے میں ماہر جو ہیں۔ یہ نقلی پیر اپنے عقیدت مندوں کو اپنی کرامات سے مسحور کرتے رہتے ہیں۔ ڈیلی محیر العقول کارنامے تو جادوگر بھی بتاتے ہی رہتے ہیں۔ پیر صاحبان کے مریدین انھیں ہر چیز عطا اور انعام کے طور پر دے کر جنت کی سیٹ بک کروا لیتے ہیں۔ اتنا سب ہونے پر بھی یہ سلسلہ پشت در پشت چلتا ہے۔ اور کھوٹے سید بھی مستند بن ہی جاتے ہیں۔ ڈیلی کیٹوں کی بات چلی اس لئے ہم نے ان کا نمونہ بتایا ہم تو ان سے بھی نہیں ٹکراتے۔ کیونکہ جھوٹا ہی سہی یہ اپنا سلسلہ خاندانِ نبوت تک پہونچا ہی دیتے ہیں۔ اور جہاں بات اس دربارِ عالی تک پہونچی اپنی تو زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ ہم نے کبھی عقیدتاً کہا ہے ؎

وہ جہاں جُنیدؒ کے ہوش و حواس گم
سا کت جہاں پہنچ کے دمِ بایزیدؒ ہے

मे १९६०. महाराष्ट्र राज्याच्या निर्मितीचा सोनियाचा दिवस. त्या दिवशी कोटी कोटी मराठी बांधवांच्या म
उमटला–

> “आजपासून पुढे अनंत काळपर्यंत महाराष्ट्र भारताशी समरस होऊन सांगणार आहे की, आमच्या मराठी जीवनात जे जे काही चांगले आहे, मंगल आहे ते ते भारताच्या सुखसमृद्धीसाठी, संरक्षणासाठी आणि सेवेसाठी आम्ही देणार आहोत. जी अपूर्णता, जे दोष असतील ते आम्ही आमच्यापाशी ठेवणार आहोत. आम्ही प्रथम भारतीय आणि नंतर महाराष्ट्रीय आहोत”

हा निर्धार मनाशी बाळगून महाराष्ट्राने गेली चोवीस वर्षे राष्ट्रीय व भावनात्मक ऐक्य जाणीवपूर्वक जोपा
आणि महाराष्ट्रनिष्ठा हातात हात घालून जातील अशी दक्षता घेतली. त्यामुळेच आज हे राज्य शान आहे
पायावर उभे आहे.

राज्य म्हणजे जनतेचा कार्यक्रम अमलात आणण्याचे प्रभावी साधन. महाराष्ट्राने गेल्या चोवीस वर्षांत शेती, उ
सहकार, लोकशाही विकेंद्रीकरण, सार्वजनिक आरोग्य ह्या व अशाच जनजीवनाशी निगडित विविध कार्यक्रम
मूलगामी उपाय योजून भरीव प्रगती साधली, दुष्काळाशी यशस्वी मुकाबला केला, ग्रामीण जनतेला रोजगा
, सामाजिक न्याय प्रस्थापित करण्याचा प्रामाणिक प्रयत्न केला, दुर्बलांसाठी शक्तीचा स्रोत असलेल्या नव्या
कार्यक्रमाच्या अंमलबजावणीत देशभर आघाडी मिळविली. ह्या सर्व बाबतीत जनतेचे सक्रिय सहकार्य
जनतेच्या संघटित शक्तीवरच महाराष्ट्र राज्याचा जगन्नाथाचा रथ साऱ्यांच्या शुभेच्छांची शिदोरी
मार्गावर प्रगतीच्या दिशेने वेगात पुढे दौडत आहे, सतत दौडत राहणार आहे. आजच्या पंचविसाव्या महारा
कामना.

कृतिशील शासन महाराष्ट्र

ایک شعبدہ کبھی نظر سے گزرا تھا۔ وہ مرشدانِ عظام کی نذر کرنے چلیں۔ ان کے لئے کام کی چیز ہے:

شہنشاہ جلال الدین اکبر فرمانروائے ہند کے سامنے ایک بہروپیا پہلے روز ایک گھوڑے کے تاجر کا سوانگ بھر کر آیا۔ اکبر نے کہا: "ہم نے پہچان لیا تم بہروپیے ہو"! وہ معاوضہ طلب کر کے چلا گیا۔ دوسرے روز وہ کسی روپ میں آیا۔ اور ہر روز نیا روپ بدل کر آتا رہا۔ لیکن ہر بار شہنشاہ فرما دیتے ہیں کہ تم بہروپیے ہو۔

اگر وہ شہنشاہ کو اپنے روپ کا یقین دلا سکتا۔ یعنی اگر شہنشاہ دھوکا کھا جاتے تو پھر اپنا انعام طلب کرتا۔ آخرکار اسے ایک ترکیب سوجھی۔ وہ پیر صاحب بن کے دہلی شہر کے قریب سرِ راہ خانقاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ حاجت مند آتے، دُعا، تعویذ دیئے جاتے۔ لوگ معتقد بن گئے۔ اور ہوتے ہوتے بات نورتنوں تک پہونچی۔ ابو الفضل بھی آئے، مُلّا دوپیازہ بھی حاضر ہوئے۔ اور وہ بھی معتقدین کی صف میں شامل ہو گئے۔ آخر ایک روز شہنشاہ اکبر بھی شاہ صاحب کی خانقاہ میں تشریف لے آئے۔ مرعوب ہوئے۔ عقیدت مند بن گئے۔ فرمایا انھیں پانچ ہزار اشرفیوں کا نقد کیسہ زر عطا کیا جائے۔

شاہ صاحب مسکرائے۔ فرمایا بادشاہ سلامت آپ کی دولت آپ کو مبارک۔ فقیر کو اس کی ضرورت نہیں ہم ایسا تحفہ ہرگز قبول نہیں کر سکتے"! بادشاہ سلامت خاموش ہو گئے۔ اور واپس چلے گئے۔ دوسرے روز شاہ صاحب، یعنی بہروپیا شہنشاہ اکبر کے دربار میں حاضر ہوا! اور یہ کہہ کر انعام کا طالب ہوا کہ ہم پیر صاحب نہیں تھے۔ آپ دھوکا کھا گئے۔ لہٰذا اب انعام سے نوازا جائے۔ شہنشاہ اکبر کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اُسے اس کے فن کی کامیابی پر مبارک باد دی۔ اور پوچھا، مگر یہ بتاؤ کہ تم نے وہ پانچ ہزار اشرفیوں کا کیسہ کیوں نہیں قبول کیا؟ اس بہروپیے نے کہا، "سرکار آپ کیسی بات کرتے ہیں۔ میں اس وقت مسندِ رسالت کے جانشین کے روپ میں تھا۔ وہاں یہ بے ادبی گوارا نہ کر سکا۔"!

اب ہم کچھ فیصلہ نہیں دیتے! لیکن پیر کے بارے میں اقبال فرما گئے ہیں ؂

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

دین کو موضوعِ بحث کر کے فتنے پیدا کرنا غیر اسلامی شعار ہے۔ یہ دین خود تعلیم دیتا ہے لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْن تمہارا دین تمہارے لئے ہمارا دین ہمارے لئے۔ لہٰذا ہم تو یہ کہیں گے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر اختلافات بڑھانا اچھی بات نہیں ہے۔ ہمیں عشق ہے اللہ سے اور عشق ہے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اسوۂ حسنہ سے۔ اسلام دلوں کو جوڑنے والا دین ہے دلوں کو توڑنا اسلامی اصول میں کہیں نہیں ہے۔ پرانے زمانے میں کسی غیر ملکی بادشاہ نے ہندوستان کے ایک عادل بادشاہ کے دربار میں ایک وفد بھیجا تھا کہ وہ بادشاہ سے وہ بوٹی دریافت کریں جس سے ملک میں خوشحالی آتی ہے۔ بادشاہ کی خدمت میں جب وفد کے اراکین حاضر ہوئے اور مدعا بیان کیا تو بادشاہ نے ان سب کو جیل میں بند کر دینے کا حکم دیا۔ پھر جیل میں حاضر ہو کر کہا وہ سامنے جو پہاڑی نظر آ رہی ہے وہ جب گر جائے گی اسی روز تم سب کو رہا کر دیا جائے گا۔ اب یہ سارے قیدی پہاڑ ٹوٹ کر گر جانے کے لئے سچے دل سے دعائیں کرنے لگے۔ چوتھے روز پہاڑی واقعی لڑکھڑا کر دھم سے آ گری اور ان سب کو سامنے بلا کر بادشاہ نے کہا تم نے دل جوڑ کر جو اللہ سے مانگا اللہ نے تم کو دے دیا۔ اس نے اپنے بادشاہ سے جا کر کہو وہ دل شکستہ بدترین جماعت

ہندوستان کی کسی بھی زبان میں
اوکیشنل گائڈنس کے تعلق سے
پہلی مکمّل کتاب

نیشنل اوکیشنل گائیڈنس بیورو
نقشِ کوکن کے خصوصی شمارے کی صورت میں
آئندہ ماہ پیش کرے گا:-

اوکیشنل گائڈنس نمبر

اور
اُس شمارے کے مہمان مُدیر ہوں گے
مُبارک کاپڑی
(چیرمن: نیشنل اوکیشنل گائڈنس بیورو، ممبئی)

اس شمارے میں ایس ایس سی کے بعد کے تمام کورسیس کی مکمل معلومات ہم نے جمع کی ہے۔
یونیورسٹی و غیر یونیورسٹی تعلیم، آرٹس، سائنس و کامرس، لا، میڈیسن، انجینئرنگ۔ غرض کہ ہر کورس کی مکمل معلومات درج ہوگی۔ کیریئر کے تعلق سے اس درجہ مکمل کتاب ہندوستان کی کسی بھی زبان یا انگریزی زبان میں بھی شائع نہیں ہوئی۔
آپ سے صرف اتنی التماس ہے کہ آپ یہ کتاب ہر طالب علم تک پہنچایئے تاکہ آج کے بعد کوئی بھی طالب علم مناسب رہنمائی نہ ملنے کے باعث اپنا مستقبل تباہ نہ کر بیٹھے۔
انتظار کیجئے اس کتاب کا جو تالیف نہیں بلکہ تحقیقی کارنامہ ہے۔
اور جو آپ کے اسکول اور کالج کھلنے سے قبل آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔

(ادارہ)

باغی بانکوٹی

جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

خطۂ کوکن کے ہر دلعزیز ماہنامہ "نقشِ کوکن" کے مدیر، میرے محترم عزیز جناب شرف کمالی اپنے ایک مستقل عنوان "کہتا ہوں سچ..." کے تحت رنگارنگ اور بوقلمونی موضوعات لے کر اپنی نوکِ قلم کے نقش و نگار سے نقشِ کوکن کے چند صفحات آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں۔ جو ایک خاصے کی چیز ہوتی ہے۔

چنانچہ ماہ جولائی ۸۳ء کے شمارہ میں اسی عنوان کے تحت مخصوص پروفیسران صاحبان کی علم دانی، زباں دانی اور ہر دانی پر ایک طنزیہ شائع ہوا تھا جو خاکسار کو بے حد پسند آیا تھا۔ اس کے مطالعہ کے فوراً بعد مجھے خیال آیا کہ شرف صاحب کے اس طنزیہ کی تعریف و توصیف میں "جھوٹ کی عادت نہیں مجھے" کے زیرِ عنوان ایک مضمون سپردِ قلم کر کے ان کی حقیقت بیانی کی خوب داد دوں۔

یہ عنوان میرے ذہن میں اس لئے ابھرا کہ شرف صاحب کا مستقل عنوان غالب کے ایک مشہور مصرعہ "کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے" کا ایک ٹکڑا ہے۔

چونکہ شرف صاحب کی تعریف میں میرا بیان حقیقت پر مبنی ہوگا جس کے لئے یہ عنوان مناسب و موزوں بھی ہوگا۔ اور غالب کے اس ادھورے مصرعہ کی تکمیل بھی۔ لیکن اپنی مصروفیات کی بنا پر اسے صفحۂ قرطاس پر لا نہ سکا۔ البتہ ان سے ملاقات ہونے پر بھرپور زبانی تعریف کی تھی۔ خیر بات آئی گئی ہوگئی۔ اور میرے ذہن کی سطح پر یہ عنوان جس جوش و خروش کے ساتھ مٹ بھی گیا۔

اسی دوران جنوبی افریقہ کے ایک کوکنی صحافی اور میرے دیرینہ دوست محترم نفیس صاحب بمبئی تشریف لائے۔ ان سے گاہے گاہے ملاقاتیں ہوتی رہتیں لیکن ہر ملاقات پر میرے مرحوم ہفت روزہ "خبردار" کے شماروں اور اس میں شائع شدہ میرے مضامین کی تعریف کر کے مجھے شرمندہ کیا کرتے۔ اور اس پر آپ کا اصرار یہ کہ ایک پرانے صحافی کے ناطے میں نقشِ کوکن میں کسی مستقل عنوان کے تحت لکھا کروں۔ لیکن میں انھیں وعدوں پر ٹالتا رہا۔ جب وہ افریقہ واپس تشریف لے گئے تو وہاں سے بھی اپنے خطوط میں میرے وعدوں کی یاددہانی کرتے رہے اور میں انھیں بمبئی کی زبان میں ٹرخاتا رہا۔ لیکن اب چونکہ نقشِ کوکن کے تازہ شمارہ میں میرے نام اور میرے مستقل عنوان کا ادارہ نقشِ کوکن نے اعلان کر کے مجھے ایک قسم کا چالان کیا ہے کہ اب کدھر جاؤ گے میاں؟ "جان ہے تو جہان ہے پیارے" کے مصداق چاروناچار مجھے ایک بار نامہ نگاری یا مضمون نگاری کے کاروبار اپنے ضعیف و کمزور کاندھوں پر لدوانے کا اقرار کرتے ہیں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

شرف صاحب نہ وہ مضمون لکھتے نفیس صاحب اپنے صحافتی جنون کو نہ ابھارتے اور نہ ہی ادارہ نقشِ کوکن اس اعلان کو شائع کر کے مجھے مطعون کرتے تو میرا زنگ آلود قلم جنبش میں نہ آتا۔ متحرک نہ ہوتا۔ یہ ہیں وہ محرکات جن کی بنا پر نقشِ کوکن کی قید و بند میں رہ کر اپنے تاثرات قلم بند کرنے پر مجبور ہوگئے

بہر حال عمر کے تقاضے کے تحت اپنے فرسودہ خیالات، گرد آلودہ تجربات اور ناگفتہ بہ مشاہدات اس رنگ آلودہ قلم سے آشکار ہوں گے۔ ایک سیاسی کارکن ہونے کے باوجود اس میں سیاست کا کوئی دخل نہ ہوگا۔ کیونکہ ایسے علاقائی، قومی اور فتنہ ادا ہوں کو سیاسی ہتھکنڈوں سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ یہ اپنا خیال ہی نہیں ایمان ہے۔ البتہ دینی، علمی، ادبی اور سماجی مسائل پر خامہ فرسائی ضرور کی جائے گی۔ اس تحریر میں کسی کی دل آزاری، کسی کی پگڑی اچھالنی، کسی کی تذلیل اور کسی کی تنقیص کا شائبہ تک نہ ہوگا۔ البتہ برسبیل تذکرہ سماج کی دکھتی رگیں پکڑی جا سکتی ہیں۔ ناہموار و ناگوار نبضیں ٹٹولی جا سکتی ہیں۔ اس کے تن لاغر پر جو ناسور نما پھنسیاں ہیں انھیں نشتر لگائے جا سکتے ہیں۔ اور جو پھوڑے پھوٹنے کے درپے ہیں وہ پھوڑے جا سکتے ہیں۔ تاکہ دین کی تنومند فضا اور سماج میں صحت مندانہ ماحول پیدا ہو سکے۔

یہ تمہید اس قدر طویل ہوتی جا رہی ہے جس کا ہمیں شدت سے احساس ہے۔ اس لئے دوران تحریر نقش کوکن کی تنگ دامانی اور اس کے مستقل عنوانات کا بار بار خیال آتا ہے کہ کہیں یہ طوالت ناگوار خاطر نہ ہو۔ اس لئے اختصار سے کام لے کر اصل موضوع کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اب آپ کہیں گے۔۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

بات آپ کی بجا اور درست ہے۔ لیکن اس تنگ دامانی کا علاج آپ کے اور ہم سب کے پاس ہے۔ اگر خطہ کوکن کا اردو داں طبقہ دل و جان سے اسے اپنا لے، اسے نوازے تو یہ تنگ دامانی دور ہو سکتی ہے۔ اس کی تابانی نور علی نور ہو سکتی ہے۔ اس کی سائز جائز حد تک بڑھ سکتی ہے۔

پھر کسی شکوہ شکایت کی حکایت بیان کرنے کی نوبت ہی نہیں آ سکے گی۔ ان الفاظ کے ساتھ اصل موضوع کی طرف رجوع ہو رہے ہیں۔

ہمارا ملک ہندوستان متعدد ادیان کا مرکز ہے۔ رسم و روایات، روایات و حکایات کی آماجگاہ ہے۔ انھیں کے بل بوتے پر مختلف تہذیبیں یہاں پروان چڑھیں۔ متعدد ثقافتیں ظہور میں آئیں۔ گو کہ یہاں کے مذاہب کی بنیادیں وحدانیت، خدا پرستی، انسان دوستی اور اخلاقی قدروں پر قائم تھیں۔ ہندو دھرم کے ویدانت اور اپنشدوں میں وحدانیت پر زور دیا گیا تھا۔ پھر بھی اس دھرم کے ٹھیکیداروں نے اس میں تبدیلیاں کیں۔ انھوں نے ہزاروں دیوی دیوتاؤں کو جنم دیا۔ اور ان کی پوجا شروع کی گئی۔ نت نئے رسم و رواج رائج ہونے لگے۔ اس کے پس پردہ ان کے ذاتی مفادات اور مقاصد تھے۔ جس سے اصل دھرم کی روح فنا ہو گئی۔ اور ان کی جگہ من مانی شردھاؤں اور عقیدتوں نے لے لی اور پجاریوں کی بن آئی۔ جنھوں نے ضعیف العقیدہ اپنے پرستاروں کو اپنے مفادات کے پیش نظر ان کے ذہنوں کو موڑنا شروع کیا۔

گوتم بدھ نے ان مہنتوں اور پجاریوں کے خود ساختہ دھرم کی شدت کے ساتھ اصلاح کرنی چاہی اور ایک مذہب کی بنیاد ڈالی جس میں خیالی دیوتاؤں کی پرستش، مورتی اور بت پرستی کے بجائے خود پرستی کی تعلیم عام کر دی۔ لیکن ان کے بعد ان کے ماننے والے بھکشوؤں اور پجاریوں نے ان کی مورت اور پیکر بنائے اور پرستش صنم کو رواج دے کر گوتم بدھ کی آتما کو دوسری دنیا میں تڑپانے کا عمل دھرم ست کا نام لے کر شروع کیا اور بت تراشی یعنی پیکر تراشی کا عمل اتنا کمال دیا گیا چنانچہ آج دنیا دیکھ رہی ہے نہ صرف ہندوستان بلکہ چین و جاپان، جاوا سماٹرا تک

پورے مشرقِ بعید میں گوتم بدھ کے بتوں کا جال بچھا ہوا ہے اوران کی پوجا پاٹ پوری عقیدت مندی اور جوش و خروش کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ مختصر یہ کہ دین و دھرم کے اصل اپدیشوں اور اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر نقلی اصولوں کا بازار گرم ہوا۔ اور دین و دھرم کی شکل و صورت سرے سے ہی بدل کر رہ گئی۔

چنانچہ ہمارا ہندوستان ہزاروں سال سے ایک مہا نگری بنا ہوا ہے۔ یہاں صحیفوں اور شاستروں کی بجائے دیومالاؤں کی خیالی و من گھڑت کہانیوں اور داستانوں کا بول بالا رہا ہے۔ اصل کی بجائے نقل کی طرف شروع ہی سے رجحان رہا ہے۔ ہم ہندوستانیوں کے دل و دماغ میں صدہا سال سے کرشماتی عنصر رچ بس گیا ہے، سرایت کر گیا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں بدعقیدگی اور ضعیف الاعتقادی کی جڑیں دور سے گہرائی تک گھر کر لیا ہے اس لئے اگر کوئی حق پرست، اصلاح پسند منچلا انسان ہادی بن کر مشعل ہدایت روشن کرے تو اسے بے دین، شیطانی، ملحد اور نہ معلوم کس کس نام سے پکارا جاتا ہے اور اسے سماج باہر قرار دیا جاتا ہے۔

یہ صورت حال نہ صرف ہندوستان کے دھرموں اور مذہبوں کی تھی، بلکہ سارے عالم کا یہی حال تھا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں یہودی اور عیسائی مذاہب کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں دینِ حق دوسرے معنوں میں اسلام ہی لے کر آئے تھے لیکن ان کے بعد ان کے پیروؤں اور امتیوں نے ان مذاہب کا کیا درگت کی۔ اس سے سبق حاصل کیا جائے۔ اسی لئے بانیٔ اسلام نے بار بار نازل کی ہوئی کتاب مبین کے ذریعہ اہل اسلام کو قدم قدم پر متنبہ کیا تاکہ اس سے عبرت حاصل کر کے وہ صحیح اور راہ مستقیم پر گامزن ہوں۔ ان کی پیروی نہ کریں۔ دینِ حق میں کسی قسم کی تبدیلی نہ لائیں۔ اسے اصلی حالت میں سلامت رکھیں۔ اور اس کے ساتھ اپنی دنیا بھی سدھاریں۔ سردست ہم ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ہمارا روئے سخن اور آج کا موضوع سرزمینِ ہند کے مذہبوں اور باسیوں سے ہے۔

ہندوستانی اسلام

آغازِ اسلام کے بعد عرب و عجم اور ایران و توران میں اسلام کی بنیادیں مستحکم اور مضبوط ہوگئیں تو ان کے قافلوں نے ایک طرف مغرب کا رخ کیا تو دوسری طرف مشرق کی جانب اپنی باگیں موڑیں۔ چنانچہ خلفائے بنی امیہ اور عباسیہ کے دور میں مجاہدینِ اسلام کی تبلیغ و تجارت کی غرض سے ہندوستان کے مغربی ساحل سندھ، کوکن، کاروار، ملبار اور جنوبی ہند کے جزائر تک رسائی ہو چکی تھی۔ یہ اسلام کا یہاں پر داخلہ اولین تھا جہاں متعدد مذاہب کے درمیان مٹھی بھر ہونے کے باوجود ان کی راسخ الاعتقادی اور حرارتِ ایمانی برابر قائم رہی۔ ان کی دولتِ دین محفوظ رہی۔ بلکہ ان کی بلند کرداری، پرہیز گاری، عبادت گزاری اور رواداری نے یہاں کی قوموں کے دلوں کو مسخر کر دیا۔ ان کی صداقت و دیانت ان کے کاروبار کو مرغوب ہوئی۔ ان کی تعلیم، مساوات، بھائی چارگی، انسانیت نوازی اور ان کے دین میں ایمانداری، تعلیم اس قدر بھائی کہ وہ ان نوواردوں کے گرویدہ و شیدا ہو گئے۔ ان کا بڑا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ نہ صرف ان کے لئے رہنے سہنے کی سہولتیں مہیا کیں بلکہ جوق در جوق ان کے دائرہ دین میں شامل ہو گئے۔ گویہ دین ان کے لئے بالکل نیا اور انوکھا تھا۔ مگر وہ محسوس کرنے لگے کہ یہی سچا دین ہے دینِ فطرت ہے۔ بیہودہ خرافات سے

حسرتیں ہے۔ اور انہیں یقین ہوگیا کہ اسی کے ذریعہ ان کی
دنیا اور عاقبت سنور سکتی ہے۔ اس دور میں یہاں اسلام
اپنی بے شمار خوبیوں اور ان گنت قدروں کی بنا پر بے پناہ
پنپتا رہا کیونکہ اس وقت تک وہ خالص دین تھا۔ ان کے
ہاتھ میں کتاب اللہ تھی۔ ان کے دلوں میں اپنے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور سنت جاگزیں تھی۔
اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں تھی۔ کوئی خارجی اثرات
ان کے ذہن میں [illegible] ہوئے تھے۔ اگر دھن تھی تو
اپنے دین کی۔ اگر لگن تھی تو [illegible] ایمان و ایقان کی۔ ان کا
ہر قول و عمل اللہ کی شریعت اور اپنے نبی کی سنت پر مبنی
تھا۔ اگر وہ دین میں یکتا تھے تو دنیا داری میں بے مثال۔

اس کے بعد خلافتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ دنیائے
اسلام میں مختلف خطوں اور حصوں میں شخصی مملکتیں
اور سلطانی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ہندوستان
میں مقیم ان نو وارد عربوں کے ذریعہ ہندوستان جنت نشان
کی سرسبزی، شادابی اور خوش حالی کی خوشخبریاں ان کے
کانوں تک پہنچ چکی تھیں۔ ان کے دلوں میں جذبۂ حکمرانی عود کر آیا۔
اور شمالی ہند میں ان کی یلغاروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔
ان حکمرانوں کے نقشِ قدم پر علمائے دین تبلیغ و ترویج اور عام
مسلمان کسبِ معاش اور روزگار کے سلسلہ میں کارواں در
کارواں وارد ہونا شروع ہو گئے۔ ان کی آمد بھی ہندوستان
کے لیے رحمت ثابت ہوگئی یہاں کی قومیں ان کی آمد سے
نئے رجحانات اور نئے نظریات سے روشناس ہونے لگیں۔ تاہم
ان مسلمانوں کا وہ دور بھی غنیمت تھا۔ اس وقت بھی
اسلامی تعلیمات اور ان کے دین کی انفرادیت برقرار
رہی۔ اور ان کا دین اصل شکل و صورت میں محفوظ رہا۔ لیکن
جب مغلوں کا دور آیا تو سیاسی مصلحتوں اور حکمرانوں کے

سی نئے

تقاضوں کی بنا پر رواداری کا دور شروع ہو گیا۔ ہندو راجاؤں اور
مہاراجاؤں کے دل جیتنے کے لئے رواداری کے نام پر وہ دین سے
دور ہوتے گئے۔ اور ہر وقت دنیوی مفادات ان کے پیشِ نظر
رہے۔ نئے نئے ہتھکنڈے شروع ہو گئے۔ چنانچہ مغلِ اعظم
شہنشاہ اکبر نے تو یہاں تک جسارت کی کہ خالص اسلامی
معاملات میں بھی، ہندو رسوم و رواجوں کا عمل دخل جائز قرار
دیا۔ اس کا دینِ الٰہی بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھا۔ اسی
وقت سے اسلام کی اصلی شکل و صورت بدلنے لگی اور بیہودہ
خرافات اور رسوم و رواجات کی ترویجات اسلام میں ہونے لگی۔

اس شہنشاہی دور میں بھی کفر و الحاد اور خرافات
کے خلاف صدائے حق بلند کرنے والے مردانِ مجاہد موجود تھے۔
سربکف ہو کر شہنشاہِ وقت کے خلاف اپنے دینِ حق کی
حفاظت کی خاطر آواز بلند کی۔ حکمرانوں کی ملحدانہ اور غیر شرعی
حرکتوں کو روکنے کے لئے برسرِ پیکار ہو گئے۔ ان میں حضرت
مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی پیش پیش رہی۔ اکبرِ اعظم
کے بعد جب جہانگیر کا دور آیا تو خوشامدی علمائے باطل کی ایما پر
اس نے اس مردِ مجاہد کو زنداں میں ڈال دیا۔ آپ ایک عرصہ تک
جہانگیر کے قید خانے میں مقید ہو کر دینِ حق کے لئے کسمپرسی
کی زندگی گزارتے رہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مدت کے بعد جہانگیر نے ایک بھیانک
خواب دیکھا جس میں اسے اپنی اس حرکت پر سخت تنبیہ کی گئی۔
جس سے متاثر ہو کر اس مردِ حق کو زنداں سے رہائی دلائی۔ اس
کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی اور بلاناغہ وہاں پر حاضری دینے لگا۔

آج ہندوستان میں جو بھی دینِ حق قائم ہے وہ
انہیں بزرگانِ دین اور علمائے حق کی تعلیمات اور قربانیوں کا نتیجہ
ہے۔ یہی وہ دور تھا جس سے اسلام میں ہندوانہ رسوم و رواجات
بدعات کی شکل میں داخل ہوتے گئے۔ آج ہمارے دینی

ہران کا اس قدر غلبہ ہے کہ اصل اسلام مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ اور ایک نیا اسلام جسے ہم ہندوستانی اسلام کہہ سکتے ہیں جو پورے ملک میں وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔ ہمارے راسخ عقیدے متزلزل ہو گئے ہیں۔ ہماری سنتیں بدعتوں کا شکار ہو گئی ہیں۔ ہماری عبادتوں میں عقیدت اور برکت جیسے مقدس الفاظ کا استعمال کر کے دخل اندازی کی جا رہی ہے۔ کہیں سلام و قیام، نذر و نیاز، منت مراد کے الجھنوں میں الجھا کر دین کی مٹی پلید کی جا رہی ہے کہیں ایسے ہی فروعی مسائل کو لے کر کفر و تکفیر کے فتوے صادر کر کے امت محمدیہ میں نفاق و فساد پھیلایا جا رہا ہے۔ جو صحیح العقیدہ مسلمان ہیں جو نماز روزہ اور دین کے دیگر ارکان کے سختی سے پابند ہیں لیکن بدعات و خرافات کو نہیں مانتے انہیں خارج از اسلام کیا جا رہا ہے۔ گروہ بندیاں کی جا رہی ہیں۔ جو دین سے منحرف ہیں بے عمل ہیں انہیں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ؎

حقیقت روایات میں کھو گئی
یہ امت خرافات میں کھو گئی

یہ سب وہ لوگ کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو عالم دین، مفتی، خطیب و امام کہتے ہیں، بیچارے سادہ لوح مسلمان ان کی باطل دلیلوں اور چکنی چپڑی باتوں میں آجاتے ہیں۔ غیر شرعی رسومات میں انہیں پھنسا کر اپنے حلوے مانڈوں کا انتظام کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے مضر اثرات ہماری دینی مجلس اور معاشرتی زندگی میں اس قدر سرایت کر گئے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کو ان سے بچانا محال ہو گیا ہے۔ اسی کی ایک ادنیٰ مثال پیش کی جا رہی ہے:

پچھلے دنوں ہمارے ایک عزیز اور جماعت اسلامی کے ایک سرگرم کارکن کی دختر نیک اختر کی عقد خوانی میں شرکت کی غرض سے وطن گیا تھا۔ وہاں جانے پر پتہ چلا کہ انہیں کی برادری میں دو روز قبل ایک شادی ہوئی تھی۔ اس موقع پر وہاں کے مقامی خطیب نے اپنی تقریر میں کہا دولہا دولہن کو سہرا باندھنا اسلامی نقطہ نظر سے نہ صرف جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ اور اس کے جواز میں ارشاد فرمایا کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو اور پھول بے حد پسند تھے اس لئے سہرا باندھنا سنت ہے۔ اب بھلا بتائیے کہ ہمارے پیشوا و ہادی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کو استعمال کر کے اور آپ کی ذات گرامی کا [illegible] کا حوالہ دے کر ایک ہندوانہ رسم کو جائز قرار دینے کی کتنی دلیرانہ جسارت ہے۔ بھلا سہرے کو دین سے اور سنت سے کیا نسبت؟ مگر امام صاحب جانتے ہیں کہ حضور پرنور صلعم سے ہر مسلمان کو کتنی محبت و عقیدت ہے اس لئے ذات گرامی کا حوالہ دے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کتنی بڑی سازش اور غیر دینی حرکت ہے۔ اس عقد خوانی کی تقریب میں امیر جماعت اسلامی ریاست مہاراشٹر کے خطبۂ مسنونہ از زبان [illegible] کے بعد ہمیں بھی بطور خاص تقریر کرنے کا موقع دیا گیا۔ ہم نے یہی موضوع سخن لے کر اس قسم کی غیر دینی حرکت پر امام صاحب کی مذمت کی اور برادران اسلام کو ایسی گمراہیوں سے بچنے کی تلقین کی۔ اب سنئے کہ نکاح کرنا عین سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور سہرا باندھنا خالص ہندوانہ رسم و سنت ہے۔ اب ان متضاد سنتوں کو یکجا کرنا اور جائز قرار دینا کہاں کی دیانتداری اور ایمانداری ہے۔ اسی کو ہم ہندوستانی اسلام کہتے ہیں جسے یہ باطل پرست پھیلا رہے ہیں۔ اس کو [illegible] کہا جا سکتا ہے سے [illegible]

ساغر ملک

جسم کا کھنڈر سجائیں کس لئے / رنگ مہنگے ہیں گنوائیں کس لئے

جب نہیں اپنے لئے آنچل کوئی / مفت میں آنسو بہائیں کس لئے

پیار کی خیرات ملنے سے رہی / ہر گلی میں دیں صدائیں کس لئے

راہِ فردا میں ہے اس کی روشنی / یادِ ماضی کو بھلائیں کس لئے

تیرگی ہی راس جب آنے لگی / لوگ خونِ دل جلائیں کس لئے

تم کہاں کے میر ہو ساغر ملک
ہم تمہارے ناز اٹھائیں کس لئے

مغل اقبال اختر (چیلون)

سانس چلتی ہے تو خوابوں کا سفر لگتی ہے / زندگی تیری حسیں رہگزر لگتی ہے

دوسرے لوگ اسے لاکھ جہنم سمجھیں / میری بستی ہے مجھے خلد نظر لگتی ہے

کیا عجب رت ہے کہ پھولوں سے لہو ہے ٹپکتی / آگ اگلتی ہوئی ہر شاخِ شجر لگتی ہے

خونِ دل دے کے کیا ہے وہ چراغاں ہم نے / رات بھی کوچۂ جاناں کی سحر لگتی ہے

اٹھ کے اختر کو زمانہ ہوا لیکن اب تک
غم زدہ محفلِ اربابِ ہنر لگتی ہے

فاروق رحمٰن

کسی سے ہمکلامی کا عجب اک سلسلہ دیکھوں / وہ مجھ سے دور ہے لیکن سمٹتا فاصلہ دیکھوں

خیالوں کی زمینوں پر فرشتہ جس کو سوچا تھا / اسی کے کھنڈر میں چھپا اک چور سا دیکھوں

ابھی اپنوں نے بخشا ہے ابھی تو آنکھ کھولی ہے / ابھی سے رہزنوں کی زد میں اپنا قافلہ دیکھوں

کبھی دن کے اجالوں سے سبق ملتا ہے سونے کا / کبھی راتوں کے کہنے پر میں رستہ نیند کا دیکھوں

مگر پھول نہ پائے گا مجھے معلوم ہے لیکن / گلابوں کی تمنا میں سمندر ریت کا دیکھوں

کبھی جنگل کبھی پربت کبھی صحرا مقدر ہے / تمہاری ہم نشینی کا بڑا لمبا فاصلہ دیکھوں

وہی دستوں کی بیماری، وہی نفرت، وہی سازش / کسی کی راہ سے اپنا الگ اک راستہ دیکھوں

کسی کی یاد کیا آتی کہ سینہ میں نظر آیا
لہو فاروق کیسے میں شکستہ آئینہ دیکھوں

انجم عباسی

وقت کا سورج اور ساحر شیوی

گرانٹ روڈ پر تواب بہشتی ہوٹل تھا۔ اس ہوٹل کے پاس روزانہ رات کو ۹ بجے حضرت قمر نعمانی آیا کرتے تھے۔ ایک رات میں حضرت قمر نعمانی سے ملنے گیا تو دیکھا جناب تیاس کھبرنگری کے ساتھ ایک خوبرو نوجوان جو کافی تنومند بھی تھا۔ حضرت قمر نعمانی سے شرف ملاقات حاصل کر رہا تھا۔ حضرت قمر نعمانی زمانے کے ستائے ہوئے تھے۔ مگر اپنی وضع قطع اور اصولوں کے پابند تھے۔ چونکہ یہ جگہ کافی ہنگامہ پرور تھی اس لئے اس نوجوان اور مولانا قمر صاحب کے مابین ہونے والی گفتگو کو بخوبی سن نہ سکا۔ تیاس صاحب نے اس نوجوان کو مجھ سے ملایا۔ "یہ جناب ساحر شیوی ہیں۔ افریقہ میں رہتے ہیں۔ کچھ دنوں کے لئے اپنے گاؤں آئے ہیں۔ قمر صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں"۔ ایک برف کا سا سرد ہاتھ ہاتھ میں آگیا۔ مگر باتوں میں خلوص کی آنچ شامل نظر آئی۔

وقت کا سورج گردش لیل و نہار کے دوش پر ڈوبتا رہا، ابھرتا رہا، ابھرتا رہا ڈوبتا رہا۔ زمانے کی یخ بستہ ہواؤں نے حضرت قمر نعمانی کو ہمیشہ کے لئے سرد کر دیا۔ علم و دانش کا سورج ظلمات کے پردوں میں روپوش ہو گیا۔ ہم اپنے اپنے کاندھوں پر اپنے اپنے دکھوں کی صلیب لادے زندگی کے صحرا میں بھٹکتے رہے۔ فاصلے دراز ہوتے گئے اور پھر ساحر دوبارہ نہ مل سکے۔

ساحر پھر افریقہ چلے گئے۔ اور اپنے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے وہاں جم کر کافی ترقی کی۔ وہ ایک کامیاب بزنس مین بن گئے۔ مگر مادی آسائش اور تجارتی ذہن کے باوجود ساحر نے زندہ رہنے کا سلیقہ سیکھا ہے۔ اس لئے وہ بڑے وثوق سے کہتے ہیں ؎

ہم غرق ہوتے ہوتے سلامت اتر گئے
ایسے بھی کتنے سانحے ہم پر گزر گئے

نہ ہی وہ بحر عشرت میں ڈوبے رہے اور نہ ہی وہ پیش آوردہ سانحوں سے بے خبر رہے۔ وہ اپنی ذات کی ترسیل کے اہتمام میں لگے رہے۔ ہندوستان میں رہنے والے اپنے دوستوں کو اپنے خلوص سے گرماتے رہے۔ اور نیروبی کی دلدار ثقافتی شان و شوکت میں اردو کا چراغ روشن کرتے رہے۔

یہ سعادت بڑی چیز ہے۔ زمانہ سو بار گردش کرتا ہے تب وقت کا سورج اس سعادت کا سراغ دیتا ہے۔ ورنہ عام مشاہدہ تو یہ ہے کہ آج کا انسان تلخی زدوراں کے ہاتھوں اتنا سنگدل اور تنگدل ہو چکا ہے کہ وہ اپنے ہی پیٹ میں سر چھپائے دوسروں کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر اپنا قد اونچا کرنے کی کوشش میں غلطاں ہے۔ اسے نہ دوستوں کا پاس ہے نہ تو محبت کا احساس۔ وقت نے اگر نوازا تب بھی اسے اپنے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا ـــ ساحر کو اس المیے کا ادراک ہے اس لئے انھوں نے شاعری کی آنچ کو کبھی مدھم نہیں ہونے دیا۔ پہلے ان کی شاعری نیم شگفتہ تھی۔ اب شگفتہ تر جتنی

ہی ہے بیرون میں اردو کی آبیاری کا کام بھی جاری ہے۔
اور انشر گلڈ کی ذمہ داریاں بھی طوق گلو ہیں۔ اور جہاں
زندگی کی جانکاہی وجاں فشانی بھی جاری وساری ہے۔ ذیل
کے قطعے میں انھوں نے خود اپنی سوانح حیات مرتب کی ہے۔

سنبھل سنبھل کے اٹھا گام، سوچ سوچ کے چل
حیات چار دنوں کی ہے کام اچھا کر
رہ حیات میں چلنے ہے یہی مقصد
ملے جہاں بھی اندھیرا، وہاں اُجالا کر

ساحر کا یہ دوسرا قطعہ بھی ان کے عزائم، مقاصدِ حیات
اور ان کی وسیع النظری کی عکاسی کرتا ہے۔

اس قدر اونچی تو اپنی ذات کر
طور پر جا کر خدا سے بات کر
بحرِ ہستی میں اتر جا بے جھجک
رات کو دن اور دن کو رات کر

ہر چند ساحر کی زندگی مختلف خانوں میں بٹ گئی ہے
اور مصروفیت کار بڑھ گئی ہے۔ وہ اپنے اندر کے فنکار کی
پذیرائی میں کبھی کوتاہی نہیں برتتے۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے
جذبۂ صادق کو صفحۂ قرطاس پر پیش کرتے رہے ہیں۔ اور ہر
صنف میں طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ ان کا پہلا مجموعۂ کلام
"نیم شگفتہ" اس وقت میرے سامنے نہیں ہے مگر ان کا دوسرا
مجموعۂ کلام "وقت کا سورج" میرے پیش نظر ہے۔ اس مجموعے
میں نظمیں کم غزلیں زیادہ ہیں۔ رباعیاں اور قطعات بھی ہیں۔
غزلوں میں روانی، بے ساختگی، ندرتِ خیال اور تجربات کی
تلخی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے اشعار دل کو چھو لیتے ہیں۔
ذیل کے اشعار سے اس کا بخوبی اندازہ ہوگا۔

(۱) تماشا دیکھتے تھے لوگ میرا
میں اپنے جسم سے کٹ کر کھڑا تھا

(۲) کھڑی تھی دھوپ ہی سر پر ہمارے
کچھ ایسا وقت ہم پر آ پڑا تھا

(۳) ہمارے دل کی صفت لو کوئی چکے نہ ہو
ہجوم میں پریشان تو نہیں ہوتا

(۴) میرے ٹکڑے نہ کیوں سو بار ہوتے
وہ ایک پتھر تھا میں کچا گھڑا تھا

(۵) سمجھے تھے ہم امیر جسے دل کا تھا امیر
جب مر گیا تو بینک میں کچھ اس کے دھن نہ تھا

(۶) یہ خبر کیسی اڑی ہے شہر میں
رات بھر گولی چلی ہے شہر میں

(۷) قوم کی قوم سب بدگمانی میں ہے
یہ سزا بھی تری حکمرانی میں ہے

(۸) بے سبب تجھ کو بخشی نہیں تشنگی
دیکھنا یہ ہے تو کتنا پانی میں ہے

(۹) ناچ لے زندگی کے کوٹھے پہ
ساری دنیا کو بھی نچا لے میاں

(۱۰) اس کو جلنا ہوگا میرے جسم میں
مجھ کو مرنے سے اگر روکے گا وہ

ساحر گاؤں کے باشندہ ہیں اور باوجود اس کے
شہری زندگی سے ان کا رات دن کا علاقہ ہے وہ گاؤں کے
پرسکون، انسانیت نواز ماحول کو شہر کی نفسا نفسی کے
مقابلے میں بہتر سمجھتے ہیں۔ شہر کی خود غرض زندگی کو جب
وہ اپنے اردگرد رقص کرتے دیکھتے ہیں تو وہ بلبلا اٹھتے ہیں۔

گاؤں ہوتا، پوچھتے یہ کون ہے؟
لاش رستے میں پڑی ہے شہر میں

• کیا بسانے کوئی شہر آرزو
آبرو بھی بک گئی ہے [illegible]

ساحر کی نظموں میں اوپر کی کمائی، اور آدمی بھی طنز کی حامل ہیں۔ ساحر نے آدمی کے اخلاقی انحطاط کا جو نقشہ ان دونوں نظموں میں کھینچا ہے۔ اسے الفاظ کی تکرار نے کافی موثر بنا دیا ہے۔ اور اس پر لطف یہ کہ ساحر نے طنز کے وار اپنی ہی ذات پر چلائے ہیں۔ یہ اصلاح کا احسن طریقہ ہے۔ ہر چند ساحر مندرجہ بالا ان دو نظموں میں کہیں بھی ناصح نہیں لگتے۔ مگر جو پیغام دیا ہے وہ براہ راست پند و نصائح سے زیادہ مؤثر ہے۔

"محبت" ان کی ایک اور کامیاب نظم ہے۔ جس میں صوتی تکرار خیال کو ندرت اور بیان کو روانی بخشتی ہے۔ "پیام اقبال" میں گیرائی اور گہرائی بہت کم ہے۔ مگر اس کا پیغام دل میں اتر جاتا ہے۔

ساحر نے رباعی جیسی مشکل صنف میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اور اپنے خیالات کو واضح طور پر اور سلیس انداز میں بقید تحریر لایا ہے۔ ذیل کی رباعی اس کی روشن مثال ہے۔

تسلیم ستاروں سے حسین ہے دنیا
تسلیم کہ اک زہرہ جبیں ہے دنیا
لیکن یہاں سر تن سے جدا رہتا ہے
بازیچۂ اطفال نہیں ہے دنیا

وقت کا سورج میں کہیں کہیں بنا سبب ولہجہ بھی چونکا دیتا ہے۔ سہ (۱) مٹھاس تلخی دوراں میں گھولتا ہی نہیں
جو میں نے پالا ہے توتا وہ بولتا ہی نہیں

(۲) اپنی پسند کے ہم نغمے کیسے سنائیں
کوؤں کے دیس میں ہیں کرتے ہیں کائیں کائیں

(۳) ابھی تک میں نے دل بیچا نہیں ہے
یہاں کیوں آئے ہو کوٹھا نہیں ہے

(۴) کیوں نہ پسند آتی وہ مرغی
سونے کا انڈا دیتی تھی

(۵) ناچنے والی پردے میں تھی
سارا کوٹھا ناچ رہا تھا

(۶) دیکھا لوگوں کو لڑتے آپس میں
شام جب نل میں آ گیا پانی

(۷) یہ خبر کیسی اڑی ہے شہر میں
رات بھر گولی چلی ہے شہر میں

ان اشعار میں کہیں بھی ابہام نہیں ہے۔ ترسیل کی ناکامی نہیں ہے۔ انداز بیان میں کھردرا پن بھی نہیں ہے۔ یہ جدید ذہن اس بات کی غماز ہے کہ ساحر اپنے ارد گرد پھیلے حصار سے باہر نکلنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے وہ کسی ضابطے کے پابند نہیں ہیں۔ انھوں نے روایتی انداز بھی اپنایا ہے اور جدید رنگ کو بھی شجر ممنوعہ نہیں سمجھا۔ اور یہ وصف انھیں مقبول عام اور دوام بخشتا رہے گا۔ بگولو سمجھو نہ ماضی کی اک داستاں
میں زمانے کی صورت بدل جاؤں گا

ابراہیم خان طالب

حدیثِ غم

(عزیزم شور نیازی کے انتقال پر)

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

تجھ سا پائیں گے کوئی یار کہاں؟ اب ملے گا ترا وہ پیار کہاں؟
تیرے دم سے تھا حسنِ بزمِ سخن اب وہ رونق کہاں، بہار کہاں؟

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

تجھ سے ملنے کی کوئی آس نہیں تجھ سا ہمدرد اپنے پاس نہیں
تیرا ہر دوست آج ہے غمگین اک ہمارا ہی دل اداس نہیں

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

تو صحافی، ادیب و شاعر تھا فن میں اپنے تو شور ماہر تھا
زندگی تھی کھلی کتاب تری تھا جو باطن ترا وہ ظاہر تھا

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

وہ ترنم سے شعر پڑھنا ترا کس طرح بھول جائیں یہ تو بتا؟
سونی سونی ہے آج بزمِ سخن بجھ گیا جیسے شاعری کا دیا

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

سب کا درد دل میں رکھتا تھا تیرا جذبہ یہ کتنا اچھا تھا؟
انجمن ساز تجھ کو کہتے تھے پیار اردو زباں سے ایسا تھا

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

جب تری موت کی خبر آئی موت اپنی ہمیں نظر آئی
تھام کر رہ گئے ہم اپنا دل آنکھ بے اختیار بھر آئی

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

خامشی تجھ پہ ہو گئی طاری زندگی ہم کو ہو گئی بھاری
موت نے تجھ کو ہم سے چھین لیا ہائے مجبوری! ہائے لاچاری!

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

طالبِ خستہ جاں کی ہے یہ دعا جامِ کوثر ہو تجھ کو شور عطا
پائے فردوس میں مقامِ بلند رحمتِ حق ہو تجھ پہ صبح و مسا

شور تیری جدائی کا غم ہے
آج محفل میں تیرا ماتم ہے

پرنسپل فاروق ستار عمر بھائی ہائی اسکول برائے طلبہ جوگیشوری

معین الدین ٹھاکر
ادرن

صنعت و حرفت

ہمارے ملک ہندوستان نے نہ صرف سائنس، الیکٹرونکس اور خلا کے شعبہ میں کافی ترقی کی ہے۔ بلکہ صنعت وحرفت کے شعبہ میں بھی ملک قدم بہ قدم اور منزل بہ منزل آگے بڑھتا جارہا ہے۔ اور اب ایسی مشنری اور الیکٹرونک آلات پیدا کرنے کے قابل ہوچکا ہے کہ اس کے لئے دوسرے ملکوں پر ہمارا انحصار کم ہوگیا ہے۔ گو چند شعبوں میں ہمیں دوسرے ملکوں کی تکنیکی امداد کی ضرورت اب بھی ہے۔ پھر بھی ان چیزوں کی ساخت یہیں ہوتی ہے۔

البتہ اس ترقی پذیری پر نگاہ ڈالی جائے اور اس کا بغور جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں ہماری قوم کا حصہ نفی کے برابر ہے۔ یہ ایک بہت افسوسناک بات ہے۔ اس کے کافی اسباب ہیں۔ مگر اس پر غور کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے ان کے اسباب و مشکلات کو جانیں۔ سمجھیں اور اس کا حل تلاش کریں۔ کچھ ماہرین کے مطابق اس کا سب سے بڑا سبب ہم لوگوں میں اعلیٰ سطح پر ٹیکنیکل تعلیم کا نہ ہونا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے اس کے لئے کوشش ہی نہیں کی۔ اور ایک طرح کی احساس کمتری (Inferiority complex) کو لے کر بیٹھ گئے۔ اگر ہم دوسری قوموں (مثلاً پارسی، سکھ، عیسائی) کی طرف نگاہ ڈالیں تو یہ محسوس ہوگا کہ وہ ہم سے کئی گنا کم ہوتے ہوئے بھی انھوں نے ہم سے کئی گنا زیادہ ترقی کی ہے۔ کافی وقت نکل چکا ہے ہم کو ان حالات کا پورا جائزہ لے کر آگے قدم بڑھانا لازمی ہے۔ کم از کم جس غفلت کی نیند میں ہم سوتے ہوئے ہیں اس سے جاگ جائیں۔

حال ہی میں کوکن مرکنٹائل کوآپریٹیو نے انڈسٹریل سیل قائم کر کے اس جانب ایک ٹھوس قدم اٹھایا ہے حالانکہ ڈگر مشکل اور ٹیڑھی میڑھی ہے پھر بھی امید ہے کہ ہم سبھوں کے اشتراک و تعاون اور نیک خواہشات سے انشاءاللہ کامیابی حاصل ہوگی۔

اس سلسلہ میں قارئین کے سامنے کچھ باتیں پیش کرتا ہوں۔ اور اس امید پر کہ کم از کم اس طرح ہم اس کام کی اگر بسم اللہ کریں اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان منظم طریقہ سے ایک سماجی فرض سمجھ کر کام کریں تو کسی حد تک کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔

۱) **اعلیٰ ٹکنیکل تعلیم**: گورنمنٹ نے ٹیکنیکل ایجوکیشن کا الگ ڈپارٹمنٹ کھولا ہے۔ جو اس بارے میں کافی معلومات فراہم کرتا ہے۔ ہر ضلع میں انڈسٹریل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (I.T.I) کھولے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی میں بھی اس بارے میں نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر بیرونی ممالک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں (Institutions) کے بارے میں کافی معلومات ملتی ہے طالب علم جب نویں جماعت میں داخل ہو۔ اس وقت سے ہی اس کا رجحان اعلیٰ ٹیکنیکل تعلیم کی طرف مائل کرنا ہوگا۔

اساتذہ اور بچوں کے والدین کا فرض ہو. اکثر والدین بچوں کو صرف اسکول میں داخل کروانا ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں. حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے. اور ہماری کمی کا بھی ایک بڑا سبب ہے. اسی طرح اسکولوں کے اساتذہ بھی نصاب کے مطابق بچوں کو سکھانا ہی اپنا فرض سمجھتے ہیں.

یہ خیال بھی غلط ہے.

دسویں جماعت کا امتحان ختم ہونے پر پرنسپل اور کلاس ٹیچر ان طلبہ اور ان کا پاک کیریئر کے متعلق بحث و مباحثہ کریں. اور امتحان کا نتیجہ نکلنے پر اسکول کے پرنسپل کو بچے اور اس کے والدین کو بلا کر اور بچے کے حاصل کردہ مارکس کو مد نظر رکھتے ہوئے بچے کو کون سا کورس لینا بہتر ہوگا اس کا مشورہ دیں. یہ فیصلہ صرف بچے پر نہیں چھوڑنا چاہئے.

۴) **ترقی کا اندازہ** :- اسی کے ساتھ دوسری قوموں نے اور دوسرے ملکوں نے کس حد تک ترقی کی ہے. اس کا اندازہ لینا بھی ضروری ہے. تاکہ ان کے نقش پا کو دیکھتے ہوئے ہمیں کس راستے کا انتخاب کرنا ہے اس کا فیصلہ کر سکیں. اس کے لئے ہمیں انڈسٹریل نمائشوں کو چاہے وہ بمبئی، ناگپور، پونہ، دہلی، احمد آباد وغیرہ میں ہوں، جا کر دیکھنا بہت مفید ہوگا. جس سے ہم نہ صرف مشنری اور آلات کا معائنہ کر سکیں. بلکہ ان کے بارے میں Literature بھی حاصل کر سکیں گے. اسی طرح Industrial Association کا ممبر بننا اور اس کا جنرل منگوانا. اس سے بھی کافی معلومات ملتی ہے. اور اسی بات سے تعلق رکھنے والے گورنمنٹ اداروں سے تعلق رکھنا. حال ہی میں MSSIDC Ltd نے بمبئی میں اسی طرح کا ایک Exhibitions منعقد کیا تھا. جو اپریل کو ختم ہوا. مجھے شک ہے کہ ہم میں سے کتنے لوگوں نے اس کو دیکھا ہوگا. Exhibition میں جانے سے تعلقات بڑھانے کا موقع ملتا ہے. اور کچھ کرنے کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے.

۳) **کمپنی کے شیئرس** :- اکثر کمپنیاں وقتاً بوقتاً مارکیٹ میں شیئرز کے لئے آتی ہیں جس کی خبر دو تین ہفتے قبل اخبارات میں دی جاتی ہے. اس کا فائدہ دیں. اگرچہ شروعات میں منافع کم کیوں نہ ہو. لیکن آپ کو ان کمپنیوں کے سالانہ رپورٹ ملیں گے اور سالانہ میٹنگ میں حاضری کا موقع ملے گا. جس سے نہ صرف کافی معلومات حاصل ہوگی. بلکہ زیادہ لوگوں سے تعلقات پیدا ہوں گے، جو مستقبل میں آپ کے کام آسکتے ہیں.

اس سلسلے میں ۱۹ اپریل ۸۳ء کے اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ حسب ذیل کمپنیوں کو زائد شیئرز حاصل کرنے کی اجازت بھارت سرکار نے دی ہے. یہ کمپنیاں چند دنوں میں مارکیٹ میں آجائیں گی.

1) Valley Refractions Ltd. Bihar. ۸۰ لاکھ روپئے

2) Indu-Suzuki Motor cycle Ltd. Tamil Nadu. ۷۷ لاکھ روپئے

3) Lakshmi Porcelains Ltd. Andhra. ۲۴ لاکھ روپئے

4) Nir up chemicals. Ltd. Andhra. ۱۳۰ لاکھ روپئے

5) Bharat Fertilizers Ltd. New unit in Maharashtra. ۱۲۵ لاکھ روپئے

بھارت کی لاگت ۳۱ دسمبر ۱۹۸۳ تک تقریباً ۷ کروڑ روپئے ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۳ تک ۱۵۲ یونٹس ترقی ہو چکے ہیں۔ اور باقی ۸۰ یونٹس جلد شروع ہوں گے۔ Joint venture قائم ہو چکے ہیں جس میں

امید ہے کہ ان درج کی ہوئی باتوں پر غور کریں اور عمل کریں تو دوسرے راستے خود بخود ملیں گے۔

6) Organic chemicals ۲۴.۳ لاکھ روپئے
7) Pharma Products Ltd لاکھ روپئے
8) Amoo laboratories ۱۹۵ لاکھ روپئے
9) Uni-cab Ltd. ۸.۴۲ لاکھ روپئے
10) General Sales Ltd ۲ لاکھ روپئے
11) Acseo India Ltd. ۳۲ لاکھ روپئے

اس کے ماسوا بمبئی اسٹاک ایکسچینج میں مارکیٹ بھاؤ سے بہت سی کمپنیوں کے شیئرز حاصل ہو سکتے ہیں۔

(ب) بیرونی ممالک میں کاروبار: فی الحال مڈل ایسٹ ۱۰، افریقہ و ساؤتھ ایسٹ ایشیا کے ملکوں میں نئے کارخانے (بڑے یا چھوٹے پیمانے پر) کھولنے کا اچھا موقع ہے۔ ۹ اپریل ۸۴ کے اخبار میں یہ خبر بھی شائع ہوئی ہے کہ بیرونی ممالک میں ۲۳۲ India

ایک بڑی فرم نے اپنے ملازمین سے کہا کہ جو شخص دفتر کے اخراجات کم کرنے طریقہ تجویز کریگا اسے پانچسو روپئے کی رقم بطور انعام دی جائے گی۔
بہت سارے لوگوں نے تجویزیں پیش کیں مگر جو شخص انعام کا حقدار قرار دیا گیا اس کا سمجھاؤ تھا کہ انعام کی رقم سو روپے سے زیادہ نہ ہو۔

گھر کی سجاوٹ

شکیلہ جاوید

انسان کے اندر خوب صورتی اور خود نمائی کا جذبہ ازل ہی سے کارفرما رہا ہے۔ اسے اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے انواع و اقسام کی چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان ضروریات کی چیزوں کے سلسلے میں اس کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے استعمال کی چیزوں کو سلیقہ اور نفاست کے ساتھ رکھے۔ ان کی سجاوٹ اور صفائی میں اپنی صلاحیتوں کو کام میں لائے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر اچھی چیز اور پاکیزہ شے انسان کو بہت جلد اپنی طرف مائل کر لیتی ہے۔

کیا ہماری یہ خواہش نہیں ہوتی کہ ہمارا گھر صاف اور پاکیزہ ہو۔ ہمارا رہن سہن اچھا ہو۔ ہمارے کپڑے صاف ستھرے ہوں۔ غرض ہماری ضروریاتِ زندگی کا تمام سامان ایسا ہو جس میں ایک سلیقہ ہو۔ ایک نفاست ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ صرف سوچ لینے سے یہ خوب صورتی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اپنے اس خیال کو اس حقیقت میں ڈھالنے کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ قدرت سے ایسی بے شمار چیزیں ہمیں ایسی بے ڈھنگی شکل میں ملتی ہیں جو دیکھنے میں بالکل بے کار معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن انسان کی تھوڑی سی توجہ، سلیقے اور نفاست سے ان میں بے پناہ حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

آج کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ قدرت نے ہمارے نصیب کے مطابق جو کچھ بھی ہمیں بخشا ہے اسے صبر و شکر کے ساتھ قبول کر لینا چاہئے۔ چاہے وہ بہت ہو یا تھوڑا۔ اور جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے اسے خوب صورت اور دل کش طریقے سے سجا کر رکھنا چاہئے۔ تاکہ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ ہمارے بارے میں اچھی رائے قائم کر سکیں۔ جہاں ہم رہتے ہیں اور جہاں ہماری زندگی کے شب و روز گزرتے ہیں وہاں کی حد تک یہ بات اور بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ گھر کی سجاوٹ صرف ان لوگوں کو زیبا دیتی ہے جن کی آمدنی معقول ہو۔ لیکن یہ ان کی بھول ہے۔ ہم کتنے ہی خوب صورت مکان میں کیوں نہ رہتے ہوں جب تک اس کی صفائی اور سجاوٹ میں سلیقہ نہ ہو وہ کسی کو بھی اچھا نہیں لگے گا۔

گھر کی سجاوٹ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اس میں الٹی سیدھی بیش قیمت چیزیں بھر دیں۔ گھر کی سجاوٹ کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ ہم گھر میں رہنے والے تمام افراد کے رجحانات و مشاغل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے گھر کو اس طرح سجائیں کہ سجائی ہوئی چیزوں سے گھر کی خوب صورتی اور بھی نکھر آئے۔

گھر کی سجاوٹ کرتے وقت اس بات کا بھی دھیان رکھنا ضروری ہے کہ آپ کے گھر میں جتنی بھی استعمال کی چیزیں ہیں ان کو ضرورت کے مطابق ایک خاص جگہ پر سجانا چاہئے۔ اور اس بات کا بھی خیال رہے کہ کون سی چیز کہاں پر زیب دیتی ہے۔ مثال کے طور پر کچن میں لکھنے پڑھنے کا سامان اور لکھنے پڑھنے کے کمرے میں کچن کا سامان رکھ دیا جائے تو اس سے نہ ان چیزوں

صفحۂ خواتین کی پیشکش محترمہ نورجہاں بیگم محمود جو گلکی کی رہینِ منت ہے۔ خدا انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے (آمین)

کی دلکشی برقرار رہ سکتی ہے اور ان چیزوں کا صحیح استعمال ہو سکتا ہے۔
اس واسطے گھر کی سجاوٹ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا
بے حد ضروری ہے۔ ہمارے اس طریقہ کار سے نہ صرف گھر کی سجاوٹ
اور دلکشی برقرار رہے گی بلکہ سامان بھی حفاظت سے رہے گا۔
اور اس کی دیکھ بھال بھی آسانی کے ساتھ ہو سکے گی۔

سجاوٹ کا منصوبہ بنانے میں گھر کی لمبائی چوڑائی اور
ساخت کو بھی کافی دخل ہے۔ اگر ہمارا مکان وسیع اور
اچھا بنا ہوا ہے اور اس میں کئی کمرے ہیں تو اس کی سجاوٹ
میں اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ کمروں میں مختلف قسم
کی سجاوٹ کرنا ہوگی۔ اگر کھانے پینے کا کمرہ الگ ہے تو اس میں
کھانے پینے کے ہی متعلق چیزوں کو رکھنا چاہئے۔ اسی طرح
لکھنے پڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانا بنانے اور سونے کا کمرہ
علیحدہ علیحدہ طریقے سے سجے سنورے ہوں اور ان کے اندر ان ہی
سے متعلقہ اشیاء کو سلیقہ و نفاست کے ساتھ رکھا جائے
اگر چھوٹا ہے اور اس میں آپ کی ضرورت کے مطابق کمرے
نہیں ہیں تو آپ اس کی بناوٹ کے لحاظ سے ہی اس کی سجاوٹ
کریں۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں بہت سی کرسیاں رکھ دی جائیں
تو وہ کمرہ نہیں بلکہ کسی اسکول کا کلاس بن کر رہ جائے گا۔ جو کمرہ
جس چیز کے استعمال کے لئے ہو آپ اس کا رنگ روپ بھی
اسی طریقہ کا رکھیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم کچن میں صوفے
لگا دیں تو وہ بہت جلد دھوئیں سے کالے ہو جائیں گے اور کچن [illegible]
معلوم ہوگا

ایک اور بات خاص طور سے گھر کی سجاوٹ کے لئے بہت
ضروری ہے۔ اگر آپ کے گھر میں ڈسپلن نہیں ہے تو آپ کی تمام
محنت اور سجاوٹ بے کار ہے۔ گھر میں رہنے والے ہر شخص
[illegible] کو یہ عادت ڈالنی چاہئے کہ وہ جو چیز جس جگہ سے
اپنے استعمال کے لئے لیں اس استعمال [illegible]
کے بعد اس جگہ پر رکھ دیں۔

اگر آپ کی مالی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ
آپ اپنے گھر کی میز کرسی، صوفہ سیٹ اور دیگر قالین وغیرہ سے
سجاوٹ کریں تو یہ ضروری نہیں ہے آپ کسی بھی جائز یا ناجائز طریقہ
سے یہ تمام چیزیں حاصل کر کے سجاوٹ کریں۔ اگر آپ کے گھر
کی سجاوٹ اور آپ کا ڈسپلن اچھا ہے تو گھر میں بچھی ہوئی
ایک چٹائی بھی آپ کے گھر کی خوب صورتی اور دلکشی کو دوبالا
کر سکتی ہے۔

مرد اور عورت

★ مرد کی نظر دوربین ہے
عورت کی نظر خوردبین۔

★ مرد دنیا کی تعمیر میں مگن رہتا ہے،
عورت صرف گھر کی دیکھ بھال میں مصروف

★ مرد کی شخصیت اس کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے
عورت کی شخصیت اس کے پورے جسم سے
پہچانی جاتی ہے۔

★ مرد کی محبت اس کے احساس کا حصہ ہے
عورت کی محبت اس کا مکمل وجود

★ مرد کی نظر حال اور مستقبل پر ہوتی ہے
عورت [illegible] ماضی کی طرف بھی
دیکھتی ہے۔

★ مرد سخن ور ہے
عورت سخن سنج۔

از: مسرت عابد نوری

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر مہذب اور غیر شائستہ نہ ہوں۔
★ جوابات کے لئے مناسب جگہ چھوڑی جائے۔

★ امتیاز علی نصرالدین شاہ ڈونگری بمبئی
سوال:۔ زندگی زندہ دلی کا نام ہے تو موت؟
ج:۔ زندہ دلی کا انجام۔
سوال:۔ کفن کے لئے سفید کپڑا ہی کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟
ج:۔ سفید رنگ پاکیزگی کی نشانی ہے۔ مرنے والوں کو اپنے خالق حقیقی کے سامنے پاک وصاف بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

★ کوثر پروین صلاح الدین مقدم ناگپاڑہ بمبئی ۸
سوال:۔ گیہوں اور چاول میں طاقتور غذا کون سی ہے؟
ج:۔ نہ صرف گیہوں بلکہ دوسرے اناج کی بہ نسبت چاول میں طاقت کم ہے۔ چاول میں پروٹین (لحمی اجزاء) اور چربی نیز دوسرے وٹامن بھی کم پائے جاتے ہیں۔
سوال:۔ سی آف ٹرانکو ئیلی ٹی Sea of ...... یعنی پرسکون سمندر کہاں پر واقع ہے؟
ج:۔ چاند پر واقع ہے۔

★ شوکت علی یعقوب انجبلے ممبرا ضلع تھانہ
سوال:۔ میں حقیقت میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔
ج:۔ آئینہ کے سامنے کھڑے ہو جائیے۔

سوال:۔ پگڑی سر پر باندھنے کی بجائے اب لوگ کمر پر باندھنے لگے ہیں۔ ایسا کیوں؟
ج:۔ سر پر باندھی ہوئی پگڑی کو اچھالے جانے کا ڈر تھا۔ مگر کمر پر بندھی ہوئی پگڑی محفوظ رہتی ہے۔ اس لئے زنانوں نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے۔

★ سراج الدین سرگروہ جوگیشوری بمبئی
سوال:۔ رجسٹرڈ شادی کرنے والوں سے والدین ناراض کیوں ہوتے ہیں؟
ج:۔ رجسٹرڈ شادی وہی لوگ کرتے ہیں جن کے والدین اس جوڑنے والے رشتہ کو پسند نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ والدین کی مرضی کے خلاف جو کام ہوتا ہے اس میں وہ ناراض ہی ہوں گے۔
سوال:۔ سب سے قیمتی چیز کون ہے؟
ج:۔ آپ کی اپنی زبان۔ اس کی حفاظت کیجئے۔

★ محمد سعید کرنگے دھور ضلع رائے گڑھ
سوال:۔ سچ بولنے سے کب پرہیز کرنا چاہئے؟
ج:۔ اگر فتنہ و فساد کا احتمال ہو۔
سوال:۔ زندگی کا صحیح مصرف کیا ہے؟
ج:۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی۔

★ امیرالدین حسین خان   جیکب سرکل بمبئی

سوال: لوگ کہتے ہیں کہ بیوی پاؤں کی جوتی ہوتی ہے
مگر پھر بھی وہ سر پر سوار ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

ج: غالباً وہ آپ کی دوسری بیوی ہے۔ اور آپ
اس کے پہلے شوہر۔

سوال: حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے یا حالات سے
سمجھوتہ؟

ج: اگر آپ شادی شدہ ہیں تو سمجھوتہ کرنے ہی میں
عافیت ہے۔

★ مقصود حسین ملّا   سانکھر تر، رتناگری

سوال: آنچل عورتوں کو تقدس بخشتا ہے۔ پھر
عورتوں نے اسے پس پشت کیوں ڈال دیا؟

ج: اس کے لیے ذمہ دار عورت نہیں بلکہ مردوں کی
ذاتِ گرامی ہے۔

سوال: خدا نے عورت کو محدود عقل کیوں دی؟

ج: تاکہ مرد اس پر اپنا اقتدار قائم رکھ سکے۔
حفاظت اور نگہداشت کی خاطر۔

سوال: ایک دولت مند مگر کنجوس شوہر اپنی بیوی کو
کس طرح خوش رکھ سکتا ہے؟

ج: پیار و محبت کی دولت نچھاور کرکے۔ اگر
اس میں بھی وہ کنجوسی سے کام لے تو پھر
خدا ہی حافظ ہے۔

★ اقبال دینوارے   غرناطہ بحرین۔ خلیج العرب

سوال: علامہ اقبال کا کوئی حرارت آفریں شعر سنائیے۔

ج: خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

سوال: مرثیہ تا دبیر کون ہیں؟

ج: خادم الادب ہے جو ہر ماہ آپ کی خدمت
میں حاضر ہوتا ہے۔

★ نصرت چھپرا دیہ   عمر کھاڑی ممبئی ۹

سوال: ہندوستان کے کس صوبے میں آبادی سب سے
کم ہے؟

ج: سکّم میں

سوال: پارسی مذہب کا بانی کون ہے؟

ج: زرتشت

★ عبدالرزاق محمد صالح سترار   بحرین۔ خلیج العرب

سوال: خطہ کوکن میں اردو میڈیم کے کتنے ہائی اسکولز ہیں؟
اور ان میں زیر تعلیم طلبا کتنے ہیں؟

ج: شہر بمبئی اور خود بھی خطہ کوکن کا ایک حصہ ہی ہے
پورے خطہ کوکن میں اردو ذریعہ تعلیم کے ۳۴ ہائی اسکولز
ہیں۔ زیر تعلیم طلبا کی تعداد معلوم نہیں ہے کیونکہ ہائی اسکولوں کے
نتائج ہمارے پاس نہیں ہیں

سوال: کوکنی مسلم حضرات کی مادری زبان کوکنی ہے؟
کیا ہم اپنی زبان کوکنی لکھاتے ہیں یا اردو؟

ج: مادری زبان کوکنی ہے مگر چونکہ یہ بولی ہے اس کا رسم الخط
نہیں ہے اسلئے سرکاری اندراج میں بیشتر حضرات اردو
لکھواتے ہیں۔ کچھ لوگ مراٹھی بھی لکھواتے ہیں۔

★ پرویز محمد علی شیخ   کرلا بمبئی ۷۰

سوال: کونسی چیز انسان بھلا نہیں سکتا؟

ج: جس بات پر تم اڑے ہو اسے بھلا نہیں سکتے۔

سوال: رقص اور کشتی میں کیا فرق ہے؟

ج: رقص تنہا بھی کر سکتے ہیں۔ کشتی لڑنے کے لیے مقابل
کی ضرورت ہے۔

نام کتاب :- بلاغ مبین

مصنف :- حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
ناشر :- عظیم بکڈپو جامع مسجد دیو بند
صفحات :- ۲۵۶
قیمت مجلد: ساڑھے دس روپے

اس کتاب میں ان امور کی تردید کی گئی ہے جن کا شمار محدثات و بدعات میں ہوتا ہے۔ اس میں موٹی موٹی باتوں کے علاوہ بہت سے دقیق امور پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ جیسے تصور شیخ، وغیرہ۔ چند بزرگوں کی حکایات و اقوال بھی ہیں۔ لیکن اس کتاب کا سب سے اہم حصہ خود مصنف کے سوانح حیات ہیں۔ جو مولانا محمد منظور بارق کے مرتب کردہ ہیں۔ پھر اس میں جو مصنف کی تصانیف کا حصہ ہے وہ خاص طور پر قابل مطالعہ ہے خصوصاً خود فہمی کا باب۔ جس میں آپ نے اپنے مجدد ہونے، اپنی راہ کے راہِ حق ہونے اور کمالات اربعہ کا ذکر کیا ہے۔ یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی۔ اس حصے میں آپ کی تصانیف کی فہرست بھی ہے۔

بعض استدلال تو نہایت لطیف ہے۔ مثلاً یہ کہ آج اگر کسی کو پیر و مرشد کی عصا مل جائے تو اس کو تبرک کے طور پر کسی اونچی محفوظ جگہ میں رکھے گا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ... کی طرف سے جو لاٹھی ملی تھی اس سے وہ ہزرستہ کے پتے جھاڑتے پھرتے تھے ....

نام کتاب :- راہِ اعتدال

نام مصنف :- حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
ناشر :- مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی
صفحات : ۱۲۴
قیمت : پانچ روپے

اس کتاب میں حدیث، فقہ اور تقلید کے متعلق علماء کے درمیان جو اختلافات ہیں ان پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ معلومات نہایت کار آمد ہیں۔ مترجم جناب صدر الدین صاحب اصلاحی نے تمام ناقابل فہم تشریح مقامات کی بہت اچھی تشریح کی ہے۔ یہ کتاب اہل علم کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

★

نام کتاب : زلزلہ

مصنف : جناب ارشد القادری
شائع کردہ :- مکتبہ جام جمشید پور
صفحات :- ۳۰۱
قیمت مجلد : دس روپے

جو فن مناظرہ سے لطف اٹھانا چاہتے ہوں ان کو ضرور اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اس میں دیو بندی عقائد و اعمال پر خود ان ہی کی زبانی تنقید کی گئی ہے۔ خصوصاً انگریز پرستی کا باب تو قارئین کو چونکا دیتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ اگر عقائد باطلہ کی تردید کا مطالعہ بھی کر لیا جائے تو لطف مطالعہ دوبالا ہو جائے گا۔ اس میں بریلوی علماء کے اقوال واضح نہیں ہے۔ خود ان کی تحریروں کے ذریعہ تنقید کی گئی ہے اور کتاب پر تبصرہ پہلے ہو چکا ہے ...

• خواجہ میر درد کا نظریہ وحدۃ الوجود

مقالہ نگار :- ڈاکٹر محمد عمر، ریڈر شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(جاری)

شائع شدہ : ماہنامہ برہان دہلی
بابت جنوری ۱۹۸۴ء

اس مقالے کی دو قسطیں پہلے بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ہنوز یہ مقالہ نا تمام ہے۔ اور قسطیں شائع ہونگی۔

علماء اور صوفیہ کے درمیان وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود یا ہمہ از وست اور ہمہ اوست کے موضوع پر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس مقالے میں ان دونوں نظریات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ان اختلافات کو نزاع لفظی قرار دیا گیا ہے۔

نام کتاب : فیض القواعد

مؤلف :۔ جناب فیض اسماعیل صاحب پانڈو سکر

مقام اشاعت :۔ فیض العلوم دینی لائبریری
۱۷۰ ایس وی پی روڈ ۔ ڈونگری
بمبئی ۴۰۰۰۰۹

صفحات : ۴۸

قیمت : درج نہیں

کتابت ۔ طباعت اور کاغذ : عمدہ

اس کتاب کو قواعد یسرنا القرآن کا مجدد کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ جیسا کہ پیش لفظ میں جناب ولی اللہ صاحب امام مسجد نور نے کہا ہے کہ متعدد معاون فہم قاعدوں کو سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔

آج سے اسی برس قبل قرآن مجید پڑھانے کے لئے بغدادی قاعدہ رائج تھا۔ اس کی جگہ قاعدہ یسرنا القرآن نے لے لی ہے۔ بغدادی قاعدہ کے ذریعہ بچے پڑھائے جاتے تھے جس پر بہت وقت لگتا تھا اور قرآن مجید پڑھنے میں کئی سال لگ جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ماہرین تعلیم دینیات نے بطریق املا قرآن شریف پڑھانے کے قواعد کی تلاش کی۔ جس کے نتیجے میں قاعدہ یسرنا القرآن وجود میں آیا۔ اس قاعدے کے ذریعہ ایک بچہ تین چار ماہ میں آسانی سے قرآن پڑھنے لگتا ہے۔

جناب فیض اسماعیل صاحب پانڈوسکر نے اس کو اور آسان بنانے کے لئے یہ قاعدہ مرتب کیا ہے۔ اور اس کا نام فیض القواعد رکھا ہے جو بہت مناسب ہے۔

اس میں ایک ندرت یہ ہے کہ زیر تبصرہ ایڈیشن میں حروف تہجی کا تلفظ انگریزی اور ہندی میں بھی رکھ دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں یسرنا القرآن ہی کی طرح حروف اور اعراب شناسی کرائی گئی ہے۔ مخارج بتائے گئے ہیں۔ ادغام اور نون غنہ کے طریقے درج ہیں۔ پھر حروف کو ملانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس طرح بچہ خود آہستہ آہستہ قرآن مجید پڑھنے لگتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ ہمزہ اور جزم کے ذریعے مخرج کو پہچاننے کا جو طریقہ بتایا ہے اس میں انفرادیت پائی جاتی ہے اور قابل تعریف ہے۔

کتاب کے آخر میں پانچوں کلمے، اذان اور نماز ہے۔

غرض اس کتاب کے ذریعہ قرآن کی قرات سہل سے سہل بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ عربی مدارس کو چاہئے کہ اس کی اشاعت میں مؤلف کے ساتھ تعاون کریں۔

(سمیع اللہ)

نام کتاب :۔ تحفہ جوش

نام مصنف : جوش ادیب ۔ صفحات : ۸۰
قیمت : دس روپے
ملنے کا پتہ :۔ علی اختر آنریری بھٹریٹ
پارسی واکلی

اس کتاب میں ۶۸ نظمیں ہیں۔ ایک تو خدا کی حمد ہے۔ باقی سب نظمیں بچوں کے لئے ہیں۔ اور سبھی نصیحت آموز ہیں۔ بچے ان نظموں سے بہت محظوظ ہوں گے۔

● ● ●

گلشام جتیوری

بیت بازی

{ پچھلے مہینہ آروہی کے عنوان سے بیت بازی کا جو سلسلہ شروع کیا اس پر قدردانوں کے کئی خطوط آئے۔ البتہ عنوان بدلنے کی درخواست بھی کی گئی ہے۔ اپنے قارئین کی ہدایت کا احترام کرتے ہوئے یہ سلسلہ بیت بازی کے عنوان سے حاضرِ خدمت ہے۔ گلشام }

★

ابتدا یہ کہ فرشتوں نے مجھے سجدہ کیا
انتہا یہ کہ نکالا گیا الزام کے ساتھ

ہم کو معلوم ہے جنّت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

وعدۂ وصل تو کہتے ہو مگر سچ کہیو
دل کو اس وعدہ پہ میں شاد کروں یا نہ کروں

نہ دیکھو چشمِ نفرت سے مجھے حالِ پریشاں میں
تمہیں لے آئے اس منزل پہ مستقبل تو کیا ہوگا

آج خوشبو کی طرح یاد نہ آئے کوئی
کل مرے ساتھ گلابوں سے کئی پہر تھے

یادوں کو اپنی چھوڑ کے ہر چیز لے گیا
دل کے نگر کو لوٹنے والا ستم ظریف

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

اللہ رے احساسِ محبت کی نزاکت
جب ان کا خیال آیا تو گھبرا گئے ہیں ہم

رفیقوں سے رقیب اچھے جو جل کر نام لیتے ہیں
گلوں سے خار اچھے ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے ان کو دماغ اور جو نہ دے مجھ کو زباں اور

رفیقِ راہ تھی منزل ہر اک تلاش کے بعد
چھٹا یہ ساتھ تو رہ کی تلاش بھی نہ رہی

یہاں لباس کی قیمت ہے آدمی کی نہیں
مجھے گلاس بڑا دے شراب کم کر دے

یہ وفا کی سخت راہیں یہ تمہارے پائے نازک
نہ لو انتقام مجھ سے مرے ساتھ ساتھ چل کر

روز اک وعدہ نہ کرنا یہ نوشتہ ہو جانے
کہ مری سہو کی عادت ہے تجھے یاد رہے

یہی ہے محبت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

نیند کا ہلکا گلابی سا خمار آنکھوں میں تھا
یوں لگا جیسے وہ شب کو دیر تک سویا نہیں

مُرتّبہ: فہ بن صاد

چپلون میں مشاعرہ

۳ مارچ ۸۲ء بروز سنیچر بزم اردو چپلون کے زیر اہتمام مہاراشٹر ہائی اسکول کے ہال میں ایک عظیم الشان مشاعرہ زیر صدارت جناب شرف کمالی منعقد ہوا۔ نظامت کے فرائض جناب نظام الدین نظام نے انجام دیئے۔ اس مشاعرے میں چپلون کے مقامی شعراء کے ساتھ مہمان شعراء بدیع الزماں خاور، ارتضیٰ نشاط، شفیق عباس، عبدالاحد ساز، اعجاز ہستوی، شمیم عباس اور ڈاکٹر اقبال انجم شریک مشاعرہ تھے۔

(نامہ نگار، جعفر کھاتکی)

اورن میں جلسۂ تہنیت

سینئر سن ہائی اسکول اورن کے سابق طالب علم جناب ڈاکٹر عبدالقادر محمد صالح قریشی کی کامیابی اور ڈاکٹر نازیری حاصل کرنے کی خوشی میں مہاراشٹر اورن کی جانب سے ایک تہنیتی جلسہ ۹ مارچ ۸۸ء کو سینئر سن ہائی اسکول کے ہال میں منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت سینئرن ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر جناب معین الدین صاحب نے کی۔ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک صاحب نے جو کہ ماہنامہ نقش کوکن کے مدیر، طابع و ناشر ہیں اس جلسہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ سوسائٹی کے علاوہ ہائی اسکول کے ارکان عملہ، طلبہ و طالبات کے علاوہ شہریوں کی ایک کثیر تعداد نے اس جلسہ میں شرکت کر کے ڈاکٹر عبدالقادر قریشی نیز ان کے والد محترم کو تہنیت پیش کی۔ جلسہ میں شرکت سے قاصر چند حضرات کے روانہ کردہ تہنیت نامے بھی سامعین کو پڑھ کر سنائے گئے۔ اس کے علاوہ اورن کی چند معروف تنظیموں اور مخلص شہریوں اور احباب نے ڈاکٹر قریشی کو تحائف پیش کر کے اپنی مسرت اور خلوص کا اظہار کیا۔

انجمن تعلیم کھیڈ کی مالی امداد

صدہا سماج دشمن عناصر کی مخالفت و جھوٹے الزامات و بدپروپگنڈے کے باوجود کھیڈ شہر اور اس کے اطراف و اکناف کے مسلمانوں کی تعلیمی، تکنیکی و سماجی خدمات انجام دینے کا کام انجمن تعلیم کھیڈ پچھلے ۲۰ سالوں سے پابندی کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف نہ صرف قرب و جوار کے لوگ کرتے ہیں بلکہ حکومت مہاراشٹر کے متعدد وزیروں اور افسران نے بنفس نفیس ملاقات کر کے اسے دیکھا اور سراہا ہے۔

انجمن کی فلاحی خدمات کے نتیجہ میں عبیدہ ارین کاٹیج ہنسا اور کھیڈ نگر پریشد نے تو ہر سال اس کی مالی اعانت کی ہے۔ مگر پچھلے سال انجمن کے زیر اہتمام جاری کئے گئے سلائی کلاس کو جو حکومت کا منظور شدہ ہے۔ ... اسی قبیل سے

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ رحلت یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے۔ عدم اشاعت پر ناراض نہ ہوں بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

زیادہ کامیابی کے نتائج حاصل کرتا ہے۔ UNICEF یونیسیف نے ضلع رتناگیری کے اس واحد مسلم ادارہ کو چند سلائی مشینیں دے کر اس کی خدمات کو نوازا۔

سالِ رواں میں انجمن کی تعلیمی اور ٹکنیکل خدمات کی قدر افزائی کے طور پر نگر پریشد رتناگیری نے انجمن کے زیر اہتمام چلائے جانے والے حاجی ایس ایم مقادم ہائی اسکول کو دو ہزار پانچ سو، نیز علامہ اقبال لائبریری کو ساڑھے آٹھ سو، اسی طرح سلائی ٹریننگ اسکول کو ساڑھے آٹھ سو اور اردو کے جی پرائمری اسکول کو ایک ہزار۔ اس طرح کل پانچ ہزار دو سو روپیے کی گرانٹ دی۔ نگر پریشد کی اس علم دوستی اور کارکنان کی ہمت افزائی نے انجمن کے عہدیداروں اور اراکین میں نیا جوش اور مسرت کی لہر پیدا کی ہے۔

طرحی مشاعرہ بزم شعر و ادب کوکن (ممبئی)

بزم شعر و ادب کوکن ممبئی کا ماہانہ طرحی مشاعرہ بتاریخ ۱۲ اپریل ۱۹۸۴ء کی شب میں انجمن اسلام بجرہ، واقع گورڈن پارلمنٹ ناگپاڑہ پر منعقد ہوا۔ اس مشاعرہ کے لئے دو طرحی مصرعہ دیئے گئے تھے۔

میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

تیرا وجود ہی کافی ہے عمر بھر کے لئے

صدارت جناب ناچیز قیصری صاحب نے کی اور نظامت کے فرائض جناب شاداب رتناگیروی نے سر انجام دیئے۔ مشاعرے کے آغاز سے قبل کہنہ مشق شاعر اور منجم جناب لطفی رضوانی اور جناب عارف احمد جی کے جوان سال صاحبزادے کی وفات حسرت آیات پر اظہار غم و افسوس کیا گیا۔ اور مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

مشاعرے کا آغاز جناب خطیب شہابی (شعبۂ نشر ریڈیو) کی غزل سے ہوا۔ اس کے بعد جناب میاں مقادم، جناب واحد محسن، جناب شاداب رتناگیروی، جناب محمود الحسن ماہر، جناب صفدر رتناگیروی، جناب قیصر رتناگیروی، جناب مہر مہسلائی۔ اور جناب ناچیز قیصری نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

انتخاب مشاعرہ:-

جناب خطیب شہابی:-

مجھی کو میرے تجسس کی لاج رکھنا ہے
تری تلاش کا سودا ہے میرے سر کے لئے

جناب میاں مقادم:-

وہ زندگی کے نام سفر کیا جانے کھو گئے کدھر
وعدہ جو مجھ سے کر گئے رہنے کا میرے ساتھ میں

جناب واحد محسن:-

مہر و وفا کے واسطے دار و صلیب بن گئے
کتنے چراغ جل اٹھے ظلم و ستم کی رات میں

جناب شاداب رتناگیروی:-

شمعیں جلا کے پیار کی اخلاص کی وفاؤں کی
تم روشنی بکھیر دو آ کر میری حیات میں

جناب محمود الحسن ماہر:

کتر سکا تو نہیں میرا جذبۂ پرواز
جو بال و پر میرے صیاد نے کتر کے لئے

جناب صفدر رتناگیروی:

کون یہ ضوفشاں ہوا ظلمت شش جہات میں
کس کی ہیں جلوہ ریزیاں محفل کائنات میں

جناب قیصر رتناگیروی:-

آسودگی کا خواب بھی اس کے لئے عذاب ہے
ڈوب کے رہ گیا ہے جو بحر تفکرات میں

جناب ہیر جھیرانی

الفت کا لفظ آج کل رسوا بہت ہے دوستو!
الفت کے معنی دیکھنے بارے نہ ہوں لغات میں

جناب تاجیز تبصیر (صدر مشاعرہ) :-

تم پہ شاید تلخ گذری ہے پر اس کا کیا علاج
بات کچھ ایسی تھی جو کہنی پڑی جذبات میں

حج ہاؤس

۱۰ مارچ کو حج ہاؤس کمیٹی کی جانب سے معزز شہریوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ شہر میں قائم ہونے والی نوتعمیر حج ہاؤس کی گذشتہ ایک سال کے دوران ہونے والی تعمیراتی ترقی کا از خود جائزہ لیں۔ استقبالیہ کے پہلے حج کمیٹی کے چیرمین ایس کھنڈوانی صاحب نے اخبار نویسیوں سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ آج سے ٹھیک ایک سال پہلے ہم نے حج ہاؤس کے تعمیراتی کام کا آغاز کیا تھا اور یہ کہ ایک سال کے دوران ہم اسی بلڈنگ میں استقبالیہ دینے کے لائق ہو گئے ہیں۔ اور اگر اسی تیز رفتاری سے کام جاری رہا تو انشاء اللہ آئندہ سال ۱۰ مارچ ۸۵ء تک ۱۹ منزلہ عمارت حاجیوں کے استقبال کے لئے تیار رہے گی۔ مسٹر کھنڈوانی کے جذبات اور حج ہاؤس سے ان کا لگاؤ قابل تعریف ہے۔

حج کمیٹی کے استقبالیہ میں مرکزی وزیر مملکت برائے امور خارجہ جناب اے اے رحیم، سعودی قونصل عبداللہ الشبلی بھی موجود تھے۔

فن خطاطی پر پہلا قومی ایوارڈ

معیاری طباعت پر خوش نویسی کے ۲۴ ویں نیشنل ایوارڈ کے مقابلے میں خطاطی کے نمونے پر مسٹر انیس صدیقی کو پہلے نیشنل ایوارڈ کا حقدار قرار دیا گیا۔

مسٹر انیس صدیقی آل انڈیا ریڈیو کے پندرہ روزہ جریدہ آواز سے منسلک ہیں۔ اور اسی جریدہ کے ٹائٹل پر یہ انعام دیا گیا۔ اس موقع پر مقابلہ میں حصہ لینے والے ۴۰۰ امیدواروں میں سے ۵۹ امیدواروں کو انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ اور یہ انعامات گذشتہ دنوں وگیان بھون نئی دہلی میں صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ کے ہاتھوں تقسیم کئے گئے۔ خوش نویسی کے زمرے میں صرف دو انعامات دیئے گئے۔ جبکہ دوسرا انعام بمبئی کے مسٹر ڈی نرسی یا ڈیکر کو دیا گیا۔ تیسرے انعام کا کوئی حقدار نہ تھا۔

مسلم انڈیا کا اردو ایڈیشن

انگریزی ماہ نامہ مسلم انڈیا جو سید شہاب الدین ایم پی کی ادارت میں شائع ہو رہا ہے۔ اس نے اہل علم اور دانشور طبقہ کو بہت متاثر کیا ہے۔ اردو داں طبقہ کا بہت شدید اصرار و مطالبہ تھا کہ مسلم انڈیا کو اردو میں بھی شائع کیا جائے۔ اپریل ۸۴ء سے مسلم انڈیا کا اردو ایڈیشن آفسیٹ پر شائع ہونے جا رہا ہے۔ مسلم انڈیا محض ایک رسالہ ہی نہیں بلکہ ایک مشن بھی ہے۔

ٹول بزرگ ضلع رائے گڑھ میں اعزازی جلسہ

۲۳ مارچ کو سابق سرپنچ شری اے اے حاجتے اور ٹول بزرگ پنچایت کے نئے ممبران، ان کے اعزاز میں ایک جلسۂ عام خطے کے ہر دلعزیز رہنما شری ایچ بی مقدم کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ ہندو مسلم بیشتر تعداد میں شریک تھے۔

جلسے میں سرشری احمد نسیم جلال، نبیو گھر نگر، اقبال بھرزگ، عبدالحمید واریکر، ڈھونڈ دیا شیٹے، عبدالغفور جلال، شوکت علی جلال ان سبھوں نے سابق سرپنچ کی خدمات کو سراہا اور نئے ممبران کو مبارک باد دی۔ اور صدر کے ہاتھوں گلپوشی کی گئی۔

محمد جمیل پرکار

جواں سال محمد جمیل داؤد پرکار مشرقی افریقہ کے غالباً پہلے کوکنی مسلم پائلٹ (فضائی) ہیں۔ گو آپ کی پیدائش ممباسہ کی ہے۔ آپ کا آبائی وطن فردس تعلقہ کھیڈ رتناگری ہے۔

پرائمری اور سیکنڈری تعلیم نیروبی میں حاصل کر کے ممباسہ کے علی دینا وسرام ہائی اسکول سے کینیا سرٹیفکیٹ آف ایڈوانسڈ ایجوکیشن مکمل کیا۔ جنوری ۸۳ء میں آپ امریکہ گئے جہاں ٹیکساس کے نزبیٹ ایوی ایشن انسٹی ٹیوٹ میں پائلٹ کی ٹریننگ حاصل کی۔ آپ حال ہی میں ممباسہ واپس لوٹے ہیں۔

نامہ نگار: شیخ اسماعیل نیروبی

ڈاکٹر اقبال رومانے

مہاراشٹر اردو ہائی اسکول چپلون (رتناگری) کا طالب علم اقبال رومانے (متوطن واگھیورے) نے سنہ ۱۹۷۶ء میں S.S.C. کا امتحان پاس کیا تو اس وقت ۸۱ فیصد نمبر حاصل کئے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس نمایاں کامیابی نے روشن مستقبل کی راہیں ہموار کیں۔ پدر بزرگوار جناب قاسم عمر رومانے جو ساؤتھ افریقہ میں مقیم ہیں اپنے فرزند کو اعلیٰ تعلیم کے لئے افریقہ بلوایا۔ وہاں بھی اس ہونہار طالب علم نے اپنی ذہانت کے جوہر چمکائے۔ ۱۹۷۸ء میں انگریزی ذریعہ تعلیم کے ساؤتھ افریقہ کے اعلیٰ ثانوی مدارس میں اول نمبر پایا۔ نتیجہ میں میرٹ اسکالرشپ ملی۔ اور کیپ ٹاؤن یونیورسٹی میں میڈیکل میں داخلہ مل گیا جہاں ۱۹۸۳ء کے فائنل امتحان میں آپ نے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔ فی الوقت کمبرلی ساؤتھ افریقہ میں ہاؤس مین شپ کر رہے ہیں۔ امید کہ ۸۴ء کے اواخر میں اپنی میڈیکل پریکٹس کی شروعات کر کے مریضوں کی خدمت کے جذبۂ خلوص کے ساتھ میدانِ عمل میں آئیں گے۔ ڈاکٹر اقبال صاحب کی کامیابی پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ظہور گینتے

پچھلے مہینے مڈل سیکس جونیئر کرکٹ لیگ کی ٹیم ہندوستان کے دورے پر آئی تھی۔ جس نے ۴ فروری ۸۴ء سے ۱۷ مارچ ۸۴ء تک ہندوستان کے مختلف شہروں بالخصوص دہلی، احمد آباد، راجکوٹ، جام نگر، بڑودہ، بنگلور اور بمبئی میں دوستانہ میچ کھیل کر اپنی قابلیت کا مظاہرہ اور خیر سگالی جذبہ کو تازہ کیا۔

اس ٹیم میں جناب ظہور گینتے بھی شامل تھے جو انگلستان میں کوکن مسلم کلب کے کپتان ہیں۔ ۲۵ سالہ ظہور گینتے آل راؤنڈر کھلاڑی ہیں۔ جس قدر شاندار ان کی بلے بازی ہے اسی قدر گیند بازی میں بھی انھیں ملکہ حاصل ہے۔ پارسال اپنی ٹیم میں ان دونوں شعبوں (بیٹنگ اور بالنگ) میں اولیت حاصل کرنے کا انھیں شرف حاصل رہا۔ آپ کرکٹ کے علاوہ ٹیبل ٹینس، بیڈمنٹن اور چیس کے بھی اچھے کھلاڑی ہیں۔ آپ کا یہ پہلا دورۂ ہند تھا۔

ارشد عبدالغفور دلوی

کرکٹ کھلاڑی ۱۹ سالہ ارشد دلوی کینیا (مشرقی افریقہ)

ستمبر ۸۳ء

کے افق پر ایک ابھرتا ہوا تارا ہیں۔

حال ہی میں کینیا کے دورہ پر آئی ہوئی ہندوستانی [illegible] نیشنل کرکٹ ٹیم کے مقابلہ میں مقامی اسکولس کمبائنڈ کی ٹیم کی قیادت آپ نے کی۔ اس کے علاوہ مہمان ٹیم کے مقابلہ میں کھیلنے کے لئے آپ کو KENYA UNDER-25 X1 اور KENYA CRICKET ASSOCIATION INVITATION X1 میں بھی شامل کیا گیا۔

ان تینوں میچوں میں جواں سال ارشد نے نہایت ہی عمدہ آل راؤنڈ کھیل کا مظاہرہ کیا۔ اور آخر الذکر دو میچ جیتنے میں اپنی ٹیم کی مدد کی۔ آپ بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کے بھی چوٹی کے کھلاڑی ہیں۔

ارشد دلوی متوطن تسنگی تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگری مقیم نیروبی مشرقی افریقہ، حال ہی میں مہاراشٹر ہائر سیکنڈری تعلیم سے فارغ ہوئے ہیں اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(نامہ نگار شیخ اسماعیل)

ڈاکٹر رفیق بہاؤالدین پرکار

منی پال (بھارت) کے کستوربا میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کرکے ڈاکٹر رفیق پرکار حال ہی میں کینیا (مشرقی افریقہ) واپس لوٹے۔ اور اس طرح اپنے وطن سے دور سمندر پار بسے ہوئے جو گنے چنے ڈاکٹرز ہیں ان کی تعداد میں اضافہ کیا۔

ڈاکٹر رفیق پرکار ممباسہ کے سابق ڈپٹی میئر ایڈوکیٹ بی ڈی پرکار کے نور چشم اور نیروبی والے ڈاکٹر عبدالحمید پرکار کے بھتیجے و داماد ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے ابتدائی تعلیم [illegible] میں حاصل کی اور ثانوی تعلیم [illegible] میں مکمل کی ۱۹۷۶ء(?) میں اعلیٰ تعلیم کا خاطر [illegible] منی [illegible] ۱۹۸۳ء(?)

ہندوستان آئے۔ ہندوستان میں آپ کا آبائی وطن فرس، تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگری ہے۔ آپ اول درجہ کے تیراک اور ہاکی کے کھلاڑی ہیں۔ اور ان دونوں کھیلوں میں آپ نے اپنے اسکول اور کالج کی نمائندگی کی۔

(شیخ اسمٰعیل نیروبی)

بشیر احمد سعید مرحوم

مسٹر بشیر احمد سعید سابق جج مدراس ہائی کورٹ و بانی ساؤتھ انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ کا ۱۱ فروری ۱۹۸۲ء(?) کو انتقال ہوگیا۔ آپ ایک ماہر تعلیم تھے۔ آپ نے تعلیم کے فروغ بالخصوص تعلیم نسواں کی ترقی کے لئے بہت کام کیا اور ۱۹۵۱ء میں ساؤتھ انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ قائم کیا۔ ۱۹۵۵ء میں انھوں نے عورتوں کا ایک کالج شروع کیا۔ مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن (جنوبی ہند) کے زیر اہتمام بھی انھوں نے مدراس میں مردوں کے لئے نیو کالج کا قیام عمل میں لایا۔ آپ مذکورہ ایسوسی ایشن کے اس وقت کے جنرل سیکریٹری بھی تھے۔ اور اس عہدہ پر تقریباً ۶ سال تک متمکن رہے۔ اس ادارے کی ترقی اور فروغ کے لئے انھوں نے بڑی تعداد میں غیر ملکی اہل ثروت سے جن میں غیر ملکی سربراہانِ مملکت بھی شامل ہیں چندے وصول کئے۔ مرکزی حکومت اور ریاستی سرکاروں سے بھی اس سلسلہ میں انھیں امداد ملی۔

وہ گوناگوں خوبیوں کے حامل سرگرم عمل انسان تھے۔ ۱۹۴۹ء میں مدراس ہائی کورٹ کے جج بننے سے قبل تک سیاسی اور عوامی زندگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

انڈین نیشنل کانگریس سے ان کی وابستگی ۱۹۲۱ء سے شروع ہوئی۔ وہ مدراس ضلع کانگریس کمیٹی اور ٹمل ناڈو [illegible] کانگریس کے بالترتیب ۱۹۲۳ء اور ۱۹۳۶ء میں

محمد جمیل پرکار

جواں سال محمد جمیل داؤد پرکار مشرقی افریقہ کے غالباً پہلے کوکنی مسلم پائلٹ (فضائی) ہیں۔ گو آپ کی پیدائش ممباسہ کی ہے۔ آپ کا آبائی وطن فردوس تعلق کھیڈ رتناگری ہے۔

پرائمری اور سیکنڈری تعلیم نیروبی میں حاصل کر کے ممباسہ کے علی دینا وسرام ہائی اسکول سے کینیا سرٹیفکیٹ آف ایجوکیشن مکمل کیا۔ جنوری ۸۳ء میں آپ امریکہ گئے جہاں ٹیکساس کے سان انٹونیو ایوی ایشن انسٹی ٹیوٹ میں پائیلیٹ کی ٹریننگ حاصل کی۔ آپ حال ہی میں ممباسہ واپس لوٹے ہیں۔

نامہ نگار: شیخ اسماعیل نیروبی

ڈاکٹر اقبال رو مانے

مہاراشٹر اردو ہائی اسکول چپلون (رتناگری) کا طالب علم اقبال رو مانے (متوطن وانگھورے) نے سنہ ۱۹ء میں S.S.C. کا امتحان پاس کیا تو اس وقت ۸۱ فیصد نمبر حاصل کئے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس نمایاں کامیابی نے روشن مستقبل کی راہیں ہموار کیں۔ پدر بزرگوار جناب قاسم عمر رو مانے جو ساؤتھ افریقہ میں مقیم ہیں اپنے فرزند کو اعلیٰ تعلیم کے لئے افریقہ بلوایا۔ وہاں بھی اس ہونہار طالب علم نے اپنی ذہانت کے جوہر چمکائے۔ سنہ ۱۹۷۶ء میں انگریزی ذریعہ تعلیم کے ساؤتھ افریقہ کے اعلیٰ ثانوی مدارس میں اول نمبر پایا۔ نتیجہ میں میرٹ اسکالرشپ ملی۔ اور کیپ ٹاؤن یونیورسٹی میں میڈیکل میں داخلہ مل گیا جہاں سنہ ۱۹۸۳ء کے فائنل امتحان میں آپ نے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔ فی الوقت کمبرلی ساؤتھ افریقہ میں ہاؤس مین شپ کر رہے ہیں۔ امید کہ سنہ ۸۴ء کے اواخر میں اپنی میڈیکل پریکٹس کی شروعات کر کے مریضوں کی خدمت کے جذبۂ خلوص کے ساتھ میدانِ عمل میں آئیں گے۔ ڈاکٹر اقبال صاحب کی کامیابی پر ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

ظہور گیتے

پچھلے مہینہ مڈل سیکس جونیئر کرکٹ لیگ کی ٹیم ہندوستان کے دورے پر آئی تھی۔ جس نے ۲۴ فروری ۸۴ء سے ۱۷ مارچ ۸۴ء تک ہندوستان کے مختلف شہروں بالخصوص دہلی، احمد آباد، راجکوٹ، جام نگر، بڑودہ، بنگلور اور بمبئی میں دوستانہ میچ کھیل کر اپنی قابلیت کا مظاہرہ اور خیر سگالی جذبہ کو تازہ کیا۔

اس ٹیم میں جناب ظہور گیتے بھی شامل تھے جو انگلستان میں کوکن مسلم کلب کے کپتان ہیں۔ ۲۵ سالہ ظہور گیتے آل راؤنڈر کھلاڑی ہیں۔ جس قدر شاندار ان کی بلے بازی ہے اسی قدر گیند بازی میں بھی انھیں ملکہ حاصل ہے۔ پارسال اپنی ٹیم میں ان دونوں شعبوں (بیٹنگ اور بالنگ) میں اوّلیت حاصل کرنے کا انھیں شرف حاصل رہا۔ آپ کرکٹ کے علاوہ ٹیبل ٹینس، بیڈمنٹن اور چیس کے بھی اچھے کھلاڑی ہیں۔

آپ کا یہ پہلا دورۂ ہند تھا۔

ارشد عبد الغفور دلوی

کرکٹ کھلاڑی ۱۹ سالہ ارشد دلوی کینیا (مشرقی افریقہ)

کے افق پر ایک ابھرتا ہوا تارا ہیں۔

حال ہی میں کینیا کے دورہ پر آنے والی بنگلہ دیش کی نیشنل کرکٹ ٹیم کے مقابلہ میں مقامی اسکولس کمبائنڈ کی ٹیم کی قیادت آپ نے کی۔ اس کے علاوہ مہمان ٹیم کے مقابلہ میں کھیلنے کے لئے آپ کو KENYA UNDER-25 ×1 KENYA CRICKET ASSOCIATION اور INVITATION ×1 میں بھی شامل کیا گیا۔

ان تینوں میچوں میں جواں سال ارشد نے شہابیت ہی کا عمدہ آل راؤنڈ کھیل کا مظاہرہ کیا۔ اور آخرالذکر دو میچ جیتنے میں اپنی ٹیم کی مدد کی۔ آپ بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کے بھی چوٹی کے کھلاڑی ہیں۔

ارشد دلوی متوطن تسنگی تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگری مقیم نیروبی مشرقی افریقہ؛ حال ہی میں مہاراشٹر ہائر سیکنڈری تعلیم سے فارغ ہوئے ہیں اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(نامہ نگار شیخ اسماعیل)

ڈاکٹر رفیق بہاؤالدین پرکار

منی پال (بھارت) کے کستوربا میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کرکے ڈاکٹر رفیق پرکار حال ہی میں کینیا (مشرقی افریقہ) واپس لوٹے۔ اور اس طرح اپنے وطن سے دور سمندر پار بسے ہوئے جو گنے چنے ڈاکٹرز ہیں ان کی تعداد میں اضافہ کیا۔

ڈاکٹر رفیق پرکار ممباسہ کے سابق ڈپٹی میئر ایڈوکیٹ بی ٹی پرکار کے نورِ چشم اور نیروبی والے ڈاکٹر عبدالحمید پرکار کے بھتیجے و داماد ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے ابتدائی تعلیم [illegible] میں حاصل کی اور ثانوی تعلیم اپنے چچا کے [illegible] نیروبی میں مکمل کی۔ ۱۹۷۶ء میں اعلیٰ تعلیم کی خاطر [illegible] ۱۹۸۲ء

ہندوستان آئے۔ ہندوستان میں آپ کا آبائی وطن فرنس تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگری ہے۔ آپ اول درجہ کے تیراک اور ہاکی کے کھلاڑی ہیں۔ اور ان دونوں کھیلوں میں آپ نے اپنے اسکول اور کالج کی نمائندگی کی۔

(شیخ اسمٰعیل نیروبی)

بشیر احمد سعید مرحوم

مسٹر بشیر احمد سعید سابق جج مدراس ہائی کورٹ و بانی ساؤتھ انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ کا ۱۱ فروری ۱۹۸۴ء کو انتقال ہوگیا۔ آپ ایک ماہر تعلیم تھے۔ آپ نے تعلیم کے فروغ بالخصوص تعلیم نسواں کی ترقی کے لئے بہت کام کیا۔ اور ۱۹۵۱ء میں ساؤتھ انڈیا ایجوکیشن ٹرسٹ قائم کیا۔ ۱۹۵۵ء میں انھوں نے عورتوں کا ایک کالج شروع کیا۔ مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن (جنوبی ہند) کے زیر اہتمام بھی انھوں نے مدراس میں مردوں کے لئے نیو کالج کا قیام عمل میں لایا۔ آپ مذکورہ ایسوسی ایشن کے اس وقت کے جنرل سکریٹری بھی تھے۔ اور اس عہدہ پر تقریباً ۶ سال تک متمکن رہے۔ اس ادارے کی ترقی اور فروغ کے لئے انھوں نے بڑی تعداد میں غیر ملکی اہلِ ثروت سے جن میں غیر ملکی سربراہانِ مملکت بھی شامل ہیں چندے وصول کیے۔ مرکزی حکومت اور ریاستی سرکاروں سے بھی اس سلسلہ میں انھیں امداد ملی۔

وہ گوناگوں خوبیوں کے حامل سرگرم عمل انسان تھے۔ وہ ۱۹۴۹ء میں مدراس ہائی کورٹ کے جج بننے سے قبل تک سیاسی اور عوامی زندگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

انڈین نیشنل کانگریس سے ان کی وابستگی ۱۹۲۱ء سے شروع ہوئی۔ وہ مدراس ضلع کانگریس کمیٹی اور تمل ناڈو [illegible] کانگریس کے بالترتیب ۱۹۲۳ء اور ۱۹۳۶ء میں

سکریٹری اور تقریباً ۱۲ سال تک آل انڈیا کانگریس
کمیٹی کے رکن رہے۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں انڈین نیشنل کانگریس
کے مدراس اجلاس کے انعقاد کے سلسلہ میں انھوں نے
سرگرم حصہ لیا۔ وہ ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۶ء کے درمیان مدراس
قانون ساز یہ کے ممبر بھی تھے۔ وہ ۵۵ سال تک مدراس
کارپوریشن کونسل کے رکن بھی رہے۔

مرحوم نے دو دہائیوں تک مدراس اور انامل
یونیورسٹیوں کے سنڈیکیٹ اور دیگر شعبوں کو اپنی
خدمات سے ترقی دی۔ علاوہ ازیں وہ متعدد بار علی گڑھ
مسلم یونیورسٹی کے بھی ممبر منتخب ہوئے۔ وہ سنہ ۱۹۶۶ء میں
جموں وکشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے
لیکن گھریلو معاملات کے سبب انھوں نے اس عہدہ
کو چھوڑ دیا۔

انجمن حمایت اسلام کے صدر کی حیثیت سے سعید صاحب
کو اپنے مذکورہ زنانہ کالج کے انتظام و انصرام کے سلسلہ
میں بڑی دشواریاں اٹھانی پڑیں۔ بسا اوقات انھیں ریاستی
حکومت سے صف آرائی کرنی پڑی کیونکہ انھیں ریاستی
حکومت کی مداخلت گوارا نہیں تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے
محبوب ادارے کو آزادانہ طور پر چلانے کے لئے حکومت
کی جانب سے امداد و گرانٹ کو بھی ٹھکراتے رہے۔

سعید صاحب ۸۴ سال کی عمر میں اس دار فانی سے
رخصت ہوئے۔ ان کے پس ماندگان میں بیوی بیگم فاطمہ اختر
دو بیٹیاں اور چار بیٹے ہیں۔

(بشکریہ مسلم انڈیا اردو - اپریل ۸۲ء)

دلوائی صاحب کو مبارک باد

جناب حسین دلوائی صاحب جن کا تعلق کھیڈ ضلع رتناگری
کے پس ماندہ علاقہ سے ہے۔ وہ مہاراشٹر کے وزیر بھی رہ چکے ہیں۔
اور جن کا رشتہ کوکن کے اکثر و بیشتر تعلیمی و سماجی اداروں سے
ہے۔ وہ ہمیشہ سماجی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ حکومت
ہند نے ان کو راجیہ سبھا کے لئے چن کر ان کے کام کو نوازا ہے
جس کے لئے حکومت ہند قابل تحسین ہے۔ ہم تمام کوکن کے
عوام کی طرف سے حکومت ہند اور جناب دلوائی صاحب کو
مبارک باد دیتے ہیں۔

مراٹھی غزلوں کا مجموعہ

مہاراشٹر راجیہ ساہتیہ سنسکرتی منڈل نے
مشہور شاعر بدیع الزماں خاور کی مراٹھی غزلوں کے
اولین مجموعہ غزلانت رنگ مانجھا (غزلوں میں رنگ
بھرا) کے مسودے کو اشاعت کے لئے مالی امداد کا مستحق
قرار دیا ہے۔ اور اب یہ مسودہ طباعت کے مرحلے میں ہے۔
امید ہے کہ موصوف کا یہ اولین مراٹھی مجموعۂ کلام جلد ہی
منظر عام پر آجائے گا۔ اور مہاراشٹر کے ادبی و شعری
حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

رتناگری ضلع میں آٹومیٹک ایکسچینج

آٹومیٹک ٹیلی فون ایکسچینج رتناگری ضلع کے
ہیڈ آفس پر سنگاڑا اور ہرنے کھیڈ مقامات پر کھولے گئے۔ گوہاگر
تعلقے کے ہیڈ آفس ایکسچینج میں ۵۰ لائنیں ہیں۔ جب کہ
رتناگری تعلقہ کے دو ایکسچینجوں میں ۲۵، ۲۵ لائنیں ہیں۔

تصحیح

پچھلے شمارہ (اپریل ۸۲ء) میں ماڈرن اردو ہائی اسکول
کونڈیورا کی رپورٹ میں سہواً جناب شوکت علی محمد کاپڑے
(ساورڈے) کا نام لکھنے سے رہ گیا تھا۔ صاحب موصوف
نے مبلغ پندرہ سو روپے اسکول کے لئے عطیہ دیا۔

نقشِ نواز

نقشِ کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست شائع کرنے سے نہ صرف آپ قوم وادب کے خیرخواہوں سے واقف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے:

لائف ممبر:-

جناب رکن الدین تانبے — بمبئی ۹
" وسیم خان شہاب الدین خان — توڑیل
" خلیل عبداللہ دلوی — سکھرولی
اردو اسکول ممبک تعلقہ کھیڑ
جناب منشی معین الدین گورکھپوری — بمبئی ۸
" قاضی فراز احمد — بمبئی ۱۰
" عبداللہ جعفر شیخانی — جنجیرہ مروڈ
محترمہ ساجدہ سنبل خانی — شری وردھن
جناب عبدالحمید محمد شریف ریلیکر — جوئی

بیرونِ ہند سالانہ خریدار

جناب محی الدین علی زمانے — بحرین
جناب عبداللہ اسماعیل کمنکے — بحرین
جناب بدرالدین احمد — کویت
جناب مختار احمد — کویت
جناب نور ابراہیم بڑے — بحرین

جناب داؤد ابراہیم زمانے — بحرین
جناب نذیر عبدالمنان — کویت
" ناظم الدین نذیر — کویت
" شریف — کویت
" عبداللطیف سید — کویت
" اقبال حاجی حسین — کویت
" عبدالحفیظ اے جی کے — کویت
" جعفر خان — آسٹریلیا
" عثمان خان لطیف خان — بحرین
" شہاب الدین خان محمد علی خان — بحرین
" ریاض اے دیش مکھ — بحرین
" خلیل عبداللہ دلوی — بحرین
" محمد شیخ احمد پرکار — بحرین
" قاسم پرکار — کیپ ٹاؤن
" عبداللہ عباس زلوں — بحرین
" عبدالحمید محمد شریف کربیلکر — بحرین
" اقبال ابراہیم دلوی — بحرین

(جاری)

نام	مقام
جناب احمد داؤد دیسلے	بحرین
" ایس۔ اے داؤد	ابوظہبی
" قاضی شہاب الدین	دوحہ قطر
محترمہ مریم رحمت دلوی	لندن

سالانہ خریدار:۔

نام	مقام
محترمہ ثمری چراغ نظیر	مہیندری
" شائستہ ناظم نظیر	مہیندری
" شائستہ بشیر نظیر	مہندری
جناب حاجی زین الدین شیخ محمد پرکار	فردوس
" ٹاوجے ہوسٹل	بمبئی ۳
" عبدالغفور کالو کھے	شریوردھن
محترمہ اکبری بشیر احمد قیسلے	مہاڈ
" اجمیری بیکری	مہاڈ
جناب داؤد حاجی حسین کرجیکر	مانجرونا
" ایم یو مقری صاحب	بمبئی ۲۰
دی ماڈل انگلش اسکول	سیلطوڑہ
جناب احمد یٰسین زودوکے	ممبکہ
" جمال الدین نورالدین پرکار	فردوس
" شریف الدین محمد قاسم پرکار	فردوس
" ظہیر عثمان ابراہیم پرکار	ساکھرول
محترمہ زینب رد شان خان	پنہالکہ
جناب نوشاد عبدالستار مالونکر	نگڑی
محترمہ خدیجہ بی عبدالغفور قاضی	پنہالہ
جناب سمیر اسحاق پرکار	ساکھرول

نام	مقام
جناب سید عبدالستار حسین	بمبئی ۱۲
" داؤد محمد اسحاق صدیقی	راجپوری
محترمہ زہرہ فیض انور	مالونی بمبئی ۹۵
" رخسانہ ابراہیم برڈے	گھروڈی بمبئی ۹
جناب ہاشم علی برڈے	پنگاری
" مشرف الدین احمد انعامدار	پنگاری
" حاجی محمود عبداللہ کھوت	پیسلون
" حسن ابراہیم زیسانی	کساڑ
" علی حسن زمانے	ایرتوڑیل
" عمران رفیق احمد کنکے	امبیت
محترمہ شمیم محمد علی کارنگر	کنجلولی
اردو اسکول کنجلولی بزرگ	تعلقہ مہاڈ
جناب موسیٰ عمر جوگیکر	کھامگاؤں
" فضل محمود عمر خان دیشمکھ	ایرتوڑیل
محترمہ فاطمہ عمر خان دیشمکھ	ایرتوڑیل
جناب عمر حسین دعنشے	مورب
" علی جمال الدین پرکار	ساکھرول
" قیوم نظیر واگلاک	تامہانے مجگاؤں
" یوسف خان ابراہیم خان	ایرتوڑیل
" شبیر خان فیروز خان دیشمکھ	ایرتوڑیل
محترمہ صفا عبداللہ بہرک	پرارہ
جناب عمران خان جمعیت خان دیشمکھ	کھیٹل
" عبدالرحمن عبدالغفور مالونکر	نگڑی
محترمہ گلنار عبدالرحمن ڈادرے	امبیت
" نسیم بانو عبدالرؤف مقدم	مانڈیولی
" عابدہ بی عبدالعزیز خان سرگروہ	گھاٹکوپر

نام	مقام
جناب اسماعیل کے پاؤسکر	بمبئی ۱۰
محترمہ قمر النساء شفیع پاؤسکر	بمبئی ۱۰
" نسرین احمد قاضی	بمبئی ۸
جناب شیخ حسین وزیر مجگاؤنکر	کیلیاں
" مشتاق حسن مقدم	ماندیولی
محترمہ خدیجہ اسماعیل	ٹیمپالہ
" شمشاد بدرالدین دلوی	بابرپاڑا
" شہناز عبدالرحمٰن بورونڈکر	بورونڈی
جناب شاہد اقبال داہیملکر	باغمانڈلہ
" علی محمد عبدالغفور دادرکر	اگردانڈا
محترمہ شبانہ عبدالغفور ہرگے	بورونڈی
" گلزار شیخ حسین	چتور آندھراپردیش
جناب احمد خان محمد علی خان دیشمکھ	تھانہ
" محمد بشیر احمد خان	دکھرولی
" شمس الدین رکن الدین چپلونکر	ساکھرولی
" اخلاق قاسم انوری	ماکجری
" خالد شیر قادری	ماجوری
" فضل کریم ایم آئی پوتریک	دکھرولی
" کے۔ کے زلیتھو	کالی کٹ
جناب عباس لالامیاں انعامدار	پنگاری
" یونس محمد صالح انعامدار	پنگاری
محترمہ نوریہ سیف الدین بڑے	لوٹماندلہ
جناب فیض نور بڑے	لوٹماندلہ
" تعظیم ستار سوئڑے	اورن
" اسلم عبدالقادر انتولے	دکھرولی
" اسماعیل عبدالرحمٰن فرفرے	جسویلی
محترمہ فریدہ بی عبداللہ اجریکر	ویلدور
" زیب النساء ابراہیم سروے	گھاٹے کوٹ
" کریمہ حنیف بڑے	دھامندیوی
" رضیہ بی حنیف بڑے	پنگاری
جناب اختر عبدالکریم بڑے	بمبئی ۸
" آدم فتو ملا	دیٹھ
" محمد امام مومن	تاسگاؤں
محترمہ حشمت بی یونس ملا	بمبئی ۴
جناب نوشاد عزیز قاضی	لونشی
محترمہ مہر النساء علیخان دیشمکھ	ایرتوڑیل
جناب حمزہ خان علی خان دیشمکھ	ایرتوڑیل

بانکوٹ سرپنچ کا انتخاب

مقامی بزرگوں کی مفاہمت سے قصبہ بانکوٹ کے گرام پنچایت الیکشن کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اور آپسی صلح مشورے سے اراکین گرام پنچایت چن لئے گئے۔ البتہ اس کے بعد سرپنچ کے انتخاب میں اختلاف الرائے تھا لیکن اس پر بھی بڑی دوراندیشی سے جمہور حاصل کر کے سابق سرپنچ جناب محمد عمر حمدونکر کو دوبارہ سرپنچ منتخب کیا گیا۔ اس موقع پر حمدونکر صاحب کے دوستوں اور حمایتیوں نے ایک شاندار جلوس اور قوالی کا اہتمام کر کے جشن مسرت منایا ہم الفلاح اس شاندار کامیابی پر دلی مبارکباد اور اپنی آئندہ سرپنچی کی میعاد بحسن و خوبی انجام دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔

مئی ۸۲ء

داپولی میں جلسہ

داپولی میں ۱۸ اپریل ۸۲ء کو جناب سید حسام الدین قادری کی زیر سرپرستی دینی جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا ظہیر احمد رضا صاحب اور قاری محمد حنیف صاحب نے خطاب کیا۔ نظامت کے فرائض عثمان قاضی نے انجام دیئے اور ڈاکٹر ابراہیم دلوی نے شکریہ ادا کیا۔ جلسے میں ہمارے چیف دت کا ستہ بھیڈیا اور فرودس و مضافات کے علاقے سے کثیر لوگ شریک ہوئے۔

داپھول ایجوکیشنل سوسائٹی

گذشتہ سال داپھول اردو ہائی اسکول کی شاندار کامیابی (ایس ایس سی سو فیصد رزلٹ) کی خوشی میں داپھول ایجوکیشنل سوسائٹی کی جانب سے اسکول کے جملہ اسٹاف کو تحائف پیش کئے گئے۔ اس موقع پر ایک جلسہ کا انعقاد کیا گیا۔ صدارت جناب عثمان عبداللہ بیگی صاحب نے کی اور ان ہی کے ہاتھوں سے جملہ اسٹاف کو تحائف پیش کئے گئے۔

جن تین بچوں نے ۷۰ فیصد اور اس سے زیادہ نمبر حاصل کئے سوسائٹی نے انھیں بھی مناسب انعام سے نوازا۔ اور ان کی ہمت افزائی کی۔ اس جلسہ میں سالانہ کھیلوں میں اول، دوم اور سوم آنے والے طلبہ کو بھی انعامات دئے گئے۔

ایمپلائمنٹ انفارمیشن

آل انڈیا یونس مسلم اکنامک اپ لفٹمنٹ کے زیر اہتمام ایمپلائمنٹ انفارمیشن سینٹر مزید دو جگہ کھولے جا رہے ہیں — (۱) بیکو نرسے، وزیر بلڈنگ ابراہیم رحمت اللہ روڈ، بمبئی ۳ (وزیر ریسٹورنٹ)،

وقت: ۱۱ بجے دن سے ۶ بجے شام۔

۲۔ نیشنل انگلش اسکول بہرام نگر۔ باندرہ۔

وقت: ۲ بجے دن سے ۸ بجے رات

بیروزگاروں سے درخواست ہے کہ وہ اپنا نام فوراً رجسٹرڈ کروائیں۔ اور روزگار حاصل کریں۔

(اسلم نسیکر۔ کرلا)

★ ★
★

شادی خانہ آبادی

★ کوکن بینک کے ڈائریکٹر جناب سید عبدالستار العیدروس کے فرزند زاہد کی شادی جناب یوسف اسماعیل اوبارے کی دختر مسرت کے ساتھ ۳۱ مارچ ۸۴ء کو بیگ محمد باغ میں انجام پائی۔

★ مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری اور ایم پی جناب غلام محمود بنات والا کی بھتیجی ساجدہ کا عقد مقصود شبیر فرزند عبداللطیف چکھو والا کے ساتھ صابو صدیق گراؤنڈ پر بہت تزک و احتشام انجام پایا۔

★ ادارۂ نقش کوکن کے سرپرست جناب یعقوب جوئیکر (حالی قشیری) کے بھتیجے عبدالرحمٰن کی شادی فرحت بنت جعفر بھاٹکر کے ساتھ اور بھتیجی نعیمہ کی شادی یوسف ابن سید احمد بخاری کے ساتھ ان کے نہال کرمیں ۲۲ اپریل ۸۴ء کو بحسن و خوبی انجام پائی۔

★ کوکن کے سیاسی و سماجی رہنما جناب حسین خان صاحب دلوائی کے بھانجے عبداللہ ابن عمر دلوائی کی شادی مرحوم عبدالرزاق کاسکر کی دختر نسیم کے ساتھ ۱۵ اپریل ۸۴ء کو لطیفی ہال بمبئی میں انجام پائی۔

انجمن اتحاد المستقیم داپھول (رجسٹرڈ)

ادارہ ہذا آٹھ سال سے داپھول میں عوامی خدمات انجام دے رہا ہے۔ سب سے پہلے جامع مسجد داپھول میں وضو کا پانی بذریعہ پمپ (۹۰۰ فٹ کی دوری سے) فراہم کیا۔ ضرورت مند طلبہ و طالبات کو پانچ سال سے کتابیں و کاپیاں تقسیم کر رہا ہے۔ اور قرآنی اسلامی لائبریری قائم ہے۔

★

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

★ مجگاؤں کے مشہور سماجی کارکن اور ادارہ نقش کوکن کے ہمدرد و معاون جناب عباس پٹیل (پروپرائٹر پٹیل اینڈ کمپنی) کی والدہ محترمہ مریم بی زوجہ حاجی حسین پٹیل کا ۱۱ اپریل ۱۹۸۳ء کو بعمر ۷۵ سال انتقال ہوگیا۔

★ حج کمیٹی کے سپرنٹنڈنٹ اکاؤنٹنٹ جناب اشرف خان صاحب کے برادر حقیقی جناب شبیر خان صاحب کا امریکہ میں انتقال ہوگیا۔

★ جناب حاجی علی آدم انوارے (متوطن داسگاؤں ضلع رائے گڈھ) ۹ اپریل ۱۹۸۳ء کو لسوتھو جنوبی افریقہ میں رحلت فرماگئے۔ مرحوم علاج کے سلسلہ میں بمبئی آئے تھے۔ اور شفایاب ہوکر افریقہ لوٹے تھے۔ وہاں جاکر عمر نے وفا نہ کی۔

★ جناب محمود قاسم شمس الدین پرکار متوطن کالستہ دیرینہ علالت کے بعد تاریخ ۲۹ مارچ ۸۳ء کو راہی عدم ہوگئے۔

★ جناب عبدالکریم حاجی شمس الدین مقدم متوطن کھیڈ ۳۰ مارچ ۸۳ء کو انتقال کر گئے۔

★ جناب حسین ابراہیم مقدم (المعروف کاکا حسین) متوطن کرزہ داپولی کا ۱۹ اپریل کو بمبئی کے جے جے ہسپتال میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم کاکا حسین، قبلہ سید حسام الدین صاحب فاروقی کے برادر نسبتی تھے۔ اور اپنے خلوص اور ہمدردانہ سلوک کی وجہ سے سماج کے تمام طبقوں میں یکساں مقبولیت رکھتے تھے۔

★ جناب حاتم کیفی بیدائی کی ہمشیرہ ملکہ بی گلزار خان ۳ مارچ ۸۳ء کو بعمر ۳۵ انتقال کر گئیں۔

★ بمبئی میں ادبی حلقہ کی جانی مانی شخصیت اور رسول اللہ ہائی اسکول کے پرنسپل جناب یعقوب راہی کے پدر بزرگوار جناب محمد اسحاق چلوان ان کے وطن سائی تعشہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ میں ۲۰ اپریل ۸۴ء کو انتقال کر گئے۔

★ وڈالا بمبئی کے سابق میونسپل کونسلر، مشہور شاعر اور شیخ مصری درگاہ کے مجاور جناب عارف احمد جی کے جواں سال فرزند آصف احمد جی کا ۱۴ اپریل ۸۳ء کو کے ای ایم اسپتال میں بعمر ۱۸ سال انتقال ہوگیا۔

★ کوکھا کے معروف شاعر، سماجی کارکن اور شیو سینا کے سابق سربراہ نور کوکنی (محمد عمر پرکار) مقیم کھیڈ کے خسر جناب علی خان دریا خان مہاڈیک کا ۱۰ اپریل ۸۴ء کو انتقال ہوگیا۔

★ محترمہ حوا بی محمود چپائیل متوطن بالاپور تعلقہ شریوردھن ضلع رائے گڑھ ۱۱ اپریل ۸۴ء کو انتقال کر گئیں۔

★ انجمن اسلام جنجیرہ کے بمبئی حلقہ کے سرگرم کارکن اور مشہور ڈاکٹر جناب ضمیر الدین خطیب کے خسر اور رحیم پورہ ضلع حقانہ کی مشہور شخصیت حاجی جناب معین الدین فقیہ طویل علالت کے بعد ۳ اپریل ۸۴ء کو راہی عدم ہوگئے۔

★ ادارہ نقش کوکن کے ہمدرد امتیاز کپاڈیا کے ماموں فاروق پانی والے جوگیشوری، اسی طرح اسماعیل بیگ محمد خان، ہسول بمبئی کے ٹرسٹی میمن بنک کے ڈائریکٹر اور شہر بمبئی کی ایک سربرآوردہ شخصیت جناب ابراہیم چپاوالا کا ۱۳ اپریل ۸۴ء کو حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔

★ بھیونڈی میونسپلٹی کے چیف میڈیکل افسر سرجن ڈاکٹر عبدالعزیز کا ۱۸ مارچ ۸۴ء کو حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا۔

★ سابق سیلس ٹیکس کمشنر اور مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے سکریٹری جناب خواجہ عبدالغفور صاحب ۲۶ اپریل ۸۴ء کو انتقال کر گئے۔

آخری صفحہ

اِن دو مساوات کے درمیان جو خلا ہے ـــــ اُسے آپ پڑھ سکتے ہیں۔
اِس لئے کہ اس میں داستان لکھی ہوئی ہے ہماری بے حسی کی، ہماری بے عملی کی، ہماری دنیا اور زندگی بیزاری کی
ہماری ایمان فروشی کی، اور ہماری نفس پرستی کی۔

۳۱۳ مسلمان > ۱۰۰۰ کافروں سے
(زیادہ) تھے

۹۰ کروڑ مسلمان < ۳۵ لاکھ اسرائیلیوں سے
(کم) ہیں

مبارک کاپڑی

Licensed to post without pre-payment Mandvi Bombay. Licence No. 8

Printed at AJMAL PRESS Bombay-3 & Published from 44 Jail Road (East), Bombay-9 DR A M NAIK M B B S

JUNE 1984

Rs. 2-50

न क शे
कोकण

23RD
YEAR OF PUBLICATION

NAQSHE KOKAN MONTHLY

نقش کوکن

Late Shri Lutfi Rizwani — Late Shri Ibrahim Chunawala

(SEE PAGE Nos 21 TO 23)

Dr Nazir I. Juvale
D M, M D, F N A M.S
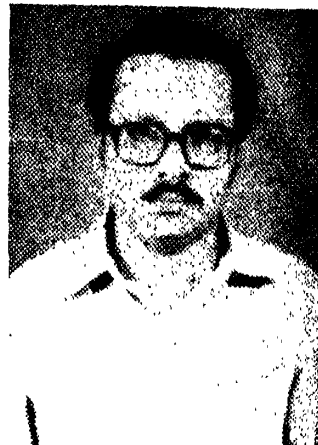
Usman Panchi
B.A.LL B.

(SEE PAGE No. 39)

Sufi Bankoti Memorial Silver Cup

قائم شدہ :- ۱۹۶۲ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انڈین لنگویج نیوز پیپرز ایسوسی ایشن بمبئی

جلد ۲۳ / جون ۱۹۸۴ء / شمارہ ۶

قیمت فی پرچہ : ۲½ روپے
سالانہ خریداری : ۲۵ روپے
تاعمر خریداری : ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ : ۱۵۰/۱۰۰ روپے
" " تاعمر : ۱۲۵۰ روپے

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر : ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر : ایس ابراہیم قیصر

مقام طباعت :- اجمل پریس بمبئی ۳
مقام اشاعت :- ۲۲ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

ملکیت :- نقش کوکن پبلی کیشنز ٹرسٹ (E 3006)

فون : 865384/861572/869974

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ :
۲۲ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

تمام متنازعہ امور میں حق سماعت عدالت ہائے بمبئی کو ہوگا

تاریخ اشاعت : یکم جون ۱۹۸۴ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

اِس ماہ کے نقوش

★ هَلْ يَأذَنُ الإنفَاقُ عَلَانِيَةً أَوْ سِرًّا
خیرات کھلی کرنی چاہیے یا چھپی؟

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

پ ۳ البقرہ

(لوگو!) خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا۔ (کہ اس سے خیرات کے علاوہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہے) اور اگر اس کو چھپا کر اور حاجت مندوں کو دو کہ یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہے (کہ اس میں نام و نمود کا دخل نہیں ہونے پاتا) اور (اللہ اس سے) تمھارے بعض گناہ معاف کر دے گا اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

★ مَاذَا يُقْبَلُ مِنَ النَّفَقَاتِ
کیا چیزیں خیرات میں قبول ہوں گی؟

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

پ ۴ آل عمران

(لوگو!) جب تک (خدا کی راہ میں) ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو گے جو تم کو عزیز ہیں نیکی (کے درجہ) کو ہرگز نہ پہونچ سکو گے اور کوئی چیز بھی خرچ کرو اللہ اس کو جانتا ہے۔

یہ خصوصی پیشکش جناب ای۔ ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

پہلا صفحہ

قلم میں تاب نہیں ہے جو یہ خونی داستان تحریر کرے ——.

وہ الفاظ نہیں ملتے جو انسان کے درندہ بننے کے واقعات بیان کریں ——. ایک فیصلہ، ایک سزا، جو اس ملک کے اُن انسانوں کو دی جا رہی ہے جو ایک عظیم انسان (محمدؐ) کے پیروکار ہیں ——. وہ سزا جو اسپین، فلپائن یا ترکی کی تاریخ میں بھی کہیں نہیں ملتی ——.

پچھلے پندرہ دنوں سے ہندوستان کے سارے اخبارات کی سرخیاں، خبریں اور اداریے مسلمانوں کے خون سے لکھے جا رہے ہیں ——. ہر طرف خونی سماں ہے ——. ہندو راشٹر والوں کے ہاتھ ایک بار پھر مسلمانوں کے خون سے رنگے گئے ہیں ——. اس بار یہ داغ ہاتھوں سے چھوٹتے دکھائی نہیں پڑتے ——.

۲۱ اپریل ۸۴ء ——.

ہندو راشٹر کا خواب دیکھنے والے احمقوں کا مہا سنگھ چوپاٹی پہ جمع ہوا ——. سنگھ کے سرغنہ بال ٹھاکرے نے تقریر شروع کی ——. "مسلمان ہندوستان کے لئے کینسر ہیں۔ ان کو جڑ سے ختم کرنا چاہئے، اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، اگر مجھے ایک دن کے لئے مہاراشٹر کا وزیر اعلیٰ بنا دیا جائے تو میں تمام مسلمانوں کا قتل عام کرا دوں گا، پولیس کو دراصل ہماری مدد کرنی چاہئے۔ پولیس والے یہ نہ بھولیں کہ وہ بھی ہندو ہیں ——. یہ تقریر ہزاروں نے سُنی اور جسے میں نے مراٹھی اخبار "نواکال" میں تفصیل کے ساتھ پڑھی ——.

۳ مئی ۸۴ء ——.

۱۴ سال کے وقفے کے بعد بھیونڈی میں شیو جینتی کا جلوس نکلا ——. باوجود احتیاط کے مسلم دشمن نعرے لگے، اور آخر میں غنڈوں کی تنظیم کے ادھیکش بال ٹھاکرے، مہا پچھود کرم ساہ کرا اور سر جینس برہمچاری نے اپنی زہریلی تقریروں سے خطاب کیا ——. (میرے خیال سے فساد کی پوری تیاری اُسی وقت ہو چکی تھی، البتہ آئندہ بھی شیو جینتی کا جلوس نکلنے کی اجازت ملنے کی خاطر یہ فساد آئندہ کسی موقع کے لئے رکھا گیا) ——.

۷ مئی ۸۴ء ——. پونہ کے ایک مراٹھی اخبار "سوبت" نے "مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے کا کوئی حق نہیں" کے عنوان سے ایک زہریلا مضمون شائع کیا ——.

۱۱ مئی ۸۴ء ——. پربھنی میں "سوبت" کے مضمون کے خلاف کانگریسی ایم ایل اے عبدالرحمٰن خان (ایک اور عبدالرحمٰن!) کی قیادت میں جلوس نکلا جس میں کہتے ہیں کہ بال ٹھاکرے کی تصویر پر جوتوں کا ہار پہنایا گیا ——!

۱۶ مئی ۸۴ء ——. پربھنی کے واقعہ کے ردعمل میں شیو سینکوں نے بمبئی کے مختلف علاقے بند کرانے شروع کئے۔ ساری دکانیں، سارے بازار ہاتھ میں لے کر توڑ پھوڑ کرتے ہوئے بند کئے گئے ——. بمبئی کی ساری سڑکوں سے پولیس اس طرح غائب تھی جیسے پولیس نام کی کوئی چیز ہی نہ رہی ہو اس شہر میں! ——. وسنت دادا پاٹل کے چہرے کا پہلا

نقاب اتر گیا ــــ سارے شہریوں نے آنے والے طوفان کو محسوس کیا ــــ۔

۱۷ مئی ۱۹۸۴ء ــــ

وہ قیامت خیز رات جو مسلمانوں پر قہر بن کر ٹوٹی ــــ۔ شیوسینا اور ہندو راشٹر کی مشنری حرکت میں آگئی اور بھیونڈی میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا آغاز ہوا ــــ۔

۱۸ مئی ــــ۔ بھیونڈی میں ہر طرف "آتنک" پھیل گیا، مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر مارا جانے لگا، بھاری پیمانے پر اسلحہ جمع ہو گیا ــــ۔

اور ــــ۔

اُسی دن بمبئی کے ماتھے پر بھی کلنک لگ گیا ــــ۔ فرقہ وارانہ فساد کا کلنک ــــ۔ آزادیٔ ہند کے بعد سے آج تک اس کاسموپالیٹن شہر پر یہ دھبّہ کبھی نہیں لگا تھا ــــ۔ سبھی انسان چاہے ہندو ہوں، مسلمان، سکھ یا عیسائی ہمیشہ بھائی چارگی سے رہتے آئے ہیں، اس شہر کی بھائی چارگی اتنی ہی پرانی ہے جتنا دادر کا پُل یا وی ٹی اسٹیشن، یا بائبل ناتھ کا مندر یا ماہم کی درگاہ یا سینٹ میری چرچ یا گھوڑا پارسی یا مہالکشمی، یا سیتا پھل واڑی یا جامع مسجد۔ جس شہر نے چاہے وہ ہندو ہو، مسلمان ہو، سکھ ہو، بدھ ہو، عیسائی ہو، گجراتی ہو، پنجابی ہو یا مدراسی ہو ہر کسی کو اپنی آغوش میں جگہ دی، وہ شہر جو ہر ایک کے لئے ماں کے برابر ہے ــــ۔ اس شہر کی عزت و ناموس پر داغ لگا دیا گیا۔ اس کی آبرو ہم سبھوں کے سامنے لوٹی گئی ــــ۔

۱۸ مئی کو کمالی پورہ کی مسجد پر حملہ ہوا ــــ۔ اسی دن سینکڑوں کی تعداد میں شیوسینک بھیونڈی میں جناب ابراہیم انصاری کے بنگلے اور باغ میں پناہ گزیں مسلمانوں کو نشانہ بنانے کے لئے جیپ گاڑیوں میں چکر لگاتے رہے ــــ۔ مسٹر انصاری نے تھانے پولیس کمشنر کو پانچ مرتبہ فون کر کے حالات سے واقف کیا، پولیس کمشنر نے جواب دیا: ہمیں پورے شہر پر نظر رکھنی ہے صرف آپ کے گھر کی حفاظت نہیں کرنی ہے ــــ۔ اور سینکڑوں انسان اس انصاری باغ میں موت و زندگی کی کش مکش میں رہے۔

اُسی دن گوونڈی، جے جے اسپتال اور بھنڈی بازار میں فساد پھیل گیا، مسلم بستیوں پر منظم حملے ہونے لگے، مسلمانوں کے جھونپڑوں میں آگ لگائی جانے لگی، مسجدوں پر پتھراؤ ہونے لگا ــــ۔ فرقہ پرست وزیرِ اعلیٰ سوتا رہا ــــ۔ پولیس جانبداری سے کام لے کر مسلمانوں کا صفایا کرتی رہی ــــ۔ مہاراشٹر کا وزیرِ اعلیٰ وسنت دادا ٹھاکرے مزے لیتا رہا ــــ۔

۱۹ مئی ــــ۔ ایک ہزار سے زائد شیوسینکوں نے تلواریں، چھرے، چاقو، لاٹھیوں کے ساتھ بھیونڈی کے انصاری باغ پر حملہ کیا، جس میں کم از کم ۲۷ افراد کو قتل کر کے ان پر مٹی کا تیل چھڑک کر لاشوں کو جلا دیا گیا ــــ۔ پولیس نام کی کوئی چیز نہیں تھی، منصوبے کے تحت قتل عام جب پورا ہوا تب پولیس پہونچی۔ قاتلوں کو بھاگنے کا پورا پورا موقع دیا، اور پھر گولی چلائی ــــ۔ اسی دن سارے بھیونڈی میں گشت و خون کا جو بازار

گرم رہا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، آپ صرف اندازہ لگا سکتے ہیں ۔ مختصراً یہ کہ ۲ ہزار گھر جل کر راکھ ہوئے ۔ ہزاروں کپڑا ملیں جل گئیں ۔ ۸۰ کروڑ روپے کا سوت جل گیا ۔ اسّی ہزار آدمی بے گھر ہو گئے ۔ مہاراشٹر کا وزیر اعلیٰ ٹھاکرے سویا رہا ۔ سارا شہر چیخ پڑا، سارے اخبارات چلّا اٹھے کہ فوراً سارا شہر فوج کے حوالے کر دو، وسنت دادا ٹھاکرے اپنی پولیس کے ذریعے اپنا مقصد پورا کرتا رہا ۔

اور سارے شہر میں، محمد علی روڈ، پایدھونی، ڈونگری، اگری پاڑہ، ناگپاڑہ، جمبور، مانخورد، گوونڈی، اندھیری، بھانڈوپ، ملنڈ، گھاٹ کوپر، کرلا، بمبئی سنٹرل، جوگیشوری میں فساد پھیل گیا ۔ بے حساب گھر جلا دیے گئے ۔ لاتعداد معصوم انسانوں کا قتل ہوا ۔ اور بے حساب زخمی ہوئے ۔ راستوں پر چلنا خطرناک بن گیا، عوام چلاتی رہی کہ شہر فوج کے حوالے کر دو ۔ وسنت دادا ٹھاکرے پولیس کی مدد سے اپنا مقصد پورا کرتا رہا ۔ جیسا کہ پہلے ہی مسلمانوں کے گھروں کو جلا دیا گیا ۔ اور پھر نہتے معصوم اور بے گناہ مسلمانوں پر پولیس نے فائرنگ کی جس میں دس سے زیادہ آدمی ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے ۔ پولیس نے الزام لگایا کہ مسلمانوں نے پولیس اسٹیشن پر حملہ کیا تھا ۔ تادم تحریر یہ الزام غلط ثابت ہو چکا ہے اور پولیس قطعی طور پر بے نقاب ہو چکی ہے ۔

ہر علاقے میں اس وقت پولیس پہنچی جب فساد ہو چکا، ساری تباہی ہو چکی ۔ گھر جل گئے اور غنڈے بھاگ چکے ۔ ہر جگہ فساد کی خبریں حکومت کو پہلے ہی مل چکی تھیں مگر حکومت مجرمانہ طور پر خاموش رہی ۔ سبھی جگہ ایسا ہوا کہ فساد برپا ہوتا، مسلمان قتل یا زخمی ہوتے، ان کے گھر جل جاتے، پھر وہاں پولیس جاتی اور وہ مسلمانوں پر فائرنگ کرتی ۔ جوگیشوری کے فساد کی خبر پولیس کو ۱۲ گھنٹے قبل مل چکی تھی ۔ ۲۲ مئی کو میں نے وزیر اعلیٰ کو فون کر کے بتایا کہ مانخورد میں حالات خراب ہیں اور وہاں جھونپڑوں کو توڑا جا رہا ہے ۔ وزیر اعلیٰ نے جواب دیا کہ وہاں فوج متعین ہے، میں نے کہا فوج تو چھوڑیئے وہاں پولیس بھی نہیں ہے، جواب ملا اچھا ابھی بھیج دیتے ہیں ۔ بمبئی کی وہ پولیس جو دنیا بھر میں مستعدی کے لئے مشہور ہے اور ہر جگہ ڈیڑھ منٹ میں پہنچ جاتی ہے، وہ پولیس اٹھارہ گھنٹے کے بعد مانخورد پہنچی ۔ اس وقت تک مسلمانوں کے گھر تباہ ہو چکے تھے، سبھی مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بھگا دیا گیا تھا، وہاں کی مسجد تباہ کی گئی تھی ۔

اسی دن وزیر اعلیٰ کو دوبارہ فون کیا اور بتایا کہ واشی (نئی بمبئی) میں کافی تناؤ ہے ۔ ایک مسجد کو جلانے کا منصوبہ بن رہا ہے اور وہاں کے مسلمان ڈر و خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھے ہیں ۔ آٹھ گھنٹے کے بعد وہاں پولیس کا ایک دستہ بھیجا گیا ۔

غرض کہ پندرہ دن کی اس آگ و خون کی ہولی میں تقریباً ۲۰۰ آدمی مر گئے ۔ ۷۰۰ آدمی زخمی ہو گئے، ایک لاکھ بے گھر ہوئے، کم و بیش تین ارب روپے کا نقصان ہوا ۔ اس میں نہ جانے مسلمانوں کی کتنی دکانیں تباہ ہوئیں اور کتنی بیکریاں جلائی گئیں اور کتنی مسجدیں شہید کی گئیں ۔

تیرا دہ ہندوستان کی تاریخ کے سینے میں وہ تیر لگا جو اب اس کے سینے سے کسی صورت نکل نہیں سکتا !

مبارک کاپڑی

ملک کی سالمیت کا مسئلہ

اربابِ حکومت کے سامنے جو سب سے اہم مسئلہ ہوتا ہے وہ ملک کی سالمیت اور دستور کے احترام کا مسئلہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ملک میں کوئی نئی بات وقوع پذیر ہوتی ہے تو ملک کا حکمراں طبقہ اس کو سب سے پہلے اسی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات جب اندرونِ ملک ہوتے ہیں تو ان سے ملک کے امن و امان کو خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہی فساد جب سرحدی علاقوں میں ہوتا ہے تو ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور اسی سالمیت کی دہائی دے کر بعض سرحدی علاقے میں شہریوں کا قتلِ عام بھی کر دیا جاتا ہے، جیسے پچھلے سال آسام میں ہوا۔

لیکن آزاد ہندوستان کی تاریخ نے پہلی مرتبہ دیکھا کہ اس کے دستور کے ایک آرٹیکل کے خلاف ایک اقلیتی فرقے نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا۔ اور وہ ہے آرٹیکل نمبر ۲۵ جس میں سکھوں اور جینیوں کو ہندو کہا گیا ہے۔

سکھوں نے اس آرٹیکل کے ساتھ جو سلوک کیا ہم اس کی مذمت کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ آج کل اپنے مطالبات منوانے کے لئے یہی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ پتلا جلانا۔ سوانگ بھرنا۔ دل آزار اور ہتک آمیز نعرے لگانا۔ آج کل مطالبات منوانے کے یہی مہذب اور موثر طریقے سمجھے جاتے ہیں۔ سکھوں نے بھی کوئی غیر معمولی حرکت نہیں کی۔ البتہ غیر معمولی جسارت سے ضرور کام لیا۔ آج تک کسی نے دستور کو جلانے کی ہمت نہیں کی تھی۔

ہمارا ملکی دستور اگرچہ قابلِ احترام ہے مگر سکھوں کے طرزِ عمل سے ظاہر ہے کہ اس کے بعض آرٹیکل پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ اگر سکھ اپنے کو ہندو نہیں سمجھتے تو ہمیں بھی اس بات پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے کہ سکھ ضرور ہندو ہیں۔ اس مطالبے میں سکھ حق بجانب ہیں۔ ہندو اس قوم کو کہتے ہیں جس کی تہذیب کی بنیاد وید اور اپنشد پر ہو۔ اور ظاہر ہے کہ سکھ وید کو مانتے ہیں نہ اپنشد کو۔ اسی طرح وہ منوسمرتی کو بھی نہیں مانتے جو ہندوؤں کے احکام (اوامر و نواہی) کی کتاب ہے۔ اس طرح سکھوں کو ہندوؤں میں ہی شمار کرنا واقعی ایک محلِ نظر بات ہے۔ اور یہ بات ہم صرف سکھوں کے متعلق نہیں کہتے بلکہ ہندوستان کی ہر وہ قوم جس کا وید اور اپنشد پر اعتقاد نہیں ان کو ہندوؤں کی فہرست سے خارج کر دینا چاہیئے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی "تلاشِ ہند" میں اسی بنا پر جینیوں اور بودھوں کو ہندوؤں سے خارج قرار دیا ہے کہ ان کی تہذیب کی بنیاد وید اور اپنشد پر نہیں ہے۔

قارئین نقش کوکن
اور
مسلمانانِ عالم کو
ماہِ رمضان مبارک

رَمَضَانُ الْمُبَارَک

اسلام کے وہ پانچ بنیادی ارکان جن پر دین کی عالی شان عمارت قائم ہے ۔ ان میں سے تیسرا اہم رکن روزہ ہے ۔ روزہ کی عبادت اپنے وجود کے اعتبار سے دنیا کی قدیم ترین اور بین الاقوامی عبادت ہے ۔ کیونکہ انسان کی ابتدائی تاریخ سے دنیا کی آخری شریعت، شریعت محمدی تک کوئی شریعت وملت ایسی نہیں جس میں روزہ کی عبادت کو بنیادی فریضہ کا درجہ نہ دیا گیا ہو۔

حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ہر قمری مہینہ کے ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے تین روزے فرض تھے جن کو ایام بیض کے روزے کہا جاتا تھا۔ یہود پر ہر ہفتہ میں یوم شنبہ کے اور ہر سال میں عاشورۂ محرم کے روزوں کے علاوہ دوسرے روزے بھی فرض تھے ۔ نصاریٰ پر مسلمانوں کی طرح اسی ماہ رمضان کے روزے فرض تھے۔ مگر نصاریٰ موسم گرما کے رمضان کے روزوں کو موسم سرما میں تبدیل کرکے ایک ماہ کے بجائے ۵۰ دن کے روزے رکھتے تھے اس کے علاوہ غیر آسمانی مذاہب و ادیان میں بھی روزے کی عبادت کا تصور کسی نہ کسی صورت زمانۂ قدیم سے پایا جاتا ہے ۔ اسلام میں یہ عبادت ہجرت نبوی کے دوسرے سال مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ اور آیت فرضیت تفصیلی احکام کے ساتھ نازل ہوئی۔ قرآن کریم نے روزے کا سب سے بڑی حکمت اور فلاسفی یہ بیان کی کہ اس عبادت کی بدولت انسان میں خدا ترسی اور کردار کا وہ اعلیٰ جوہر پیدا ہو جاتا ہے جس کے بغیر کسی کو انسان کہنا بھی صحیح نہیں۔ روزہ کی فضیلت اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ (یعنی) روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

اس کے علاوہ روزہ کی عبادت سے جسمانی و روحانی، تمدنی و معاشرتی بہت سے ایسے فوائد وابستہ ہیں جو انسانیت کے لئے ناگزیر اور ضروری ہیں ۔ اس عبادت سے غفلت، بڑی محرومی کی نشانی ہے ۔

روزہ کے احکام :

عربی لغت میں صوم کے معنی رکنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور صحبت سے اپنے آپ کو بہ نیت عبادت روکنے کا نام روزہ ہے ۔ اور یہ ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ پاگل و مجنوں انسان اور چھوٹی عمر کے بچے اس عبادت کے مکلف نہیں ہیں۔ مگر قریب البلوغ بچوں کو نماز کی طرح روزہ کی بھی عادت ڈلوانی ضروری ہے ۔ عورتوں کے لئے ماہواری کے زمانے میں اور بچہ کی ولادت کے ایام میں روزہ کی ممانعت ہے ۔ مگر فراغت کے بعد ان ایام کے روزوں کی قضا ضروری ہے ۔

روزہ کے لئے نیت یعنی دل کے ارادہ کا ہونا شرط ہے۔ بغیر نیت کے روزہ نہیں ہوتا۔

جن باتوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے :

روزہ کی حالت میں اگر قصداً ایسی چیز کھا پی لی جو بطور غذا

یا غذا کے استعمال ہوتی ہے یا صحبت کا ارتکاب کیا ہو تو
تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کی قضا اور
کفارہ دونوں ضروری ہیں۔ روزہ کا کفارہ لگاتار ساٹھ
روزے رکھنا ہے۔ اگر درمیان میں کوئی روزہ ناغہ ہو گیا تو
از سر نو رکھنا چاہئے۔ ہاں ایام ماہواری کا روزہ تواتر کے
خلاف نہیں۔ لیکن نفاس سے یہ تواتر باقی نہیں رہتا۔ اگر روزہ
نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر
کھانا کھلا دے یا نقد ہر مسکین کو بقدر صدقۂ فطر کے دیدے۔
کھانا خواہ ایک وقت میں کھلائے یا مختلف اوقات میں
ـــ اور اگر کوئی ایسی چیز کھائی جس کا استعمال بصورت
غذا یا دوا کے نہیں ہے تو روزہ کی صرف قضا ضروری ہے۔
کفارہ نہیں ہے۔ اسی طرح کان یا ناک میں تیلی دوا ڈالنا،
اینما لینا یا کسی اور ذریعہ سے اجابت کے مقام سے دوا پیٹ
میں ڈالنا۔ قصداً منہ بھر قے کرنا اور سگریٹ، سگار اور
حقہ پینا وغیرہ وغیرہ۔ نیز وہ چیزیں جن سے دھواں منہ میں
جائے استعمال کرنا۔ حتیٰ کہ دھونی لینا بھی، کلی کرنے کے
وقت یا منہ دھوتے ہوئے بلا قصد حلق میں پانی چلا جانا
ان سب صورتوں میں روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ مگر صرف
قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہیں ہے۔ البتہ افطار کے
وقت تک بقیہ وقت بھی روزہ کی طرح گزارنا چاہئے۔

جن باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

ٹوتھ پیسٹ، ٹوتھ پاؤڈر یا کوئی اور منجن استعمال کرنے
سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مگر مکروہ ہے۔ لہٰذا احتیاط کرنا ضروری
ہے۔ ہاں مسواک کرنا، تیل لگانا، سرمہ، مہندی لگانا، عطر
سونگھنا، بلا قصد قے ہو جانا، بلا قصد گرد و غبار یا دھواں
وغیرہ حلق میں چلا جانا۔ انجکشن اور ٹیکہ لگوانا نہ مفسد
صوم ہے نہ مکروہ۔ ہاں طاقت کا انجکشن جو اس لئے لگوایا جائے

بیں ۴۳

کہ روزہ معلوم نہ ہو خلاف اولیٰ ہے۔
جس کو نفس پر قدرت ہے اس کے لئے بیوی کے پاس
اٹھنے بیٹھنے میں کچھ حرج نہیں، جس کو اپنے نفس پر قابو نہ
رہنے کا خوف ہو اس کو اجازت نہیں۔ اگر تھوک کے ساتھ
خون پیٹ میں جانا محسوس ہو تو روزہ جاتا رہا۔ اگر خون معمولی
ہے تو روزہ فاسد نہ ہوا۔

افطار و سحر کے آداب:

روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا مسنون اور ثواب ہے سحری آخری
وقت کھانا اور اول وقت افطار بہتر ہے۔ کھجور سے روزہ افطار کرنا
سنت ہے۔ یا کم از کم کسی شیریں چیز سے۔

تراویح:

تراویح سنت موکدہ ہے، اور اس ماہ کی خصوصی
عبادات میں سے ہے۔ اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ عشاء
کے بعد وتر سے پہلے بیس رکعتیں باجماعت پڑھنا۔ اور
رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن مجید ختم کرنا مسنون ہے۔
تراویح کے بعد وتر کو بھی جماعت سے پڑھنا چاہئے۔

حدیث

بچہ جب بولنا شروع کرے تو اسے لا الٰہ الا اللہ
یاد کراؤ، اور جب مرنے کا وقت آئے جب بھی
لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ جس کا اول و آخر
کلمہ یہی رہو وہ ہزار برس بھی
زندہ رہے
تو انشاء اللہ
کسی گناہ کا اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔
حضرت عباسؓ

شرف کمالی

"کہتا ہوں سچ ......"

شادی گھر بسانے کی نیت سے کی جاتی ہے۔ اسی لئے اسے "شادی خانہ آبادی" کہنے کا رواج عام ہے۔

میری اپنی ناقص رائے میں خانہ آبادی اصطلاح کچھ حد تک صحیح بھی ہے۔ لیکن اسے سو فیصد صحیح سمجھنا بر خود غلط پسندی ہے۔ کیونکہ ہم خود ہی اپنے افعال قبیحہ کی وجہ اس خانہ آبادی کو بربادی میں تبدیل کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ خانہ بربادی میں مبتلا خانہ بربادوں سے مل کر دریافت فرمائیے کہ کٹھن حالات سے مقابلہ کرتے کرتے دل کا کیا حال ہے۔ دماغ کی کیا پوزیشن ہے۔ ان حالات ناگفتہ بہ میں کبھی نو شادی شدہ مرد گرفتار ہوتا ہے تو کبھی نو شادی شدہ خاتون کو ان نا مساعد و ناروا حالات سے نبرد آزما ہم دیکھتے ہیں۔ لہٰذا ناکامیاب شادی کے نتائج ہولناک ہوتے ہیں، اور بیک وقت کئی خاندان ان کی لپیٹ میں ایڑیاں رگڑتے بے کیفی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اس لئے اپنے آپ پر اشرف المخلوقات کا لیبل چسپاں کرنے والے انسان کے لئے ضروری ہے غور و فکر و تدبر سے رشتہ منتخب کرے۔ اور صبر و تحمل سے کام لے کر ایسا سلوک کرے کہ ازدواجی زندگی مسرتوں کا گہوارہ ہو۔ اور سہاگنوں کے روشن سہاگ سے ہر گھر مسکراتا رہے۔

شادی کی تقریبات میں اہم ترین باب یقیناً نکاح ہے۔ جو سنت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ اسی لئے نکاح کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ نکاح سے نصف ایمان انسان پالیتا ہے۔ جب دو زندگیاں باہم جوڑی جاتی ہوتی ہیں اور نکاح ہم پلّہ عبادت ہے تو یقیناً شادی سنجیدگی ایسے طریقوں سے انجام دینی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔ نماز کو جاتے وقت کوئی بینڈ باجا بجاتے نہیں جاتا۔ روزہ رکھنے کی خوشی میں کوئی محفل رقص و سرود کا اہتمام نہیں کرتا۔ کیونکہ عبادت اور ان کا باہم کوئی میل نہیں۔ ان کو باہم جوڑنے والے کو خبط الحواس کہا جائے گا۔ اب شادی بھی عبادت ہی ہے۔ اس کی ادائیگی میں ہم جو جو خرافات روا سمجھتے ہیں اس ہماری ہٹ دھرمی کو کیا کہا جائے؟ ہم فطرت کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اور فطرت کے خلاف عمل کرنا تباہی کو دعوت دینے کے مصداق ہے۔ آپ اسے دنیا میں ہزار بار آزما چکے ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ اپنے خلاف اعمال و افعال پر روک لگائی جائے۔

سیرت النبیؐ کا بصیرت افروز مطالعہ بھی ہمیں صراطِ مستقیم پر نہیں لا سکتا — یہ ہماری بد قسمتی نہیں تو اور کیا ہے؟ حضور سرورِ کائناتؐ نے اپنی دخترِ فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح مسجدِ نبوی میں حضرت علیؓ کے ساتھ کتنی سادگی سے کیا تھا۔ اور کیا کیا چیزیں بطور جہیز عطا فرمائی تھیں ان کا ذکر کئی بار وعظ کی محفلوں میں مولوی صاحبان سے ہم نے سنا۔ لیکن جب اپنی

بارہا آئی ترکِ سُنّت میں ہمارا نبر پھیلا رہا!!

شادی انسانی زندگی کا ایک اہم موڑ ہے۔ لیکن اکثر
ایسا ہوتا ہے کہ بلا سوچے، بلا غور کئے رشتہ طے کیا اور بیاہ بھی
شروع ہوگئی۔ دونوں طرف بلا ضرورت دعوتیں، پُر تکلف
خاطر مدارات، بیش قیمت زر و جواہرات کی خریداری، بے حساب
اخراجات، ریشمی ملبوسات، ریڈیو، وی سی آر، گودریج کی
الماری، صوفے، ٹیکسی، گدیلے، قیمتی جاذبِ نظر دعوت ناموں
کی چھپائی، ان کی تقسیم۔ یعنی ہزاروں بلکہ بسا اوقات لاکھوں
روپے بے دریغ خرچ کرکے ایک دن، ایک شام،
یا ایک شب کی آرائش، بینڈ باجے، پھلجھڑیاں، ناچ گانے،
اکھاڑے، کھیل تماشے، آرتی جیسی کافرانہ رسم اور کئی
لغو رسومات کی ادائیگی۔ عام ذہن رکھنے والے ان تمام
فضولیات کو شادی سمجھتے ہیں۔ یعنی خانہ آبادی۔
نکاح، مہر کا تعین۔ یہ ضروری چیزیں ان کے نزدیک کوئی
اہمیت کی حامل نہیں۔ قاضی صاحب سے جلدی پڑھوا لیا
کہ سوا سو تولے سونا مہر ناکح مذکور کے نصابی ہے۔
چلو چھٹی ہوگئی۔ ان ذی فہموں کو کون سمجھائے کہ جن رسومات
کی فضول ادائیگی آپ نے کی وہ سب غیر ضروری ہیں اور
ضروری امور آپ کی شادی میں تشنہ ہی رہے۔ اللہ کی مرضی
کے خلاف سارے امور انجام دے کر زندگی میں بہتری
اور خوش حالی کی توقع کرنا جَو بونے اور گیہوں کاٹنے کی توقع
کے مترادف ہے۔ اکثر فضول خرچیوں اور لغو رسومات
کی شادیوں کے نتائج خاطر خواہ نہیں ہوا کرتے۔ آپ خود ہی
ارد گرد نظر دوڑائیے تو ایسی شادیوں کے انجام دیکھئے گا۔۔۔
خانہ آبادی کی بجائے خانہ بربادی کس طرح ہوا کرتی ہے۔۔
اور اس کے وجوہات پر میری اگلی جو نظم رہی ہے ان شاء اللہ
پڑھنے کے بعد آپ متفق ہوں گے۔

سے کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

لڑکے کے بارے میں ایک بار بتلایا گیا کہ ماشاء اللہ
social minded (سوشیل مائینڈیڈ) ہے۔
تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ روزانہ شراب پیتا ہے۔ جوابازی
اور دیگر اسی لائن کی ساری بازیوں میں اسے مہارتِ تامہ
حاصل ہے۔ ہمارے ایک نیتا نے حال ہی میں غیر ملکی
سفر کے دوران ائیر انڈیا یا بوئنگ جیٹ میں بگ دو بگ
وی آئی پی کو دی جانے والی شراب کو دیکھ کر ائیر ہوسٹس کو
بلا کر چچا غالب کا یہ شعر پڑھا کہ

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار
یہ شیشہ و قدح و ساغر و سبو کیا ہے

بے چاری ائیر ہوسٹس اینگلو انڈین تھی۔ شعر اس کے پلّے
نہ پڑا تو وی آئی پی صاحب نے وضاحت فرمائی: "ہم میر صادق
نہیں، رام راؤ آدک ہیں۔ ہمارا شہر کے نائب وزیر اعلیٰ۔
ہم کو پورا وہسکی کا باٹلی مانگتا ہے۔" اس نے کہا: ہم نہیں
دے سکتے۔ تمہارا باپ بھی دے گا۔ ہم تمہیں پھانسی
دلوا سکتے ہیں! وزارت گرجی اور آخر کار قانون کو بالائے طاق
رکھ کر فرمائش پوری کی گئی۔ اور پوری باٹلی حلق میں انڈیلتے ہی
ائیر ہوسٹس سے کہا: جانِ من، چپ چپ کھڑی ہو
ضرور کوئی بات ہے۔ پہلی ملاقات ہے۔ پہلی ملاقات ہے۔
جی ہاں! وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ نتیجتاً ائیرلائنز
کی مشترکہ کوششوں سے آدک جی کے دو دانت انتقال
فرما گئے۔۔۔۔۔ لیجئے ہم بھی یہ کہانی یہاں کہاں لے آئے؟
ہاں! پوربیں حکومت ہمارا شہر کے پانچ وزراء نے گواہی
دی کہ آدک صاحب سوشیل مائینڈیڈ ہیں۔ ہمارے مسلمانوں
کے نمائندہ وزیر عالی جناب پردھان ایس آئی امام صاحب

نے بھی ان کے سوشیل طبی کا ذکر کرتے ہوئے کہا: "میں
ان سے (آدک صاحب سے) گزشتہ ۳۰ سالوں سے
واقف ہوں۔ سبحان اللہ! انگریزی کا مقولہ ہے:

BIRDS OF THE SAME FEATHERS
FLOCK TOGETHER.

یعنی فارسی زبان میں کہتے ہیں

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

شرابی لڑکے کو سوشیل مائنڈیڈ کہتے ہیں۔ لڑکی کے
متعلقین یہ اصطلاح نوٹ کرلیں تا کہ بوقت ضرورت
سند رہے۔ لڑکی کو اچھی جگہ کھپانے میں بلف کرنے
میں کمال کیا جاتا ہے۔ اس کی خوب صورتی کے ڈانڈے
کوہ قاف کی پریوں سے ملائے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ
جس مال کی کھپت کم ہوتی ہے اس کی اشتہار بازی
زیادہ ہوتی ہے۔ اچھے، خوبرو، گریجویٹ امیدواروں کو
عمر میں پندرہ سال زیادہ، ان پڑھ، کریہہ المنظر لڑکیاں
گلے میں باندھ دی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس نرے
جاہل گنوار، غیر مہذب لڑکے کے لئے ایسی لڑکی کا رشتہ
مقرر ہوتا ہے جو حد درجہ سلیقہ مند، سگھڑ، خوبصورت،
با اخلاق اور سب کچھ ہے۔ ظاہر ہے طرفین کی دھاندلی
کا نتیجہ جلد ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر قتل و خون، خودکشی
یا طلاق کی نوبت آتی ہے۔ اور الزام تقدیر کو دیا جاتا ہے۔
رشتے پکے کرنے والے حضرات جوڑی کی مطابقت،
موافقت کا خیال ضرور رکھیں۔ بے جوڑ رشتے پنپ نہیں سکتے۔
پہلے خوب چھان بین کرنا بہتر بات ہے۔ بلکہ شادی کی
بات سے پہلے لڑکے کا لڑکی کی رشتہ داروں کی موجودگی میں ملاقات
اور افضل بات ہے۔ مراٹھی کے مشہور ادیب دھانی
بی کے اترے نے کہا ہے کہ شادی یہ عنوان ہی کسی حد تک
فریب دہی کا ہے۔"

فرض کر لیجئے، شادی ہوگئی اور لڑکی کو طلاق دی گئی تو
آج کل طلاق دینے والے شوہر کے خلاف عدالتی دروازے
کھٹکھٹانا عام بات ہے۔ لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ لڑکی
کو عام طور پر مظلوم سمجھ کر فیصلہ اس کی موافقت میں ہوتا ہے۔
پھر مہر کی رقم، نان نفقہ اور اسی قسم کی مدوں میں لاکھوں کا
خسارہ ۔ ہوئی خانہ بربادی۔

ہم بعد ادب کہیں گے:

"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

اسی طرح گنوار داماد سے پیچھا چھڑانا بھی لاکھوں کا خسارہ
ہے ۔ چھٹکارا ہونے سے پہلے اگر بچے ہو جائیں،
تو مسائل پیچیدہ تر!!

داماد کی ساس اور بہو کی ساس میں زمین آسمان
کا فرق ہوتا ہے۔ داماد کی ساس داماد کی آمد پر ایک دم موم
نرم دم گفتار، گرم دم جستجو"، نہایت حلیم الطبع،
منکسر المزاج، مہمان نواز، داماد نواز، بالکل خوش خلقی
کا مجسم نمونہ ۔ اور بہو کی ساس بہو کی آمد پر جوالا سے فوراً
انسپکٹر بن جاتی ہے۔ آنکھوں سے وحشت برستی ہوئی۔
اسے دکھانے کے قابل چہرہ کیا مجال کہ بہو کے سامنے
ذرا بھی مسکرائے۔ اسے یہ رشک کہ اس کے جگر پارے
کا دل جیتنے کے لئے کوئی اور آگئی۔ بات بات پر طنز۔
بہو کی ساس، خواہ وہ کسی ملک کی وزیر اعظم ہی کیوں نہ
ہو ساس کا رول برابر ادا کرتی ہے۔ ان پڑھ، جاہل۔
دیہاتی ساس کا کیا کہنا۔ اس کی تو ہر ادا حشر ساماں،
ظلم مجسم، آنکھیں شعلے برساتی ہیں۔ جو نظر اٹھا کر
ایک بار دیکھے جل کر خاکستر ہو جائے۔ اس کو اپنی بیٹی کی

ساس سے انسانیت فراموشی کی شکایت رہتی ہے۔
داماد کی آمد پر یہ بھی انسانوں کی صورت اختیار کرتی ہے۔
لیکن بہو کا نام لیا اور اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کے عقیدے
کے مطابق بہو گھر میں نوکرانی کا نعم البدل ہے۔ چوبیس گھنٹے
زرخرید لونڈی کی طرح حاضر خدمت رہے۔ اس کی بہو غریب
کو دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس لڑکی نے
میکے میں کوئی قابلِ تعزیر جرم کیا تھا جس کے لئے
قید با مشقت کے طور پر یہاں سزا بھگت رہی ہے۔
اللہ تعالیٰ ایسی ظالم ساسوں سے ہماری قوم
کی لڑکیوں کو امان میں رکھے!!

ان ساسوں کا ایک کمال یہ بھی رہتا ہے کہ
ان کے شوہر اور بیٹوں کی موجودگی میں وہ رحمدلی اور
فیاضی کی ایسی اداکاری کرتی ہیں کہ للیتا پوار بھی شرما جائے۔
اس لئے کبھی بیٹوں کو ان کے خلاف کہی ہوئی ساری باتیں
غلط معلوم ہوتی ہیں۔ اور بفضل اللہ بیٹے بھی اس کے
پاؤں کے نیچے کی جنت گنوانے سے ڈرتے ہیں۔ گو کہ ان کی
زندگی کو جہنم بنانے کی سو فیصدی ذمہ داری ان کی اپنی
مادرِ محترم ہوا کرتی ہے۔

دیہات میں جاہل ساسوں کی ایک یونین
رہتی ہے۔ اس کی ممبر خواتین ایک سے بڑھ کر ایک
ہوتی ہیں۔ جہاں کسی ساس کو رحمدل پایا فوراً اس کا
بندوبست سر دست کیا جاتا ہے۔ ایک عورت کی جنرل
باڑی یعنی مرکز بستی کا الگ ہوتا ہے۔ لیکن ہر واڑی
یا محلے کا ہر شام اجتماع ہوا کرتا ہے۔ جہاں بہوؤں
کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ رحمدل ساس کو ٹریننگ
(TRAINING) کا یہاں کورس چلتا ہے۔ ان سب
شوہران کی مٹھی میں رہتے ہیں۔ خیر اب ساری باتیں
بیان کرنے سے فائدہ! ہم تو یہی مشورہ دیں گے کہ داماد وہ
منتخب کیا جائے جس کی ماں انسان ہو یا پھر سب سے
افضل ترین بات یہ ہے کہ وہ سفر آخرت فرما چکی ہوں۔ تاکہ
نہ رہے بانس نہ بجے بانسری!!! یہ تو تصویر کا ایک رخ ہوا۔
اس کے برعکس ہر جگہ جیسے اچھے لوگ قلیل تعداد میں سہی
ہوا ضرور کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح بہوؤں کی اچھی ساسیں
بھی قلیل تعداد میں سہی مگر ہیں ضرور جو قابلِ مبارکباد ہیں۔

شادی کی خانہ بربادی کی ذمہ داری کے ایل اس کے علاوہ
کئی عناصر ہیں۔ کچھ بہوئیں جو بڑے گھر کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔
اور جن کی امارت دیکھ کر ان سے مالی حیثیت سے کم درجہ والوں
نے بڑے شوق سے بیاہا ہوتا ہے، بہت تیز و طرار طبع ہوتی ہیں۔
ساس سسر سے سب ان سے مرعوب رہتے ہیں۔ ان کا
لاؤڈ اسپیکر ہمیشہ آن رہتا ہے۔ سسرال کی ہر چیز دیکھ کر
ریمارکس پاس ہوتے ہیں۔ "ہمارے ابا کے گھر میں تو ایسا
گھی نائی کہار کھاتے ہیں"۔ "زیورات دیکھنے ہوں تو ترمبک
داس بھیم جی کی دکان پر جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ابا
کے گھر میں ڈھیر کے ڈھیر لگے ہیں"۔ غرض ہر بات میں اپنے
میکے کی برتری جتا کر اپنی شان بڑھا کر حاسدین کو
خوش ہونے کا موقع عطا فرماتی ہیں۔ اس لئے عقلمند وہ
لوگ ہیں جو کسی کی امارت پر کبھی نہیں للچاتے اور غریب گھر کی
(اپنے سے مالی حیثیت میں کم) بیٹی اپنے بیٹے کے لئے بیاہ
لاتے ہیں۔ ہم نے پہلے ہی کہا ہے کہ بہوؤں کے ساتھ اچھے
بھی ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی امیر ہونے کے باوجود سگھڑ
کاموں [illegible] رہنے والی خلیق اور ذی فہم بیٹیاں ہوا کرتی ہیں۔
شادی سے پہلے فیصلے سے قبل سوچنا ضروری ہے۔

نقشِ کوکن کے روحِ رواں [illegible] فقیر محمد مستری،
ہمارے بھائی ہیں۔ ان کا [illegible] بمبئی پورٹ ٹرسٹ میں

کیپٹن کے عہدے سے نام کما کر ابھی ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔
نام کمانے والے دستِ غیب نہیں چاہتے۔ بالائی ناجائز
آمدنی کو دستِ غیب کہتے ہیں۔ اور پورٹ ٹرسٹ میں
آٹھ آنے سے دستِ غیب کی آمدنی شروع ہوتی ہے۔
تو آخری حد اوجِ ثریا سے بھی بلند ہے۔ گزشتہ دنوں
بڑے بڑے افسران کے قصے نظر سے گزرے [illegible] یقیناً یہ
شخص واقعی فقیر منش۔ [illegible] سے بے پرواہ۔
واقعی نام کمایا۔ دوسرا [illegible] نقشِ کوکن کا یہ
ہے کہ گزشتہ ماہ ان کی میرج گولڈن جوبلی ہوئی۔ یعنی ازدواجی
زندگی کی نصف صدی (ہاف سنچری) مکمل کر دی۔ ان کی
عمر ہے ستر میں دو سال کم۔ یعنی شادی میں یہ دولھا صرف
آٹھ سال کا تھا۔ اور ان کے ابا حضور نے اُن کی ایما پر
نکاح کی قبولیت دی تھی کہ راضی ہوا میں اس کے لئے
اس نکاح سے الحمدللہ!! ہم نے اس جوڑے کو ہر حال میں
مسکراتے دیکھا۔ تفتیش پر بھابی صاحبہ کے متعلق بتایا گیا
کہ وہ صرف چار سال کی دلہن بنی تھیں۔ یہ ہمارے بڑے
بزرگ بھی کس قدر ہوشیار تھے کہ اتنی کم عمری میں بچوں کی
شادیاں کر کے خوش ہو جاتے تھے۔ ہاف سنچری پر
مبارک باد دینے کے لئے ہم حاضر ہوئے تھے۔ ہزار بار انھیں
اُکسایا کہ بھائی فقیر محمد، چلو ایک اور بیوی اب اپنی مرضی
سے کر لو تاکہ تمھاری مثال سے دوسروں کی بھی ہمت بڑھے۔
ہمارا مطالبہ سن کر وہ اور بھابی صاحبہ دونوں مسکرا دیتے ہیں۔
جیسے زبانِ بے زبانی میں کہتے ہوں "کیوں پاگل ہو گئے ہو۔
ہم دونوں صد درجہ مسرور ہیں کامیاب ازدواجی زندگی
گزار کر۔ اور پھر تمھارے کون سے بُرے حال ہیں۔" سچ
ہی تو کہتے ہیں۔ ہم دونوں کے گھر بلاشبہ آباد ہو گئے ہیں۔
پوتوں، پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے (یاد رہے فقیر محمد
[illegible]

اور ان کی بیگم پوتی کی منتظر ہیں۔ پوتے بفضل اللہ ایک سے ایک
ہیں۔ ہم نے اب دعائیں کی ہیں۔ اور وہ ہماری دعاؤں سے مطمئن ہیں)
یہ مثال اس لئے دی کہ یہ شادی خانہ آبادی کی زندہ مثال ہے۔
کامیاب ازدواجی زندگی گزارنے کا نسخہ یہی بتا سکتے ہیں۔
دفترِ نقشِ کوکن سے رجوع ہو جائیے۔

شادی کے بعد خانہ بربادی کی وجوہات میں قریبی
رشتہ داری میں نئے رشتے جوڑنا ہے۔ مثلاً ایک بھائی
کا لڑکا دوسرے بھائی کی لڑکی، بہن کا بیٹا بھائی کی بیٹی اور
اسی طرح سے متعدد رشتہ داروں کی گتھم گتھی۔ خاندان میں اس
سے قبل بھی رشتے تھے۔ انھیں کی تجدید ہوئی۔ گھر کی مرغی دال
برابر۔ ایک دوسرے سے بخوبی واقف۔ کمزوریوں اور خامیوں
سے کما حقہ جانکار۔ فوراً توتو میں میں شروع اور زندگی بھر
کی چخ چخ شروع۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کے جوڑوں کی
اولاد کوئی نہ کوئی نقص لئے پیدا ہوتی ہے۔ بہتر بات یہ ہے کہ
ایسے خاندانوں سے رشتے جوڑے جائیں جن سے اب تک رشتے داری
نہیں ہے۔ اچھے خاندانی لوگ ہر جگہ موجود ہیں۔ ایسا کرنے سے
حلقۂ رشتے داری وسیع ہو جاتا ہے۔ ایک نئے خاندان سے
تعلقات استوار ہونے پر مزید کم از کم آٹھ دس ہم پلہ خاندان
آپ کے دوست بن جاتے ہیں۔ اور اسی وساطت سے
کلچرل لین دین بھی خود بخود ہو جاتا ہے۔ اس نئے خاندان کے
اچھے عادات آپ اپنا سکتے ہیں۔ آپ کی اچھی باتوں کی تقلید
وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح بری عادتوں کو چھوڑنے میں بھی
یہ طریقہ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان رشتوں کے
نتیجے آپ دیکھیں گے کہ بچے ذہین، صحت مند اور چالاک ہوتے
ہیں۔ پوتا اور پوتی اولاد اگر ایسے رشتوں کا نتیجہ ہے تو فہیم و
ذکی بچے اس اجنبی رشتے داری کے ثمر ہیں۔

شادی کی رسومات اور ان کے تعلق سے فضول خرچیاں

جاہل طبقہ اس ڈر سے کرتا ہے کہ ان کی محترم ناک کٹنے سے بچ جائے۔ اس ناک کی کٹائی سے بچنے کے لئے اوسط طبقہ کے لوگ آبا و اجداد کی ورثے میں ملی ہوئی زمینیں بیچ کر شادیاں کرتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ لیکن اب ماشاء اللہ تعلیم یافتہ طبقہ ان خرافات سے روز بروز دور ہوتا جا رہا ہے۔ تبلیغی اجتماعات میں عقد مسنون سنت طریقے سے کروا لینے کو اب معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اگر آپ صاحب استطاعت ہیں کچھ دوستوں، رشتہ داروں کو دعوتِ طعام، دعوتِ ولیمہ پر مدعو کر سکتے ہیں تو خوشی کی بات ہے۔ اپنی مرضی سے کچھ چیزیں بیٹی کے ساتھ دینا چاہتے ہیں تو ٹھیک خیال ہے۔ ورنہ ناک کٹائی یا جگ ہنسائی کے خیال سے ایسا کرنا سراسر غلط۔ اور دولہا والوں کی طرف سے مطالبات کرنا اخلاقی پستی کا زندہ ثبوت ہے۔ اب شہروں میں بڑی بڑی مسجدوں میں نکاح ہو جاتے ہیں۔ ممبئی کی مضافات میں اُترن نامی ایک گاؤں کے مچھیرے (کولی سماج) سال میں ایک دن مقرر کر کے اسی دن ساری شادیاں کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز کہیں کہیں دیہاتوں میں واہیات قسم کی بندشیں ہیں۔ مثلاً چار چار "چاریان" نام کی مجلسیں۔ جماعتی فضول شرائط۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شادی نہیں بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ناٹک کھیلا جا رہا ہے۔

شادی کو خانہ آبادی کے روپ میں دیکھنا ہے تو سارے اخراجات سے بچ کر علیٰ سنت نبوی کے مطابق مسجد میں نکاح مسنون کروا لیجئے۔ انشاء اللہ برکت ہی برکت ہوگی۔ دعوت نصیب یہ جیب کوئی نارض ہو جائے تو منوا لیجئے۔ ویسے آپ نے مسجد میں شریکِ سنت کی دعوت تو دی ہی ہوگی۔ ہمارا کیا نقصان ہے۔ آپ مانے نہ مانے ہم نیک دلہ حضور کو سمجھا دیتے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

باغی بانکوٹی

شاعری کی بنیادی قدریں

شاعری، پھر کسی زبان کی ہو اس کے اپنے کچھ اصول، کچھ لازمات، کچھ ضابطات اور کچھ روایات ہوتی ہیں۔ انھیں حد بندیوں میں رہ کر وہ پنپتی ہے، پروان چڑھتی ہے، اور اپنی ارتقائی منازل طے کرتی ہے۔ ہماری اردو شاعری بھی ان اقدار اور لوازمات سے اپنا دامن نہیں بچا سکتی۔ چنانچہ ولی دکنی سے لے کر آج کے کسی شاعر کو لیجئے کی اردو شاعری انھیں خطوط پر پھلتی پھولتی نظر آتی ہے۔

کسی شاعر کے لئے موزونیٔ طبیعت اور لسانی مہارت ہی کافی نہیں بلکہ اسے مظاہر کائنات، فطرت کے مشاہدات اور روزمرہ کے ذاتی تجربات کا کما حقہٗ فائدہ اٹھانا از بس ضروری ہے۔ البتہ ہموار ماحول اور زمان و مکان کے اثرات ہی اس کی طبع موزوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

رلکے کا کہنا ہے کہ ایک شاعر جب بھی کوئی درخت دیکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک پیڑ اگتا ہے۔ اس کا نام شاعری ہے۔ عام طور پر شاعری کا مطالعہ تو اس شاعر کی انفرادیت، شخصیت۔ اس کے ماحول، اس کے مذہبی، اخلاقی، سماجی اور سیاسی افکار کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ یا پھر شاعری کو اس بنا کر فنی ہیئت پر انحصار رکھ کر الفاظ کی ترتیب و تنظیم، تشبیہات، استعارات، محاورات، صفات، زبان کی صحت اور آوازوں کے زیر و بم پر زور دیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کے شاعر کے متعلق ہم گمان کرتے ہیں کہ اس شاعر کا تعلق کس فلسفۂ حیات سے ہے کس مسلک کی وہ تبلیغ کرتا ہے۔ کس نظریہ کی وہ ترجمانی کرتا ہے، اور اس کی شاعری کا نگاہ کس رُخ کی سمت ہے۔ اسی کی بنا پر ہم اس کا درجہ متعین کرتے ہیں۔ دوسری قسم کا شاعر کسی زمان و مکان کا ہو، کسی نظریہ، کسی خیال اور کسی مسلک کا ہو مگر قاری کی نظر اس کے حُسن، حُسنِ بیان لسانی ڈھانچے اور جمالیاتی کرشمے پر ہی اکثر و بیشتر ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا قسموں کے شعراء کے گورکھ دھندوں میں پڑنے کی بجائے ہمیں خاص طور پر یہ دیکھنا ہوگا کہ کس شاعر کی شعری بصیرت کے آئینے میں ہمیں زندگی کی، انسانوں کی، فرد اور اس کے مسائل کی اور سماج کی رُوح کی جھلک دکھائی دیتی ہے یا نہیں۔ شاعری محض زندگی کی نقالی یا ترجمانی نہیں ہے۔ یہ زندگی کی ایک نئی تنظیم، ایک نئی تخلیق ہے۔ یہ افکار سے نہیں مشاہدات اور تجربات سے وجود میں آتی ہے اور آفاقی اہمیت کی حامل بھی اس وقت ہوتی ہے جب اس میں ایک مخصوص واقعیت، ایک خصوصیت اور ایک مقاومت ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ نے کی صدا میں فریاد کی لے بھی ہونی چاہئے۔ چنانچہ ہمارے شعراء کے کلام کو اسی ترازو میں تولنا ہوگا۔ اسی بنیادی کسوٹی پر پرکھنا ہوگا۔ پھر ان کے متعلق صحیح رائے قائم کرنی ہوگی۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

خطۂ کوکن جنتِ ارضی

خطۂ کوکن کا دامن حسنِ فطرت سے مالا مال ہے۔ یہ خطہ

بے پناہ حسین و دلفریب اور فردوس نظر مناظر کی آماجگاہ ہے۔ یہاں فلک بوس کوہ ہیں۔ خوب صورت سطح مرتفع ہیں۔ ہری بھری پہاڑیاں ہیں۔ سمندر کے نظر نواز ساحل ہیں۔ سرسبز وادیاں ہیں۔ دھیمی دھیمی بہتی ندیاں ہیں۔ زمین کو شادابی بخشنے والے شبنم و کوثر کو شرما دینے والے خنک شیریں چشمے اور کنویں ہیں۔ دلکش کھاڑیاں ہیں۔ لہلہاتے کھیت ہیں۔ ناریل و سپاری کے حسین باغات ہیں۔ آموں کی گھنی امرائیاں ہیں۔ کاجو کٹہل کے سایہ دار جنگلات ہیں۔ دھان اور دالوں کے کھیت زار ہیں۔ انواع و اقسام کی مچھلیوں کے ذخیرے ہیں۔ اس کے علاوہ خطہ نہایت ہی زرخیز اور مردم خیز بھی ہے۔

اس سرزمین نے ہمارے ملک کو عظیم مدبر اور لاثانی دانشور اور بے مثال سیاست دان دیئے ہیں۔ یہ سادھوؤں اور سنتوں کی بھومی ہے۔ بزرگوں اور ریشیوں کا مسکن ہے۔ ایسے حسین و جمیل خطے میں اگر شاعر پیدا نہ ہوتے تو یہ ایک غیر فطری بات ہوتی۔

بزرگ شعرائے کوکن

اسی پس منظر میں ہمارا آج کا موضوع ۱۹۳۰ء سے ۱۹۶۰ء تک کے شعرائے کوکن کا تذکرہ ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جب ہم تذکرہ شعرائے کوکن کرنے جا رہے ہیں تو ۱۹۸۳ء تک تمام شعرا کی معلومات بہم پہنچاتے۔ لیکن تین وجوہات کی بنا پر ہم ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ ایک تو یہ کہ زیر نظر عنوان کے تحت ہمیں دیئے گئے نقش کوکن کے محدود صفحات اس بسیط موضوع کے لئے یقیناً ناکافی ہیں۔ دوسرے یہ کہ موجودہ نئی نسل کے تمام شعرا سے ہماری ناواقفیت ہے۔ اس لئے کسی ایک کو لیا جائے اور اپنی ناواقفیت اور کم مائیگی کی بنا پر دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو وہ اسے یقیناً حسد اور عداوت پر محمول کرے گا کہ عمداً اسے ذکر انداز (نظر انداز) کر دیا گیا۔ اس الزام سے بچاؤ اس سے بچنے کے لئے ہم نے کوکن کے بزرگ شعرا پر ہی اکتفا کیا ہے کیونکہ ان میں سے کچھ تو چل بسے ہیں اور جو باقی بچے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر شغل عنصری سے پرواز کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔ اگر نئی نسل کے نوجوان شعرا اور ان سے متعلق معلومات کی کوئی سبیل نکل آئی تو ان شاء اللہ دوسری قسط میں اس کا احاطہ کیا جائے گا۔

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ موزونیٔ طبیعت کے علاوہ تخلیق شاعری کے لئے کچھ محرکات، کچھ ترغیبات اور خارجی اثرات کا عمل دخل ہوتا ہے۔ چنانچہ ان ناموں کے ساتھ ساتھ اختصار کے ساتھ ان محرکات اور خارجی اثرات کا بھی ذکر کریں گے جن کی بنا پر وہ قادر الکلام شاعر بن سکے۔ پہلے پہل ہم شعرا کے ناموں کی فہرست پیش کرتے ہیں تاکہ ایک نظر میں ان سے واقفیت حاصل ہو۔ اس کے بعد پھر ہم اپنی ناقص معلومات اور کمزور یادداشت کا سہارا لے کر محرکات اور خارجی اثرات پر فرداً فرداً روشنی ڈالیں گے۔

یہ فہرست پیش کرنے سے قبل اس بات کا اظہار کرنا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ شعرائے کرام کے یہ نام ان کی بزرگی کو ملحوظ رکھ کر دیئے جا رہے ہیں۔ بزرگی سے مراد ان کی عظمت سخن اور کہنہ مشقی ہرگز نہیں ہے بلکہ ان کی عمر طبعی ہے۔ ہم نے یہ طریقہ کار اس لئے اختیار کیا ہے کہ ہمیں شدت سے احساس ہے کہ شاعر بڑا حساس اور جذباتی ہوتا ہے۔ اگر ہماری لغزش قلم سے اسے جائز مقام نہ مل سکا تو کہیں ڈر ہے ؏

انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینے کو

اگر اس احتیاط کے باوجود ہم کوئی لغزش کریں تو اسے تقاضائے بشریت پر محمول کیا جائے۔

فہرست شعرا

ظریف نظام پوری۔ تنویر رتناگری۔ مہر مہلانی، باغی بانکوٹی (مضمون نگار ہٰذا)، کامل ہینداوے، محمد یونس خنجر، عبدالستار علوی، حمزہ دلوی، حسرت، آزاد بانکوٹی۔ صوفی بانکوٹی۔ عارف بانکوٹی۔ ضیا بنی آزادنوی۔ شرف کمال۔ اختر راہی۔ ادم نصرت۔ ... بسمل بانکوٹی۔ خنجر بانکوٹی۔ شہاب بانکوٹی۔ لوہج بانکوٹی۔ محمود شیخ انجم، ابراہیم خان نظامی

اشیوقؔ ۔ علی امام شمسی ۔ محمد علی عرشی ۔ ابراہیم فطرت ۔ مظلوم بانکوٹی ۔
بانکوٹی ۔ قمر بیغ بانکوٹی ۔ محشر بانکوٹی ۔ داؤد غازی ۔ محمود الحسینا ہبر ۔
ان کے علاوہ اگر کچھ شعراء کے نام رہ گئے ہوں تو ان میں سے جو بقیدِ حیات
ان سے معذرت خواہ ہیں کیونکہ یہ ہماری معلومات کی کمی ہے یا پھر ہماری
اشت نے دغا دیا ہے ۔ اور جو داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے ہیں عالم بالا
ان کی ارواح کو بھی بخش دے ۔ مندرجہ بالا شعرائے کرام سے ہماری نظریں
سائی سے یکلخت غلطے مراسم بھی تھے یا ہیں ۔ اسی لئے یہ سارے
ے گرامی ہمارے دل و دماغ میں محفوظ ہیں ۔

سخن فہمی میں شہروں کی اہمیت :-

یوں تو شاعری کو جلا بخشنے میں قدرت کا بہت بڑا ہاتھ ہے ۔ لیکن اسے خوبصورت سانچے میں ڈھالنے اسے سجانے سنوارنے نکھارنے اور اس کے سارے نقش و نگار کھینچنے کے لئے شہروں نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے ۔ اسی طرح ہی شہروں کی شہرت بھی شاعروں کی رہینِ منت رہی ہے ۔ شاعروں کی ادبی زندگی کی تشکیل میں شہروں کی ادبی روایات اور شہروں کو ادبی مرکز بنانے میں شاعروں کی خدمات تاریخ ادب کے متعدد ابواب کا عنوان بنی ہیں ۔ دکنی کی شاعری ، دہلی کے ادبی فضاؤں میں جو عہد آفریں انقلاب لائی وہ تاریخ ادب کے قارئین سے مخفی نہیں ہے ۔ اکبرآباد کے ادبی آثار کو اکبرآباد نے جن موضوعات سے روشناس کرایا اس سے اہلِ نظر بخوبی واقف ہیں ۔ تاریخ کی ادبی اور لسانی خدمات لکھنؤ کو ایک نیا ادبی مرکز بنانے میں جو کردار ادا کیا ہے ۔ اس سے آگاہ ہیں ۔ میر تقی میرؔ کی حیات اور شاعری کے سلسلہ میں بھی بعض شہروں کی داستان کا بیان ناگزیر ہے ۔ میرؔ کا خمیر فخر البلاد اکبرآباد کی خاک سے تعمیر ہوا ۔

زندگی کا نصف ثانی دور دلّی میں خاک بسری کے عالم میں بسر ہوا اور بالآخر لکھنؤ میں پیوندِ خاک ہوئے اسی کی ترجمانی میرؔ نے اپنے اس شعر سے کی ہے ۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

شہر آشوب دہلی اور غالب اظہر من الشمس ہے ۔ ان شہروں کے علاوہ کلکتہ ، لاہور ، حیدرآباد اور عروس البلاد بمبئی نے نہ صرف شاعروں کو دوام بخشا اور معراجِ شہرت پر پہونچایا ۔ بلکہ ان شعراء نے بھی اپنے اپنے شہروں کا حقِ ادا کیا اور ان کی شہرت میں چار چاند لگا دیئے ۔

چنانچہ ہمارے شعراء کوکن کو بنانے اور سنوارنے میں عروس البلاد بمبئی نے لازوال کردار ادا کیا ہے

بلکہ ہم یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ اگر اس شہر کا وجود نہ ہوتا تو ہمارے شعراء کی ادبی زندگی مفقود ہو کر رہ جاتی ، ان کی ترقی و عروج کے علاوہ ان شعراء کی ادبی سرگرمیاں اسی شہر سے وابستہ ہیں ۔ چنانچہ اس ضمن میں بزمِ شعر و ادبِ کوکن ، وحلقۂ یارانِ ادب جیسی انجمنیں سرگرم کار ہو کر شعرائے کوکن کی نہ صرف نمائندگی کر رہی ہیں بلکہ ان کے ادبی ذوق و شوق کو بلا شبہ ابھار رہی ہیں ۔ بلکہ ہم یہ کہنے کی جسارت کریں گے کہ اگر اس شہر کا وجود نہ ہوتا تو ہمارے شعراء کی ادبی زندگی مطلق مفقود ہو کر رہ جاتی ۔ ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں اپنے شعراء کے تذکرہ و محرکات میں اس جامع روشنی ڈالیں گے ۔

غزل کا فنِ صنفِ سخن :-

عام طور پر ہمارے شعراء غزل گو شعراء ہیں ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ نظم میں طبع آزمائی نہیں کرتے ۔ اس میدان میں بھی انہوں نے معرکہ آرائی کی ہے ۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ عام رجحان غزل کی ہی طرف ہے ۔ لیکن ان کی یہ سعی بھی بڑی مستحسن اور قابلِ تحسین ہے ۔ کیونکہ " غزل بڑی کافر صنفِ سخن ہے ۔ یوں تو یہ غنائی صنف ہے ۔ مگر بہرگیر عروج و ترقی کے ساتھ ساتھ اس میں متعدد آوازیں مل گئی ہیں ۔ دراصل یہ صنف بحرِ سخن میں تیراکی یا ہاتھ پیر مارنا نہیں ہے ۔ یہ دراصل ایک طرح کی غواصی ہے ۔ شاعر ایک خاص بحر میں غوطہ لگاتا ہے ۔ غوطہ زنی کی سمت اور منزل ، بحر کا قافیہ اور ردیف نے متعین کی ہے ۔ ہر غوطہ میں موتی ہی اس کے ہاتھ نہیں لگتے ، سیپیاں اور گھونگے بھی مل جاتے ہیں ۔ بہرحال یہاں حسن کی مصوری بھی عشق کے حوالے سے ہوتی ہے ۔ سماج کی عکاسی

دردواثر کی آنکھ سے کی جاتی ہے۔ نظریات کی نفاقسی ایک مخصوص نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے اور اخلاق کی ترجمانی علمبرداری سے کی جاتی ہے۔ اس تیراکی اور غوطہ زنی میں وارداتِ عشق بھی ہے۔ جو زندگی کو معنی اور مقصد کی سمت اور جہت، گہرائی اور گیرائی دیتا ہے۔

یہ عشق جسم کا ہو یا روح کا، حقیقی ہو یا مجازی، چند افراد سے عشق ہو یا ایک تہذیب سے۔ افکار سے ہو یا جذبات کے طوفان سے۔ زندگی کے نہاں خانے کی کلید بن جاتا ہے اور ہماری نظر میں اسی کلید کا دوسرا نام شاعری ہے۔

یہ عشق محض جنسی جذبہ کا اظہار نہیں ہے، محض جذبات کا ابال نہیں ہے۔ محض ایک حیاتیاتی عمل نہیں ہے۔ بلکہ ایک نشان ہے، علامت ہے۔ اس مزاج، اس کیفیت، اس استعداد، اس عطیہ ربانی کی جو انسان کو حیوان سے ممیز کر دیتا ہے۔ پھر اسے اپنے جسم کے عناصر میں روح کا جلوہ دکھاتی ہے۔ جو جزو میں کل، ذرے میں آفتاب، شعاع میں سورج، کلی میں چمن، پھول میں گلستاں اور قطرے میں سمندر کا منظر پیش کرتی ہے جو فرد کو سماج، سماج کو تہذیب اور تہذیب کو انسانیت کی سطح لانے والی بنا دیتی ہے۔ شیو جی کے بتاں کی طرح اس کے ہزاروں نام ہیں۔ غرض یہ کہ سچی ہوئی عظیم اور معنی خیز شاعری میں عشق کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اس عشق میں تسلیم و رضا کی بھی گنجائش ہے اور جبرِ حیات پر طنز کی بھی۔ بدن کے حسن و شباب کی بھی اور روح کے طورِ سینا کی بھی۔ فریاد کی لے کی بھی اور مستی کی ترنگ کی بھی۔ قوسِ قزح کی طرح یہ ہفت رنگی ہے اور ہر رنگ اپنے اندر دلکشی اور جاذبِ نظر بہار رکھتا ہے۔

شاعر کا کام دراصل تہذیب کے ارتقا میں پورے انسان اور دوسرے انسانوں کا فطرت سے اس کی ہم آہنگی ہے زمین سے ایک رشتہ قائم کرنے اور آسمانوں میں اپنی ہستی اور مقام باقی رکھنے کا نام ہے۔ انسان تہذیبوں اور صنعتوں، شہری زندگی، سیاست، حکومت اور فطرت پر اقتدار کی دوڑ میں بہت کچھ حاصل کرتا ہے۔ مگر ایسا کرتے میں اپنی اساس سے کسی قدر کٹ بھی جاتا ہے۔ شاعری بند لفظوں اور خوابوں، حقائق کی نئی تنظیم اور توسیع ہے۔ لفظ میں یکتا ملتا ہے کہ یہ سخن بھی ہے، اصطلاحاتِ سخن بھی۔ سحر بھی ہے اور بین السطور بھی۔ علم بھی دیتا ہے اور فہم بھی۔ خیال بھی اور خواب بھی، یہ گنجینۂ معنی کا طلسم بھی ہے اور بوتل سے نکلا ہوا طلسماتی جن بھی۔ اس کے کوزے میں دریا بند ہو سکتے ہیں۔ اس کے قطرے میں سمندر کا جلال سما سکتا ہے۔ لفظوں کے امکانات اس پر کھلتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں لوہا موم ہوتا ہے جو کسی جذبہ کا مارا ہوا ہو۔ مگر اس نے ایسے جذبہ کو کام کیا ہو جو زندگی کا سارا زہر پی سکے اور اسے امرت بنا سکے۔

یہ جذبہ، یہ ضرب، یہ ولولہ، یہ زخم الفاظ کو بھی تیر و نشتر بنا دیتا ہے۔ ویسے الفاظ کے گنج اور خزانے بہت سوں کے پاس ہوتے ہیں۔ مگر ان الفاظ کو برتنا، ان کو سلیقہ سے کام میں لانا، ان کی آوازوں کی گونج، ان کے حسن کی تہوں، ان کے ذائقے، ان کی خوشبو، ان کی گرمی، ان کی نرمی، ان کی خیال کی سیڑھیاں، ان کے دوسرے الفاظ کی آمیزش سے کرتبوں اور کیفیتوں کی کرشمہ سازیاں ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے بڑا ریاض کرنا پڑتا ہے۔ بڑا خونِ جگر پینا پڑتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کسی خیال، کسی جلوے، کسی تجربے، کسی صورت، کسی مورت، کسی باغ، کسی ویرانے، کسی خلوت، کسی جلوت کا سایہ نہایت ضروری ہے۔ اور ہمارے شعراء نے بھی کسی نہ کسی شکل میں، کسی نہ کسی انداز سے ان سایوں میں پناہ لی۔ جلوتوں میں خیالات کے تانے بانے بُنے اور جلوتوں سے استفادہ حاصل کیا۔ اور اپنے لئے ایک مقام بنایا۔

(باقی آئندہ)

نقشِ کوکن کا اگلا شمارہ
عید نمبر
ہوگا۔

نتیجۂ فکر: نامعلوم

مرسلہ: قاسم کھوت ایم اے
متوطن پوفنون

خلیج العرب میں مقیم شوہر کے نام ہندوستانی بیوی کا خط

ملا ہے جب سے خط پیارے کہ رخصت پا رہے ہو تم
جب آؤ گے یہاں وہ دن خوشی کا عید کا ہوگا
بہت وزنی سے اک دو بیگ تمہارے ہاتھ میں ہوں گے
کمر ہی دہری تو ڈر ہے ہی سے میں پہچان جاؤں گی
میں ایئرپورٹ پر آؤں گی اپنی جان کو لینے
تمہارے ٹھاٹ دیکھوں گی تو یہ دل مسکرائے گا
"بہارو پھول برساؤ میرا محبوب آیا ہے"
مجھے کچھ چاہیئے کپڑا نئے جوڑے سلانے کو
دو درجن چاہیئے رومال اور بنیان کافی ہیں
وہاں سے کیمی (camy) کی ٹکیہ کوئی دس بیس لے آنا
میرے بھیا کی رادو (RADO) واچ اب بھول نہ جانا
منّی تازیہ ابّو کو ہر دم یاد کرتی ہے
یہ کیا لکھا ہے اگریمنٹ تمہارا آخری ہوگا؟
خدا کے واسطے پیارے کبھی ایسا نہ تم سوچو
ابھی تو گاؤں میں ہم کو بنگلہ بنانا ہے
ابھی تو سیر کرنے کو ٹویوٹا (Toyota) کار بھی ہونا
کبھی دیکھوں گی میں بھی گھر میں اپنے بھارتی فلمیں
جدا رہنے لگیں گے اک تمہاری شان کی خاطر
میرے دلبر میری باتوں پہ تھوڑا غور کر لینا
بسایا ہے سدا میں نے تمہیں اپنے خیالوں میں
خدا حافظ میرے جانی جواب جلدی سے دینا تم

مجھے خوابوں، خیالوں میں بہت تڑپا رہے ہو تم
عجب منظر میرے دلبر تمہاری دید کا ہوگا
ابھی بکسے بھی دو چار یقیناً ساتھ میں ہوں گے
ذرا تم بھی سنبھل کے آؤ تو تم کو مان جاؤں گی
گلی سے وین (van) بھی لاؤں گی اسی سامان کو لینے
کھلیں گے بکس جب گھر میں تو یوں دل گنگنائے گا
جاپانی ساڑی[1] میرے لئے کیا خوب لایا ہے
کوئی جاپانیس گز کے لے کہیں نہ بیچنے ڈالنے کو
دوپٹے کے لئے عمدہ سے اک دو تھان کافی ہیں
ٹیری اول سوٹ کا کپڑا صرف چھ بیس لے آنا
میری تو خیر ہے باجی کی ساڑی کا بھول نہ جانا
"منگاؤ بوسکی کرتا" یہی فریاد کرتی ہے
سعودی میں تمہارا سال کیا یہ آخری ہوگا؟
کرو گے کام کیا آ کر یہاں میرے صنم سوچو
عزیزوں کو امارت کا ابھی جلوہ دکھانا ہے
ابھی تو اپنے گھر میں ایک وی سی آر (VCR)[2] بھی ہونا
میرے محبوب کیا کیا حسرتیں جاگی ہیں اس دل میں
وہاں کے غیر ملکی قیمتی سامان کی خاطر
نیا اک ایگریمنٹ دو سال کا تم اور کر لینا
دعا یہ ہے رہو تم کھیلتے ہر دم ریالوں[3] میں
کب آئیں گی میری چیزیں ذرا اس کا بھی لکھنا تم

۱؎ جاپانی کپڑے کی ایک عمدہ قسم ۲؎ ویڈیو کیسیٹ ریکارڈر ۳؎ ریال، مملکت سعودیہ کا سکہ

صفحۂ خواتین کی پیش کش محترمہ نور جہاں بیگم محمود چوگلے کی رہین منت ہے۔ خدا انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

سعید رضوانی

لطفی رضوانی

وہ بلبل خوش نوا آج کہاں

(کوکنی قوم کے معزز رکن اور شاعر جناب لطفی رضوانی کا گذشتہ دنوں بمبئی میں انتقال ہوا۔ مرحوم کوکنی قوم کے کئی اداروں سے وابستہ تھے۔ ایک عرصہ تک دمہ کے مرض میں مبتلا رہنے کے بعد راہی ملک عدم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خدا مرحوم کو جنت الفردوس اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ——— ادارہ)

خطاکار بھی ہوں، گنہگار بھی ہوں
گو میں زہد و تقویٰ سے بیزار ہوں

مگر اے کرم کرنے والے کرم کر
کہ تیرے کرم کا سزاوار بھی ہوں

نام عبداللطیف ولد حسین خان، خاندانی لقب سونڈے تھا۔ بچپن ہی سے شعر و سخن کا ذوق رکھتے۔ والد محترم نے اپنے صاحبزادہ کی لیاقت سخن گوئی کی لذت محسوس کی۔ شاید یہی وجہ ہو کہ مختلف رسائل و کتب کے خصوصی مضامین کو بآواز بلند پڑھ کر سنانے کی تلقین فرماتے۔ اور بیٹا بخوشی اپنے والد بزرگ کا حکم بجا لاتا۔ مطالعے کا شوق بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ قریب و جوار کی لائبریری کی کوئی کتاب اٹھا نہ رکھی۔ نہایت کم عمری میں ہی آپ ایک اچھے ادیب بنے۔

ابتدائی دنوں میں آپ نے ایک کلرک کی حیثیت سے مسجد جامع ٹرسٹ بمبئی میں ملازمت کی۔ ٹرسٹ کے تمام نثر اردو لٹریچر کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی گئی تھی۔ جو کچھ آپ تحریر فرماتے اس میں ایک نقطہ کی ترمیم یا تنسیخ کی گنجائش نہ ہوتی۔

ابھی بائیس سال کا سن تھا۔ عروس البلاد بمبئی میں جگر مرادآبادی، ماہر القادری جیسی قادر الکلام ہستیاں، نیز ملک کے دیگر ممتاز شعراء ایک ادبی نشست کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ کسی طرح ان حضرات کرام سے متعارف ہوئے۔ اپنی چند غزلیں پیش کیں۔ خوش نصیب

ان پر ماہر القادری کی نظر پڑی۔ اور آپ نے دو ایک لفظوں سے شعروں کی اصلاح فرمائی۔ پھر کیا تھا آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ اور ایسے جلیل القدر استاد کی شفقت کی سعادت حاصل ہوئی۔ استادی و شاگردی کے رشتے رفتہ رفتہ استوار ہوتے چلے۔

عبداللطیف سے لطفی بنے، سونڈے سے رضوانی۔ اور کئی رسالوں کی زینت بنے۔ مسلسل محنت و کاوش تھی کہ غزلوں اور نظموں کا دیوان مرتب ہوا۔ جو انشاء اللہ بہت جلد شائع ہوگا۔

ماہنامہ فردوس کا اجراء۔ جناب لطفی صاحب نے اس رسالے کو ادب کے گل بوٹوں سے اس طرح سجایا کہ ادبی حلقوں میں بہت جلد یہ رسالہ مقبول ہوا۔ لیکن تجارتی اداروں کے عدم تعاون کا شکار رہا۔ اور بالآخر دو سال کے عرصہ بعد سے فلمی اور کاروباری اشتہارات کی نذر کر دیا گیا۔

لطفی صاحب نے غالباً دو سو سے زائد سہرے نظم کئے۔ وہ اپنے دوستوں کی شادی بیاہ کے موقع پر یہی تحفہ ایک خوبصورت فریم میں پیش کرتے رہے۔ اس میں ان کے شاعرانہ فن

کے جوہر اور شادی کی تاریخ یا آخری شعر بالخصوص مشاہیر
ہوتا۔ اکثر و بیشتر احباب و اقربا کے گھروں میں لطفی صاحب کا
یادگار تحفۂ خلوص موجود ہے۔

چاند کی دلہن ایک کتابچہ کی شکل میں شائع ہوئی۔ جو
لطفی صاحب کی رشد و ہدایت سے مزین ہے۔ اور جو
ایک کہانی کی صورت میں آپ نے بچوں کے لئے پیش کی۔
ادارہ کھلونا دہلی نے اسے شائع کیا۔ بلاشبہ یہ کتاب ادارہ
کی طبع شدہ بہترین کہانیوں میں شمار کی جاتی ہے۔

۱۹۶۷ء کی بات ہے فلم ڈویژن حکومت ہند کے محکمہ میں
ایک اردو کامنٹری کا شعبہ خالی تھا کسی موزوں شخص کی تلاش
تھی۔ تقریباً ۴۰ امیدوار سارے ملک سے آئے ہوئے
امیدواروں کی قطار میں تھے۔ اور ان میں موصوف بھی کھڑے
تھے۔ لیکن انتخابی بورڈ نے بالاتفاق یہ محسوس کیا کہ آپ کی
آواز، طرزِ خطابت، تلفظ اور لہجہ اوروں سے مختلف ہے۔
چنانچہ حکومتِ ہند کے فلم ڈویژن میں آپ بہ حیثیت کامنٹیٹر
چُنے گئے۔

آپ نے گذشتہ ۱۷ سالوں تک فلمی نیوز اور فلمی
ڈاکیومنٹری کے لئے اپنی آواز، فنِ خطابت گروی کر دی۔
آپ نے اَن گنت فلموں کے مکالمے، اپنی جگر گوش آواز
میں پیش کئے۔ یہ فلمیں ملک کی چودہ زبانوں میں تیار کی جاتی
تھیں۔ مہاراشٹر میں اردو کامنٹری فلمیں نہیں دکھائی جاتیں۔
حیدرآباد اور کشمیر میں اردو کامنٹری فلمیں ریلیز ہوتی تھیں۔
اسی دوران تاج محل پر حکومت نے ایک ڈاکیومنٹری تیار کی
جس کے اردو مکالمے اور اردو میں ڈبنگ ہوئی آواز میں اردو
کامنٹری کو بہترین قرار دیا گیا۔

رویتِ ہلال کے سلسلے میں لطفی صاحب نے کافی
ریسرچ کیا۔ ایک عرصے تک اسی تگ و دو میں لگے رہے۔
کئی ایک مضامین لکھے۔ اور آخر ایک مکمل کتاب طلوع و غروب
اور اسلام (جدید سائنس کی روشنی میں) (۱۹۶۰ء)
اس موضوع پر تحقیق کی۔ جس میں رصد گاہ کے مشاہدات قمر اور سن شمار
کی باریکیوں کو مختلف خاکوں کی مدد سے وضاحت کے ساتھ
سمجھانے کی کوشش کی۔ مذکورہ کتاب کے مقدمے میں مولانا
قاضی اطہر مبارکپوری کے علاوہ دوسرے اکابرین و علماء نے
بھی مصنف کی بے پناہ محنت کو قابلِ ستائش گردانا۔

گاندھی جی کے خطبات، جو ہندی میں ایک کتابی شکل میں
شائع ہوچکی تھی۔ اسے اردو زبان میں منتقل کرنے کا فریضہ
لطفی صاحب ہی کے سپرد کیا گیا... دو سو سے زائد صفحات
پر مشتمل اس کتاب کو آپ نے نہایت کاوش و انہماک سے
اردو زبان میں کچھ اس انداز سے ترجمہ کیا کہ ان خطبات کی خوبی
ابھر کر سامنے آئی۔

"چاند کب اور کیسے ہوگا" "عید کب ہوگی" کے عنوان
سے مقامی اخبارات میں شائع ہوتے رہتے۔ ایسے ریسرچ
کی بنیاد پر آپ کی پیش گوئی ہمیشہ صحیح ثابت ہوتی۔ یہ
سلسلہ تقریباً ۳۰ سال تک چلتا رہا۔

آپ کے مسلسل صحیح اعلانات کی وجہ تھی کہ بعض حلقوں میں یہ بات بھی مشہور
ہوگئی کہ آپ علم جفر کے ماہر ہیں۔ حالانکہ سائنسی معلومات کا علمِ جفر سے کیا رشتہ! عوام کی
اطلاع کے لئے یہ بھی عرض کر دیں کہ مرحوم کا یہ سلسلہ یقیناً جاری رہے گا تاکہ [illegible] انشاءاللہ
مسلمانوں کو سائنس کی روشنی میں رویتِ ہلال کی پیشگی معلومات فراہم کیا سکے۔

آپ نہایت صاف گو تھے۔ جھوٹ سے آپ کو دلی نفرت تھی بلا کا حافظہ پایا تھا۔
ہزاروں اشعار برجستہ سناتے۔ آپ ایک اچھے مقرر بھی تھے۔
قدرت کی سب سے بڑی دین آپ کی بارعب آواز تھی کہ گفتگو کا ہر کلمہ دل موہ لیتا۔
آپ کی عادت تھی کہ بڑے سے بڑی لغزش کو بھی نظر انداز کرتے لیکن دانستہ
شرارت پر بے ساختہ سخت سست سنا دیتے۔ حق کی خاطر جینا اور حق کی خاطر مرنا
یہی آپ کا شعارِ زندگی رہا۔ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا!
(س۔ ز)

مرحوم ابراہیم جونا والا

۱۳ اپریل ۸۴ء کو میمن برادری اور جونا والا خاندان کی ایک معزز ہستی جناب محمد ابراہیم جونا والا چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تقریباً ۵۱ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوگئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم جونا والا کو عزت، شہرت، مقبولیت اور اعلیٰ تعلیم سے نوازا۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو میمن برادری کے ایک متوسط گھرانے میں جنم لیا۔ ۱۹۵۲ء میں بی کام ۔ ۱۹۵۵ء میں ایل ایل بی بمبئی یونیورسٹی سے پاس کیا۔ ۱۹۵۸ء میں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کا امتحان پاس کیا اور اس وقت وہ آخری سانس تک آڈیٹر اور ٹیکس کنسلٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

ابراہیم جونا والا صاحب فطرتاً ہنس مکھ اور نرم مزاج تھے لیکن گرم دم جستجو بھی تھے۔ ان میں اپنے نام کی مناسبت سے ایک ابراہیمی جذبہ تھا۔ جس کے باعث وہ مختلف اداروں میں سرگرم عمل رہے۔

آپ میمن کوآپریٹیو بنک لمیٹڈ کے ۶۵ء سے ڈائریکٹر رہے اور ۷۵ء میں انہیں اعزازی جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا۔ بمبئی میں ایجوکیشن سوسائٹی کے موصوف چیئرمین تھے۔ جو فاروق سیٹھ احمد عمر بھائی پرائمری اور گرلز ہائی اسکول جوگیشوری بمبئی میں چلاتی ہے۔ میمن ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی کے ۱۹۵۸ء سے ممبر رہے۔ اور آخری دم تک اس کے نائب صدر رہے۔ ورلڈ میمن فاؤنڈیشن کے ٹرسٹی تھے۔ آل انڈیا میمن جماعت فیڈریشن کی منیجنگ کمیٹی کے ممبر تھے۔ کولسہ محلہ میمن جماعت کے ۱۹۵۸ء سے ممبر رہے اور گذشتہ ۵ سال سے اس جماعت کے نائب صدر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے تھے۔ کولسہ محلہ میمن برادرہڈ کے نائب صدر تھے۔ حاجی عبداللہ نور محمد ماچس والا اسکول ٹرسٹ کے منیجنگ ٹرسٹی تھے۔ اسماعیل بیگ محمد ہائی اسکول ٹرسٹ کے ٹرسٹی اور اعزازی سیکریٹری تھے۔ انجمن اخوان الاسلام پرائمری اسکول ٹرسٹ کے منیجنگ ٹرسٹی تھے۔ ہلائی میمن انڈسٹریل ہوم کے اعزازی خزانچی تھے۔ انجمن اسلام کے پراپرٹی منیجمنٹ کے بورڈ کے رکن اور ماسٹرز اسکولس منیجمنٹ ایسوسی ایشن کے اعزازی خزانچی تھے۔ ادارہ نقش کوکن کے سرپرستوں میں شامل تھے ـــــ ان تمام اداروں کے لئے انتقال کے دن تک وہ پورے جوش و خروش سے کام کرتے رہے۔ اور جب لوگ ان سے یہ دریافت کرتے کہ جونا والا صاحب آپ کچھ دیر کے لئے اپنی سماجی مصروفیات سے ہٹ کر آرام کیجئے تو ہنس کر جواب دیتے کہ "زندگی کا مقصد تو خدمت ہے اور خدمت سے چھٹکارا تو مرنے کے بعد ہی مل سکتا ہے۔" کسے خبر تھی کہ جن اداروں کی وہ خدمت کر رہے تھے ایک دن موت کے بے رحم پنجے اس خدمت کرنے والے دل کی دھڑکن کو یکلخت بند کر دیں گے۔ خیر موت سے کس کو رستگاری ہے۔ مشیت ایزدی کے سامنے ہر کوئی بے بس ہے۔ پتہ نہیں اب کون اس عہد ساز شخصیت کی فطرت اور خدمت کا جذبہ لے کر آگے بڑھ سکے گا۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے۔

کوکنی مسلم جماعت ممباسہ

وزیر محمد کاسو
اعزازی سیکریٹری

ممباسہ کینیا کا ساحلی علاقہ ہے، اور مشہور بندرگاہ بھی۔ یہاں پر ہمارے قومی بھائی ۱۸۹۰ء میں تلاشِ معاش کے لئے آئے تھے۔ اور اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ہم لوگ اس ملک میں آج ۹۰ سال سے بستے ہیں۔ ہمارے قومی بھائیوں میں کچھ لوگوں نے ممباسہ کو اپنا مسکن بنایا۔ اور کچھ لوگ نیروبی میں قیام پذیر ہوئے۔

ہمارے قومی بھائیوں کے لئے یہ ملک نیا تھا یہاں کی فضا نئی تھی۔ آج جو اس ملک کا نظارہ ہے وہ ان کے وقت کچھ بھی نہ تھا۔ اس وقت کی آمدنی کیا تھی ۱۰۰ یا ۱۵۰ شلنگ ماہوار۔ اور یہ سوچنے کی بات ہے کہ اس قلیل آمدنی میں اپنے بال بچوں کا گزارہ کر کے پھر کوکن میں اپنے متعلقین کو پیسہ بھیجنا کس قدر گراں بار تھا۔ اس زمانہ میں قومی بھائیوں میں آپس میں میل ملاپ، بھائی چارہ، ہمدردی اور آپس میں محبت تھی۔ اس لئے انہیں کوئی ادارہ اور سوسائٹی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان کا جو کچھ کام نکلتا وہ آپس میں مل جل کر کرتے۔ یہ سب اتفاق کا نتیجہ تھا۔ دیکھتے دیکھتے وقت گزرنے لگا۔ ہمارے قومی بھائیوں نے اس ملک میں ۱۹۱۴ء اور ۱۹۳۹ء کی دونوں جنگ کے نظارے بھی دیکھے۔ اس جنگ کے بعد اس ملک کے حالات بدلتے گئے۔ بچے جوان تعلیم یافتہ اور برسرِ روزگار ہوئے قومی بھائی بھی بیدار ہو گئے۔ پہلے پہل جو کوئی قومی ادارہ کھڑا ہوا اس کو شاید یہ سب سے پہلے ینگ کوکنی مسلمان ہو یا ... ادارہ مٹ گئی۔ بعد میں محفل میلاد سے کاروبار شروع ہوا۔ اور وہ بھی سرد پڑ گیا۔ اور جماعت کی کارروائی بڑے عرصہ تک بند رہی۔ بعد میں کوکنی مسلم جماعت ممباسہ پھر سے بیدار ہو گئی اور ۱۹۴۲ء میں کوکنی یوتھ لیگ بھی وجود میں آگئی۔ اس وقت بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو اس ادارہ کو مٹانے میں پیش پیش رہے۔ مگر ان کو اپنے ارادہ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یوتھ لیگ وجود میں آنے سے قوم میں بیداری پیدا ہو گئی اور یوتھ لیگ جماعت کے ہر کام میں پورا پورا ساتھ دیتی۔ اور جماعت کے ماتحت کام کرتی تھی۔ اگر یوتھ لیگ بھی اپنی بات پر اڑی رہتی تو قوم میں پھر پھوٹ پڑ جاتی۔

کوکنی مسلم جماعت ممباسہ کو جاری ہوئے آج تقریباً ۵۰ سال کا عرصہ ہوا ہوگا لیکن اس ادارہ نے اتنی ترقی نہیں کی جتنی غیر قوموں نے کی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو جھگڑا اور ضد وراثت کے طور پر عطا کیا ہے۔ اور دوسرا سب سے بڑا مرض یہ ہے کہ جو کچھ ہوں وہ ہم ہوں یہ دو چیزیں ہماری قوم کے زوال کا باعث ہیں۔

کوکنی مسلم جماعت ممباسہ کے کل ممبران کی تعداد ۴۰۰ کے قریب تھی۔ ۱۹۶۲ء میں کینیا آزاد ہوا۔ شہریت اور غیر شہریت کا سوال پیش آیا۔ جن قومی بھائیوں نے شہریت اختیار نہیں کی ان کو کینیا کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور انہیں لندن منتقل ہونا پڑا اور بہت سارے قومی بھائی ہم سے بچھڑ گئے۔ اور اس کا جماعت پر اثر پڑا۔ ابھی فی الحال اس جماعت کے کل ممبروں کی تعداد ۱۲۰ کے قریب ہو گئی ہے۔ اور مستورات اور نونہال ملا کر ۵۰۰ کے قریب ہیں۔ پھر بھی ادارہ ترقی کی جانب گامزن ہے۔ ...

کے فضل وکرم سے اس جماعت کی دو عمارتیں ہیں۔ ایک عمارت کے بالائی حصہ پر مسافروں کے لئے رہائش گاہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ اور نیچے کے فلیٹ کرایہ پر دیئے گئے ہیں۔ دوسری عمارت میں نیچے کے حصہ میں ایک ہال ہے اور بالائی حصہ پر فلیٹ کرایہ سے دیئے گئے ہیں۔ اور ۱۹۷۹ء میں اس ادارہ نے ایک نیا ہال تعمیر کیا جس میں شادی بیاہ اور دیگر مذہبی کاروائیاں ہوتی ہیں۔

نقشِ کوکن کے مدیر اعلیٰ محترم ڈاکٹر عبدالکریم نائیک مجالس میں دوبار تشریف لائے تھے۔ پہلی بار انھوں نے اپنے قومی بھائیوں سے ملاقات کرکے انھیں مل جل کر رہنے کی ترغیب دی۔ دوسری بار جب آئے اس وقت جماعت کے نئے ہال کا بھی معائنہ کیا۔ اور انھوں نے اپنے جذبات اور فراخدلی کا سب سے بڑا ثبوت دیا کہ (ایکسچینج کی پابندی کے سبب وہ بڑی رقم تو نہ دے سکے لیکن) اس وقت ان کے جیب میں جو بھی رقم تھی وہ ہال کے لئے بطور عطیہ پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب کے اس عمل نے مقامی اراکین پر اچھا اثر ڈالا اور قومی اتفاق کی جو لہر دوڑی ہے اس کے لئے ہم ڈاکٹر صاحب کے ممنون ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے اپنی نعمتیں رحمتیں اور برکتیں وسیع کرے۔ اور ماہنامہ نقشِ کوکن کو عروج بخشے۔ آمین۔

سالانہ جلسۂ انتخاب

کوکنی مسلم جماعت مجالس کا سالانہ عام اجلاس بتاریخ ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کو کوکنی مسلم ہال میں منعقد ہوا تھا۔ سال نو ۱۹۸۴ء کے لئے جو نیا انتخاب عمل میں آیا وہ حسب ذیل ہے:

چیرمن: الحاج عباس شمس الدین گوٹھے۔ نائب چیرمین: جناب عبداللہ دادرے۔ اعزازی سکریٹری: جناب فقیر محمد عبدالقادر کاسو۔ جوائنٹ سکریٹری: جناب حسین احمد پرکار۔ خازن: جناب علی صاحب دھنشے۔ نائب خازن: جناب عبدالستار مقدم۔

ممبران منتظمہ کمیٹی: جناب سید عبدالمطلب الحداد۔ جناب سید حسین نظیری۔ جناب سید ابراہیم نظیری۔ جناب عبدالرحمٰن سمناکے۔ جناب قاسم کھتیجے۔ جناب بشیر مقری۔ جناب عبدالرزاق بھکیا۔ جناب عبدالعزیز عمیف۔

اعتذار

پچھلے شمارہ (مئی ۸۴ء) میں کوکن بنک کے شائع شدہ اشتہار میں کاپی پیسٹر کی غلطی سے کوکن بنک کے مونوگرام کی جگہ بمبئی مرکنٹائل بنک کا مونوگرام چسپاں کردیا گیا ہے۔ اس غلطی کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔

(ادارہ)

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔ از:۔ مسٹر تابڑ توڑ

★ سوالات غیر مہذب اور غیر ذمہ دارانہ نہ ہوں۔

★ جوابات کے لئے مناسب جگہ چھوڑی جائے۔

★ زازلی بیگم یوسف درویش — ماہم ممبئی ۱۶

سوال:۔ جمہوریت کی صحیح تعریف کیا ہے؟

ج:۔ جمہوریت وہ طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

سوال:۔ فرسٹریشن کب آتا ہے؟

ج:۔ جب پرستار تو بہت ملیں مگر شریک کار، وفادار، غمگسار کوئی نہ ہو۔

★ بشریٰ قد ٹیس — ساکھری ناکہ راجاپور ضلع رتناگری

سوال:۔ بہو کتنی ہی سلیقہ شعار ہو اس کی پذیرائی نہیں ہوتی۔ مگر داماد کیسا بھی ہو ساس اس پر جان چھڑکتی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

ج:۔ اپنی بیٹی کو ہر ممکن تحفظ ملنے کی امید اور کوشش میں کوئی کوتاہ اندیش خوشامداً ایسا کرتی ہے۔

سوال:۔ کچھ لوگ دوسروں کے خطوط پڑھ کر پھر انہیں چپکا کر رکھ دینے کی تکلیف گوارا فرماتے ہیں۔ آخر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

ج:۔ یہ بھی چوری کی ایک قسم ہے۔ اور چور چوری کیوں کرتا ہے، یہ نہ آپ بتا سکیں گے نہ ہم۔

★ عبدالرزاق عمر ناڑکر — وکھرولی ممبئی

سوال:۔ ہم مثال میں کہتے ہیں کہ کبھی شعلہ کبھی شبنم" مگر سوچئے تو سہی کیا شبنم بھی شعلہ بن سکتی ہے؟

ج:۔ جی ہاں! البتہ آزمائش شرط ہے۔ شبنم کی طرح خاموش بیٹھی کسی شریف زادی کو چھیڑ کر دیکھئے۔ یکبارگی شعلے بھڑک اٹھیں گے۔

سوال:۔ کیا انسان بوڑھا ہوتا ہے تو اس کی عقل بھی بوڑھی ہوجاتی ہے؟

ج:۔ جوانوں کا یہی خیال ہے۔ اور دنیا میں جوانوں ہی کی اکثریت ہے۔ لہٰذا کثرتِ رائے میں وہ جیت جائیں گے۔

★ محمد سعید کنکلے — دہور ضلع رائے گڑھ

سوال:۔ K.G. کا فل فارم کیا ہے؟

ج:۔ کنڈرگارٹن۔

سوال:۔ سچائی اور صاف گوئی کا مظہر کون ہے؟

ج:۔ ضمیر

★ غلام حسین شیخ — غرناطہ بحرین

سوال:۔ سنا ہے کنواری لڑکیوں کو ہسٹریا نام کی بیماری ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اور علاج کیا ہے؟

ج:۔ ہسٹریا (Hysteria) ایک ذہنی بیماری ہے۔ اور یہ صرف کنواری لڑکیوں تک موقوف نہیں بلکہ شادی شدہ کو بھی ہوسکتی ہے۔ اور اس کی وجوہات بھی مختلف ہوسکتی ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ماہر معالج Psychiatrist کو بتایا جائے۔۔۔

★ اشفاق احمد صلاح الدین برڈے — ... بمبئی

سوال: اگر کوئی لڑکی روٹھ جائے تو اسے کس طرح منایا جائے؟

ج: یہ تو اس کی عمر پر منحصر ہے۔ اس ضمن میں لالی پاپ سے لے کر رانی باغ کی سیر، سینما کے ٹکٹ یا خوبصورت ساڑی کوئی بھی چیز کارگر ہو سکتی ہے۔

سوال: پیار سے کیا دوں کہ وہ زندگی بھر مجھے یاد کرے؟

ج: تلخ تجربہ۔

★ الطاف اسماعیل ملا — کمرہ ... سنگمیشور

سوال: آپ تین جوابات دینے کا اعلان کرتے ہیں مگر کبھی چار پانچ جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔ کیا آپ کا قانون بدل گیا ہے؟

ج: نقش کوکن کوئی قانونی جریدہ نہیں ہے نیز سوال وجواب کا کام عوامی دلچسپی کی بات ہے جہاں تک ہماری یادداشت کا تعلق ہے زیادہ جوابات نہیں دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ خود ہمیں اپنی تنگ دامانی کا احساس ہے۔ اور بالفرض دلچسپ اور معلومات افزا سوالوں کے جوابات میں یہ قید نظر انداز کی بھی گئی ہو تو کیا مضائقہ ہے۔

سوال: میں نے کئی سوالات کیے۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا کیا ہمارے سوالات مشکل ہوتے ہیں؟

ج: مشکل نہیں بلکہ ناقابلِ توجہ۔

★ ایس اے آر جوگلے — کرلا بمبئی ۷۰

سوال: پوری دنیا کی سیر کے لئے کتنا عرصہ لگے گا؟

ج: یہ تو آپ کی سواری پر منحصر ہے۔ آپ بیل گاڑی میں جا رہے ہیں یا ہوائی جہاز میں۔

سوال: دل کی دھڑکن کس بات کو ظاہر کرتی ہے؟

ج: ابھی محبوب زندہ ہے ابھی ارمان باقی ہے

سوال: آئینہ اور شکل میں کیا فرق ہے؟

آپ آئینہ پر بھروسہ کر سکتے ہیں شکل پر نہیں۔

★ محمد انعامدار — شریوردھن ضلع رائے گڈھ

سوال: اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی۔ اس مصرعہ کا پورا شعر یا مصرعہ اولیٰ کیا ہے؟

ج: اصل شعر اس طرح ہے:

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر
اب جگر تھام کے بیٹھو میری باری آئی

یہ شعر لالہ مادھو رام جوہر کا ہے جو داغ و میر کے زمانے سے پہلے گزرے ہیں۔ آپ ہی کے ایک دوسرے شعر کا مصرعہ بھی کافی مشہور ہے۔ شعر یوں ہے:

اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا

★ نذیرہ یعقوب الوارے — پارک سائٹ وکھرولی بمبئی

سوال: کچھ لڑکے حسین لڑکیوں کو دیکھ کر آہیں بھرتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

ج: کم ظرفی کا اظہار۔

سوال: گھڑی کی ٹک ٹک اور دل کی دھڑکن میں کیا تعلق ہے؟

ج: دونوں زندگی کی علامتیں ہیں۔ البتہ ٹک ٹک رک جائے تو درست کیا جا سکتا ہے۔ دھڑکن بند ہو تو پھر کوئی علاج نہیں

★ اعجاز خان عبداللطیف خان — بھنڈی بازار اسٹریٹ بمبئی ۳

سوال: مرد زیادہ عقلمند ہوتا ہے یا عورت؟

ج: عورت! کیا آپ نے کبھی یہ دیکھا کہ کسی عورت نے کسی نکمے مرد کے ساتھ صرف اس لئے شادی کی کہ وہ خوبصورت ہے۔

سوال: بیوی کو اپنے شوہر سے زیادہ محبت ہوتی ہے یا شوہر کو اپنی بیوی سے؟

ج: ابھی توبہ کیجئے! اس رشتہ میں محبت کا کیا کام۔

ہفت روزہ "فوزان" تھانے کا
اُردو ووکیشنل گائیڈ

از: مولوی سمیع اللہ

اس رسالے میں طلبہ کی تعلیمی رہنمائی کی گئی ہے۔

ایس ایس سی پاس یا فیل طلبہ جو مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ رسالہ ان کے لئے بہترین رہنما ہے۔

یوں تو اس کے مدیر جناب ہارون برق اور سلمان ماہی ہیں مگر یہ شمارہ جناب مبارک کاپڑی صاحب کی نگرانی میں شائع ہوا ہے۔ اس کی قیمت پانچ روپے ہے۔ اور یہ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ ہفت روزہ فوزان کی پہلی سالگرہ کے موقع پر خصوصی اشاعت کا تحفہ طلبہ کے لئے ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ اس میں ان کے مستقبل کی رہنمائی ہے۔ یعنی ایس ایس سی کے بعد وہ کون سی لائن اختیار کریں گے، اور تعلیم کے کس شعبے میں جائیں گے۔ اس کی پوری تفصیل پیش کر دی گئی ہے۔

آج کل ہر تعلیم کی بیسیوں شاخیں ہیں۔ پھر اس کی بہت سی ذیلی تقسیمیں ہیں۔ پھر ان تعلیموں کے دو چند مراکز ہیں۔ جنہیں کالج کہا جاتا ہے۔ ہر کالج ایک نہ ایک یونیورسٹی سے ملحق ہوتا ہے۔ طالب علم کون سی لائن کا انتخاب کرے۔ پھر وہ کس کالج کو منتخب کرے۔ اس کے متعلق نہایت صحیح اور مفید معلومات اس رسالے میں مہیا کی گئی ہیں۔

ہر ریاست کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کی الگ الگ فہرست درج ہے۔

تعلیم کے متعلق عام طور پر یہ خیال ہے کہ ڈاکٹری، انجینئرنگ وکالت یا ٹیچری یہی خاص خاص تعلیمیں ہیں۔ مگر اس رسالے کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ تعلیم کی اور بیسیوں شاخیں ہیں۔ جو معزز، اور معقول آمدنی پیدا کرنے والی ہیں۔

رسالہ "فوزان" نے حتی الامکان ان تمام شاخوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس میں اسے کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

اس رسالے کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ یونانی، آیورویدک اور ہومیو پیتھک تعلیم کے بھی بہت سے کالج ہیں۔ اور ان کالجوں کے سند یافتہ طلبہ بھی ایلو پیتھک طلبہ کی طرح مستند سمجھے جاتے ہیں۔

اس میں وظائف اور ہوسٹلوں کے متعلق بھی ضروری معلومات ہیں۔ حصولِ تعلیم کے لئے بہت سے طلبہ وظائف اور ہوسٹل کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر وہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کے لئے اس حصے کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

اس میں مراسلاتی "ڈگری تعلیم" کے متعلق بھی ضروری معلومات ہیں۔ یہ بھی ڈگری حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے — غرض "فوزان" کی خصوصی پیشکش طالب علموں کا بہترین رہنما ہے۔ انہیں اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

اس میں یہ درج ہے کہ کون سا کلاس پاس کرنے کے بعد فوج، پولیس، پائلٹ، مرچنٹ نیوی، صحافت اور ہوٹل انڈسٹری کی تعلیم بھی حاصل کر سکتے ہیں جو باعزت اور آرام دہ زندگی گزارنے کے ذرائع ہیں۔ سرکاری ملازمت

پرائیویٹ ملازمت اور آزاد تجارت کے بارے میں بھی معلومات ہیں۔

یہ رسالہ جناب مبارک کاپڑی صاحب کی ذہانت و طباعی کے علاوہ محنت کا بھی جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ (سمیع اللہ)

تقویۃ الایمان

مصنف : مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ

صفحات : ۱۰۷

قیمت : دس روپے

کاغذ، کتابت و طباعت : عمدہ۔ اعلیٰ قسم کا۔

ملنے کا پتہ :۔ دار السلفیہ ۱۴۱ محمد علی بلڈنگ
بھنڈی بازار۔ بمبئی ۳

مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کا نام نامی محتاج تعارف نہیں۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے تھے۔

زیر تبصرہ کتاب ان کی ایک مستقل تصنیف "رد الاشراک" کا ایک باب ہے۔ جس میں الگ الگ عنوانوں کے ماتحت شرک جلی و خفی، ذاتی و صفاتی کی نشاندہی کر کے اس کی تردید کی گئی ہے۔

اصل کتاب لگ بھگ دو سو سال پہلے کی تصنیف ہے۔ جب اردو زبان ترقی و شستگی کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس لئے اس کی زبان صاف و شستہ نہیں تھی۔ جناب مختار احمد صاحب ندوی نے اسے صاف و شستہ اردو میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک قابل تعریف کوشش ہے۔ لیکن بہتر یہ ہوتا کہ ایسے جتنے الفاظ تھے وہ بھی قوسین میں دے دیئے جاتے۔ مصنف کا اصل مدعا سمجھنے کی یہی صورت تھی۔

ایک جگہ اس کتاب کی تعریف میں بہت مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ اردو زبان میں قرآن مجید کے بعد یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ حالانکہ بریلوی حضرات جن کی ملک میں غالب اکثریت ہے اس کتاب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ اس کی قدر دانی صرف اہل حدیث اور دیوبندی مسلک کے مسلمانوں میں ہے۔

مصنف ایک عالم متبحر، صوفی باصفا اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے باغستان کے مقام بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

آپ امکان نظیر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی قائل تھے۔

مرزا غالب نے آپ ہی کے خیال کی تائید کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃ للعالمینے ہم بود
(کلیات غالب فارسی)

گوشِ بر آواز

★ بمبئی کے ایئرپورٹ پر فی کس ایک سو روپئے ایئرپورٹ ٹیکس یا پاسنجر ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا ایئرپورٹ کی تعمیر کا خرچ ابھی تک وصول نہیں ہوا؟ بیرون ممالک، خصوصاً گلف (A. GULF) میں جو لوگ تلاشِ معاش کے لئے جاتے ہیں ان میں اکثر تو مقروض اور انتہا درجے کے غریب ہوتے ہیں۔ ان پر یہ ایک بوجھ سا ہے۔ تو دوسری طرف عرب حضرات جو سیر و تفریح کی غرض سے یا زیادہ تر علاج کی خاطر ہندوستان کا سفر کرتے ہیں۔ واپسی پر جب ان کے پاس سو روپے نہیں ہوتے تو ان کو طرح طرح سے پریشان کیا جاتا ہے۔ اور وہ لوگ حکومتِ ہند کی اس پالیسی کی وجہ سے سخت ناراض ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ دکھ کی بات نہیں ہے کہ حکومتِ ہند نے ایشیائی گیمس اور دولتِ مشترکہ کی کانفرنس پر تو کروڑوں روپئے خرچ کئے نیز دہلی، کلکتہ اور دوسرے ہوائی اڈوں پر کوئی ٹیکس نہ لگے۔ پھر بمبئی ایئرپورٹ پر سفر کرنے والے مسافروں پر یہ کیا مصیبت ہے؟ کیا ابھی تک ایئرپورٹ کا خرچ موصول نہیں ہوا ہے؟ یا حکومت مہاراشٹر ٹرک برج کے ٹیکس کی طرح ایئرپورٹ ٹیکس بھی اس وقت تک جاری رکھنا چاہتی ہے جب تک کوئی نیک بندہ اس پر مقدمہ دائر نہیں کرتا۔

تاہم ڈاکٹر عبدالکریم نائیک اور جناب مبارک کاپڑی سے جو اپنے پہلا اور آخری صفحہ کے ذریعے حکومت کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہیں، امید کرتے ہیں کہ ہماری (یعنی قوم کی) آواز حکومتِ ہند تک اپنے قلم سے یا کسی اور ذریعہ سے پہونچا کر عوام کو اس ٹیکس سے نجات دلائیں گے۔

ابراہیم عبداللہ پرکار — بحرین۔

★ میں نقشِ کوکن کا نہ صرف لائف ممبر ہوں بلکہ باقاعدگی سے اس کا مطالعہ بھی کرتا ہوں۔ اور یہ لکھتے ہوئے مجھے خوشی ہے کہ فی الحال اس کا معیار کافی بلند ہو گیا ہے۔ کوکن کی عام معلومات کے علاوہ اچھے اچھے مضامین بھی پڑھنے ملتے ہیں۔

پرچہ ملتے ہی مبارک کاپڑی صاحب کا پہلا اور آخری صفحہ پہلے پڑھ لیتا ہوں۔ ان کے بے خوف اور بخطوص حقائق پر لکھے جانے والے صفحات بہت متاثر کرتے ہیں۔ اپریل ۸۳ء کے شمارہ میں آخری صفحات "قومی زمانہ کیا ہوتا ہے" بے حد پسند آیا۔ میری جانب سے دلی مبارکباد۔

ایچ بی مقدم — کرلا۔ بمبئی ۷۰

★ اپریل ۸۳ء کا پرچہ نظر نواز ہوا۔ ۱۹ فارمیٹ پر مشتمل پہلا صفحہ حقیقتاً آج کی ہندوستانی سیاست کو بے نقاب کرتا ہے۔ مشرف صاحب کا "مولود نامہ" بھی بلند پایہ تحقیق ہے۔

محمد سعید عبدالستار کنکے
دمہور ضلع مالے گڑھ

★ یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ گزشتہ ۲ ماہ سے نقش کوکن رتناگری کے ایک اسٹال پر نظر آرہا ہے۔ نقش کوکن معنوی حیثیت سے دن بدن نکھرتا جارہا ہے۔ اب ضرورت ہے اسے صوری معنوں میں نکھارنے کی۔ میرا مطلب ہے کتابت و طباعت پر بھرپور توجہ دینی چاہئے۔ جس کا اظہار کئی قارئین اپنے خطوط میں پہلے بھی کرچکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ قارئین کے جذبات و احساسات کی آپ قدر کریں گے۔

بشیر قمر سومیشوری

لہ آپ کا محبوب پرچہ اب صرف رتناگری میں نہیں بلکہ ضلع رائے گڑھ میں بھی کئی S.T. اسٹینڈ کے بک اسٹالوں پر دستیاب ہے۔ (ادارہ)

★ میں نقش کوکن کا خریدار نہیں مگر مستقل قاری ہوں۔ پرچہ کیا ہے گلہائے رنگارنگ کا حسین گلدستہ ہے۔ اللہ اسے نظرِ بد سے بچائے۔

تازہ شمارہ میں شرف صاحب کا مولو ڈرامہ، جھینپ، شذرات بہت پسند آئے۔ جناب باغی بانکوٹی صاحب آئندہ ماہ سے مستقل لکھنے والے ہیں، جان کر بہت خوشی ہے۔ مبارک کاپڑی صاحب کو [illegible] جاری کرنے پر دلی مبارک باد۔

پیرکار تاج الدین تاج
ہیوہ تعلقہ منڈنگڑھ

> جن خطوط، مراسلات، مضامین، سوالات، خبریں یا رپورٹ بھیجنے والے کا مکمل نام و پتہ نہ ہو — ادارہ انہیں شائع کرنے سے قاصر ہے۔

شوکت قاضی

اُف یہ فسادات

بمبئی کے موجودہ حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے۔ ہر طرف فساد، جھگڑے، لوٹ مار، قتل و غارت گری ہی نظر آتی ہے۔ کیا مسلمان ایسے ہی ظلم سہتے رہے گا اس کا جواب ہم مسلمانوں کو سوچنا ہے۔

آج مسلمانوں نے اپنا حق اپنے ہاتھوں سے ختم کردیا۔ قرآن مجید جو عالم کی ہدایت کے لئے نازل ہوا دوسری اقوام نے اس سے مدد لی اور کامیاب ہوگئی مگر مسلمانوں نے اسے طاقوں میں سجائے رکھا ہے۔

نماز، جو برائیوں سے روکتی ہے ہم اس کے لئے کبھی جمع نہیں ہوتے۔ البتہ جھگڑے فساد کی باتیں سننے کیلئے آن واحد میں جمع ہوجائیں گے۔ اور پھر دوسروں پر الزام لگائیں گے کہ یہ سیاست ہے... اب بھی اگر ہمیں سمجھ آئے اور ہم قرآن پڑھیں اور نماز قائم کریں اور دین کے بتائے ہوئے راستوں پر عمل پیرا ہوں تو کیا نہیں ہوسکتا۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا:

"مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا"

اگر آج ہندو اپنی رامائن اور گیتا کا پاٹھ کریں اور مسلمان قرآن پر عمل کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ جھگڑے پیدا ہوں۔ فتنہ و فساد تو شیطانی حربہ ہے اور آدمی جب مذہب سے قریب ہوجاتا ہے تو شیطان اس سے دور بھاگتا ہے۔

مرتبہ: فی بن صماد

ممباسہ اور نیروبی کے درمیان تین روزہ ٹورنامنٹ

۱۹ اپریل جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو کم و بیش چالیس افراد پر مشتمل ایک قافلہ کوکنی اسپورٹس کلب کے جھنڈے تلے بذریعہ بس ممباسہ سے نیروبی کے لئے روانہ ہوا۔ تین سو میل کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ قافلہ دوسرے دن لگ بھگ دوسرے دن دس بجے نیروبی پہنچا جہاں پہ میزبان کوکنی مسلم کلب نیروبی نے اپنے مہمانوں کا پرجوش خیر مقدم کیا۔

نماز جمعہ کے بعد اس سہ روزہ انٹرسٹی ٹورنامنٹ کا آغاز نٹ بال میچ سے ہوا جو رسٹی اسٹیڈیم پر کھیلا گیا۔ یہ میچ ایک خاص تاریخی حیثیت اس لئے رکھتا ہے کیونکہ ٹیم پہلی مرتبہ اپنے کھیل کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک ایسے اسٹیڈیم پر اتر آئے تھے جہاں بہت ہی اہم اور بین الاقوامی میچیس کھیلے جاتے ہیں۔ اس میچ میں نیروبی کو تین کے مقابلے میں چار پوسٹ میچ پینالٹیز سے جیت ہوئی۔

اگرچہ مہمان کلب کے کھلاڑیوں کے چہروں پر تکان کے آثار نمایاں تھے، پروگرام کے مطابق جمعہ ہی کی شب کو وہ آرین کلب میں بیڈمنٹن ٹورنامنٹ کھیلنے کے لئے صرف کمربستہ ہی نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے میزبان ٹیم کو ایک کے مقابلے میں پانچ گیمس سے ہرا بھی دیا۔

سنیچر ۲۱ اپریل کو سر یوسف علی اسپورٹس گراؤنڈ پہ کرکٹ کا کھیلا گیا جس میں مقامی ٹیم نے ممباسہ کو دو سو چار رنز کی شکست فاش دی۔ اسی رات کوکنی مسلم کلب میں کھیلے گئے ٹیبل ٹینس اور ڈارٹس ٹورنامنٹ میں بھی نیروبی نے بالترتیب صفر کے مقابلے میں چھ اور دو کے مقابلے میں تین سے فتح پائی۔ اور اس طرح اپنے مقابل کلب پر ۱-۴ کی اولیت سبقت لے کر یہ سالانہ ٹورنامنٹ جیت لیا تیسرے اور آخری روز صرف والی بال کا میچ کھیلنا باقی رہ گیا تھا۔ جسے ممباسہ نے ایک کے مقابلے میں تین گیمس سے جیتا۔ اتوار ۲۲ اپریل کی شب کو مہمان کلب کے اعزاز میں رکھے گئے ایک الوداعی عشائیے کے ساتھ ٹورنامنٹ اختتام پذیر ہوا۔

افریقہ کی سرزمین پر دو الگ الگ شہروں میں بسے ہوئے کوکنی مسلم بھائیوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی اس سے بہتر اور کونسی راہ نکل سکتی ہے؟ ہم اکابرین قوم سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس سالانہ ٹورنامنٹ کو بدستور جاری رکھیں گے اور گزارش کرتے ہیں کہ وہ ان مقابلوں کے درمیان میں ہار جیت پہ اتفاق و قومی یکجہتی کو ترجیح دیں گے۔

نامہ نگار: شیخ اسماعیل نیروبی

کوکنی مسلم کلب نیروبی کا سالانہ جلسہ

کلب کا ۴۳واں سالانہ جلسہ و الیکشن مورخہ ۲۸ اپریل ۸۴ بروز سنیچر کوکنی مسلم ایسوسی ایشن ہال میں زیر صدارت جناب محمد قاسم بھاتے منعقد ہوا۔ سال رواں کے لئے مندرجہ ذیل نئی مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر: جناب عبدالرشید خطیب۔ نائب صدر: جناب عبداللطیف مابکر۔ سیکریٹری: جناب شاہد بھاتے۔ اسسٹنٹ

یکریٹری: جناب حنیف خان ۔ خازن: جناب علیم الدین
بی۔ اسپورٹس سیکریٹری:۔ جناب شکیل خان ۔
الین مجلسِ منتظمہ:۔ جناب فضل کھامبے. جناب عمر مقری.
یب لیاقت علی خلفے ۔ جناب شرف الدین پرکار اور
ب مشتاق احمد قاضی۔

ناب عمر قاضی
سنٹرل حج ایڈوائزری بورڈ کے رکن

حکومتِ ہند نے شہر بمبئی سے سابق ایم ایل اے عمر ا ے
نی کو سینٹرل حج ایڈوائزری بورڈ کا ممبر نامزد کیا ہے.
عمر قاضی نے حکومتِ مہاراشٹر کی مختلف کمیٹیوں میں
بقدر خدمات انجام دی ہیں ۔ آپ نے اپنی انتھک محنت
سالم تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بحیثیت چیئرمین
ساراشٹر اوورسیز ایمپلائمنٹ اینڈ ایکسپورٹ پروموشن
پریشن کی از سر نو تنظیم کی. اور اس کے لئے بنیادیں مضبوط
ستوار کیں.

ن مسلمانانِ مجگاؤں کا جلسہ

انجمن مسلمانانِ مجگاؤں کا جلسہ تقسیمِ انعامات ۳ اپریل
ء میں سینٹ میری ہائی اسکول ہال میں منعقد ہوا. ڈاکٹر
عبد الغفور بحیثیت مہمانِ خصوصی شریک تھے. خوش الحان
جناب داؤد مقادم صاحب کی تلاوت قرآن مجید سے
کا آغاز ہوا. جناب محمد حسین عمر نے جلسہ کی غرض و غایت
روشنی ڈالی . اور انجمن کے صدر جناب علی میاں عبد الغنی
نے مہمانِ خصوصی کا استقبال اور تعارف کیا. انجمن کے
زی جنرل سیکریٹری جناب ابوبکر عبد اللطیف ملاّ نے
کی کارگزاریوں کی رپورٹ پیش کی.
گلپوشی کے بعد ۱۹۸۳ء کے ایس ایس سی امتحان میں ۹۰ فیصد
اید نمبر حاصل کر کے حلقہ مجگاؤں میں اول. دوم اور
۱۹۸۳ء

سوم آنے والے طلبہ کو مہمانِ خصوصی کے ہاتھوں انعامات دیئے
گئے . اور ایک طالبہ کو بارہویں کے امتحان میں اول آنے پر
جناب الحاج عبد العلی عبد الرحمٰن نائیک بیرسٹر اسکالرشپ
پیش کی گئی .

ڈاکٹر عبد الکریم محمد نائیک صاحب نے اپنے مرحوم چچا
جناب الحاج زین الدین عبد الرحمٰن شیخ کی یاد میں انجمن کو
اپنی جانب سے ڈھائی ہزار روپے پیش کیے تاکہ آئندہ یہ
انعامات مرحوم الحاج زین الدین عبد الرحمٰن شیخ کے نام سے
دیئے جائیں. بعد ازاں انجمن کے سیکریٹری جناب ابوبکر عبد اللطیف
ملا کی ان کے رفقائے کار کی جانب سے بطورِ عقیدت مہمانِ خصوصی
کے ہاتھوں گلپوشی کی گئی ۔ اور ان کی خدمت میں ایک قیمتی
سفاری سوٹ کیس پیش کیا گیا۔
خطبۂ صدارت کے بعد سو نمبر انعامات پانے والے
حضرات کو انعامات دیئے گئے۔ جلسہ میں تفریحی پروگرام کا
اہتمام بھی کیا گیا تھا.

لہ کسے خبر تھی کہ خواجہ صاحب آخری بار عوام سے خطاب
کرنے آئے تھے . اس لئے کہ مورخہ ۲۶ اپریل ۸۳ کو ان کا
انتقال ہو گیا.

بمبئی کرکٹ کلب دوحہ/قطر کی
مسلسل دوسری کامیابی

۲۴ مارچ ۸۳ء کی شام کو بمبئی کرکٹ کلب نے تالیوں اور
مبارکبادی کی گونج میں قطر کرکٹ ایسوسی ایشن ٹرافی لے کر
دوسرا کارنامہ انجام دیا. اس سے پہلے سنہ ۱۹۸۲ء کے ٹورنامنٹ
کی ٹرافی بھی بمبئی کرکٹ کلب قطر ہی جیت چکا ہے.
بمبئی کرکٹ کلب کے حالیہ کپتان عبد الرشید پرکار نے ۱۷ رن
بنائے اور مین آف دی میچ قرار پائے۔ حسن رضا نے ۴۹ رن
بنائے . انھوں نے عبد الرشید پرکار کا آخر تک ساتھ دیا تھا. حسن رضا

بقیہ ...

۔۔ ٹ آؤٹ رہے۔

بمبئی کرکٹ کلب نے ۲۸ اوورز میں ۱۹۰ رنز بنائے۔ مقابل کی ٹیم الشعلہ نے ۳۰ اوورس میں صرف ۱۸۰ رنز بنایا اور آؤٹ ہوگئی۔ ۳۰ اوور کی محدود بیٹنگ میں بمبئی کرکٹ کلب نے کئی شاندار ریکارڈس قائم کئے۔

سیزن کا تیسرا ٹورنامنٹ کوکن کرکٹ کلب قطر نے شروع کروایا ہے۔ جس میں پہلے میچ کی سیریز میں بمبئی کرکٹ کلب اور یونس کرکٹ کلب سخت مقابلے کے بعد حریفوں کو مات دے چکا ہے۔

انٹرنیشنل ہاکی

قطر میں پہلی بار انٹرنیشنل ہاکی میچ ۸ اپریل ۱۹۸۴ء کو ہوا۔ یہ میچ انڈیا پاکستان کے درمیان سخت مقابلے اور دلچسپ اسپورٹس اسپرٹ کے ساتھ برابری پر ختم ہوا۔ دوحہ کے اولمپک گراؤنڈ پر خلیفہ اسٹیڈیم میں ہوا۔ دونوں ٹیموں کے حصے میں ایک ایک گول آیا۔

جماعت المسلمین مانگاؤں کیلئے عطیہ

جماعت المسلمین مانگاؤں ضلع رائے گڑھ کا اپیل نامہ برائے تعمیر مسجد موضع مانگاؤں کے سلسلے میں کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ میں الحاج قاسم عبدالقادر دھنشے اور داؤد محمد اسحاق دھنشے نے خود، اور ذاتی محنت سے درج ذیل مخیر اشخاص سے ٹوٹل 4600 ریال (39,100 روپیے) چندہ اکٹھا کر کے مانگاؤں جماعت المسلمین کو فراہم کئے۔ مانگاؤں جماعت عطیہ دہندگانِ کیپ ٹاؤن کا ممنون و مشکور ہے۔

	ریال	روپیے اندازاً
۱) جناب قاسم عبدالقادر دھنشے	500=00	4250
۲) " عبدالقادر حاجی اسحاق گنگریکر	500=00	4250
۳) " داؤد محمد اسحاق دھنشے	500=00	4250
۴) جناب حاجی آدم علی بندرکر	250	2125
۵) " محمد امین عثمان دھنشے	250	2125
۶) " اسحاق اینڈ اسمٰعیل داؤد نمکر	250	2125
۷) " حاجی آدم عثمان بندرکر	250	2125
۸) " ڈاکٹر جلال الدین احمد دھنشے	250	2125
۹) " فضل الدین قاسم دھنشے	100	850
۱۰) " اسماعیل بابیکر	250	2125
۱۱) " رفیق عثمان مرتضیٰ	200	700
۱۲) " آغا علی لوکنڈے	250	.125
۱۳) " حاجی عثمان ذالگاؤنکر	200	1700
۱۴) " حاجی اسماعیل عبداللہ ہرنیکر	100	850
۱۵) " حسین میاں یونس آکلیکر	100	850
۱۶) " حسین داؤد مقدم	100	850
۱۷) " حاجی عمر بابی عبداللہ دھنشے	100	850
۱۸) " سلیمان ابراہیم بندرکر	100	850
۱۹) " سیف الدین سونڈے	100	850
۲۰) " یعقوب محمود ملا	100	850
۲۱) " حاجی عبدالقادر عبداللہ ٹھبے	50	425
۲۲) " حاجی عبدالرحمٰن یونس بڑے	50	425
۲۳) " حاجی آدم ابراہیم موئیکر	50	425

اگر آپ کوئی افواہ سنیں

تو خود سراسیمہ ہو کر اس افواہ کو کسی اور تک پہونچانے سے پہلے آپ اس بات کی تصدیق کر لیجیے کہ اس میں کتنی صداقت ہے۔

(ادارہ)

صابو صدیق کالج آف انجینئرنگ

ممبئی، مہاراشٹر کے معروف ترین ادارہ صابو صدیق پالی ٹیکنیک کو صابو صدیق کالج آف انجینئرنگ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تقریب کا آغاز کالج آف انجینئرنگ کی نئی بننے والی عمارت کی کھدائی سے ہوا۔ اس رسم کو ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا سابق وزیر حکومت مہاراشٹر نے انجام دیا۔ اس مبارک موقع پر ہم پرنسپل قادر حسین اور انتظامیہ کے دیگر حضرات کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ نیز بارگاہ خداوندی میں دعاگو ہیں کہ وہ اس مرحلے کو جلد انجام تک طے کرا دے۔ آمین۔

نور پرکار کی تصنیف کا اجراء

۷ اپریل ۱۹۸۳ء کو نیو انگلش اسکول جابریہ میں نور پرکار کے افسانوں کے مجموعے "دوسرا بھوروخان" کا اجراء، ہندوستانی سفارت خانے کے قونصلر جناب پی وی جوشی نے کیا۔ نور پرکار کی یہ چھٹی تصنیف ہے۔ اس تقریب کی نظامت جناب طاہر کیفی نے کی، جن خواتین و حضرات نے مقالات اور تقاریر سے اپنی آرا پیش کیں ان میں اقبال حسین، فریدہ قریشی، عبداللہ ساجد، جے شری چیٹرجی، ڈاکٹر صابر جواد موسوی، اطہر ندیم، سعید صفدر، مظہر منہاس، قونصلر سفارت خانہ پاکستان جناب عبدالحق اور ایم ایچ پرکار شامل تھے۔ جلسے کی صدارت مشہور تاجر جناب سی ایس کھانوری نے کی اور جناب ایم ڈی خان نے بہ حیثیت مہمان خصوصی شرکت کی۔ جنھوں نے ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے مصنف کی سراپا محبت شخصیت کا ذکر کیا۔

اعزازی کتب قبول کرنے والوں میں عباس ڈاور، محمد صالح بروڈ۔ ایم ڈی خان۔ ڈاکٹر مسعود عالم شمس، امان اللہ سرکھوت، ڈاکٹر مستبشر پاریکھ، کبیر قاسمی۔ احمد کریم جیکہ، عنایت اللہ دلوی۔ عبداللہ دلوی۔ سراج غزال کے نام قابل ذکر ہیں۔ تقریب کو کامیاب بنانے میں یعقوب پاشا۔ نعیم پرکار۔ کمال اظہر اور نور اللہ دلوی نے نمایاں حصہ لیا۔

انجمن اتحاد المستقیم کا سالانہ جلسہ

انجمن اتحاد المستقیم دابھول کا ساتواں سالانہ جلسہ عام ۹ مئی ۱۹۸۳ء کو انجمن کے دفتر میں انعقاد پذیر ہوا۔ صدارت جناب ابراہیم فخرالدین پنجی نے فرمائی۔ حساب و کتاب اور روداد کی پیشی کے بعد نئے عہدیداران اور اراکین انتظامیہ کا چناؤ عمل میں آیا۔ مستقبل کے دو سالہ منصوبہ کے تحت دابھول میں فوری علاج کا مرکز، خواتین ویلفیئر سینٹر اور اردو کے جی کلاس کا اجراء زیر غور ہے۔

انجمن نے جامع مسجد دابھول میں وضو کا پانی بذریعہ پائپ فراہم کیا ہے۔ نیز فری اسلامی لائبریری قائم کی ہے۔ مستحق طلبہ کو پانچ سال سے کاپیاں اور کتابیں مفت تقسیم کر رہی ہے۔ کفن کا مکمل سامان مفت دینے کا انتظام کیا ہے۔

نامہ نگار: جمال الدین درویش (سیکریٹری)

کھیڈ میں اردو کے جی کلاس کو منظوری

انجمن تعلیم کھیڈ ضلع رتناگری نے تین سال قبل اردو پرائمری و ثانوی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا معیار تعلیم بلند کرنے کے پیش نظر آزمائشی طور پر جونیئر کے جی و سینئر کے جی (اردو/انگلش) کلاس شروع کئے۔ گزشتہ ۲۰ سال سے تعلیمی میدان میں خدمت دینے والے اس ادارہ کا تجربہ کامیاب ہوا۔ اور حکومت نے امسال اردو کے جی و پرائمری کو منظوری دی ہے۔

سال رواں میں تیسری جماعت تو اگلے سال چوتھی اس طرح کے جی سے لے کر دسویں تک طلبہ کی تعلیمی ترقی کی ذمہ داری ادارہ نے اپنے سر لی ہے۔ اس سلسلہ میں انجمن کے صدر جناب وہاب علی صاحب (ریٹائرڈ اسسٹنٹ کمشنر آف پولیس) اور جناب آر ڈی خطیب کی مساعی قابل ستائش ہیں۔

جناب فقیر محمد مستری کے اعزاز میں جلسہ

مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۸۳ء اکو ترن بائی ہال بمبئی ۹ میں جماعت المسلمین رنگ حقیمان بمبئی اور بمبئی کے دیگر کئی سماجی، تعلیمی و فلاحی اداروں کی جانب سے عالی جناب فقیر محمد مستری کی بمبئی پورٹ ٹرسٹ میں ۳۲ سالہ سروس سے سبکدوشی پر ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت مغل لائن لمیٹڈ کے منیجر جناب محمد سعید دادر کر صاحب نے فرمائی۔ جماعت کے سیکریٹری جناب نور محمد مقدم کی استقبالیہ تقریر کے بعد جناب عبدالقادر حسام الدین بانگی، جناب شرف کمالی، جناب علی ایم شمسی، جناب عمر ادکٹے۔ افریقہ سے آئے ہوئے ایک صحافی جناب اے قیس اور ڈاکٹر عبدالکریم نائیک صاحب نے مستری صاحب کی خدمات جلیلہ اور اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈالی اور جناب ابراہیم خان طالب نے ایک منظوم سپاسنامہ پڑھا۔ آخر میں تمام اداروں اور دیگر چاہنے والوں نے مستری صاحب کی گلپوشی کی اور چاندی کا بنا ہوا ایک جہاز بطور یادگار پیش کیا۔ جلسہ میں جناب عبدالحمید حسین مقدم نے نظامت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے۔ اس سے ایک روز قبل گودی مزدوروں نے ایک الوداعی تقریب کا اہتمام کیا تھا جس کی صدارت مشہور آفاق مزدور لیڈر شری ایس آر کلکرنی (پریسیڈنٹ آل انڈیا پورٹ اینڈ ڈاک ورکرس فیڈریشن) نے انجام دی۔ پورٹ ٹرسٹ کے کئی افسران شریک جلسہ ہوئے اور ورکنگ سیکشن کے ورکروں نے اپنے محبوب ساتھی کو گلپوشی اور تحائف سے نوازا۔

دابھول ایجوکیشنل سوسائٹی کا سالانہ جلسہ

۲۸ اپریل ۱۹۸۳ء کو مذکورہ بالا سوسائٹی کا سالانہ جلسہ عام جناب محمود ابراہیم فقیہ صاحب کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوا۔ تلاوت قرآن پاک اور پچھلی روداد کی منظوری کے بعد دابھول اردو ہائی اسکول کے اولین و دیگر گریجویٹ انور کمال الدین بدر اور محمود حسن فرنیس نیز ہونہار طالب علم نشارہ وجیہ الدین الڈے کی گلپوشی کی گئی۔ اسی طرح سوسائٹی کے صدر جناب عثمان بچی صاحب کی حکومت مہاراشٹر کی جانب سے پورٹ مشاورتی کمیٹی پر تقرری پر مبارکباد دیتے ہوئے گلپوشی کی گئی۔ اس کے بعد نئے انتخابات عمل میں آئے۔ صدارت کے عہدہ پر جناب بچی صاحب کو پھر ایکبار منتخب کیا گیا جناب شمس الدین فرنیس نائب صدر چنے گئے تو سیکریٹری کے عہدہ پر جناب شعبان بامنے اور خازن جناب حسین عبداللہ ڈانڈیکر منتخب ہوئے۔

ماڈل انگلش اسکول سیلطوڑہ کا جشن سیمیں

موضع سیلطوڑہ ضلع رتناگری جسے ہندوستانی بحریہ میں اپنی سابقہ خدمات کی وجہ سے پچیس ۲۵ سال قبل قائم کردہ مسلم ایجوکیشن سوسائٹی اور اس کے زیر اہتمام جاری کردہ ماڈل انگلش اسکول نے اپنی زندگی کے پچیس سال مکمل کر لئے۔ اور اس خوشی میں ۱۲ مئی ۸۳ء کو ایک جشن سیمیں silver jubilee زیر صدارت عالیجناب بھائی ساونت وزیر حکومت مہاراشٹر انعقاد پذیر ہوا۔ ڈی ایڈ کالج رتناگری کی سابق پرنسپل شریمتی ریگے بطور مہمان خصوصی شریک تھیں۔ پیش امام صاحب کی خوش الحان تلاوت کے بعد جلسہ کا آغاز ہوا۔ اسکول کی طالبات نے سواگت گیت گاکر مہمانوں کا خیرمقدم کیا اور ہائی اسکول کے پرنسپل جناب مقدم صاحب نے استقبالیہ تقریر کی۔ سوسائٹی کے صدر ہندوستانی بحریہ کے ریٹائرڈ لیفٹیننٹ کمانڈر پاگر کر صاحب نے سوسائٹی کی پچیس ۲۵ سالہ کارگزاریوں پر روشنی ڈالی۔ اسکول کے اولین صدر مدرس جناب بجگاؤنکر صاحب نے اپنے ان تجربات کو بیان فرمایا جو اس اسکول کے قیام و انصرام میں انہیں در پیش آئے تھے۔ نیز موجودہ ترقی پذیر صورت حال کے پیش نظر کچھ سود مند تجاویز پیش کیں۔ اسکول کے سابق طالب علم اور علاقے کی ایک بااثر شخصیت شری رام الکھاڑے نے ولولہ انگیز تقریر میں ادارہ کے روشن مستقبل کی گواہی دی۔ جلسہ میں گاؤں کی

سینکڑوں خواتین و حضرات اور قرب و جوار کے گاؤں سے متعدد نامور ہستیاں، گرام پنچایتوں کے سوپرا نیز سماجی کارکنان کثیر تعداد میں شریک تھے۔ جلسہ کے صدر آنریبل بھائی ساونت نے خطبۂ صدارت سے قبل اس تقریب کے لئے خصوصی طور پر شائع کردہ مجلہ (souvenir) کا اجراء فرمایا۔ مجلہ میں اسکول سے کامیاب ہو کر نکلنے والے معزز و محترم سابق طلبہ کی تصاویر، کھیل کود، اعلیٰ کارکردگی اور تعلیمی ریکارڈ قائم کرنے والے موجودہ طلبہ کی تصاویر اور کچھ ضروری معلومات پیش کی گئی تھیں۔ ڈرائنگ ٹیچر مستری شستی کانت پیڈے کے اظہارِ تشکر کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ اس پروگرام کی نظامت کے لئے جناب فقیر محمد مستری صاحب کو بطورِ خاص بمبئی سے لایا گیا تھا۔ ۹ بجے شروع ہونے والا پروگرام وزیر موصوف کی تاخیر سے آمد پر ساڑھے ۱۱ بجے شروع ہوا۔ لوگ انتظار کرتے تھک گئے تھے مگر مستری صاحب کی خوبصورت اناؤنسنگ نے پورے نظم و ضبط کے ساتھ پروگرام تکمیل تک پہنچایا۔

وزیر موصوف نے اس پروگرام میں آنے سے قبل سیطوڑہ میں ایک مراٹھی اسکول کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ اسکول گرام پنچایت سیطوڑہ کے زیرِ اہتمام تعمیر ہونے والا ہے۔

ایجوکیشنل ویلفیئر سوسائٹی کے صدر جناب احمد عبدالرحمٰن قاضی اور جناب حسن المعروف یوسف عبدالرحمٰن چیلوان نائب صدر مسلم ایجوکیشن سوسائٹی، دیگر اکابرین و کارکنان پروگرام کے انعقاد و انصرام میں پیش پیش تھے۔

پروگرام کے بعد متواتر دو شب میں لوگوں کی تفریحِ طبع کے لئے ڈراموں کا انتظام کیا گیا تھا

★ ★
★

۴۵ لاکھ کا سامان ضبط

سندھو درگ کے قریب گہرے سمندر میں ۲۳ ... کو ایک جہاز سے ۴۵ لاکھ روپئے کی مالیت کا غیر قانونی ... دستیاب ہونے کے نتیجہ میں تعلقہ پنچایت سمیتی کے ایک ... چیئرمین کو گرفتار کیا گیا۔ یہ غیر قانونی سامان ایک جہاز ... قبضہ کرنے کے بعد دستیاب ہوا تھا۔ جہاز کے گیارہ افراد گرفتار ...

کوکن بینک کے نئے ٹیلیفون نمبر

کوکن مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک مجگاؤں ڈی۔ بی ...

فون نمبر حسبِ ذیل ہیں:-

سوئچ بورڈ:- ۸۶۸۳۲۲ / ۸۶۸۳۹۹ / ۸۷۲۹۹۷۱

جنرل منیجر:- ۸۷۲۹۹۶۹

سینٹرل آفس برانچ منیجر:- ۸۷۲۹۹۷۰

تصویریں

…اب عثمان بیجھی

جنب عثمان عبداللہ بیجھی داابھول تعلقہ داپلی ضلع رتناگری
…ای شخصیت ہیں۔ آپ نے داابھول ایجوکیشن سوسائٹی
…اور انجمن خیرالاسلام کے تعاون سے داابھول میں
…تعلیم کا ہائی اسکول جاری کیا۔ گذشتہ دس سالوں سے
…اس سوسائٹی کے صدر چنے جاتے ہیں۔ اس طرح داابھول
…دس کمیٹی جو قرب و جوار میں فلاحی سرگرمیوں کا
…ادارہ ہے۔ اس کی صدارت کا بار بھی آپ اٹھائے
…آپ کی کوششوں سے داابھول سے ایس ٹی کی ایک
…شبینہ (رات رانی) شروع ہوئی ہے۔ ممبئی میں
…جہاں آپ قیام پذیر ہیں کئی اداروں سے
…ہیں۔

…تعلیم میں بی اے کی سند حاصل کرنے کے بعد
…ایل ایل بی کا بھی امتحان پاس کیا۔ مگر پریکٹس
…بجائے بیچیالیہ میں سرفرس اختیار کی۔ مگر حال ہی
…نے کاروبار اختیار کیا ہے گیٹ وے آف انڈیا
…بردار لانچوں میں آپ مالکان میں شامل ہیں۔ اعلیٰ
…کے نتیجہ میں آپ کو گیٹ وے علی فنڈا جل دھنوک
…سنستھا کا سیکریٹری چن گیا۔ اور پچھلے پانچ
…سے آپ اس عہدہ پر فائز ہیں۔ ملکی و غیر ملکی سیاحوں
…دلچسپی اور آبی وسائل کی معلومات کے پیش نظر
…مہاراشٹرا نے آپ کو آل مہاراشٹر بورڈ ایڈوائزری
…مقرر کیا ہے۔ اس اعزاز پر ہم آپ کو دلی مبارکباد
…ہیں۔

ڈاکٹر نظیر جوٗلے

ڈاکٹر نظیر احمد اسماعیل جوٗلے (متوطن کڈوی ضلع رتناگری) نے میڈیکل سائنس میں اپنی جولانیٔ طبع کی بنا پر نہ صرف امتحان پہ امتحان پاس کئے ہیں بلکہ ہر بار ہیلی کوشش میں کامیابی نے ان کے قدم چومے اور امتیازی شان و شوکت نے انھیں اعزاز بخشا ہے۔ ایم ڈی (فزیشین) کے امتحان میں نمایاں کامیابی کے بعد آپ کارڈیالوجی (امراضِ قلب) میں پچھلے دنوں ممبئی یونیورسٹی سے اعلیٰ سند حاصل کر چکے ہیں۔ اسناد کے ساتھ آپ نے کئی تمغے (میڈل) اور انعامات بھی وصول کئے، اور اس طرح حصول علم کو آپ نے عزت بخشی۔ ابھی آپ KEM ہسپتال میں ٹیوٹران کارڈیالوجی یعنی امراض قلب کے استاد کی حیثیت رکھتے تھے کہ فی الحال آپ کا سینٹ جارج ہسپتال ممبئی میں بطور آنریری فزیشن تقرر عمل میں آیا ہے۔ یہ ایک گرانقدر اعزاز ہے۔ اور اس کے لئے ہم ڈاکٹر جوٗلے اور ان کے والدین کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

صوفی بانکوٹی یادگار نقرئی کپ

بزم اردو چپلون ضلع رتناگری نے حضرت صوفی بانکوٹی مرحوم (مصنف: بادۂ صافی) کی یاد میں نقد مالی عطیہ اور گشتی سلور کپ پر مشتمل غزل خوانی کا ایک خصوصی انعام جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کا اعلان ہم ماہ اپریل ۸۴ء کے نقش کوکن میں شائع کر چکے ہیں۔ زیر نظر تصویر میں وہ خوب صورت اور قیمتی نقرئی کپ دکھائی دے رہا ہے جو تقریباً ایک ہزار روپے کی لاگت سے بطور خاص اس یادگار انعام کے لئے بنوایا گیا ہے۔ خالص چاندی کا بنا ہوا یہ صوفی بانکوٹی یادگار نقرئی کپ بزم شعر و ادب کوکن کے صدر حضرت مہر مہسلائی (مصنف: نزہتِ دل) نے ممبئی کے ایک ماہر اور تجربہ کار جوہری سے اپنی ذاتی نگرانی میں تیار کروایا ہے۔

(بقیہ تصویریں صفحہ [illegible] پر)

نقش نواز

نقشِ کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست شائع کرنے سے نہ صرف آپ قوم و ادب کے خیر خواہوں سے واقف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے:

• لائف ممبر:

ڈاکٹر محمد علی پاٹنکر — بمبئی ۸
ماسٹر نور محمد شہاب الدین مہاتاڈ نائیک — سیرل ضلع رتناگری
شاہین ٹراویلس — بمبئی ۹
جناب سید عبدالمطلب — ممباسہ (افریقہ)
" عبدالستار بھاردے — یو ایس اے (امریکہ)

• سالانہ خریدار:

جناب حسین یونس کرجیکر — دھیولی ضلع رائے گڈھ
" فضل الدین جمال الدین خطیب — وڈولی " "
" محمود اسحاق کاپڑی — بمبئی ۳۲
محترمہ شمع آدم چوگلے — بہرولی ضلع رتناگری
جناب محمد سعید چوگلے — بمبئی ۱۰
محترمہ ممتاز امیرالدین کردیکر — گورے گاؤں بمبئی ۶۳

• بیرونِ ہند سالانہ خریدار:

جناب آدم عبدالغفور کنڈلیک — الخبر سعودی عربیہ
" خلیل احمد وانگڑے — جدہ " "
محترمہ حمیدہ پوتاضی — لندن
" ساجدہ محمد طاہر چوگلے — کراچی
جناب وحید علی میاں مقدم — ابوظہبی
" بشیر کے خان — ابوظہبی
" خضر کے خان — ابوظہبی
" غفور محمد شریف خان — ابوظہبی
" عبدالغنی شنگرے — ابوظہبی

تصحیح

پچھلے شمارہ (مئی ۸۴ء) میں بیرونِ ہند سالانہ خریداروں میں جناب عبدالحی اسماعیل کنکے کا نام سہوِ کتابت سے عبداللہ لکھا گیا ہے۔ ادارہ اس کے لئے معذرت خواہ ہے۔

اسی شمارہ (مئی ۸۴ء) میں لائف ممبروں کی فہرست میں اردو اسکول ممبکہ تعلقہ کھیڑ کا نام شامل ہے۔ اس ادارہ کے نام تاحیات خریداری جناب عبدالغفور احمد شیخ حال مقیم منامہ بحرین کا رہینِ منت ہے۔

بمبئی کا فرقہ وارانہ فساد

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں (اقبال)

فرقہ وارانہ فساد آزاد ہندوستان کی قسمت کا ایک اٹوٹ حصہ بن گیا ہے۔ یہ بڑا کا بچہ بڑھتے بڑھتے ۳۸ سال کا جوان بن چکا ہے۔ اس عمر میں جس طرح زندگی کی تمام امنگیں پورے شباب پر ہوتی ہیں اس کے بڑھنے بھڑنے کی امنگیں اور صلاحیتیں بھی پورے شباب پر پہونچ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نیا فرقہ وارانہ فساد پرانے فسادات کے ریکارڈ توڑ دیتا ہے۔ بھیونڈی، گونڈی اور بمبئی میں جو کچھ ہوا وہ اس پر شاہد ہے۔ دس دنوں کے اندر لگ بھگ تین سو افراد اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ساٹھ ہزار انسان بے گھر ہو گئے۔ سینکڑوں مکانات جل گئے۔ گھر کا سامان خاکستر ہو گیا اور زندگی بھر کی کمائی دفعتاً نذر آتش ہو گئی۔

ہم تو ایک نوحہ خواں کی طرح ان کی خانہ ویرانی پر نوحہ کر رہے ہیں لیکن اس المیہ، تباہی اور بربادی کی ہوشربا ہونا کی کا صحیح احساس انھیں کو ہوگا جو اس فساد میں خانماں برباد ہو گئے۔

لیڈرانِ قوم : اس فساد کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ بعض لیڈرانِ قوم کے غلط فیصلے اور غیر ذمہ دارانہ تقاریر نے فساد کی یہ آگ بھڑکائی۔ یہ بات صحیح بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ لیڈر جو ہوسِ اقتدار میں ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں یا وہ غیر ذمہ دارانہ لیڈر جو تعمیر پر تخریب کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی قوم کی سیرت کی مثبت رنگ میں تعمیر کرنے کی بجائے اس کو منافرت اور تخریب کی راہ پر چلنے کی ترغیب دیتے ہیں ان سے یہ حرکت بعید از عقل نہیں ہماری قوم کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ آزادیٔ ہند کے بعد اس ملک میں اس قسم کے بے شمار لیڈر پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کے اپنے اپنے چمچے اور کوریاں ہیں جنھیں یہ مختلف مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ یہ کثیر المقاصد گروہ ہوتے ہیں عقل سے کورے شرافت سے عاریاں اور انسانیت سے بے بہرہ۔ اس لئے یہ ہر مذموم سے مذموم کام کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ بمبئی کے فساد کا ایک پہلو یہ بھی ہے۔ اور کوئی باخبر انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

شرپسند عناصر : اس فساد کا دوسرا پہلو شرپسند عناصر کی قتل و خونریزی اور لوٹ مار کی ہوس ہے۔ وہ اسی بہانے اپنے حریف کو ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ شراب کی بھٹی چلانے والے، مٹکا کا کاروبار کرنے والے۔ اسی طرح کے دوسرے جرائم پیشہ اس موقع کو غنیمت

سمجھتے ہیں۔ اور اپنے حریف کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ یا انھیں موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

لوٹ مار کی خواہش : دوسرا طبقہ وہ ہے جو دوسروں کے مال و دولت اور خوش حالی و فارغ البالی کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے اور اس تاک میں رہتا ہے کہ کوئی موقع ملے تو لوٹ مار شروع کر دیں۔

لیڈروں کے آلۂ کار : ایک اور طبقہ وہ ہے جو پیشہ ور شر پسند تو نہیں مگر معاشی طور پر خستہ حال ہے؛ انھیں یہ کہہ کر بھڑکایا جاتا ہے کہ دیکھو تم ریاست کے اصل باشندے ہو مگر تم پر معاش کے دروازے بند ہیں، ہر قسم کی تجارت اور ذرائع آمدنی پر دوسری ریاستوں کے لوگوں کا قبضہ ہے۔ تم انھیں تباہ و برباد کر کے خوش حال و فارغ البال بن جاؤ۔ ان کے لیڈر یہ محسوس نہیں کرتے کہ کوئی قوم لوٹ مار کر کے خوش حال نہیں بن جاتی۔ بلکہ علم، ہنر، دستکاری، تجارت اور محنت و مشقت سے خوش حال بنتی ہے۔ مگر زندگی کا یہ گر سکھانے والا قوم میں مفقود ہے۔

مسلمانوں کی طرف رُخ : فرقہ وارانہ فسادات کے اسباب و علل پر غور کیجئے تو ہر جگہ یہ حقیقت نظر آئے گی۔ یہ اور بات ہے کہ ابھی اس قوم کا رُخ صرف مسلمانوں کی طرف ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں نے آزادیٔ ہند کے بعد اپنے علم و ہنر اور محنت و مشقت کے ذریعہ اپنی معاشی حالت کچھ کچھ سنبھال لی ہے اور ان کا معیارِ زندگی بھی کچھ بہتر ہو گیا ہے۔ لیکن یقین جانئے کہ جس دن یہ مسلمانوں سے فارغ ہو گئے تو دوسری قوموں کی طرف رُخ کریں گے اور قتل و خون اور لوٹ مار کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ ہندوستان میں کوئی متنفس زندہ ہے۔ بس یہ سمجھئے کہ

آج ہماری کل تمھاری باری ہے۔

آزاد ہندوستان میں بار بار جو فسادات ہوتے ہیں اس کی ایک وجہ ہوشیار سیاست دانوں کی موقع شناسی بھی ہے۔ اور ہم یہ بات بے تامل کہہ سکتے ہیں کہ سیاستداں چھوٹا ہو یا بڑا اس حربے کے استعمال کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتا بلکہ بے محابا اور بے تحاشہ کرتا ہے۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے زخم | قیام پاکستان کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل جس طرح زخم خوردہ ہوئے اس زخم کے مندمل ہونے کے کئی مواقع آئے مگر ان سیاستدانوں نے اسے مندمل نہیں ہونے دیا۔ جب کسی سیاستداں کی کرسیٔ اقتدار ڈگمگائی اس نے فوراً ہندو مسلم فساد کا سہارا لیا۔ اور یہ کھیل ابھی تک جاری ہے۔ یہ آزاد ہندوستان کی تاریخ کا ایک نہایت شرمناک باب ہے۔ مگر سیاست ایک گندہ کھیل ہے۔ اس میں شرم و حیا کا کیا کام۔ بمبئی کے حالیہ فسادات میں بھی سیاست دانوں کی بازیگری نظر آتی ہے۔ جنرل الکشن کے دن قریب آ رہے ہیں۔ ہر پارٹی ہندوستانی عوام کو حکمراں پارٹی سے بدظن کرنے کے لئے اس قسم کے حربے استعمال کرنے کی کوشش کرے گی۔

سی آئی اے | ہم اس بات کے قائل نہیں کہ اپنی ہر غلطی کو سی آئی اے کے سر تھوپ دیں، مگر یہ رپورٹ جو آئی کہ ٹرامبے کو اڑانے کی کوشش کی گئی۔ اور اسی لئے اس علاقے میں کرفیو نافذ کرنا پڑا۔ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس فساد میں سی آئی اے کا ہاتھ ہے۔ ٹرامبے کی تباہی صرف بمبئی اور پونہ کی تباہی نہیں۔ بلکہ پورے ہندوستان کی تباہی ہے، یہیں ہندوستان کا ایٹمک پاور اسٹیشن ہے۔ اس کی تباہی سے اس علاقے میں قیامت برپا ہو سکتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کام سی آئی اے ہی کرا سکتی ہے۔ تاکہ اس طرح اس ملک کو کمزور کیا جا سکے اور روس کے ساتھ دوستی کا مزہ چکھایا جائے۔

اداریہ

آزمائش

موجودہ حالات مسلمانوں کو تشویش میں ڈال رہے ہیں۔

ان کے سامنے ایک سوال کھڑا ہوتا ہے کہ اللہ کا دین اپنانے کے باوجود انھیں آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد انھیں آزمائشوں میں ڈالا جائیگا۔ اور یہ کہ مسلمانوں سے قبل بھی لوگوں کو آزمایا گیا ہے تاکہ یہ جانا جائے کہ کون اپنے دین میں سچّا ہے اور کون جھوٹا۔

الٓمٓ ۝ أحسب الناس أن يتركوا أن يقولوا آمنا وهم لا يفتنون ۝ ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمنّ الله الذين صدقوا وليعلمنّ الكاذبين ۝

آزمائشیں الگ الگ قسم کی ہوں گی۔

اور بشارت صابرین کے لئے ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ و رحمت نازل ہوگی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والأنفس والثمرات وبشر الصابرين الذين إذا أصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة وأولئك هم المهتدون

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ہم ضرور بالضرور آپ کو آزمائش میں ڈالیں گے۔ چاہے وہ خوف کی آزمائش ہو یا بھوک کی (بھوکا رکھ کر)۔ یا مالوں کا نقصان کر کے یا جانوں کو تلف کر کے یا پھلوں کو نقصان پہونچا کر، اور بشارت دیجئے صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جائیں گے۔ (ایسے صابرین پر) یہ وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ و رحمت نازل ہوں گی۔ اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

مسلمان بھائیو! ان مصائب و آزمائشوں سے آج ہم سب دوچار ہیں۔ اس لئے ہمیں ہمت اور صبر سے کام لینا چاہئے۔ نہ کہ گھبرا کر اور رو دھو کر اور پریشان ہو کر.....

انگلینڈ میں شافعی مسجد

یہ خبر خطۂ کوکن کے لئے باعثِ مسرت ہوگی کہ ان کے ہم وطن بھائیوں نے بلیک برن (انگلینڈ) میں گزشتہ تقریباً ۲۰ سال سے آباد ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اپنی مذہبی رواداری اور تہذیبی سرگرمیاں برقرار رکھنے کے لئے ۱۴ اگست ۸۳ء کو یو۔کے (U.K) اسلامی سینٹر کے صدر محترم ڈاکٹر پاشا اور سابق مسجد [illegible] کے ہاتھوں مسجد المومنین کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اب اس کی تکمیل عمل ہے۔ بروز جمعہ ۱۱ مئی ۸۴ء کو دارالعلوم بری انگلینڈ کے صدر مدرس مولانا یوسف صاحب مدظلہ العالی کے ہاتھوں افتتاحی تقریب انجام پائی۔ وعظ و تقاریر کے اختتام پر حاضرین کی چائے اور شربت سے تواضع کی گئی۔

مسجد سے ملحقہ میٹنگ ہال اور مدرسہ کی تکمیل کا منصوبہ زیر تعمیر ہے۔ جس کی تکمیل کے لئے کوکنی مسلم ویلفیئر سوسائٹی بلیک برن مصروف جد و جہد ہے۔

اس جملہ منصوبے پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ پونڈ (اسٹرلنگ) کا سرمایہ صرف ہوگا۔ اتنی بڑی لاگت سے تیار ہونے والی برطانیہ میں شافعی مسجد کی پہلی عمارت ہوگی۔ چنانچہ کچھ سال پہلے شافعی طرز پر مسجد رضویہ کا عمل وجود میں آیا تھا جس کی نگرانی کوکنی مسلم ایجوکیشن ایسوسی ایشن بلیک برن [illegible] ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

دینی سرگرمیوں کے علاوہ مقامی نوجوانوں میں تعلیمی، ثقافتی، تہذیبی اور اسپورٹس وغیرہ کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ جو قوم کے لئے ایک خوش آئند اقدام ہے۔

(نامہ نگار: ابراہیم بغدادی)

مدرسہ حسینیہ شریوردھن

کوکن کے دینی تعلیمی مرکز مدرسہ حسینیہ شریوردھن ضلع رائے گڑھ کی نئی عمارت کا افتتاح ۲۰ مئی ۸۴ء بروز اتوار زیر صدارت حضرت مولانا غلام محمد صاحب نائب جامع مسجد بمبئی انجام پذیر ہوا۔ اجلاس میں حضرت مولانا [illegible] کے خلیفہ اقدس حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب و دیگر علماء دین و ائمہ مساجد اور دانشوران قوم و ملت کثیر تعداد میں شریک تھے۔

مضمون نویسی کا مقابلہ
ایک ہزار روپئے کے انعامات

نقشِ کوکن ٹیلنٹ فورم کے زیر اہتمام مضمون نویسی کا انعامی مقابلہ جس میں اول، دوم اور سوم آنے والوں کو ایک ہزار روپئے کے گرانقدر انعامات کی پیش کش کی گئی ہے۔ کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ سے آئے ہوئے جناب اے قیس صاحب کی کرم فرمائی کی رہینِ منت ہے۔

کوکن کے کسی بھی ہائی اسکول میں زیر تعلیم طالب العلم اس مقابلہ میں حصہ لے سکتا ہے۔ شرائط بتفصیل تمام مسلم تعلیمی اداروں کے نام بذریعہ ڈاک بھیج دیئے گئے ہیں۔ اگر کسی کو نہ ملے ہوں تو دفتر نقشِ کوکن سے براہ راست منگا سکتے ہیں۔

(ادارہ)

موجودہ صورتِ حال کی بناء پر ہم اوکیشنل گائڈنس نمبر پیش نہیں کر سکے۔ اس کے معذرت خواہ ہیں (ادارہ)

شادیٔ خانہ آبادی

★ نیروبی (مشرقی افریقہ) کے جناب عبدالرحیم ہسپاٹل کی دختر اور نقش کوکن کے رکن حیاتی جناب بخشی ہسپاٹل کی ہمشیرہ مسرت جہاں کا عقد شبیر احمد ابن عبدالرحمٰن چرفرے (میاں کھاپ) کے ساتھ ۲۳ / اپریل ۸۴ کو کچھی سنّی مسلم ہال نیروبی میں انجام پایا۔

★ ممباسہ (مشرقی افریقہ) کے جناب سید یوسف احمد نظیر کے فرزند عبدالرشید کی شادی نفیس بیگم بنت سید حسن ایدروس کے ساتھ ۲۲ / اپریل ۸۴ کو کچھی سنّی مسلم ہال نیروبی میں انجام پائی۔

★ سوپر الیکٹریکل ورکس اور سوپر مرین ورکس کے جناب علی اسماعیل خان گاڈنکر کے زبیر کی شادی رشیدہ بنت عبداللہ مالیکر کے ساتھ ۲۹ / اپریل ۸۴ کو پریسڈنٹ ہوٹل بمبئی میں بحسن واحتشام انجام پائی۔

★ ضلع رائے گڑھ کے مراٹھی ہفت روزہ دکشن یگ کے مالک و مدیر شری آر پی دوشی (وکیل) کی دختر کماری پربھا کا وواہ شری وجے کمار (ایم کام) کے ساتھ ۲۸ / مارچ ۸۴ کو گورے گاؤں ضلع رائے گڑھ میں انجام پایا۔

★ کلودہ شہر ضلع بھنڈارہ کے رئیس جناب الحاج عبدالقادر محمد حسین کانڈھے کے بھانجے نثار احمد میر کھٹکٹے کی شادی موضع بیوہ تعلقہ گوہاگر کے جناب ابراہیم خان سرگروہ کی دختر رابعہ بیگم کے ساتھ ۲۸ / اپریل کو انجام پائی۔

★ داؤد ٹرانسپورٹ کے مالک اور نقش کوکن کے دیرینہ سرپرست جناب داؤد حاجی عبدالرزاق پاوسکر کے فرزند سلیم کی شادی شاہدہ بنت یوسف قاضی کے ساتھ ۲۹ / اپریل ۸۴ کو جاسمین اپارٹمنٹ بمبئی ۸ میں انجام پائی۔

★ جناب عبداللطیف عمر توتے کی دختر شکیلہ کی شادی قمرالدین علی صاحب گنگو کے ساتھ یکم مئی ۸۴ء کو سینٹ انڈرسیل ہال مجگاؤں بمبئی ۱۰ میں انجام پائی۔

★ ادارہ نقش کوکن کے رکن جناب عبداللہ ایم۔ گونڈلز کی دختر قمرالنساء کی شادی محمد نظیر شیخ یونس کے ساتھ یکم مئی ۸۴ء کو نور باغ بمبئی میں انجام پائی۔

★ بینگاری تعلقہ داپولی ضلع رتناگری میں ۲ مئی ۸۴ کو سید احمد محمد جعفر روانی کی شادی ثریا بنت حسین بیگ کے ساتھ اور نظیر احمد عبدالمجید روانی کی شادی مہتاب بنت حسن روانی کے ساتھ اور نور محمد عبداللہ روانی کی شادی نور جہاں بنت محمد اسحاق روانی کے ساتھ بحسن و خوبی انجام پائی۔

★ کوکن بنک (سینٹرل آفس) کے نوجوان افسر جناب عبدالعزیز سروے کی شادی بنک کے ڈائرکٹر سیکریٹری جناب عباس موٹلیکر کی ہمشیرہ شبنم عذرا بنت یوسف دلوی کے ساتھ ۲ مئی ۸۴ء کو مصالحہ والا ہال ڈونگری بمبئی میں انجام پائی۔

★ جناب شیخ احمد کونڈکری کے فرزند نظیر کی شادی افروز بانو بنت قاسم واگھو کے ساتھ ۴ مئی ۸۴ کو اپلی کدا ہال مجگاؤں بمبئی میں انجام پائی۔

★ مجندار جونیر کالج کے پرنسپل جناب واحد صاحب کی دختر سعیدہ کی شادی محمد عمر جوگلے کے ساتھ ۶ مئی کو کاؤسجی ہال نزد میٹرو سینما بمبئی میں انجام پائی

★ ہاشمیہ ہائی اسکول کے سابق ٹیچر جناب اسحاق علی لونڈرے کے فرزندان عبدالرزاق کی شادی ناہیدہ بنت حسن المعروف یوسف جیلان کے ساتھ اور [illegible] کی شادی زاہدہ بنت ابراہیم قاضی کے ساتھ ۶ مئی ۸۴ کو اپلی کدا [illegible]

★ ابراہیم ٹین میکانیکل ورکس کے مالک حسن غلام رسول قاضی مرحوم کی دختر نجمہ کی شادی عبدالجبار عبدالحمید ناکاڑے کے ساتھ ۹ مئی ۸۴ء کو تیمر باغ ڈونگری بمبئی میں انجام پائی۔

★ کوکن ایجوکیشن سوسائٹی کے محاسب رکن انتظامیہ جناب ناظم خان کی شادی شہناز بنت ایم ایچ جوہری کے ساتھ ۱۱ مئی ۸۴ء کو انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی کے گراؤنڈ پر انجام پائی۔

★ جناب اقبال پرشی رام کی دختر نیلوفر کی شادی منصور آرم کے ساتھ ۱۲ مئی ۱۹۸۴ء کو ہوٹل شانتی دُرت دادر بمبئی میں انجام پائی۔

★ جناب سید رضوانی کے فرزند محمد عابد کی شادی نصرت بیگم بنت یوسف ... کے ساتھ ۱۲ مئی ۸۴ء کو کچھی میمن جماعت ہال بمبئی میں انجام پائی۔

★ بمبئی الیکٹریکل اینڈ میکانیکل ورکس کے مالک جناب علی صاحب عالم کے فرزندان رضوان کی شادی رخسانہ بنت حاجی محمد علی خان الحبیب کے ساتھ اور جلیل کی شادی روبینہ بنت عبدالعزیز بیگ کے ساتھ ہیوم ہائی اسکول گراؤنڈ بائیکلہ بمبئی میں انجام پائی۔

★ جناب عبداللہ شیخ حسن کے فرزند ڈاکٹر محمد قاسم متوطن سونس ضلع رتناگری (جو نیو جرسی امریکہ میں پلاسٹک سرجری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں) کی شادی عائشہ بی بنت یوسف محمود سردے کے ساتھ ۱۳ مئی ۸۴ء کو نور باغ بمبئی میں انجام پائی۔

★ رتناگری کے پروفیسر ڈاکٹر آوٹے کی دختر ناہید انجم کی شادی ظفر اللہ شیخ کے ساتھ ۱۳ مئی ۸۴ء کو رتناگری میں انجام پائی۔

★ رتناگری کے مراٹھی ہفتہ وار رتناگری سیوک کے مدیر جناب غنی ... قاضی کی شادی ممتاز بنت علی یوسف پاگرکر متوطن نزاجابی کے ساتھ ۱۳ مئی ۸۴ء کو رتناگری میں انجام پائی۔

★ عالی جناب حسین خان صاحب دلوائی کی بھتیجی شکیلہ بنت امیر دلوائی کی شادی حسن میاں محمد اسماعیل دیسائی کے ساتھ ۲۰ مئی ۸۴ء کو اکتار ... چپلون میں انجام پائی۔

★ ڈونگری کلینک بمبئی کے نوجوان ڈاکٹر محمد سعید بیگ کی دختر سائرہ بانو کی شادی فیاض احمد خان کے ساتھ ۲۳ مئی ۸۴ء کو ان کے وطن ضلع بستی میں انجام پائی۔

★ نہرو پلینیٹوریم کے نوجوان ڈائریکٹر جناب لطافت حسین قاضی کا عقد مسعود راشدہ بیگم بنت عبداللطیف ناشیکر کے ساتھ ۲۷ مئی ۸۴ء کو مسجد چوکی محلہ بمبئی میں انجام پایا۔

موت کا ایک دن معین ہے...

★ مسلمانوں کے مخلص رہنما اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر پی کے علی المنقور کا کالی کٹ میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم کا انتقال مسلم قوم کیلئے ایک نقصانِ عظیم ہے۔ مرحوم پیشہ کے اعتبار سے ایک ماہر سرجن تھے۔

★ انجمن خیر الاسلام ہائر ایجوکیشن سوسائٹی کے جوائنٹ جنرل سیکریٹری جناب داؤد شمس الدین (ڈی ایس) قاضی (متوطن کڈوون تعلقہ سنگمیشور ضلع رتناگری) کی اہلیہ کا پچھلے مہینہ باندرہ میں انتقال ہو گیا۔

★ ورلی بمبئی کی ایک مخیر اور معزز ہستی اور نقش کوکن کے دیرینہ سرپرست جناب ابراہیم اسماعیل رکھانگی کا ۱۳ اپریل ۱۹۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

★

آخری صفحہ

یہ خونیں داستان ابھی ختم نہیں ہوئی ــــ ۔

بمبئی، بھیونڈی، تھانے اور کلیان نے پچھلے پندرہ دنوں میں انسان کی درندگی کے وہ مناظر دیکھے جو شاید آزاد ہندوستان کی تاریخ میں کبھی کہیں نہیں ملتے ــــ ۔

جب سڑکوں پر، گلیوں میں، جھونپڑوں میں، بلڈنگوں میں کھلے عام لاٹھیاں، تلواریں، برچھیاں، چاقو، بم، تیزاب کی بوتلیں اور گولیاں چلیں ــــ جب بڑی بڑی شاہراہوں پر لوگوں کو ان کا نام پوچھ پوچھ کر ان کو قتل کر دیا جاتا۔ جب شیوسیناؤں کی (نقلی ہمدردی والی) ٹیکسیوں میں مسلمانوں کو بٹھا کر ان کے منزل مقصود پر لے جا کر چھوڑنے کے بجائے ان کے غنڈہ گردی کے اڈوں پر لے جایا جاتا اور وہاں ان کو مار مار کر ادھ مرا کر دیا جاتا یا قتل کر دیا جاتا، جب پولیس والے مسلمانوں کو مار مار کر کہتے: "سالو! شیوسینا سے لڑتے ہو؟ ہم شیوسینا ہیں۔ ہم سے لڑو۔ ہم باہر سے خاکی ہیں اور اندر سے زعفرانی۔ کہاں ہے تمہارا اللہ، کہاں ہے تمہارا قرآن؟ قرآن چھوڑو یا ہندوستان چھوڑو!" ــــ جب ساری عوام، سارے اخبارات ان آوازوں کے ساتھ چیختے رہے کیا وزیر اعلیٰ پاگل ہو گیا ہے؟ خونریزی کے بعد بھی ابھی تک شہر کو فوج کے حوالے کیوں نہیں کیا جاتا؟ وزیر اعلیٰ کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کو تحفظ نہیں پولیس کر سکتی ہے، نہ فوج نہیں۔ صرف فوج ہی اعتبار یہ راشٹر کی رکھشا کرتی ہے ہندو راشٹر کی نہیں ــــ ۔

یہ سارا خونیں ڈرامہ تفتیش چاہتا ہے ــــ مکمل تفتیش ــــ ایک انکوائری کمیشن کے ذریعے ــــ ۔

ہر ہر بات کی تفصیل عوام کے سامنے آنی چاہئے ــــ تمام تحریری شیوسینا کے سرغنہ بال ٹھاکرے اور چند اخبارات پر حکومت نے مقدمہ دائر کیا ہے ــــ یہ نہیں چلے گا۔ ٹھاکرے کے ہاتھ مضبوط کرنے والے وزیر اعلیٰ کی کارگزاریاں بھی سامنے آنی ضروری ہیں ــــ وہ عظیم ترین منصوبہ جو وزیر اعلیٰ نے اس فساد کے لئے تیار کیا تھا اس کی تفصیلات ساری عوام کے سامنے لائی جائیں۔ پولیس کے کردار کو بھی بے نقاب کیا جانا چاہئے مثلاً یہ کہ جانے فساد سے انھیں دور رہنے کے لئے ہدایات کہاں سے ملتی تھیں؟ ہم یہاں چند سوالات رکھتے ہیں:-

- بال ٹھاکرے کی ۱۲ اپریل کی تقریر کو حکومتی انٹیلی جینس نے ٹیپ کیوں نہیں کیا؟
- وہ تقریر "نوا کال" اور "نوشکتی" میں شائع ہوئی تھی۔ کیا حکومت کی نظر سے یہ اخبارات بھی نہیں گزرے؟
- ۹ مئی ۸۴ء کو جناب شانت دلالی اس زہریلی تقریر کے متن مرکزی وزیر داخلہ پی سی سیٹھی کو بھیج کر کہا تھا اور وزیر داخلہ نے سخت اقدام کا یقین دلایا تھا۔ اس کے باوجود ٹھاکرے کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کی گئی؟
- کیا حکومت کے ذمہ دار ٹھاکرے کا زہریلا پرچہ "مارمک" نہیں پڑھتے جس میں پچھلے دس سالوں سے

اقلیتوں کے خلاف زہر اگلا جا رہا ہے ؟

• ۱۶ مئی سے ممبئی میں جو زبردستی اور جبر و تشدد کے ساتھ بند کا سلسلہ شروع ہوا وہ کس قانون کے تحت ؟ حکومت نے دوکانداروں کو تحفظ پیش کر کے کاروبار جاری رکھنے کا فرض کیوں ادا نہیں کیا ؟ ان تین دنوں تک ممبئی کی ساری پولیس کہاں غائب ہو گئی تھی اور کس کی شہ پر ؟

• کتنے شیو سینکوں کو بند کے لئے زبردستی اور تشدد کا راستہ اپنانے پر گرفتار کیا گیا ؟

• اُن بند کے دوران شیوسینا کے شاکھا پرمکھوں نے جگہ جگہ مسلم دشمنی کے بورڈ لگائے تھے۔ ان کے خلاف کوئی کارروائی کیوں نہیں کی گئی ؟

• بھیونڈی میں انصاری باغ کے قتل عام سے پہلے کی گئی درخواستوں پر پولیس کمشنر نے دھیان کیوں نہیں دیا ؟

• قتل و خون کا بازار گرم رہا اور ایس پی یہ کہہ کر خاموش کیوں رہے کہ انہیں فائرنگ کرنے کی اجازت دینے کے لئے کوئی سینئر افسر نہیں ہے ؟

• جس روز ممبئی میں صرف تین افراد کا قتل ہوا تھا اُسی وقت سبھوں نے آنیوالے طوفان کو محسوس کیا اور سبھی امن پسند شہریوں نے اور سارے اخبارات نے پورے شہر کو فوج کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اُسے وزیر اعلیٰ آخر تک کیوں ٹالتے رہے ؟

• جب ممبئی بھڑک اٹھی تو وزیر اعلیٰ نے کہا کہ یہ سب اُردو اخبارات کی لگائی ہوئی آگ ہے۔ وسنت دادا کو اردو تو پڑھنے نہیں آتی۔ انہیں اردو اخبارات کے مضامین سمجھ میں آئے۔ البتہ مراٹھی پڑھنے آتی ہے مگر نسوبت اور مارمک کی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں ؟

• پیشگی اطلاعات کے باوجود سبھی مقامات پر پولیس فساد پورا ہونے کے بعد کیوں پہنچی ؟

• ۱۸ مئی کو جب فسادات شباب پر تھے وزیر مالیات سوشیل کمار شندے چوری چھپے بال ٹھاکرے سے ملنے اس کی رہائش گاہ پر کیوں گئے تھے ؟ اور وہاں کیا منصوبے بنے ؟

• حکومت اور پولیس اگر جانبدار نہ تھی تو ۲۷ ہزار پولیس امن قائم نہ کر سکی۔ وہی کام صرف تین ہزار فوجیوں نے کس طرح کر دکھایا ؟

دراصل سینکڑوں سوالات ہیں جو وسنت دادا کے سامنے رکھے جا سکتے ہیں۔ ہر قتل، ہر وہ شخص جو زخمی ہوا، ہر وہ گھر جو جل گیا، ہر وہ گھر جو تباہ ہوا، ایک سوالیہ نشان ہے وسنت دادا کے سامنے۔ اور اس حکومت کو مجرم قرار دے رہا ہے۔

ایک انکوائری کمیشن کے ذریعہ فوراً سارے چہرے بے نقاب ہونے ضروری ہیں ۔ معصوموں کے قاتلوں کو معاف ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً ایسے انسان کو جس نے ممبئی جیسے شہر میں فرقہ وارانہ کا زہر پھیلانے کی اجازت دی جس نے ممبئی جیسے اہم شہر کو غنڈوں کے حوالے کیا۔ اور اسی کے ساتھ کانگریس ہائی کمانڈ کو بھی تنبیہ

وہ پھر اتنا کم عقل (یا فرقہ پرست) وزیر اعلیٰ کم از کم مہاراشٹر میں نہ بھیجے ـــــ ۔

اس مرتبہ ایک خوش آیند تبدیلی میں نے قومی پریس میں محسوس کی ـــ پہلی مرتبہ سارا قومی پریس مسلمانوں پر کیے جانے والے مظالم پہ چیخ پڑا ـــ ٹائمز آف انڈیا، انڈین ایکسپریس، ڈیلی، فری پریس، ہندوستان ٹائمز اور بلٹز گراف ـ غرض کہ ہر اخبار نے تعمیری کردار ادا کیا اور حکومت کی مجرمانہ غفلت اور جرائم کو قطعی طور پر بے نقاب کر دیا ـ ٹائمز آف انڈیا نے ۱۲ مئی اور ڈیلی نے پندرہ دنوں تک مسلسل اداریے لکھ کر کم عقل (یا فرقہ پرست) وزیر اعلیٰ کے استعفیٰ دینے کی مانگ کی ـــ ۔ آکاش وانی اور دوردرشن کا رویہ البتہ حسب سابق رہا ـ مثلاً جس دن نو آدمی مارے گئے اور دو سو ۲۰۰ جھونپڑے جلائے گئے اس روز آکاش وانی بھونکا: "استھتی نینترن میں ہے" (حالات قابو میں ہیں)

اس مرتبہ مسلم لیڈرشپ کا معاملہ مایوس کن نہیں رہا ـــ ۔ بلکہ اکثر لیڈران جاگے تھے، بیان بھی دے رہے تھے اور کام بھی کر رہے تھے ـــ ۔ کئی غیر مسلموں نے بھی فساد زدگان کی بحالی میں نمایاں کردار ادا کیا ـــ ۔ صرف اگر کوئی لڈو کھا رہے تھے تو بال ٹھاکرے اور ان کے حواری ـ انھیں افراد کے لئے لکھے گئے اردو کے نامور ادیب کرشن چندر کے الفاظ اس وقت میرے کانوں میں گونج رہے ہیں :-

"ظالمو! تم نے مسلمان کو نہیں مارا، تم نے انسان کو مارا ہے، تم نے ہندوستان کو مارا ہے، تم نے تاج محل، فتح پور سیکری اور شالیمار کو قتل ہے ۔ یہ اشوک کی لاش ہے ۔ یہ اکبر کا کفن ہے ۔ یہ ہندوستان کی پانچ ہزار سالہ پرانی تہذیب کا مُردہ ہے ـــ یہ مُردہ ظالم سیاستدان، یہ مکّار جاگیردار، یہ فریبی سرمایہ دار کس کے خون سے اور کس کی بربادی سے اپنی حکومتوں کی تعمیر کر رہے ہیں ۔"

اور آپ نے دیکھا کہ ایک بال ٹھاکرے کیا کر سکتا ہے ؟ ـــ ۔ کئی خواجہ احمد عباس، لاتعداد سردار جعفری، بے شمار دلیپ کمار، کئی سنیل دت، بے شمار سلیم جاوید، کئی کرنجیا، کئی بلراج ساہنی، بے شمار طلعت عزیز، کئی معین الدین حارث، کئی رجنیکانت، کئی نوشاد، درجنوں اکبر پریم جی، سینکڑوں کاسموپولیٹن تنظیموں کے ممبران، چال میں رہنے والے ہزاروں گنپت تکارام، یوسف بھائی اور اسماعیل بھائی ـ جھونپڑوں میں رہنے والے لاکھوں شانتا رام، محمد بھائی، درگا بائی اور حلیمہ بی ـــ ان سبھوں پر ایک بال ٹھاکرے حاوی ہے ـــ لہٰذا حضرات کی برسوں کی محنت سے بنائی ہوئی سیکولرزم کی عمارت کو ایک بال ٹھاکرے نے آناً فاناً تہس نہس کر دیا ـــ ۔

ہم حکومت ہند کو وارننگ دیتے ہیں (خطوط کے ذریعے مرکزی سربراہان کو میں نے مطلع بھی کیا ہے) کہ وہ اس فرقہ وارانہ دیوانگی کو روکے ورنہ مہاراشٹر بھی پنجاب بن سکتا ہے ـــ ۔ مسلمان جب کہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ قانون کے رکھوالوں کی بندوقوں کی نالیں انھیں کی طرف اٹھتی ہیں تو کیا وہ غیر قانونی طور پر ہتھیار رکھ کر اپنا دفاع کرے ؟ جو آج پنجاب میں ہو رہا ہے ۔ جہاں کا ہر بچہ ہر اکالی غیر قانونی مہلک ترین ہتھیار سے لیس ہے اور اپنا دفاع کر رہا ہے ـــ ۔

ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں جو ـــ ۔ فساد زدگان کے دکھ کو بانٹ لیں ـــ ۔ وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جن سے ان سارے پاغ کے قتل عام ہونے والوں کی بیوگان اور یتیموں کے دکھ کو کم کر سکوں! ان معصوم انسانوں کا پہاڑ جیسا دکھ جنھوں نے اپنی آنکھوں کے

سامنے اپنے والدین، اپنے بھائی، اپنی بہنوں کو کٹتے اور مرتے دیکھا، اپنے گھروں اور اسباب کو جل کر راکھ ہوتے دیکھا ــــ۔ وہ ایک لاکھ افراد جو بے گھر اور بے آسرا ہو کر کیمپ میں ہیں ان کا دکھ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے، الفاظ نہیں ہیں، صرف آنسو ہیں ہماری آنکھوں میں ــــ۔ اور بارگاہ ایزدی میں دعا کے لئے اٹھتے ہوئے ہاتھ! کہ اللہ انھیں یہ دکھ جھیلنے کی سکت دے اور ان میں، پھر سے جینے کا اعتماد بخش دے۔ آمین۔

مسلمانو! ــــ۔

ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کے ان ناقابل فراموش دنوں میں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ بمبئی کے مسلم علاقوں میں پہلی مرتبہ شیوسینا کے غنڈے داخل ہوئے ــــ۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ محمد علی روڈ، بھنڈی بازار، ڈونگری، نل بازار اور ناگپاڑہ پہ مسلمانوں کو اپنی جانیں بچانا مشکل ہو گئیں ــــ۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ محمد علی روڈ پہ دن دھاڑے ایک بم ڈالا گیا ــــ۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ گوونڈی، جوگیشوری اور مانخورد کو مسلمانوں سے صاف کر دیا گیا ــــ۔ ہم نے یہ بھی دیکھا اور یہ بمبئی کی سینکڑوں برس پرانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا ہوگا کہ بمبئی کی تمام مساجد میں جمعہ کی نماز فوج کی سخت نگرانی میں پڑھی گئی ــــ۔

ایسا کیوں ہوا؟ ــــ۔

آئیے ٹھنڈے دل سے غور کریں ــــ۔ قرآن کا کہنا ہے کہ جب ہم میں بداعمالیاں کثرت سے ہوں گی تو ہمیں ختم کر کے اللہ تعالیٰ نئی بستیاں بسائے گا ــــ۔ کیا ہماری بداعمالیوں کی بنا پر ہماری بستیاں تباہ کی جا رہی ہیں؟ ــــ۔ ہمیں سوچنا ہے کہ ہم میں کتنے جواری، کتنے شرابی اور کتنے چور پیدا ہو رہے ہیں؟ ــــ۔ اور ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ ہمارے مولوی جن کی بڑی بڑی باتیں ہم سنتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ ــــ۔ یا پھر اب بھی سارے مولوی میدان میں آ کر فتوے بازی شروع کریں گے۔ وعظ کر کر کے ایک دوسرے کو گالیاں دیں گے؟ ــــ۔ یا ہم ــــ۔ اب بھی ساری خرافات میں اپنا وقت، انرجی اور پیسہ برباد کریں گے؟ ــــ۔

میں مسلمانوں سے التماس کرتا ہوں کہ اپنے دفاع کے لئے کوئی غلط راستہ نہ اپنائیں۔ غیر قانونی ہتھیار نہ رکھیں ــــ۔ ہزاروں غیر مسلم افراد ایسے ہیں جو سچے سیکولر ہیں ان کے ساتھ مل کر امن کمیٹیاں بنائیں ــــ۔ اور زندگی کی اس سطح تک آنے کی کوشش کریں جہاں سے بلندی کی طرف کوئی آواز صدا بصحرا نہ ثابت ہو اور ایوانِ حکومت بھی ہل جائیں ــــ۔

ایک اور درخواست ــــ۔

رمضان کے اس مبارک مہینے میں آپ سے جتنی بھی بن پڑتا ہے اتنی امداد ان فساد زدگان کی مدد کریں ــــ۔ اس مرتبہ اپنی ساری کی ساری زکوٰۃ بذریعہ پر فساد زدگان کو دیں ــــ۔ ہم ان کی کھوئی ہوئی جانیں اور جائیداد کو تو بحال نہیں کر سکتے ــــ۔ مگر ان کا اعتماد ضرور بحال کر سکتے ہیں ــــ۔

مبارک کاپڑی ــــــــــــــــ

SHE KOKAN (BOMBAY) JUNE 1984. Regd. No: MH/BYE/61
Licensed to post without pre-payment Mandvi Bombay. Licence No. 8

at AJMAL PRESS, Bombay-3. Published from 44, Jail Road (East), Bombay-9. DR. A. M. NAIK M B B S. SHE KOKAN Publication Trust Bombay-9 Title Cover Printed at AMIN ART PTG. PRESS BOMBAY-9

नकशे कोकण मासिक ● NAQSHE KOKAN MONTH

★ EID NUMBER ★

قائم شدہ: ۱۹۶۲ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انڈین لینگویج نیوز پیپرز ایسوسی ایشن بمبئی

جلد نمبر ۲۳ / جولائی سنہ ۱۹۸۴ء / شمارہ ۷

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر: ڈاکٹر عبدالکریم نائیک

معاون مدیر: ایس اے رحیم تبسم

مقام طباعت: انجمن پریس بمبئی ۳

مقام اشاعت: ۲۳ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

ملکیت: نقش کوکن پبلیکیشن ٹرسٹ (E 3006)

فون: 865384/861572/869974

قیمت فی پرچہ: ۲.۵۰ روپے

سالانہ خریداری: ۲۵ روپے

تاعمر خریداری: ۲۵۰ روپے

بیرونی ممالک سالانہ: ۱۵۰/۱۰۰ روپے

" " تاعمر: ۱۲۵۰ روپے

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

۲۳ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

تاریخ اشاعت: یکم جولائی ۱۹۸۴ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

اس ماہ کے نقوش

★ هل الانفاق فی العسر ایضاً
کیا تنگدستی میں بھی خیرات کرنی چاہیے؟

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

جو لوگ خوش حالی اور تنگدستی دونوں میں (خدا کے نام پر) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو روکتے اور لوگوں (کے قصوروں) سے درگزر کرتے ہیں۔ اور (لوگوں کے ساتھ) نیکی کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔

آل عمران

★ ماذا یفعل الموسرون ۝
مقدور والوں کو کیا کرنا چاہیے؟

(۱) وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ط بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ط سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے (مقدور) دیا ہے لہٰذا (راہ خدا میں) اس کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔ (بہتر نہیں) بلکہ وہ ان کے حق میں بدتر ہے (کیونکہ) جس (مال) کا بخل کرتے ہیں عنقریب قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں پہنایا جائے گا۔

آل عمران

★

یہ خصوصی ہدیتی کش جناب ای ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم دے آمین

مسلمانانِ عالم کی خدمت میں
عیدالفطر
کی پُرخلوص مبارکباد
الحبیب گلف سرویسز
اپنے تمام احباب، متعلقین، بہی خواہان اور
قارئین نقش کوکن کی خدمت میں
عید کی مبارکباد پیش کرتے ہیں
ایکسپورٹرس، امپورٹرس، مینوفیکچررس، کمیشن ایجنٹس
۹۱/۳ محمد علی روڈ۔ ۴۶/۴۷ رنگون والا بلڈنگ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳
ٹیلیفون: ۳۲۶۴۸۰۰
33119۶ / ٹیلیکس: 011-6304 HBIR IN

پیدا نہیں ہوا ہے اس لئے ہم ان کی زندگی اور حفاظت کے متمنی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم ملک کے اس مایہ ناز خاتون اور نہرو خاندان کے گوہر درخشندہ سے یہ عرض بھی کرنا چاہتے ہیں کہ سکھوں کے مطالبات کو غیر معمولی مطالبات سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر سکھ آئین ہند کی دفعہ ۲۵ کو اپنی قومیت اور مذہب کے منافی سمجھتے ہیں تو ان کو صرف کر ریاست پنجاب میں امن و امان برقرار رکھنے میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے ورنہ دن بہ دن قومی یک جہتی کا خطرہ دراز ہوتا جائے گا۔ ذات پات کو فروغ ملے گا۔ اور علیحدگی پسندی کے رجحان سے بھی ملک متاثر ہوگا۔

اور سب سے زیادہ فکر میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ اس وقت تک ان کی جان بھی خطرے میں رہے گی خدا نہ کرے کہ ملک پھر روز بد دیکھا جائے ...
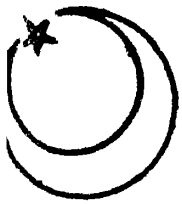
عید الفطر ــــ خوشیوں کا تہوار

صحیح معنوں میں اسلام نے دو ہی تفریحیں اور دو ہی تہوار مقرر کئے ہیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ۔ یہ دونوں تہوار اسلامی ثقافت کا بہترین اور بھرپور مظاہرہ ہیں ۔ یہاں موقع کی مناسبت سے ہمارا موضوع گفتگو صرف عید الفطر ہے ــــ عید الفطر ایک ایسا دن ہے کہ جو خدا نے بزرگ و برتر کی عبادت کو کامیابی سے پورا کر لینے پر خوشی منانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلامی معاشرہ کی سب سے بڑی مسرت یہ ہے کہ وہ خدائے واحد کی عبادت و اطاعت کا حق ادا کر سکے ۔

دنیا بھر کی دوسری قوموں کے تہوار یا تو اچھے موسموں کی خوشی منانے کے لئے ہوتے ہیں یا پھر بعض تاریخی واقعات کی یاد تازہ کرنے کے لئے ۔ لیکن اسلام میں عید الفطر کا تہوار اس لحاظ سے نرالی شان رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے خدا کی عبادت گزاری اور تکمیل فرمانبرداری پر خوشی منائی جاتی ہے ۔ اس طرح گویا کہ یہ حقیقت ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ اسلامی ثقافت کا سب سے بڑا سرچشمہ صرف خدا کی عبادت ہی قرار پاتی ہے ۔

عید الفطر کے دن خوشی و مسرت کے اظہار کی جتنی مختلف شکلیں رکھی گئی ہیں مثلاً اچھے کھانے کھانا ، اچھے لباس پہننا ، ہنسنا بولنا ، کھیل ، تفریحات ، ان سب میں مرکزی حیثیت دوگانۂ عید کو حاصل ہے ۔ صبح سے اس کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں ۔ اس کو پیش نظر رکھ کر غسل کیا جاتا ہے ۔ اچھا لباس پہنا جاتا ہے ، خوشبوؤں کا استعمال ہوتا ہے اور پھر لوگ گروہ در گروہ تکبیرات کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں ۔ اس لئے کہ سب سے بڑے پیمانے پر اجتماعی حیثیت سے اظہار مسرت کا مرکز عیدگاہ ہی ہوتا ہے ۔ اس طرح اسلامی ثقافت کے نقطۂ نظر سے مسرت کے اظہار کی سب سے اعلیٰ و ارفع شکل یہی ہے کہ ہم اس مرکز پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا سر جھکا دیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے تعلق سے جو احکام دیئے ہیں ان میں ایک حکم صدقۂ فطر کا ہے ۔ صدقۂ فطر دراصل اسلامی معاشرہ میں اس امر پر توجہ دلاتا ہے کہ لوگوں کا محض اپنی خوشیوں کے پیچھے پڑ جانا اور صرف اپنے نفس کی خدمت میں لگ جانا سچی اور مہذب مسرت کی راہ نہیں ہے ۔ بلکہ سچی مسرت کی راہ تو یہ ہے کہ ہم اپنے غریب بھائیوں کی ، خوشی کی تقریبوں میں ، ان کی ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھیں ۔ اور اپنے مال قربان کر کے انھیں اس قابل بنائیں کہ وہ اجتماعی مسرت میں حصہ لے سکیں ۔ یعنی اس خوشی کے موقع پر ہم لوگ شانہ بہ شانہ اور وہ ہمارے ساتھ ساتھ رہیں ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو
نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین ۔

سورۂ رحمان

محمود عربی

تم نے سیکھا ہے اگر اے صاحبو قرآن کو
غور سے پڑھنا ذرا تم سورۂ رحمان کو
چاند کو، سورج کو، جنگل کو، غرض میدان کو
ہاں وہی اللہ نے پیدا کیا انسان کو
کس قدر اللہ کی نعمت کو تم جھٹلاؤ گے؟

یہ زمیں کو، عرش کو، وہ حور اور غلمان کو
خار کو، جھاڑی کو، سنبل کو کہیں ریحان کو
ابر کو، سایہ کو، آندھی کو، میاں طوفان کو
دے دیا آغوش دریا میں مگر مرجان کو
کس قدر اللہ کی نعمت کو تم جھٹلاؤ گے؟

واسطے انصاف کے قائم کیا میزان کو
رہبری کے واسطے نازل کیا قرآن کو
آزمائش کیلئے بھیجا یہاں شیطان کو
ہر طرح سے جانچ لے گا وہ ترے ایمان کو
کس قدر اللہ کی نعمت کو تم جھٹلاؤ گے؟
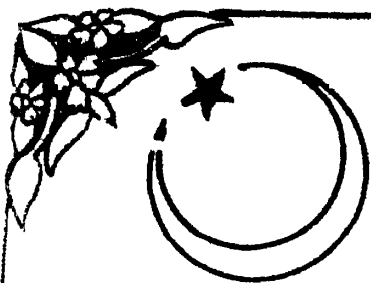
اہل ایمان کیلئے جنت میں یہ انعام ہے
گاؤ تکیہ، فرش اطلس، سامنے اک جام ہے
خوبصورت عورتیں ہیں حور جن کا نام ہے
خلد میں اللہ اللہ کس قدر آرام ہے
کس قدر اللہ کی نعمت کو تم جھٹلاؤ گے؟

جس کو تم جھٹلا رہے ہو ایک دن وہ آئے گا
جب فرشتہ حکم یہ اللہ کا پا جائے گا
کھینچ کر تم کو حضوری میں خدا کے لائے گا
ایک اک احسان سب اللہ کے گنوائے گا
کس قدر اللہ کی نعمت کو تم جھٹلاؤ گے

یہ زمیں تھرائے گی وہ آسماں تھرائے گا
آگ کا شعلہ دھواں جب ابر پر چھا جائے گا
نفسی نفسی ہر نفس محشر کے دن چلائے گا
فیصلہ بندوں کے حق میں پھر خدا فرمائے گا
کس قدر اللہ کی نعمت کو تم جھٹلاؤ گے؟

شذرات

منچلوں کی دُنیا :

بھارت میں منچلوں کی کوئی کمی نہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں، جو نیلی کی سالگرہ منا رہے ہیں۔ اب کون ان سے یہ پوچھے کہ یہ بھی کوئی سالگرہ منانے والی بات ہے۔ نیلی میں آخر کیا ہوا ؟ یہی ناکہ دس ہزار انسانوں کا قتلِ عام ہوگیا۔ آٹھ ہزار مسلمان اور دو ہزار غیر مسلم مارے گئے۔ مگر بھلا یہ بھی کوئی سالگرہ منانے والی بات ہے غیر مسلم تو ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کی لپیٹ میں آگئے۔ دراصل قتلِ عام تو مسلمانوں کا ہوا تھا۔ وہ مسلمان جنھیں بقول اندرا گاندھی اکثریت کو ناراض کر کے جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

بہتر تو یہ تھا کہ ان شہیدار کی سالگرہ منانے کی بجائے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی۔ مگر نمازِ جنازہ تو اس وقت بھی نہیں پڑھی گئی۔ اب کیا پڑھی جائے گی۔

دارالحرب اور دارالاسلام :-

مسٹر بلراج مدھوک کی باسی کڑھائی میں پھر اُبال آیا ہے۔ انھوں نے السٹریٹڈ ویکلی میں ایک مضمون شائع کرایا ہے، جس میں دارالحرب اور دارالاسلام کا قصہ چھیڑ دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ مسلمان بھارت کو دارالحرب سمجھتے ہیں اس لئے ان کو یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ وہ کسی ایسے ملک میں چلے جائیں جو ان کے نزدیک دارالاسلام ہو۔ جیسے پاکستان۔ ان کو معلوم نہیں کہ اسلام میں ملک کی ایک تیسری قسم بھی ہے۔ اور وہ "دارالامن" ہے۔ مکہ کے مظلوم مسلمان جو حبشہ ہجرت کر کے گئے تو اس لئے نہیں کہ وہ دارالاسلام تھا۔ بلکہ ان کے نزدیک "دارالامن" تھا۔ یعنی وہ وہاں امن وعافیت سے رہ سکتے تھے۔ اور وہاں شعائرِ اسلام کی ادائیگی پر کوئی روک بھی نہیں تھی۔ ایسے ہی ملک کو دارالامن کہتے ہیں۔

بھارت بھی اسی قسم کا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو امن ہے۔ قانوناً وہ یہاں کے ویسے ہی شہری ہیں جیسے بلراج صاحب مدھوک۔ انھیں ملک کے انتخابات میں حصہ لینے، اور حکومت قائم کرنے کی پوری آزادی ہے۔ یہ اپنے عقائد وعبادات کے معاملے میں بھی آزاد ہیں۔ انھیں قانوناً اپنے مذہب کی تبلیغ اور اظہارِ رائے کی بھی آزادی ہے۔ یہاں ان کی مساجد بھی ہیں اور خانقاہیں بھی۔ یہ اپنے لباس، وضع قطع، خوراک اور زبان کے بارے میں بھی آزاد ہیں۔ ان کو اپنی تہذیب وثقافت کی حفاظت کا بھی پورا پورا اختیار ہے۔ یہ ملک دارالاسلام نہیں، مگر یہاں دارالاسلام کے بہت حقوق مسلمانوں کو میسر ہیں۔ یوں کہئے کہ یہ ملک دارالاسلام ہوتے ہوتے رہ گیا ہے۔

اب رہ گئے ہندو مسلم فسادات تو یہ فسادات ہر اس ملک میں ہوا کریں گے جہاں بلراج مدھوک جیسے لیڈر ہوں گے۔ وہ تو ان ملکوں پر خدا کا کرم ہے کہ وہاں مدھوک جیسے لیڈر نہیں ——— یا وطن عزیز ــــــ ایک بات تو میں

قبول ہی گیا۔ خیر سے آپ بھارتی مسلمانوں کا نعرہ بہ کرتی بھی کرانا چاہتے ہیں مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ روز بد تو کبھی نہیں آئے گا۔ بلکہ ممکن ہے بھارت میں بھارتی کرتی ہوتے ہوتے کہیں اسلامی کرتی نہ ہو جائے۔ جیسے آج ملک کے مختلف علاقوں میں ہو رہا ہے۔

لیکن مدھوک صاحب کے لئے اس سے زیادہ جاں ستاں خبر تو یہ ہے کہ سارے ایشیا کے غیر مسلموں میں قبول اسلام کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اور بکثرت غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں۔

حالانکہ یہ خبر بھی ادھوری ہے۔

اکثر اوقات اخبار والوں کو ادھوری خبریں چھاپنے میں لطف آتا ہے یا اپنی عافیت نظر آتی ہے۔ ورنہ پوری خبر یہ ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں یعنی قبول اسلام کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ مسلمانوں کی تبلیغی جماعتیں ہر ملک میں موجود ہیں۔ اور کہیں بھی ناکام نہیں۔ لوگ ان سے پیام سنتے ہیں۔ اور قبول کرتے ہیں۔

پھر ہر ملک میں مساجد بن رہی ہیں۔ دینی مدارس کھل رہے ہیں۔ اسلامی مرکز اور پریس قائم ہو رہے ہیں۔ اور ایسے اخبارات و رسائل شائع ہو رہے ہیں جو اسلام کی ترجمانی کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے مدھوک صاحب کو اس صورت حال کا علم نہیں۔ ورنہ وہ دارالاسلام اور دارالحرب کا راگ نہ الاپتے۔ ممکن تھا کہ ان پر اسلام کی یہ قبولیت دیکھ کر دل کا دورہ پڑ جاتا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ جھکا دینگے

قرآن کریم کا ایک قدیم طلائی نسخہ

اچھا اب یہ بھی سن لیجئے کہ

عہد اورنگ زیب کا ایک طلائی نسخہ بنگلور میں موجود ہے۔ یہ اورنگ زیب کے درباری کاتب محمد حبیب اللہ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ نسخہ اورنگ زیب کے بعد سلطان محمد ٹیپو کو ملا۔ ان کی شہادت کے بعد یہ نسخہ مہاراجہ آف میسور کی ملکیت میں آیا۔ انھوں نے یہ نسخہ ریاست کے قاضی محمد مصطفٰے کو ہدیۃً دیا۔ پھر یہ نسخہ ترکے میں محمد خان اور رزاق علی خان کو ملا۔

آج یہ نسخہ میسور کے فروٹ مرچنٹ جناب ابراہیم خان کے پاس موجود ہے۔ ان کو یہ نسخہ ورثے میں اپنے والد ماجد جناب علی خان مرحوم سے ملا ہے۔

رمضان المبارک :-

ایک بچہ جس طرح مادرِ مہربان کی گود میں آتا ہے اسی طرح روحانیت کے طفل خوار کو ماہِ رمضان المبارک اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ یہ مہینہ ہر سال روحانیت کے طلب گاروں کو مادرِ مہربان کی طرح دعوتِ شیر خوارگی دیتا ہے۔

اس مہینے کی تاریخ کا آغاز گہوارہ روحانیت یعنی غارِ حرا سے ہوتا ہے۔ اسی مہینے جبرئیل امین غارِ حرا میں آپ کیلئے خلعتِ نبوت لے کر آئے۔ اور خالقِ کائنات کے نام کی قرأت کرنے کا حکم دیا۔

اس حکم کے جواب میں پہلے تو آپ نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ لیکن جب دوبارہ حکم قرأت ہوا تو آپ نے صحیح صورت حال بیان کر دی اور فرمایا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ اس معذرت کے بعد بھی جب تیسری بار قرأت کا حکم ہوا تو آپ نے حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ میں کیا پڑھوں؟ تو جبرئیل امین نے کہا کہ اپنے خالق و پروردگار کا نام لے کر پڑھئے۔ اور آپ پلک جھپکتے کتابِ کائنات کا مطالعہ فرما گئے۔ اتنا وسیع و عریض عالم۔ ہر طرف قدرت کے نوشتے اور روحانیت کے اتھاہ اور بے پایاں جلووں کا نظارہ۔ نظر تاب دیدنہ لا سکی۔ دل اس کے معانی، معارف اور عوامض سے دہل گیا۔ اتنا بڑا بارِ نبوت اٹھانے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ دل لرز اٹھا۔ طبیعت گھبرا گئی۔ حضرت خدیجہؓ زوجۂ مطہرہ کے پاس آئے۔ اور غارِ حرا کا ماجرا سنایا۔ وہ آپ کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو پہلے انبیاء کی کتابوں کا علم رکھتے تھے انہوں نے سارا سرگزشت سن کر اس بات کی توثیق کر دی کہ آپ کو حضرت موسیٰ کی طرح نبوت کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے کو اپنی آغوشِ رحمت میں لیا اور آیاتِ قرآنیہ کا نزول شروع ہوا۔

پھر مسلمانوں کو یہ ادب سکھایا گیا کہ جس طرح غارِ حرا میں بھوکے اور پیاسے دنیا سے منہ موڑ کر آپ خدا سے لو لگائے بیٹھے تھے تم بھی ہر سال آپ کی سنت کو زندہ کرو۔ جس ماہ نزولِ قرآن کا آغاز ہوا یعنی ماہِ رمضان۔ اس مہینے تم بھی بھوکے پیاسے رہ کر اپنے دل کو روحانی تجلیات سے منور کرنے کی کوشش کرو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک اپنی آغوشِ رحمت کھولے ہوئے ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ رحمت، مغفرت اور نجات کا پیغام سناتا ہے۔ وہ ایک ایسی عبادت کا پیغام لے کر آتا ہے جس کی جزا خود خدا ہے۔ یہ روحانیت کی ایک جہت میں جنت کے دروازہ ریّان تک پہونچا دیتا ہے۔

اس مہینے کا روزہ ہر بالغ، صحت مند اور مقیم مرد و عورت پر فرض ہے۔ بیمار، بوڑھے اور مسافر اس سے مستثنیٰ ہیں۔ روزہ نام ہے طلوعِ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک بھوکا پیاسا اور جنسی لذتوں سے الگ تھلگ رہنے کا۔ یہ ایک سخت مجاہدہ ہے۔ ایک دو دن نہیں بلکہ مہینے بھر۔ جو ایک ماہ روزہ رکھتا ہے فرشتے اس کی سفلی خواہشات کو چھوڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ اور وہ روحانیت کے ایک نہالِ تازہ بن کر ثمر آور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس مجاہدہ و ریاضت کے صلے میں عید کی خوشیاں عطا کرتا ہے۔ جو بے مثال سادگی کے درخت کو تر و تازہ کر دیتی ہے۔

تراویح: رمضان کی ایک برکت نمازِ تراویح بھی ہے۔ جو دراصل نمازِ تہجد ہے۔ مگر امت کی سہولت کے پیشِ نظر آج کل نمازِ عشاء کے بعد پڑھ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں حضرت جبرئیل کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔ ہم لوگ بھی آپ کی یہ سنت زندہ کرتے ہیں اور

نمازِ تراویح میں قرآن شریف کا ایک دور کر لیا کرتے ہیں۔ یہ حفاظت قرآن کی کتنی مؤثر تدبیر ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے رمضان میں حفاظتِ قرآن کا کام بھی لیتا ہے۔

ہم اگر چاہیں تو رمضان میں عبادت۔ مجاہدہ اور ریاضت کر کے ایک نوزائیدہ بچے کی طرح معصوم و بے گناہ بن سکتے ہیں۔

بمبئی یونیورسٹی سے ملحق طبیہ کالج اور اسپتال

میں بی، یو، ایم، ایس (ڈگری کورس) B.U.M.S. میں داخلہ برائے سنہ ۱۹۸۴-۸۵ جاری ہے۔

بمبئی طبیہ کالج اور اسپتال مہاراشٹر میں طب یونانی کا اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے جو عروج و ترقی کی شاہراہ پر بہت تیزی کے ساتھ گامزن ہے۔ یہ ادارہ طب یونانی کے لئے ایک قومی اثاثہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں قدیم و جدید طریقہ ہائے علاج کا حسین امتزاج دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جدید طریقۂ علاج بذاتِ خود دیسی طب کی ہی ترقی یافتہ شکل ہے۔

طبیہ کالج بمبئی میں دونوں طبوں کا تقابلی مطالعہ طلبہ کو تجربہ اور فنی مہارت کے ایسے مواقع فراہم کرتا ہے جس سے وہ اپنی آئندہ عملی زندگی میں خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے اہل بن پاتے ہیں۔ بمبئی یونیورسٹی سے الحاق شدہ یہ ادارہ ہر سال ۵۰ (پچاس) طالبانِ طب کو داخلہ دے کر ۶½ سالہ کورس کی تکمیل کے بعد B.U.M.S. ڈگری حاصل کرنے کا اہل بناتا ہے۔ تاکہ وہ خود اپنے لئے، اپنی قوم اور اپنے ملک کیلئے سود مند شہری ثابت ہوسکیں۔ سند یافتہ طلبہ کیلئے صوبائی و مرکزی حکومتوں کی اہم ملازمتوں کے مواقع فراہم ہیں۔

سنہ ۱۹۸۴-۸۵ کے بی، یو، ایم، ایس ڈگری کورس میں داخلہ کے فارم اس وقت دستیاب ہیں۔ طلبہ کے بارہویں سائنس مضامین کے ساتھ پہلی نشست میں ۵۰٪ سے زائد نمبروں سے کامیابی نیز ۱۲ ویں یا ۱۰ ویں جماعت اردو مضمون سے کامیابی لازمی ہے۔ پس ماندہ ذاتوں اور طبقات کیلئے پانچ فیصد اوسط نمبروں کی رعایت ہے۔ فارم کے حصول کی آخری تاریخ ۲۸ جون اور جمع کرنے کی آخری تاریخ ۳۰ جون سنہ ۱۹۸۴ کر دی گئی ہے۔

کالج سے ملحق اسپتال میں O.P.D. اور I.P.D. کے شعبے بھی قائم ہیں۔ یہاں کے ماہر اطباء بالخصوص امراض مزمنہ کے علاج میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کے علاوہ امراض قلب، بچوں اور عورتوں کے امراض کے ماہر معالج، تجربہ کار سرجن نیز آنکھ، کان، ناک اور گلے کی شکایت کے ماہر معالج بھی عوام کی خدمت کے لئے حاضر رہتے ہیں۔ ان سہولتوں کے ساتھ ساتھ اسپتال ذانت، پیتھالوجی اور ایکسرے کے شعبہ جات سے بھی آراستہ ہے اور عوام کی خدمت میں مصروف ہے۔

تحقیقاتی ادارہ: مرکزی حکومت کی طرف سے قائم کردہ یہ ادارہ دمہ اور دیدانِ امعاء کے مریضوں کی خدمت کے لئے ہمہ وقت آمادہ رہتا ہے۔ نیز تشخیص و علاج بھی مفت کیا جاتا ہے۔

فریدہ مظہر ہاشمی

قرآن مجید اور کاتبانِ وحی

قرآنِ پاک تقریباً ۲۳ برس کی مدت میں اُترا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک کا اکتالیسواں سال تھا آپ پر غارِ حرا میں کلام پاک کی پہلی وحی اُتری:

اِقرأ باسم ربک الذی خلق

ہجرتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں برس میں قرآن پاک کی تکمیل ہوئی۔ اس کا اعلان اللہ نے ان الفاظ میں فرمایا:
(ترجمہ) آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کی تکمیل کردی۔ تم پر اپنا انعام مکمل کیا اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا۔"
کلام پاک نازل ہوتا رہا۔ آپ اسے یاد کرلیتے اور دوسرے صحابہ کو یاد کروا دیتے۔

یادداشت کے اس اہتمام کے علاوہ جس قدر قرآن پاک نازل ہوتا آپ وہ کسی پڑھے لکھے صحابی کو بلا کر لکھوا دیتے۔ ان اصحاب کو کاتبانِ وحی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان اصحاب میں حسبِ ذیل اصحاب خاص طور پر مشہور ہیں:

حضرت صدیق اکبرؓ:

مسلمانوں کے خلیفہ تھے ۔۔۔ ۱۱ھ سے ۱۳ھ تک۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور بلا تردد اسلام لائے۔ معراج کے واقعہ کی تصدیق کی اور صدیق کا لقب پایا۔ اُن کی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ تھیں۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ قریش کے قبیلہ تیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کے بیٹے اور پوتے کو بھی صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ قرآن مجید کی تدوین، اور فتنہ ارتداد کا خاتمہ ان کے اہم کارنامے ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ:

مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ تھے ۱۳ھ سے ۲۳ھ تک خلافت کی۔ ان کے عہد میں ایران، شام اور مصر فتح ہوئے۔ حضرت عمرؓ کا تعلق قریش کے قبیلے عدی سے تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر بھی تھے۔ ان کی صاحبزادی ام المومنین حفصہؓ تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اعلانیہ ہجرت کی اور ہر غزوہ میں شرکت کی۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ:

مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ تھے ۲۴ھ سے ۳۵ھ تک خلافت کی۔ انہوں نے قرآن مجید کی نقلیں کرا کے مختلف صوبوں میں بھیجیں۔ اس کارنامے کی وجہ سے وہ جامع قرآن کے نام سے موسوم ہوئے۔ حضرت عثمانؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں سیدہ رقیہؓ اور سیدہ ام کلثومؓ کی شادیاں ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ ذوالنورین کہلائے۔ حضرت عثمانؓ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو امیہ سے تھا۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ:

مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے۔ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراؓ ان کے حرم میں تھیں۔ حضرت علیؓ نے تبوک کے علاوہ ہر غزوہ میں شرکت کی۔ ان کا عہدِ خلافت ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک ہے۔ ان کا تعلق قریش کے قبیلے بنو ہاشم سے تھا۔

حضرت زبیر بن العوامؓ :

قریش کے قبیلہ اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ حضرت زبیر بن العوامؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں۔ میرے حواری زبیر ہیں۔"

حضرت عامر بن فہیرہؓ :

حضرت عامر بن فہیرہؓ حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ آپ کے دارالارقم میں داخل ہونے اور اس دعوت دینے سے پہلے مسلمان ہوئے۔ اور سنہ ۴ھ میں بیر معونہ میں شہید ہوئے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ :

انصار کے قبیلے مالک بن نجار سے تھے۔ خالد بن زید نام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں قسطنطنیہ پر اس حدیث کے پیش نظر لشکر کشی کی کہ میری امت کا لشکر جو مدینۃ القیصر پر حملہ کرے گا وہ مغفرت یافتہ ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری اس مہم میں شریک ہوئے اور قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران وفات پائی۔ وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت ابی بن کعبؓ :

ان کا تعلق ابو ایوب انصاری کے قبیلے سے تھا۔ عقبہ کی آخری بیعت میں مکہ آکر مسلمان ہوئے۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔ حضرت عثمان نے قرآن جمع کرنے میں قریش اور انصار کے جن بارہ افراد کو جمع کیا ان میں ابی بن کعب بھی تھے۔

حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ :

حضرت معاویہ بن ابو سفیان صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو امیہ سے تھا۔ ان کی بہن حضرت سیدہ ام حبیبہؓ کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت معاویہ شام کے معرکوں میں اپنے پورے کنبے کے ساتھ شریک جہاد رہے۔ حضرت معاویہ نے سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۶۰ھ تک امارت کا منصب سنبھالا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ :

مشہور صحابی تھے۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو کوفے بھیجا اور کوفہ والوں کو خط لکھا کہ عبداللہ بن مسعود کو معلم بنا کر بھیج رہا ہوں۔ ان سے دین سیکھو۔ وہ کوفے میں مقیم ہو گئے۔ اور حضرت عثمان کے عہد میں مدینہ آ گئے۔ سنہ ۳۲ھ میں وفات پائی۔ اور مدینہ میں دفن ہوئے۔

عرب میں کاغذ اس وقت تک رائج نہیں ہوا تھا۔ یہ حضرات عام طور پر کھجوروں کے پتوں، چمڑے کی جھلیوں اور اونٹ کے شانے کی ہڈیوں کو لکھنے کے کام میں لیتے تھے۔ قرآن کریم کی ترتیب مع اس کے تمام اجزاء آنحضرت صلی اللہ کے عہد مبارک میں ہو چکی تھی۔ تمام اجزاء مکتوب کی صورت میں موجود تھے۔ آپ کی زیر ہدایت کلام اللہ کی حفاظت دو طرح پر کی گئی۔ حفظ اور تحریر کے ذریعے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں قرآن حکیم کی تدوین کا فریضہ انجام دیا۔ اور لکھوا کر نسخہ ان کے پاس رہا ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی تحویل میں آیا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے لے کر اس کی متعدد نقلیں کرائی گئیں۔ ان میں سے ایک مدینہ منورہ میں رکھی گئی بقیہ مکہ معظمہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھیج دی گئیں۔ اس طرح قرآن مجید کی اشاعت ہوئی۔ اور وہ آج بعینہ اسی صورت میں موجود ہے۔ جو عہد عثمان ذوالنورینؓ میں تھا۔ ۔ ۔ ۔

(ماخوذ)

. . . .

ایک بھولا ہوا سبق

اعتکاف

رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ گاؤں اور شہر کے محلوں کی مسجد میں اگر کسی نے اعتکاف کی نیت سے آخری عشرہ گذارا تو تمام لوگوں کی طرف سے یہ سنت ادا ہوگئی۔ اور اگر خدا نخواستہ کسی نے بھی اعتکاف نہیں کیا تو اس عظیم سنت کے ترک کا وبال پورے محلے اور گاؤں والوں پہ ہوگا۔ الحمد للہ شہروں میں یہ سنت زندہ ہے مگر دیہاتوں میں یہ سنت قریب قریب مردہ ہوچکی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی فرضیت کے بعد سے اس کو ناغہ نہیں فرمایا۔ اور اگر کسی مہم میں شریک ہونے کی وجہ سے ناغہ ہوگیا تو آپ نے اس کی قضا فرمائی ہے۔ جیسا کہ حیات طیبہ کے آخری سال آپ نے ۲۰ روز کا اعتکاف ادا فرمایا تھا۔

چونکہ رمضان کا آخری عشرہ جہنم سے آزادی ہے، اور شب قدر بھی ان ہی طاق راتوں میں ہونے کا زیادہ احتمال ہے اور ان طاق راتوں میں ۲۷ ویں شب اور بھی زیادہ احتمال رکھتی ہے۔ اس لئے خدا کے محبوب بندے اپنے مالک کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس آخری عشرہ کو اعتکاف میں گذارتے ہیں۔ یعنی جو لوگ اس سعادت کو حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں وہ ۲۰ رمضان کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد کے کسی کونہ میں چادر کا پردہ سا کر دیتے ہیں، اور ہلال عید کے نمودار ہونے تک وہ خدا کی بارگاہ میں اپنے کو مقید کر دیتے ہیں۔ سوائے فطری اور شرعی ضرورت کے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی آستانۂ رب کو نہیں چھوڑتے۔ ایسے ہی لوگ شب قدر کی برکتوں اور رحمتوں سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ دس روز کے اس تربیتی کورس میں محض خدا کی رضا کے لئے اپنے کاروبار کو، اپنی ملازمت کو اور صنعت و حرفت کو، بیوی بچوں کو، گھر کے آرام اور ہمہ اقسام کے کھانوں کو چھوڑ کر مسجد کی چٹائی پر شب و روز گذارتا ہے۔ وہ کبھی نوافل کے ذریعہ، کبھی تلاوت قرآن پاک کے ذریعہ، کبھی تسبیح و تہلیل سے وہ اپنے رب کے حضور رطب اللسان رہتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے تو کچھ دیر کے لئے سو جاتا ہے اور جب بیدار ہوتا ہے تو پھر عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے۔

قابل رشک ہیں وہ لوگ جنہوں نے اعتکاف کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کی تیاری میں مصروف ہو گئے ہیں۔

دیہات اور گاؤں کے باشندوں سے گذارش ہے کہ آپ اس عظیم سنت کو زندہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ دیہاتوں میں مسلمان رات میں مسجد کے اندر جانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ انہوں نے بچپن میں سن لیا ہے کہ رات کو مسجد میں جنات آتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ آتے بھی ہوں وہ ہمارے سامنے نہیں ہوں گے۔ وہ انسانی شکل میں ہوں گے اور اگر جنات نظر نہیں آتے تو پھر ایک وہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس مخلوق ملائکہ ہر جگہ ہیں نظر نہیں آتے تو ہم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

دس روز کے لئے دنیا کے تمام جھمیلوں سے الگ ہو کر آپ زندگی میں ایک بار ہی سہی اس سعادت کو حاصل کریں۔ آپ بال بچے والے ہیں تو ان کی ضروریات زندگی کا انتظام کر کے فرصت نکال لیں۔ اگر آپ کو افطاری اور کھانا مسجد میں پہنچ جانے کا بندوبست ہے تو آپ مسجد میں سے ہرگز نہ نکلیں۔ اور اگر آپ تنہا ہیں اور کوئی پہنچانے والا نہیں ہے تو آپ ہوٹل یا بستی یا بازار جا کر اپنی فطری ضروریات پوری کر کے فوراً مسجد میں واپس چلے آئیں۔ پیشاب پاخانہ کے لئے اگر مسجد میں

انتظام ہے تو آپ اپنی ضرورت مسجد کے طہارت خانوں میں رفع کریں اور اگر یہ بندوبست مسجد میں نہ ہو تو آپ باہر یا اس جگہ جہاں اطمینان سے اپنی حاجت رفع کر سکیں جا کر کے فوراً واپس آ جائیں۔ راستہ میں کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ اگر کوئی مریض یا اندھا آپ کو مدد کے لئے بلا دے تو آپ ضرور اس کی مدد کریں۔ یہ طبعی ضرورت ہے جس کے لئے آپ اعتکاف گاہ سے نکل سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز یا جماعت کا انتظام مسجد میں نہ ہو تو دوسری مسجد میں آپ جا سکتے ہیں۔ عورتیں بھی گھر میں اپنے نماز کی جگہ اعتکاف کر سکتی ہیں۔

سال بھر روزے ہی روزے

روزہ ہر چند کہ صرف رمضان کے مہینے میں فرض ہے، لیکن عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ روزہ سال کے بارہ مہینے کسی نہ کسی طور پر چلتا ہی رہتا ہے۔ یعنی کسی مہینے میں نفلی روزے ہوتے ہیں جیسے شعبان کے مہینے میں چودھویں تاریخ کا روزہ۔ محرم کے مہینے میں ۹ اور ۱۰ تاریخ کا روزہ۔ ذی الحجہ کے مہینے میں عرفہ کا روزہ۔ اکثر بیمار اور مسافر اور دودھ پلانے والی مائیں اور زچہ وغیرہ بعد رمضان کے مہینے میں یا دیگر دنوں میں اپنے روزوں کی قضا پوری کرتی ہیں۔ کچھ لوگ روزوں کی گنتی پوری کرتے ہیں۔ گویا فرض روزوں کی ادائیگی سال بھر چلتی رہتی ہے۔ کفارہ کے روزے بھی فرض روزوں میں شمار ہوتے ہیں یہ روزے اس لئے رکھے جاتے ہیں کیونکہ بعض افراد سے فرض روزوں میں کوتاہی یا غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ کفارہ پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح حج میں بھی بھول چوک ہو جانے کے سبب رکھے جانے والے روزے۔ جن کی تعداد ۱۰ ہے۔ اسی طرح منت کے روزے ہیں۔ ہر چند کہ یہ نفلی روزے ہیں مگر ان کی ادائیگی بھی فرض روزوں کی طرح ہوتی ہے۔

نفلی روزوں کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی ہے کہ جن دنوں میں روزہ مقرر ہے ان ہی میں روزہ رکھنا ہوگا۔ یعنی محرم، شعبان اور ذی الحجہ کے مقررہ روزے اسی دن ہوں گے۔ لیکن دوسرے روزے جس دن رکھنے کا ارادہ کرے اسی دن شروع کرے۔ مثلاً ایک شخص نے نذر مانی کہ فلاں کام ہونے پر مسلسل دس روزے رکھوں گا تو مسلسل ہی رکھنا ہوگا۔ بزرگانِ دین ہمیشہ نفل روزے رکھتے تھے۔ یہ ثواب کے روزے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا جتنا چاہے اجر دے یہ اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔

مناجات

(از: ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر ایم اے۔ پی ایچ ڈی)

اے خدائے ذی جلال و ذی کمال ذات تیری لا فنا اور لازوال
نام لیوا تیرے با حزن و ملال در پہ تیرے ملتجی ہیں خستہ حال

امت خیر الوریٰ پر رحم کر
پیروان مصطفےٰ پر رحم کر

اہل دیں کا آسرا تو ہی تو ہے بالیقیں مشکل کشا تو ہی تو ہے
مالک ارض و سما تو ہی تو ہے مختصر یہ ہے، خدا تو ہی تو ہے

نرغۂ اغیار سے ہم کو بچا
ظلم کے ہر وار سے ہم کو بچا

سن لے یارب اہل ایماں کی دعا درگزر کر دے ہماری ہر خطا
تجھ کو تیری رحمتوں کا واسطہ پھر گذشتہ شان کر ہم کو عطا

روک دے یورش، غم و آلام کی
لاج رکھ لے عالم اسلام کی

دے ہمیں سرمایۂ عرفان دے نیک اور بد کی ہمیں پہچان دے
ہیں جو بے ایمان، انھیں ایمان دے مومنوں کو پھر نرالی شان دے

چادر رحمت سروں پر ڈال کر
نعمتوں سے ہم کو مالامال کر

سرد کر دے آتش جنگ و جدال ہر جگہ امن و اماں کر دے بحال
ہے جو اسرائیل کے فتنوں کا جال اس کی خاطر خود ہی بن جائے وبال

دین احمدؐ تا ابد زندہ رہے
مذہب اسلام پائندہ رہے

مومن کی پہچان

مومن وہ ہے جو خدا کو اس حیثیت سے پالے کہ وہ سب سے زیادہ خدا سے ڈرے۔ اور سب سے زیادہ خدا سے محبت کرے۔ وہ اپنی سوچ، اپنے جذبات کا مرکز صرف ایک خدا کو بنا لے۔

ایسا آدمی ہر قسم کے سطحی اور منفی جذبات سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ اس کے سینہ میں دوسرے آدمیوں کے لئے خیر خواہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب اپنے کسی بھائی سے اس کی ملاقات ہوتی ہے تو اس کا سلامتی کا جذبہ "السلام علیکم" کی صورت میں اس کے منہ سے نکل پڑتا ہے۔ اس طرح وہ پہلے ہی قدم پر اپنا تعارف اس حیثیت سے کراتا ہے کہ وہ اس کی بھلائی چاہنے والا ہے، وہ اس کی برائی چاہنے والا نہیں ہے۔

جب گفتگو ہوتی ہے تو وہ نرمی اور شرافت کے ساتھ بات کرتا ہے۔ وہ نہ چیختا اور نہ سخت آواز میں بولتا۔ وہ اپنی زبان سے صرف سچی بات نکالتا ہے۔ جھوٹی بات نہیں نکالتا۔ وہ ایسا نہیں کرتا کہ اس کے دل میں کچھ ہو اور اپنی زبان سے کچھ کہے۔ وہ کسی سے ایسا وعدہ نہیں کرتا کہ جس کو پورا کرنے کے لئے اس کے دل میں پکا ارادہ نہ ہو۔ کوئی ایسی بات پیش آجائے جس سے اس کے دل پر چوٹ لگی ہو تب بھی وہ بے ہودہ انداز اختیار نہیں کرتا۔ کوئی چھوٹا ہو تو اس کے ساتھ حقارت کا رویہ اختیار نہیں کرتا۔ کسی کے ساتھ اس نے احسان کیا ہو تو وہ اس کو طعنہ نہیں دیتا۔ وہ اپنے چھوٹوں کے لئے ہمدرد ہوتا ہے، اور جو اس سے بڑے ہیں ان سے ادب کے ساتھ پیش آتا ہے۔

مومن کے دل میں خدا کا ڈر سمایا ہوا ہوتا ہے۔ یہ چیز اس کو اس سے روکتی ہے کہ وہ کسی کو ستائے اور کسی کے ساتھ بے انصافی کرے۔ وہ ہر ایک کو اس کا حق دیتا ہے۔ وہ سخت احتیاط کرتا ہے کہ اس کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف پہونچے، اس کا وجود کسی دوسرے کے اوپر بوجھ بن جائے۔ وہ کسی کو مصیبت میں دیکھتا ہے تو اس کی مدد کے لئے بے چین ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ مدد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا دل اس کے لئے دعائیں کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ اپنے عمل سے کسی کو کچھ نہ دے سکے تو وہ اپنے دل اور اپنی زبان سے اس کو وہ بہترین چیز دیتا ہے جو وہ اسے دے سکتا ہے۔

مومن وہ ہے جو اپنے آپ کو خدا کی نگرانی میں سمجھے، جو یہ سمجھ کر زندگی گذارے کہ اس کو اپنے ہر قول و فعل کا جواب خدا کو دینا ہے۔ جو کمزور کے معاملہ میں شریر نہ بنے کیونکہ ہر کمزور کے ساتھ اس کا خدا کھڑا ہوا ہے۔ جو طاقت کی رو سے مرعوب نہ ہو کیونکہ بالآخر ہر ایک خدا کے آگے بے طاقت ہو جانے والا ہے۔

عید مبارک
منجانب:-
السمیت انٹرنیشنل
AL--SAMIT INTERNATIONAL.
ہیڈ آفس:-
کے کے مینشن تیسرا منزلہ،
۹۱/۲۸۹ ناگدیوی اسٹریٹ، بمبئی ۴۰۰۰۰۳
ٹیلیفون:- 326686/349274
برانچ آفس:
عربین اپارٹمنٹس
۷ بھاگوجی کیر مارگ (بیت بسر لین)
نزد پیراڈائز سینما، ماہم بمبئی ۴۰۰۰۱۶
ٹیلیفون: 454508/454546
ٹیلیکس:- OMBR IN 011-71101

جاپان میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت

سلمیٰ صدیقی

دُنیا کے رُوحانی مذاہب اور مادی نظریات کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دُنیا میں صرف اسلام ہی وہ نظامِ زندگی ہے جو پورے توازن اور اعتدال کے ساتھ انسان کی اخلاقی، روحانی اور مادی ضروریات کو پورا کرتا اور ان کے تمام مسائل کو بحسن و خوبی حل کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ صرف اسلام ہی کے زیرِ سایہ لوگ آزادی و مساوات اور عدل و انصاف کے ماحول میں سانس لے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کے وہ تمام ترقی یافتہ ممالک بھی جو ایک طویل عرصہ سے مختلف روحانی مذاہب اور مادی نظاموں کا تجربہ کرتے رہے ہیں بالآخر اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ ان کی روز افزوں مشکلات کا حل اور ان کے مصائب کا نسخۂ کیمیا اسلام کے پیش کردہ نظامِ زندگی میں مل سکتا ہے۔

اس حقیقت کو پالینے کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک کا سنجیدہ اور ذہین طبقہ تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ اور متعصب دشمنوں کی لاکھ مخالفت کے باوجود یہ لوگ اسلام کی لازوال تعلیمات کا نہ صرف مطالعہ کر رہے ہیں بلکہ اسے قبول کر کے اسے فروغ دینے کی ہر ممکن جد و جہد بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ ان ممالک میں بھی جنہیں الحاد و مادیت کا علمبردار سمجھا جاتا ہے آج بہت سی اسلامی تنظیمیں اور مراکز قائم ہیں۔ جو وسیع تر پیمانے پر اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے کام کر رہے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی یہ کوشش نہ صرف یہ کہ امریکہ اور یورپ کے کونے کونے میں ہو رہی ہے بلکہ جاپان میں بھی جو اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے اسلام کے لئے ایک تاریک خطہ بنا ہوا تھا، اسلامی سرگرمیاں زور شور سے شروع ہو گئی ہیں۔

ایشیا کے اس چھوٹے مگر عظیم ملک میں یہ سرگرمیاں ملک گیر پیمانے پر انجام دی جا رہی ہیں۔ اور روز بروز ان کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

گذشتہ تین سال کے دوران جاپان میں اسلام کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور اس مختصر مدت میں یہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے اسلام کو سینے سے لگایا ہے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ۹۹ فیصد افراد تعلیم یافتہ، باشعور اور ذہین طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ نو مسلم اسلام کے سائے میں آتے ہی اسلام کی اشاعت اور فروغ کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں جاپان کا ایک مشہور ترین شخص اور اپنے فن کا ماہر ڈاکٹر شوقی صفاکی دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ اس ڈاکٹر کا شمار جاپان کے چوٹی کے چند ڈاکٹروں میں ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں جاپانیوں کا عام خیال یہ رہا ہے کہ یہ اپنے وسیع اور شاندار اسپتال

کے ذریعہ ملک و قوم کی گراں مایہ خدمات انجام دے رہا ہے۔
یہی ڈاکٹر حبیب دائرۂ اسلام میں داخل ہوا تو وہ اپنے اسپتال
کے ڈاکٹروں اور مریضوں کو موقع موقع سے اسلام کے بنیادی
اصول اور اس کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتا۔ اور
جاپانی ذہن کے مطابق تیار کردہ لٹریچر بھی مطالعہ کیلئے دیتا۔
اس کی ان ہی قیمتی کوششوں کے نتیجے میں اپریل ۱۹۸۰ء کو دو سو
جاپانیوں نے جمعہ کے دن ٹوکیو کی مسجد میں اپنے قبولِ اسلام
کا اعلان کیا۔

۱۹۷۷ء کے وسط میں جاپان کے ایک بڑے جزیرے
ہوکاڈو میں ایک شخص نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد
اس نے اپنی زندگی کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔
اس کی انفرادی کوششوں کے نتیجہ میں ایک ماہ کے اندر اندر
۳۰ سربرآوردہ اشخاص نے اسلام قبول کیا۔ ان نو مسلموں
نے فوراً ہی ہوکاڈو کے مسلمانوں کی ایک دعوتی تنظیم قائم
کر دی۔ اور اب یہ تنظیم پوری سرگرمی سے اسلام کی نشر و اشاعت
میں مصروف ہے۔

اسی طرح ٹوکیو سے ۲۰۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر شمال میں
مچھلیوں کے جہازوں کی سب سے بڑی بندرگاہ کے مشہور شہر
یاایزو میں ایک بڑی ہی مشہور اور بااثر شخصیت عمر اوشی
نے اسلام قبول کرتے ہوئے کہا کہ آج سے اسلام کو بہ حیثیت
ایک مکمل دین کے متعارف کرانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہ کروں گا۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اس قول کو
عملی کردار سے بالکل سچ کر دکھایا۔ چنانچہ اسلام قبول کرنے
کے بعد انھوں نے اپنی قوم کو جس کے وہ چودھری ہیں، اور
اس بین الاقوامی تنظیم کے ارکان کو جس کے وہ صدر ہیں اسلام
سے روشناس کرانے کے لئے انفرادی طور پر بڑی ہی سعی
وجہد کی۔ وقفے وقفے سے اجتماعات منعقد کر کے
اسلامی دعوت کو پیش کیا۔ جس کا نتیجہ ہے کہ آج اس شہر میں
اسلام کا موضوع ہر خاص و عام کی زبان پر ہے۔ یہاں تک کہ
مچھلیوں کے بڑے تاجر اور بندرگاہ کا عملہ بھی اس ابدی مذہب
سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔

جاپان میں اسلامی دعوت کے لئے صرف انفرادی
کوششیں ہی نہیں ہو رہی ہیں بلکہ وہاں کے تمام ہی اہم علاقوں
سرگرم تنظیمیں قائم ہیں۔ ان تنظیموں کی تعداد ۱۳ ہے۔ اور یہ اپنے
اپنے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے فریضے کو انجام دے رہی ہیں۔
ان کے علاوہ وہاں ایک مرکزی تنظیم بھی ہے جو تمام تنظیموں
کی کارکردگی کا جائزہ لیتی رہتی ہے۔ اور وقتاً فوقتاً ان کا
احتساب بھی کرتی رہتی ہے۔ ہم ذیل میں چند تنظیموں کی کارکردگی
پر مختصر روشنی ڈال رہے ہیں:

ٹوکشما اور نارٹو جاپان کے دو بڑے ہی مشہور شہر ہیں
ان کا باہمی فاصلہ بھی بہت کم ہے۔ یہاں ٹوکشما کی دعوتی
تنظیم کام کر رہی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں وہاں ایک کلچرل سینٹر
کی مدد سے جس کے صدر حاجی یوسف ناکاجیما ہیں، ایک
بڑا اجتماع منعقد کیا گیا ــــ اس تنظیم کی ایسی ہی پیہم کاوشوں
کے نتیجے میں آج صورت حال اتنی بہتر ہو گئی ہے کہ ان دونوں
شہروں کو ٹوکیو کے بعد جاپان کا سب سے بڑا قلعہ تصور
کیا جانے لگا ہے۔

کیوٹو جو جاپان میں جنوب مغرب کا اہم تجارتی
مرکز ہے یہاں حاجی مصطفےٰ کورا کی زیر نگرانی ایک تنظیم
کام کر رہی ہے۔ اس تنظیم کی مسلسل کوششوں سے وہاں
جاپانیوں کے تعلیم یافتہ اور ذہین طبقے کے بہت سے لوگوں نے
اسلام قبول کیا اور قبولِ اسلام کا یہ سلسلہ جاری ہے۔
ٹوکیو سے ۵۰۰ کلو میٹر کے فاصلے پر جنوب مغرب میں
جاپان کا سب سے اہم ثقافتی اور تعلیمی مرکز ہے۔ اس شہر میں

جاپان کے مختلف علاقوں کے لوگ آباد ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ممالک کے طلبہ اور ریسرچ اسکالر بھی خاصی تعداد میں علم و فن کے حصول کے لئے آئے ہوئے ہیں۔
اس علمی اور ثقافتی مرکز میں اسلام کی تبلیغ کا انفرادی کام تو بہت عرصے سے ہو رہا تھا۔ اب اجتماعی اور تنظیمی طور پر کانزوا کی مسلم تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ اب یہ تنظیم اسلام کی تبلیغ کے لئے ہر ممکن جد و جہد میں مصروف ہے۔
ان تنظیموں کے علاوہ وہاں کئی اسلامی سنٹر بھی ہیں جو اسلام کے فکری اور دعوتی لٹریچر کو جاپانی زبان میں منتقل کرنے اور ان کو جاپان کے کونے کونے میں پھیلانے کے لئے ہر ممکن جد و جہد میں مصروف ہے۔
ملیشیا کے صدر مقام کوالالمپور میں ایک عالمی اسلامی کانفرنس میں ٹوکیو کے ایک اسلامی سینٹر نے جس کے قیام کو صرف دو سال کا معمولی وقفہ گزرا ہے، اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ جاپانی زبان میں اب سے پہلے کبھی اسلام کی دعوت کا کام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کہ اس زبان میں مذہبی اور خاص طور سے اسلامی اصطلاحات کا ترجمہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ مگر الحمد للہ ان سخت دشواریوں کے باوجود ہم نے اس تھوڑی سی مدت میں مشہور اسلامی مفکرین کی چالیس کتابوں کو جاپانی زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ پھر ان کتابوں کو جاپان کی تمام ہی مسلم تنظیموں کو مفت تقسیم کرنے کیلئے بھیج دیا ہے۔ اسی طرح ہم نے جاپان کے ممبران پارلیمنٹ، سائنسدانوں اور محققین کو بھی یہ لٹریچر روانہ کیا۔ اس سینٹر کے مردِ مجاہد نے مزید کہا کہ ہم نے اب تک تمام ٹوکیو کے سبھی علاقوں میں گھر گھر جا کر لوگوں سے ملاقات کی ہے۔ اور ان کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا ہے۔ اور آخر میں اسلامی لٹریچر مطالعہ کے لئے دیا ہے۔ اور اس طرح پورے ٹوکیو میں اسلام کا پیغام پہونچ گیا ہے ـــ ٹوکیو کا یہ سینٹر ایک سہ ماہی رسالہ بھی نکالتا ہے۔ جس کی ضخامت ۱۰۰ صفحات سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ رسالہ جاپان کے تمام بک اسٹالوں پر مل جاتا ہے۔ ساتھ ہی اس کو جاپان کی ہر تنظیم، انجمن اور تعلیمی و ثقافتی اور سماجی اداروں کو بھیجا جاتا ہے۔

نعت گوئی

نائب صدر جمہوریۂ ہند کی نظر میں

شعر و سخن کی اصناف میں درحقیقت سب سے زیادہ نازک صنف نعت گوئی ہے۔ وہ ذاتِ مقدس جس پر خود خالقِ کائنات درود و سلام بھیجے اور اس کے پاک فرشتے جس کی توصیف کریں، جس کیلئے کائنات کی تخلیق کی گئی ہو آسمانوں کو بلندی دریاؤں کو وسعت اور مہر و ماہ و نجوم کو تابانی بخشی گئی ہو اس کے حضور کچھ عرض کرنے کی جرأت کیلئے بھی احتیاط، ہوشمندی اور فرزانگی کی ضرورت ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

بارگاہِ رسالت مآب میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے جنبشِ طلب کی تھوڑی سی لغزش بھی جرم وفا کے برابر ہے۔ یہاں سجدۂ شوق کی اجازت ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس کا اظہار صرف نگاہوں سے کیا جائے۔ جنون کی کتنی ہی شورش ہو مگر جیب و گریباں تار تار نہ ہوں۔ شریعت کا اتباع کامل اور مقامِ نبوت کی عظمت کا عرفان ہو چکے بعد ہی نعت گوئی کی منزل طے ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے اب بے پایاں عشق نہیں، سینے میں جذبۂ ایمان اور دل میں نورِ محمدی کا نہیں تو نعت گوئی کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

عشق کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

اس لئے نعت گوئی کو اس کے معیار اور اس کے مقام کے مطابق کہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس منزل میں وہی بامراد ہو سکتا ہے جو اس مقام تک پہونچ جائے ؎

جلوؤں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

محمد ہدایت اللہ ـــ نائب صدر جمہوریہ ہند

عید کا دن

کون کس طرح گذارتا ہے

دلہن: دلہن سجنا پسند کرتی ہیں۔

دولہا: دولہا ایک دن کا بادشاہ بننے کی آرزو کرتا ہے۔

مزدور: مزدور سوچتا ہے کہ کاش! اس کے پاس چار پیسے ہوتے تو وہ بھی چاند رات کو دعوا کرتا۔

ٹیکسی ڈرائیور: ٹیکسی ڈرائیور سوچتا ہے کہ کاش وہ گھنٹوں کا راستہ منٹوں میں طے کر لیتا۔

سہیلی: سہیلیاں ایک دوسرے سے مل کر اپنے اپنے لباسوں کی تعریف کرتی ہیں۔

دکاندار: دکاندار سوچتا ہے کہ کاش! عید ایک دن ٹھہر کر آتی۔

حاکم: حاکم اس دن یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ حاکم کے ساتھ ساتھ حاتم طائی بھی ہے۔

لیڈر: عید کے دن لیڈر اپنے استادوں کے در پر جاتا ہے اور اس کے شاگرد اس کے دولتکدے پر حاضری دے کر اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہیں۔

سیاستدان: سیاستدان کو عید کی مصروفیات میں بھی ہر جگہ سیاسی رنگ دکھائی دیتا ہے۔

فقیر: فقیر کو اس دن اپنی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

پردیسی: پردیسی عید کا دن سینما کی قطاروں اور بس کی قطاروں کے درمیان گزار دیتا ہے۔

عاشق: عاشق عید کے دن عید کارڈ کا منتظر رہتا ہے۔

پوسٹ مین: گو کہ عید تعطیل کا دن ہوتا ہے لیکن وہ عید کارڈ تقسیم کرنے کے لئے بے چین رہتا ہے۔

مداری: مداری والے اس دن اپنے نئے آئیٹم دکھانے کے لئے میدان ڈھونڈتے ہیں۔

درزی: عید کے دن مصروف درزی اپنی دکان باہر سے بند کر کے اندر کپڑے سیتا ہے۔

طالب علم: طالب علم اس دن اخباروں میں فلموں کے اشتہار بہت شوق سے دیکھتا ہے۔

ہوٹل: عید کے دن ہوٹلوں سے مقدس لال پردے ہٹا دئے جاتے ہیں۔

ماں: ماں چاہتی ہے کہ اس کے بچے عید کے دن اچھے سے اچھے کپڑے پہنیں۔

باپ: باپ سوچتا ہے کہ کاش اس کے پاس علاؤالدین کا چراغ ہوتا۔

شاعر: شاعر اس دن بے حد خوش ہوتا ہے۔ چونکہ ایک ماہ کے طویل انتظار کے بعد پھر سے محفل شعر و سخن کے دن قریب ہوتے ہیں۔

یتیم: یتیم سوچتے ہیں کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ عید کا تہوار سال میں کئی بار آتا۔

مصور: مصور اپنے بنائے ہوئے عید کارڈز کا عوامی ردعمل دیکھتا ہے۔ — **جواری:** عید کی خوشی میں اپنی جیب خالی کر دیتا ہے۔ **ادیب:** عید نمبر میں شائع اپنے مضمون کو بار بار پڑھ کر خوش ہوتا ہے۔

غزلیں

★ مغل اقبال اختر — چیلون

ہر ایک ہاتھ میں خنجر دکھائی دیتا ہے
تمام شہر ستمگر دکھائی دیتا ہے

جو دُور سے نظر آتا ہے چاند آنکھوں کو
قریب جاؤ تو پتھر دکھائی دیتا ہے

کسے خبر ہے وہ کوئی سراب ہے کیا ہے؟
نگاہ کو جو سمندر دکھائی دیتا ہے

میں شہر چھوڑ کے گاؤں میں آ بسا لیکن
یہاں بھی شہر کا منظر دکھائی دیتا ہے

یہ خوف ہے کہ وہ نکلے نہ راہزن اختر
مسافروں کو جو رہبر دکھائی دیتا ہے

★

★ سلیم احمد سلیم — دوحہ قطر

زندگی اک عذاب ہے لوگو!
یا تو پھر کوئی خواب ہے لوگو!

وہ جو کانٹوں کے ساتھ رہتا ہے
کوئی تازہ گلاب ہے لوگو!

زیب دیتا ہے حسن پردے میں
ورنہ پھر بے نقاب ہے لوگو!

اس کو پڑھنا اگر ملے فرصت
میرا دل بھی کتاب ہے لوگو!

سوچ لو ہر گناہ سے پہلے
روزِ محشر حساب ہے لوگو!

محفلِ یار میں غزل میری
آج کا انتخاب ہے لوگو!

★ واحد محسن

عمدہ خیال ذہن و قلب سے نکال مت
جو کام آج کا ہے اُسے کل پہ ٹال مت

لوگوں کو اپنا حال سنانے سے فائدہ؟
بے وجہ اپنی ذات پہ کیچڑ اچھال مت

شیشے کا تیرے سر پہ بھی اک سائبان ہے
غیروں کے صحنِ دل پہ تو پتھر اچھال مت

ہرگز نہ آرزو کے ملیں گے تجھے صدف
ناکامیوں کا زرد سمندر کھنگال مت

احباب تجھ کو دیں گے غموں کے سوا بھی کیا!
پھیلا نا ان کے سامنے دستِ سوال مت

بے حس ہیں، خود غرض ہیں یہ واحد جہاں کے لوگ
تو اپنے جی کا سب کو سنا کر ملال مت

عید مبارک
عید الفطر
کے پُر مسرت موقع پر
ہماری دُعا ہے کہ
مُلک و قوم ترقی کرے
اور امن و امان سے خوش حالی بڑھے
جنرل انجینئرنگ ورکس
پورٹ ہارڈ روڈ
دارو خانہ، بمبئی نمبر ۴۰۰۰۱۰
فون نمبر:- 8723771/8720618

نصرت کمالی

کہتا ہوں سچ ....

حیرت کوکنی، ایک عالم شاعر

وہ کام کر کہ رہے تا ابد نشاں تیرا
وہ نام کر کہ زمانہ جسے بھلا نہ سکے (حیرت)

حضرت حیرت کوکنی مرحوم کے تعلق سے جب یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ میرے قریب تشریف فرما ہیں، اور اپنے مخصوص لہجے میں اپنے اشعار سنا رہے ہیں۔ مرحوم سے میرے تعلقات ہی اس قدر گہرے اور قریبی تھے یہی وجہ ہے کہ میں ان کی عالمانہ صلاحیتوں کو بھلا نہیں سکتا۔ ان یادوں کے نقوش بھی زنگ آلود نہیں ہو سکتے۔

ایسی عالم شخصیت کی شاعری کا جائزہ لینا یقیناً بڑا مشکل کام ہے کہ ان کی بصیرت افروزی کے مقابل اپنی بے مائیگی کا احساس بھی ہے۔ لیکن اس جرأت خامہ فرسائی کے دو بلیغ وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ ان کی خدمات اردو کا ذکر اعتراف صداقت کے مترادف ہے جس میں وہ صحیح معنوں میں اہل ہیں۔ دوم یہ کہ اس قسم کے تذکروں سے نوآموز ہستیوں کے سامنے میدان ادب کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں۔ اور نئی پود کو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح نامساعد حالات کی سختیوں سے نبرد آزمائی کرتے ہوئے ایک فرزند کوکن نے شعر و شاعری میں اس قدر بلند مقام حاصل کیا کہ اس کا کام اور نام دونوں ناقابل فراموش ہیں۔ حیرت نے بزبان خود ہی اپنے عزم راسخ کا اظہار دلنشین انداز میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وہ کام کر کہ رہے تا ابد نشاں تیرا
وہ نام کر کہ زمانہ جسے بھلا نہ سکے

اردو کا نامور استاد جس کو محض اردو کی بقا اور پھیلاؤ کی دھن اور سچی لگن تھی۔ اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ عمر عزیز کے چالیس برس اکتارہ لئے نگری نگری، پربت پربت بنجارہ سا گھومتا رہا۔ دیکھئے اسی بات کو حیرت کے مجموعۂ کلام سنگریزے کے پیش لفظ میں ڈاکٹر عبد الستار دلوی کس انداز میں پیش کرتے ہیں۔

اس علاقہ میں (کوکن میں) اردو کی تدریس سے دلچسپی لینے والوں میں حیرت صاحب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ آپ تقریباً چالیس سال سے داپولی اور اس کے اطراف و جوانب میں اردو کی تدریس کے ذریعہ اس خطہ میں اردو کی جڑیں مضبوط کرنے کا اہم اور بنیادی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اردو کی بقا اور پھیلاؤ کے لئے اس کی تدریس ہی کو زیادہ اہمیت ہے اس لئے ہماری لسانی ثقافت میں حیرت صاحب جیسے مجاہدان اردو کی خدمات ہی اس زبان کی زندگی کی ضمانت دے سکتی ہیں۔ بنیادی مدرسوں میں خاص طور سے ثانوی زبان کی تدریس ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔ جسے کوئی مشاق اور تجربہ کار استاد ہی انجام دے سکتا ہے۔ حیرت صاحب کو ذوق تدریس ودیعت ہوا تھا کہ جس کے ذریعے انھوں نے

کوکن کی سنگلاخ زمین میں اُردو کی بقا کا سامان پیدا کیا ہے۔
حیرت صاحب کو زبان اردو سے والہانہ عشق ہے اور اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ انھوں نے تدریسِ زبان کے فرائض منصبی کے علاوہ شعر و ادب سے بھی گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور خاموشی کے ساتھ اپنے ذوق کی تسکین کے لئے شعر بھی کہتے رہے۔
انھوں نے جہاں مستقبل میں اردو جنگ لڑنے کے لئے غیر اردو علاقے سے عاشقِ جانباز اور مجاہد پیدا کئے ہیں وہیں پر ستھرا ادبی ذوق پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔
حیرت صاحب کی ان بے لاگ اردو خدمات کو سراہا جائے کم ہے۔

حیرت بحیثیت استاد واقعی ایک محنتی اور نادر المثال استاد تھے۔ ان کے شاگرد اعلیٰ تعلیم پاکر بڑے بڑے عہدوں پہ فائز ہیں لیکن وہ سب آج بھی اپنے اس جلیل القدر استاد کو یاد کرتے ہیں بصد ادب ان کی صلاحیت خداداد کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ان سبھی کو حیرت صاحب کی شاگردی پر ناز ہے۔

حیرت کے زمانۂ طالب علمی کے دوران حصولِ علم کے لئے اس قدر سہولتیں نہ تھیں۔ درجۂ هفتم (ورنا کیولر فائنل) کے لئے انھیں رتناگری ہی جانا ضروری ہوا۔ اور یہاں سے نکلتے ہی وہ رتناگری اسکول بورڈ کے تحت چلنے والے اردو مدارس کے لئے ٹیچر مقرر ہوئے۔ پھر پرائمری ٹیچرز ٹریننگ کی دو سالہ مدت پونہ میں رہے۔ جہاں انھیں اردو کے اچھے اساتذہ ملے۔ حیرت اپنے اساتذہ کا تذکرہ بڑے فخر سے کیا کرتے۔ شاعری کے ذوق کو بھی یہیں جلا ملی۔ اس کے بعد ان کا اپنا ذاتی مطالعہ وسیع تھا۔ خدا جانے کہاں کہاں سے اپنے ذوق کی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لے آتے۔
اردو کے معیاری رسائل شاعر، عالمگیر، حسن، رہنمائے تعلیم، مدینہ، نجم اور نگار کے وہ خود خریدار تھے۔ حضرت نیاز فتحپوری کے تنقیدی مضامین پابندی سے زیر مطالعہ تھے۔
اسی ذوق کی وجہ اپنی محنت سے انھوں نے پونا بورڈ کا ایس ٹی سی کا امتحان بحیثیت ٹیچر امیدوار امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا تھا۔
سادگی ان کی زندگی کا خاص عنصر تھا۔ وہ متعدد مدارس میں کام کرتے رہے۔ نیہا لجہ کا ذکر ہمیشہ کیا کرتے۔ یہاں علم دوستوں نے ان کی بڑی پذیرائی کی۔ مصری خاں المعروف گھاسدو خان صاحب (مرحوم) کا ذکر فرماتے۔ ان کی قدر شناسی کا ذکر ہوتا۔ وہ جہاں کہیں بھی رہے مقبول رہے۔
لیکن مقبولیت کے علاوہ اور کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ حیرت نے کبھی اس کی توقع کی۔ ملازمت کا آغاز ماہانہ پندرہ روپے قلیل مشاہرہ سے کیا۔ لیکن طبیعت کے غیور اور خوددار تھے۔ اپنی اس مختصر آمدنی ہی میں وہ گھر سنسار کی ذمہ داریاں سنبھالتے تھے۔ ہمیشہ ہر حال میں خوش نظر آتے۔ اس خوشی کا راز یہ تھا کہ من کی دنیا اور تن کی دنیا کا فرق وہ سمجھ پائے تھے۔ ہنس کر فرماتے:

من کی دنیا ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دنیا چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
(اقبال)

حیرت صاحب کے مجموعۂ کلام سنگریزے کا انتساب جیمرانہ ہے۔ وہ آنے والی نسل کی بیدار مغزی کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اس دور اندیشی کو دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ ان کی قوتِ تخیل کس قدر بلند پرواز ہے۔ فرماتے ہیں:

"ان شگوفوں کے نام — جو ابھی محوِ خواب ہیں، گہوارۂ شاخسار میں، دامنِ کہسار میں — پھر کل جنھیں، جوان ہو کر — وجہِ تزئینِ گلستان ہو کر، وادیٔ کوہ و دمن میں یعنی سرزمینِ کوکن میں — قدم قدم ڈگر ڈگر بہاریں لٹانا ہیں، چمنِ شاعری کھلانا ہیں۔"

یہ خواب، شگوفے، گہوارۂ شاخسار، دامنِ کوہسار، کتنے دلنشین استعارے ہیں۔ اور ان کو نظم کرنے والا شاعر خوشگوار مستقبل کے لئے کس قدر امید افزا ہے!! ہمیں یقین ہے کہ حضرت حیرت مرحوم کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ اور یقیناً سرزمین کوکن سے گلستانِ علم و ادب میں شگوفے کھِل کر خوشنما پھولوں کی صورت میں ابھریں گے اور ہر گوشۂ زندگی، ہر میدانِ علم و فن ان کی رنگتوں اور خوشبوؤں سے مہک اٹھے گا۔

حیرت صاحب کا نام حمزہ علی دلوی تھا۔ وہ قصبہ پانگاری، تحصیل گوہاگر (رتناگری) کے باشندہ تھے۔ جہاں ان کا آبائی مکان ہے۔ دلوی کوکن کا مشہور خاندان ہے۔ اور حیرت کے علاوہ اور بھی کئی حضرات اس خاندان کی شہرت کا باعث ہیں۔ میں نے "سنگریزے" کے تعارف میں ان کا ذکر کیا ہے۔ عموماً گھر کی مرغیاں دال برابر کے مصداق اپنوں میں فنکار کی قدر افزائی دیر ہی سے ہوا کرتی ہے۔ لیکن دلوی نوجوانوں نے اپنے فنکار کی عظمت کو فوراً پہچانا۔ اور اشاعتی کمیٹی قائم کر کے نامساعد حالات کا مقابلہ کر کے حیرت صاحب کی زندگی ہی میں "سنگریزے" ان کا مجموعۂ کلام منصۂ شہود پر آسکا۔ مجھے یاد ہے ایک خضر صفت نوجوان تنویر دلوی "سنگریزے" کی اشاعت و طباعت کے دوران انجمن اسلام بمبئی میں مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے، حیرت کا مجموعۂ کلام ان کی زندگی میں منظرِ عام پر آسکا۔ یہ یقیناً ان نوجوانوں کا کارنامۂ عظیم ہے۔ جس کے لئے وہ قابلِ صد مبارکباد ہیں۔ خود حیرت نے انتساب کا دوسرا حصہ انھیں کی نذر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"موضع پانگاری کے۔ ان بزرگوں اور جوانوں کے نام۔ جو ساحل کوکن سے۔ تا بہ ارضِ افریقہ سرگرم کار ہیں۔ شانہ کشِ گیسوئے حیات ہیں۔ جن کا مخلصانہ تعاون جن کی انتھک کوششیں۔ کرمِ خدائے کارساز کے بعد۔ اس مجموعۂ شعری کے منصۂ شہود پر آنے کا۔ سبب بن گئیں"۔

انتساب کا یہ حصہ بھی بلیغ و معنی خیز ہے۔

حیرت کے کلام کا مطالعہ کرنے والا قاری بلا تردد اس امر کا اعتراف یقیناً کرے گا کہ اس کلام کو کہنے والا شاعر ایک عالم شاعر ہے۔ جو شاعری کے اقدار سے کما حقہٗ واقف ہے۔ اس کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے یہاں شاعری آمد ہے آورد نہیں۔ کتنی آسانی سے کہتا ہے ؎

دُورِ شہرت سے بھی کچھ اہلِ ہُنر ہوتے ہیں
سنگریزوں میں بھی پوشیدہ گہر ہوتے ہیں

ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے بھی درست فرمایا ہے کہ حیرت کی شاعری اُردو کی کلاسیکی شاعری کے زیرِ اثر ہے کلیم، سامری، نشۂ مے افرنگ، لذتِ کام و دہن، حق و باطل، یزداں و اہرمن، زلفِ ایاز، حُسنِ سوگوار اس قسم کے اصطلاحات کا بجا استعمال معلوم ہوتا ہے۔ حیرت ہی کا حصہ ہے کہ ان اصطلاحات بلیغ کو چابکدستی سے نظم کیا ہے۔

اٹھا نہیں کلیم سا باطل شکن ابھی
باقی ہے سامری کا طلسم کہن ابھی
اللہ رے نشۂ مے افرنگ کا اثر
بدلی نہیں ہے لذتِ کام و دہن ابھی
ہوگا نہ ختم کیا حق و باطل کا مسئلہ
یزداں سے ہے مقابلۂ اہرمن ابھی

ہے حُسن سبک گام روش اپنی چھوڑ کر
زلفِ ایاز میں نہ پڑی وہ شکن ابھی

تیرِ نشتر کے تحت کہتا ہوں سچ .... ہیں جن حقائق کو احاطۂ تحریر میں لاکر با اوقات اپنے احباب کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔ حیرت صاحب انھیں موضوعات کو اپنے کلام بلاغتِ نظام میں پیش کر کے دادِ وصول کرتے ہیں۔ طلسمِ سامری اس لئے شباب پر ہے کہ ابھی کوئی کلیم پیدا نہیں ہوا ہے۔ طلسمِ سامری کو توڑنا کلیم ہی کا کام ہے۔ مگر سامری کی عافیت کی خیر نہیں۔ ایک کلیم اٹھنے ہی والا ہے، جو ان کا طلسم توڑ دے گا۔ میرا اپنا خیال ہے کہ سامری کا طلسم کب اب ٹوٹ چکا ہے۔ آزادی آئی۔ لیکن آزادی کے بعد غلامانہ ذہنیت تو نہ چھوڑ سکی قوم ہے۔ اس ضمن میں دوسرے شعر میں حیرت نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ تیسرے شعر میں بھی یزداں اور اہرمن استعارے بلیغ اور معنی آفریں ہیں۔ آنیوالی نسل جب حیرت کی ان باتوں پر غور کرے گی تو یہ سب کچھ اس نے اپنے ماحول سے متاثر ہوکر کہا تھا، اس کا اعتراف کرے گی۔

حیرت کا زبانِ فارسی کا مطالعہ بھی یقیناً وسیع ہے۔ ہمت دوں، سوزِ دروں، شکوہ سنج، تنگی گردِ دامن، مصروف کشمکش، سر بگریباں، کشمکشِ خار و گل، میدانِ کارزار، کاہشِ پنہاں، تکمیلِ سوزِ عشق، راحت طرازیاں، نظامِ عام اسلاف، مدافعانہ پیکار، ہم آہنگی، کوس رحلت، فغانِ نیم شبی، نالۂ سحرگاہی، مشیت پہ حریف، مے خانہ، فتنۂ آزار، داستانِ ہجر و وصال، مستعار، نے لالہ گوں، صدہا فریب، ہمرکاب، چراغِ تہِ داماں، عاشقِ بیداماں، تشنگیِ غزل، رہِ طلب، جبرِ مشیت، گردشِ ایام، تپشِ غم، دُردِ تہِ جام، دلرفتہ و دیوانہ، عشرت افزا، صدہا گماں، نازکشی، رشکِ خانۂ رضواں، فتنۂ محشر، ہائے حسن، اس طرح کی صدہا فارسی اصطلاحات جگہ بجگہ حیرت کے کلام کا خاصہ ہیں۔ ان کے موزوں استعمال سے ان کے علمی وقار کا پتہ دیتا ہے۔ ان اصطلاحات کو استعمال کر کے جہاں حیرت نے اپنے خیالات پیش کئے ہیں، ان کی گہرائی تک ایک عام قاری پہنچ بھی نہیں سکتا۔

حیرت سلگتے ہوئے ذہنوں کو پیغام دینے والا شاعر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جس طرح شدت سے وہ اس مقام پر پہنچا ہے پڑھنے والا قاری بھی اپنی سطح کو بلند کر کے وہاں تک پہنچے۔ ایسا مقام ان تک پہنچنے کے لئے وہ کسی قیمت پر اپنی سطح سے نہیں گرتا۔ حیرت کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم جب اس کا مقابلہ اس خطے کے اس کے ہم عصروں سے کرتے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ چند ممتاز شعراء میں اس کا نام سرِفہرست ہے۔

حیرت کے کلام میں اس کے اپنے ماحول کی عکاسی جگہ بجگہ نظر آتی ہے۔ وہ نظامِ سرمایہ داری کے خلاف نعرہ زن بھی ہے۔ اُسے یہ بھی احساس ہے کہ ابھی حق پر باطل غالب ہے۔ وہ ایک خوش آئند مستقبل کا خواہاں ہے اور اسے یقین ہے کہ انسانی مساوات اور خوشحالی کا ایک دور ضرور آئے گا۔ حیرت کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے وہ انہی جذبات کی غمازی کرتے ہیں:-

اب بھی ہیں تاریکیاں ہر سُو محیط
کون کہتا ہے سویرا ہوگیا!

منتظر ہیں روشنی کا تھا مگر
شام سے بدتر سویرا ہوگیا!

بیری تھا ہیوں کے پھر آنے لگے پیغام
وحشت اثر ہوائے بیاباں ہے آج کل

غارت گری و قتل کا بازار گرم ہے
خطرے کی زد میں عظمتِ انسان ہے آج کل

[illegible] جائے گا خواجگی سے یہ جنگ کب تک مدافعانہ
قریب ہے جب سے تیغ دِ نصرت بنا روشن اپنی جارحانہ
لگا یوں نت یہ منعموں کی وہ برقِ شہرت کا تازیانہ
یقیں ہے پندارِ خواجگی کا رہے نہ محفوظ آشیانہ
وہ سن کہ کہتا ہے کوئی رستہ بڑھ قدم عزم نو سے حیرت
یہیں سے للکارتا ہے کوئی نیا زمانہ نیا زمانہ

بلا نصیب ہمیشہ رہے ہیں محنت کش
ہے وقف عیش زمانے کا اہلِ زر کے لئے

خودی ہے زندہ تو ہے اختیارِ شاہانہ
خودی کی موت ہے مجبوریٔ گدایانہ

طویل تر ہے الم ناکیوں کا افسانہ
جو عرض میں نے کیا ہے اختصار ہے ساقی

نہ بدلی ذرا ان کی خوئے تغافل
شب و روز رو رو کے ہم نے گزارے

وہ آرہے ہیں سی پے مشکیں بدل رہا ہے خزاں کا آئیں
چمن کی ہوگی گلوں سے تزئیں بہار چھائی ہوئی ملے گی

جو رہی مصروفِ خونریزی کبھی
وہ سرشتِ آدمی تھی میں نہ تھا

حیرت کی شاعری میں قصۂ حسن و عشق، داستانِ ہجر و وصال کی چاشنی بھی ہے۔ لیکن یہاں وہ نہایت محتاط نظر آتا ہے۔ ان کا ایک شعر ہے:

مجھے پسند نہیں داستانِ ہجر و وصال
کہ ہے مذاقِ تغزل میرا جدا گانہ

اب دیکھیں اس رنگ میں حیرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں:

نگاہ بن کے تیرا حسن دیکھ لے کوئی
بنے وہ بستہ بہ دام عمر بھر کے لئے

ان کے وعدوں پہ یقیں آگئے
ہم نے سو بار فریب کھائے ہیں

یہ مانتا ہوں وہ سن لیں گے داستاں لیکن
میری زباں میں کہاں تاب ہے سنانے کی

اس کی رفتارِ خراماں کی یہ رعنائی ہے
یا کوئی فتنۂ محشر کی یہ انگڑائی ہے

ضیائے جلوۂ رنگیں ہو دکھا نہ سکے
وہ میرے سامنے پاس حیا سے آ نہ سکے

ایک مختصر سے مضمون میں کسی شاعر کا مکمل جائزہ لینا ناممکن ہے۔

حیرت کی شاعری کے اور بھی پہلو ہیں۔ یار زندہ صحبت باقی، اور بہت کچھ کہنا باقی ہے۔ حیرت کو حضرت قمر نعمانی سے شرفِ تلمذ حاصل رہا اور یہ امر مسلم ہے کہ یہ قمر مرحوم کا ایسا قابل شاگرد ہے جسے اپنے استاد کی طرح خاکساری نے فلک پیما کیا ہے۔ حیرت مرحوم کی شاعری پر اب مزید لکھنے والے لکھیں گے۔ اور اس کی آواز یقیناً گونجے گی۔ جوش نے کہا ہے:

رباب جب بے صدا بنے گا تو راگ گونجیں گے زیرِ گردوں
کلیم جب زیرِ خاک ہوگا کلام کو برتری ملے گی!!

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ حیرت مرحوم کی استادی کا قصیدہ پڑھنے والوں میں سے کتنے شاگردوں نے اپنے استاد کا مجموعۂ کلام سنگریزے خریدا اور پڑھا۔ اس کا جواب تو اردو ادبی کمیٹی بینگاری والے ہی دے سکیں گے۔ ہم اپنے بزرگ دوست کے لئے آخر میں یہی دعا کریں گے کہ ۔۔۔

عید منانا مشکل ہے

لطفی رضوانی

عید کا دن آیا ہے لیکن، عید منانا مشکل ہے
فکروں کے جنگل سے خوشی کو ڈھونڈ کے لانا مشکل ہے

آزادی کی دین ہے کیا، کچھ اپنی سمجھ میں آنہ سکا
آزادی کی سانس بھی مشکل، مرجانا بھی مشکل ہے

دام کہاں بادام جو آئیں، دودھ کی نہریں خشک ہوئیں
شیر خورمے کا بچوں کو، اب نام بتانا مشکل ہے

ہم بھی کبھی لے لے کر عیدی، جیبیں بھرتے تھے لیکن
عیدی دینے جیب کی جانب، ہاتھ بڑھانا مشکل ہے

عید مبارک کہتے سب ہیں، ہاتھ بھی سب سے ملاتے ہیں
حال جو پوچھے دل کا کوئی، آنکھ ملانا مشکل ہے

جانے کیسے دور ہے آیا، جانے کیسے جیتے ہیں
چھان لو سب تاریخ وطن کی ایسا زمانہ مشکل ہے

عید کی ریت نبھا ہو لطفیؔ، عید بالآخر عید کا دن ہے
دل کو منالو، لاکھ منالو، عید منانا مشکل ہے

★

قاضی فراز دوم ۔ قم

عید رمضان مبارک باشد

عید رمضان بصد شان مبارک باشد
شادی صاحب ایمان مبارک باشد

ساغر قلب و جگر پُر شدہ از ناب حیات
میکدہ، رحمت و غفران مبارک باشد

منتظرم کہ دعایم برسد باب قبول
برسد تحفہ و سامان مبارک باشد

با چنین خوش بختی من نازکنم، پیش کنم
فارسی گل، بفراوان مبارک باشد

رُدِّ ستار غسل فراز ست زایام صیام
حسنِ ایمانِ مسلمان بر[illegible]

★

شانِ نزول

از: ادریس ابراہیم ٹپوی

سورۂ اخلاص :-

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چار آیتیں ہیں۔
قریش کے ایک گروہ نے کہا کہ اے محمدؐ ہمارے سامنے اس خدا کی صفت بیان کرو جس کی عبادت کی طرف تم ہم کو بُلاتے ہو ــــ اور معالم میں ہے کہ یہود کے ایک گروہ نے کہا کہ اے ابوالقاسم خدا کا وصف بیان کرو تاکہ تم پر ایمان لائیں. اس واسطے کہ ہم نے توریت میں اُس کی صفت لکھی دیکھی ہے. اور ہم جانتے ہیں. کہو تو خدا کیا کھاتا ہے، کیا پیتا ہے. کس کی میراث اس نے لی ہے. اس کی میراث کون لے گا؟ تو یہ سورت نازل ہوئی.

سورۂ ابی لہب :-

مکہ میں نازل ہوئی اور وہ پانچ آیتیں ہیں.
جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر ندا کی واصباحاہ ــــ رُوسائے قریش آپؐ کے پاس جمع ہوئے. آپؐ نے کہا اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے نیچے کچھ لوگ اس داعیہ پر آئے ہیں کہ تم پر شبخون ماریں اور تم کو لوٹیں ماریں تو اس بات میں تم مجھے سچا جانتے ہو یا نہیں. وہ سب نے کہا کہ ہم کیوں نہ سچا جانیں تم کو. ہمارے سامنے کسی نے تم کو جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی. تو حضرتؐ نے کہا کہ اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ" پس ابولہب اٹھا اور کہا کہ ہلاکت ہو جیو تیرے واسطے۔ ہم کو اسی لئے تو نے بلایا ہے؟ اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں ہاتھ سے اُس سنگدل نے پتھر اُٹھایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینک مارے۔ اسی حال میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔

سورۂ فلق :-

مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور وہ پانچ آیتیں ہیں۔
لکھا ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول تھا لبید بن عاصم یہودی کی لڑکیاں اُس سے اصرار اور مبالغہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک مانگ لے گئیں۔ اور حضرت کا نام لے کر ایک رسی پر جادو پھونک کے چاہِ ذروان میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا ــــ جبرئیل علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی۔ حضرتؐ نے علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا کہ وہ رسّی لے آئیں۔ وہ رسی لے آئے۔ اُس میں گیارہ گرہیں لگی تھیں۔ تو حق تعالیٰ نے معوذتین یعنی سورۂ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس بھیجیں گیارہ آیتیں۔ اور جبرئیل علیہ السلام نے یہ سورتیں پڑھیں تو ہر آیت کے ساتھ اُس رسّی کی ایک گرہ کھل گئی۔ عقبہ بن عامر نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ مَا تَعَوَّذَ الْمُتَعَوِّذُوْنَ بِمِثْلِ الْمُعَوِّذَتَيْنِ یعنی پناہ مانگنے والوں کے واسطے ان دو سورتوں کے مثل کوئی پناہ نہیں۔

سورۂ کافرون :-

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اور وہ چھ آیتیں ہیں۔

قریش کے ایک گروہ جیسے ابوجہل، عاص، ولید،
امیہ، اسود بن یغوث، اسود بن عبدالمطلب نے عباس رضی اللہ عنہ
کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ
آپ ایک سال ہمارے خداؤں کی پرستش کیجئے تو ہم بھی
ایک برس آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ جیسے ہی حضرتؐ کے
پاس یہ پیغام پہنچا اسی کے ساتھ ہی حضرت جبرئیلؑ
نازل ہوئے اور یہ سورت لائے۔

سورۂ کوثر:۔

سورۂ کوثر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اور وہ تین آیتیں ہیں۔
معالم میں ہے کہ عاص بن وائل نے جناب رسول کریم
علیہ التحیۃ والتسلیم سے باب بنی سہم کے پاس ملاقات کی
تھوڑی دیر باتیں ہوتی رہیں۔ پھر حضرت تو باہر تشریف
لے گئے اور عاص مسجد میں آیا۔ چند رؤسائے قریش جو مسجد میں
بیٹھے تھے۔ انھوں نے عاص سے پوچھا کہ کس سے باتیں
کر رہے تھے۔ وہ بولا کہ اس ابتر سے یعنی اس کی نسل نہ باقی
رہے گی۔ اور انھیں ایام میں حضرت کے فرزند طاہر نام نے
کہ حضرت خدیجہ سے تھے، انتقال فرمایا تھا۔ جب یہ خبر
حضرت صلی اللہ کو پہونچی تو حق تعالی نے آپ کا دل مبارک
خوش کرنے کے لئے اور آپ کی تسلی کے واسطے یہ سورت
نازل فرمائی۔

سورۂ ماعون:۔

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور وہ سات آیتیں ہیں۔
مفسر اس بات پر متفق ہیں کہ اس سورہ میں سے
نصف اول کافروں کی شان میں ہے اور نصف منافقوں
کے باب میں۔ لکھا ہے کہ ابوجہل ملعون قیامت کی تکذیب
کرتا اور جب کسی یتیم کا وصی ہوتا اور یتیم اپنے مال میں سے
کھانا کپڑا مانگتا تو یہ ظالم اس یتیم کو مار کر نکال دیتا۔ اور
ہمیشہ لوگوں کو خرچ کرنے سے باز رکھتا۔

سورۂ قریش:۔

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اور وہ چار آیتیں ہیں۔
امام زاہدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قریش تجارت
کے واسطے دو سفر کرتے تھے۔ جاڑے میں یمن کی طرف اور
گرمی میں شام کی طرف۔ لوگ ان کو اہل حرم کہتے تھے۔ اور
ان کی حرمت کرتے تھے۔ اور صحیح روایت یہ ہے کہ نضر بن
کنانہ کا لقب قریش ہے۔ عرب میں جس کا نسب نضر سے
ملتا ہے وہ قریشی ہے۔ اور نسبوں کے بعضے عالم اس بات کے قائل ہیں
کہ فہر بن مالک کا لقب قریش ہے کہ نضر کے پوتے ہوتے ہیں۔
تو حق تعالی نے ان پر نعمت ثابت کرنے کو یہ سورت نازل کیا۔

سورۂ ہمزہ:۔

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور وہ نو آیتیں ہیں۔
لکھا ہے کہ اخنس بن شریق رسول مقبول کا عیب
آپ کے حضور میں بیان کرتا اور ولید بن مغیرہ آپ کی غیبت
کرتا۔ حق تعالی نے ان کے بارے میں آیت بھیجی۔

سورۂ عصر:۔

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ وہ تین آیتیں ہیں۔
لکھا ہے کہ ابوالاشدین نے حضرت صدیق رضی اللہ
عنہ سے یہ بات کہی کہ اے ابوبکر تم نے نقصان کیا کہ اپنے
آباو اجداد کا دین چھوڑ دیا اور بتوں کی عبادت سے ہاتھ
کھینچا۔ حضرت صدیق رض نے جواب دیا کہ وہ زیاں کار نہیں
جو خدا اور رسول کی بات سنے اور نیک کام کرے بلکہ وہ بڑا
زیاں کار ہے جو بت کو پوجے اور شیطان کی متابعت کرے۔
حق تعالی نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب
باثواب کے موافق
یہ سورت بھیجی۔

سورۂ تکاثر:

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور وہ آٹھ آیتیں ہیں۔

لکھا ہے کہ بنی عبد مناف اور بنو سہم نے ایک دوسرے پر قبیلے کے لوگوں کی کثرت پر فخر کیا۔ ہر ایک نے اپنے قبیلے کے لوگوں کا شمار کیا تو بنی عبد مناف کے لوگ زیادہ نکلے۔ بنی سہم بولے کہ ہمارے لوگ جاہلیت میں بہت قتل ہو گئے۔ ہم مُردے اور زندہ سب ملا کر شمار کرتے ہیں۔ جب اس طرح شمار کیا تو بنی سہم کے لوگ تین خانوادہ زیادہ نکلے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔

سورۂ فیل:

مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اور وہ پانچ آیتیں ہیں۔

سیر کی کتابوں میں معتبر نقلوں کے ساتھ مذکور ہے کہ ابرہہ جو نجاشی کی طرف سے یمن کا والی تھا۔ اُس نے حج کے موسم میں دیکھا کہ لوگ اطراف و جوانب سے مکہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور معلوم کیا کہ ان کا مقصد خانہ کعبہ کی زیارت ہے۔ نخوت و تکبر کی ہوا اس کے دماغ میں سمائی۔ ارادہ کیا کہ خانۂ خدا کے مقابلہ میں ایک گھر بنائے۔ اور حاجیوں کو اس کی طرف متوجہ کرے۔ صنعا میں سنگ مرمر سے ایک کلیسا منقش بنایا۔ اور قلیس نام رکھا۔ اور اس کے در و دیوار زر و جواہر سے مرصع اور مزین کئے۔ اور ملک یمن میں لوگوں کے گروہ کو اس کے طواف کی تکلیف دی۔ یہ صورت اگرچہ قریش کو شاق تھی مگر صبر کے سوا چارہ نہ تھا۔ بنی کنانہ میں ایک شخص اس گھر کی خدمت میں مشغول ہو کر اس کا مجاور بنا۔ ایک شب اس محدث یعنی نئے بنائے ہوئے گھر کو حدث سے آلودہ کر کے بھاگا۔ یہ خبر شہرۂ آفاق ہو گئی۔ اور لوگوں کی طبیعت اس گھر کے طواف سے متنفر ہو گئی۔ ابرہہ یہ حال سُن کر بگڑا۔ اور بڑے بڑے ہاتھیوں سمیت ایک بڑا لشکر جمع کیا اور خانہ کعبہ کو خراب کرنے کے قصد سے مکہ معظمہ کی طرف چلا اور ایک ہاتھی محمود نامی اتنا بڑا تھا جیسے پہاڑ کا ٹکڑا۔ اس ہاتھی کو ابرہہ نے اپنے ساتھ لیا۔ اور مکہ معظمہ کے گرد اگرد قریش کے مواشی لوٹ لئے۔ مکہ معظمہ کے بڑے آدمیوں اور بزرگوں نے پہاڑوں پر آڑ پکڑی۔ ابرہہ نے صبح سویرے لشکر کو اٹھایا اور ہاتھیوں کو ابھارا اور مکہ معظمہ کی طرف چلا۔ پس محمود ہاتھی نے مکہ معظمہ کی دیوار کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور لشکرگاہ کی طرف منہ کیا۔ ہر چند فیل بانوں نے کوشش کی کہ مکہ معظمہ کی طرف اُسے پھیریں مگر وہ نہ پھرا۔ اس کے رُخ موڑنے سے اور ہاتھی بھی آگے نہ بڑھے۔ یہ حال دیکھ کر ابرہہ عاجز آیا۔ گروہ قریش پہاڑوں پر سے یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ ناگاہ دریا کے کنارے سے دیکھا کہ غول در غول سیاہ چڑیاں اور ان کی سبز گردنیں نمودار ہوئیں اس لشکر پر حملہ کر کے پتھر برسائے۔ اور ایک دم میں وہ تمام لشکر ہلاک اور برباد ہو گیا۔

سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

عید کا خُطبہ

جس طرح کہ
نماز پڑھنا واجب ہے
اُسی طرح
عید کا خطبہ سُننا بھی واجب ہے۔
جو خطبہ سُنے بغیر عیدگاہ سے واپس ہو
وہ سخت گنہگار ہوگا۔

شیر خرما

یوسف ناظم

شیر خرمے سے لطف اندوز ہونے کا صحیح زمانہ وہ تھا جب ہمارے یہاں صحیح النسل بھینسیں تولد ہوا کرتی تھیں۔ اور بڑی ایمانداری کے ساتھ دودھ دیا کرتی تھیں۔ اصلی دودھ اس دودھ کو کہا جاتا تھا جس پر کم سے کم ایک انگل موٹی بالائی جم جاتی تھی۔ اور اصلی دودھ دینے والی شریف بھینسوں کی پہچان یہ تھی کہ بھینس تو پانی میں رہتی تھی اور صرف اس کے سینگ دیکھ کر لوگ اس کی قیمت لگاتے تھے۔ (ادب میں بھی یہی طریقہ رائج ہے کہ کتاب کا مقدمہ دیکھ کر کتاب خریدی جاتی ہے) جب بھینسیں اپنی قیمت سے مطمئن ہو جاتیں تو صحیح دودھ دینے میں کوتاہی نہ کرتیں۔ ورنہ ناراض ہو کر اندر ہی اندر اپنا دودھ پی لیتیں۔

نادان بھینسیں جنھیں نئی ہوا نہیں لگی ہے اب بھی اصل دودھ دینے میں غفلت برتتی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر اب بھینسوں میں بھی عقل آ گئی ہے۔ لہٰذا ان میں کاہلی، سستی اور نا اہلی سرایت کر گئی ہے۔ اب اگر سینگ دیکھ کر بھینس خریدی جائے تو وہ دودھ نہیں دے گی صرف سینگ مارے گی۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بھینس پانی میں دیر تک کھڑی رہ کر زیادہ وقت ضائع کرتی ہیں اکثر ان کا دودھ خود بخود پتلا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اب سمجھدار قسم کے لوگ بھینسوں کو بھی ڈرائی کرنے لگے ہیں۔ ایسی ہی ڈرائی کلین کی ہوئی بھینسوں کا دودھ شیر خرمے میں استعمال ہوتا ہے۔ شیر خرما ہی وہ پکوان ہے جس میں پکوان کا مسئلہ کم لیکن حیران و پریشان ہونے کا معاملہ زیادہ ہوتا ہے۔

بادام، پستہ، چرونجی، کھجوریں، سویاں، ان سب کی صفائی، پسائی، دھلائی اور گھلائی کئی دن پہلے سے کرنی پڑتی ہے۔ اور ان سب چیزوں کو پونچھ پانچھ کر ایسی جگہ رکھ دینا پڑتا ہے، جہاں یہ وقت پر نہ مل سکیں۔

شیر خرمے کے لئے صرف دودھ عین وقت پر منگوانا پڑتا ہے۔ اور دودھ منگوانے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ جگہ جگہ سے منگوایا جائے۔ ایک ہی جگہ سے دودھ منگوانے میں خطرہ اس بات کا رہتا ہے کہ دودھ پتلا ملتا ہے۔ لیکن چار چار جگہ سے دودھ منگوانے سے یہ فائدہ ہے کہ ایک دکان سے دودھ پتلا آتا ہے تو دوسری دکان سے اس سے بھی زیادہ پتلا۔ دودھ گرم کرتے وقت ان دونوں قسم کے دودھوں میں تھوڑا سا پانی اپنی طرف سے بھی ملا دینا چاہئے۔

شیر خرما تیار کرنے کی ترکیب یوں ہے۔

رمضان دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تیس روزوں کا اور دوسرا انتیس روزوں والا رمضان۔ جنتری میں تیس روزوں کا رمضان بتایا جائے اور خلاف توقع انتیسویں روزے کے دن شام میں عید کا چاند نکل آئے تو سارے شہر میں گھبراہٹ کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اور ہر شخص دودھ کی تلاش میں چاروں طرف گھومتا، دوڑتا اور بھاگتا نظر آتا ہے۔ دودھ بیچنے والے پانی کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔

شیر خرما یوں تو آپ جب چاہیں کھا سکتے ہیں اور معاملے میں کوئی ممانعت یا پابندی نہیں ہے۔ لیکن شیر خرما صرف عید کے دن کی خاص الخاص ڈش ہے۔ عید کے بغیر شیر خرما اور شیر خرمے کے بغیر عید

ایسا ہی ہے جیسے آدمی تنہا ہنسی مذاق کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

عید کے دن کے شیر خورمے اور باسی دن کے شیر خورمے میں وہی فرق ہوتا ہے جو برتھ ڈے کیک اور معمولی کیک میں ہوا کرتا ہے۔

شیر خرما ہی وہ تنہا ڈش ہے جو کسی ہوٹل میں نہیں ملتی۔ اور اگر کسی ہوٹل میں شیر خرما فروخت کیا جاتا ہے تو یوں سمجھئے کہ یہ ایسی بات ہے جیسے شراب کی ناجائز کشید۔ شیر خرما ہوٹل میں کشید کرنے کی چیز نہیں۔ شیر خورمے کی تیاری میں جب تک نسوانی ہاتھوں کا دخل نہ ہو وہ شیر خرما شادی کی اس بارات کی طرح ہوتا ہے جس میں صرف جہیز جا رہا ہو، دلہن نہ ہو۔ جو لوگ غور سے شیر خرما کھاتے ہیں انہیں شیر خورمے میں چوڑیوں کی کھنک بھی سنائی دیتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو پھول کا نغمہ اور رنگوں کی آواز سننے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ کان کھول کر شیر خرما کھائے۔ آنکھیں بھی کھلی رہیں تو کوئی حرج نہیں۔

شیر خرمے کے تعلق سے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ مرد گھر کا پورا کھانا پکا سکتے ہیں مگر شیر خرما نہیں تیار کر سکتے۔ آج تک کوئی ایسا شوہر دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا جسے شیر خرما تیار کرنے پر مجبور اور مامور کیا گیا ہو۔

شیر خرمے کے یہ پہلو بھی کافی خوشگوار ہیں:

بعض گھروں میں رمضان نہیں آتے، بعض گھروں میں پورے گھر کے لئے آتے ہیں یا گھر کے صرف چند مخصوص لوگوں کے لئے آتے ہیں۔ لیکن عید سب کے لئے آتی ہے اور شیر خرمے پر سب کا برابر برابر کا حق ہوتا ہے۔

بعض گھروں میں شیر خرمے پر غیر روزہ داروں کا زیادہ حق ہوتا ہے۔

شیر خرما کے بارے میں ایک سوال عام طور پر کیا جاتا ہے کہ شیر خرما کھایا جاتا ہے یا پیا جاتا ہے اور آج تک یہ مسئلہ سلجھا نہیں ہے کہ یہ کھانے کا شغل ہے یا پینے کا سامان۔ بعض لوگ شیر خرما کھاتے ہیں اور بعض لوگ پیتے ہیں۔ اس بات کا انحصار اپنی اپنی عادتوں پر ہوتا ہے۔ لیکن شیر خرما کھانے کے اصولوں کی رو سے ہے کہ اسے پہلے کھانا چاہئے اور پھر پینا چاہئے۔

عید کی ملاقات بہت مختصر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ آدمی کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ گھروں میں جا کر شیر خرما کھا سکے۔ کئی نوجوان ایک ہی دن میں تیس تیس پیالیاں شیر خرما پی جاتے ہیں۔ ان میں سے کئی دن میں ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں۔ اور کئی لوگ پورا دن گزر جانے پر بھی ناٹ آؤٹ رہتے ہیں۔

شیر خرمے میں دقت یہ ہے کہ اسے کھانے یا پینے کی مشق نہیں کی جا سکتی۔ جو کچھ کمال دکھانا ہے بغیر مشق کے ایک ہی دن میں دکھانا ہوتا ہے۔ جو آگے بڑھ کر جام اٹھا لے۔ شیر خرمہ کھانے کے بعد تھوڑا سا عطر خود لگانا چاہئے۔ آدمی تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اکثر مائیں عید کی نماز کے لئے جب اپنے بیٹوں کو بھیجتی ہیں تو دعائیں دے کر بھیجتی ہیں کہ بیٹا سب گھروں سے شیر خرما کھا کر واپس آنا۔ راستے میں کہیں ہمت نہ ہار جانا۔

لیکن جتنی خوشی شیر خرما کھانے میں ہوتی ہے اتنی یا اس سے کچھ زیادہ ہی شیر خرما کھلانے میں لذت ہے۔ اس میں بس اتنی احتیاط کرنی چاہئے کہ پیالیاں جن میں شیر خرما پیش کیا جائے اتنی بڑی ہوں کہ ان میں دو چمچے شیر خرما سما سکے۔

بعض گھروں میں شیر خرما کے دو ایڈیشن نکالے جاتے ہیں ایک عام اور ایک ڈی لکس ایڈیشن۔ ڈی لکس ایڈیشن ان لوگوں کی قسمت میں ہوتا ہے جو یا تو فیملی ممبر ہوں یا فیملی ڈاکٹر— بعض لوگ کہتے ہیں کہ فیملی ڈاکٹروں کے حقوق فیملی ممبروں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہونے بھی چاہئیں کیونکہ ڈاکٹر وہ لوگ ہوتے ہیں

جو آدمی کے اندر اور باہر دونوں کا حال جانتے ہیں۔ اس صورت حال کا وجہ اگر وہ انہیں شیر خرمے کے ڈی لکس ایڈیشن کا مستحق قرار دیا جاتا ہے تو اس میں شکایت کی کیا بات ہے۔

عید کے دن کسی کو شیر خرما کھانے سے روکنا مناسب نہیں ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ شیر خرمے کے بعد اگر پان کھلائیں تو اس میں زرا چونا زیادہ لگا دیں۔ کم سے کم دوسروں کے گھر میں امن رہے گا۔

قلمی معاونین

سے گذارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے خاتمے پر یا پشت پر اپنا مکمل پتہ پن کوڈ نمبر کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے صرف ایک طرف لکھیں اور قلمی نام کے ساتھ اصلی نام بھی تحریر کریں اور مضامین کی ایک نقل اپنے پاس رکھیں

(ادارہ)

"سارا جہاں ہمارا"

تبت کے مسلمان :

تبت میں چینی کمیونسٹوں کے عمل دخل سے قبل مسلم اقلیت کے ساتھ انتہائی فراخ دلی اور رواداری کا برتاؤ ہوتا تھا۔ اور وہاں کے مسلمان تجارت کے علاوہ دوسرے کاروبار میں بھی نمایاں اور خوش حالی کی زندگی گزارتے تھے۔

نئی شائع ہونے والی کتاب "تبت اور تبتی مسلمان" از ڈاکٹر ابوبکر امیر الدین تبتی ندوی میں اس کا ذکر تفصیل سے ہے۔ اس میں یہ بھی مرقوم ہے کہ زیادہ مسلمان پانچویں دلائی لامہ کے دور میں آکر بس گئے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو خاص قانونی رعایتیں بھی دی تھیں جو تبت پر کمیونسٹ حملہ سے قبل تک ان کو برابر حاصل رہیں۔

وہ رعایتیں ملخصاً حسب ذیل ہیں :

مسلمانوں کو اپنے سارے مسائل خود حل کرنے کی اجازت تھی۔ وہاں کے مسلمان ہر سال پانچ آدمیوں پر مشتمل ایک کمیٹی منتخب کرتے تھے۔ یہی کمیٹی مسلمانوں کے سارے معاملات حل کرتی تھی۔ اور تبتی حکومت بھی اس میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔ بدھ سے تبت میں سال میں ایک ماہ گوشت کھانے پر سخت پابندی تھی کیونکہ یہ مہینہ بودھوں کے نزدیک مقدس تھا۔ لیکن مسلمانوں پر یہ پابندی عائد نہ تھی۔ اور وہ گوشت کھا سکتے تھے۔ یہاں تک

۳۰ برس جب کہ تبت میں لاماؤں (مذہبی پیشواؤں) کی حکومت ہوتی تھی تو سب باشندوں کے لئے ضروری تھا کہ جب لامہ شہر میں آئیں تو ان کے احترام میں اپنی ٹوپی اتاریں لیکن مسلمان اس سے مستثنیٰ تھے۔

تبت میں اس زمانہ میں سیکولر نہیں، مذہبی اور بودھ مذہب والوں کی کٹر مذہبی حکومت تھی۔ لیکن اس میں مسلم اقلیت والوں کے ساتھ نہایت فراخ دلانہ رعایت دی جاتی تھی۔ ہندوستان میں سیکولر حکومت ہے لیکن یہاں گائے اور بیل کے ذبیحہ پر تقریباً سارے ملک میں تقریباً پابندی لگ چکی ہے۔ اس کے علاوہ سال کے بعض مخصوص دنوں مثلاً گاندھی جی کے یوم پیدائش اور مہابیر جینتی وغیرہ میں کسی قسم کا گوشت فروخت نہیں ہو سکتا۔ اور محض بعض فرقوں کے مذہبی معتقدات کی پاسداری میں صرف مسلمانوں ہی نہیں سارے گوشت خور باشندگانِ ہند جو آبادی اور تعداد کے لحاظ سے گوشت نہ کھانے والوں سے کہیں زیادہ ہیں، اپنی اس غذا سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے اندرونی معاملات جن میں ان کا پرسنل لا بھی شامل ہے میں ان کو جو مکمل آزادی تبت کی مذہبی حکومت نے دے رکھی تھی کاش! اس کی کوئی جھلک ہندوستان کی سیکولر حکومت میں بھی نظر آتی۔

روسی مسلمان:-

مغربی ملکوں کے سرمایہ دار طبقہ کے اخبارات اور رسائل میں اکثر اوقات ایسے مضامین اور خبریں شائع ہوتی ہیں جن کا موضوع اسلام ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض میں یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ سوویت یونین میں مسلمانوں پر ظلم کیا جاتا ہے۔ اور انھیں اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی وغیرہ سے منع کر دیا گیا ہے۔ لیکن اسلامی ملکوں کے ممتاز علمائے اسلام اور مذہبی پیشواؤں نے سوویت یونین کا دورہ کرنے کے بعد جو خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اس من گھڑت پروپیگنڈے کی تردید ہوتی ہے۔ ان میں سے چند ممتاز علمائے اسلام اور مذہبی پیشواؤں کے خیالات مختصراً ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

تیونس کی حکومت کے مذہبی امور کے بورڈ کے سربراہ کمال الطرزی نے کہا ہے کہ

"ہم نے سوویت مذہبی یونین کے کئی علاقوں کا دورہ کیا اور کئی مسلمانوں سے ملاقاتیں کیں۔ ہم نے انھیں اپنے مذہبی فرائض اس طرح انجام دیتے ہوئے دیکھا جس طرح کہ عرب ملکوں میں انجام دیئے جاتے ہیں۔ ہم نے قزاقستان اور وسطی ایشیا کی جمہوریتوں کی ترقی خوشی سے دیکھی ہے۔ جہاں تک مسلم مذہبی تنظیموں کی اور خاص طور پر وسطی ایشیا اور قزاقستان کے مسلم مذہبی بورڈ کی سرگرمیوں کا تعلق ہے یہ مختلف النوع اور شاندار ہیں۔"

اردن کے اوقاف، مقامات مقدسہ اور اسلامی امور کے وزیر کامل شریف نے کہا ہے:

سوویت یونین میں ہر جگہ مسلمانوں کی زندگی میں مثبت تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔ انھیں کوئی بھی دیکھ سکتا ہے۔۔۔ پچاس سال قبل پچھڑا ہوا اور معاشی پسماندگی ان کے مقدر تھے۔ لیکن آج ان کی صنعتی اور زرعی ترقی کی سطح کا یورپ کی ترقی یافتہ قوموں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ عصری سائنس کی بھی چوٹی پر پہونچ گئے ہیں۔

جمہوریہ ترکی کے وزیر ڈاکٹر لطیف وزدجان نے کہا ہے

"سوویت یونین نے ٹیکنالوجی، زراعت، سائنس اور کلچر میں جو ترقی کی ہے اس پر میں اپنے اطمینان کا اظہار کرنا چاہوں گا ہم نے سوویت یونین میں مسلمانوں کو اپنے ملک کی بھلائی کے لئے کام کرتا ہوا دیکھا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تماشائی نہیں ہیں بلکہ اس میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ سوویت مسلمانوں کی زندگی مالا مال ہو رہی ہے اور ترقی کر رہی ہے۔ اور ان کی قومی، تہذیبی اور تاریخی خصوصیات کو عزیز رکھا جاتا ہے اور انھیں برقرار رکھا گیا ہے۔"

پیرس کی جامع مسجد کے مسلم انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر الیس حمزہ ابوبکر نے کہا ہے:

"جب میں سوویت یونین جا رہا تھا اس وقت سوویت یونین کی معیشت، تاریخ اور جغرافیہ سے متعلق میری معلومات اتنی کم تھیں کہ ایک ننھے سے بریف کیس میں رکھا جا سکتا تھا۔ میرا تعصب اور میری بدگمانی اتنی زیادہ تھی کہ اس سے دو زبردست بکس آسانی سے بھرے جا سکتے تھے۔ سوویت یونین پہونچنے کے بعد مجھے مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں اور مذہب کو نہ ماننے والوں سے تبادلۂ خیال کرنے کی مکمل آزادی تھی۔

میرا سفر ایک دریافت تھا۔ قدرتی طور پر میں نے تعصب اور بدگمانی سے بھرے ہوئے اپنے بکس جلا دیئے اور ان شاندار عوام کی دوستی سے بھرا ہوا بھاری صندوق ساتھ لایا۔ جہاں تک سوویت یونین کے مسلمانوں پر ظلم کئے جانے کے الزامات کا تعلق ہے میں اعلان کرتا ہوں کہ

ایسے بیانات بالکل غلط ہیں۔ اور ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مصر کی جامعۃ الازہر کے سابق شیخ اعظم ڈاکٹر محمد الفحام نے کہا ہے: "سوویت یونین میں بیس ہزار سے زیادہ گرجا گھر، مساجد اور دوسری عبادت گاہیں کھلی ہوئی ہیں۔ ان میں جو بڑی ہیں ان کی اپنی درس گاہیں ہیں۔ ان میں ازبکستان کا مدرسہ میر عرب بھی شامل ہے۔

سوویت یونین میں مذہب کی آزادی ایک حقیقت ہے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مساجد، گرجا گھر اور دوسری مذہبی عبادت گاہیں اور مقامات مقدسہ سوویت یونین میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ ہر جگہ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کو عبادت کی اور مذہبی فرائض کی انجام دہی کی آزادی ہے۔ سوویت یونین میں کسی پر کسی خاص مذہب کی پیروی کرنے یا نہ کرنے کے لئے دباؤ نہیں ڈالا جاتا۔

بنگلہ دیش کے مذہبی رسالہ "اسلام عصر حاضر میں" کے چیف ایڈیٹر ایس بی ملا شمس الدولہ نے کہا ہے:

مغربی پروپیگنڈہ کا دعویٰ ہے کہ سوویت یونین میں مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ بدبختی سے بعض لوگ ان داستانوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ سوویت یونین کا خاص طور پر تاجک سوویت سوشلسٹ جمہوریہ کا دورہ کرنے کے بعد خود ہم نے دیکھا ہے کہ مسلمان آرام و چین سے ہیں۔ انھیں تہذیب و تعلیم کی ساری برکتیں حاصل ہیں۔ سوویت یونین مسلم ملک نہیں ہے۔ لیکن سوویت یونین حکومت نے مسلمانوں کو جو سماجی اور شخصی حقوق و مواقع دیئے ہیں، ایسے ہیں کہ مسلم ملکوں میں مسلمانوں کو کبھی حاصل نہیں ہوئے۔

انگلستان کے مسلمان:-

انگلستان میں مختلف مسلمانوں کی تعداد الحمد للہ ۲۰ لاکھ کے قریب ہے۔ جن میں بڑی تعداد ہندوستان اور پاکستان سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کی ہے۔ مسلمانوں میں کافی دینی بیداری اور شعور پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں مدرسہ نہ پایا جاتا ہو اور جہاں کے مسلمان اپنے اور اپنی اولاد کے دین و ایمان کے بارے میں فکرمند نہ ہوں۔ مساجد خصوصاً جمعہ اور عیدین کے دن نمازیوں سے پر ہو کر تنگ معلوم ہوتی ہیں۔ رمضان المبارک میں تو شب و روز آباد و معمور رہتی ہیں۔ اور وہ دینی چہل پہل ہوتی ہے کہ تھوڑی دیر کیلئے یہ بھول جائیں گے کہ ہم کس خدا فراموش، بے دین اور کفر و الحاد کے ملک میں ہیں۔ عورتیں اور بچے تک ۲۰، ۲۰ گھنٹے کے طویل روزے رکھتے ہیں۔ گھروں میں بھی تلاوت ہوتی ہے۔ مسجدیں اب تنگ ہوتی جارہی ہیں۔

اس گندے معاشرے میں جہاں سوّر اور شراب جیسی گندی اور نجس اشیاء طیب اور مفرح سمجھی جاتی ہیں وہاں مسلمانوں کے دینی غیرت و احساس سے حلال و حرام چیزوں کی پہچان کے لئے ان اشیاء کے ناموں کی فہرست تیار کرکے مسجدوں میں آویزاں اور لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ نوجوانوں میں بھی دینی احساس بیدار ہے۔ خصوصاً انڈونیشیا اور ملیشیا کے وہ طلبہ قابل صد تحسین ہیں جو اپنے گھروں سے محض دنیاوی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں مگر جب واپس جاتے ہیں تو ان کی صورت اسلامی اور ان کے دل نور ایمان سے معمور ہوتے ہیں۔ ان کے گھر والے بھی تعجب کرتے ہیں کہ یہ یورپ سے آرہے ہیں یا کسی پابند شریعت اسلامی ملک سے واپس آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بھائیوں کو استقامت بخشے۔ آمین ...

★

از: ابراہیم احمد سندیلکر

مولوی محمد اسمٰعیل کوکنی

مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام ۹ ؍ جنوری ۸۳ء کو اردو کی ترقی میں کوکن کا حصہ" اس موضوع پر رتناگری میں منعقدہ ایک سیمینار میں جناب شرف کمالی صاحب نے پڑھا ہوا ایک تحقیقی مقالہ بعنوان مولوی محمد اسمٰعیل کوکنی کا مولود نامہ" نقش کوکن کے اپریل ۸۴ء کے شمارہ میں بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ شرف صاحب نے مولوی محمد اسمٰعیل کوکنی کے پیشرو اور ہم عصر ادیبوں اور شعرا کی اردو ادب کے متعلق سے خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولود نامہ پر تفصیلی بحث کی ہے اور مولوی موصوف کی تصنیفات و تالیفات میں مولود نامہ کے علاوہ ردّ بت پرستی، تحفۂ احمدیہ اور تحفۂ ابراہیم خانیہ کا ذکر کیا ہے۔ مولود نامہ کی ترتیب، اس کے اشعار و مضامین اور اس کی راگنیوں پر جس ڈھنگ سے بحث کی ہے اس سے موصوف کی تحقیقی نگاہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولود نامہ میلاد خوانوں سے بارہا سنتے آئے ہیں۔ مگر بہت کم لوگ اس کے مولف اور اس کی علمی و ادبی خدمات سے واقف ہوں گے۔ شرف صاحب نے ہمیں مولود نامہ اور اس کے مولف سے بخوبی روشناس کیا ہے۔

رسالہ تحفۂ ابراہیم خانیہ رسالہ "تحفۂ ابراہیم خانیہ"، نواب جنجیرہ سیدی ابراہیم خان کی ایما پر شائع ہوا۔ نواب سیدی ابراہیم خان کا دور حکومت ۱۸۴۸ء سے ۱۸۷۹ء تک رہا۔ اس نواب کا دور اکثر سیدی سرداروں کی باہمی سازشوں اور رقابتوں اور جھگڑوں میں گزرا ہے۔ اس پر فتن دور میں مولوی محمد اسماعیل جیسے عالم کی شاہی دربار میں قدر و منزلت کے ساتھ ان کی سرپرستی کرنا اور بطور قدردانی انھیں جاگیر عطا کرنا نواب ابراہیم خان کی علم نوازی اور علما پروری کی غمازی کرتا ہے۔ اس رسالہ کے مقدمہ میں مولوی محمد اسماعیل نے جن الفاظ میں سیدی ابراہیم خان کا ذکر کیا ہے اس سے بھی نواب سے ان کی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

کچھ ۳۲ سال کا عرصہ ہوا مجھے مولوی محمد اسماعیل صاحب کوکنی کے دو رسالے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ایک رسالہ خلاصہ غنیۃ المبتدی" اور دوسرا تحفۂ اہل کسب"۔ میرے پاس ان رسالوں کی ایک ایک کاپی تھی۔ ایک صاحب مولوی محمد اسماعیل پر تحقیقی کام کرنے کی غرض سے لے گئے۔ کتابیں واپس نہیں ہوئیں۔

رسالہ خلاصۂ غنیۃ المبتدی رسالہ غنیۃ المبتدی کے بہتر ابیات ہیں جن کا خلاصہ مولوی محمد اسماعیل کوکنی [illegible] نے لکھا ہے۔ اور اس کو رسالہ غنیۃ المبتدی" نام دیا ہے۔ اس رسالہ میں نماز، روزہ اور دیگر عبادات کے مسائل درج ہیں۔ مذکورہ رسالہ مطبع جگ منتر شہر رتناگری میں ۱۲۸۹ھ میں باہتمام آدم ملک سیمولائی چھپا ہے۔ چھپائی کی تاریخ ہے یکشنبہ ۱۷ ماہ رجب ۱۲۸۹ھ

تحفۂ اہل کسب اس رسالہ میں نو سوال مع ان کے جوابات ہیں۔

کسب معاش کے لئے مختلف پیشوں کو اختیار کرنے نیز خاندان، حسب و نسب اور حلال و حرام کی کمائی سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۳۰۱ھ میں مطبع محمدی واقع رتناگری میں چھپا ہے۔ تاریخ ہے دوشنبہ ۲۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۱ھ

ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اپنی کتاب بمبئی میں اردو میں مولوی محمد اسمٰعیل کی تصنیفات میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان میں خلاصہ غنیۃ المبتدی اور تحفۂ اہل کسب کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ روزنامہ انقلاب بمبئی کے ۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء کے شمارہ میں احوال و معارف کے کالم میں مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے مولوی محمد اسمٰعیل رتناگیری اور ان کے قائم کردہ مدرسہ اسماعیلیہ پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھا تھا جس میں مولوی صاحب کی تصنیفات میں تحفۂ اہل کسب کا ذکر کیا ہے۔ اسی مضمون میں انھوں نے مولوی صاحب کی ایک اور کتاب تحفۂ انوار الاسلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اور مقالہ نگار نے رسالہ خلاصہ غنیۃ المبتدی کا بھی ذکر کیا ہو بہت ممکن ہے کہ مولوی محمد اسماعیل کی کتابیں ہمیں کہیں چھپی پڑی ہوں اور ہمارے دانشوروں اور تحقیقی کام کرنے والے حضرات کو حاصل نہ ہوئی ہوں۔

مولانا قاضی اطہر صاحب نے مذکورہ بالا مضمون میں لکھا ہے کہ مولوی محمد اسماعیل ۵ شوال سنہ ۱۳۰۳ھ میں فوت ہوئے اور رتناگری ہی میں دفن کئے گئے۔ حالانکہ شرف صاحب نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ آپ نے سنہ ۱۳۰۳ھ میں بمبئی میں انتقال فرمایا اور وہ ٹھ قبرستان میں سپرد خاک ہوئے

اسی طرح قاضی صاحب نے رسالہ معدن الفیض کو ماہنامہ لکھا ہے اور جناب شرف کمال اور ڈاکٹر میمونہ دلوی نے اس کو ہفت روزہ کہا ہے۔ ان دونوں باتوں کا تضاد خاص طور سے قابلِ تحقیق ہے۔

آخر میں برسبیل تذکرہ اس طرف بھی اشارہ کردوں کہ نقش کوکن میں شرف صاحب کے مقالہ میں کتابت کی غلطی سے ہفت روزہ معدن الفیض کا سنِ اجراء سنہ ۱۲۷۲ھ کی بجائے سنہ ۱۲۳۲ھ چھپا ہے جو تصحیح طلب ہے۔

رُقیّہ نائیک

مرد چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں

یوں تو ازدواجی زندگی کی کامیابی کا راز ذہنی ہم آہنگی، ایک دوسرے پر اعتماد، ایثار و قربانی پر ہوتا ہے۔ تاہم بعض اوقات معمولی معمولی باتیں خوشگوار ازدواجی زندگی کی جڑیں کو کمزور کر دیتی ہیں۔ دراصل ہمارے ہندوستانی معاشرے میں مرد کو گھر کے حاکم کی حیثیت حاصل ہے، اور مرد کا خوشگوار موڈ پورے خاندان پر اثر انداز ہوتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرد چڑچڑے یا خراب موڈ کا اظہار کیوں کرتے ہیں — بعض اوقات تو بیچاری عورت وجہ جاننے سے بھی قاصر ہوتی ہے۔ مرد جب شام کے وقت کام سے لوٹتے ہیں اس وقت تھکے ہوئے ذہن کو ایک خوشگوار تبدیلی کی خواہش ہوتی ہے۔ مگر جب ہمارے مرد گھر میں داخل ہوتے ہیں تو ایک ملگجے کپڑے والی بکھری زلفوں والی خاتون اس کا استقبال کرتی ہے۔ چہرے پر خوش آمدید کہنے والی مسکراہٹ کا نام ہی نہیں۔ موڈ پر اور گرانی آ گئی۔ گھر میں شام کے وقت جب چائے کی میز پہ بیوی کو چاہئے کہ وہ خوشگوار واقعات سے چائے کی شیرینی بڑھائے۔ وہ بچوں کی نافرمانی، پڑوسن کے جھگڑے اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کا رونا شروع کر دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ باتیں موضوعِ بحث نہیں بن سکتیں۔ مگر اس وقت نہیں۔ چائے کی میز پر اس انداز کی گفتگو مرد کو اور بدمزہ کر دیتی ہے۔ عورتوں کو چاہئے کہ مرد جب ذہنی طور پر تھک چکا ہو تو اس کی خواہش، طبعی رجحان اور شوق کا خیال کر کے گفتگو کی جائے۔ شام کو شوہر کے آتے وقت گھر صاف ستھرا ہو۔ گھر میں کسی بات پہ جھگڑا نہ ہو

اسی طرح مردوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کئی بڑے جھگڑوں سے نجات دلاتا ہے۔ مثال کے طور پر صبح کام پہ جاتے وقت اگر ناشتہ وقت پر، کپڑے ڈھنگ سے مل جائیں تو مرد کے موڈ پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

آپ سوچ رہی ہوں گی کہ یہ معمولی بات ہے قمیص کا بٹن ٹوٹا ہوا ہے تو کیا ہوا۔ ابھی ٹانکا جا سکتا ہے یا دوسرا قمیص پہنا جا سکتا ہے۔ اس میں غصہ ہونے یا بگڑنے کی کون سی بات ہے — نہیں صاحب۔ روزمرہ کے کام کرتے وقت مرد دن بھر کے کام اور پروگرام میں ذہنی طور پر مصروف ہوتا ہے۔ اب قمیص کا ٹوٹا ہوا بٹن ذہن کو اس طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور دن بھر کے کام کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور مرد جھنجھلا جاتا ہے۔ اس لئے فرصت کے اوقات ان کاموں کی تکمیل گھر میں بڑا خوشگوار اثر چھوڑتی ہے۔

بعض عورتیں اگر اپنی ساس یا نند سے ناراض ہوں گی تو اس کا اظہار شوہر پر نہایت بھونڈے انداز میں کریں گی۔

صفحۂ خواتین کی پیشکش محترمہ نور جہاں بیگم محمود چوگلے کی رہین منت ہے۔ خدا انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

کبھی دو شوہروں کی ہر بات کا جواب منفی پہلو میں دیں گی۔ یا پھر بلا وجہ بچوں کو مارنا یا کوسنا شروع کر دیں گی۔ اس طرح کا رویہ مردوں کو چڑچڑا بنا دیتا ہے۔ اور وہ شام کو گھر آنے کے بجائے باہر وقت گزارنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا عورتوں پر لازم ہے کہ گھریلو تنازعات اور جھگڑوں کو سمجھداری سے سلجھائیں۔ اور ان باتوں میں مردوں کو شامل نہ کریں تو آپ کا گھر جنت بن سکتا ہے۔

عید الفطر کے مبارک موقع پر

خدا کا حکم ہے اہلِ نصیب کو دیکھو

جو مستحق ہیں عزیز و قریب کو دیکھو

بغیر ان کے مبارک ہو عید کیسے تمہیں

ہلالِ عید سے پہلے غریب کو دیکھو

اردو شاعری میں عید کا تصور

ھلالِ عید ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا، اس کو دیکھنے کے لئے کتنی نگاہیں آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے دکھائی دیتی ہیں۔ وہ نئی نویلی دلہن کی طرح سجا سجا شرماتا اپنے مکھڑے کی جھلک دکھا کر بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے۔ اور پھر آنکھ مچولی کرتا نظر آتا ہے تو مسرت کی لہریں فضا میں دوڑ جاتی ہیں ـــ چاند رات رمضان المبارک کا آخری دن، جب سورج پورے دن کی مسافت طے کرنے کے بعد کسی دوسری دنیا میں کرنیں بکھیرنے کے لئے مغرب کی لوٹ میں غروب ہو جاتا ہے۔ اور پھر آسمان پر ریشمی بادل کے ٹکڑے تیرتے ہیں۔ آخر جب انتظار کے بعد ماہِ نو شرماتا ہوا اکثر بادلوں کی آڑ سے محبوب کے روئے منور کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ چاند ہو گیا، چاند ہو گیا۔ مبارک ہو چاند ہو گیا۔ کل عید ہو گی۔ کی مسرت بھری صدائیں فضاؤں میں گونجنے لگتی ہیں۔ اور اس خوشی میں جوان، بچہ، بوڑھا غرض کہ ہر فرد فرطِ مسرت سے پھولا نہیں سماتا۔

عید مسرتوں، آرزوؤں، امنگوں اور رعنائیوں کا دن۔ مشیتِ ایزدی کا روزہ داروں کے لئے انعام۔ تیس روزہ کا صلہ ـــ عید ـــ اسلامی تہواروں کا سب سے افضل تہوار۔ جو اپنے اندر ایک جاذبیت، دلکشی اور کشش رکھتی ہے۔ عید کی صبح، جو اپنے ساتھ مسرت و سکون اور حقیقی خوشیوں کا پیغام لے کر آتی ہے۔ دلوں کے کنول کھل جاتے ہیں، اور بہاریں مسکراتی ہیں۔ ہر نظر میں محبت کا خمار، اور ہر نفس میں لطف و رنگینی کا احساس کارفرما ہوتا ہے۔

عید کا دن تو دراصل وہ مبارک دن ہے جس میں دعاؤں کے نذرانے اور محبت و خلوص کے پیغام سے کتنے دل شادمانی و مسرت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

عید کی ابتدا ۲ھ سے ہوئی۔ اور یہ مبارک تقریب دنیائے اسلام میں اسی شان و دبدبے اور وقار کے ساتھ باعثِ صد افتخار ہے۔ مسرتوں کا پیغام لے کر آ رہی ہے، اور آتی رہے گی۔

عید کی خوشی میں لوگ آپس میں خلوصِ دل سے گلے ملتے ہیں۔ دلوں کی کدورتیں صاف ہوتی ہیں۔ شکوے شکایتیں اور ظلم کی حکایتیں خواب بن کر رہ جاتی ہیں۔ دلوں کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ بچھڑے دوست خلوص و محبت کی پہنائیوں میں گم ہو کر انجان مسرت محسوس کرتے ہیں۔ ایک طرف جہاں ایک مسلمان خداوند تعالیٰ کے حضور اپنے روزوں کی سعادت لے کر سجدہ ریز ہوتا ہے تو دوسری طرف اپنے بھائیوں اور عزیز و اقارب کو دلی مبارکباد دیتے ہوئے سب غم بھول جاتا ہے۔ قہقہے برستے ہیں، خوشیاں مسکراتی ہیں۔ ریشمی آنچل لہراتے ہیں۔ رنگینیاں سمٹ آتی ہیں۔ تو دوسری طرف سسکتی ہوئی آہیں ہوتی ہیں۔ ہاں آنسو بھی ضرور ہوتے ہیں کہیں کسی کے دید کے لئے ترستی ہوئی آنکھیں ہیں۔ کہیں محبت کی پاکیزہ دعائیں دی جاتی ہیں۔ کہیں خلوص و وفا کے بیش قیمت نذرانے پیش کئے جاتے ہیں۔ کہیں آہ و بکا و فریاد و فغاں سے کام ہوتا ہے۔ گویا

اک طرف شورِ مبارکباد ہے
اک طرف بس نالہ و فریاد ہے

کہیں عید کا چاند دیکھ کر محبوب کے دید کی تمنا ہوتی ہے۔
اور کہیں کسی کے بغیر عید بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ کہیں
کوئی پردیسی محبوب وطن سے دور ہو تو عید کے دن آنسو پلکوں پر
تڑپنے لگتے ہیں۔ کہیں حسرتوں کے خون ہوتے ہیں۔ کہیں
ارمانوں کی دنیا لٹی ہوئی ہوتی ہے۔ جبر پیہم کے باوجود بے اختیار
آہوں کا دھواں نکلتا ہے۔

یہ کائناتی نظام وہ ہے جہاں ہر انسان حتی المقدور
اور حسب استطاعت عید پر پُر خلوص تحفے بھیجنے کے لئے
بے قرار ہوتا ہے۔ کہیں عید کا چاند دیکھ کر دل کی بے قراری
کا یہ عالم ہوتا ہے ؎

کب ترے ملنے کی تقریب بنا عید کا چاند
تری یاد آئی تو دیکھا نہ گیا عید کا چاند

عید کے ملے جلے ردعمل سے ہماری شاعری بھی مالا مال ہے۔

ہماری اردو شاعری میں عید پر اشعار خواہ طربیہ ہوں یا المیہ
ان میں جہاں ایک طرف قوس قزح کی جھلک اور شبنم
کی سی چنگاری ہے تو دوسری طرف درد و الم ہے۔ آنسوؤں
کی روانی ہے، تاثر ہے، درد و کسک ہے۔ غرضیکہ دلی جذبات
و تاثرات اشعار کے آئینے میں جوہر کی مانند جھلکتے ہوئے
نظر آتے ہیں۔ ان میں پھول بھی ہیں آبشار کی گنگناہٹ بھی۔
شاعری دراصل نام ہے لطیف احساسات کا۔ بادِ بہاری
کی اٹکھیلیاں کرنے، نیند میں ننھی ننھی کلیوں پر شبنم کے
گرنے کی لطیف صدا کا۔

ہمارے مختلف شعراء نے عید پر جو اپنے تاثرات پیش کئے
ہیں وہ قابل قدر بھی ہیں اور لائق ستائش بھی۔ عید سعید،
رمضان المبارک کے ۳۰ روزوں کا انعام ہلال یہ خوشیوں کا
پیغام لے کر آسمان پر جلوہ گر ہوتا ہے۔
سلطان دہلوی نے کہا ہے ؎

مہ نو آج صبح عید کی لے کر نوید آیا
صلے میں تیس روزوں کے مبارک روز عید آیا

عید کے دن محبت کا چمن بھی سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔
بہار آ جاتی ہے اور ارباب وطن خوشیوں سے ہمکنار ہوتے
ہیں۔ تو عزیز وارثی نے فخر محسوس کرتے ہوئے کہا ؎

لہلہاتا ہے محبت کا چمن عید کے دن
شاد ہوتے ہیں سب ارباب وطن عید کے دن

عید کے دن کسی کا آمد پر جب کوئی دیدہ و دل فرش راہ کرنے
کے لئے مضطرب و بیقرار ہو اور گلے ملنے سے انکار کر دے
تو خوشیوں کا مفہوم ادھورا اور عید بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔
دینا ناتھ سنتوش نے انہی خیالات کا اظہار اس طرح کیا ہے:

حسرت دید رہی جاتی ہے
میری امید رہی جاتی ہے
ان کو انکار گلے ملنے سے
اور مری عید رہی جاتی ہے

برصغیر کی تقسیم سے پہلے اقبال نے کہا تھا کہ خوشی تو صحیح
معنوں میں اس وقت ہو سکتی ہے جہاں مسلمان آزاد ہوں ؎

غرۂ شوال اے نورِ نگاہِ روزہ دار
آ کہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار

دیار اسلام کی شاندار عید کی مبارک تقریب اور اس کی
شان سے متاثر ہو اپنے دلی جذبات کو مولانا ظفر علی خان نے
اس طرح بیان کیا ہے ؎

سعادتوں کے جلو میں چمکا ہلال شوال آسماں پر
جمی ہوئی ہے نگاہِ عالم خدا کی رحمت کا اس نشاں پر
بپا ہوا غل کہ عید آئی حیاتِ نو کی نوید لائی
ترانۂ تکبیر کا رواں ہے جہانِ اسلام کی زباں پر

مسلمانوں کے تہوار کسی خاص موسم کے پابند نہیں یہی وجہ ہے کہ

عید کبھی کسی موسم میں آتی ہے اور کبھی دوسرے موسم میں۔ استاذ ذوق نے مغلیہ حکومت کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کی شان میں قصیدہ لکھا تو عید برسات میں آئی۔ اور برسات کی مناسبت سے ساون کا مہینہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ گویا برکھا کی عید ہے

ساون میں دیا پھر مہ شوال دکھائی
برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی

مغل تاجدار نورالدین جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کے درمیان یہ مکالمہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب کنگرہ میں ہلال عید دیکھ کر جہانگیر نے نور جہاں سے بے ساختہ کہا ؎

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

(ہلال عید آسمان پر نمودار ہو گیا ہے)

تو نور جہاں نے برجستہ دوسرا مصرعہ کہہ کر شعر کو پورا کر دیا ؎

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد

(میکدہ کی چابی گم ہو گئی تھی وہ نمودار ہو گئی)

یعنی رمضان کے مہینے میں شراب خانہ بند تھا، اب پھر ناؤ نوش کے دن آ گئے ہیں۔

عزیز لکھنوی کے خیال میں ہلال عید کی انگڑائی بھی کم اہمیت نہیں رکھتی ؎

کہاں ہیں آج وہ ابروئے ساقی کے تماشائی
ہلال عید بھی لیتا ہوا نکلا ہے انگڑائی

عید کا دن وہ دن ہے جب ہر کوئی رسم و دستور کے مطابق خلوص دل سے گلے ملتا ہے۔ کسی شاعر کا یہ شعر بھی زبان زد خاص و عام ہو کر رہ گیا ہے ؎

عید کا دن ہے گلے آج تو لگ جا ظالم
رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

آج کے دن جب لوگ عیدگاہ میں دوگانہ ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں تو امیر و مالدار اپنی شان و شوکت کے ساتھ نماز کے لئے داخل ہوتے ہیں۔ مگر خدا کی بارگاہ میں بادشاہ و غریب کی حیثیت یکساں ہے۔ اس میں کسی کو نہ کسی پر فضیلت ہے نہ کسی کو کسی پر برتری۔ یعنی کیا محمود کیا ایاز۔ تیری محفل میں جو پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔ سیماب اکبرآبادی نے اپنی رباعی میں جو بھرپور طنز، اور حقیقت کو آشکار کیا ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

پہنے ہوئے ملبوس حریر آتے ہیں
نخوت کے چلاتے ہوئے تیر آتے ہیں

غریبوں کے لئے عید پیغام الم کے سوا کچھ اور نہیں۔ آثم کرمی نے کہا ہے ؎

عید وجہ عیش ہے سرمایہ داروں کیلئے
باعث رنج و الم ہے غم کے ماروں کیلئے

ہماری ادبی روایات میں شراب کو شاعری کا جز سمجھا جاتا ہے۔ نازش حیدری نے کہا کہ اگر عید کا بخوبی جائزہ میخوار کی آنکھوں سے لیا جائے تو معلوم ہوگا ؎

میں خوب جانتا ہوں تجھے اے ہلال عید
میری نگاہ شوق بھی رفعت پسند ہے
دیکھے تو کوئی میکدہ والوں کی آنکھ سے
صہبائے آتشیں کا شرارہ بلند ہے

رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو اس متبرک اور مقدس مہینے کے احترام سے ہمیشہ دور رہتے ہیں۔ اور لوٹ کھسوٹ، چور بازاری کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ مشہور طنزیہ شاعر مجید لاہوری نے روزہ خوروں کو بھی عید کی مبارکباد دیتے ہوئے کہا ؎

نیک فطرت روزہ خوروں کو مبارک عید ہو
پاک طینت کالے چوروں کو مبارک عید ہو

عید کے آتے ہی بہاروں کا قافلہ آگیا۔ چمن میں مسرتیں لوٹ آئیں۔ پھولوں پر نکھار آگیا۔ کلیاں مسکرا اٹھیں۔ غنچے سلام محبت ادا کرنے لگے۔ طفیل احمد جمالی نے کہا ہے ؂

چمن میں لوٹ کے آیا ہے کاروانِ بہار
بفیضِ عید بدوشِ نسیمِ گل بکنار

ہلالِ عید خوشیوں کا پیغام ہے۔ جس نے ہر ایک کو مسرت و شادمانی عطا کی ہے۔ اسی نے ہر طرف خوشیوں کی دھوم اور مبارکباد کا مظہر ہے۔ رئیس احمد فریدی فرماتے ہیں ؂

اے ہلالِ عید اے پیغمبرِ صد انبساط
دہر میں تونے بچھا دی شادمانی کی بساط

•

سوال آپ کے جواب ہمارے

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔ — از:۔ مسٹر تابڑ توڑ

★ سوالات غیر مہذب اور غیر ذمہ دارانہ نہ ہوں۔

★ ہر سوال کے جواب کے لئے جگہ چھوڑی جائے۔

★ ڈاکٹر کامل اعظمی — گوپا گنج اعظم گڑھ

سوال:۔ سب سے بڑی کوشش کیا ہے؟

ج:۔ سچ بولنا۔

سوال:۔ سب سے بڑا عبادت گزار کون ہے؟

ج:۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔

★ ممتاز بانو عبدالحئی پرکار — پنت نگر گھاٹکوپر، بمبئی

سوال:۔ کہتے ہیں کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ جب جنت (ماں) عورت کے ذریعہ مل سکتی ہے تو پھر مرد عورت بیزار کیوں بنا رہتا ہے؟

ج:۔ یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ وہ مرد، عورت بیزار رہتا ہوگا جس کی زندگی عورت (بیوی) نے جہنم زار بنادی ہے۔

سوال:۔ خون کے رشتے اور پیار کے رشتے میں کیا فرق ہے؟

ج:۔ خون کا رشتہ پتھر کی لکیر ہے جب کہ پیار کا رشتہ نقش برآب۔

★ انیس یوسف خان سرگروہ — ابتقیق سعودی عربیہ

سوال:۔ لفظ "شرم" صرف عورتوں تک ہی کیوں محدود ہے؟

ج:۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کیا آپ مردوں کو "بےشرم" محسوس کرتے ہیں۔

سوال:۔ گرتے ہوئے انسان کو اٹھانا لوگ پسند کیوں نہیں کرتے؟

ج:۔ گرتے ہوئے کو اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اٹھانے والے کے پاؤں کے نیچے زمین ہو۔ جو خود کمزور ہے نااہل ہے وہ دوسرے کو کیا اٹھائے گا۔

سوال:۔ حادثہ کا شکار ہو کر یا طبعی موت مرنے والے کی لاش سڑک پر پڑی رہے تو اس پر سفید کپڑا ہی کیوں ڈالا جاتا ہے؟

ج:۔ سفید رنگ پاکیزگی کی علامت ہے۔ اس دنیا کے سارے رنگ (ڈھنگ) یہیں چھوڑ کر اس دنیا میں جاتے وقت تو کم از کم پاک نظر آئے۔ اسی خیال سے کفن کے لئے بھی سفید کپڑا مستعمل ہے۔

★ زرینہ عبدالوہاب مقادم — جیکب سرکل، بمبئی

سوال:۔ زکوٰۃ اور خیرات میں کیا فرق ہے؟

ج:۔ زکوٰۃ ایک فریضہ ہے جبکہ خیرات رضاکارانہ طور پر دی جانے والی چیز ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی مقررہ رقم پر مقررہ مدت کے بعد مقررہ مقدار میں دی جانی چاہئے۔ خیرات کے لئے ایسی کوئی قید نہیں ہے۔

سوال:۔ ماہ رمضان میں کون سا دن بڑا اور کون سی رات بڑی ہے؟

ج:۔ بڑائی سے مراد فضیلت ہے تو یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ لیلۃ القدر کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس رات قرآن اتارا گیا۔ دنوں میں ۷ا رمضان کو یوم الفرقان کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس روز

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو کفار کے عظیم لشکر پر، بالفاظ
دیگر حق کو باطل پر فتح حاصل ہوئی۔ اس جنگ
میں اللہ پاک نے فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی
مدد فرمائی۔ کافروں کو مسلمانوں کا لشکر اس قدر
وسیع دکھائی دیا کہ وہ ہمت ہار بیٹھے۔

★ احمد حسن رہٹویلکر — ساتی مانگاؤں ضلع رائے گڑھ

سوال: کوکن میں اردو ذریعۂ تعلیم کے کتنے ہائی اسکول ہیں
اور کہاں ہیں؟

ج: کوکن میں اردو ذریعۂ تعلیم کے کُل ۳۵ ہائی اسکول
ہیں۔ جن میں تھانہ ضلع میں ۸ ۔ رائے گڑھ ضلع
میں ۱۲ ۔ رتناگیری میں ۱۳ اور سندھو درگ
میں ۲ ہیں۔

سوال: امسال S.S.C. امتحان میں کس ہائی اسکول
نے اول نمبر پایا؟

ج: نتیجہ تو ابھی ظاہر ہوا ہے۔ لہٰذا تفصیلات
ہم تک نہیں پہونچ سکی ہیں۔

★ سلطان حسین علی میاں کارانی — ہم بنگلہ ان بحری بمبئی

سوال: ہم نے دیکھا ہے کہ کئی ذہین طالب العلم یا تو امتحان میں
فیل ہو جاتے ہیں یا انھیں بہت کم نمبر ملتے ہیں۔
ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ج: وہ ضرورت سے زیادہ اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

سوال: میں حقیقت جاننا چاہتا ہوں کیا کروں؟

ج: آئینہ کے سامنے کھڑے ہو جائیے۔

★ شہناز عبد الغفار تانا خوا — شیبر گاؤں رتناگری

سوال: عقیقہ اور ولیمہ یہ کیا بات ہے؟

ج: بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن یا اس کے بعد جب بھی
موقع ملے عقیقہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ولیمہ اس
دعوتِ طعام کو کہتے ہیں جو شادی کے بعد دی جائے۔

★ عزیز یوسف ایبار کر — مروڈ تعلقہ داپولی

سوال: کیا شکر ایک بوجھ ہے؟

ج: جی ہاں۔ ایسا بوجھ جو ڈھونے والے کا وزن کم کر دے۔

سوال: کمزور آدمی طاقتور سے کب مقابلہ کرتا ہے؟

ج: جب وہ خواب دیکھ رہا ہو۔

★ شاہ جہاں ہرک — منامہ بحرین۔ خلیج العرب

سوال ۱: کوکن کی کئی مساجد میں دوسری اذان سے پہلے
اِنَّ اللہ پڑھی جاتی ہے۔ جب کہ عربستان میں نہیں
پڑھی جاتی۔ شرعی کاموں میں اس طرح کا فرق کیوں؟

سوال ۲: ہم اگر کسی کو کوئی کام کرنے سے منع کرتے ہیں مثلاً
تعزیہ نکالنا۔ تو لوگ کہتے ہیں یہ ہمارا عقیدہ ہے۔
لہٰذا عقیدہ کا شرعی مفہوم سمجھائیے۔

سوال ۳: کوکن میں میت کی پیشانی پر کافور ملے مصالحہ
رکھ کر کلمۂ طیبہ لکھا جاتا ہے عربستان میں تو
یہ عمل نہیں کیا جاتا۔ کیوں؟

ج: آپ ان جملہ سوالات کے لئے کسی عالم دین سے
رجوع ہوں۔

★ فاروق عبد اللہ مکاندار — مودی اسٹریٹ فورٹ بمبئی

سوال: خوش حالی راہ سے بھٹکا دیتی ہے یا بدحالی؟

ج: حد سے زیادہ خوش حالی یا بہت زیادہ بدحالی
دونوں بُرائی کی طرف لے جاتے ہیں۔

سوال: سایہ دار درخت کی چھاؤں فرحت بخش
ہوتی ہے یا گھنیری زلفوں کی؟

ج: درخت کی چھاؤں میں آپ دیر تک بغیر کسی
فکر و تردّد کے بیٹھ سکتے ہیں۔ زلفوں کی
چھاؤں میں یہ ممکن نہیں ہے۔

بارہویں فیل و ایس ایس سی کامیاب
طلبہ کیلئے سنہری موقع

انجمن اسلام جنجیرہ سیدی ظفر شیخانی میموریل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ
جنجیرہ مروڈ، ضلع رائے گڈھ

داخلہ برائے گورنمنٹ منظور شدہ آئی ٹی آئی (I.T.I.) کورس

(۱) مندرجہ ذیل I.T.I. کورس اس تعلیمی سال ۸۵-۸۴ کے ماہ اگست سے شروع ہوں گے۔

(الف) میکانیکل موٹر وہیکل دو سالہ کورس

(ب) ویلڈر (الیکٹرک-گیس) ایک سالہ کورس

(ج) وائرمین ——— دو سالہ کورس

(۲) صرف ان امیدواروں کو داخلہ کے وقت مقدم سمجھا جائے گا جو ایس ایس سی یا اس کے مساوی امتحان میں سائنس اور میتھس میں مجموعی طور پر ۳۵ فیصد یا اس سے زیادہ نمبر حاصل کئے ہوں۔ آٹھویں اور نویں پاس لائق امیدوار کو بھی داخلہ مل سکتا ہے۔

(۳) امیدوار ۱۵ سے ۲۵ سال عمر کا ہو۔

(۴) درخواست فارم برائے داخلہ اور پروسپکٹس (PROSPECTUS) ادارہ ہذا کے آفس سے سات روپئے کی ادائیگی پر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

(۵) بورڈنگ ہاؤس کا معقول انتظام ہے۔

(۶) امیدوار کو انٹرویو کیلئے ذاتی خرچ پر ادارہ ہذا کے آفس میں آنا ہوگا۔

پرنسپل
انجمن اسلام جنجیرہ سیدی ظفر شیخانی میموریل
ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ جنجیرہ مروڈ (رائے گڈھ)

از:- مولوی سمیع اللہ

نام کتاب :- "خطبات عیدین"
مصنف :- جناب مولینا محمد تقی امینی
ناشر :- مکتبہ جامعہ - نئی دہلی
صفحات :- ۱۶۰
قیمت :- اکیس ۲۱ روپے
کاغذ، کتابت و طباعت :- اعلیٰ، عمدہ اور دیدہ زیب

فاضل مصنف نے جامع مسجد علی گڑھ یونیورسٹی میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر جو خطبات دیئے، یہ انھیں خطبات کا مجموعہ ہے۔ ہر خطبے میں ایک نہ ایک نادر بات پائی جاتی ہے۔ مثلاً دل کے متعلق حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کا قول - جو دل جتنا ٹوٹا ہوتا ہے وہ اتنا ہی قیمتی ہوتا ہے۔

اسی طرح خطبہ "ختم نبوت کا شکرانہ" میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آلات حرب میں خنجر، زرّہ، منجنیق اور حسک ایجاد فرمائی۔ یہ آلات حرب ہیں۔ ان کی تفصیل کتاب مذکور کے صفحہ ۸۸ اور ۸۹ پر دیکھنی چاہئے۔ ان آلات حرب کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے صفحہ ۹۱ پر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اسی لئے اب انسان کو بار بار آسمان کی طرف دیکھنے اور دعا کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ لہٰذا نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔

اس قسم کی بہت سی نادر اور نایاب باتیں ہر خطبے میں پائی جاتی ہیں۔

ان خطبات کی تعداد ۲۳ ہے۔ وہ امام اور خطیب جو مساجد سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لئے اس کتاب کو زیر مطالعہ رکھنا بہت مفید ہوگا۔

ہر خطبے کے نام میں بھی جدت پائی جاتی ہے۔ مثلاً "نبوت کی تاج پوشی" (یعنی غارِ حرا کا واقعہ) "تکمیل دین کا جشن" یعنی عید الاضحیٰ وغیرہ۔

★

نام کتاب :- برکت کی ایک چھینک
مصنف :- جناب وجاہت علی سندیلوی
ناشر :- نئی آواز - جامعہ نگر - نئی دہلی ۲۵
صفحات :- ۱۱۲
کاغذ، کتابت و طباعت :- اعلیٰ درجہ کی۔
قیمت :- پندرہ ۱۵ روپے۔

یہ مصنف کے مزاحیہ افسانوں کا ایک انتخاب ہے۔ اس میں پندرہ افسانے ہیں۔ پہلا افسانہ ہے "برکت کی ایک چھینک" - اور چونکہ ایک چھینک کی برکت سے ہی مصنف کی اپنی پردہ نشین محبوبہ سے شادی ہو گئی۔ اس لئے مصنف نے اس کتاب کے لئے یہی نام موزوں سمجھا۔

دوسرے افسانے بھی اسی قسم کے مزاحیہ ہیں۔ ان میں سیاسی بھی ہیں اور معاشرتی بھی۔ طنز و مزاح کے پیرائے میں کوئی نہ کوئی اصلاحی مقصد ضرور پوشیدہ ہے۔ سارے افسانے ہلکے پھلکے اور شگفتہ ہیں۔ جیسے "چمتکار"، "بیعت" جی اور موکھے" اور "گھن چکر" وغیرہ۔ یہ نام ہی ایسے ہیں کہ نام پڑھ کر افسانہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور دل میں ایک گدگدی سی پیدا ہوتی ہے۔

نام کتاب :۔ "اداس موڑ"
مصنف :۔ جناب ابراہیم یوسف
ناشر :۔ نئی آواز ۔ جامعہ نگر ۔ دہلی ۲۵
صفحات : ۸۰
کاغذ، کتابت و طباعت ، عمدہ و اعلیٰ
قیمت :۔ ۱۹ روپے

اس کتاب کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔ اس میں سات ڈرامے ہیں۔ ہر ڈرامے کا اختتام اداسی و مایوسی پر ہوتا ہے۔ انسان کو کارگاہِ حیات میں اداسی، مایوسی اور ناکامی سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ اس سے انسان سبق سیکھتا ہے۔ اور زندگی کے نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے۔

ہر ڈرامے کا جو کردار ہے وہ پہلے بتا دیا گیا ہے۔ پہلا ڈرامہ ہے "پیر دل پہ رہائی"۔ اس کا اختتام طلاق کی آمادگی پر ہوتا ہے۔ جسے سن کر عورت ہچکیاں لینے لگتی ہے۔ یہ عورت کی زندگی کا سب سے بڑا المیہ یا حزنیہ ہوتا ہے۔ اسی ڈرامے میں کئی اخلاقی تعلیمات موجود ہیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں۔ سب سے اہم کردار یہی ہے۔ یہی حال دوسرے ڈراموں کا ہے۔

ڈراموں سے بات بہت واضح اور دلنشین ہو جاتی ہے۔ اسی لئے بعض قلم کار افسانے کو چھوڑ کر ڈرامے کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ابراہیم یوسف صاحب نے بھی اسی طریقے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آخری ڈرامہ ہے "قدم قدم اداس موڑ"...

ہادیٔ عالم

مصنف :۔ محمد ولی رازی خلف مولانا محمد شفیع دیوبندی
ناشر :۔ (۱) مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات
(۲) ادارۂ علم و حکمت دیوبند (یو پی)
قیمت :۔ ۲۵ روپئے
کاغذ، کتابت و طباعت : نہایت دیدہ زیب۔

یہ سیرت کی ایک کتاب ہے۔ واقعاتِ سیرت کے اعتبار سے اس میں کوئی ندرت و انفرادیت نہیں۔ اس کے ماخذ متقدمین کی کتب ہیں۔ مگر ادبی اعتبار سے یہ ایک نادرِ روزگار تصنیف ہے۔ یہ سیرت بے نقطہ ہے۔ لگ بھگ چار سو صفحات کی کتاب میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس پر نقطہ ہو۔ یہ علم بدیع کی ایک مشکل صنف ہے۔ یعنی غیر منقوط عبارت کا لکھنا۔ فیضی نے حضرت مجدد الف ثانی کے عہد میں قرآن شریف کی ایک تفسیر بے نقط لکھی تھی۔ جو گرچہ بہت مختصر ہے مگر ادبی اعتبار سے تفاسیر میں ایک نادر اور بے نظیر تفسیر سمجھی جاتی ہے۔

اس صنف کے دو نمونے عربی ادب کی مشہور کتاب مقاماتِ حریری کے دو مقاموں میں پیش کئے گئے ہیں۔ اس کا اٹھائیسواں مقامہ نقطوں سے خالی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ تعجب خیز اس کا انیسواں مقامہ ہے کہ اس میں پوری عبارت ایسی ہے کہ ایک لفظ منقوط ہے تو دوسرا غیر منقوط۔ جو منقوط الفاظ ہیں ان کے تمام حروف پر نقطے ہیں۔ اور یہ علم بدیع کی زیادہ مشکل صنف ہے۔

اسی طرح شیعوں کی کتاب نہج البلاغۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا خطبہ ہے جو الف سے خالی ہے۔ یعنی پورے خطبے میں ایک بھی لفظ ایسا نہیں ہے جس میں الف ہو۔ یہ سب علم بدیع کی اقسام ہیں۔ اس سے مصنف کی ادبی استعداد، لغات پر عبور اور طریقۂ استعمال میں اعلیٰ مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر علم بدیع ادب کی ایک ظاہری خوب صورتی ہے۔ اس صنف میں اگر کوئی کتاب ہو تو اس کا

یہ مطلب نہیں کہ وہ معنوی اعتبار سے بھی ایسی ہی نکتہ آفریں، دقیقہ سنج اور بصیرت افروز ہے۔ اس لئے کہ جس مصنف کو الفاظ کی تلاش و جستجو سے فرصت نہیں وہ معانی کی کیا تلاش کرے گا۔

ہادیٔ عالم میں منقوط الفاظ کی جگہ جو غیر منقوط الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اس کی مثال دیکھئے:

لشکر	کی جگہ	عسکر
آبِ زمزم	" "	ماءِ مطہر
طواف	" "	دور
بیت اللہ	" "	دار اللہ
ازواجِ مطہرات	" "	عروس مکرمہ یا مطہرہ
ہجرت	" "	رحلہ
مہاجر	" "	ہمدم رسول
انصار	" "	مددگارِ رسول
بیمار	" "	محموم
پہلوان	" "	مصارع
بیت المقدس	" "	دار المطہر

اس کتاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان میں بے نقط الفاظ کی کمی نہیں۔ اور جو الفاظ منقوط ہیں ان کی جگہ عربی میں غیر منقوط الفاظ مل جاتے ہیں۔ اگرچہ بعض الفاظ اردو داں کے لئے غیر مانوس ہوتے ہیں۔ مگر یہ مصنف کی مجبوری ہوتی ہے۔ دیکھئے ہمارا کلمۂ طیبہ پورا بے نقط ہے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس کتاب میں ایک نعتیہ کلام بھی ہے۔ اور وہ بھی بے نقط ہے۔ اس کا عنوان ہے "مدحِ رسولؐ" شعر یہ ہے:

ہر دم درود سرورِ عالم کہا کروں
ہر لمحہ محوِ وردِ مکرم رہا کروں

اس نعت میں دس اشعار ہیں۔ جہاں جہاں نون ہے وہ بے نقطہ ہے اسی طرح "تے" بھی بے نقطہ ہے۔ یا پر نقطہ اسی وقت لگتا ہے جب لفظ بیچ میں آتی ہے۔ آخر میں آنے والی یا پر نقطے نہیں لگتے۔ جہاں جہاں عبارت آرائی ہے اس کا انداز یہ ہے:

وہ رسول اُمّیؐ کہ اللہ اس کا معلّم ہے۔ زہد اس کا ملازمہ۔ علم اس کی ملکی اور عدل اس کی کرسی ہے۔ رحم و کرم اس کا علم ہے۔ اور صلہ رحمی اس کا درس۔

بے نقط الفاظ کا التزام کرنے کے باعث بعض جگہ عبارت مغلق ہو گئی ہے۔ اور ادبی لطافت کھو گئی ہے۔ بلکہ اس کو مصنف کی مجبوری سمجھنا چاہئے۔ بہرصورت یہ ایک قابل قدر، نادر روزگار اور حیرت انگیز تصنیف ہے۔ اردو ادب کے میدان میں مصنف تمام ادیبوں پر گوئے سبقت لے گئے۔

گوش بر آواز

★ نقشِ کوکن کا تازہ شمارہ (جون ۸۴ء) باصرہ نواز ہوا۔ تو مبارک کاپڑی صاحب کا پہلا اور آخری صفحہ زیرِ مطالعہ آیا۔ جناب مبارک کاپڑی صاحب کی جرأت و بے باکی پر میں داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انھوں نے بھیونڈی اور دوسرے مقامات پر جو فسادات کچھ عرصہ پہلے ہوئے اس پر نہایت جذباتی انداز میں وہ سب کچھ لکھا جو ہم جیسوں کے لئے بھی لکھنے سے پہلے کئی بار سوچنا پڑتا۔ میں واقعی ان کی اس بےباکانہ جرأت مندانہ تحریر پر ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں

آدم نصرت — اندھیری بمبئی

★ کوکن میں ایس ٹی سروس بہت عمدہ ہے۔ لیکن کبھی کبھی کنڈکٹر یا ڈرائیور کی ناانصافی کی وجہ سے ایس ٹی کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا میں ایس ٹی حکام کے ذمہ داروں سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ ڈرائیور اور کنڈکٹر کی ٹریننگ رکھیں اور انھیں اچھی طرح ان کا فرض سمجھائیں۔ حال میں شریوردھن سے ایس ٹی کے ذریعہ بمبئی آرہا تھا تو سب سے پہلے شریوردھن کے بعد آراٹی والا سٹاپ پر بیٹھنے کے لئے کوئی بنچ وغیرہ نہیں ہے ابھی بارش کا موسم ہے۔ ایسی حالت میں پسنجر کیسے سفر کر سکتا ہے۔ ایس ٹی آنے تک کیسے گزارہ کر سکتا ہے۔ جس میں عورتیں، بوڑھے بچے سب شامل ہیں۔ اس لئے میں پھر مؤدبانہ گذارش کرتا ہوں کہ ایس ٹی حکام کچھ کاروائی ضرور کریں۔

الحاج محمد حنیف جوگلے
سات تاڑ محلہ بمبئی ۹

★ جون کا شمارہ ذرا تاخیر سے دستیاب ہوا مگر مجموعی طور پر اس مرتبہ اس کا ہر صفحہ قابلِ توجہ رہا۔

ہمارے عزیز دوست عالی جناب فقیر محمد مستری صاحب کا (۱) ۳۲ سال کی سروس کے بعد بمبئی پورٹ ٹرسٹ سے دستار کے ساتھ (دستِ غیب کے بغیر) سبکدوش ہونا اور (۲) ان کی شادی کی گولڈن جوبلی منانا، یہ ایسی معلومات ہیں جو دیارِ غیر میں رہنے والوں تک صرف نقشِ کوکن ہی کے ذریعہ پہنچ سکتی ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر میں تہہ دل سے مستری صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس دعا کے ساتھ کہ اللہ کرے وہ اسی طرح ہنستے ہوئے اپنی شادی کی سوویں سالگرہ منائیں (آمین)

جناب فقیر محمد مستری نقشِ کوکن کے روحِ رواں ہونے کے علاوہ ایک مخلص، منکسر المزاج اور خوش طبع انسان ہیں۔ اور ہر کسی کا خیر مقدم مسکراتے ہوئے کرتے ہیں۔ وہ ایک مثالی اور باصلاحیت شخصیت کے مالک ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ جون کا شمارہ آپ ان کی نذر کرتے ہوئے "مستری نمبر" نکالتے۔ یا کم از کم ان کی ذات پر روشنی ڈالتے ہوئے باقاعدہ ایک مضمون شائع کرتے۔ جو آج کل کے نفس پرست انسانوں اور بے قرار جوانوں کو متاثر کرتا اور باعثِ سبق بھی ہوتا۔

جناب مبارک کاپڑی صاحب کا پہلا صفحہ خوب ہے، البتہ آخری صفحہ میں وہ ضرورت سے زیادہ جذباتی دکھائی دیتے ہیں۔

جناب قاسم کچوت کا مراسلہ خلیج عرب میں مقیم شوہر کے نام ہندوستانی بیوی کا خط پڑھ کر خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی۔

خوشی اس لیے کہ جن خیالات کو انھوں نے بیان کیا ہے۔ وہ آج کل کی دولت کی دوڑ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو جھوٹ کا اس میں کچھ گنجائش ہی نہیں — اور افسوس یوں کہ یہ نکتہ چینی سراسر اخلاقی طور سے گری ہوئی لگتی ہے۔ ہو سکتا ہے ایسی تنقیدیں تحریر لکھنے والے کبھی کبھی اپنی مایوسی کا مداوا اس میں کرتے ہوں۔ عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ جلد امیر بننے کا خواب دیکھتے ہوئے آج کل کا ہر نوجوان خواہ وہ تعلیم یافتہ ہو یا اَن پڑھ خلیج عرب آنے کی ہر ممکن سعی کرتا ہے۔ اور جب اسے اپنے مقصد میں شکست ہوتی ہے تو وہ انتقام کے جذبے کے تحت اس طرح کے مضامین لکھ کر خلیج میں نوکری کرنے والوں کا مذاق اُڑا کر اپنی انا کو تسکین دیتے ہیں۔ جو اخلاقاً ایک گری ہوئی حرکت ہے۔ بہتری اسی میں ہے کہ نقشِ کوکن ایسے تنقیدی مضامین سے مستقبل میں پرہیز کرے۔ فی امان اللہ

ابراہیم وانکرے

ظہران۔ سعودی عرب

★ نقشِ کوکن پہلے سے کہیں بہتر، خوب صورت دلچسپ مضامین لئے ہمراہ میرے غریب خانہ پر تشریف لاتا ہے۔ مسکراتے ہوئے ہم اس کا استقبال کرتے ہیں۔

اکثر میری شام — خوب صورت سے خوبصورت تر ہو جاتی ہے جب میں اپنے چھوٹے سے باغ میں رہ کر کرسی ڈالے نقشِ کوکن کے دلچسپ مضامین میں کھوئی رہتی ہوں اس وقت تک جب شام زیادہ گہری ہو جاتی ہے۔ اور حروف دھندلے پڑ جاتے ہیں۔

عطیہ بشیر خان ۔ پونہ

★ شرف کمالی صاحب نے سماجی اصلاح کے پیشِ نظر اپنے ترکش سے خوب خوب تیر برسائے ہیں۔ لو ڈران کا کہتا ہوں سچ تاریکیاں میں

دلچسپی کی بات بن گیا ہے۔ اگر شرف صاحب نے جو عنوان پسند کیا تھا وہ آدھا مصرعہ تھا۔ جرمن صاحب نے سلسلۂ مضامین شروع کر کے نہ صرف اس مصرعہ کو پورا کیا ہے بلکہ سماجیات کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ عرصۂ دراز کے بعد جرمن صاحب کے قلم کا جادو جاگا ہے۔ ایک ادیب، خطیب، صحافی، سیاستدان الغرض مختلف النوع پہلوؤں کا حامل قلم کار اپنے قلم سے نہ صرف نقشِ کوکن کو زینت بخشے گا بلکہ قارئین کے لئے بھی ان کی نگارشات لائقِ مطالعہ ہوں گی ہم دعا کرتے ہیں کہ جرمن صاحب بلا ناغہ اپنی سیریز جاری رکھیں

قطب الدین قاضی

کھاڑ کوپر ۔ بمبئی

★ جون ۸۴ء کے شمارہ میں صفحۂ خواتین پر جناب قاسم کھوتے صاحب کی مرسلہ نظم بہت پسند آئی اگرچہ کہ شاعر کا نام معلوم نہیں تاہم شاعر نے خلیج العرب میں حاصل شدہ ملازمتوں کے نتیجہ میں پیدا شدہ صورت حال کا بڑے موثر انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ ہمارے شعرائے کرام گل و بلبل کے پر باندھنے کے علاوہ سماجی اصلاحات کی طرف بھی قدم اٹھائیں تو ایک بہت بڑی خدمت ہو گی — نقشِ کوکن دن بدن میعار کی جس بلندی کی طرف آگے بڑھ رہا ہے اس میں کامیابی کے لئے دعائیں

جنید احمد عبدالمنان گولندازہ

اگری پاڑہ ۔ بمبئی ۱۱

★ تازہ شمارہ ملا۔ نقشِ کوکن نت نئے انداز میں زبان و ادب کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کی جو خدمت انجام دے رہا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ جون ۸۴ کے شمارہ میں صفحۂ خواتین بیحد پسند آیا۔ تعلیم القرآن، معارف الحدیث اور صفحۂ خواتین جیسے مختلف موضوعات پر لکھنے والوں کو آمادہ کرنے کیلئے جو عطیات دیئے جاتے ہیں اگر اسی طرح کھیل کود اور طب و صحت جیسے مضامین کی بھی لوگ سرپرستی فرمائیں تو نقشِ کوکن کی مقبولیت میں چار چاند لگ سکتے ہیں۔

نیاز احمد عبدالغفور مہاڈیک نیویل ضلع رائے گڑھ

مرتبہ: فخ بن صاد

"موتی پھول ستارے" کی اشاعت

مشہور اردو دست عبدالبدیع الزماں خاور کی طبع زاد نظموں اور غزلوں کا ایک جامع انتخاب "موتی پھول ستارے" کے نام سے طبع ہو کر منظر عام پر آگیا ہے۔ یہ دیدہ زیب اور خوب صورت شعری انتخاب نوجوان شاعر اور افسانہ نگار پرویز باغی نے ترتیب دیا ہے اور اسے موڈرن پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی نے بہار اسٹیٹ اردو اکیڈمی پٹنہ کے جزوی مالی تعاون سے طباعتی حسن و معیار کے ساتھ شائع کیا ہے۔

شانتا سمیتی

مورخہ ۳ جون ۱۹۸۳ء کو روہا ضلع رائے گڑھ میں ہندو مسلم فسادات کے تدارک کیلئے ہیرد لعل نوازایم ایل اے انتوک شیٹھ صاحب کے زیر صدارت تمام ذات کے ممبران پر مشتمل شانتا سمیتی کا انعقاد عمل میں آیا۔

ممبران: شری پرچھل شیٹھ، بابہ گلے، شری راؤ صاحب کھلکرنی، جناب عبدالکریم درزی، جناب عبدالرحمن بودھلے، شری بشونت ہیرد ستند حصے، نرلاکوتم سنند حصے۔

مرسلہ: نوکل بھارتی رائے گڑھ

مقابلہ قرأت خوانی

بزم اردو چپلون ہر سال اسکول کے طلبہ کے ضلعی سطح پر تحریری، تقریری اور بیت بازی کے مقابلے منعقد کیا کرتی ہے۔ بزم اردو نے ان مقابلوں کے ساتھ ساتھ سال رواں سے قرأت خوانی کا ایک نیا مقابلہ بھی شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نئے مقابلے کی تفصیلات کا اعلان انشاءاللہ جلد ہی کر دیا جائے گا۔

محمد حسن غلام اکبر بھابے کا انتخاب

وڈولی تعلقہ واڈا (ضلع تھانے) کی گرام پنچایت کے سرپنچ کی حیثیت سے وڈولی کے نوجوان سوشل ورکر محمد حسن غلام اکبر بھابے کا اتفاق رائے سے انتخاب عمل میں آیا۔ آپ اچھے سماجی کارکن اور بالغ سیاسی شعور کے مالک ہیں۔ امید ہے آپ کی کارکردگی میں پانی کی فراہمی اور راستے کی درستگی جیسے وڈولی کے مسائل حل ہونے کی توقع ہے۔ وڈولی کے پڑوسی گاؤں کیرودس اور ناڑا میں بالترتیب محمد حسین ابراہیم پٹیل اور قیصر عبدالحمید ملا سرپنچ منتخب ہوئے ہیں۔ محمد حسین پٹیل واڈا تعلقہ یوتھ کانگریس (آئی) کے جنرل سیکریٹری ہیں اور ترون مترمنڈل کرڈس کے صدر ہیں۔

کوکن مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ۔ ماہنڈوی شاخ

واقع ۳۶ مسجد اسٹریٹ نزد ماہنڈوی پوسٹ آفس بمبئی ۳ کے فون نمبر بدل گئے ہیں۔ نئے ٹیلیفون نمبر حسب ذیل ہیں:

8518063
8516550

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت، کامیابی یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجیے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے۔

عدم اشاعت پر
ناراض نہ ہوں
بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

ادارہ

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک لمیٹیڈ

ہیڈ آفس :- محمدؐ علی روڈ، بمبئی نمبر ۴۰۰۰۰۳

اعلان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

حج کمیٹی بمبئی کے اعلان کے مطابق ہم اُن اشخاص سے جن کی درخواستیں فارن ایکسچینج فراہم کرنے کے لئے حج کمیٹی نے منظور کرلی ہیں یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ ڈیمانڈ ڈرافٹ ۱۲٫۳۹۵ روپے کا جو ۴۰۰۰/- سعودی ریال کے مساوی ہے، ہماری کسی برانچ یا شیڈولڈ بینک سے بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ کے نام اکاؤنٹ .... بنوا کر لائیں۔

(عازم حج کا نام)

یہ ڈرافٹ دہلی یا بمبئی میں قابلِ ادائیگی ہے۔

زین جی زگون والا

مینجنگ ڈائریکٹر

بمبئی میں گودی کی توسیع

بوچرآئی لینڈ پر جو نئے آئیل برتھ کی تعمیر تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی بدولت گرو ڈ آئیل کی حمل و نقل کی صلاحیت میں ۸۶،۵ ملین ٹن سالانہ کا اضافہ ہوا ہے۔ اس سے اہم یہ حقیقت ہے کہ اس بہاؤ قار پروجکٹ کی تکمیل ملکی ذرائع اور مہارت کے ذریعہ عمل میں آئی، جو کہ ہندوستانی پلانروں، ڈیزائنروں اور انجینئروں کی مہارت اور لگن کا بین ثبوت ہے۔

بمبئی کیلئے علاحدہ ایس ایس سی بورڈ

حکومت مہاراشٹرا نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ بمبئی کے لئے علاحدہ ایس ایس سی بورڈ کا قیام کرے گی۔ اس نئے بورڈ کے ذریعہ پہلا امتحان درجہ دہم اور بارھویں کلاس کے لئے مارچ ۸۶ء میں ہوگا۔

داپولی میں خالدہ اور ریحانہ کی نمایاں کامیابی

یتیمں خانہ اسکول داپولی کی [illegible] خالدہ ابراہیم سرنگ مارچ ۸۴ء میں منعقدہ ایس ایس سی امتحان میں ۸۵ فیصد نمبر حاصل کرکے امتیازی پوزیشن کے ساتھ کامیاب ہوئی ہیں۔ ادارہ اسکول کی طرف سے دیئے جانے والے ۱۰۱/- روپئے کے نقد انعام کی مستحق ٹھہری ہیں۔ مذکورہ اسکول کی ایک اور ذہین طالبہ ریحانہ عباس مجوانے ۸۱ فیصد نمبروں سے کامیاب ہوکر اسکول میں دوم آئی ہیں۔ ان ذہین طالبات نے جو نمبر حاصل کئے ہیں وہ اسکول کی ریکارڈ کی تاریخ میں سب سے زیادہ ہیں۔ اور اس طرح انھوں نے اپنی نمایاں کامیابی سے گذشتہ ۴۴ سالوں کا ریکارڈ توڑ دیا ہے۔

کوکن ایجوکیشنل فنڈ (اسکالرشپ)

علاقہ رائے گڑھ، رتناگری اور سندھودرگ کے کوکنی مسلم طلباء و طالبات جو کہ ہائی اسکول، کالج، پالی ٹکنک اور آئی ٹی آئی میں زیر تعلیم ہیں اطلاع دی جاتی ہے کہ سال گذشتہ کی طرح امسال بھی کوکن ایجوکیشنل فنڈ کویت نے تعلیمی سال کیلئے اسکالرشپ دینا منظور کیا ہے۔ فارم حاصل کرنے کیلئے ضرورت مند طلبہ و طالبات مندرجہ ذیل پتے پر ۵۵ پیسے ڈاک ٹکٹ لگا ہوا ذاتی درج شدہ لفافہ کے ساتھ ۱۵ اگست ۸۴ء تک درخواست پیش کریں۔

(۱) رفیق نیر محمد ساکھرکر مقام پوسٹ ساکھر تر تعلقہ ضلع رتناگری۔
(۲) محمد شریف اسمٰعیل گھٹے مقام مانڈلا پوسٹ بوری تعلقہ مروڈ جنجیرہ، [illegible] ضلع کلابہ۔ (۳) این اے دلوی نسیم منزل پائیدھونی، بمبئی ۴۰۰۰۰۳۔ [illegible] ۴۰۰۰۴۹

مہاڑک یوتھ کلب کی نئی منتظمہ کمیٹی

۲۴ مئی ۱۹۸۴ء کو یوتھ کلب کے صدر جناب عبداللہ خان مہاڑک کی زیر صدارت مہاڑک یوتھ کلب [illegible] کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ سکریٹری جناب عارف مہاڑک نے سالانہ رپورٹ پیش کی۔ سال ۸۵–۸۴ء کے لئے مجلس منتظمہ کا انتخاب حسب ذیل ہے:۔

صدر :۔ محمد خان حاجی اسمٰعیل خان مہاڑک۔
نائب صدر :۔ شارق احمد خان مہاڑک۔
سیکریٹری :۔ حامد عبداللہ خان مہاڑک۔
نائب سیکریٹری :۔ محبوب محی الدین خان مہاڑک
" " :۔ زبیر علی خان مہاڑک۔
خازن :۔ شمیم محمد خان مہاڑک۔
ممبران :۔ علی احمد خان مہاڑک۔ حامد حاجی احمد خان مہاڑک۔
محبوب عبدالرحمٰن خان مہاڑک۔ فاروق علی خان مہاڑک
ظفراللہ حسین خان مہاڑک۔

نائب صدر جمہوریہ کا انتخاب

جناب ایم ہدایت اللہ ساتویں نائب صدر ہیں ان کی مدت ۳۰ اگست کو ختم ہو رہی ہے۔ اگست کے تیسرے ہفتہ میں نئے انتخاب کا امکان ہے۔

نقش نواز

نقشِ کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست شائع کرنے سے نہ صرف آپ قوم وادب کے خیر خواہوں سے واقف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے ــــ لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے۔

لائف ممبر

نام	مقام
جناب ملک حسین (ایم ایم) بخشی	کراچی
″ عثمان عبداللہ پنچی	بمبئی ۱۰
محترمہ فیروزہ عباس پربلکر	پمپلولی
جناب عبدالکریم سچھان	بمبئی ۹
″ محمد جلیل ابراہیم جوگلے	ورسوا بمبئی ۶۱

بیرونِ ہند سالانہ خریدار

نام	مقام
جناب سید عبدالمجید عثمان قاضی	دبرہ دوبئی

سالانہ خریدار

نام	مقام
جناب یوسف احمد مقادم	بمبئی ۹
آزاد گرام وا چنالیہ	سنگمیشور
جناب الطاف احمد بیل	پچپلون
″ ا ے ا ے راجپوتکر	اندھیری بمبئی
مہاراشٹر اردو ہائی اسکول	کرڈی
جناب اخلاق ایچ پرکار	بمبئی ۳
سنسکرت وینکٹیشورا یونیورسٹی	تروپتی آندھرا پردیش
محترمہ نذرانہ احمد راجھوبیلکر	سائی ضلع رتناگری
محترمہ گل بانو نور محمد کھبار دے	بمبئی ۹
ڈاکٹر انصار بیش رام	بمبئی ۵
محترمہ فرزانہ علی ٹھاکور	سنگمیشور راجاپور

مبارکبادی

بیٹی فیروزہ کی چھٹی جماعت سے اوّل درجے کی کامیابی پر پمپلولی اردو اسکول کے اساتذہ کا شکریہ ادا کر کے اپنی بیٹی کے نام بطور مبارکبادی یہ نقشِ کوکن ماہنامہ تاعمر بطور تحفہ پیش کر رہا ہوں۔

عباس اسماعیل پربلکر
سعودی عربیہ

S.S.C. میں کامیابی

پونہ بورڈ کے زیر اہتمام ہونے والے ایس ایس سی کے امتحان میں شرکت کرنے والے ۴۰۹۴۶۸ طلبہ میں سے ۲۱۳۰۶۲ طلبہ کامیاب ہوئے اس طرح سے کل ۵۲٫۴۸ فیصد طلبہ کامیاب ہوئے ہیں۔

بمبئی کے ۵۸٫۶۳ فیصد، پونہ کے ۵۳٫۱۰ فیصد اور کولہاپور کے ۴۹٫۶۷ فیصد طلبہ کامیاب ہوئے ہیں۔

بمبئی کے پارلے تلک ودیالیہ کے سلیل پرتاپ کے ۹۳٫۴۲ فیصد نمبر لے کر اعلیٰ نمبر سے کامیاب ہونیوالے طلبہ کی فہرست میں اول نمبر پر رہے۔

پونہ کی میموریل گرلز ہائی اسکول کی انورادھا ئیبھاتے نے

میرٹ لسٹ میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ میرٹ لسٹ میں تیسرے نمبر پر بمبئی ہی کا طالب علم جاردلیا پر کبھا کر رہا۔ جس نے ۹۲٫۷۱ فیصد نمبر حاصل کئے۔ میرٹ لسٹ میں جس طالب علم نے سب سے کم نمبر حاصل کئے اس کے نمبروں کا فیصد بھی ۹۱٫۷۱ رہا ہے۔

ناگپور ڈویژن کے زیر اہتمام ہونیوالے ایس ایس سی کے امتحان میں ۱۶۹۷۱ طلبہ نے شرکت کی جس میں ۵۳۳۶ طلب کامیاب ہوئے۔ کل ۳۴٫۸۲ فیصد طلبہ کامیاب ہوئے۔

ناگپور کے سولہوار اسکول کے بارہ طلبہ میرٹ لسٹ میں شامل ہیں۔ ان میں سے تین کا تعلق پسماندہ طبقات سے ہے

بیگم عزیزہ داؤد نائیک
گرلز ہائی اسکول — رتناگری

مدرسہ ہٰذا کا ایس ایس سی کا نتیجہ صد فیصد رہا۔ کل ۱۹ کامیاب ہونے والوں میں ۲ نے امتیازی شان حاصل کی تو سات بچے فرسٹ ڈویژن میں آئے، نو نے سیکنڈ ڈویژن پایا۔ اور صرف ایک نے پاس کلاس حاصل کیا۔

مس راجہرہ ساکھرکر نے ۸۴٫۸۵ فیصد نمبر حاصل کر کے اسکول میں اول نمبر پایا۔ — ناصرہ ابراہیم ساکھرکر نے ۸۶٫۴۲ فیصد نمبر پائے۔ اسے دوم قرار دیا گیا — ۱۹۸۱ء میں بھی اس اسکول کا نتیجہ صد فیصد رہا تھا۔

داکھول اردو ہائی اسکول

مدرسہ ہٰذا کا اس سال نتیجہ ۸۳ فیصد لگا۔ پچھلے سال اس ادارہ نے صد فیصد کامیابی حاصل کی تھی۔

جن چار بچوں نے امتیازی شان حاصل کی ان میں اول عبد الحمید ناخدا کو ۸۳٫۴۲ فیصد مارکس ملے۔ محمد حسین عبد اللطیف پنجی نے ۷۰ فیصد اور چھ بچوں نے سیکنڈ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی۔

اوڈشی ہائی اسکول کرجی

۳۸ طلبہ میں سے ۳۶ نے کامیابی حاصل کی نتیجہ ۹۵ فیصد رہا کامیاب ہونے والوں میں ۴ فرسٹ کلاس، ۲۱ سیکنڈ کلاس اور اباقی پاس کلاس میں آئے۔

بہار اشٹر اردو ہائی اسکول کرڈی

پچھلی سات سالہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس سال بھی نتیجہ صد فیصد نکلا۔ ۳۲ طلبہ و طالبات شریک امتحان ہوئے۔ عصمت بانو عبد القادر ساونت نے ۳۴ء۳ ۷ فیصد مارکس حاصل کئے تو عبد القادر رکھا نگے نے ۲۸ء۷۲ فیصد نمبر پائے۔ ۱۵ نے فرسٹ ڈویژن میں، تو ۱۳ سیکنڈ ڈویژن اور ایک پاس کلاس میں کامیاب ہوا۔ پچھلے سات سال سے لگاتار اس ہائی اسکول نے سو فیصدی نتیجہ حاصل کیا ہے۔

فاروق ہائی اسکول جوگیشوری (بوائز)

کل ۸۲ طلبہ شریک امتحان ہوئے اور سبھی کامیابی سے ہمکنار ہوئے نتیجہ صد فیصد رہا۔ ۸ امتیازی درجہ میں ۶۰ درجہ اول میں (جن میں ۱۳ نے ۷۰ فیصد سے زائد مارکس حاصل کئے ہیں۔) اور ۱۴ درجہ دوم میں کامیاب ہوئے ہیں۔ مدرسہ ہذا میں اول نمبر پانے والے خان رئیس احمد عبد الرشید نے ۲۸ء۸۰ فیصد نمبر حاصل کئے ہیں۔ وہ معذور Hadicapped طالب علم ہیں۔ دوم آنے والے کفایت اللہ عنایت اللہ نے ۸۰ فیصد تو سوم نمبر پر آنے والے محمد ذاکر عبد الرزاق نے ۷۵ء۷۷ فیصد نمبر پائے ہیں۔

فاروق ہائی اسکول جوگیشوری (گرلز)

۹۴ طالبات شریک امتحان ہوئیں ۹۷ نے کامیابی حاصل کی، نتیجہ ۹۰ فیصد رہا۔ کامیاب ہونے والوں میں ایک امتیازی درجہ ۲۴ فرسٹ کلاس اور ۵۳ سیکنڈ کلاس میں پاس ہوئیں۔

کوکن مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک
شریوردھن میں افتتاحی تقریب

...کو کوکن بنک کی شریوردھن شاخ کی نئی عمارت میں منتقلی کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ جناب حسین دلوئی (ایم پی) نے افتتاح کرتے ہوئے بنک کی ترقی کو سراہا اور بتایا کہ چھوٹی سی کریڈٹ سوسائٹی سے رتناگری بنک اور پھر کوکن بنک میں اس ادارہ نے تبدیلی و توسیع پائی اور قلیل عرصے میں کوآپریٹیو بنکوں میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ شری رویندر راؤت نے بنک کی ترقی پر مبارک باد دیتے ہوئے یہ امید ظاہر کی کہ بنک صرف لوگوں سے ڈپازٹ حاصل نہیں کرتی رہے گی بلکہ ضرورت مندوں کو قرضہ جات بھی فراہم کرے گی تاکہ پچھڑا ہوا طبقہ مالی اعتبار سے پسماندگی کو دور کر سکے۔

جناب علی ایم شمسی ڈائرکٹر بنک نے ابتداء میں بنک کی تاریخ اور ترقی کا مختصر جائزہ پیش کیا اور مہمان خصوصی کا تعارف کرایا۔ شمسی صاحب نے امید ظاہر کی کہ خطہ کوکن کے دستوں میں دور دور تک بنک پھیل جائیگا اور عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کرے گا۔ بنک کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ایم نے بتایا کہ کوآپریٹیو سکٹر میں بنک کا کیا رول ہوتا ہے۔ بنک اعزازی سیکریٹری جناب اے سی ٹوٹلیکر نے بنک کی کارکردگی پر روشنی ڈالی اور ترقی کا جائزہ پیش کیا۔ جناب ایم جی سرکھوت ڈائرکٹر بنک نے بھی بنک سے متعلق تجربات بیان کئے۔

جناب اے ڈی سادت چیرمن بنک نے اس موقع پر اپنی پرجوش تقریر میں ان عوامل کا ذکر کیا جس کے باعث بنک نے ترقی کی۔ بساونت صاحب نے کہا یہ بنک کوکن کی تاریخ ساز خدمت انجام دے رہا ہے۔ اور امید ہے اس بنک کی جانب سے نئی سہولتوں کے باعث مقامی افراد اور پبلک کے لوگوں کو بڑی سہولت ہوگی۔ آخر میں علی ایم شمسی صاحب نے ایم جی سرکھوت صاحب کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اپنی عمارت بنک کو دی اور کوٹ کے ممتاز تاجر جناب محمد صالح بردڈ کا بھی شکریہ ادا کیا جنھوں نے بنک میں ڈپارٹمنٹ سٹور نے بڑی مدد کی۔ اس کے علاوہ خریدار جو لوگوں اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا کہ جن کے باعث پروگرام کامیاب رہا۔ قومی ترانہ پر اس تقریب کا اختتام ہو گیا۔

جناب علی ایم شمسی کا نیا فون نمبر

کوکن بنک کے ڈائرکٹر، کوکن ... جنرل سکریٹری اور شعبہ ... کے رکن جناب ... ایم شمسی کی رہائش گاہ کا نمبر بدل کر نیا نمبر 398893 ہو گیا ہے۔

از: نوکل بھ دتی
ڈولی ضلع رائے گڑھ

عید

اے کاش ان کی جو دید ہوتی
تو عید اپنی بھی عید ہوتی

نہ دور ہوتے جو وہ شب غم
تو اپنی قسمت میں نیند ہوتی

نہ رند میخانے بند کرتے
جو پاس ان کے کلید ہوتی

جو عید میں وہ بھی ساتھ ہوتے
مسرت اور بھی مزید ہوتی

جو ہاتھ میں ان کا ہاتھ ہوتا
تو تب بل رشک عید ہوتی

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

★ ریوتا، تعلقہ بہانہ کی جانی مانی شخصیت جناب محمد شریف بوگیلکر کے بہنوئی جناب آدم احمد بٹھو بیلکر اگ کے حادثہ کا شکار ہو کر ۹ جون ۸۳ء کو سلمانیہ اسپتال بحرین میں راہی عدم ہو گئے۔ آپ نے پسماندگان میں بیوہ، تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔

★ ۱۲ مئی ۸۳ء کو کیسوموو (مشرقی افریقہ) کے جناب قاسم عبدالغفور پرکار جو اپنے وطن کرجی تعلقہ کھیڈ کے دورہ پر تھے اچانک اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

★ کوکن کے شاعر و ادیب "کرنیں" کے مصنف جناب شاعر ملک کے ساحل محمد یوسف پرڈی (المعروف بابو برڈی) کا ۵ جون کو بانکاوی، تعلقہ بھیونڈی ضلع تھانہ میں انتقال ہوا۔

★ ۱۷ جون ۸۳ء کو اردو اسکول ریلوے تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ کے اسکول ماسٹر محمد صالح داکھوے کے والد محترم جناب عبدالرحمٰن داکھوے کا اچانک وڑولی میں انتقال ہو گیا۔

★ میمن برادری کے ایک ممتاز رکن، بمبئی کی سماجی اور قومی تنظیموں کی ایک فعال شخصیت جناب ایچ ایچ اسماعیل کا پچھلے مہینہ ہانگ کانگ میں حرکت قلب بند ہو کر انتقال ہو گیا۔ ۲۲ جون کو ان کی لاش بمبئی لائی گئی اور مرین لائنس کے بڑے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

جناب ایچ ایچ اسماعیل جن کا پورا نام اسماعیل حاجی ہاشم تھا انڈو عرب سوسائٹی کے قیام سے اب تک نائب صدر تھے۔ آپ بمبئی کے سابق شریف، جمہوریہ ڈومنکن کے تو نصل جنرل اور جمہوریہ ایکواڈور اور لاطینی امریکہ کے سفارتی عملہ کے انچارج رہ چکے ہیں۔ آپ کو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے مختلف ممالک سے اعزازی خطابات اور تحائف دیئے گئے ہیں۔ ۴۲ء میں "انگریزو بھارت چھوڑو" کی بجو دران تحریک میں آپ نے اریلی (گجرات) کی اپنی زمین بطور عطیہ دی تھی۔

★ میمن مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک بمبئی کے ڈپٹی جنرل منیجر جناب ابراہیم اسماعیل پرکار صاحب کے بھائی کا مورخہ ۲۳ جون ۸۳ء کو ان کے وطن کھردی ضلع رتناگری میں بعمر ۷۵ سال انتقال ہو گیا۔

★ خالدہ اسماعیل خطیب $\frac{۵۲۴}{۷۰۰}$
متوطن گروں کوٹ چپلون — ۷۴ فیصد

★ جلال الدین حاجی احمد پکلا $\frac{۳۷۱}{۷۰۰}$
متوطن فردوس کھیڈ — 53 فیصد

★ غوث علی حسام الدین تیلیسکر
متوطن تبیسے کھیڈ — 54%

★ ارشاد عبدالرزاق مالم انجمن ڈسوزا ہائی اسکول — ۶۴ فیصد

گولڈن ٹیمپل میں فوجی کارروائی سے ساری سکھ قوم دنیا کے کونے کونے میں احتجاج کر رہی ہے.
چند ایک سکھ ایم پی مستعفی ہو گئے، سکھ فوجی جوان باغی بن گئے اور مشہور مصنف خشونت سنگھ نے پدم بھوشن کا اعزاز لوٹا دیا
سبھی جانتے ہیں اور یہ ثابت بھی ہو چکا ہے کہ گولڈن ٹیمپل میں انتہا پسندوں نے پناہ لے رکھی تھی.
وہاں دہشت پسندوں کا گروہ پناہ گزین تھا انھیں وہاں سے صاف کر دیا گیا
اس فوجی کارروائی کو دوسرا نام کسی نے نہ دیا جیسا کہ بے حرمتی کی نہ کسی دوسری طرح سمجھا گیا

حالیہ فساد کے دوران بمبئی، بھیونڈی، تھانہ شہر کے علاقوں میں کم و بیش ۲۵ تا ۳۰ مساجد تباہ کی گئیں
سکھوں کیلئے گولڈن ٹیمپل جتنا عزیز و مقدس ہے مسلمانوں کے لئے اتنی عزیز ہے ہر مسجد.
ان مساجد میں نہ کوئی دہشت پسند گروہ پناہ گزین تھا نہ وہاں ہتھیار اور گولہ بارود تھا.
پھر بھی وہ مساجد تباہ کی گئیں اور نہ جانے اب تک کتنی مساجد فسادات کے دوران تباہ کی گئیں

عام لوگوں کا خیال ہے کہ جس طرح کچھ سکھ مستعفی ہوئے یا خشونت سنگھ نے پدم بھوشن واپس کر دیا،
اسی طرح مسلم منسٹروں کو چاہئے تھا کہ اپنی وزارت سے استعفیٰ دے دیتے
اگر کوئی مسلم وزیر مستعفی ہو جاتا تو مسلم دشمنی کی مزید فضا تیار ہو جاتی.
انھیں غدار، ملک دشمن، پاکستان کے جاسوس اور نہ جانے کن کن خطابات سے نوازا جاتا.
اور ان کے استعفیٰ دینے کی صورت میں دوسرے مسلم ایم ایل اے اور ایم پی منسٹری کیلئے بے تاب تھے.
جی ہاں، صرف اسی قوم میں یہ بے غیرتی اور ملت فروشی پائی جاتی ہے
چند ایک مسلم ایم ایل اے نے وسنت دادا کو بے قصور ہونے کا سرٹیفکیٹ اسی لئے دیا تھا
کہ اگر کوئی مسلم منسٹر مستعفی ہو جائے تو ایک کرسی پکڑی جائے
ویسے ہر مسلم منسٹر کو ملت یا قوم سے زیادہ کرسی عزیز ہے. اس لئے ان سے کرسی چھوڑنے کی امید رکھنا فضول ہے.
البتہ وہ کم از کم مورچوں کے ذریعے، دستخطی مہم کے ذریعے حکومتی ایوان ہلا سکتے تھے.
(ہمارے یہاں لبنان کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف موریچے نکلتے ہیں اور ریزولیشن پاس ہوتے ہیں)

ہماری ملت فروشی، ایمان فروشی اور بے حسی کے باعث یہ قوم اب محفوظ نہیں ہے.
خصوصاً بمبئی، اب پہلے جیسی کبھی نہیں رہے گی. ایسی ایسی بدترین فرقہ پرستی کا مرکز بن جائے گی.
جس کی مثال گجرات میں بھی نہیں ملتی. اس لیے کہ بھیونڈی کی یہ بمبئی اب بمبئی بن چکی ہے.
اور ہماری بے حسی اور جہالت کی بنا پر ہمارے قاتل آزاد اور بے لگام گھوم رہے ہیں،
افسوس!

اسی لئے آج یہ عید ہماری قوم کے کئی بھائی بہنوں اور بچوں پر محرم گزرے گی.
وہ بے بس اور بے گناہ انسان یوم عید نہیں بلکہ یوم عاشورہ منائیں گے

مبارک کاپڈی

नक्शे कोकण मासिक • NAQSHE KOKAN

M. M. Bakhshi

Anwar Bangi

Zakira Rawoot
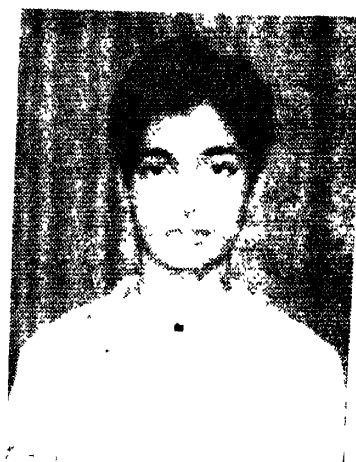
Amjad Shahbazkar

Late Nazimali Bawa

اجراء: سنہ ۱۹۶۳ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انڈین لینگویجز نیوز پیپرس ایسوسی ایشن - بمبئی

جلد نمبر ۲۳ / اگست ۸۲ء / شمارہ نمبر ۸

ایڈیٹر و پبلشر: ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر: ایس اے رحیم قیصر

قیمت:- فی پرچہ :- ۲/۵۰ روپے
سالانہ خریداری :- ۲۵ روپے
تاعمر خریداری :- ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ : ۵۰/۱۰۰ روپے
" " " تاعمر : ۱۲۵۰ روپے

مقام اشاعت: ۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

مقام طباعت: اجمل پریس بمبئی ۳

ملکیت: نقش کوکن پبلی کیشنز ٹرسٹ (E 3006)

فون: 865384/861572

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:
۴۴ جیل روڈ ایسٹ، ڈونگری بمبئی ۹

تمام متنازعہ امور میں
حق سماعت عدالت ہائے بمبئی کو ہوگا۔

تاریخ اشاعت: یکم اگست ۸۲ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس ماہ کے نقوش

★ ماذا ینفق الموسرون

مقدور والوں کو کیسا کرنا چاہیے؟

۲- وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝

النساء ۳۶-۳۷

اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو (لونڈی غلام) تمہارے قبضہ میں ہیں ان (سب) کے ساتھ سلوک کرتے رہو۔ اللہ ان لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں۔ آپ بخل کریں اور (دوسرے) لوگوں کو بھی بخل کرنے کی صلاح دیں۔ اور اللہ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دے رکھا ہے اس کو چھپائیں۔ اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو (ہماری نعمتوں کی) ناشکری کریں ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

★

یہ خصوصی پیش کش جناب اے ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

"

★ ہم دیگر بینکوں کی بہ نسبت ایک فیصد زیادہ نفع دیتے ہیں۔

★ یہ بینک ۶۰ ماہی مدت یا اس سے زیادہ مدّت کے لئے مستقل جمع کھاتوں پر سالانہ ۱۲ فیصد اور بچت بینک پر سالانہ ۶ فیصد سود دیتا ہے۔

★ یہ بینک بامبے بینکرس کلیئرنگ ہاؤس کا براہِ راست ممبر ہے۔

★ اس بینک کے پاس کمزور طبقات کے لئے بہت سی اسکیمیں ہیں نیز یہ بینک آپ کو خانگی ضروریات کا سامان خریدنے کے لئے بسہولت ادائیگی کی شرائط پر آپ کی مدد کرتا ہے۔

اے۔ ڈی۔ ساونت
چیئرمن

اے۔ کے۔ موٹلیکر
اعزازی سکریٹری

"

THE KOKAN MERCANTILE CO-OPERATIVE BANK LTD.

धी कोकण मर्कन्टाईल को ऑपरेटिव्ह बँक लि

Regd. Office: Harbour Crest, Mazagaon T.T. Bombay 400 010
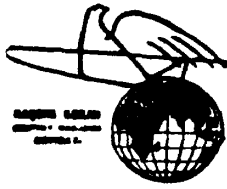
BOMBAY BRANCHES: CENTRAL OFFICE • MANDVI • REAY ROAD
RATNAGIRI BRANCH • CHIPLUN BRANCH • SHRIVARDHAN BRANCH

Prop. : KADER SETH
MOTOR RADIATOR
K. A. WELDING & REPAIRING WORKS.
ہمارے یہاں ہر قسم کے المونیم اور گیس الیکٹرک ویلڈنگ اور موٹر
ریڈیئیٹر کا کام نہایت اچھے کاریگروں کی زیر نگرانی ہوتا ہے نیز موٹر
کے نئے ریڈیئیٹر کور ٹرک، کار، بسیں، ٹریکٹر، بلڈوزر، ارتھ موور،
کرین، جنریٹر اور دیگر انجنوں کے نئے ریڈیئیٹر کور سپلائی کئے جاتے ہیں۔
مالک، عبدالقادر پاؤسکر
کے اے ویلڈنگ اینڈ ریپیئرنگ ورکس
فون
آفس : ۸۶۳۰۶۹
ورکشاپ : ۸۶۳۲۰۱
رہائش گاہ : ۳۷۶۹۶۷
ٹرانس ورلڈ ٹریڈ فیئر سروس ایوارڈ
دہلی کا انعام یافتہ

فرقہ وارانہ فسادات بند کرانے کے طریقے

طبعاً انسان امن پسند واقع ہوا ہے. وہ محنت مزدوری کرنا، اور بال بچوں کے ساتھ محبت، امن اور سکون کی زندگی گذارنا چاہتا ہے. زندگی کی چہل پہل، سبزوں کی رونق اور بازاروں کی چمک دمک اسی سے ہے. لیکن ان امن پسند شہریوں پر کبھی کبھی فرقہ وارانہ فسادات کی مصیبت نازل ہوجاتی ہے، اور دیکھتے ہی دیکھتے زندگی کا سکون درہم برہم ہوجاتا ہے. زندگی بھر کا اندوختہ دفعتاً برباد ہوجاتا ہے. کتنے تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں. جو بچ جاتے ہیں وہ پناہ لینے کے لئے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے لگتے ہیں. گھر اُجڑا، مال لٹا، جانیں گنوائیں. اور یہ سب کچھ اچانک ہوگیا. فساد بلائے ناگہانی کے طور پر ٹوٹ پڑا.

یہ فسادی کہیں باہر کے حملہ آور نہیں ہوتے بلکہ ان کے پڑوسی ہی ہوتے ہیں یا محلے والے، جن کے ساتھ دن رات ان کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا ہے.

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک حل طلب سوال ہے پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فسادات خود بخود ہوجاتے ہیں یا کرائے جاتے ہیں؟ یعنی کوئی دوسری طاقت انھیں یہ مذموم حرکت کرنے پر اکساتی ہے. ان باتوں پر غور کرنے کا ضرورت ہے حکمراں طبقے کو نہیں بلکہ ہمیں جو فسادات کا شکار ہوتے ہیں.

انسانی آبادی میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں. تجارت پیشہ، ملازمت پیشہ، صناع و دستکار وغیرہ. یہ وہ لوگ ہیں جو پشتہا پشت سے یہ کام کرتے چلے آرہے ہیں.

لیکن دوسرا طبقہ وہ ہے جن کو ان کاروبار سے کوئی دلچسپی نہیں. اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان پر معاش کے دروازے بند ہیں. ان پر بھی معاش کے دروازے اسی طرح کھلے ہیں جیسے دوسروں پر. مگر وہ کاروبار اور محنت مزدوری کرنے بجائے اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ کمانے اور محنت کرنے کے علاوہ کسی اور طریقے سے یہ مال ان کے ہاتھ لگ جائے، اور وہ طریقہ ہے لوٹ مار کا، ان میں یہ عادت پشتہا پشت سے چلی آرہی ہے. ان میں یہ ذہنیت یا تو اپنی مفلسی، غریبی اور گھر کا ناگفتہ بہ حال دیکھ کر پیدا ہوتی ہے یا تخریب پسند اور خود غرض لیڈروں کے بہکانے سے. وہ محنت اور مزدوری کرنے والے تاجروں، دستکاروں اور ملازمت کرنے والوں کو بُرا کہنے لگتے ہیں اور اس خام خیالی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ اگر یہ تاجر، دستکار اور ملازمت پیشہ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگ جائیں تو ہم ان کی جگہ سنبھال لیں گے اور کامیابی سے یہ کاروبار چلانے لگیں گے. ان کو یہ معلوم نہیں کہ ہر کام کے لئے ایک مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ایک دو دنوں میں

نہیں بلکہ سالہا سال کی محنت سے حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات پشتہا پشت کے تجربے سے۔

ان کے گمراہ کن لیڈر یہی بات ان کے ذہن سے اوجھل رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم یہاں کئی صدیوں سے رہتے ہو مگر تمہاری حالت قابلِ رحم ہے، اور لوگ باہر سے آکر تجارت، صنعت اور ملازمت پہ چھا گئے ہیں۔ لہٰذا ان کو بھگا دو۔ یہ جگہ تم کو مل جائے گی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے تم تاجر، دستکار اور ملازم بن جاؤ گے۔ بس یہ لوگ آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ ہاتھ میں مٹی کے تیل یا پٹرول کے ڈبے لے کر آگ لگانے نکل جاتے ہیں۔ جس سے فرقہ وارانہ فساد برپا ہو جاتا ہے۔ خدا خدا کرکے یہ قیامت خیز تباہیاں برپا ہونے کے بعد ختم ہوتا ہے۔ تب بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتے۔ بلکہ اور بیروزگار اور خستہ حال ہو جاتے ہیں۔ جو چھوٹے موٹے کاموں پہ لگے ہوئے تھے، جن سے ان کے گھر کا خرچ چلتا تھا وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مآل کار فسادات برپا کرنے کے بعد بھی وہ پہلے کی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں۔

ان حالات میں فسادات کے سدِباب کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ان بدحال لوگوں کی غلط رہنمائی کرنے کی بجائے ان کی صحیح رہنمائی کی جائے۔ ان کو تجارت، دستکاری اور ملازمت وغیرہ کی تربیت دی جائے اور اداروں میں ان کاموں کا ملکہ پیدا کیا جائے۔ پھر یہ فرقہ وارانہ فسادات خودبخود بند ہو جائیں گے۔

اعلان

ماہنامہ نقشِ کوکن کے تمام قلمکاروں کو معلوم ہو کہ وہ مضمون یا مراسلہ جس میں کسی مذہب کے عقیدے یا مسلک پہ اعتراض ہوگا، ناقابلِ اشاعت سمجھا جائے گا۔

(ایڈیٹر)

کیا کیا ہو سکتا ہے

شفق کھانی

بھٹکت لغزشیں ہو جائیں تو فرقہ ہو سکتا ہے
مسجد مندر گرودوارے میں جھگڑا ہو سکتا ہے
مخلص وہ قسمت سے بالکل نیک بندہ ہو سکتا ہے
جس کا بھاشن سن کر شہر میں دنگا ہو سکتا ہے
دیکھو انسانوں کے خون سے گلیاں سب لت پت ہیں
پھر بھی تیرے راج کا جھنڈا اونچا ہو سکتا ہے
خود ہی نگہباں مجرم ہوں تو قانون و انصاف کہاں
یعنی اب سرکاری سکہ کھوٹا ہو سکتا ہے
جمہوری اقتدار کی عظمت کون ہمیں سمجھائے
کوئی عرف اردو سا قائد پیدا ہو سکتا ہے
حق پہ مر کر صبر آسے دل رونے سے کیا حاصل
صبر کا پھل انجام بخیر تک میٹھا ہو سکتا ہے
اس نسخہ کو آپ ہی سمجھیں بے شک ہوتی ہوں فرمائیں
تعویذوں کا پانی پی لو بچہ پیدا ہو سکتا ہے
ہم کو شرف داڑھی والوں سے بہتر نہیں پھر بھی
داڑھی والا شاید ہی تو جھوٹا ہو سکتا ہے

★ ★ ★

ہماری تعلیم کا معیار

معین الدین ٹھاکر اورن
ضلع رائے گڑھ

مادھیمی کی اشاعت میں صنعت و حرفت سے متعلق جو مضمون شائع ہوا تھا اس میں بھی اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ ہماری پس ماندگی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے اکثر طلبہ صرف ایس ایس سی پاس ہونے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ حالانکہ سائنس ہی جیسی امتحانوں میں زیادہ اچھے نمبر حاصل کرنا بھی کافی اہمیت رکھتا ہے۔

جب تک ہمارے طلبہ اعلیٰ سطح پر ٹیکنیکل تعلیم نہیں حاصل کریں گے تو ہمارے لئے دوسرے شعبوں میں ترقی کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن بھی ہے۔ یہ اسکول کے اساتذہ طلبہ و طالبات، والدین اور منتظمین کا فرض ہے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کریں اور توجہ دیں۔ ٹیکنیکل تعلیم کے حاصل کرنے پر زور دیں۔

موجودہ حالات میں صرف پیسہ ہی اس کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔ کافی وقت گزر چکا ہے اور اب ہمیں اس بارے میں زیادہ سنجیدگی سے سوچنا ضروری ہے۔ اس سمت میں حکومت کو بھی کوئی ٹھوس قدم اٹھانا چاہیئے۔ معتبر ذرائع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت بھی اب اس بارے میں سوچ رہی ہے۔ کوئی تعجب نہیں۔ اگر سیکنڈری اسکولوں کے نصاب میں رد و بدل ہو جائے (یہ خوشی کی بات ہے کہ جناب مبارک کاپڑی صاحب نے اس جانب قدم بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ جیسے کہ ایجوکیشنل گائیڈنس کے ذریعہ انھوں نے کافی حد تک اس بارے میں معلومات ضرورت مندوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اب ہر سکنڈری اسکول کے اساتذہ کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی ان معلومات سے استفادہ حاصل کریں۔ اور ساتویں کلاس سے ہی بچوں کو ٹیکنیکل کورس لینے کے لئے ایک سمجھے ہوئے رہبر کی طرح ان کی رہنمائی کریں۔)

اس مسئلہ پر کافی غور و خوض کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری آئندہ نسل کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کرنے ضروری ہیں۔ جن میں سے کچھ اقدامات حکومت کو بھی کرنے ہوں گے۔

(۱) تعلیم کی درسی کتابیں ضروریات کو مدنظر رکھ کر (NEED-BASED) ہونی چاہیئے تاکہ پہلے سے ہی بچوں کا رجحان ٹیکنیکل اور صنعت و حرفت کی طرف مائل ہو۔

(۲) درسی کتابوں میں سیکولرزم کے فوائد دکھائے جائیں۔ اس کے علاوہ ہر مذہب کی معلومات ہر زبان کی درسی کتابوں میں دی جائیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں مذہبی تعصب کم ہو۔

(۳) مہاراشٹر کے لوگ زیادہ تر نوکری کی حد تک ہی سوچتے ہیں۔ ان میں صنعت و حرفت کا مادہ بہ نسبت بنیا، مارواڑی، پارسی و پنجابی لوگوں کے کم پایا جاتا ہے۔ اس لئے درسی کتابوں کا نصاب اس طرح بنایا جائے کہ وہ اس پرانے ماحول کو بدلنے میں مددگار ثابت ہو۔ ان کتابوں میں قسم قسم کی مشینوں پر معلومات دی جانے — جیسے

لیتھو مشین، کٹنگ مشین، ڈریلنگ مشین، پائپ بینڈنگ، مولڈنگ، وپاور پریس وغیرہ کی تصاویر دی جائیں اور ساتھ ہی ان کے متعلق مختصر معلومات بھی دی جائیں۔ جس سے بچوں میں خود بخود اس کا رجحان بڑھے گا۔ اور وہ اس بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے علاوہ وہ ہماری پس ماندگی اور تعلقات کی کمی کو دور کرنے کے لئے چند اور اقدامات کرنے بھی ضروری ہیں۔

بفضل تعالیٰ کوکن (اضلاع رائے گڑھ، رتناگری، سندھو درگ اور تھانہ) میں اردو میڈیم سیکنڈری اسکولوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ مگر ان اسکولوں میں اچھی لائبریریاں، کھیل کود، اتھیلیٹک، PHYSICAL EDUCATION، سمینار کا تسلی بخش انتظام نہیں ہے۔ ماسوا اس کے، اسکولوں کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں ہے جس سے ایک اسکول کے بچے دوسرے اسکول کے بچوں سے الگ تھلگ ہو جاتے ہیں۔ ایکدوسرے سے ملنے اور میل جول کو قائم رکھنے کے کافی فوائد ہیں۔ جن کا تذکرہ یہاں پر ضروری نہیں لیکن ہمیں ان خامیوں کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔

میں اس سلسلے میں کچھ تجویزیں قارئین کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ لیکن یہ التجا بھی ہے کہ آپ میں سے کچھ حضرات اس جانب ضرور قدم بڑھائیں اور ان خامیوں کو دور کرنے کی حتی الامکان کوشش کریں جس سے ہمیں نہ سہی ہماری آئندہ نسلوں کو ضرور فائدہ پہونچے گا۔ اس میں ہر اسکول کے منتظمین، اساتذہ وطلبہ کے تعاون و محنت کی ضرورت ہے۔

۱) ہر اسکول میں EXTRA-CURRICULAR ACTIVITIES شروع کرنا ضروری ہے۔ مثلاً لائبریری، سمینار، تقریری مقابلے، بچوں کی پارلیمنٹ، وجسمانی ورزش وغیرہ — اور ہر شعبے کے لئے ایک الگ کمیٹی بنائی جائے۔

۲) ہر ضلع کے سیکنڈری اسکولوں کی ایک فیڈریشن بنائی جائے جس میں ہر اسکول کے دو نمائندے ہوں، جس میں سے ایک کا تعلق انتظامیہ سے ہو۔ اور دوسرا اساتذہ کا ہو۔

۳) اس کمیٹی کی سال میں کم از کم ۳ میٹنگیں ہوں اور یہ بھی الگ الگ جگہوں پر ہوں تاکہ Rotation جاری رہے۔

۴) اس فیڈریشن کے کام حسب ذیل ہوں:

(الف) ضلع کی سطح پر سیمنار و دیگر مقابلوں وغیرہ کا باری باری بندوبست کرنا۔

(ب) ضلعی سطح پر اتھیلیٹکس و کھیل کود کے پروگرام منعقد کرنا۔

(ج) اسکول کے اساتذہ کا انتخاب

(د) ساتویں سے نویں جماعت تک امتحان کے پرچے ایک سینٹرل بورڈ نکالے۔

(ہ) اگر بجٹ اجازت دے تو ایک سپروائزر کا انتخاب کیا جائے جو ہر ٹرم میں سبھی اسکولوں میں جائے اور ان کی رہنمائی کرے جس اسکول کی تعلیم کمزور ہو اس اسکول پر وہ زیادہ توجہ دے۔

ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں اور کارکنوں سے مودبانہ التماس ہے کہ جیسے بھی ہو کچھ اساتذہ یا سوشیل ورکر آگے بڑھیں اور اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کی جلد کوشش کریں۔ ایکدن یہی خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر ہماری قوم کی پس ماندگی کو دور کرنے میں کافی حد تک فائدہ مند ثابت ہوگا۔

مراسلہ نگار

اپنے خطوط یا مراسلات مدیر نقشِ کوکن کے نام لکھیں۔
ہر کالم کیلئے علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھیں۔ ایک ہی کاغذ پر مراسلہ، خط، سوالات وغیرہ لکھنے کی صورت میں اشاعت کسی ایک حصہ میں آئے گی

شذرات

چودہ سو سالہ جشن

چند سال پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چودہ سو سالہ جشن منایا گیا۔ پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور اب ملک کے طول و عرض میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا چودہ سو سالہ جشن منایا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں چودھویں صدی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ غالباً اس صدی میں خدا کی نئی تقدیر کا ظہور ہوتا ہے۔ بدی پر نیکی کے غلبے کا سامان پیدا کیا جاتا ہے۔ اور زمانہ برائیوں کے دور سے نکل کر نیکیوں کے دور میں داخل ہوتا ہے۔ آج کل اس کا ثبوت انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں ملتا ہے۔ ہر قوم نشأۃ ثانیہ کے دور سے گزر رہی ہے۔ ہر طرف احیائی تحریکات کام کر رہی ہیں۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر قوم ایک نئے اور شاندار مستقبل کی تلاش میں نکل پڑی ہے۔ مذہبی اور دھارمک ادارے تو اس راہ پر رواں دواں ہیں ہی۔ یو۔ این۔ او اور اس کی ذیلی شاخیں بھی فساد، تخریب کاری، غربت، جہالت اور بیماری وغیرہ کے خلاف اقدامات کر رہی ہیں۔ اس طرح شیطان اور اس کی ذریت کو چاروں طرف سے محاصرے میں لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کو اسلامی اصطلاح میں انتشار روحانیت کا زمانہ بھی کہتے ہیں۔ جو لوگ اپنے عمل و کردار میں نیک تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں ان پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علیؓ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی روحانیت اثر انداز ہو رہی ہے۔

پناہ گزینوں کی نئی نئی اقسام

ابھی تک ہم یہی سنتے چلے آ رہے تھے کہ جو جنگ، فرقہ وارانہ فسادات اور آفتِ ارضی و سماوی، جیسے سیلاب، زلزلہ اور خشک سالی وغیرہ کے شکار ہوتے ہیں، اور پناہ کی تلاش میں دوسری جگہ چلے جاتے ہیں انھیں کو پناہ گزین کہتے ہیں۔ مگر اب پناہ گزینوں کی نئی اقسام بھی پیدا ہو گئی ہیں۔ بے پردہ عورتیں، شراب خوار اور قمار باز مرد جو محض اس نیت سے اپنا ملک چھوڑ کر چلے جاتے ہیں کہ دوسرے ملک میں آزادی سے اپنی بیویوں کو بے پردہ رکھیں گے، شراب پئیں گے اور جوئے کھیلیں گے۔ اب یہ لوگ پناہ گزین کہلاتے ہیں۔ چنانچہ ایک خبر یہ ہے کہ سعودی عرب کے تیس ہزار مرد محض اس لئے مصر میں پناہ گزین ہیں کہ وہاں وہ اپنی بیویوں کے ساتھ بے پردگی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

یہ تو ایک خبر ہوئی۔ اب ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ قاتلوں، خونیوں، ڈاکوؤں، چوروں، اچکوں، شرابیوں، جوئے بازوں اور دوسرے جرائم پیشہ لوگوں کے متعلق بھی یہی خبریں آئیں گی۔ یہ لوگ بھی اپنے اپنے ہم پیشہ پناہ گزینوں کے کیمپ میں ہوں گے۔ اور دن بدن پناہ گزینوں کے اقسام میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

اطراف سے بے شمار لوگ امرت سر میں اس میلے میں شرکت کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو کرنی تھی۔ لیکن آپ جیل میں تھے۔ لہٰذا اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر گربخش رائے نے کی لیکن آپ نے علامتی صدارت پہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی تصویر رکھ دی۔

یہ جلسہ شام کو ۴ بجے منعقد ہوا تھا۔ جب صدر صاحب اسٹیج پر پہونچے تو آزادی کے متوالوں نے فلک شگاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اسی اثنا میں جلسہ گاہ پر سے ایک ہوائی جہاز نے پرواز کی۔ ابھی صدر صاحب چند کلمات ہی ادا کئے تھے کہ جنرل ڈائر مع اپنی فوج کے پہنچ گیا اور اس ظالم جنرل نے بلا کسی وارننگ کے صدر جلسہ پر گولی چلا دی۔ گولی صدر کے کان کے پاس سے سنسناتی ہوئی نکل گئی۔ لوگوں نے اس گولی کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ دوسرے ہی لمحہ جنرل ڈائر نے اپنی فوج کو جو کہ جلیانوالا باغ کو اپنے گھیرے میں لئے کھڑی تھی فائرنگ کا حکم دے دیا۔ اس حکم کی پہلی ہی باڑھ میں بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے اب تو جنرل ڈائر نے جیسے قتل عام شروع کر دیا۔ آزادی کے متوالے یکے بعد دیگرے شہید ہونے لگے۔ ہر طرف قیامت صغریٰ کا منظر تھا لوگ ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے آسمان کا سینہ چاک ہو گیا۔ ہر طرف موت کا سناٹا تھا۔ لیکن آزادی کے متوالوں کا خواب رائیگاں نہیں گیا۔ بلکہ اس خون سے آزادی کی لو تھرتھرا کر روشن ہونا شروع ہو گئی۔ اور بالآخر اس کی جگمگاہٹ سے سارا ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔

جلیانوالا باغ کے اندر آج بھی گولیوں کے نشانات انگریزوں کے ظلم و تشدد کی کہانی سناتے دیکھے جا سکتے ہیں، اور ہر سال لاکھوں ہندوستانی جلیانوالا باغ کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

پنجاب میں دہشت گردی

پنجاب میں دہشت گردی کا سلسلہ جاری ہے۔ بلکہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ روزانہ کسی نہ کسی علاقے سے قتل و خونریزی کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ ابتدا میں جب پنجاب میں حکومت ہند کے خلاف تحریک چلی تھی تو اس وقت سکھوں کا مطالبہ تھا کہ آئین ہند سے دفعہ ۲۵ حذف کی جائے جس کی رو سے سکھوں کو ہندو قوم قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے اس دفعہ کو جلانے کی ایک مہم بھی شروع ہوئی۔ سردار پرکاش سنگھ بادل سابق وزیر اعلیٰ پنجاب خود ٹرک ڈرائیور کا بھیس بدل کر دہلی آئے اور یہاں گردوارے کے آگے وہ دفعہ جلائی اور گرفتار ہوئے۔ اس کے ساتھ یہ اعلان بھی ہوا کہ اس دفعہ کی لاکھوں کاپیاں چھپوائی گئی ہیں جو ہر پیسر کو گردواروں کے آگے جلائی جائیں گی۔ اس اعلان پر آج کل عمل ہوتا ہے یا نہیں۔ اس کا اخبار، ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ آج کل اگر خبر آتی ہے تو صرف یہ کہ آج فلاں کو گولی ماری گئی اور کل فلاں کو۔ یہ تحریک پُر امن ستیہ گرہ کی شکل اختیار نہ کر سکی۔ بلکہ تشدد کی شکل اختیار کر گئی۔ اور ایسا تشدد کہ بظاہر تشدد پسندی ہی اصل مقصد بن گئی۔ اور اصل مطالبے کی حیثیت ثانوی ہو گئی۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ قتل و خونریزی کے شور و غوغا میں وہ آواز بالکل دب کر رہ گئی۔

آج کل اخبار میں یہ تو پڑھتے ہیں کہ فلاں فلاں جگہ تشدد کی واردات ہوئیں۔ مگر کیوں ہوئیں۔ اس کا کچھ ذکر نہیں ملتا۔ نہ اخبار والے لکھتے ہیں نہ حکومت یا پولیس کچھ بتاتی ہے نہ سنت لونگوال نہ سنت جرنیل سنگھ بھنڈراں والے کہتے ہیں کہ آخر یہ خون خرابہ کیوں ہو رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آہستہ آہستہ یہ بات لوگوں کے ذہن نشین ہوتی جا رہی ہے کہ پنجاب میں دہشت پسندوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جس کا کام دہشت پسندی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کے پس پشت کوئی قومی مقصد کارفرما نہیں۔ یہ صورت حال جو پیدا ہو گئی ہے سکھوں کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ ان کے مطالبات بالکل مشتبہ ہو گئے ہیں۔ اور جو شر پسند عناصر ہیں ان کی بھی بن آئی ہے۔ کتنے تو اسی بہانے پرانی دشمنی کا بدلہ لیتے ہوں گے۔ کتنے محض لوٹ مار کی غرض سے یہ حرکت کرتے ہوں گے۔ سکھوں کے قومی رہنماؤں اور سیاست دانوں کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ اگر یہ تحریک اسی طرح ستیہ گرہ کی شکل میں چلتی رہتی جیسے مہاتما گاندھی جی نے ہندوستان کی آزادی کے لئے ستیہ گرہ کی تھی تو سکھوں کے مطالبات پر قوم کو غور کرنے کا موقع ملتا۔ اور سکھوں کے ساتھ ان کی ہمدردی بڑھتی جاتی

اس وقت تو یہ حال ہے کہ سکھ ستیہ گرہی کے طور پر نہیں بلکہ ایک دہشت پسند گروہ کے طور پر ابھرے ہیں۔ جو نہ اپنا مقصد بتاتے ہیں نہ مطالبات پیش کرتے ہیں۔ اگر سردار پرکاش سنگھ بادل کی طرح صرف دفعہ ۲۵ کے جلانے پر اکتفا کرتے تو سکھوں کے لئے زیادہ مفید ہوتا۔

نقشِ کوکن

کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں بلکہ وقف (TRUST) کی امانت ہے۔ اس کی تمام تر آمدنی نقشِ کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کے نام وقف ہے۔ اس کی آمدنی کا اولین مصرف پرچہ کو بہتر بنانا اور اس کے بعد حسب گنجائش علمی و ادبی تحریکات کی ہمت افزائی کرنا ہے۔ (ادارہ)

مترجم: شرف الدین شیخ ایم اے، بی ایڈ

مدرسین کی فلاح وبہبودی

دی بمبئی ہیڈ ماسٹرس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام منعقدہ سالانہ تعلیمی کانفرنس میں محترم ابراہیم خان طالب، پرنسپل مارزق ستار عمر بھائی ہائی اسکول برائے طلبہ، جوگیشوری، بمبئی نے مندرجہ ذیل مقالہ انگریزی میں پیش کیا۔ اس مقالے کے چیدہ چیدہ حصوں کا ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

آج میرا موضوع بحث معاشی اعتبار سے اساتذہ کی فلاح وبہبودی ہے۔ مدرسین کی فلاح وبہبودی کے مختلف پہلو ہیں۔ لیکن میں اپنے مقالہ میں اساتذہ کی معاشی حالت کو خوشگوار بنانے کے لئے چند اہم تجاویز پیش کر رہا ہوں۔

معاشی آسودگی اور خوش حالی اساتذہ میں خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ اساتذہ اپنے فرائض بخوبی انجام دیتے ہیں۔ اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ مدرسین دو اہم چیزوں کے متمنی ہیں۔ ایک چیز ان کے ساتھ اچھا سلوک۔ دوسری معقول تنخواہ۔

حکومت مہاراشٹر نے سنہ ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۹ء اور سنہ ۱۹۶۴ء میں اساتذہ کی تنخواہوں پر نظر ثانی کرنے کے لئے پے کمیشن مقرر کئے تھے۔ جنھوں نے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کرنے کی سفارشات پیش کی تھیں۔ کوٹھاری کمیشن نے اساتذہ کی معاشی حالت کی اصلاح کے متعلق اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ سنہ ۱۹۶۰ء سے اساتذہ کی تنخواہ میں سدھار ہوا ہے۔ لیکن شب وروز کی بڑھتی ہوئی مہنگائی کو مدنظر رکھ کر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس ہوشربا گرانی نے اساتذہ کی معاشی اور اقتصادی حالت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ کمیشن نے یہ بھی مشورہ دیا کہ اس وقت اس بات کی خاص طور پر ضرورت ہے کہ اسکول میں پڑھانے والے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا جائے۔

ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مدرسین کو مستقبل میں ملک کی ترقی میں ایک اہم رول ادا کرنا ہے۔ اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ مدرسین نہ صرف اپنے حقوق منوانے کے لئے جدوجہد کریں بلکہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کا بھی احساس کریں۔ ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تعلیمی لیاقت اور مرتبہ کے مطابق اساتذہ کی تنخواہ ہونی چاہئے۔ جب ہم اساتذہ کی تنخواہوں کا موازنہ دوسرے محکموں میں کام کرنے والے دوسرے ملازمین سے کرتے ہیں تو ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اسکول ٹیچرس کو مناسب و معقول تنخواہیں نہیں دی جاتیں۔

نوٹ :- اساتذہ کو تنخواہیں ان کی تعلیمی لیاقت
کو مد نظر رکھ کر نہیں دی جاتیں جس کے لئے مندرجہ ذیل مثالیں
پیش کی جا رہی ہیں :-

سیکنڈری اسکول کے پرنسپل کی تنخواہ کا اسکیل
۷۵۰ روپئے سے ۱۱۵۰ روپئے ہے لیکن کالج کے ایک
نئے لیکچرر کی تنخواہ کا اسکیل ۷۰۰ روپئے سے ۱۶۰۰ روپئے
ہے۔ ایک سیکنڈری اسکول کے ایس ایس سی امتحان کی
سند رکھنے والے ہیڈ کلرک کی تنخواہ کا اسکیل ۳۹۵ روپئے
سے ۸۰۰ روپئے ہے۔ جبکہ جس کی تعلیمی لیاقت ایم اے ،
ایم ایس سی، ایم کام (فرسٹ کلاس یا گولڈ میڈلسٹ)
اور بی ٹی یا بی ایڈ (فرسٹ کلاس) ہوتی ہے۔

تنخواہ، الاؤنس اور دیگر سہولیات جو دوسری
ریاستوں میں اساتذہ کو دی جاتی ہیں وہ حکومت مہاراشٹر
مدرسین کو دے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مدرسین کی
مندرجہ ذیل جائز مانگیں بھی منظور کرے :

(۱) مدرسین کی تنخواہ دیگر محکموں میں کام کرنے والے
ملازمین (ان ہی کی طرح تعلیمی لیاقت رکھنے والے) کے مساوی
ہونی چاہئے۔

(۲) مدرسین کو طبی الاؤنس دیا جائے۔

(۳) تعلیمی دورے کے لئے مناسب اخراجات منظور کئے جائیں۔

(۴) ہیڈ ماسٹر، اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر اور سپروائزر کے
الاؤنس میں اضافہ کیا جائے۔

(۵) اعلیٰ تعلیمی لیاقت رکھنے والے اور تعلیمی میدان میں
کارہائے نمایاں انجام دینے والے اساتذہ کو اعزازیہ اور
خصوصی ترقی الاؤنس دیا جائے۔

(۶) کمیوٹیشن یو رخصت بیماری کے علاوہ دیگر کاموں کے
لئے بھی دی جائے۔

(۷) سوائے مدرسین کے دیگر محکموں کے ملازمین کو ترقی کے
کافی مواقع ہیں۔ مثلاً ایک کلرک، ہیڈ کلرک، سپرنٹنڈنٹ،
ڈپٹی سیکریٹری اور سیکریٹری وغیرہ عہدے پر فائز
ہو سکتا ہے لیکن مدرسی کے پیشے میں اساتذہ کو ترقی
کے مواقع حاصل نہیں ہیں اس لئے یہ ضروری ہے کہ انھیں
سالانہ اعلیٰ اعزازیہ دیا جائے تاکہ ۱۵ سال کی مدت میں
انھیں زیادہ سے زیادہ تنخواہ مل سکے۔

(۸) جس مدرس کی تنخواہ کے پندرہ سال مکمل ہوں انھیں
خاص تنخواہ ملنی چاہئے۔

پے کمیشن :- ہم حکومت مہاراشٹر سے
گزارش کرتے ہیں کہ وہ اساتذہ کی تنخواہوں اور دیگر الاؤنس
پر نظرثانی کے لئے پے کمیشن مقرر کرے۔

حکومت گجرات نے سنہ ۱۹۸۲ء میں جسٹس احمدی کی
چیئرمین شپ میں پے کمیشن مقرر کیا ہے۔

مجھے یہ خوشخبری دیتے ہوئے بڑی مسرت ہوتی
کہ عزت مآب شیواجی راؤ دیشمکھ وزیر مملکت برائے
داخلہ نے مہاراشٹر لیجسلیٹو کونسل میں یہ اعلان کیا
کہ مرکزی حکومت کے مقرر کردہ چوتھے پے کمیشن
سفارشات جس میں شہری الاؤنس، مکان کا کرا
پنشن اسکیم اور دیگر سہولتیں شامل ہیں حکومت
ان سفارشات پر عمل کرے گی۔ ان کا فائدہ سرکا
ملازمین کو دے گی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ حکومت مہاراشٹر
مدرسین کے لئے بھی اس پے کمیشن کی سفارشات
عمل پیرا ہوگی۔

بونس :- سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق
ایک صنعت ہے اس لئے مدرسین بھی مزدور تص
جاتے ہیں اس لئے حکومت صنعت و حرفت

تنخواہ رکھنے والے ملازمین کی طرح مدرسین کو بھی بونس کا حقدار قرار دے گی۔

(ب) مرکزی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جو ملازمین ۳۱ مارچ ۱۹۸۳ء سے ملازمت کر رہے ہیں اور کم از کم ۶ مہینے مسلسل اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ وہ ۱۵ دن کے بونس کے حقدار ہیں۔ ہم حکومت مہاراشٹر سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ مدرسین کو بھی اس قانون کے تحت بونس دے۔

عارضی مدد :- پے کمیشن کی رپورٹ کے اعلان سے قبل حکومت مہاراشٹر کو چاہیئے کہ وہ روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی کو مد نظر رکھتے ہوئے مدرسین کی تنخواہوں میں عارضی طور پر اضافہ کرے۔

تعلیمی دورے، سیمینار اور کانفرنس حکومت ایسے مدرسین کو خاص الاؤنس دے جو ہندوستان کی کسی ریاست یا غیر ممالک میں تعلیمی دورے کے لئے جانا چاہتے ہیں۔

(ب) تعلیمی کانفرنس، سیمینار اور ورکشاپ میں شریک ہونے والے اساتذہ کو آمد و رفت کا خرچ دیا جائے۔

رہائشی سہولیات :- (ا) حکومت اساتذہ کو رہائشی مکانات فراہم کرے (ب) ہاؤسنگ بورڈ کے تیار کردہ مکانات میں مدرسین کے لئے کچھ فیصد کوٹہ محفوظ رکھے۔ (ج) سرکاری ملازمین کی طرح حکومت مدرسین کو رعایتی اور کم شرح پر مکانات تعمیر کرنے کے لئے قرض دے۔

طبی سہولیات :- (ا) حکومت اساتذہ کیلئے طبی سہولیات فراہم کرے (ب) حکومت سرکاری اور میونسپل اسپتالوں میں مدرسین کے لئے چند نشستیں محفوظ رکھے

سبکدوش اساتذہ کی خدمات :- سبکدوش (ریٹائرڈ) مدرسین اور ہیڈ ماسٹرس کو جز وقتی اور رخصت پر جانے والے اساتذہ کی جگہوں پر کام کرنے کی اجازت دی جائے۔

(ب) سبکدوش ہیڈ ماسٹرس کی خدمات اسکولوں اور جونیر کالجوں کے انسپکشن، سیمینار، سائنس نمائش اور تعلیمی کانفرنسوں کے انعقاد کے لئے حاصل کی جائیں۔

حکومت مہاراشٹر سے التجا ہے کہ وہ مدرسین کی مندرجہ ذیل مانگوں پر بھی غور کرے:

(ا) مدرسین کے بچوں کو تمام سطحوں پر مفت تعلیم دی جائے۔

(۲) مدرسین کو درس و تدریس کی کتابیں خریدنے اور تعلیمی صلاحیت میں اضافہ کرنے کے لئے مالی اعانت کرے۔

(۳) اساتذہ کی کل ملازمت میں ۵ سال کا اضافہ کیا جائے۔ مثلاً ملازمت کے ۲۵ سال مکمل ہونے پر ۳۰ سال کا فائدہ دیا جائے۔

(۴) اساتذہ کی سابقہ ملازمت کی مدت کام کرنے کے تجربہ کو ملک کی دیگر ریاستوں کے اسکولوں میں ملازمت کرنے کے وقفہ کے ساتھ مسلسل جاری سمجھی جائے۔

(۵) جز وقتی ملازمت کے لئے خواتین (لیڈی ٹیچرس) کو ترجیح دی جائے اور مناسب تنخواہ دی جائے۔

(۶) تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ کو مع تنخواہ رخصت دی جائے اور انھیں دیگر سہولتیں فراہم کی جائیں۔

(۷) ایل آئی سی کی نیشنل پالیسی کے تحت سرکاری ملازمین کی طرح اساتذہ کو بھی گروپ انشورنس کرنے کی اجازت دی جائے۔

ہمیں امید ہے کہ اس مقالے میں اساتذہ کی فلاح و بہبودی کے لئے تجاویز اور جو مشورے پیش کئے گئے ہیں، ان پر حکومت ہمدردانہ اور منصفانہ غور و خوض کے بعد منظور کرے گی۔

★

غزلیں

نوین وستاویرار

کیسے اُجڑے ہُوئے گھروں میں نوین
لوگ زندہ ہیں گھروں میں نوین

توڑ بھی دو تو کچھ نہیں کہتے
ضبط ایسا ہے پتھروں میں نوین

لو بھی کالے پانیوں کا مزہ
جاؤ گہرے سمندروں میں نوین

کیوں سلگتی ہے موج موج ہوا
آگ کیسی ہے منظروں میں نوین

آسمانوں کو چھو لیا آخر
میرے ٹوٹے ہوئے پروں نے نوین

یہ بیاں اور یہ شدّتِ احساس
کون مجھ سا سخنوروں میں نوین

شمس تبریزی

ایک ہی خواب اب تلک بابا
سر کے اوپر وہی فلک بابا

اب بھی ملتی ہے میری غزلوں میں
تیرے چہرے کی کچھ جھلک بابا

میرے دفتر کی ایک فائل میں
تیری یادیں ہیں منسلک بابا

اب بھی کرتی ہے انتظار ترا
میری آنکھوں کی ہر پلک بابا

مجھ سے بچھڑا تو اس کا چہرہ بھی
ہوگیا کتنا گنجلک بابا

لوگ کہتے ہیں اس میں کچھ بھی نہیں
اب بھی باقی ہے وہ للک بابا

ساحر شیوی

ہوگیا ہوں گھر سے بے گھر دوستو
دیکھ لو میرا مقدّر دوستو

وہ پلا دیں اپنی آنکھوں سے مجھے
میں تو پی جاؤں سمندر دوستو

میرے جینے سے ہو واقف اب میرے
دیکھ کو مرنے کا منظر دوستو

یہ تھی سرخی آج کے اخبار کی
ہوگئی نایاب شکّر دوستو

ایسے بھی تھے لوگ دنیا میں بہت
آج بھی زندہ ہیں مر کر دوستو

شہر میں پانی پہ آیا کنٹرول
کردیا اعلان گھر گھر دوستو

نازبیوی کے اٹھاؤں رات دن
میں نہیں ہوں ایسا شوہر دوستو

جب بھی ساحر ڈگمگائے راہ میں
تھام لینا آگے بڑھ کر دوستو

شرف کمالی

کہتا ہوں سچ

از تو حرکت، از خدا برکت

"آپ کیا شغل فرماتے ہیں؟"

"نہیں، میں کچھ نہیں کرتا بس قومی خدمت کرتا ہوں"

یعنی، آپ بیکار ہیں۔ قومی خدمت یعنی "سماج میں پھوٹ ڈالنا" اور بے کار زندگی گذارنے والا "مردِ مومن" اور کرتا بھی کیا؟ انگریزی زبان کا مقولہ ہے THE EMPTY MIND IS DEVIL'S WORK SHOP (بیکار دماغ شیطان کا ورکشاپ ہے)۔ تعجب ہے ایسے بہادروں پر جو کسی بزنس، کسی ملازمت کے بغیر اپنا وقت شان و شوکت کے ساتھ گنواتے ہیں۔ انھیں یقیناً کسی نہ کسی طرف سے آمدنی کی توقع رہتی ہے۔ سماج میں انتشار پھیلا کر اکثر اوقات یہ اپنا الو سیدھا کر لیتے ہیں۔ محنت سے ان کا خدا واسطے کا بیر ہے۔

"ہم نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟

"ہم اپنی جگہ خوش ہیں، نیکیاں نہیں کرتے تو کیا ہوا؟ برائیاں بھی تو نہیں کرتے!"

"آپ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں؟"

"جی نہیں! لیکن آپ یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہیں جی؟"

"جی، ہم آپ کو بروقت ہوشیار ہونے کے لئے خبردار کر رہے ہیں جی!"

"ابھی عمر پڑی ہے۔ دیکھا جائے گا"

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

زندگی خاص از برائے بندگیست
زندگی بے بندگی شرمندگیست

آپ کے دُھلے ہوئے سفید شرٹ کو میلا کرنے کے لئے محنت کی مطلق ضرورت نہیں۔ آپ محفوظ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھے رہیے یہ کب میلا ہوگا۔ یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ لیکن اب اسے دھونا ہے تو محنت درکار ہے یہی کلیہ انسانی زندگی کا بھی ہے۔ بیکار بیٹھے بیٹھے دنیا کے معصیت کا گرد و غبار کب کا آپ کو۔ آپ کے ضمیر کو میلا کر چکا ہے۔ اس کا علم آپ کے فرشتوں کو بھی نہیں ہے۔ شرٹ اگر بہت گندہ میلا چیکٹ ہو چکا ہے تو دھلائی کے بعد بھی کچھ داغ رہ ہی جائیں گے۔ اسی طرح وقت پر آپ نے اپنی اصلاح نہیں فرمائی، اس لئے وقت گزر جانے کے بعد آپ آمادۂ اصلاح ہوں تو کچھ فائدہ ضرور ہوگا، لیکن ہوسکتا ہے کہ سارے داغ دھل نہ سکیں۔

آپ دنیا کی حقیقت سمجھنے کے لئے ذرا آنکھیں بند کر کے اپنی آج تک کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔ کوئی مشکل بات نہیں آپ کو آپ کی آنکھوں کے سامنے ہنستی ہنستی [illegible] قسم کے انتقال فرمائے ہوئے لوگوں کی ایک فوج نظر آئے گی جن کو ان کی زندگی میں ہم نے بھی رستمِ زماں تسلیم کیا تھا۔ سماج کے لئے ان کے کئے ہوئے فیصلے حرفِ آخر تھے۔ وہ خود سر تھے، آپ ہی کی مانند بیکار رہنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ جنھوں نے گرج دھاڑ کر اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ

کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ لیکن موت کی آخری ایک ہچکی نے ساری شیخی آنِ واحد میں کرکری کر ڈالی تھی۔ آپ بھا نے تو ان کا حالِ زار دیکھ کر کہا تھا کوئی آخرت کا توشہ نہیں ہے اللہ رحم فرما۔" یہی حال آپ کا بھی ہے، ہمارا بھی ہے۔ کوئی توشۂ آخرت یہیں سے ساتھ ہے تو بھلی بات ہے ورنہ اللہ اللہ خیر صلا۔ آپ اپنی افسری کے زعم میں اگر فرعون بنے ہوئے ہیں تو میاں یہ گھمنڈ بس چند روزہ ہے۔ کرسی گئی تو دنیا کی اور آخرت کی خواری آپ ہی کا تو حصہ ہے دنیا کے لئے مزرعۃ الآخرۃ کہا گیا ہے۔ جو یہاں بوئے گا وہاں کاٹے گا۔

زندگی کے ارتقاء و بقا کے لئے محنت شرط ہے۔ زندگی خواہ کسی فرد یا قوم کی دینی ہو یا دنیوی بغیر محنت کے اس کا پنپنا ناممکنات میں سے ہے۔ مرغی کے چوزے ہی کی تخلیق کا جائزہ لیجئے۔ ربّ السموات والارض اس کو زندگی کی رمق انڈے کے خول کے اندر جب عطا فرماتے ہیں تو ربوبیت کی کرم فرمائی کی تکمیل کے بعد چوزہ اپنی نازک چونچ سے کُٹ کُٹ کُٹ کُٹ کرتا ہے اور خول سے باہر نکلتا ہے۔ مرغی اس نومولود کو اپنے پروں میں ڈھانپ کر حرارت پہونچاتی ہے اور پھر یہ ننھا سا چوزہ تازہ و توانا دکھائی دینے لگتا ہے یہی حال حیوانی و انسانی پیدائش کا ہے۔ زندگی پانے کے بعد بھی شکمِ مادر ہی میں ہیں کہ حرکت کا آغاز ہوتا ہے۔ محنت شروع ہو جاتی ہے۔ اور بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی ممتا اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اپنے بچے کے لئے محنت کرنا شروع کرتی ہے۔ اور نومولود جب آنکھ کھول کر فضائے بسیط کو گھورنے لگتا ہے تو روحِ ارضی یقیناً کہتی ہے کہ "کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ"

زمین، فلک اور فضا تو دیکھ سکتا ہے لیکن اس کے لئے تیری طرف سے آنکھ کھولنے کی محنت شرط ہے۔ یہی مقصدِ روحِ کائنات اسے بتا دیتی ہے کہ زمین فلک فضا اور ان سے متعلقہ تمام تر رنگینیاں موجود ہیں۔ یہ اللہ کے کرشمے ہیں۔ تجھے آنکھیں ملیں یہ عطیۂ الٰہی ہیں لیکن اب ان آنکھوں کے کھولنے کا تو ذمہ دار ہے۔ اگر کھولے گا تو ساری رنگینیاں اور قدرت کی بوقلمونیاں دیکھ کر محظوظ ہوگا۔ اور اگر نہیں کھولے گا تو یہ رنگینیاں اور بوقلمونیاں تو اپنی جگہ ہیں لیکن تو ان سے محروم رہے گا۔

بچے ہی کی زندگی کی مثال لیجئے۔ اس زندگی کو پروان چڑھنے کے لئے قدم قدم محنتیں یکے بعد دیگرے لگی ہوئی ہیں۔ پرندے کے بچے آہستہ آہستہ پروں کو پھڑپھڑا کر اڑنے کی مشق کر لیتے ہیں۔ دانہ دُنکا چگنے کی صلاحیت ان میں آ جاتی ہے۔ بعینہٖ ربّ کریم انسانی بچے کے لئے اس کی اپنی ماں کی چھاتیوں میں دودھ کا چشمہ بمنزلۂ آبِ حیات تخلیق فرما کر رکھ دیتا ہے۔ دودھ بھی ایسا کہ اس کی طبیعت اور اعضائے انہضام کی قوت کی سزاوار نعمت! یہ تو کرشمۂ ربوبیت ہوا لیکن یہ نعمت اگر تیرے پیٹ میں ماں کی چھاتی سے منتقل ہوتی ہے تو روحِ ارضی کا پیغام ہے کہ اے آنکھ کھول کر زمین، فلک اور فضا کی رنگینیوں اور بوقلمونیوں سے محظوظ ہونے والے آدمِ خاکی اب اس نعمتِ خداوندی سے فیضیاب ہونے کے لئے تیری طرف سے محنت کا شرط درکار ہے۔ اقبالؒ نے اس تصورِ محنت کو خوبصورت انداز میں یوں کہا ہے ؎

خورشیدِ جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں
آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں
جنت تیری پنہاں ہے ترے خونِ جگر میں

اے پیکرِ گِل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ
بخشے ہوئے فردوس نظر میں نہیں جچتے

کیوں کہ یہ تو بخشے ہوئے ہیں۔ بالفاظِ دیگر عطا شدہ یا بھیک ہیں۔ زندگی کی آسائشیں اگر آپ کی محنتوں سے حاصل ہیں تو ان کے استعمال کا لطف ہی زندگی بخش، فرحت بخش ہے۔ ورنہ کسی اور کی محنت پہ تکیہ رکھنے والوں کی ذلت اور خواری بھی آپ ہر روز دیکھتے ہیں۔ مطلب ایک بیکار رہنے کا عادی بھائی اپنے کارِیگر بھائی کی کمائی پر حلوے مانڈے کھاتا ہے۔ لیکن کاریگر بھائی کو جب اپنی پسینے کی کمائی ایک کون، کاہل کو بگاڑنے کی ذمہ دار نظر آتی ہے یا جب بھائی کی شریکِ حیات اپنے شوہر کی محنتوں کی کمائی ندیوں ضائع ہوتے دیکھتی ہے تو اسے خبردار اور ہوشیار کر دیتی ہے اور یہ ماں کے لاڈلے دادی جان کے دُلارے اس وقت پچھتاتے ہیں جب چڑیا کھیت چُگ چکی ہوتی ہے۔ اب محنت کرنے کا کوئی حاصل نہیں کیونکہ انسانی زندگی میں وقت کی بڑی اہمیت ہے۔ کسی بورڈ یا یونیورسٹی کے امتحان کی مثال لیجئے۔ مثلاً: بروز دوشنبہ مورخہ ۲۵ جون ۸۲ء کو صبح ۱۰ بجے سے دوپہر ایک بجے تک انگریزی کا پرچہ ہے تو امیدواروں کے لئے امتحان کے نظامِ وقت کی پابندی از حد ضروری ہے۔ تاخیر سے پہونچنے والے امیدوار کو داخلہ ہی نہیں ملے گا اور ٹھیک ایک بجے پرچہ چھین کر لے لیا جائے گا۔ یہاں رحم و کرم ذرا بھی نہیں ہوگا۔ امیدوار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی معلومات مذکورہ تین گھنٹوں میں لکھ کر اپنی انگریزی کی صلاحیت کا ثبوت دے۔ پھر قابل ممتحن حضرات اس کو جانچیں گے اور جس قابل ہوگا اس نسبت کے مطابق اسے نمبر ملیں گے اور کلاس عطا ہوگا۔ اب اگر کوئی زور آور امیدوار یہ کہدے کہ نہیں ہم بورڈ کے مقررہ وقت یعنی بروز دوشنبہ ۲۵ جون ۸۲ء کو صبح ۱۰ بجے سے ایک بجے تک انگریزی کا پرچہ نہیں لکھیں گے بلکہ یہ کام فرصت سے سنڈے کو کریں گے تو خواہ آپ کتنے ہی قابل ہوں کوئی مستند بورڈ یا یونیورسٹی اس بے راہ روی کی اجازت نہیں دے گی۔ آپ کا پرچہ قابل ہونے کے باوجود جانچا نہیں جائے گا اور آپ کوئی کلاس پا ہی نہ سکیں گے!! یعنی آپ کی روش پر آپ کے منتقمین کہیں گے الاماں والحفیظ!!!

قدرت نے انسان کی بہتری کے لئے نظامِ اوقات کا ایک سلیقہ ہی مقرر کر رکھا ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری ہے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَّ
وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪

ترجمہ: "اور رات کو تمہارے لئے پردہ پوش اور دن کو معاش کا وقت ہم نے بنایا۔"

یعنی اللہ کی ربوبیت کا یہ تقاضہ ہوا کہ اس کی ربوبیت نے تمہارے لئے تقسیمِ اوقات کا انتظام یوں کیا ہے کہ رات کی تاریکی میں روشنی کی تمازت کی تکلیف سے بچ کر تم کو نیند کا سکون حاصل ہو سکے جو تمہارے لئے افادیت بخش ہے۔ پھر دن کو اس کی ربوبیت نے اس لئے روشن بنایا ہے کہ کئی سو ہزار واٹ کی روشنی میں تم آسانی سے ذرائعِ معاش تلاش کر لو۔ مطلب یہ کہ قدرت کی یہ خواہش ہے کہ تم رات کو سو جاؤ اور دن کو کام کرو۔ (یہاں بحالتِ مجبوری نائٹ شفٹ میں کام کرنے والوں کی مثال نہیں دی جا سکتی وہ بھی خوشی سے نہیں مجبوری سے شب بیداری کرتے ہیں)۔ عابدِ شب زندہ دار کی بات نہیں ہے بات دنیاوی کاموں میں مصروف و منہمک انسان کے لئے ہے کہ وہ دن میں کام کرے اور رات کو آرام سے نیند کے مزے لے۔ اس کے

برعکس اُلّو کے لئے نظامِ وقت یوں مقرر ہے کہ وہ رات میں روزی تلاش کرے اور دن کو سوجائے۔

اسی وقت کی دوسری مثال کوکن کی زراعت سے لیجئے۔ اپریل مئی میں کھیتوں میں سے مخصوص حصے کو بھونا جاتا ہے۔ جہاں اناج بونا ہے۔ پھر جون کی دس بارہ تاریخ تک چاول بویا جاتا ہے۔ اگست تک اسے دوبارہ لگایا جاتا ہے، جسے لاؤنی کہتے ہیں۔ اور پھر فصل تیار ہونے پر اسے کاٹا جاتا ہے۔ یعنی وقت یہاں کی اہم چیز کمٹمنٹ ہے۔ اگر ہر وقت اناج بویا پھیر گیا تو دوسرے اوقات میں یہ کام نہ ہوسکے۔

ایسے ہی مختلف پر غور کیجئے:

اللہ تعالیٰ نے اس کے بھی اوقات مقرر کر رکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء، مقررہ رکعتیں وقت مقررہ پر ادا کیجئے۔ قدرت محنت چاہتی ہے، پھر محنت سیدھے طریقے صراطِ مستقیم سے چاہتی ہے۔ اس طریقے کی محنت چاہتی ہے جو رسولِ اکرم کا طریقہ تھا۔ مطلب یہ کہ آپ تحیات میں سورہ فاتحہ پڑھیں اور تکبیر تحریمہ کے بعد تحیات پڑھیں تو کام نہیں بنے گا۔ آپ کو وہی طریقہ عمل میں لانا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ دین کے امور انجام دینے میں بھی اور دنیا کے امور انجام دینے میں بھی!

اقبالؒ کیا خوب کہتے ہیں ؎

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینی انتہاست

مولانا شفیق صدیقی جونپوری فرماتے ہیں ؎

ایک جرمنی مفکرِ اعظم سے ایک دن
پوچھا کسی نے رفعتِ اخلاق کا سبب
اس جرمنی ادیب نے بے ساختہ کہا
"پائندہ باد اسوۂ پیغمبرِ عرب"

عبادات میں وہی طریقہ اپنائیے جو ہمارے آقا اور مولا کا تھا۔ اسی لئے تو اس نے بندوں کے لئے کہا کہ یہ میرے اپنے ہیں آپ بھی وہی کیجئے۔ اس لئے کہ اس نے فاتحِ مکہ بننے کے باوجود اپنے جانی دشمنوں کو معاف فرمایا آپ بھی اس سے سبق لیجئے۔ علاوہ ازیں اٹھنے میں، بیٹھنے میں، چلنے میں، پھرنے میں، کھانے پینے میں، سونے جاگنے میں، خرید و فروخت میں غرض کہ ہر شعبۂ حیات میں اسی طریقے پر چلئے جو نبیؐ کا بتایا ہوا ہے تو آپ کی کامیاب زندگی میں ذرا بھی شک نہیں۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۠

ارشاد ربانی آپ کی سمجھ میں آگیا کہ یہ روزانہ آپ کے تجربے کی بات ہے، تو اسی طرح کا مخصوص مفہوم یہ آیتِ ربانی کے ذریعے دیا گیا ہے۔ دیکھئے روزوں کے متعلق کس طرح ہمیں فہمائش دی گئی ہے کہ "اے ایمان والو! ہم نے روزے تم پر فرض کئے ہیں جس طرح تمہارے پہلے کی امتوں پر فرض کئے تھے تاکہ تم متقی (پرہیزگار) بن جاؤ۔"

یعنی آپ کو پرہیزگار، متقی بننا ہے تو روزے رکھئے اللہ نے یہ نسخہ آپ سے پہلے دوسری امتوں پر آزما کر دیکھا ہے۔ اور نتائج خاطر خواہ پائے ہیں۔ لیکن آپ اتنی شکایت فرماتے ہیں کہ "حسن خانہ اور بڑھاپے کہاں سے لاؤں"۔ نماز کو معراج المومنین کا درجہ ہے اور اس کی افادیت تحقیقی آپ پر واضح ہے لیکن پھر بھی محض تساہل آپ کو روکتا ہے۔ اللہ کے کلام پر بظاہر آپ کا ایقان ہے لیکن آپ کا عمل بتا رہا ہے کہ آپ اس کے صرف معنی جان گئے ہیں۔ لیکن عمل میں زیرو ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے سورۂ عصر کافی ہے۔

"زمانے کی قسم، انسان درحقیقت بڑے خسارے میں

ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔"

یہاں بھی زمانے کی یعنی وقت کی قسم کھاکر بات کہی گئی ہے۔ انسان کے خسارے کی بات ہے۔ صرف چار صفتیں اپنے اندر رکھنے والے دنیا اور آخرت کے خسارے سے بچ سکتے ہیں۔ ایمان، عمل صالح (نیک عمل)، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہنا۔ ایک دوسرے کو باہم مل کر صبر اختیار کرنے کی وصیت کرنا۔

قرآن کی ہدایتوں پر عمل کرنے والے داعیوں کا ایمان اسی وقت درست مانا جاسکتا ہے جب ان کے اعمال نیک ہوں۔ اگر وہ حق اور صبر کی راہوں پر گامزن ہیں تو ان میں باہمی پھوٹ کبھی نہیں ہوگی۔ وہ اپنی اصلاح حق اور صبر کے ذریعے کریں گے ورنہ خلافِ قدرت چلنے کی سزا تو ملنے ہی والی ہے۔ دنیا کی خواری کی صورت میں بھی اور آخرت کی ذلت کی شکل میں بھی!!!

فسادات پر جب مسلم معاشرہ پر مار پڑتی ہے تو دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانا عام بات ہے۔ لیکن یہ بھی تو سچ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ خواری ہم دیکھ رہے ہیں ہمارے شامتِ اعمال کا نتیجہ بھی تو ہو سکتی ہے۔ ہمارا حال بھی تو خدا دکھو رہا ہے کہ

ع مشکل میں خدا کو یاد کیا، مشکل ہوئی آساں بھول گئے

میں تو یہ کہوں گا کہ سیاسی طاقتوں نے ہماری مذہبی طاقتوں پر گذشتہ دہے میں غلبہ پالیا ہے اور ہم کو مسلمانوں کی بجائے مختلف گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہم مسلمان کہیں دیوبندی زیادہ ہیں، بریلوی زیادہ ہیں اور اسی قسم کے کئی فرقے جو دین کے نام پر منافرت پھیلا رہے ہیں۔

کیا کہیں برٹش پالیسی جیسی DEVID AND RULER والی گھناؤنی پالیسی کا سحر تو ہمیں منقسم کرنے کے لئے کوئی طاقت استعمال نہیں کر رہا ہے؟ کیا ہمارے مذہبی رہنماؤں علمائے کرام کو اس معکوس خدمت کی انجام دہی کے لئے ہمیں کسی طاقت نے مجبور تو نہیں کیا ہے؟ یہ ہیں وہ سوالات جن کی جواب دہی کے لئے ہمیں آمادۂ حرکت ہونا ہے۔ صحیح نہج سے حرکت ہوئی تو برکتِ الٰہی یقیناً ہمرکاب!

غم پنہاں کہ بے گفتن عیان است
چو آید بر زباں یک داستان است
رہ پر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مردہ و شب درمیان است

(اقبال)

جن خطوط، مراسلات، مضامین یا سوالات بھیجنے والے پورا نام و پتہ درج نہ ہو ادارہ انہیں شائع کرنے سے قاصر ہے۔

پردہ

محمد اعظم خان ایم۔اے

ذیل میں ہم جناب محمد اعظم خان ایم اے کے تحقیقی مضامین سے ماخوذ ایک مضمون پیش کر رہے ہیں۔ محمد اعظم خان ریسرچ اسکالر ہیں اور جناب ایم اے قاضی (ہمافیقہ) صاحب کے شاگرد رہے ہیں۔ جب قاضی صاحب پونہ کے تربیتی کالج میں لکچرار تھے۔ فی الحال قاضی صاحب کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ میں مقیم ہیں۔ اپنے شاگرد محمد اعظم خان کے اس مضمون سے قاضی صاحب بے حد متاثر ہیں۔ اور آپ نے یہ مضمون جو غیر مطبوعہ ہے بغرض اشاعت ارسال فرمایا ہے ــــ انشاء اللہ سے ہم قسط وار شائع کرتے رہیں گے۔ (ادارہ)

اس سے قبل اس موضوع پر ہندوستان کے مختلف رسائل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور یہ بحث اس قدر پامال ہے کہ اسے ازسر نو تازہ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ علاوہ اس کے معاشرت اور رسم و رواج سے متعلق جتنی چیزیں ہیں ان کا بہترین فیصلہ خود زمانہ کے ہاتھوں ہوا کرتا ہے اور وہ ہماری خامہ فرسائی کی محتاج نہیں ہوتیں۔ مثلاً اسی پردہ کی رسم کو لے لیجئے۔ اس کے متعلق ہمارے بزرگوں کے جو خیالات تھے وہ ہمارے نہیں۔ اور جو ہمارے خیالات ہیں وہ ہماری اولاد کے نہ ہوں گے۔ اس طرح زمانہ کی رفتار خود ہمارے رجحانات قائم کرنے میں بہترین استاد کا کام کرتی ہے۔ اور ہمیں اس کے احکام پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ تاہم چونکہ اس موضوع پر اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ یا تو مذہبی بحثوں سے متعلق ہے یا ان اعتراضات سے جو ہر فریق نے اپنے مخالفین پر کئے ہیں۔ اس لئے میرے لئے ضروری ہے کہ میں ان دونوں سے اپنے مضمون کو حتی الوسع بچاؤں۔ ایک نئے نقطۂ نظر سے اس مسئلہ پر نظر ڈالنے کی کافی گنجائش نکل آئے گی۔

اب رہی دوسری وجہ کہ زمانہ کا فتویٰ میرے اور آپ کے نتیجہ کا محتاج نہیں۔ اور ایک روز وہ ہم سب سے اپنے احکام کی تعمیل کرا کے چھوڑے گا۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن انفرادی کوششیں اگر زمانہ کی رفتار کو بالکل روک نہیں سکتیں تو گھٹا یا بڑھا ضرور سکتی ہیں۔ مثلاً اگر سر سید پیدا نہ ہوتے تو بھی آج ہندوستان کے مسلمان انگریزی تعلیم پانے اور ولایت جانے کو کوئی حرج نہ سمجھتے۔ اور کفر کے جو فتوے اس وقت انگریزی خوانوں پر لگائے گئے تھے وہ اسی طرح ناپید ہو جاتے جس طرح اب ہو گئے ہیں لیکن فرق یہ ہوتا کہ اس صورت میں مسلمان اس سے بھی زیادہ پست اور ذلیل ہوتے جتنے اب ہیں۔ یہی حال آج پردہ کا ہے۔ اگرچہ نسل حاضر اپنے بزرگوں کی بہ نسبت بہت آزاد خیال ہو گئی ہے پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان سے پردہ یا اس کے حامی بالکل اٹھ گئے۔

حامیانِ پردہ کے تین گروہ

آپ غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ پردہ کی حمایت کرنے والوں کے تین گروہ ہیں۔ ایک وہ جو اسے صرف مذہبی احکام کی بنا پر ضروری سمجھتا ہے۔ دوسرا وہ جس کا خیال ہے کہ پردہ بجائے خود ضروری نہیں۔ لیکن ہندوستان کی تعلیمی پستی اور سیاسی حالات نے اسے ناگزیر بنا دیا ہے۔ تیسرا گروہ

وہ ہے جو پردہ کو کسی خاص مقام یا کسی خاص مدت کے لئے نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر عہد کے لئے ضروری سمجھتا ہے اور اس کا سبب یہ بتاتا ہے کہ پردہ کے بغیر عورتوں کی عفت و عصمت اور سوسائٹی کی اخلاقی حالت کبھی اچھی نہیں رہ سکتی۔ آئیے، اب ہم تینوں گروہوں کے خیالات پر ایک ایک کر کے غور کریں۔

مذہب کی بنیاد پر پردہ ضروری

پہلے اس گروہ کو لیجئے جو پردہ کی نفع و مضرت سے بالکل قطع نظر کر کے صرف مذہبی احکام کی بناء پر اس کی تائید کرتا ہے ــــ قبل اس کے کہ میں پردہ کے بارے میں کوئی مذہبی بحث چھیڑوں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اوامر و نواہی سے متعلق ایک عام اصول آپ کے گوش گذار کر دوں۔ موجودہ زمانہ میں کسی رسم یا چیز کے متعلق یہ کہنا کہ فلاں مذہب اس کی اجازت دیتا ہے یا اس کی ممانعت کرتا ہے اس رسم یا اس چیز سے لوگوں کو باز رکھنے یا اس پر عمل کرانے کے لئے ضروری نہیں، جب تک آپ عقل کی رو سے یہ ثابت نہ کر دیں کہ وہ فعل بجائے خود مستحسن یا مذموم ہے۔ ایسے مذہبی احکام جو عقل کی کسوٹی پر نہیں کسے جا سکتے نہ صرف اس خاص مذہب کے پیروؤں کے سوا اور سب کے لئے بیکار ہوتے ہیں بلکہ خود اس مذہب کے پیرو جو ہر چیز کو عقل کی مدد سے جانچنا چاہتے ہیں وہ بھی ان کو قبول نہیں کرتے۔ فرض کیجئے کہ اس وقت کوئی اہل مذہب شراب خواری یا زنا کو رواج دینا چاہے تو صرف اس بناء پر اس کے مذہب میں یہ چیزیں مباح ہیں، اسے اپنے مقصد میں کم کامیابی ہو گی۔ اسی طرح اگر کوئی عیسائی لوگوں کو شادی بیاہ کی ممانعت کرتا پھرے یا کوئی جین مذہب کا پیرو کھانے پینے کی، تو غالباً ہم میں سے کوئی ذی ہوش آدمی عمر بھر مجرد رہنا یا دہی کھا کر جینا اس وجہ سے اختیار نہیں کرے گا، کہ عیسوی مذہب اور جین مت کے احکام ایسے ہیں۔ بلکہ لوگ ایسے مذاہب سے دست بردار ہو جائیں گے جس کے احکام ناممکن العمل ہوں یا جنہیں فطرت انسانی قبول نہ کر سکتی ہو۔ جو لوگ اوامر و نواہی کے دائرہ کو ہمیشہ سخت تر کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں یہ سمجھ کر کہ وہ اس طرح نیکی کو دنیا میں عام کر رہے ہیں وہ دراصل اپنے مذہب کے فوائد و برکات کو عالمگیر ہونے سے روکتے ہیں۔

خوش قسمتی سے جہاں تک پردہ کا تعلق ہے

ایسی کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ موجودہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ایک مذہب ہے جس کی طرف پردہ منسوب کیا جاتا ہے ــــ اور مسلمان علماء میں پردہ کے متعلق دو گروہ ہیں۔ ایک کی رائے یہ ہے کہ عورت نامحرم کے سامنے پہنچوں تک ہاتھ، ٹخنوں تک پاؤں اور چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے۔ دوسرا اس کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس پر دونوں کا اتفاق ہے کہ عورت برقعہ اوڑھ لے یا چادر لپیٹ لے۔ جس سے اس کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہے تو پھر اس کے باہر نکلنے میں کوئی عذر شرعی باقی نہیں رہتا۔ اب اگر پہلی تعبیر صحیح سمجھی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہماری عورتیں جس حالت میں اپنے گھروں میں رہتی ہیں اسی حالت میں باہر نکل سکتی ہیں، کیونکہ عام طور پر ہندی مسلمان عورتوں کا لباس ایسا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا اعضاء کے سوا ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہیں رہتا۔ جب علماء کی ایک جماعت مذہبی احکام کی یہ تعبیر کرتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم ایک سخت تر تعبیر کو ترجیح دے کر اپنی عورتوں کو خواہ مخواہ ایک تماشہ بنائیں اور ضروریاتِ زندگی میں دشواری پیدا کریں۔ لیکن اگر آپ کو اس دوسری تعبیر پر اصرار ہے تو آپ کم سے کم اسی پر عمل کریں اور اپنی عورتوں کو برقعہ ہی پہنا کر باہر نکالیں ــــ آپ شاید یہ فرمائیں کہ برقعہ پہن کر تو ہماری عورتیں اب بھی باہر نکلتی ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ آپ شہر کے اس سرے سے اس سرے تک نکل جایئے

خدا کی تلاش

ایم ایم راجہ

دفعتاً ایک دن میرے اندر کے آدمی نے مجھے اس بات کا احساس دلایا کہ میرا کوئی خالق ہے، میرا کوئی مالک ہے۔ میرا کوئی پالنے والا ہے، میرا کوئی رکھوالا ہے۔ اس سے پہلے میں اپنے خالق و مالک سے روشناس نہیں تھا۔ میں اس بات سے لاعلم تھا کہ میری ہستی اور لباسِ ہستی کسی کی امانت ہیں۔ میں اور میرا وجود کسی کی کاریگری کا نتیجہ ہیں، یہ تو احسانِ عظیم ہے اس شفیق کا جس نے مجھے اس حقیقت سے خبردار کیا ہے اور حسّاس بنایا ہے۔

میں بیدار ہو گیا ہوں۔ اپنی حقیقت کا جائزہ لے چکا ہوں۔ میرے دل میں اپنے خالق و مالک سے ملنے کی جستجو بیدار ہو گئی ہے۔ اب میں اپنے خدا سے ملوں گا۔ اس سے فریاد کروں گا کہ اس نے مجھے اپنے سے الگ اس مفاد پرست دنیا میں کیوں چھوڑ رکھا ہے؟ کیا اس کے دل میں میرے لئے ذرا بھی محبت نہیں ہے؟ کیا اس کی دنیا میں میرے لئے قطعی جگہ نہیں؟ میں آدمی کی دنیا میں واحد انسان کس طرح جیوں گا؟ گہری تاریکیوں میں غرق اس اندھے جہان میں میرے وجود کی روشنی کو کون دیکھے گا؟ میں بے حد خوف زدہ ہوں کہ کہیں میری ہستی کی چمک بھی اس خاک کی آغوش میں گم نہ ہو جائے!! میں پالنے والے سے التجا کروں گا کہ وہ مجھے اپنی دنیا میں بُلا لے۔ اپنے ساتھ رکھے۔ مجھے آدمیوں سے بہت ڈر لگنے لگا ہے کیونکہ آدمی کی شکل اب خوفناک جنگلی جانوروں سے بھی زیادہ خطرناک ہو گئی ہے۔ آدمی زہریلے سانپ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اب آدمی میں آدمیت باقی نہ رہی۔ آدمی آدم خور شیر بن گیا ہے۔

میرے قریبی اہلِ رائے کی نظر میں یہ باتیں بالکل جاہلانہ تھیں۔ چونکہ وہ پُرانے زمانے کے کٹّر روایت پرست لوگ جن کے لئے خدا دیکھنے یا ملنے کی چیز نہیں بلکہ محض یقین کی صورت تھی۔ مگر میں ان کے عقیدت پسندانہ خیالات سے قطعی غیر متفق تھا۔ مجھے اس بات کا قطعی یقین ہو گیا تھا کہ خدا دیکھنے اور ملنے کی چیز ہے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ کسی بھی طرح اپنے خدا کو تلاش کروں گا۔ اس سے ملاقات کروں گا۔ باتیں کروں گا، انٹرویو لوں گا۔ اور اس انٹرویو کی اشاعت آدمی کی دنیا میں شائع ہونے والے اخباروں اور رسالوں میں کروا کر آدمیوں کو بتاؤں گا کہ خدا دیکھنے کی چیز ہے۔ میں خدا کو دیکھ چکا ہوں۔ اگر تمہیں بھی خدا کو دیکھنا ہو تو آدمی سے انسان بنو۔ میں تمہیں خدا سے ملواؤں گا۔ تمہیں اس کی غیر فانی دنیا میں رہنے کی اجازت دلواؤں گا۔ جہاں تم بھی عدم محدود زندگی گزاروگے۔ تم اور تمہاری دنیا محدود ہے۔ فانی ہے۔ خدا اور اس کی دنیا غیر محدود ہے۔ غیر فانی ہے۔

میرے بزرگ مجھے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ انھیں میرا خدا کا سراغ رساں بننا قطعی ناپسند تھا۔ میں نے پرواہ نہ کی۔ حلقۂ احباب میں دیوانہ متعارف کر دیا گیا۔ میں نے اس کی بھی مطلق پرواہ نہیں کی۔ اس کی خاص وجہ یہ

تھی کہ میں اس بات پر انتہائی یقین کرنے لگا تھا کہ میرے بزرگوں کا خالق میرا خالق نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ میرے دوستوں کا خالق میرا خالق نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔

وہ لوگ میرا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ مگر مجھے ان غیر سنجیدہ احباب کی نازیبا حرکتوں کا کیا اثر!

ہر بشر اس حقیقت سے واقف ہے کہ حد سے زیادہ چاہت ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔ یا اسے یوں کہا جائے کہ لائقِ مذاق ہوتی ہے۔ مثلاً جب ٹیلیفون ایجاد کرنے والے انگریز بل نے اپنی تخلیق امریکہ اور انگلینڈ کے سرمایہ داروں کے سامنے پیش کی اور اسے دنیا بھر میں پھیلانے کے لئے مالی مدد بطورِ قرض طلب کی تو انھوں نے ٹیلیفون کو سائنٹفک کھلونا کہہ کر بل کی قابلیت کا مذاق اُڑایا۔ اسی طرح بہت سی مثالیں موجود ہیں، جیمس واٹ کے اسٹیم انجن پر ہنسا گیا۔ غالب کا جنونِ شاعری پر شکل لطائف مشہور کیا گیا — اور آج تک دنیا تک ہر ایسے متمنی کی اہلیت کا مذاق اڑایا جائے گا۔ پھر میری کیا قیمت! میں تو ان سبھوں سے مختلف عشقِ حقیقی میں گرفتار خدا کا متلاشی ہوں۔ اگر مجھے دیوانہ کہا جائے تو اس میں کوئی استعجاب نہیں۔

عشقِ حقیقی نے مجھے بے حد مضطرب کر رکھا تھا۔ محض مدلومت کی عبادت کرنا میرے لئے جہالت کی بات تھی۔ چونکہ شروعِ زندگی سے حقیقت پسند ہوں میں، خیالی تصور کو روح بخشنا کیونکر گوارا کرتا۔

برسوں بیابان جنگلوں میں بھٹکتا رہا۔ مگر خدا نہیں ملا۔ جنگلوں میں بسنے والے ہر ذی روح سے خدا کا ٹھکانا دریافت کیا مگر وہ بھی خدا کے پتہ سے لاعلم ثابت ہوئے۔ میں نے پرواہ نہیں کی۔ منزلیں اور بھی ہیں۔ اگر تمام زندگی بھی مالکِ کائنات کی تلاش میں صرف ہو جائے تو غم نہیں!

میرے پیچیدہ ذہن کے مشکوک پردے پر دوسری منزل ریگستان تھی اور جب ریگستان کی خاک چھاننے کے بعد بھی خدا نہیں ملا تو مجھے اس کے وجود کے نہ ہونے کا شک ہونے لگا۔ چونکہ اس صفحۂ ہستی پر ایک جماعت ایسی بھی ہے جو مالکِ کُل کے وجود کو ہی نہیں مانتی! نہ مانے۔ لیکن میرا شک یقین میں نہ بدلے گا۔ کیونکہ محققین کی رائے ہے کہ ہر ذی روح کو اس بات کا احساس ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے مگر ہمیں ان کے طرزِ عمل پر غور کرنے سے کیا فائدہ! آئیے سمندر کی تہوں میں اُترتے ہیں۔ شاید خدا یہاں مل جائے۔

خدا یہاں بھی نہیں ہے — تو پھر پہاڑوں کی چوٹیوں پر ضرور ملے گا۔ نہیں خدا یہاں بھی نہیں ہے۔ پھر خدا ہے کہاں؟!! عجائب و غرائب میں خدا کو تلاش کیا۔ خدا نہیں ملا۔ چاند اور سورج پر خدا کو ڈھونڈا، خدا نہیں ملا۔ وسعتِ افلاک پر ملائک کے جھرمٹ میں خدا کو تلاش کیا خدا وہاں بھی نہیں ہے۔ پھر تو یقیناً خدا کتابوں میں ملے گا۔ توریت کی اوراق گردانی کی، خدا نہیں ملا۔ انجیل کے صفحات میں خدا کی سراغ رسانی کی، خدا نہیں ملا۔ زبور کی عبارتوں کو غور و فکر کا موضوع بنایا۔ خدا نہیں ملا۔ قرآن مجید کے فلسفے میں خدا کو ڈھونڈا۔ خدا نہیں ملا۔ تو کیا خدا عبادت خانے میں ملے گا — پتھروں کو پوجتے پوجتے تھک گیا۔ خدا نہیں ملا۔ چرچ میں کرائسٹ کی مورتی کے سامنے سر بسجود ہوا۔ خدا نہیں ملا۔ سمتِ کعبہ کو سجدہ گاہ بنایا خدا نہیں ملا۔ اب میرے وجود پر بلا کی دیوانگی طاری ہونے لگی، میں اپنے آپ میں تحلیل ہونے لگا۔ اپنے اندر کے آدمی کو شک کی نگاہ سے

دیکھنے لگا کہ کہیں میرے اندر کا آدمی دھوکے باز تو نہیں۔ ناکامی اور مایوسی نے مجھے اپنے احاطے میں لپیٹ رکھا تھا۔ ذہن میں خدا کے وجود کے نہ ہونے کا شک بتدریج اُبھر رہا تھا کہ اچانک ایک مسکین کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ وہ بڑے ہی فقیرانہ انداز میں کہہ رہا تھا:

"اے بندۂ خدا! مجھے دو روٹی کھلا دے۔ خدا اس کا اجر تجھے خوب سے خوب تر دے گا۔"

میں بے ساختہ اس فقیر کی طرف مڑا اور تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔ اس قیاس سے کہ یہ فقیر مجھے جانتا ہے کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ تب تو یقیناً یہ بھی جانتا ہوگا کہ میرا خدا رہتا کہاں ہے؟

"اے مسکین! تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں خدا کا بندہ ہوں؟" میں نے استعجابیہ انداز میں دریافت کیا۔ مسکین مسکرا کر کہنے لگا: "میرے اندر کے آدمی نے مجھے بتایا کہ تم خدا کے بندے ہو۔"

"پھر تو تمھارے اندر کا آدمی میرے خدا کا ٹھکانہ بھی جانتا ہوگا۔ اے مسکین! میں تجھے اتنی روٹیاں دوں گا کہ دوبارہ زندگی بھر تجھے مانگنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ لیکن اس کے بدلے تو اپنے اندر کے آدمی سے میرے خدا کا پتہ معلوم کروا دے۔"

مسکین بالکل سنجیدہ ہو گیا، اور پھر کہنے لگا "کیا تم خدا کے متلاشی ہو؟" میں نے ہاں کا اشارہ کیا۔ مسکین بولا: "کیا تمھیں خدا نظر نہیں آتا؟" میں نے تعجب بھرے لہجے میں پوچھا: "کیا تمھیں خدا نظر آتا ہے؟" مسکین نے کہا، "بے شک، مجھے نظر آتا ہے۔ مجھے تو کائنات کے جلووں میں سمایا مالکِ کائنات دکھائی دیتا ہے۔ گلشن و زیبا میں خدا دکھائی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ تمھارے وجود میں خدا دکھائی دیتا ہے۔"

میں کانپ گیا اور میری آنکھیں مسکین کے چہرے پہ جم گئیں ـــــ

مسکین بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا: "اگر تمھارا خدا تم سے الگ ہو جائے تو تمھارا وجود بے معنی ہو جائے گا۔ تمھاری قوتِ سماعت میں سمایا خدا ہے، آنکھوں کی روشنی میں نمایاں خدا ہے۔ سوچنے کی طاقت خدا کے دم سے ہے۔ تمھارا سونا، جاگنا، ہنسنا، رونا، کھانا، پینا ہر چیز میں ان کی قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے۔

شکمِ مادر سے لے کر زندگی کے اختتام تک خدا تمھارے ہمراہ ہوتا ہے، لیکن تم اسے دیکھ نہیں پاتے ہو دیکھو بھی کیونکر۔ تمھارے ظرف میں تو خود پسندی بھری ہوئی ہے۔ تم اپنی سماعت میں اپنے آپ کو سننا چاہتے ہو، اپنی آنکھوں میں اپنے آپ کو دیکھنا چاہتے ہو۔ اپنے خیالوں میں اپنے آپ کو سوچنا چاہتے ہو تمھاری سمجھ کا دائرہ اتنا تنگ ہے کہ اگر ہندوستان میں رہتے ہو تو پاکستان کو بُرا کہتے ہو۔ اگر چین میں رہتے ہو تو جاپان کو بُرا کہتے ہو۔ اگر روس میں ہو تو امریکہ بُرا ہے۔ اگر شہر میں ہو تو دیہات بُرا ہے۔ اگر لینڈ تک میں ہو تو فٹ پاتھ بُرا ہے۔ یعنی اچھے بُرے کی تمیز ہی سمجھتے سمجھتے تمھاری زندگی آخری نتیجے تک پہنچ جاتی ہے، اور تم اپنے وجود کے حقیقی معنی سے بھی انجان رہ جاتے ہو!!

"خدا یقین کی شکل ہے، اور تم سب یقین کی پرچھائیاں۔" دنیا ایک ٹرین ہے جس کی منزل قیامت ہے۔ آدمی مسافر، زندگی سفر ہے اور مذہب خدائی حکومت کا پاسپورٹ ہے۔ تمھیں مسجدوں

کی بے حرمتی کرنے سے کیا فائدہ؟ تجیبں مناروں پر ہنسنے سے کیا حاصل؟ تم گردواروں کو کیوں برا کہتے ہو؟ تم چرچ کا مذاق کیوں اڑاتے ہو؟ تم سب تو یقین کی صورتوں کے پجاری ہو۔ بس پوجتے رہو اپنے اپنے یقین کو۔ اور اگر حشر کا سوچتے ہو تو پاسپورٹ لیتے وقت چوکنا نہیں۔ کیونکہ جس کا پاسپورٹ صحیح ہوگا وہی خدائی حکومت میں داخل ہوگا۔ جس کا پاسپورٹ غلط ہوگا یقیناً وہ خدا سے نہیں مل پائے گا۔

لو! میں نے تمھارے خدا کا پتہ بتا دیا۔ اس سے ملنے کا طریقہ بتا دیا۔ اب تم اپنے خدا سے ملو یا نہ ملو، یا ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے طرزِ عمل پر قائم رہو۔ یہ تمھارا کام، یا دوسرے لفظوں میں تمھاری مرضی۔ میں تو چلا۔۔۔

بقیہ: پردہ کا

آپ کو کہیں کوئی شریف مسلمان عورت پردہ یا برقع میں دکھائی نہیں دے گی، بجز ریلوے اسٹیشنوں کے پلیٹ فارم کے۔ وہاں بھی اس لئے نہیں کہ مذہب اسلام برقع میں نکلنے کا حکم دیتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ اسٹیشنوں پر ڈولیاں اور میانے نہیں ہوتے۔ اگر ریلوے کے اربابِ اقتدار سامان کے ٹھیلوں کی طرح ڈولیوں اور فینسوں کا بھی انتظام کردیں تو یقیناً اس وقت آپ کو برقع کے متعلق مذہبی احکام کبھی یاد نہ آئیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مذہبی اجازت سے نہ فائدہ اٹھاتے ہیں نہ اٹھانا چاہتے ہیں الا ان صورتوں کے جہاں بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں۔ آخر اس کا کیا سبب؟ اس کا سبب یقیناً مذہب نہیں کیونکہ مذہب تو ہر وقت باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے۔ پس آپ کو ماننا پڑے گا کہ پردہ کے اصلی اسباب مذہب اسلام کے احکام نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔ اور اسلام کو ان اصلی اسباب کو چھپانے کا بہانہ بنایا گیا ہے۔ یہ اصلی اسباب کیا ہیں؟ اس پر ہم آئندہ غور کریں گے۔ (باقی آئندہ)

رقیہ نائلہ ایم اے

عورتیں چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیوں کرتی ہیں؟

دراصل ایک ذہین اور سمجھدار مرد اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ خوشگوار ازدواجی زندگی کا دارومدار بیوی کی متوازن شخصیت پر منحصر ہے۔ اور بیوی کا خوشگوار موڈ، خوش اخلاقی اور بردباری کا ذمہ دار صرف مرد ہے۔ مرد اگر ذرا سی ہوشمندی اور میانہ روی سے کام لے تو گھر کی گاڑی خوش اسلوبی سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ چڑچڑی اور بدمزاج عورت گھر کے سکون اور بچوں کی خوشی کو پامال کر دیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ عورتیں چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیوں کرتی ہیں؟ دراصل عورت کو خوش رکھنا اور اس میں خود اعتمادی پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مگر بعض مرد یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم نے عورت کی تعریف کر دی تو ہماری اہمیت کم ہو جائے گی۔ دراصل دن بھر گھر کی چکی میں پسنے کے بعد عورت تعریف کے دو لفظوں کی بھوکی ہوتی ہے۔ مگر مرد سوچتے ہیں کہ یہ سب کام کرنا تو عورت کا فرض ہے۔ اب آپ ہی سوچئے دن بھر کام کرتے وقت ذہنی شعور پر مصروف رہتی ہے کہ یہ کام اس طرح انجام دیا تو مرد خوش ہوگا۔ کھانے کا فلاں ذائقہ اسے پسند ہے۔ مگر صاحب مرد نے دن بھر کی جسمانی اور ذہنی تھکن پر تعریف کے دو بولوں کا مرہم بھی نہیں لگایا۔ اب عورت یہ کہنے سے تو رہی کہ آپ نے تعریف نہیں کی۔ بلکہ وہ اپنے غصے کا اظہار برتنوں کو توڑ کر اور بچوں کو مار کر ہی کرے گی یا سو بار آپ کو سنائے گی کہ کسی کی "لونڈی" نہیں ہوں۔ صحیح ہے آپ کی لونڈی نہیں، ساتھی ہے۔ اگر کھانے کی میز پر کھانے کی تعریف، بچوں کی تربیت میں اس کی محنت کو سراہیے۔ بیوی کی دن بھر کی تھکن دور ہو گئی۔ اور گھر میں ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو گیا۔ بعض اوقات مرد کی زیادتی کی انتہا ہے کہ بیوی کے سامنے دوسری عورتوں کے ماحول کی تعریف کے دفتر کھول دیتا ہے۔ عورت کبھی دوسری عورت کی تعریف برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے عورت کو چڑچڑے پن سے دور رکھنے کے لئے کبھی اس کو کمتر بتا کر دوسروں کی تعریف نہ کریں۔ دراصل روز روز کی تنقید بھی عورت کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ احساس کمتری کا کیڑا زندگی کی تمام خوبیوں کو چاٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اپنی عورتوں کی صحیح اور جائز طور پر تعریف میں کنجوسی مت کیجئے۔ بعض مرد گھر کے اہم معاملات میں عورتوں سے صلاح مشورہ لینا پسند نہیں کرتے۔ عورت چاہتی ہے کہ جس گھر کی بنیادوں میں اس کا خون شامل ہے اُس کے اہم معاملات میں اس کو بھی شریک کیا جائے۔ اس طرح عورت میں قوتِ فیصلہ اور اعتماد پیدا ہوگا۔ عورت کے مشورے کو محض اس لئے رد نہ کیجئے کہ وہ عورت کا مشورہ ہے۔ گھر کے کسی معاملے کو

اپنی انا اور عزت نفس کا معاملہ مت بنائیے بلکہ مل بیٹھ کر فیصلے کیجئے۔ عورت کی شخصیت میں نکھار پیدا ہوگا۔

گھر میں عورت کی حیثیت وزیر داخلہ کی سی ہے۔ گھر کے اندرونی معاملات میں آپ رہنمائی کریں۔ بلکہ تمام امور اپنے ہاتھوں میں رکھ کر صرف اپنی مرضی مت لادیئے۔ اس طرح عورت میں خود سے کچھ کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے اور وہ جھنجھلا جاتی ہے۔ عورت کبھی کبھی تھکن اور بے چینی کی وجہ سے بچوں پر غصہ ہو جاتی ہے۔ اگر آپ محسوس کریں کہ وہ غلطی پر ہے اور غصہ بے جا ہے تب بھی تحمل سے کام لیجئے۔ اسے تنہائی میں سمجھائیے۔ بچوں کے سامنے بیوی کو سرزنش کرنے سے وہ یہ سمجھ جاتی ہے کہ گھر میں اس کی کوئی عزت نہیں، اور بچے بھی دونوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

عورت قدرتی اور فطری طور پر نازک ہوتی ہے اس کے احساسات، جذبات نہایت لطیف ہوتے ہیں۔ عورت کے حُسن اور لباس کی تعریف ضرور کریں۔ مرد جب عورت کے حُسن کی تعریف کرتا ہے تو عورت خود کی تعمیر کرتی ہے۔ مگر تعریف متوازن اور صحیح ہو جو اس میں زیادہ وقار اور اعتماد پیدا کر سکے۔

بعض مرد سمجھتے ہیں کہ بہترین تحفے اور زیورات عورت کی کمزوری ہیں۔ دراصل یہ مرد کا بہت بڑا فریب ہے۔ جن لوگوں کو زندگی میں سچی خوشی نہیں ملتی۔ وہ زیورات اور کپڑوں میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ خلوص اور محبت سے دیا ہوا ایک پھول قیمتی جواہرات سے زیادہ ہے۔ یہ شرط کہ عورت اس میں آپ کی دھڑکن سن سکے۔

> اگر آدمی آپ سے باخبر ہو جائے تو
> زیادہ بہتر طور پر خدا سے باخبر ہو سکتا ہے۔

"اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر"

نیلم فضل ماسٹر

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔
دیکھو! قرآن پر ایمان لاؤ اور اس کی پیروی کرو۔ یہ اس راستے تک لے جاتا ہے جو منزلِ مقصود تک لے جانے والا ہے، ہمیشہ قائم رہنے والی، اور سیدھی راہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ ہے۔ اس کو قبول کرو۔ قرآن کریم ان لوگوں کو جو ایمان والے ہیں اور نیک عمل کرنے والے ہیں، اس بات کی خوش خبری سناتا ہے کہ ان کے لئے اللہ کے حضور اجرِ کبیر ہے۔ اس کے برخلاف، جو بے ایمان ہیں اور آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہے۔"

آج کے آئینے میں اگر ہم اس آیت کا مفہوم ہم سے مسلک عمل کے دائرے میں کتنا ہے دیکھنا چاہیں تو یہی نظر آتا ہے کہ ہم قرآن پر ایمان ضرور لائے ہیں لیکن اس کے لکھے ہوئے پر عمل کرنا بھولتے جا رہے ہیں۔ اس بات کو بھولتے جا رہے ہیں کہ ہمیں کیوں پیدا کیا گیا؟ آخر کس مقصد کے تحت ہم دنیا میں آئے؟ ہمارے عقائد کیا ہونے چاہئیں؟ دوستی اور دشمنی میں کس قانون کی پابندی کریں؟ ہم یہ بھول گئے ہیں کہ آخرت بھی یقیناً ہے اور یہ ہیں آنے والی زندگی بھی ہے۔ جو ہمیشہ کی ہے۔ ہم تو موجودہ زندگی کو خوب صورت بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے اس مقصد کو بھول کر غلط راہوں پہ چل پڑے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ فساد ۔ فساد۔ غور کیا جائے تو یہ فساد ہندو مسلم فساد نہیں ہے۔ یہ فساد ایک زلزلہ ہے جو کبھی نافرمانوں کو راہِ راست پر لانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔ یہ فساد ہمیں مٹانے کے لئے نہیں ہمیں جگانے کے لئے اللہ نے ہمارے سامنے بھیجا ہے۔ ورنہ وہ جو زمین اور آسمان کا مالک ہے کیا اپنے محبوب کی امت کو عذاب میں ڈال سکتا ہے؟ وہ اپنے پیارے حبیبؐ کی امت کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھ سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ تو صرف "سوئی ہوئی قوم کو جگانا چاہتا ہے" تاکہ گمراہی کی طرف چلتے ہوئے یہ قدم رک جائیں۔ نافرمانی کے اصولوں پر گامزن یہ قدم ٹھہر جائیں۔ اور وہ سینے جو ہدایتِ قرآن سے ناواقف ہیں ان کے سینوں میں زندہ تمنائیں جاگ جائیں۔ جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے۔

اس فساد نے آگ بن کر ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ معاشی قوتوں کو کمزور کر دیا ہے، لوگوں کو گھر سے بے گھر کر دیا ہے۔ خوشگوار فضا کو دھوئیں کی شکل میں بدل دیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس لئے کہ

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمھیں پاس نہیں

آج ہم خوار ہیں، بدکار ہیں، ذلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

کیونکہ ہم قرآن کی ہدایت کو بھلا چکے ہیں۔ حضور کے بتائے ہوئے راستوں سے بھٹک چکے ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ایمان کو مضبوط بنائیں، تو پھر فساد کی آگ ہی کیا کوئی بھی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی۔

آج بھی ہو جو ابراہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

ہم نے قرآن کو صرف طاقوں پر سجا رکھا ہے۔ ہاں ابھی علاج کے لئے، نوکری کیلئے، کامیابی کے لئے پڑھ لیتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہوا کہ سمندر سے ہم پانی کی دو بوندیں مانگتے ہیں۔ کیوں نہ ہم قرآن شریف کو سمجھ کر پڑھیں، اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلنا شروع کریں۔ حضور کی بتائی ہوئی ہدایتوں پر عمل پیرا ہوں۔
آخر اللہ تعالیٰ کا یہی کہنا ہے کہ

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ہم کتنے خوش نصیب ہیں کہ خدا کے محبوب کی امت میں سے ہیں۔ ہمارے لئے وہ دوسری دنیا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہاں کے شب و روز کو نیک اعمال اور خیر کے راستے پہ گزاریں۔

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

قدم قدم پہ یہ بات ہمیں پکارتی ہوئی نظر آتی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے ہیں۔ خدا اپنی نوازش اور کرم کی بارش کرے گا اگر ہم حضورؐ کی بتائی ہوئی باتوں کو اپنائیں گے۔ ہمارے برے اعمال نے اپنی شامت کو ہمیں پہنچایا ہے۔
ہم نیک عمل کریں اور بری باتوں سے بچیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائیگا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

علم بڑی دولت ہے

شبنم ابراہیم وانگڑے
ظہران، سعودی عربیہ

علم کے لغوی معنی جاننا ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سب سے پہلے جو تحفہ دیا وہ علم کا تحفہ تھا۔ علم سیکھنا بہت اچھی بات ہے۔ عالم اور جاہل میں بہت فرق ہے۔ اور ان کو ایک جیسا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ عالم کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥

کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر ہو سکتے ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ انسان کے سوا باقی تمام مخلوق ایک ہی روش پر قائم ہے۔ پیدائش سے موت تک ان کے تمام افعال محدود ہیں۔ مگر انسان ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ اس کی یہ ترقی علم ہی کی وجہ سے ہے۔ جوں جوں علم بڑھتا جاتا ہے نئی نئی ایجادات سے دنیا حیران ہوتی جاتی ہے۔ زندگی کے تمام طریقے بدلتے جاتے ہیں۔

انسانوں میں سب سے افضل انسان وہ ہے جو علم رکھتا ہو۔ علم حاصل کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا۔ حضورؐ کا حکم ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

غرض انسان کو تمام فضیلت علم کے باعث ہے۔ آدمی نے علم کے ذریعے کائنات اور اپنی ہستی کو پہچانا۔ آج کل کے سائنسی دور میں علم کی اہمیت اور بڑھتی جا رہی ہے۔ بلکہ یہ سائنسی دور علم ہی کا نتیجہ ہے۔ نئے نئے تجربے سے دنیا ترقی کی راہ پہ گامزن ہے۔ اور ہم نئی ایجادات کی بدولت پُرسکون اور کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ دنیا کے ہزاروں میل کا سفر ہوائی جہاز سے ایک دن کے اندر طے کرنا، یا دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی کے ساتھ کسی بھی وقت ٹیلیفون پہ گفتگو کرنا، کائنات میں ہونے والی تبدیلی کی ہم سکنڈ اطلاع دینا۔ یہ ایسی نعمتیں ہیں جو ہمیں علم ہی کی بدولت ملی ہیں۔ اور ملتی رہیں گی۔

زندگی کیا ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہئے، اچھا مذہب اور اچھی صحت کیا ہے۔ بُرا کیا ہے۔ ان چیزوں کی معلومات ہمیں علم کے باعث ہی ملتی ہیں۔

علم ایک ایسا ستارہ ہے جو ہر اندھیرے میں چمکتا ہے۔ زندگی کے ہر حصے میں علم حاصل کرنا چاہئے۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی ماں سے علم حاصل کرتا ہے۔ پھر مدرسے میں علم حاصل کرنے جاتا ہے۔ علم حاصل کرتے کرتے

جوان ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ
"اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ"
"ماں کی گود سے قبر تک علم حاصل کرو"
ہمیں اپنی ساری زندگی علم حاصل کرنے میں گزارنی چاہیئے۔ جیسے جیسے ہم علم حاصل کریں گے ہمارے علم میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ہمیں علم حاصل کر کے دوسروں کو سکھانا چاہیئے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کا فرمان ہے:
"تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا اور پھر دوسروں کو سکھانا ہے۔"
اگر ہم علم کو اپنے سینے میں چھپا رکھیں گے تو یہ اتنا ہی رہے گا۔ اگر ہم اسے دوسروں کے سینے میں منتقل کر دیں گے تو یہ بڑھے گا۔ حضورؐ کا فرمان ہے کہ
"تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ"
"علم حاصل کرو اور دوسروں کو سکھاؤ"
"جو شخص علم حاصل کرنے نکلتا ہے اللہ اس کا جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔"
علم ایک دولت ہے۔ ہمیں مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے لیکن علم ہماری حفاظت کرتا ہے۔
"علم حاکم ہے اور مال محکوم ہے"
علم ایک ایسی دولت ہے کہ اسے کوئی بھی نہیں چرا سکتا۔ مال کو تو چور چرا سکتا ہے۔ لیکن علم کو کوئی نہیں چرا سکتا۔ بدر الخالق کا ایک شعر ہے کہ:

علم وہ دولت ہے جس کو چور کا کھٹکا نہیں
ڈاکوؤں کا ڈر نہیں شہ زور کا کھٹکا نہیں

علم ہمیں روشنی دیتا ہے۔ حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ،
اَلْعِلْمُ نُوْرٌ "علم روشنی ہے" ـــ "جہالت تاریکی اور تباہی ہے۔" جہالت سے نکلنے کے لئے ہم علم سیکھتے ہیں اور علم سکھانا انبیاء کی سنت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا فرمان ہے کہ
"علم پیغمبروں کی میراث ہے" اور مال فرعون اور کفار کی۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان سے فرمایا کہ تم ان تین چیزوں میں سے ایک کو چن لو علم، مال، حکومت۔ حضرت سلیمان نے علم کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی اس بات سے خوش ہو کر ان کو مال اور حکومت بھی بخش دی۔
ـــ اگر ہمیں کسی چیز کو چننا ہو تو علم کو چنیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا:
"ضائع ہے وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے۔"
جو انسان علم حاصل نہیں کرتا وہ انسان کہلانے کے لائق نہیں۔ حضرت داتا گنج کا فرمان ہے کہ "عمل وہ ہے جس کی بنیاد علم پر ہو۔"

علم کی دھن جسے لگی نہیں
سچ تو یہ ہے وہ آدمی نہیں

ہمیں چاہیئے کہ جہاں سے ذرا بھی کچھ ملے اسے سیکھ لیں۔
حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ "علم مومن کا گم شدہ مال ہے۔ جہاں ملے لے لو۔"

دلوں میں بھرو علم کا مال و زر
نہ رہزن کا خطرہ نہ چوروں کا ڈر

علم کے فائدے:

ان پڑھ آدمی اندھے کی مانند ہے۔ اس کے لئے اینٹ اور کتاب برابر ہے۔ بلکہ کتاب کی بہ نسبت اینٹ اس کے لئے زیادہ مفید ہے۔ پڑھا لکھا آدمی کتابیں پڑھ کر اپنی واقفیت میں اضافہ کر لیتا ہے۔ بیکار وقت کو کتابوں کے مطالعے سے کامیاب بنا سکتا ہے۔ مگر اَن پڑھ کی واقفیت سنی سنائی باتوں پر ہوتی ہے اور وہ وقت کو بیکار اور ضائع کرتا ہے۔
تعلیم یافتہ دکاندار دوسرے ملکوں سے بھاؤ معلوم کر کے

[illegible]

اپنے سودے کو ایسی منڈی میں فروخت کرتا ہے جہاں
سے وہ زیادہ منافع کما سکے۔ تجارت کے اتار چڑھاؤ
سے واقف رہتا ہے۔ اور جاہل دوکاندار کو ان باتوں کی
خبر نہیں ہوتی کسی نے بتایا تو معلوم ہوگیا ورنہ بے خبر
رہتا ہے۔ تعلیم یافتہ دیاندار اپنے خط وکتابت اپنے ہاتھ
سے کر لیتا ہے۔ گھر کے راز پوشیدہ رہتے ہیں۔ ان پڑھ آدمی
خط وکتابت کے لئے دوسروں کا محتاج ہے۔ ان پڑھ
آدمی کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور علم نہ ہونے
کے باعث اکثر خرچ بھی بہت ہو جاتا ہے۔ اور بیچارہ نقصان
اٹھاتا ہے۔

خواندہ زمیندار ناخواندہ زمیندار سے کئی باتوں میں
فائدے میں رہتا ہے۔ جدید طریقہ زراعت کا علم
حاصل کر کے ان سے بہتر طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے۔
ان پڑھ کے لئے تو اپنا مایہ دگان معلوم کرنا بھی مشکل ہے۔

خواندہ مرد اور خواندہ عورت اپنے گھر کا حساب کتاب
رکھ سکتے ہیں۔ اپنے بچوں کی بہتر تربیت کر سکتے ہیں۔

دینی فائدہ یہ ہے کہ مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے
اپنے مذہب کی پوری پوری واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔
بزرگانِ دین کے حالات پڑھ کر اخلاقی بلندیاں حاصل ہوتی
ہیں۔ تاریخ کی کتابوں سے اپنے اسلاف کے کارنامے معلوم
ہوتے ہیں۔

آج کل اخبار کا زمانہ ہے۔ صبح اٹھتے ہی ملکی اور
غیر ملکی حالات کا علم حاصل کرنے کے لئے ہر شخص بے چین
ہوتا ہے۔ ان پڑھ آدمی کسی کے ہاتھ میں اخبار دیکھتا ہے تو
اس سے بار بار سوال کرتا ہے کہ تازہ خبر کیا ہے۔ اور پڑھا لکھا
آدمی خاموشی کے ساتھ اخبار کے سارے حالات معلوم
کر لیتا ہے۔ غرض علم کے بغیر انسان کسی کام میں بھی کامیاب
نہیں ہوسکتا۔ موجودہ ترقی پسند معاشرہ پر غور کیا جائے تو
معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب علم ہی کے کرشمے ہیں۔ اگر
انسان علم حاصل نہ کرتا تو آج یہ روشنی نظر نہ آتی۔

علم سے انسان برا بھلا جانتا ہے۔ اور یہ بے مثال
دولت ہے۔

علم ایک لازوال دولت ہے
علم ایک بے مثال طاقت ہے
علم ہی سے خدا کو پہچانا
علم ہی سے برا بھلا جانا

ضروری گذارش

نامہ نگار و مراسلہ نگار حضرات اپنی رپورٹ ہر ماہ کی
بیس تاریخ سے پہلے دفتر میں پہنچانے کی کوشش کریں۔ بیس کے
بعد ملنے والی خبریں اگلی اشاعت میں شریک کی جاتی ہیں۔
(ادارہ)

سخنہائے گفتنی

(عزیزم کیپٹن فقیر محمد مستری صاحب کے ملازمت سے سبکدوش ہونے پر)

تجھ کو عمرِ خضر مستری ہو عطا

اے فقیر محمد مرے مہرباں
قوم کا درد دل میں ہے تیرے نہاں

تو ہے چھوٹوں، بڑوں کا بڑا قدرداں
پیار ہے تیرا ہر ایک رُخ سے عیاں

تیرا سینہ محبّت سے معمور ہے
حُسنِ اخلاق بھی تیرا مشہور ہے

تیرے دل میں ہر انسان کا درد ہے
تو سخی ہے، جری ہے، جواں مرد ہے

تیری کوشش سے ہے رونقِ انجمن
تجھ سے گلزار "کوکن" کی ہے یہ پھبن

"نقشِ کوکن" کا تو بھی ہے روحِ رواں
تیری کوشش سے ہے یہ رواں اور دواں

ہوگیا تو سبکدوش عزت کے ساتھ
زندگی تیری گذرے، مسرّت کے ساتھ

پیار احباب کا بے بہا مل گیا
تجھ کو خدمت کا تیری صلہ مل گیا

بیٹی نجمہ، صبیحہ، نگار و قمر
شاہجہاں پیارا، منصور لختِ جگر

تیرے اوصاف گلزار میں ہیں نہاں
بی بی حوّا کے قدموں تلے ہے جناں

پھول گلزار کے ہیں ترے بے مثال
دیکھے اِن کی بہاریں تو ہر ماہ و سال

تجھ کو عمرِ خضر مستری ہو عطا
ہے دُعا مہاراجہ[1] کی صبح و مسا

تیرے طالب کی ہے یہ دُعا صبح و شام
کہ رہے ساتھ آدم کے حوّا مدام

ابراہیم یوسف خان طالب

نوٹ:- ۱۔ مہاراجہ: MAHARAJA مخفف ہے مسرّت (دختر)، حبیبہ مسز طالب، رمیضہ (دختر)، جوّاد (فرزند)۔

از: مسٹر تابڑ توڑ

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔

★ سوالات غیر شائستہ اور غیر مہذب نہ ہوں۔

★ ہر سوال کے بعد جواب کیلئے جگہ چھوڑی جائے۔

★ عبدالرزاق قاسم حمقہ بردار زلیبوی تعلقہ منڈنگڑھ

سوال: غم کا علاج کیا ہے؟

ج: غم کا حد سے سوا ہوجانا۔

کسی شاعر نے بھی یہی کہا ہے کہ

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

سوال: اچھا خاصا انسان قابلِ تعزیر کب بن جاتا ہے؟

ج: جب وہ بد اخلاقی پر اتر آئے

★ مختار اسماعیل ملّا کر دھقہ، سنگمیشور

سوال: ۲۹ فروری کو کس وزیر اعظم کی سالگرہ منائی جاتی ہے؟

ج: سابق وزیر اعظم شری مرارجی ڈیسائی کی۔

سوال: دنیا میں سب سے بڑی مسجد کہاں ہے؟

ج: اسپین میں۔

★ حمزہ احمد دلوی گھاٹکوپر بمبئی

سوال: الکشن میں ہارنے والے سیاسی امیدوار اور عشق کی بازی ہارنے والے عاشق زار میں کس کا غم شدید ہوگا؟

ج: سیاسی امیدوار کا۔ اس لئے کہ اسے پانچ سال تک کوئی چانس نہیں ہے۔

سوال: دوسروں پر کیچڑ اچھالنے والا اپنا دامن کیوں نہیں دیکھتا؟

ج: دیکھتا ہے بلکہ جانتا بھی ہے کہ یہاں کیچڑ ہی کیچڑ ہے اسی لئے تو

وہ دوسروں تک اپنا غم بانٹتا ہے۔

★ نثار احمد عبدالرحمٰن مانڈ نکر منامہ بحرین

سوال: لڑکیاں پردہ کی اہمیت کب سمجھتی ہیں؟

ج: جب بے پردگی انھیں مزہ چکھا دے۔

سوال: انسان کی زندگی کا سب سے حسین پہلو؟

ج: جب وہ رشتہ ازدواج میں بندھنے والا ہو۔

سوال: جھوٹی تسلیوں پر کب یقین کرنا پڑتا ہے؟

ج: جب معاملہ بیوی کے دربار میں حاضری کا ہو۔

★ اشتیاق احمد عبدالکریم چوگلے جوگیشوری، بمبئی

سوال: کھلا ہوا پھول تو سبھوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ کیا مرجھائے ہوئے پھولوں کا بھی کوئی قدرداں ہے؟

ج: جی ہاں! ماہر نباتات۔

سوال: کیا حسین لڑکی کو دیکھ کر قدرت کی صناعی کی تعریف کرنا گناہ ہے؟

ج: بالکل نہیں۔ مگر بیویوں کو کون سمجھائے۔

★ حنیف بہ جرکی سونس تعلقہ کھیڈ

سوال: عشق میں ایسی کیا کشش ہے لوگ دن رات اس کے لئے جد و جہد کرتے ہیں؟

ج: یہ ایک ایسی گتھی ہے۔ جسے نہ میں حل کر سکتا ہوں نہ آپ سمجھ سکتے ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

سوال:۔ اپنے دیس میں امن کب قائم ہوگا؟

ج:۔ کس دیس کی بات کر رہے ہیں آپ ــــ

سوال:۔ اینٹ سے اینٹ جوڑنے کے لئے سیمنٹ کا استعمال ہوتا ہے، ٹوٹا ہوا دل جوڑنے کے لئے کیا کیا جائے؟

ج:۔ دعا۔

★ نور محمد عبدالغنی کسوت محمد عمر کوکل مارگ ممبئی

سوال:۔ گھر میں ویڈیو پر فلم دیکھنا اچھا ہے پکچر ہاؤس جاکر دیکھنا؟

ج:۔ دراصل ہم پکچر دیکھنے کے حق میں نہیں ہیں۔ البتہ جو لوگ دیکھتے ہیں ان کے لئے دونوں جگہ مختلف نوعیت کے فائدے ہیں۔ گھر میں ویڈیو پر فلم دیکھنے میں یہ سہولت ہے کہ جس سین ہم اپنے گھر والوں کو نہیں دکھانا چاہتے اسے وائنڈاپ کر کے آگے بڑھا سکتے ہیں۔ پکچر ہاؤس میں یہ سہولت نہیں ہے۔ ہاں پکچر ہاؤس میں جنھیں فلم دکھا سکتے ہیں ضروری نہیں کہ انھیں گھر پر بلاکر دکھایا جا سکے۔

★ محمد سعید ٹکلے دہیور تعلقہ مہاڈ ضلع رائے گڑھ

سوال:۔ دنیا میں سب سے زیادہ عزت کی کرسی کون سی ہے؟

ج:۔ آیۃ الکرسی

سوال:۔ کس خوشی سے دور رہنا چاہئے؟

ج:۔ جو دوسروں کو رنج پہنچا کر حاصل کی جائے۔

★ انور حسین عبدالحمید کوڈیے آڑا۔ تعلقہ داپولی

سوال:۔ کیا دنیا کی تمام مسجدوں کا درجہ برابر ہے؟

ج:۔ مسجد چھوٹی ہو یا بڑی خانۂ خدا کہلاتی ہے۔ اور خدا کے گھر کی درجہ بندی نہیں کی جا سکتی۔

سوال:۔ غار حرا کہاں ہے؟ ج:۔ مکہ شریف

نام کتاب :۔ **تاریخ اہل حدیث**

مصنف : مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی

ناشر ، مکتبہ التوحید۔ غفار منزل ایکسٹنشن
جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

صفحات : ۲۴۸

قیمت : چالیس روپے

کاغذ، کتابت وطباعت : عمدہ واعلیٰ

کتاب کا مضمون نام سے ظاہر ہے۔ اس میں "اہل حدیث" کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ مگر اس ضمن میں پہلے بہت سے اسلامی فرقوں کا ذکر ہے۔ بعض فرقے کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں، جیسے مسئلہ رجعت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی اور وصیت خلافت وغیرہ۔

حضرت امام ابو حنیفہ | لیکن اس کا جو سب سے اہم حصہ ہے وہ مصنف کا حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے زبردست دفاع ہے۔ امام موصوف کو بہت سے لوگوں نے مرجئہ کہا ہے جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔ مصنف نے دلائل قاطعہ اور اقوال بزرگان سے ثابت کیا ہے کہ یہ الزام غلط ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ ہرگز مرجئہ نہ تھے۔ آپ کے جس قول سے مرجئہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے، اس کی بہت اچھی توجیہ وتاویل کی ہے۔ یعنی یہ کہ ایمان میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی۔ اور نجات کا دارو مدار ایمان پر ہے۔ اسی قول سے آپ کے مرجئہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے مگر مصنف نے بدلائل احسن ثابت کیا ہے کہ مرجئہ اور آپ کے عقیدے میں بڑا فرق ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبینؒ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کو مرجئہ لکھا ہے۔ اس کا بھی مدلل جواب دیا ہے۔

اخیر میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق اپنا ایک کشف بھی بیان کیا ہے۔ جو قابل مطالعہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام موصوف گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نور بنکر چمک رہے ہیں۔ یہ باتیں تو فرقہ ہائے اسلام کے باب میں کہی گئی ہیں۔

کتاب کے آخری حصے میں یہاں ہندوستان کے علمار اہل حدیث کی تاریخ ہے اور جس میں تیس علماء کے تذکرے ہیں۔ اس میں بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تعریف ومنقبت میں تیرہ علمار اہل حدیث کے اقوال ہیں۔ ان میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو امام موصوف کی بے ادبی کرتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

لیکن اس باب میں ایک بات محل نظر ہے۔ اس میں حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور ان کی اولاد کو اہل حدیث کہا گیا ہے۔ حالانکہ اسی باب کے صفحہ نمبر ۴۱۸ پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ کا خاندان علم حدیث اور فقہ حنفی کا ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی بھی حنفی المسلک تھے۔ دراصل مصنف کا مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل حدیث کی تعریف بہت ہی مختصر کرتے ہیں، جس نے فقہ حنفی کے کسی مشہور مسئلے کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا بس وہ اہل حدیث ہو گیا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمام بزرگ مسئلہ قرأت خلف الامام اور رفع یدین میں فقہ حنفی سے اختلاف کرتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اپنے کو حنفی ہی کہتے تھے۔ اس لئے کہ دیگر اکثر مسائل میں وہ فقہ حنفی کے متبع تھے۔

تبصرہ کیلئے دو نسخوں کا بھیجنا ضروری ہے

نام کتاب :

رخصتی کے وقت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی عمر

اس کتاب کے مصنف ابوطاہر صاحب عرفانی ہیں۔ یہ مولانا آزاد روڈ، فاطمہ بائی کورٹ، جیکب سرکل بمبئی ۱۱۰۰۴۰ سے شائع ہوئی ہے۔

اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر کم سے کم اٹھارہ سال تھی۔ بلکہ بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال سے بھی متجاوز تھی ــــ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ رخصتی کے وقت آپ کی عمر نو ۹ سال تھی۔ مگر اس کتابچے سے اس مسئلے کا ایک نیا پہلو سامنے آتا ہے۔ اہل علم کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ٹیلیفون نمبر 893438 / 898330

صحت و زندگی

مصنف : جناب خوشتر بلگرامی

پبلشر : بیسویں صدی بکڈپو دریاگنج نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

صفحات : ۲۲۴

کاغذ، کتابت، طباعت : اوسط درجہ کی

قیمت : چھ روپئے

صحت و زندگی کے موضوع پر یہ ایک معلومات افزا کتاب ہے۔ صحت کے لئے جن جن اشیاء کی ضرورت ہے جیسے غذا اور ورزش۔ ان عنوانات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب کے پہلے حصہ میں وٹامن (حیاتین) ہے جو ہمارے بدن (جسم) میں پروٹین، کیلشیم وغیرہ ــــ جیسے ان چیزوں کے خواص ہیں جو ہم روزمرہ خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے گیہوں، چاول، گوشت، سبزی ترکاری، پھل مٹھائی ــــ تمام بہ نام ہر چیز کے خواص بتائے گئے ہیں۔

دوسرے حصے میں ان طریقوں اور غذاؤں کا بیان ہے جو صحت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہیں ــــ ہر بات مفصل اور مفید انداز میں بیان کی گئی ہے۔ صحت اور زندگی کے عنوان پر یہ کتاب قابل مطالعہ ہے۔

سوانح نظیر کے چند حقائق

رسالہ آج کل ــ دہلی ــ فروری ۸۳ء

مضمون علی احمد فاطمی

نظیر اکبرآبادی اردو زبان کے پہلے عوامی شاعر ہیں۔ زندگی کے اہم اہم عنوانات پر تصنیف کی۔ جیسے آدمی، روٹی وغیرہ ــ اس کے علاوہ عوامی زندگی میں جن چیزوں کی اہمیت ہے جیسے میلے ٹھیلے۔ ان پر بھی نظمیں کہیں۔ آپ کا دیوان کافی ضخیم ہے اور اس میں اس قسم کی نظمیں ہیں۔

نظیر اکبرآبادی نے شاعری کو حسن و عشق اور گل و بلبل کی قید سے نکال کر زندگی کے ضروری مسائل سے روشناس کرایا۔ مگر یہ عظیم شاعر محققین کی بے توجہی کا شکار رہا۔ حتیٰ کہ ان کی جائے پیدائش اور سنہ کا بھی صحیح صحیح پتہ نہیں لگتا تھا۔ اب دانشوروں کی اس طرف توجہ ہوئی ہے اور وہ نظیر اکبرآبادی کے حالات پر قلم اٹھا رہے ہیں۔ رسالہ آج کل دہلی کا یہ مضمون اس کی ایک مثال ہے۔

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نظیر ایک صوفی مزاج قناعت پسند اور نیک طبیعت شاعر تھے۔ نوابوں اور راجاؤں کے درباروں سے دور رہتے تھے۔

★ ★ ★

مرتبہ: فیض صاد

پروفیسر شیخ کو ڈاکٹریٹ ڈگری

ماہ نامہ نقش کوکن کے ادارہ تحریر کے رکن، روزنامہ انقلاب کے مستقل کالم نگار جو رفتار زمانہ اور آؤ عربی سیکھیں لکھتے رہے ہیں۔ نیز برہانی کالج بمبئی میں عربی کے استاد پروفیسر شفیع شیخ صاحب کو بمبئی یونیورسٹی نے ان کے تحقیقی مقالے اردو زبان و ادب پر عربی زبان و ادب کا اثر پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی ہے ۔۔۔ اسی طرح جناب خلیق الزماں انصاری نے ناگپور یونیورسٹی سے مقالے نئی نظم اور غزل کی سمت و رفتار ۱۹۶۰ کے بعد پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ جناب خلیق الزماں انصاری نیشنل ڈیفنس اکاڈمی کھڑک واسلہ پونہ کے ڈپارٹمنٹ آف فارن لینگویجز سے منسلک ہیں۔

شر گاؤں میں جلسہ تقسیم انعامات

حسب سابق ینگ فرینڈس ویلفیئر سوسائٹی شر گاؤں مقیم بمبئی کے زیر اہتمام جناب فضل قاضی صاحب کی صدارت میں منعقدہ جلسہ میں رتناگری ضلع پریشد کے چیف آفیسر شری اروندیاسنے کے ہاتھوں گاؤں کے ۲۵ غریب و یتیم طلبہ و طالبات کو اسکول یونیفارم تقسیم کئے۔ اسی طرح دو غریب طلبہ جو گھانجوالے اسے شر گاؤں اسکول میں آتے ہیں، انہیں سالانہ ایس ٹی پاسیس دیئے گئے۔ رمضان المبارک کے موقع پر اس سوسائٹی کے تحت گاؤں کے ۲۳ بیوہ اور غریبوں کو فی کس پچاس روپئے زکاۃ کے طور پر دیئے گئے۔

اس جلسے میں اسکول کے ہیڈ ماسٹر و دیگر اساتذہ اور گاؤں کی کئی معزز ہستیوں نے شرکت فرمائی۔

اس جلسے میں اسکول کے ہیڈ ماسٹر و دیگر اساتذہ اور گاؤں کی کئی معزز ہستیوں نے شرکت
فرمائی۔ ہفتہ وار رتناگری سیوک کے مالک و مدیر جناب علی میاں قاضی نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

نامہ نگار: اسلم ملا

بزم اردو کو عطیہ

جناب شوکت عباس جھولے (مقیم دمام سعودی عربیہ) نے بزم اردو چپلون ضلع رتناگری کی تعلیمی، ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں پر اظہار مسرت کرتے ہوئے

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی

کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت

کامیابی یا اسی قبیل کی کوئی خبر

نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے

تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع

نہیں ملی ہے ۔۔۔ عدم اشاعت پر ناراض

نہ ہوں بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

بمبئی مرکنٹائیل بنک اور عازمین حج

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹیو بنک لمیٹڈ بمبئی کو حج کمیٹی کی طرف سے ۱۱ ہزار عازمین حج کے لئے ریال کی صورت میں غیر ملکی زر مبادلہ جاری کرنے کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ بنک نے زر مبادلہ جاری کرنے کیلئے صابو صدیق مسافر خانہ میں بنک کی ایک شاخ قائم کی ہے تاکہ عازمین حج کی خدمات انجام دینے میں سہولت ہو

بزم ہذا کو مبلغ پانچسو ایک (۵۰۱) روپئے کا گرانقدر عطیہ سے نوازا ہے جس کے لئے اراکینِ بزم ان کے تہہ دل سے شکرگذار ہیں۔

موصوف نے اپنی بہن ریحانہ عباس حجوانے کی ایس ایس سی (مارچ ۸۴ء) میں نمایاں کامیابی کی خوشی میں نیشنل ہائی اسکول داپولی ضلع رتناگری کو بھی مبلغ پانچسو ایک (۵۰۱) روپئے کا عطیہ دیا ہے۔

تربیتی جہاز راجندر میں داخلے

جہاز رانی کے ڈائرکٹوریٹ جنرل ممبئی نے اطلاع دی ہے کہ ۸۵-۱۹۸۴ء کیلئے تربیتی جہاز راجندر اور ڈی ایم ای ٹی کورس کے منتخب امیدواروں کی فہرست اگست ۸۴ء تک تیار کی جائے گی۔ اس کے بعد منتخبہ امیدواروں کو طبی امتحان اور انٹرویو کے لئے بلایا جائے گا۔ دونوں کورس ستمبر ۱۹۸۴ء میں شروع کی توقع ہے۔

مفت کتابیں اور کاپیوں کی تقسیم

انجمن اتحاد المسلمین داپھول کا خصوصی جلسہ جناب عبدالغفور شمس الدین درویش .S.E.M کی زیرِ صدارت داپھول میں منعقد ہوا جس میں انجمن کے ایک وفد نے ممبئی سے شرکت کی۔ تعلیم کی اہمیت پر سامعین کی توجہ مبذول کرانے کے بعد ضرورت مند طلبہ و طالبات کو کتابیں، کاپیوں کی تقسیم صدرِ جلسہ کے ہاتھوں کی گئی۔

نامہ نگار: جمال الدین علاؤالدین درویش

S.S.C. کا نتیجہ

نقشِ کوکن کا پچھلا شمارہ (جولائی ۸۴ء) پریس جانے تک ہمیں تمام نتائج نہیں ملے کہ انہیں ہم شریکِ اشاعت کریں۔ کاپی تیار ہونے کے بعد ہی کچھ نتائج ہم تک پہونچے۔ گرچہ کہ اس تاخیر کیلئے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ مگر تاخیر سے کامیاب طلبہ کو مبارکباد دینے کے لئے معذرت خواہ ہیں۔

ایس ایس ہائی اسکول ساتی

ساتی تعلقہ داپولی ضلع رتناگری کے اس ہائی اسکول کا نتیجہ ۹۰ فیصد رہا۔ حبیب اللہ یوسف امیرکر نے ۷۲ فیصد مارک لئے اور مرکز میں اول آئے۔

این پی اردو ہائی اسکول کھیڈ پولی

کھیڈ پولی ضلع رائےگڑھ اور مضافات میں اردو ذریعہ تعلیم کے اس واحد ادارہ کا نتیجہ ۹۰ فیصد رہا۔ زیادہ تر طلبہ امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے۔

مولانا آزاد ہائی اسکول پانگولی

انجمن فہیم و تعمیر تعلیم اس تعلیمی ادارہ کے تحت چلنے والے اس ہائی اسکول کا نتیجہ ۷۵ فیصد رہا۔ ۱۶ طلبہ شریکِ امتحان ہوئے تھے۔ دو طلبہ نے امتیازی پوزیشن حاصل کی۔

کے ایم ای ایس ہائی اسکول پڈگھا

پڈگھا (ایسٹ دیولی) ضلع تھانہ کے اس ہائی اسکول کا نتیجہ ۸۰ فیصد رہا۔ تین طلبہ درجہ اول میں پاس ہوئے۔ جی ایل کھوت اور تابندہ اعظمی نے امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔

(بقیہ صفحہ ۵۰ پر)

آزادی نمبر

نقشِ کوکن کا اگلا شمارہ آزادی نمبر ہوگا۔

جناب ایم ایم بخشی

جناب ملک حسین ایم بخشی متوطن اورن ضلع رائے گڈھ کا جنم ۱۹۲۶ء میں اورن میں ہوا۔ مگر برصغیر کی تقسیم کے بعد آپ پاکستان منتقل ہوئے۔ اور ۱۹۴۸ء سے آپ نے پاکستان کے حقوق شہریت حاصل کئے ہیں۔

اورن کے ایک معزز خاندان کے فرزند ایم ایم بخشی جن کا آبائی پیشہ نمک سازی رہا ہے، بمبئی کے سینٹ زیویئرس کالج اور گورنمنٹ لا کالج کے سند یافتہ ہیں۔ جب پاکستان منتقل ہوئے تو آپ نے پبلک ٹرانسپورٹ، تجارت، ٹیکسٹائل، پرانے جہازات کو توڑنا اور درآمد و برآمدات وغیرہ شعبوں میں کام کیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ ایک ایسی فرم (میسرز ایم ایم بخشی) کے مینیجنگ پارٹنر ہیں جو پچھلے ۲۵ سال سے حرفت و تجارت میں اونچی ساکھ کی حامل ہے۔ لوہے اور فولاد نیز اسکریپ (توڑنے کے لئے) جہازات برآمد کرنے میں اس کمپنی کو مملکت پاکستان میں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔
جناب بخشی صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ آل پاکستان شپ بریکرز ایسوسی ایشن کے آپ اولین صدر منتخب ہوئے۔ برآمدات میں نفیس غالیچے اور تیار ملبوسات قابل ذکر ہیں۔ تعمیراتی شعبہ میں آپ نے کراچی ڈیولپمنٹ اتھارٹی کے لئے رہائشی مکانات، مارکیٹ، اسکولز اور سڑکیں تعمیر کی ہیں۔ ان میں ڈھائی میں ۲۰ انچ قطر کی اسٹیل پائپ لائین کی تنصیب کسی پاکستانی ادارہ کی اولین کوشش ہے۔ کراچی یونیورسٹی، کراچی ڈسٹرکٹ کونسل اور کئی پرائیویٹ بلڈنگوں نیز بنگلوں کی تکمیل آپ کے تعمیراتی شعبہ کا کارنامہ ہے۔

ان کاروباری مشاغل کے علاوہ سماجی و فلاحی تنظیموں میں بھی برابر حصہ لیتے رہے ہیں۔ آپ کوکنی مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ کے صدر ہیں۔ اسی طرح پاکستان شپ بریکرز ایسوسی ایشن، حنیف الدین میموریل (نبی باغ) کالج، آل پاکستان راپیسٹس اسٹرائس) ٹیکسٹائل ایسوسی ایشن، کراچی ڈویژن کرکٹ ایسوسی ایشن، سندھ ویسٹرن باسکٹ بال ایسوسی ایشن کے بھی صدر رہ چکے ہیں۔ نیز کراچی ہاکی ایسوسی ایشن کے نائب صدر تو سندھ کرکٹ ایسوسی ایشن کے اعزازی خازن کے عہدہ پر رہ چکے ہیں۔
تا حال ممبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کراچی، پاکستان ریڈی میڈ گارمنٹس مینوفیکچررس اینڈ ایکسپورٹرز ایسوسی ایشن پاکستان ری رولنگ ملس ایسوسی ایشن، پاکستان شپ بریکرز ایسوسی ایشن اور پنجاب ٹائمز ریذیڈنٹس ایسوسی ایشن کے رکن ہیں۔

عمر کی ۵۸ منزلیں طے کرنے کے باوجود آپ قومی و سماجی سرگرمیوں میں پوری طرح دلچسپی رکھتے ہیں۔ نقش کوکن سے آپ کو تعلق خاطر ہے اور اس کے تاحیات خریداروں میں شامل ہیں بلکہ اس کی ترویج و ترقی کے لئے کوشاں بھی۔

جناب ناظم علی باٹا مرحوم

پرنس آغا خان شیعہ امامی اسماعیلی کونسل برائے ملیشیا اور سنگاپور کے صدر جناب ناظم علی باٹا کا ۲۳ جنوری ۸۴ء کو سنگاپور میں انتقال ہو گیا۔

مرحوم ان کا جنم ۱۹۲۳ء میں بمبئی میں ہوا تھا۔ یہیں آپ نے سلسلۂ تعلیم مکمل کیا۔ اور ۱۹۵۳ء میں سنگاپور گئے جہاں

ایک فوقیت سے کاروبار یا ناٹریڈنگ کمپنی کو فروغ دے کر لکڑی کی تجارت میں شہنشاہ کہلائے۔

باناصاحب نے دنیا کے متعدد ملکوں میں منعقدہ تجارتی کانفرنسوں میں حکومت سنگاپور کی نمائندگی کی ہے۔ آپ سنگاپور قومی جب زبان کونسل کی انتظامیہ کے رکن تھے۔ ادارہ اس کی پبلسٹی، پلاننگ اور ریسرچ وغیرہ کمیٹیوں پر کام کیا ہے۔ نقش کوکن سے انھیں دلی ہمدردی تھی اور اسے ایک تحریک سمجھ کر اس کی قدر کیا کرتے تھے۔

جناب انور علی بانگی

موضع سانگ تعلقہ دابولی ضلع رتناگری کے فیاض سماجی خدمتگار جناب انور علی احمد بانگی کی جدوجہد کے نتیجہ میں سانگ کے لئے .S.T کی بارہ ماہی سروس شروع ہو گئی ہے۔ دابولی آٹھ دس کلو میٹر دور بسے ہوئے اس گاؤں میں انگریزوں نے ہی سڑک تعمیر کروائی تھی، جس پر پرائیویٹ گاڑیاں چلتی تھیں مگر ۱۹۶۵ء میں .S.T کی مسافر بردار گاڑیاں دوڑنے لگیں۔ جو موسم برسات شروع ہوتے ہی بند ہو جاتیں اور دوبارہ شروع ہونے میں نومبر دسمبر مہینہ نکل جاتا تھا۔ موسم برسات میں آمد و رفت کا معقول ذریعہ نہ ہونے سے لوگوں کے لئے یہ موسم عذاب بن جاتا تھا۔ مگر امسال .S.T کی مسافر گاڑیاں بھری برسات میں بھی دوڑ رہی ہیں جس کیلئے جناب حاجی علی بھارتی دیگر اصحاب نے بھی سعی کی ہے مگر انور بانگی صاحب کی مساعی کامیاب ہوئی۔ اس جواں سال کارکن میں فلاحی خدمت کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ چند سال قبل آپ ہی نے سابقہ ویلفیئر سوسائٹی سانگ کے زیر اہتمام کوشش جاری رکھی اور گاؤں میں بجلی کے قمقمے روشن کئے۔ جناب انور بانگی صاحب ... ڈاکٹر شاہ نواز بانگی مقیم لندن

کے بھائی اور جناب احمد عرف لاد صاحب بانگی (بینٹر) کے فرزند ہیں۔

ذاکرہ راؤت

ذاکرہ بیگم عبدالوہاب راؤت متوطن موربہ ضلع رائے گڑھ نے امسال .S.S.C امتحان میں ۸۶ فیصد نمبر حاصل کئے اور کامیاب ہو گئیں۔ مدرسین والدین کی دختر ذاکرہ ہمیشہ پڑھائی میں گہری دلچسپی لی اور امتیازی شان سے کامیاب ہوتی رہی ہے۔ سبکدوش پیشتر ہیڈ ماسٹر جناب حاجی آدم احمد راؤت کی پوتی اور خدیجہ آدم راؤت ایم اے ایم ایڈ کی بھتیجی ذاکرہ نے اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھا بلکہ اپنے مادر علمی مدینہ سوسائٹی ہائی اسکول، موربہ کا نام بھی روشن کیا جس کے لئے وہ مبارکباد کی مستحق ہے۔ سلسلہ تعلیم جاری رکھتے ہوئے ذاکرہ کا ڈاکٹر بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنے کا ارادہ ہے۔

ڈاکٹر منصور مستری

ادارہ نقش کوکن کا ایک نوجوان کارکن جو عرصہ سے ہی مختلف النوع خدمات انجام دے کر ادارہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے میں مددگار رہا ہے، آج ڈاکٹری کے امتحان میں کامیاب ہو کر زندگی کے عملی میدان میں ابھر آیا ہے۔ اب تک صرف علمی، لسانی اور سماجی خدمات ہی اس کا میدان عمل تھیں اب یہ مریضوں کی دیکھ بھال اور دکھی دلوں کا مداوا بھی اس کا میدان عمل بن گیا ہے، اور وہ ہے ڈاکٹر منصور مستری متوطن سانگ تعلقہ دابولی ضلع رتناگری۔

ڈاکٹر منصور اور ماہنامہ نقش کوکن ایک ہی سال کی پیداوار ہیں۔ البتہ منصور نے جب آنکھیں کھولیں تو نقش کوکن ایک کمیونٹی بلیٹن تھا، مگر اب اللہ وہ اس طبقہ کا مقبول ماہنامہ بن گیا ہے۔ ادھر منصور نے بھی جو حبیب ہائی اسکول بمبئی

یہ انگریزی ذریعہ تعلیم سے اپنے سلسلۂ تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ امسال بمبئی یونیورسٹی سے .B.A.M.S کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انگریزی ذریعہ تعلیم کا یہ طالب علم اردو اور مراٹھی پر بھی عبور رکھتا ہے۔ اس لئے اپنے اس تعلیمی سفر کے دوران اس نے مہاراشٹر کالج بمبئی اور محمد ارجونیئر کالج دہمولا ضلع رائے گڈھ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

.B.A.M.S میں کامیابی کے بعد اس وقت ڈاکٹر منصور ملا دیوی منّل ہسپتال چرنی روڈ بمبئی میں انٹرنس شپ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد امراض اطفال کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔ خدا انہیں اپنے ارادوں میں کامیاب کرے۔

امجد شہباز کر

جناب محمد ابراہیم شہباز کر (سابق ٹرسٹی جامع مسجد بمبئی) کے نبیرہ امجد ولد انور شہباز کر نے سینٹ اینڈریوز ہائی اسکول باندرہ سے امسال ایس ایس سی امتحان (مارچ ۱۹۹۳ء) میں ۸۴ فیصد مارکس لے کر امتیازی درجہ حاصل کیا۔ انہیں حساب کے مضمون میں ۹۰ فیصد مارکس اور سائنس میں ۹۵ فیصد مارکس ملے ہیں۔ اس ہونہار طالب علم کو سینٹ زیویرس کالج بمبئی میں سائنس سیکشن میں داخلہ ملا ہے۔ ہم اس پر مسرت موقع پر شہباز کر خاندان اور تمام عزیز و اقارب کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

منجانب: محمد علی نصیاحتے

.S.S.C نتیجے کا بقیہ :

انجمن اسلام جنجیرہ انگریزی ہائی اسکول، مرو ڈ جنجیرہ

۶۴ طلبہ شریک ہوئے، ۶۳ طلبہ کامیاب ہوئے۔ نتیجہ ۵۸ فیصد رہا۔ ۷ طلبہ فرسٹ کلاس میں کامیاب ہوئے اور ۲۱ طلبہ نے ڈسٹنکشن حاصل کیا۔ طالب علم مزمّل زبیر پنگارکر نے ۸۳ فیصد نمبر حاصل کئے اور وہ اپنے اسکول میں اوّل رہے۔ ہیڈ ماسٹر جناب حسن ویلیلے کی سربراہی میں مزید ترقی کی توقع ہے۔

انجمن اسلام جنجیرہ ہائی اسکول، مھسلہ

۴۲ طالبات شریک ہوئے ۔۔ ۴۱ طلبہ کامیاب ہوئے۔ نتیجہ تقریباً ۹۸ فیصد رہا ۔۔ ۴ طلبہ فرسٹ کلاس میں آئے۔ طالبہ تنویر حوالدار نے ۷۲ فیصد نمبر حاصل کئے۔ اور وہ اپنے اسکول میں اول آئیں۔ اسکول کی ہیڈ مسٹریس فاطمہ لقمان اور ان کے ساتھی اساتذہ کی خدمات قابل قدر ہیں۔

انجمن اسلام جنجیرہ ہائی اسکول، گونڈگھر

۱۹ طلبہ شریک امتحان ہوئے اور سب کے سب کامیاب ہوئے۔ نتیجہ سو فیصد رہا۔ ۴ طلبہ فرسٹ کلاس میں آئے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب ارشاد احمد اور دیگر اساتذہ اس شاندار کامیابی کے لئے قابل مبارکباد ہیں۔

اعزاز

جناب محمد اسحاق خان (صدر شیو ایجوکیشن سوسائٹی اور چیرمن اسکول کمیٹی نیشنل اردو پرائمری اسکول تلوجہ ضلع رائے گڈھ) کو ان کی تعلیمی و سماجی خدمات کے نتیجہ میں حکومت مہاراشٹر نے ایس ای ایم کا اعزاز عطا فرمایا ہے۔

تصحیح

عید نمبر کے شمارہ جولائی ۹۳ء کے صفحہ ۲۸ پر شیلانٹ تعیشق کے اشتہار میں جناب غلام دستگیر پرکار صاحب کا نام اسپوٹس بت سے پارٹنر لکھا گیا ہے جب کہ پرکار صاحب محترم کے پروپرائیٹر ہیں۔ قارئین نوٹ فرمائیں۔

بزمِ اُردو قطر کا عید ملن مشاعرہ

قاضی فراز احمد کی رہائش گاہ پر ۲ جولائی ۱۹۸۴ء کی شب قطر کے تمام شعراء اور سامعین کی کثیر تعداد شریک مشاعرہ ہوئی۔ جناب نثار طارق صاحب کی صدارت میں منعقدہ اس مشاعرہ میں جناب عبدالملک قاضی نے نعت شریف سے آغاز فرمایا۔ جناب شمیم حیدر صاحب نے خوب صورت انداز سے نظامت سنبھالی۔ مگر دوسرے دور میں جناب ایم ممتاز راشد بزم کے سکریٹری صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ جناب نثار طارق، جناب برقی بوڑابی۔ قاضی فراز احمد۔ ایم ممتاز راشد، باسط ہاشمی، فیروز احمد ضیا۔ صبا شیخانی، گوہر نواب گوہر، سلیم سروڈی۔ انور آفاقی، صفات علی صفات، خالد امین اور دیگر شعراء نے اپنا کلام بلاغت نظام نذر سامعین کر کے محظوظ فرمایا۔ صبا شیخانی، قاضی علی، محمد شفیع سٹھاکور، معین الدین قاضی، محمد عظیم مسعود، قاضی فراز احمد نے انتظام و اہتمام و انصرام میں تعاون کیا جن کا بزم نے شکریہ ادا کیا۔ (نامہ نگار: قاضی احمد دوحہ)

ماہانہ غیر طرحی نشست

بزم شعر و ادب کوکن (بمبئی) کی ماہانہ غیر طرحی نشست مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۸۴ء کو عالی جناب واحد محسن صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ سعید کنول نے نظامت کے فرائض انجام دیئے جس میں مندرجہ ذیل شعراء کرام نے اپنے کلام بلاغت نظام سے سامعین حضرات کو محظوظ فرمایا:

واحد محسن: ہر قدرت موت کی آغوش میں لے جائے گا
اب تو ہر سانس میں تیزاب نہاں ہے لوگو

قیصر رتناگیروی: دھوپ نفرت کی بھی تو سمٹ جاؤں
دل کے آنگن میں بچھا پیار کا سرمایہ ہوں

شاداب رتناگیروی: پتھر کی مورتی کے آگے اپنا رونا ہم کیا روئیں
یہ پتھر کا دل کب پگھلا ہے سمجھانے سمجھانے پتھر

آغاز کیفی: عمر بھر عبث کرتے رہ گئے
انتظار تم انتظار ہم

فرحت اشرفی: اک نگاہ کرم کے صدقے میں
آرزوؤں نے تر تازگی پائی

سعید کنول: کس سے کہیں کہ اپنے مسائل کی بھیڑ میں
افسوس ہم بھی تیری لگن کو ترس گئے

ناصر نائیک: نقش بھی ہیں سب دھندلے دھندلے نام بھی اب کے یاد نہیں
یہ آس لگائے بیٹھے ہیں یہ ایسے میں دیوانے کون

یعقوب غمر: اس قدر تیری جستجو میں رہے گم ہم سفر
لوٹ کر اپنا پتہ بھی نہیں پایا ہم نے

شادی خانہ آبادی

★ جناب غلام حسین چوگلے کی دختر ڈاکٹر نسرین طالعقد مسعود جناب جیلانی عمر شیخناگ کے ساتھ ۱۵ جولائی ۸۴ء کو نیشنل ہال باندرہ بمبئی میں بسترک و احتشام انعقاد پذیر ہوا۔

★ شیر گاؤں کے ریٹائرڈ اسسٹنٹ ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر جناب عبدالستار نا خوا کے فرزند نورالحسن کی شادی آیشہ محمد وزیر ڈھاسکر کے ساتھ اور دختر رضیہ بیگم کی شادی یاقوت حسین لانجے کے ساتھ ۳۰ اپریل ۸۴ء کو انجام پائی۔

★ مسٹر اینڈ مسز یوسف شمس الدین مقیم کسومو کینیا مشرقی افریقہ کی دختر جبین کوثر کی شادی سعود اللہ خان متوطن کھیڈ ضلع رتناگری فی الحال مقیم مشرقی افریقہ کے ساتھ ۲۹ جولائی ۸۴ء کو آغا خان ہال کسومو افریقہ میں انجام پائی۔

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

★ نوجوان سرجن ڈاکٹر اسلم شیمنا کے پدر بزرگوار جناب ابوبکر شیمنا کا حرکت قلب بند ہو جانے سے ۴ جون ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

★ جواں سال سماجی کارکن اور بمبئی پورٹ ٹرسٹ ایمپلائز لیبر یونین ویلفیئر ٹریڈ یونین سوسائٹی کے ڈائریکٹر جناب عبدالرزاق قاسم خان متوطن کوندیور کی والدہ زینب بی کا طویل علالت کے بعد بعمر ۷۵ سال ۴ جون ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

★ جناب عبدالرزاق دھنسے متوطن سارنگ تعلقہ داپولی کی والدہ اور عزیز آزاد صاحب کی بشیرہ بی بی ۱۰ جولائی ۸۴ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔

★ انجمن کوکن کے نائب صدر خصوصی در افریقہ جناب اسمٰعیل ونگلے صاحب کا جون کے اواخر میں کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ میں اچانک طور پر انتقال ہو گیا۔

★ جناب علی ابراہیم شمسی صاحب کی پھوپی شریفہ بی عبدالرحمن ڈونگرے ۲۲ جولائی ۸۴ء کی صبح ان کے وطن سانی ضلع رائے گڈھ میں طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔

★ انجمن اسلام جنجیرہ کے فعال کارکن اور مشہور جاوید ٹریڈرز کا کونسلٹ جناب عبداللہ تقیہ صاحب کی والدہ کا ۶ جون ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

★ جماعت المسلمین ڈوڈولی ضلع رائے گڈھ کے سابق متولی جناب اسماعیل احمد لوکھنڈے کا مختصر سی علالت کے بعد ۷ مئی ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

★ ۵ جون ۸۴ء بروز جمعرات جناب ابوبکر ٹھاکور صاحب کا بمبئی میں انتقال ہو گیا۔

★ نقش کوکن کے دیرینہ سرپرست اور بمبئی میں کئی ہوٹلوں کے مالک جناب عبدالعلی نائیک صاحب کی خوشدامن محترمہ حلیمہ و بیر کا ان کے وطن ہو مبر ... میں انتقال ہو گیا۔

★ کرناٹک سے خبر ملی ہے کہ جناب محمد حسین ... سابق متوطن سارنگ تعلقہ داپولی کی زوجہ محترمہ امینہ بی کا ۳ جولائی ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

★ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک صاحب کی پھوپی زاد بہن اور جناب عمر شیخ کی والدہ کا ٹیز بیر ۹ جولائی ۸۴ء کو طویل علالت کے بعد رتناگری میں انتقال ہو گیا۔

★ جناب شیخ حسن شیخ احمد اسپیکر زنجبار بروز ۳۰ جون ۸۴ء کو ممباسہ مشرقی افریقہ میں ۸۱ سال کی عمر میں راہی عدم ہو گئے۔ مرحوم مشرقی افریقہ میں انتخاب کرنے کے اعزازی نائب شیخ اسمٰعیل صاحب کے بھی فرزند تھے۔ آپ کا وطن ... تعلقہ چپلون ضلع رتناگری تھا۔

★ سرکردہ سیاسی و سماجی کارکن جناب غضنفر حسن مجاور (مقیم امام باڑہ بمبئی ۹) ۲۵ جولائی ۸۴ء کو راہی عدم ہو گئے۔ مرحوم حکومت مہاراشٹر کی طرف سے قائم کردہ سیمنٹ سپلائی کمیٹی کے رکن نیز کئی سماجی و فلاحی تنظیموں سے منسلک تھے۔

قمر نعمانی کی ادبی خدمات

میں محترم جناب قمر نعمانی سہسرامی صاحب کی زندگی اور ان کی ادبی خدمات کے تعلق سے Ph.D. کر رہا ہوں۔ میرا تعلق مگدھ یونیورسٹی گیا (بہار) سے ہے۔ افصح ظفر صاحب شعبہ اردو مگدھ یونیورسٹی کے ماتحت یہ کام کر رہا ہوں۔ قمر صاحب کے تمام شاگردوں سے التماس ہے کہ وہ اپنا نام اور پتہ اور اپنی منظومات پر قمر صاحب کی اصلاح کے کاغذات اور مزید معلومات جو بھی ہو سکے مجھے لکھ دیں۔ نوازش ہوگی۔

احقر: مظفر حسن عالی محلہ بارہ دری
پوسٹ سہسرام ۸۲۱۱۱۵
ضلع روہتاس (بہار)

نقش نواز

نقشِ کوکن کے بننے والے خریداروں کی فہرست کی اشاعت پر نہ صرف آپ قوم وادب کے خیر خواہوں سے متعارف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنیکا موقع ملتا ہے۔

لیجئے۔ اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درجِ ذیل ہے:-

★ لائف ممبر:-

نام	مقام
جناب انجم نورالحسن نیویکر	بمبئی ۳
محترمہ جبیبہ عمر پیرکار	بمبئی ۹
محترمہ سعیدہ ثناء اللہ گھانکر	مروڈ جنجیرہ

★ بیرونِ ہند سالانہ خریدار:-

نام	مقام
جناب حسن میاں ابراہیم جوبے	منامہ بحرین
" عبدالرزاق داؤد مانکے	منامہ بحرین
" صبا شیخانی	دوحہ قطر
" شیخ احمد خان (مولانا)	منامہ بحرین
" ثناء اللہ گھانکر	دوحہ قطر

★ سالانہ خریدار:-

نام	مقام
نونہال ، واچنالیہ	ساکھرونی
محترمہ ریحانہ غلام حسین بانگی	گورے گاؤں
جناب فیروز محمد طاہر پٹھان	کمبرلی
جناب عمران یوسف گوٹھیکر	تلا
محترمہ نسیم بانو عثمان چوگلے	واسگاؤں
جناب شاداب عبدالرحمٰن پورے	پنویل
" عبدالرحمٰن شیخ احمد لونکر	داسگاؤں
" مقبول حمزہ لونکر	داسگاؤں
" انجم ابراہیم بڈلکر	داسگاؤں
محترمہ عزیزہ بیگم محمد حسان	ابہ لوٹین
جناب لمان اسد شاکر پرکار	گھاٹکوپر
" قاسم بابا ترے	پیٹھ ماپ
" حسین عبدالرحمٰن ادموے	راجپوری
محترمہ کوثری ابراہیم ماٹونکر	نگرگاؤں
محترمہ شہناز عبدالرحمٰن پولہ نڈکر	نگرگاؤں
جناب شاداب ظہیر ماٹونکر	نگرگاؤں
محترمہ رابعہ عبدالکریم قاضی	بمبئی ۹
جناب احمد خان عبداللہ خان	کرلا بمبئی
" فقیر محمد مہاتے	ولیسا پور
" آصف قاسم داکھوے	مورِبہ
" زاہد ابراہیم کاپڑی	راجیواڑی
بزمِ ادب کیرآف زاہدہ یوسف الوارے	داپولی
جناب امجد حسین کھوت	باجیری
محترمہ صدیقہ الفارعباسی لابے	داکھول
محترمہ ساجدہ علی قاضی	بمبئی ۸
جناب اکمل بدرالدین قاضی	بمبئی ۱۱
" احمد ابراہیم باسنے	بمبئی ۸۸

ted at AJMAL PRESS, Bombay-3. & Published from 44, Jail Road (East), Bombay-9. DR. A M. NAIK M.B.B.S.
IAQSHE KOKAN Publication Trust Bombay-9 Title Cover Printed at AMIN ART PTG PRESS BOMBAY-9.

SEPTEMBER 1984
Rs. 2-50
23RD YEAR OF PUBLICATION

INDEPENDENCE SPECIAL ISSUE

نیک خواہشات اور پُرخلوص تمناؤں کے ساتھ جشنِ آزادی مبارک ہو
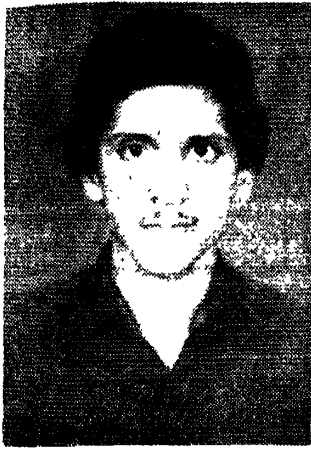
A. RAZAK Y. CHOUGLE
B. A.

GULAM GAUS
M. A, B. Sc, C. I. I. B.
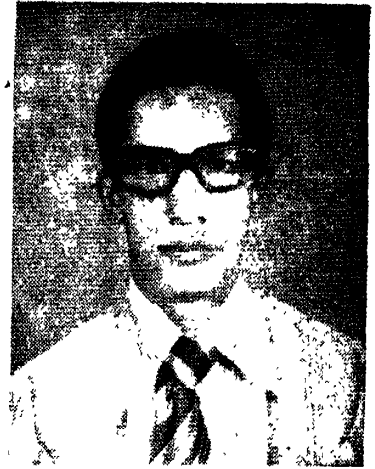
A. R. MOTLEKAR
B. Sc, B. Ed.
PRINCIPAL

(SEE DETAILS ON PAGE NO 57 & 58)

قائم شدہ :- ۱۹۶۲ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انڈین لینگویجز نیوز پیپرز ایسوسی ایشن بمبئی

جلد نمبر ۲۳ / ستمبر ۱۹۸۲ء / شمارہ نمبر ۹

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر :- ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر :- ایس۔ اے۔ رحیم قیصر

قیمت فی پرچہ :- ۲½ روپے
سالانہ خریداری :- ۲۵ روپے
تاحیات خریداری :- ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ :- ۱۵۰/۱۰۰ روپے
" " تاحیات :- ۱۲۵۰ روپے

مقام طباعت :- اجمل پریس بمبئی ۳
مقام اشاعت :- ۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

ملکیت :- نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (E3006)

فون :- 865384 / 861572

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ :-
۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

تاریخ اشاعت :- یکم ستمبر ۱۹۸۲ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

اس ماہ کے نقوش

خصوصی پیش کش

۷۸۶

منتخبات القرآن

★ مَنْ هُوَ الْقَرِيْنُ لِلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ

لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرنیوالے کا ساتھی کون ہوگا؟

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاءَ قَرِيْنًا ۝ (النساء)

اور جو مال خرچ کریں (تو) لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان (یوں بھی تو) نہ اللہ کا نہ روز آخرت کا اور شیطان جس کا ساتھی ہو تو وہ (بہت ہی) برا ساتھی ہے۔

★ مَا فَائِدَةُ الصَّدَقَةِ

خیرات کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔

(۱) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (الانفال)

اور خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا (بھر) دیا جائے گا اور کسی طرح تمہاری حق تلفی نہ ہوگی۔

(۲) اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ (الحدید)

بے شک خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور جو لوگ خدا کو خوش دلی سے قرض دیتے ہیں (قیامت کے دن) ان کو (ان کے قرض کا) دونا ادا کر دیا جائیگا اور ان کو اجر عظیم (علیحدہ) ملے گا۔

(۳) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ (التغابن)

(مسلمانو!) اگر اللہ کو تم خوش دلی سے قرض دو تو (آخرت میں) وہ تم کو اس کا دونا (ادا) کردے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ قدردان (اور) بردبار ہے۔

یہ خصوصی پیش کش جناب ای۔ ایچ۔ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے آمین

پہلا صفحہ

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا بھارت انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا۔
اور انگریزوں سے زیادہ خطرناک، ظالم اور لٹیرے لیڈروں کا غلام بن گیا۔
یونین جیک کی جگہ ترنگے نے لے لی۔ رسمی طور پر ایک آئین مرتب کیا گیا اور
ملک کے غاصبوں کو وزیر اعظم، یونین منسٹر، وزیر اعلیٰ، گورنر وغیرہ وغیرہ نام دیئے گئے۔
اور پھر ان وزیر اعظموں، وزیروں اور سرکاری افسروں نے!
دونوں ہاتھوں سے لوٹ مار شروع کی۔ جب لوٹ مار کا موقع نہ ملا تو قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیئے۔
نادر شاہ یا انگریزوں نے اتنی لوٹ مار نہیں کی ہوگی جتنی آزاد ہندوستان میں یہاں کے لیڈروں نے کی ہے۔
آزاد ہندوستان میں ہر منٹ نہ جانے کتنے لاکھوں روپئے لیڈروں کی جیب میں چلے جاتے ہیں۔
انگریزوں کے دور کے ایک آدھ جلیان والا باغ کا بڑے دکھ کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔
حالانکہ آزاد ہندوستان میں کم از کم ۲۵۔۔۔۲۰ جلیان والا باغ نمودار ہو چکے ہیں۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ وسنت دادا پاٹل کے لئے جو اپنی پولیس فورس کے ذریعہ معصوموں کا قتل عام کرا سکتا ہے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ آدم خور شیر بال ٹھاکرے کے لئے جو ہزاروں لاکھوں کے گھر اجاڑ کر بھی نئے شکار کی تلاش میں رہتا ہے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ ملراج مدھوک، بالا صاحب دیورس اور وکرم ساورکر کے لئے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ پی اے سی، بی ایس ایف و دیگر پولیس فورس کے لئے، ہر کسی پر بندوق کی نالیں تانے کے لئے۔
(جن کا پیٹ سینکڑوں معصوم انسانوں کا قتل کرنے کے بعد بھی نہیں بھرتا)
یہ ملک آزاد ہے ـــ اسمگلروں، بلیک مارکیٹیوں اور دھنا سیٹھوں کے لئے جو بڑی آزادی سے کسی بھی چیز کی قیمت بڑھا سکتے ہیں۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ بڑی ہی آزادی کے ساتھ ایم ایل اے کی خرید و فروخت کرنے کے لئے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ وزیر اعظم و دیگر وزیروں کے لئے، ملک کے کام چھوڑ کر دیگر ریاستی حکومتیں گرانے کے لئے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ یہاں کی ملکہ اور شاہی شہزادے کا اپنا عالمی مقام بنانے کی خاطر ایک دو ہزار کروڑ پیسہ صرف کرنے کے لئے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ اگرچہ اس کی خارجہ پالیسیاں نئی دہلی کی بجائے ماسکو میں تیار ہوتی ہیں۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ اگرچہ اربوں روپئے کا مقروض ہونے کے باعث اس کی ہر پالیسی بیرونی ہے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ اگرچہ اس کا ایک بڑا علاقہ ڈاکوؤں کے قبضہ میں ہے اور وہاں پولیس بھی جا نہیں سکتی۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ اس لئے کہ یہاں ہریجنوں اور آدیباسیوں پر کوئی بھی ظلم ڈھانے کی پوری آزادی ہے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ اس لئے کہ یہاں ہر سماج دشمن عنصر کسی بھی قانون وغیرہ سے پورا آزاد ہے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ اس لئے کہ یہاں دو لاکھ روپئے کے پروجیکٹ کے افتتاح کے وقت منسٹر کے استقبال پر دس لاکھ روپئے خرچ کرنے کی آزادی ہے۔
یہ ملک آزاد ہے ـــ دہلی کے ڈیڑھ متوالوں کے لئے، جو اپنی مرضی سے صدر بناتے ہیں، نائب صدر بناتے ہیں۔
چیف جسٹس بناتے ہیں۔ وزراء اعلیٰ، گورنر اور دیگر افسران کبھی چوہان، کبھی انتولے، کبھی ایشیاڈ، کبھی راکیش شرما کا ڈرامہ،
غرض کہ جو ستر کروڑ عوام کے ساتھ روزانہ مذاق کرتے رہتے ہیں۔
۱۹۴۲ میں گاندھی جی نے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لئے "ہندوستان چھوڑو" کا نعرہ لگایا تھا۔
ہم آج ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے ان تمام لیڈروں کو "تڑی پار کرانے" کا نعرہ لگاتے ہیں!

مبارک کاپڑی

اداریہ

خدا کی رسی

نقش کوکن خطہ کوکن کا ترجمان ہے۔ لیکن ہم اس وقت خطہ کوکن کے کوہ بے ستون پر بیٹھ کر ملکی اور عالمی حالات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، اور کوئی ایسا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہیں جو ہم کو بقائے باہم کے راستے کی طرف لے جائے۔

ہم ابھی مہاراشٹر کے ہولناک فرقہ وارانہ فسادات سے دوچار ہو چکے ہیں، بھیونڈی میں سو لاشوں کا تو شمار ہو چکا ہے، نامعلوم لاشوں کا علم نہیں۔ اسی طرح جو لوگ لاپتہ ہیں ان کا بھی کوئی پتہ نہیں، یعنی اس فساد نے ہمارے سامنے جانی نقصانات کے علاوہ یہ مسئلہ بھی کھڑا کر دیا کہ ہم نامعلوم لاشوں اور لاپتہ لوگوں کا پتہ لگاتے پھریں۔ اور ٹی۔ وی پر بھی اس کا اعلان کریں۔

اس فساد نے مسلمانوں کی کئی مشہور و معروف شخصیتوں کو بھی قید و بند میں ڈال دیا۔ ان کے دم سے ویران جیل خانے آباد ہو گئے۔

اس کے بعد ہم پنجاب کو دیکھتے ہیں، سنہری مندر پر فوج کشی ہوئی۔ جو اندرا گاندھی کی سیاسی زندگی کا سب سے تکلیف دہ واقعہ تھا۔ لیکن جو اہلِ نظر ہیں اس سے اتنے متردد نہیں جتنے اس سے متردد ہیں کہ اندرا گاندھی نے سکھوں اور کانگریس آئی کے ممبروں کے ذریعہ اکالی تخت کی مرمت شروع کرا دی۔ جس سے اکالی دل چراغ پا ہو گیا ہے اور دھمکی دی ہے کہ فوج کے ہٹتے ہی ہم اس تعمیر کو ڈھا دیں گے۔

اس چیلنج سے نہ صرف یہ کہ اندرا گاندھی کو پنجاب میں فوج کو رکھنے کا بہانہ مل گیا بلکہ سکھوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔

اس کے بعد ہم کشمیر چلتے ہیں تو اس وادی رنگین کی رنگت پھیکی پھیکی سی نظر آتی ہے۔ نہ سیاح نہ بازاروں کی گرم بازاری نہ سڑکوں کی چہل پہل۔ کیوں؟ دیکھتے ہی دیکھتے وزارت بدل گئی۔ مسز اندرا گاندھی ایک سال سے جو خواب دیکھ رہی تھیں اس کی تعبیر نکل آئی۔ سالے بہنوئی میں ٹھن گئی اور سالے کو وزارت کی گدی سے اتار کر اس کی جگہ بہنوئی کو بٹھا دیا گیا۔ یعنی کشمیریوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی — ان واقعات پر پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کا مقولہ صادق آ گیا۔ اور الیکشن تک تو ضرور صادق آتا رہے گا۔ پھر شاید کچھ میل ملاپ کی کوشش ہو۔

اسی دوران حکومت نے واقعہ پنجاب پر ایک قرطاس ابیض شائع کر کے اور قیامت ڈھا دی۔ کہتے ہیں کہ اس سفید چادر کے نیچے حکومت نے اپنے گناہوں کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ یوں بھی اس قرطاس ابیض نے عوام کو بہت مایوس کیا۔ وہ سچ مچ سفید کاغذ کا پرزہ نکلا۔ سچ یہ ہے کہ ریڈیو، ٹی۔ وی اور اخباروں کے باعث اب ہندوستانی عوام بہت باخبر اور واقف ہو گئے ہیں۔ اب ان کے سامنے اس قسم کا قرطاس ابیض پیش کرنا اپنے آپ کو اور سبکسار کرنا ہے۔

اب ایک نظر حزب مخالف کے سیاسی لیڈروں پر بھی ڈال لیجئے۔ انھوں نے جوں سنا کہ شیخ صاحب کو وزارت سے معزول کر دیا گیا۔ اور اب وہ ایک سیاسی مردِ بیمار بن گئے ہیں۔ تو یہ سب ان کی عیادت کرنے کشمیر کو دوڑے جیسے کشمیر فاروق عبداللہ کو بھایا ہو یا نہ ہو ان لیڈروں کو ضرور

کھایا ہوگا۔ مگر کرفیو نے سارا مزہ کرکرا کردیا بیچارے شیخ صاحب کی کیا حقیقت، بیمار پرسی بھی نہ کر سکے۔

خدا کی رسّی

اب ان مشکل حالات میں ہم سیدھے سادے مسلمان کریں تو کیا کریں۔ کیا ان سمجھوں کو چھوڑ کر مضبوطی سے خدا کی رسی تھام لیں۔ مگر وہ رسی ہے کہاں جسے ہم تھامیں۔ خانقاہ میں یا مدرسے میں یہاں تو خدا کی کوئی رسی نظر نہیں آتی۔ یہ رسی تو اس وقت نظر آتی ہے جب پہلے خدا نظر آئے۔ پھر اس کی رسی۔ یہاں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خدا کو چھوڑ کر دن رات پیٹ پوجا میں لگے ہوئے ہیں۔ کوئی اسمگلنگ کر رہا ہے، کوئی شراب کی بھٹی چلا رہا ہے۔ کوئی پاکٹ مار رہا ہے، ٹھگا ہے تو کوئی قتل و غارت گری میں۔ مسجد میں بلال تو ہیں مگر روح بلالی نہیں۔ درس گاہوں میں علماء و فقہاء ہیں۔ مگر ان میں اسلاف کا جذبہ روحانی نہیں۔ — خانقاہوں میں مشائخ طریقت ہیں مگر تربیت شیخیت نہیں۔ روح میں لطافت، پاکیزگی اور شگفتگی نہیں۔ جس کو دیکھو اس کی روح آلائش دنیا میں لوٹ پوٹ رہی ہے۔ ممبر پہ خطیب ہیں مگر

بیاں ان کا منطق سے سلجھا ہوا
لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا

واعظان قوم کو دیکھئے تو وہ کفر بازی، فرقہ بندی اور نفرت و وحشت کی آگ کو ہوا دے رہے ہیں۔

اب ہم جائیں تو کہاں؟ خدا کی رسّی کہاں ڈھونڈیں؟ ہم سخت مایوس ہیں۔ مگر اسی مایوسی میں مولانا روم کی یہ آواز آتی ہے کہ

دست ہر نا اہل بیمارت کند
سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

تم بیمار ہو تو ماں کے پاس آؤ وہ تمہاری تیمارداری کرے گی۔ — ہم کو خود قرآن پڑھنا چاہئے، اور اس کتاب اللہ کو دل میں جگہ دینی چاہئے۔ اس کے معانی و مطالب پر غور کرنا چاہئے۔ پھر یہ کتاب ہدایت ہم کو مادر مہربان کی طرح اپنی گود میں لے لے گی۔ اور ہم خدا کی رسی کو پکڑ لیں گے۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ ابتلاؤں اور آزمائشوں میں ہمارا ایمان اور تازہ ہو رہا ہے۔ اور ہماری اجتماعیت اور مستحکم ہو رہی ہے، ہمیں ہر فتنہ و حوادث میں خواہ وہ فرقہ وارانہ فساد ہو، خدا کا جلوہ نظر آئے گا۔ اور ہماری زبان پر یہ آیت کریمہ ہوگی وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

یعنی جب ہم پر مصیبت آئے گی تو آہ و فریاد اور نالہ و بکا کی بجائے ہماری زبان پر یہ وظیفہ ہوگا کہ ہم تو اللہ کے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ دراصل یہی خدا پرستی کی رسّی ہے۔ یعنی ہم خدا کے اور خدا ہمارا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدائد و مصائب میں خدا کی رسی پکڑ کر مکہ سے مدینہ پہونچ گئے۔ اسی طرح ہم آفات و حوادث میں خدا کی رسی پکڑ کر قعر پستی سے بام عروج پر پہونچ جائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

نقشِ کوکن

کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں
بلکہ وقف (TRUST) کی امانت ہے۔
اس کی تمام تر آمدنی نقشِ کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کے نام وقف ہے۔ اس کی آمدنی کا اولین مصرف پرچہ کو بہتر بنانا اور اس کے بعد حسب گنجائش علمی و ادبی تحریکات کی ہمت افزائی کرنا ہے۔

(ادارہ)

ایک فرض، ایک سنّت

حجِ بیت اللہ اور عید الاضحیٰ (عید قرباں) دونوں ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا فریضہ اور دوسری سنت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔ ایک ملّتِ اسلامیہ کا عظیم تہوار اور ایک تاریخ عالم کا اہم باب ہے۔

حج اسلام کا چوتھا رکن ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ حج کی ایک شرط استطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے۔ یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل یعنی سفر کی۔ (آل عمران آیت ۹۷)

اور قربانی بھی تاریخ عالم اور تاریخ انسانی کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ یہ واقعہ اس جلیل القدر پیغمبر کا ہے جسے لوگوں کو اللہ کے گھر کی طرف حج بیت اللہ (اللہ کے گھر) کی نسبت کا حکم دیا گیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے میرے رب مجھے ایک نیک فرزند دے۔ سو اللہ نے ان کو ایک حلیم المزاج فرزند کی بشارت دی۔ سو جب وہ لڑکا اپنی عمر کو پہنچا کہ ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو ابراہیمؑ نے فرمایا برخوردار میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامرِ الٰہی) ذبح کر رہا ہوں۔ سو تم بھی سوچ لو کہ تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ وہ بولے کہ ابّا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ (بلا تامل) کیجئے۔ انشاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے دیکھیں گے۔ غرض وہ دونوں خدا کے حکم کو تسلیم کرلیا۔ اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے کروٹ پر لٹا دیا اور ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیمؑ (شاباش) تم نے خواب کو خوب سچ کر کے دکھایا۔ اللہ رب العزت نے خواب میں یہ حکم دراصل اپنے خلیل کی آزمائش کے لئے دیا اور دیکھنا یہ مقصود تھا کہ بوڑھا باپ اپنے بڑھاپے کی اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہے کہ یا اپنے پیدا کرنیوالے کے حکم کو مانتے ہوئے اسے قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ جوان بیٹے کا یہ امتحان تھا کہ وہ اپنی جان کو پیاری سمجھتا ہے یا اپنے باپ کو خدا کی جانب سے ملنے والے حکم کو مقدم سمجھتا ہے۔ اور اس کی رضا میں اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ جب بوڑھا باپ اور جوان بیٹا دونوں اس آزمائش میں پورے اترے تو قرآن کہتا ہے اللہ نے (حضرت) اسماعیل کی جگہ ایک بڑا ذبیحہ رکھ دیا۔۔۔۔ اس دن سے آج تک ہم حضرت ابراہیمؑ کے اس خواب کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور اللہ کے مقرر کردہ جانور جانوروں کی قربانی دے رہے ہیں قربانی کے اس عظیم واقعہ کو بیان کرنے کے ساتھ قربانی کا جو مطلب بیان کرتا ہے۔ وہ ہمیں نہیں بھولنا چاہئے۔

اللہ کے حضور میں تمہاری قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا اس کے پاس تو اس جذبۂ ایثار اور تقویٰ کی قیمت ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں کا حال سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ تو بس ارشادِ باری میں یہ بات صاف طور پر بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف قربانی کے جذبے اور خلوص و نیک نیتی کی قیمت ہے۔

پروفیسر یونس اگاسکر

یادگارِ یوسف

نوٹ :- بمبئی یونیورسٹی کی لائبریری اپنی قدامت و ذخیرۂ کتب کے اعتبار سے ہندوستان کی انتہائی غیر معمولی لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے. یہاں عربی، فارسی، اُردو کی بھی نایاب کتابیں اور نہایت قیمتی مخطوطات موجود ہیں. پروفیسر یونس اگاسکر (شعبۂ اردو بمبئی یونیورسٹی) ان مخطوطات و کتب کے تحفظ اور خصوصی جلد بندی کے سلسلے میں کوشاں ہیں اور لائبریری کے ذخیرے میں ان نایاب موتیوں کی تلاش و نشاندہی میں مصروف ہیں.
اسی تلاش کے نتیجے میں یادگار یوسف اُن کے ہاتھ لگی ہے جس کا مکمل تعارف پیشِ خدمت ہے. توقع ہے کہ موصوف آئندہ بھی کوکن اور اطرافِ کوکن کے خادمانِ اُردو کی نایاب کاوشات کے تعارف کا سلسلہ جاری رکھیں گے.

(ادارہ)

کوکنی مسلمانوں کی خدمتِ اُردو کا سلسلہ گذشتہ صدی کے آغاز سے اب تک خاصا درخشاں اور اٹوٹ رہا ہے. اُنیسویں صدی کے آغاز میں بمبئی اور اطرافِ بمبئی کے کوکنی مسلمانوں نے اردو کو تہذیبی و علمی میدان میں وسیلۂ اظہار کے طور پر اپنا لینے کے بعد اس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا. ابتدا میں درس و تدریس اور مذہبی مقاصد کے پیشِ نظر چھوٹی بڑی منظوم اور نثری کتابیں لکھی گئیں جن کی تاریخی و ادبی حیثیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا. اُنیسویں صدی کی اہم کتابوں میں منشی محمد ابراہیم مقبہ کا تحریر کردہ ہندوستانی زبان کا قاعدہ "تحفۂ الفنسٹن" درسی کتاب کے طور پر تیار کردہ تعلیم نامہ اور انگریزی زبان کی قواعد کتاب "انگلش آموز". ان کے پوتے محمد حسن مقبہ کا تحریر کردہ تربیت نامہ، سفرنامۂ کشمیر و پنجاب، تحفۃ الاحسن اور غزلوں کے دیوان اور ان کے انتخابات "احسن الکلام" اور "جامِ معرفت" قاضی غلام قاسم مہری کی مثنوی عروس المجالس اور قاسم غلام علی مہری کی مثنوی "مصباح المجالس" خاص طور سے مشہور و قابلِ ذکر ہیں.

نام کتاب	یادگارِ یوسف (سفرنامۂ حج)
مصنف	محمد یوسف شہاب الدین تنگیکر
ضخامت	۱۶۶ صفحات
سنہ اشاعت	۱۸۹۶ء
مطبع	گلزار حسینی بمبئی

اُردو زبان و ادب کی براہِ راست یا بالواسطہ خدمت کے سلسلے میں نہ صرف انفرادی کوششیں ہوتی رہی ہیں. بلکہ بعض کوکنی گھرانوں نے اس سلسلے میں خصوصی شہرت بھی حاصل کی. ان میں مذکورہ بالا مقبہ اور مہری خاندانوں کے علاوہ کھٹکھٹے اور پرو گھے، گھٹے، قُور، جتیکر، خطیب اور تنگیکر خاندان خاص طور سے اہم ہیں۔ آج کی صحبت میں آخر الذکر تنگیکر (تنگے کر) خاندان کے ایک اہم فرد اور خادمِ اردو محمد یوسف تنگیکر کے ایک نایاب سفرنامۂ حج "یادگارِ یوسف" کا تعارف مقصود ہے. لیکن پہلے اس علمی گھرانے کی خدمات کے اعتراف میں مشہور محقق ڈاکٹر یموہ دہی

کے تعریفی کلمات ملاحظہ ہوں :

"قلابہ ڈسٹرکٹ کے تُنگا نامی گاؤں کے مسلمان تُنگیکر کے لقب سے مشہور ہیں . مبئی کا نواحی قصبہ "اُرن" بھی ان کی علم پرستی اور کارِ خیر کا ممنون رہا ہے . "اُرن" کے محمد ابراہیم تنگیکر مذہبی و قومی خدمات کے سلسلے میں کافی شہرت رکھتے تھے . انھوں نے "درس گاہ فیض عام" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا جہاں منشی فاضل اور منشی عالم کے نصاب پڑھائے جاتے تھے .

شہر بمبئی میں بھی اس خاندان نے ایک اعلا مقام حاصل کرلیا تھا . ان کا ایک پریس "ایم آئی تنگیکر کا مطبع" کے نام سے مشہور تھا . انہی ایم آئی تنگیکر صاحب نے ایک ماہوار رسالہ "زبان" جاری کیا تھا ایک اور صاحب شہاب تنگیکر نے "مطبع شہابی" کے نام سے ایک پریس قائم کیا تھا، جہاں سے مذہبی، علمی اور ادبی کتابیں شائع ہوتی رہی ہیں ."

(بمبئی میں اردو ص : ۶۶)

ڈاکٹر میمونہ دلوی کے بیان میں ایم آئی تنگیکر اور شہاب تنگیکر کا ذکر ہے . یہ دونوں شخصیتیں انیسویں صدی کی پیداوار ہیں . ہمارے مصنف محمد یوسف تنگیکر بھی انیسویں صدی کی شخصیت ہیں . لیکن ان کا تذکرہ یا ان کی زیرِ نظر کتاب کا ذکر "بمبئی میں اردو" میں نہیں پایا جاتا . اس عالمانہ تحقیق کا ان کے ذکر سے خالی ہونے کا سبب غالباً مصنف کی گمنامی ہے ذرا اس گمنامی پر نظر ڈالیے اور پھر مصنف کی اس تمنّا کو ملاحظہ کیجیے جو "یادگارِ یوسف" کے ابتدائی صفحات میں چھپی ہوئی مل جاتی ہے :

سطر شدہ

"یہ خاکسار ذرّہ بے مقدار، علمائے دین کی خاک پا کی بھی ہمسری نہیں کرتا کہ جس کے وسیلے سے کوئی کتاب تصنیف کرکے عوام کو فیض پہنچاوے یا کوئی ایسی معقول رقم بھی نہیں رکھتا کہ جس کے ذریعے سے مسجد یا مدرسہ جاری کرکے اپنی آئندہ نسلوں میں بطور یادگار کے چھوڑے . پس بمصداق اِنَّ الحسناتِ یذھبنَ السیّئات کے میں نے اس مبارک سفرنامے کو ۱۳۱۳ ہجریہ میں قلم بند کیا تاکہ اس ہی کے ذریعے سے میری آئندہ نسلوں میں کبھی نہ کبھی دعائے خیر کے ساتھ یاد کیا جاؤں ." (ص ۴)

خداوندِ کریم مصنف کے درجات بلند کرے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے . آج نوّے سال بعد اُن کی تمنّا بر آنے کا موقع پیدا ہوگیا ہے . اس لئے قارئین سے التجا ہے کہ مصنف کو دعائے خیر سے یاد کریں کہ ان جیسے خادمانِ زبان و ادب اور حامیانِ دینِ متین کی کوششوں ہی سے تاریخ کے صفحات، قلب و نظر کی ٹھنڈک کا سبب ہیں .

مذکورہ بالا اقتباس میں "اس مبارک سفرنامے کو ۱۳۱۳ ہجریہ میں قلم بند کیا" سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یہی سال تصنیف ہے . حالانکہ یہ سفرنامہ پندرہ سال قبل ۱۲۹۸ھ میں قیدِ تحریر میں آچکا تھا جیسا کہ ص ۱۳۶ پر درج ترقیمے سے پتا چلتا ہے .

تمّت الکتاب بعون الملک الوھّاب
بتاریخ ۲۷ روز جمعہ شہر صفر المظفر
۱۲۹۸ ہجریہ مقدّسہ

"یادگارِ یوسف" دراصل دو سفرناموں پر مشتمل ہے . ایک سفرنامۂ حج اور دوسرا سفرنامۂ شمالی ہند جس کا تاریخی

نام "سفرِ دل نشاطِ ہندوستان" ہے اور اس سے تاریخی عدد ۱۳۱۰ ہجری نکلتے ہیں۔ کتاب کے سرورق پر صرف یادگارِ یوسف درج ہے۔ اور جب تک کتاب کی ورق گردانی نہ کی جائے پتا نہیں چلتا کہ اس میں دوسرا سفرنامہ کہاں ہے۔ دوسرا سفرنامہ "سفرِ دل نشاطِ ہندوستان" ص: ۱۳۷ سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا ترقیمہ ۱۶۵ ویں صفحے پر اس طرح درج ہے:

"آج تاریخ ۱۹ روز یکشنبہ شہر جمادی الثانی ۱۳۱۰ ہجریہ کو اختتام کو پہنچی۔"

دونوں سفرناموں کو یکجا کر کے شائع کرنے سے قبل مصنف نے تمہید کے طور پر چند صفحات کا اضافہ کیا ہے۔ اور وہیں اس کی وضاحت کر دی ہے کہ انھوں نے

"اپنے سفرنامۂ حج و زیارت حرمین الشریفین کا تمام حال جس کو آج (۱۳۱۳ھ) سولہ سال کا عرصہ متقاضی ہوا ایک کتاب میں تحریر کر رکھا تھا۔" (ص ۲)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اس سفرنامۂ عربستان کے بعد سفرنامۂ ہندوستان بھی ہدیۂ ناظرین کیا ہوں۔ اس کو مطالعۂ شریفہ سے سرفرازی بخشیں۔" (ص ۵)

ان بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۳۱۳ ہجری میں یہ دونوں سفرنامے مکمل صورت میں محمد یوسف تنگیکر مرحوم کے پاس موجود تھے۔ ان میں سے یادگارِ یوسف یا سفرنامۂ حج محرم ۱۲۹۸ھ میں اور "سفرِ دل نشاطِ ہندوستان" جمادی الثانی ۱۳۱۰ھ میں تکمیل کو پہنچا تھا۔ جیسا کہ مصنف کے ترقیموں سے ظاہر ہے۔ گویا پہلا سفرنامہ ایک سو سات سال قبل اور دوسرا سفرنامہ بچانوے سال قبل معرضِ تحریر میں آ چکا تھا۔ اور دونوں کی یکجا اشاعت کو نوے سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ یادگارِ یوسف کے آخری صفحے پر حاجی میاں کونچالے کے قلم سے مصنف کا شجرۂ نسب کھینچا ہوا ہے۔ جس کے نیچے درج ہے

"شجرۂ خاندانِ تنگیکر تا ۱۳۱۳ ہجریہ"

اس سے تاریخِ طباعت کی تصدیق ہوتی ہے۔

۱۳۱۳ھ کے مطابق عیسوی سن ۱۸۹۴ء ہونا چاہئے۔

ہمرہانِ سفر ایک سو سات سال قبل محمد یوسف تنگیکر صاحب کے ساتھ کون کون سفرِ حج پر روانہ ہوا۔ مصنف نے جن کا تذکرہ بحیثیت ہمراہیوں کے کیا ہے ان کے نام حسبِ ذیل ہیں:

(۱) مصنفؒ کی خالہ رابعہ بنت مرحوم منشی محمد ابراہیم مقبہ و زوجہ مرحوم ناخدا غلام محمد گھٹےؒ۔
(۲) خالہ زاد بھائی شرف الدین ناخدا غلام محمد گھٹےؒ۔
(۳) دوست محمد سعید ابن مرحوم محمد شریف شیخ بھیکن
(۴) والدۂ محمد سعید
(۵) خالہ صاحبہ کے گھر میں عرصے سے بود و باش کرنے والی خاتون آمنہ۔
(۶) ایک ضعیفہ مسماۃ بنوّ
(۷) ایک شخص مسمّیٰ بابو کافرے
(۸) باورچی دادا خان اور نوکر

سارے سفرنامے میں ان لوگوں کا ذکر جا بجا آیا ہے۔ ان مسافرانِ حرم کے علاوہ جن شخصیتوں کا تذکرہ اس سفرنامے میں پایا جاتا ہے۔ ان کا ذکر مصنف ہی کی زبانی سنئے: ان کے ناموں پر خط راقم نے کھینچے ہیں:

"میں نے ایک خط حضرت قبلہ گاہی جناب شہاب الدین صاحب (مصنف کے والد) کی خدمت شریف میں روانہ کرنے کو لکھا اور دوسرے دو خط لکھے، ان میں ایک برادر محمد علی بن

عزیزی محمد حسین تنگکر اور دوسرا محبّ خاص شیخ محمد بن علی کاکا کو اور دو خطوط تا جناب خالہ صاحبہ کی طرف سے ان کے دو بھائی صاحب جناب منشی شیخ احمد صاحب مقبہ اور جناب منشی محمد اسماعیل صاحب مقبہ کی طرف ارسال کرنے کو لکھے اور ایک خط حاجی محمد سعید کی طرف سے ان کے بھائی جناب حاجی محمد ابراہیم شیخ بھیکن کو روانہ کرنے کو لکھا اور ایک خط حکیم حیدر علی صفدر علی کو حاجی شرف الدین گھٹے کی طرف سے لکھا (ص ۸ و ۹)

"سکونت کے لئے مکان کی تلاش (مصنف نے یہی املا لکھا ہے) میں تھے۔ اتنے میں عبدالقادر کجنشی سے ملاقات ہوئی جو کہ درویش ابوبکر مُطوّف (معلّم) کی طرف سے یہاں (جدہ) میں وکیل مقرر کئے گئے ہیں" (ص ۱۳)

"حاجی زکریا حاجی احمد کے بیڑی پر گیا۔ جس کے نام جناب خالہ صاحبہ کی شُقری بھیجی ہوئی تھی (ص ۱۴)

"حاجی پھیو ٹو کو ساتھ لے کے غلام محمد زکریا کے مکان پر گیا اور جو نا حاجی محمد اسماعیل صاحب تنگکر کا دیا ہوا خود ان کے حوالے کیا" (ص ۱۸)

"باقر علی نقیہ کے معرفت جو کہ بھیمڑی سے حج کے واسطے آئے تھے، ایک خط جد امجد جناب حضرت قطب الدین صاحب کے دست شفقت کا تحریر کیا ہوا مجھ کو ملا" (ص ۱۰۸)

"تاریخ ۶ روز شنبہ کو ہم نے باقر علی فقیہ کو چائے نوشی کی دعوت دی تھی۔ ٹکڑی محلّے کے ایک ضعیف شخص عرف حوالدار اور خوجہ چاند و بھائی اور سید محی الدین بادایہ بھی اس دعوت میں شریک تھے۔" (ص ۱۰۹)

"میں نے ایک زرّیں ٹوپی اور ایک جوڑ زرّیں بوٹ برخوردار شمس الدین کے واسطے خرید کیا۔" (ص ۵۶)

مصنف نے کتابت کے ذیل میں مزید چند افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

محمد یوسف فصاحتے، بہاء الدین فصاحتے، محمد حسین فصاحتے، سلاح الدین کجنشی (اُرز)، حاجی تاج الدین نالکھا اور منشی شیخ محمد کھٹکھٹے اور شیخ محمد سیدانی۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں "یادگار یوسف" کے آخری صفحہ پر خاندان تنگکر کا شجرہ بنا ہوا ہے۔ اس پر نظر ڈالنے سے مندرجہ بالا اقتباسات میں مذکور خونی رشتے داروں اور خود مصنف کے تعلق سے کئی باتوں کا استنباط ہوتا ہے:

پہلے شجرے کا وہ حصہ ملاحظہ کیجئے جس میں مذکورہ رشتے داروں کا اندراج ہے۔ ان کے ناموں کے آگے جمع (+) کا نشان لگا دیا ہے

شہاب الدین فضل الدین تنگکر (مصنف کے پردادا)

محمد اسماعیل (+) قطب الدین

شہاب الدین (+) فضل الدین معین الدین محمد حسین (+) محمد ابراہیم

رحیم الدین غلام محمد محمد علی محمد یوسف (مصنف) محمد علی (+) غلام احمد محمد علی

شمس الدین (+) شہاب الدین محمد اسماعیل
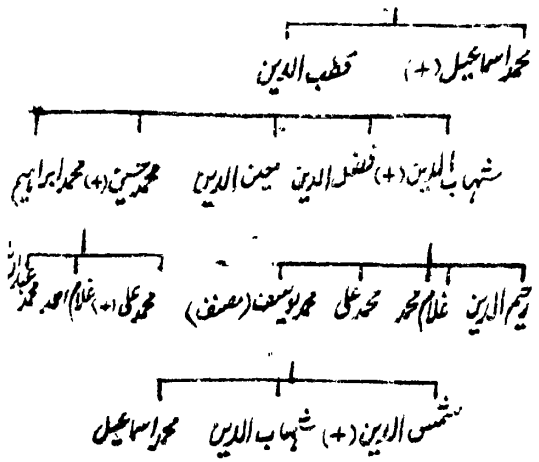
استنباط نتائج

مصنف کے بیانات سے شجرے کو ملا کر دیکھا جائے تو ذیل کے نتائج اخذ ہو سکتے ہیں:

(۱) مصنف کے سفر حج کے وقت ان کے دادا قطب الدین اور چچا دادا حاجی محمد اسماعیل حیات تھے۔

(۲) مصنف کے پردادا کے والد اور دوسرے بیٹے کا نام شہاب الدین ہے۔ عربوں میں پوتے کا نام دادا کے نام پر رکھنے کا رواج تھا؛ وہ اس خاندان میں بھی موجود ہے جس

سے ان کے عربی النسل ہونے کی نفی نہیں ہوتی ہے۔

(۳) مصنف کو اپنے چچا دادا محمد اسماعیل سے خصوصی لگاؤ رہا ہوگا۔ اسی لئے انھوں نے اپنے تیسرے بیٹے کا نام محمد اسماعیل رکھا سفرنامے میں ان بزرگ کا ذکر کئی بار بڑے احترام اور محبت سے کیا گیا ہے۔ حاجی محمد اسماعیل کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ اس لئے ممکن ہے انھوں نے بھائی کے بیٹے کو خصوصی قربت بخشی ہو۔

(۴) سفرِ حج کے وقت مصنف کے پہلے بیٹے شمس الدین کی پیدائش ہو چکی تھی۔ دوسرے دو بیٹوں شہاب الدین اور محمد اسماعیل کی پیدائش مصنف کے والد اور چچا دادا کے انتقال کے بعد ہوئی ہوگی۔ ان کی زندگی ہی میں بیٹوں کا نام ان کے نام پر "رکھے جانے کا امکان قدرے کم ہے۔

ان خونی رشتوں کے علاوہ جن افراد کا تذکرہ مصنف نے کیا ہے ان میں بھیونڈی (اب بھیونڈی) کی ایک نامور اور مخیر ہستی باقر علی فقیہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے بھیونڈی کی جامع مسجد کی تعمیر میں خاص طور سے حصہ لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سخاوت کے چرچے بمبئی میں بھی ہوا کرتے تھے۔ اردو اور کوکنی کی شاعرہ حمیدہ ناز کر نے ان کی تعریف میں "سخاوت نامہ" کے عنوان سے اردو میں ایک مثنوی لکھی ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

یہ لاکھوں کروڑوں کے رکھتے ہیں زر
مگر دل عجب ہے کہ حاتم سیر
خداوندِ عالم رکھے ان کو شاد
کہ برآوے ان کی ہمیشہ مراد
سخی ہیں سخاوت میں لاریب فیہ
جو مشہور ہیں حاجی باقر فقیہ
سخاوت میں مشہور ہیں ہر کہیں
جو حاتم کہوں بھی تو کچھ کم نہیں

(باقی آئندہ)

آزاد بھارت

عارف سیمابی بانکوٹی

آؤ سب مل کر کریں آزاد بھارت کو سلام ذرّہ ذرّہ ہے یہاں کا لائق صد احترام
دوستو! ہم متفق ہو کر کریں اس طرح کام کہ رہے باقی نہ کچھ بھی امتیازِ خاص و عام

شش جہت میں نام اپنے ملک کا روشن کریں
اس کے ہر ہر فرد کو آگاہِ علم و فن کریں

اختلافِ باہمی کو چھوڑ دیں ہاں چھوڑ دیں آؤ مل کر آج نفرت کی کلائی موڑ دیں
مدّتوں کے تفرقے کے سلسلے کو توڑ دیں رشتۂ جمہوریت میں سب کو مل کے جوڑ دیں

اس طرح اے دوستو! شیر و شکر ہو جائیں ہم
پھر بچھڑنے سے کبھی بھی بے خطر ہو جائیں ہم

پیروِ گاندھی و آزاد و جواہر ہم میں ہیں علم و اخلاق و سیاست کے بھی ماہر ہم میں ہیں
صبر کا موقع اگر آئے تو صابر ہم میں ہیں ہو لڑائی تو لڑائی پر بھی قادر ہم میں ہیں

اپنی فطرت میں کبھی ہیں سخت گاہے نرم ہیں
یعنی ہیں ہم سرد گاہے اور گاہے گرم ہیں

گوتم و چشتی کی تعلیمات سب کو یاد ہیں اور ان کی ساری تشریحات سب کو یاد ہیں
بھیم اور ارجن کی کیفیات سب کو یاد ہیں اور ہماری ساری تخلیقات سب کو یاد ہیں

مل نہیں سکتی کہیں اپنی شرافت کی مثال
لا نہیں سکتا کوئی اپنی شجاعت کی مثال

سارے عالم کو خبر کر دو کہ ہم ہشیار ہیں سوچ لے ہیں جس قدر سونا تھا اب بیدار ہیں
ہم سے لڑنے کے لئے دشمن اگر تیار ہیں کہہ دو ان سے آؤ ہم آمادۂ پیکار ہیں

پاک ہی رکھیں گے تم سے اپنی آبادی کو ہم
جان دے دیں گے مگر دیں گے نہ آزادی کو ہم

اے مرے آزاد بھارت تو پھلے پھولے سدا میں محافظ ہوں ترا میرا محافظ ہے خدا
قدرتِ حق سے ترقّی روز تجھ کو ہو عطا! ہر گھڑی، ہر وقت، ہر دم ہے یہی میری دعا

تیرا جو سنسار میں دشمن ہے وہ برباد ہو
تیری جنتا شاد ہو ہاں شاد ہو ہاں شاد ہو

گنیش چترتھی

ڈاکٹر عبدالستار دلوی

گنیش ہندوستان کا ایک دیوتا ہے۔ گن کے معنی جمہور کے ہیں اور گنپتی سے مراد جمہوریت نواز دیوتا ہے۔ ایشیا میں جہاں کہیں جمہوری نظام رہا وہاں گنپتی کو محافظ سمجھا جاتا رہا۔ اسی وجہ سے جاوا، سماترا، کمبوڈیا، چینی ترکستان، شمالی افغانستان وغیرہ میں گنپتی کی مورتیوں کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔

گنیش چترتھی کا تہوار اسی تعلق سے ہندوستان اور بطور خاص مہاراشٹر اور کرناٹک میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اگرچہ پچھلے کئی ہزار سال سے گنپتی کی پوجا کا رواج ہندوستان میں رائج ہے اور ہر چھوٹے موٹے جشنوں، شاعری، ڈرامہ اور دیگر ادبی تخلیقات کی ابتداء میں گنیش کی حمد ہوتی ہے۔ لہٰذا جس طرح ہر نیک کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھی جاتی ہے ہندو برادری اسی طرح نیک کام کے آرمبھ میں شری گنیش کہتی ہے۔ اسی طرح کوئی بھی بڑی پوجا چاہے وہ شیوجی کی ہو، وشنو کی ہو یا ستیہ نارائن کی ہو چاہے کسی دوسرے محسن دیوتا کی ہو گنیش کی پوجا کے بغیر شروع نہیں کی جاتی۔ اگرچہ گنیش ہندوؤں کے بڑے دیوتاؤں مثلاً شیو، رام، کرشن وغیرہ میں سے نہیں ہیں پھر بھی روزمرہ کی زندگی میں یاد کئے جانے والے دیوتاؤں میں سب سے زیادہ اہمیت گنیش جی ہی کو حاصل ہے۔

مہاراشٹر میں گنیش چترتھی کے جشن کو صرف دینی اہمیت حاصل ہے بلکہ علمی، سماجی اور فنی اعتبار سے بھی اس جشن کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس خاص نظریہ کے بانی جانی مشہور رہنما لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک ہیں جنھوں نے قومی بیداری کی غرض سے قوم میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے اس جشن کو نیا روپ دیا۔ جیسے پچھلے قریب سو سال سے مہاراشٹر بھر میں پورے اہتمام کے ساتھ ہر گاؤں، ہر قصبہ اور ہر شہر میں منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر گنیش کی پوجا اور آرتی کے علاوہ تفریحی، علمی اور ادبی نوعیت کے جلسے جلوس بھی ہوتے ہیں۔ بھادوں سو چترتھی سے لے کر چودھویں (اننت چترتھی) تک پورے دس دن میں ہر جگہ بڑی چہل پہل دکھائی دیتی ہے۔ اچھی اچھی اور خوبصورت مورتیوں کو مثلاً زنگاری، بدک، پچال کا گنپتی کو دیکھنے کے لئے لوگ ہزاروں کی تعداد میں گھنٹوں تک قطاروں میں کھڑے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ شاعری اور موسیقی کی محفلوں سے اور علمی اور ادبی و سیاسی موضوع پہ تقریروں سے گلی گلی گونج اٹھتی ہے۔ گنپتی سے متعلق جذبات کا یہ عالم ہے کیا بچے، کیا بوڑھے دو دو تین تین مہینوں سے "گنیش اتسو" کی تیاریوں میں مصروف پائے جاتے ہیں۔ نوجوان جلوس نکال کر گاتے ناچتے جاتے ہیں۔ اور ناٹک اور بھجن وغیرہ میں حصہ لیتے ہیں۔ اور "گنپتی بابا موریا" کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اسی طرح دس دن کے رسوم کے بعد وہ "اننت چترودشی" کا دن آتا ہے۔ جب اتسو کے کارکنوں کے دل یاس و غم میں ڈوب جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ دن گنیش کی مورتی کے وسرجن (پانی میں ڈبونا)

کا دن ہوتا ہے۔ جلوس کی صورت میں سبھی گنپتی سمندر کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور ایک ہی نعرہ دور دور تک سنائی دیتا ہے:
"گنپتی باپا موریا۔ پوڑھچا ورشی لوکریا" یعنی گنپتی جی اگلے سال جلد آئیے"
اسی روز دوسرے حصے کے بعد جب مسلے والے سمندر سے لوٹتے ہیں تو خالی منڈپ کو دیکھ کر رو پڑتے ہیں۔

یہ پرچہ آپ کو کیسا لگا؟

یہ پرچہ کے معیار ہی کو نہیں مزاج کو بھی ملحوظ رکھئے اور بتائیے کہ یہ پرچہ آپ کو کیسا لگا۔ اگر آپ کو پسند ہے تو اپنے دوستوں سے کہیئے کہ اس کے خریدار بن جائیں
(ادارہ)

ابو داؤد قیصر

"اُڑن کھٹولہ"

آج ہم نقش کوکن کے اُڑن کھٹولے پر بیٹھ کے روئے زمین پر اسلام کا حال چال دیکھنے نکلے ہیں

مغربی جرمنی یہ دیکھئے مغربی جرمنی ہے۔ یہاں برلن کی مسجد ہے۔ اذان کی آواز آرہی ہے۔ نماز کے لئے صف بندی ہو رہی ہے۔ ایک مدرسہ بھی ہے جس میں لڑکے، جوان اور بوڑھے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔

روس اور اب ذرا روس کی طرف چلیں۔ یہ ایک اشتراکی ملک ہے۔ یہاں کی حکومت کی بنیاد دہریت پر ہے۔ یہاں اسلام پر بہت سختیاں ہوئیں۔ مگر یہ مذہب ایسا سخت جان نکلا کہ آخر حکومت کو مساجد کے دروازے کھولنے پڑے۔ اور اب وہاں باقاعدہ نماز باجماعت ہوا کرتی ہے۔ تاشقند تو روسی مسلمانوں کی اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز ہے۔ یہاں عالی شان مساجد ہیں جو آہستہ آہستہ آباد ہو رہی ہیں۔ روسی ترکستان میں سلطنتِ عثمانیہ نے جو اسلامی اثرات چھوڑے انھیں الحاد و بربریت کا ہاتھ محو نہیں کر سکا۔

چین اور اب چین آئیے۔ یہاں کے شہر کینٹن میں ایشیا کی سب سے پرانی مسجد ہے۔ اس کی تعمیر عہدِ صحابہ میں ہی ہوگئی تھی۔ جب مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ وہاں قیام پذیر ہوا تھا لیکن سنہ ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے بعد وہاں مسلمانوں کی دارو گیر شروع ہوئی۔ اور ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اسلام کا نام لینا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چین جہاں مسلمانوں کی تعداد چھ کروڑ سے زیادہ تھی۔ گھٹتے گھٹتے ڈیڑھ کروڑ رہ گئی۔ مگر انقلاباتِ زمانہ دیکھئے کہ اسی چین میں احیاء اسلام کی تحریک شروع ہوئی اور آہستہ آہستہ پھر اسلام پنپنے لگا۔ اور وہ دیکھو چین کے مسلمان حج بیت اللہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ چین کے مسلمانوں کا ایک وفد جو بیس ہزار عازمینِ حج پر مشتمل ہے حج خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہو رہا ہے۔ ان کے ساتھ احرام کے کپڑے اور آبِ زمزم لانے کے لئے پیپے بھی ہیں۔

یوگوسلاویہ اور اب یوگوسلاویہ کی طرف چلیں۔ یہ ملک حکومت ترکی کے زیرِ نگیں رہ چکا ہے۔ مگر اب آزاد ہے۔ یہاں بھی اسلام کی تبلیغ ممنوع تھی۔ اور کئی مسلم رہنماؤں کو چودہ چودہ اور پندرہ پندرہ برسوں کی سزا سنائی گئی تھی۔ مگر اب حکومت کا دل پگھل رہا ہے۔ وہ دیکھئے ججوں کا ایک بنچ یہ فیصلہ کر رہا ہے کہ سزا میں تخفیف کر دی جائے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہاں عنقریب تبلیغِ اسلام کی اجازت ملنے والی ہے۔

ترکی اور اب ذرا ترکی کی سیر و تفریح کو نکلیں۔ یہ ایک قدیم اسلامی ملک ہے۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد اتاترک اور عصمت انونو کی حکومت نے اس ملک سے اسلامی آثار کو مٹانے کی مہم چلائی۔ عربی زبان کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا۔ عربی اذان اور عربی میں قرآن و نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی، لیکن الٰہی قدرت دیکھیے کہ اسی اسلام دشمن ترکی میں ایک آدمی علی فواز باسگل نام کے پیدا ہوئے۔ انھوں نے احیاء اسلام پر کمر باندھی۔ لمبی جدو جہد کی۔ آخر ان کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ مساجد کی از سر نو صفائی و رنگائی ہوئی اور مسجدوں کے میناروں سے عربی زبان میں اذان کی آواز گونجنے لگی۔ وہ دن اہل ترکی کے لئے روز عید سے کم نہ تھا۔ سب اسلام دوست ترکوں پر خوشی کے مارے رقص کا عالم طاری ہو گیا۔ چاروں طرف خوشی کی شہنائیاں بجنے لگیں۔ اور آج اسی اتاترک اور عصمت انونو کا ترکی اسلامی ممالک کا ایک ممبر ہے۔ اور حجاج کے وفود ہر سال وہاں سے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ یہ تو ترکی کا حال چال ہے۔

جاپان اب ذرا اڑن کھٹولا جاپان کی طرف لے چلیں۔ ایشیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے۔ اور اقتصادی حالت تو ایسی مضبوط ہے کہ امریکہ سے ٹکر لے سکتا ہے۔

یہاں پہلے بودھ دھرم کا زور دورہ تھا۔ شنکر آچاریہ نے جب بودھ دھرم کو ہندوستان بدر کیا تو جن ممالک میں پناہ لی ان میں ایک ملک جاپان بھی تھا۔

دوسری جنگ عظیم تک وہاں کا بادشاہ خدا سمجھا جاتا تھا۔ کوئی جاپانی اسے آنکھیں اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم میں جب امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر دو چھوٹے چھوٹے ایٹم بم گرائے تو یہ دونوں شہر تو آناً فاناً ہلاک ہو ہی گئے لیکن جاپانیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ بادشاہ سلامت کی خدائی کا نشہ بھی ہرن ہو گیا۔ اور وہ دوڑے دوڑے جنرل میک آرتھر سے ملنے آئے۔ اب جاپان امریکی افواج سوچ کے ماتحت ہو گیا۔

امریکی آئین میں عقیدہ و عبادت کی مکمل آزادی ہے۔ یہ آزادی جاپانی آئین میں بھی دی گئی۔ جس سے مسلمانوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔

وہ جاپان جہاں اسلام کوئی قابل ذکر مذہب نہیں تھا۔ اب وہاں مساجد بھی ہیں اور مدارس بھی اور تبلیغی ادارے بھی۔ وہاں اذان بھی ہوتی ہے اور نمازیں بھی۔ جاپانی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی ہو رہا ہے۔ جاپانی مفکر، دانشور اور سیاست دان اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اسلامی پروگرام سنائے اور دکھائے جاتے ہیں۔ وہ دیکھو تو اسمبلی اور پارلیمنٹ کے کئی ممبران بھی اسلامی کتب کے مطالعے میں لگے ہیں۔

فلپائن اچھا اب ذرا فلپائن کی سیر بھی کرتے چلیں۔ یہ بھی مشرق بعید کا ایک ملک ہے۔ حکومت عیسائیوں کی ہے۔ یہاں مسلمانوں کی ایک معقول تعداد ہے۔ اور یہ اپنی ایک آزاد خود مختار حکومت قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ سر دھڑ کی بازی لگا کر نکلتے ہیں، اور سرکاری افواج کے چھکے چھڑا دیتے ہیں۔ یہاں بھی مستقبل قریب میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔

ایتھوپیا اچھا اب کیوں نہ اپنا اڑن کھٹولا ایتھوپیا (افریقہ) کی طرف لے چلیں۔ یہاں بھی مجاہدین اسلام کا ایک دستہ آئے دن سرکاری فوجوں سے لڑتا پھرتا رہتا ہے۔ یہ بھی ایک آزاد اسلامی ریاست کے لئے جدو جہد کر رہے ہیں۔

کوریا اچھا اب ذرا اپنے اڑن کھٹولے کو کوریا کی طرف موڑیں۔ وہ دیکھو یہاں بھی ایک عالیشان مسجد کی

تیار ہو رہی ہے۔ یہاں بھی اسلام کی اشاعت کا سامان ہو رہا ہے۔ اس سرزمین میں بھی اسلام کی کھیتی ہری بھری ہونے والی ہے۔

سری لنکا اچھا کیوں نہ ایک نظر سری لنکا کو بھی جھانک لیں۔ یہیں تو شجرِ آدم اور قدمِ آدم ہے، اور آدم برج بھی یہیں کہیں تھا۔ مگر اب تو وہ نظر نہیں آتا۔ عرب کے مسلمان سیاح اور صوفیا ظہورِ اسلام کے آغاز سے ہی یہاں آتے جاتے تھے۔ راجہ داہر کے سمندری علاقے میں انھیں میں سے کسی قافلے کو لوٹ لیا گیا تھا، جس میں عورتیں اور بچے بھی تھے، جس کے نتیجے میں حجاج بن یوسف کو سندھ پہ فوج کشی کرنی پڑی۔ بھلا یہ ملک مسلمانوں سے کیسے خالی رہ سکتا تھا۔ یہاں مساجد، مدارس اور تبلیغی ادارے ہیں۔ مسلمان وزیر بھی ہیں۔

برطانیہ، فرانس وغیرہ اچھا اب اس اڑن کھٹولے کو برطانیہ، فرانس اور اٹلی و ہالینڈ کے اوپر سے چلو۔ اللہ اللہ ان ملکوں کا تو سماں ہی اور ہے۔ ہر جگہ مساجد، مدارس، تبلیغی ادارے اور اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی تو فرانس ہی میں بیٹھ کر اسلام کا تحقیقاتی مطالعہ کر رہے ہیں۔ جس سے دنیائے اسلام فیض یاب ہو رہی ہے۔ جناب عبداللہ یوسف علی نے بھی تو اپنی تفسیرِ قرآن یہیں سے شائع کی ہے۔ یہ ممالک تو صدیوں سے اسلامی تہذیب و ثقافت کی تحقیق و تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کا رنگ معاندانہ ہے تو کسی کا مخلصانہ۔ دار المصنفین اعظم گڑھ نے دو سال پہلے مستشرقینِ یورپ پر سمینار بلا کر عالمِ اسلام کو اس تحقیق اور ریسرچ کے حسن و قبح سے خوب اچھی طرح آگاہ کر دیا ہے۔

امریکہ ارے بھائی پرانی دنیا کی سیر تو ہو چکی۔ اب ذرا نئی دنیا پر اپنا اڑن کھٹولہ لے چلیں۔ مگر ذرا ہوشیاری سے۔ یہاں آئے دن فضا میں راکٹ داغے جاتے ہیں۔ کہیں اپنا اڑن کھٹولا اس سے ٹکرا نہ جائے۔ بھائی اس ملک کا تو حال ہی نرالا ہے۔ یہاں تو ہر جگہ مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔ امریکی آبادی کا تو ایک معتد بہ حصہ کٹ کر مسلمان ہو گیا ہے۔ یہ امریکہ کے "کالے مسلمان" کہلاتے ہیں۔ عالمی چیمپئن محمد علی کلے اسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ محمد علی جاہ کے پیرو کہلاتے ہیں۔ مگر محمد علی ان کے پیرو نہیں۔ ان کا ایک خاص تربیتی نظام ہے۔ جس میں ان کو اسلامی تعلیمات دی جاتی ہیں۔ اور ارکانِ اسلام پر عمل کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ڈومینیکا اچھا اب چلتے چلاتے امریکہ کے اس چھوٹے سے جزیرے پر سے بھی پرواز کریں جس کو ڈومینیکا کہتے ہیں۔ اس کی آبادی صرف ستر ہزار ہے۔ یہاں مسلمان بھی ہیں، مگر ان کو ختم کرنے کی دھمکی دی جا رہی ہے۔

اچھا ذرا ادھر تو دیکھو، کچھ لوگ کھڑے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کوئی تقریب ہے۔ ذرا اڑن کھٹولہ ادھر تو لے چلو۔ ہاں۔ یہ تو مسلمان ہیں۔ ذرا کان تو دھرو، کیا پڑھ رہے ہیں۔ بڑے حوصلے اور ہمت سے پڑھ رہے ہیں کہ

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

انڈونیشیا وغیرہ یہ تو ہوئی غیر اسلامی ممالک کی سیر۔ کیا اچھا ہو کہ ذرا اسلامی ممالک کو بھی ایک نظر دیکھ لیں۔ یہ انڈونیشیا ہے۔ یہ ملیشیا ہے، یہ بنگلہ دیش ہے۔ یہ اسلامی ممالک ہیں۔ غالب اکثریت کلمۂ طیبہ پڑھنے والوں کی ہے۔ یہاں اسلامی تہذیب و ثقافت کا بول بالا ہے۔

یک خیال ہے کہ دنیا کی سیر پوری ہوگئی۔ نہیں، نہیں۔
ابھی تو برما اور آسٹریلیا باقی ہے۔ اچھا تو ذرا ان دونوں ممالک
کو بھی دیکھ لیں۔

برما

یہ برما ہے۔ اسی کی راجدھانی رنگون میں انگریزوں نے
ہندوستان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر
کو قید کیا تھا۔ اور وہ یہیں حقہ پیتے اور شعر و شاعری کرتے نہایت
بے کسی کے عالم میں فوت ہوگئے۔

برما میں ہزاروں مسلمان ہیں۔ برما پر مغل بادشاہوں
کا راج رہ چکا ہے۔ یہاں تو ہر طرف مسلمان نظر آتے ہیں۔
اور یہ تو دیکھو کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ ذرا اڑن کھٹولا نیچے کرو۔
یہ اراکان ہے۔ یہاں تو مسلمانوں کی معقول تعداد ہے۔
مساجد، مدارس، درس گاہیں، مقبرے، مزارات سب کچھ ہیں۔

آسٹریلیا

اب آسٹریلیا کی طرف چلو، ہے تو بہت دور۔
مگر جب سیر کو نکلے ہیں تو یہ براعظم بھی دیکھ لیں۔
ایک صدی پہلے تو کسی کو اس براعظم کا علم بھی نہیں تھا۔ یہ ساری
دنیا سے کٹا چھٹا تھا۔ چڑیا گھروں میں جو کنگارو نام کا جانور
دیکھتے ہیں، جس کی مادہ اپنے بچے کو پیٹ کی تھیلی میں چھپا لیتی ہے۔
اسی ملک کا جانور ہے۔ آج یہ گوروں کا ملک کہلاتا ہے، حالانکہ
اس کے اصلی باشندے کالے ہیں۔

اس کی آبادی کا قصہ بھی عجیب ہے۔ یورپ کے ناپسندیدہ
اور شر پسند عناصر کو یہاں جلاوطن کیا گیا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ

عدو شرے برانگیزد کہ خیرے مادراں باشد

یہی مثل یہاں صادق آئی۔ ہر طرف ہریالی، کھیتی، باغبانی،
مرغ بانی اور مویشیوں کی پرورش کے لئے حد نظر تک زرخیز
ہی زمین نظر آئی۔ پہاڑ بھی ہیں تو ہرے بھرے اور جنگلات
سے ڈھکے۔ تعمیراتی لکڑیوں اور ایندھن کی کچھ کمی نہیں — ان
ملک بدر یورپینوں نے اپنے رشتہ دار اور دوست احباب کو
بھی یہاں آنے کی دعوت دی اور وہ براعظم ان کے دم سے
آباد ہونے لگا۔ آبادی برائے نام اور رقبہ ہندوستان کے برابر۔

کارواں

اتنے بڑے ملک میں تجارت اور نقل و حمل کے لئے
باربرداروں کا مسئلہ پیش آیا تو انگریزوں نے
سرحد سے پٹھانوں کو وہاں بھیجا۔ یہ اپنے اونٹ اور باربرداری
کے جانور لے کر وہاں پہونچے اور اپنا کام شروع کیا۔ جابجا
منزلیں بنائیں، پڑاؤ لگائے اور اونٹوں کے ذریعے باربرداری کا
پیشہ کرنے لگے۔ یہ تھے مسلمان، ان کو کچھ ملے یا نہ ملے مسجد اور
مدرسہ ضرور چاہئے۔ چنانچہ جگہ جگہ مساجد بنوائیں، مدرسے قائم کئے۔
اور اسلامی تعلیمات کا انتظام کیا۔ اس طرح وہاں مسلمانوں
کی ایک معقول تعداد ہوگئی۔ اس کے بعد تو دولت مند اور تعلیم یافتہ
اور ترقی یافتہ مسلمان بھی وہاں پہونچے اور ہر شعبے میں مسلمان
نظر آنے لگے۔ وہ دیکھو ادھر مسجد سے اذان کی آواز آرہی ہے خطیب
خطبہ دے رہے ہیں۔ لڑکے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ کلمہ طیبہ کا ورد
ہو رہا ہے اور سبھی اپنی زبان حال سے کہہ رہے ہیں —

مسلم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

ابھی ہم لوگ اپنے اڑن کھٹولا پر بیٹھ کر آسٹریلیا کی سیاحت
کر رہے تھے کہ بہت دور بحر الکاہل میں دو چھوٹے چھوٹے
جزیرے نظر آئے۔ دوربین سے دیکھا تو مسجدوں جیسے
منارے بھی دکھائی دئیے معلوم ہوتا ہے یہاں بھی مسلمان
ہیں۔ چلو ذرا ان دونوں جزیروں کو بھی دیکھ لیں۔

جزیرہ فیجی

یہ فیجی ہے۔ یہاں گنے کی کاشت ہوتی
ہے۔ یہی کاشت کرنے کے لئے یہاں
ہندوستان سے مزدور اور کاشتکار لائے گئے جن میں ایک
اچھی خاصی تعداد مسلمانوں کی بھی تھی۔ یہ لوگ وہیں بس گئے
پھر کیا تھا، مسلمانوں نے جابجا مساجد بنا ڈالیں اور اذان

پکارنے لگے۔ اللہ نے ان کی ذریت میں بھی برکت دی۔ اور اب مسلمان وہاں ایک مستقل قوم کی حیثیت سے ہیں۔ ان کا اپنا علیٰحدہ وجود، تہذیب وثقافت ہے۔

جزیرہ مارشیس یہی حال مارشیس کا ہے۔ یہ بھی بحرالکاہل ہی کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔

یہاں بھی گنے کی کاشت خوب ہوتی ہے۔ اس کاشت کو پروان چڑھانے کے لئے بھی ہندوستان ہی سے مزدور وکسان درآمد کئے گئے۔ جن میں مسلمان بھی تھے۔ ڈیڑھ دو سو سال سے یہ لوگ وہاں سکونت پذیر ہیں۔ اور اب وہاں کے اصلی باشندوں کے طور پر رہتے ہیں۔ مارشس میں مسلمانوں کی تعداد فیجی سے بھی زیادہ ہے اور ان کا ایک مستحکم اسلامی نظام ہے۔ یہ سب اصل میں ہندوستانی ہیں اس لئے اکثر گھروں میں اردو بولی اور لکھی جاتی ہے۔

ویسٹ انڈیز نقش کوکن کے اڑن کھٹولے کو پیٹروں کی ضرورت نہیں۔ یہ تحریری سورج کی توانائی سے چلتا ہے۔ ہٰذا کیوں نہ ویسٹ انڈیز کی بھی سیر کرلیں۔ یہاں کے کرکٹ کھلاڑیوں نے دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے۔ کولمبس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے امریکہ دریافت کیا۔ حالانکہ وہ بیچارہ تو ویسٹ انڈیز تک ہی پہنچ سکا تھا۔ دیکھو یہاں بھی مسلمان نظر آرہے ہیں۔ اذان کی آواز بھی آرہی ہے۔

سورینام اس کے قریب ہی سورینام بھی ہے۔ اس ملک کے کیا کہنے۔ یہاں تو دل کے دل مسلمان ہیں۔ ان کی بڑی بڑی جمعیتیں ہیں۔ ادارے ہیں اور تبلیغی مراکز ہیں۔ یہاں سے قرآن کریم اور اسلامی کتب کی اشاعت ہوتی ہے۔

افریقہ اچھا اب بتاؤ کہ دنیا کا کون سا حصہ آنکھوں سے اوجھل رہ گیا۔ کیوں انجانے بنتے ہو۔ کیا تم نے دنیا کے سب سے بڑے براعظم کی سیر کی۔ ٹھیک ہی کہتے ہو۔ مگر اتنے بڑے براعظم کی سیر کے لئے تو بہت وقت چاہئے۔ اچھا تو اسے چند حصوں میں بانٹ دو۔ ایک حصہ تو خالص اسلامی ہے۔ جیسے مصر، سوڈان، نائجیریا، لیبیا۔ یہ تو مسلمانوں کے گڑھ ہیں۔ اور اسلامی تہذیب وثقافت کے داعی و منادی۔ ایک یوگنڈا بھی ہے۔ یہاں بھی مسلم اکثریت ہے۔ یہاں بڑے بڑے سیاسی بھونچال آتے رہتے ہیں۔

مشرقی افریقہ اس کے بعد افریقہ کا جو حصہ بچ جاتا ہے اس کے چپے چپے پر مسلمانوں کی آبادی ہے۔ جیسے مشرقی افریقہ کہ یہاں کے سب سے بڑے شہر کا نام ہی دارالسلام ہے۔ یہاں مسلمان اپنے مذہب اور عقیدے کے ساتھ ایک مستقل قوم کی طرح رہتے ہیں۔

جنوبی افریقہ دوسرا حصہ جنوبی افریقہ کا ہے۔ یہاں نسل پرست گوروں کا راج ہے۔ بڑا دولت مند ملک ہے۔ یہاں ہیرے کی کانیں ہیں۔ یہاں رنگین قوموں کی بستیاں الگ ہیں۔ انھیں میں مسلمان بھی ہیں۔ ڈربن، کیپ ٹاؤن، ٹرانسوال اور جوہنسبرگ وغیرہ میں مسلمان بہت آن بان سے رہتے ہیں۔ وہاں کی تعلیم، ملازمت اور تجارت میں ان کا بڑا دخل ہے۔ خصوصاً اہل کوکن مسلمانوں کا وہاں بڑا عمل دخل ہے۔ وہاں شعروشاعری کی محفلیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ کالجوں میں اسلامی ثقافت پر بڑے بڑے مقالے پڑھے جاتے ہیں اور اسلامیات پر بہت اعلیٰ درجے کا ریسرچ ہوتا ہے۔

ہندوستان اچھا اب تو سیر کرتے کرتے تھک گئے۔ چلو گھر چلیں۔ اڑن کھٹولہ بمبئی کے قریب پہنچ گیا۔ مگر یہ کیا؟ یہاں تو جا بجا آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ لوگ اِدھر اُدھر بھاگ رہے ہیں۔ عورتیں اور بچوں کی چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔ شاید ہندو مسلم دنگا ہوگیا ہے۔ ایسا توہین اور بھیانک نظارہ تو کسی ملک میں نظر نہیں آیا۔ آخر یہ کیسا ملک ہے؟!

ہندوستان کا ہر صدر سینے پر داغ لے گیا

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جتنے بھی اشخاص جمہوریہ ہند کے صدر بنے وہ اپنے سینے پر داغ ہی لے کر گئے۔ ہر ایک کو کسی نہ کسی ذہنی و روحانی صدمہ پہنچا۔ کہنے کو تو ہندوستان کے سربراہ اور مختار کل تھے، لیکن اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنے دل کی بات تک کسی سے نہیں کہہ سکتے تھے۔

ہندوستان کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے آخری دنوں میں نہرو سے صرف اتنا پوچھا تھا کہ ہندوستان کا صدر دستور کے تحت کچھ اختیارات بھی رکھتا ہے یا برائے نام ہی صدر رہے۔ وہ اپنے طور پر کوئی حکم چلا سکتا ہے یا نہیں؟ نہرو نے برسر عام صدر کو جھڑک دیا۔ راجندر پرشاد اس قدر دل گرفتہ ہوئے کہ اس کے بعد زبان ہی بند کر لی۔ دوسرے صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن نے اندرا گاندھی کی سیاست اور ہندوستان کے بگڑتے ہوئے حالات پر ایماندارانہ تبصرہ کیا اور ذرا سخت الفاظ استعمال کئے تو اندرا نے انھیں "بیک بینی و دوگوش" چلتا کر دیا۔ رادھا کرشنن کو تو عمر بھر اندرا کے اس سلوک کا دکھ رہا۔ تیسرے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین کو جن سنگھیوں اور فرقہ پرستوں نے ایسی روحانی اذیتیں دیں اور ایسے الزامات لگائے کہ وہ دل کے عارضے میں مبتلا ہو کر چل بسے۔ چوتھے صدر وی وی گری کو یہ شکایت رہی کہ اندرا نے ان سے جو کام لینا تھا لینے کے بعد یوں پھینک دیا جیسے انڈے کے چھلکے کو پھینک دیا جاتا ہے۔ آخری دنوں میں تو گری نے اندرا پر سخت نکتہ چینی کی۔ پانچویں صدر فخرالدین علی احمد کو ایمرجنسی کے نفاذ اور ترکمان گیٹ کے حادثے نے مار دیا۔ کہتے ہیں کہ جامع مسجد اور اس کے آس پاس جو کارروائی ہوئی اس کا درد فخرالدین علی احمد کیلئے جان لیوا ثابت ہوا۔ چھٹے صدر سنجیوا ریڈی کو جنتا لیڈروں کے سر پھٹول، مرارجی کی الٹی سیدھی کارروائیوں اور گورنروں کی بچکانہ حرکتوں نے اس قدر ستایا کہ انھیں دل پر پتھر رکھ کر اپنے ہی ہاتھوں سے جنتا کا گلا گھونٹنا پڑا۔ ساتویں صدر گیانی ذیل سنگھ کو صدارت کے ابتدائی مرحلوں ہی میں خار کھانے پڑے۔ سب سے بڑی بدنصیبی کی بات یہ ہوئی کہ انھیں کے زمانے میں سکھوں کے سب سے مقدس مقام سنہری مندر کے دربار صاحب پر فوجی یلغار ہوئی۔ اکال تخت کی بے حرمتی ہوئی۔ سیکڑوں سکھ مارے گئے۔ اور یہ سب کچھ انھیں دیکھنا اور برداشت کرنا پڑا۔

> بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
> اور آزادی میں بحرِ بیکراں ہے زندگی
> (اقبال)

دو صفحات

"وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنا محاسبہ کرنا جانتی ہیں" ــ شمس کنول

تاریخ عالم گواہ ہے کہ جن قوموں نے اپنا اندھیرا اور دوسروں کا اجالا نہیں دیکھا، اپنی کوتاہیوں کا جائزہ نہیں لیا اور اپنی لغزشوں کا ذمے دار دوسروں کو ٹھہرایا وہ فنا ہوگئیں ــــ عظیم الشان اہل روم جب اپنی برتری پر بضد رہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دیکھنے کیلئے تیار نہ ہوئے تو زمانے نے انھیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا!

حیف اے دیوار کے پابند اے در کے اسیر!

سماج کے بعض رواج دو دھاری تلوار کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ اپنوں کو بھی کاٹتے ہیں اور دوسروں کو بھی۔ یا یوں کہیے کہ ہمارے اکثر زیست رواج بے فیض ہوتے ہیں جو اپنوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ دوسروں کو ـــ

اسلام سے قبل ایران میں نوروز برس کا اہم ترین تہوار تھا۔ ایرانی ایک دوسرے کو زبانی بھی نوروز کی مبارک باد دیتے تھے اور جو اعزا و احباب دوسرے شہروں میں بسے ہوئے تھے ان کو خوب صورت کارڈ کی صورت میں مبارک باد بھیجی جاتی تھی۔ عیسائی معاشرے میں بھی بڑے دن اور نئے سال کے موقعے پر خوش نما کارڈ کے توسط سے مبارک باد دینے کا رواج تھا اور آج بھی ہے ـ لیکن خوش حال قوم یا آسودہ حال معاشرے میں بعض رسمیں لایعنی بھی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر مسلمانوں کا جیسا غریب معاشرہ معمولی سی بھی فضول خرچی کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

مسلم معاشرے میں عید کارڈ سے مبارک باد دینے کا رواج اپنا نہیں ہے۔ یہ ہمارے پرانے آقاؤں کی بخشی ہوئی بدعت ہے، اور دوسری بہت سی ایران اور انگلستان سے آئی ہوئی بدعتوں کی طرح عید کارڈ کی اس بدعت کو بھی اچھا یا مفید نہیں کہا جا سکتا۔ دراصل عید کے نام پر عید کارڈ ایک قسم کی فضول خرچی ہے جو نہ بھیجنے والے کے لئے اچھی کہی جا سکتی ہے اور نہ وصول کرنے والے کے لئے ـــ اپنے چھوٹوں اور عزیز رشتے داروں کو عید کی دعائیں اگر نقد عیدی کی صورت میں دی جائیں تو اپنوں کے لئے اعانت کا ایک نیک اور پاکیزہ طریقہ نکل آئے۔

اس سے ملتی جلتی فضول خرچی وہ بھی ہے جو شادی کے موقعوں پر دعوتی رقعوں کی صورت میں کی جاتی ہے۔ ایک عدد دعوت نامے کی تیاری پر کبھی کبھی پانچ روپے لاگت آتی ہے۔ ایک ہزار مہمانوں کو مدعو کرنے کے لئے دعوتی رقعوں پر پانچ چھے ہزار روپے کا خرچ ہو جانا معمولی سی بات ہے وہ کثیر رقم جو دعوت ناموں، خوش نما منڈپوں، بے شمار

برقی قمقموں اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے فلمی گانے بجانے پر
ضائع کی جاتی ہے اگر وہ کسی تعلیمی ادارے کو عطیے کے
طور پر دے دی جائے یا غریب و یتیم بچیوں کی شادی پر
صرف کردی جائے تو مسلم معاشرے میں توانائی پیدا ہو۔
بڑی شان سے کوئی تیوہار منایا جائے یا دھوم دھڑکے سے
کوئی تقریب انجام دی جائے، مقصد اپنوں کو مرعوب کرنا
ہوتا ہے۔ جب کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ صاحبِ تقریب
مالی اعتبار سے کتنے پانی میں ہیں۔

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر معاشرے میں
سرمایہ دار طبقہ ہی ایسی بدعتوں کی ابتدا کرتا ہے اور بعد میں
غریب لوگ سوچے سمجھے بغیر ایسی بدعتوں کو اپنا کر اپنی جھوٹی
شان کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں، جب کہ ایسی بدعتیں سرمایہ دار
طبقے کے لئے کاروباری منفعت کا باعث بنتی ہیں۔ یہاں
یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ معاشرے کا سرمایہ دار طبقہ
جو غریب عوام کا استحصال کرتا ہے وہ کبھی بھی سماجی تبدیلی
کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ نوجوان طبقے کو چاہئے کہ وہ عوام
و خواص اور غربا و امرا، ہر دو طبقوں سے خوش نما کارڈوں
اور مہنگے دعوتی رقعوں کی بدعت کو دور کریں ؎

فریب وقت نے گہرا حجاب ڈالا ہے
وہاں بھی شمع جلاؤ جہاں اُجالا ہے!

کہ اہلِ نظر یہاں بھی نہیں وہاں بھی نہیں!

نپولین اپنی ملکہ جوزی فائن کے ساتھ اکثر بلیرڈ کھیلا کرتا
تھا۔ اگرچہ وہ بازی جیتنے کی صلاحیت رکھتا تھا، مگر
وہ ہمیشہ ہارنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ
"جیت جانے پر جوزی فائن کو ہمیشہ خوشی ہوتی ہے اور
جوزی فائن کی خوشی سے مجھے بے حد مسرت ہوتی ہے!"

دراصل ایثار وہ جذبہ ہے جو دونوں فریق کے لئے
خوشی کا باعث بنتا ہے۔ اگر ایک فرقہ دوسرے فرقے کو
خوش رکھے تو اسے خود بھی بہت خوشی میسر رہے۔ سرسید
احمد خاں کے دل میں اپنے مسلم فرقے کے لئے کتنا درد تھا
اس کا ٹھوس ثبوت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہے۔ ایک بار
سرسید اپنے فرقے سے اس طرح مخاطب ہوئے تھے:

" جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غیر مذہب والوں
سے سچی دوستی اور دلی محبت کرنا ممنوع ہے
یہ ان کی غلطی ہے۔ ہم کو تمام لوگوں سے
گو وہ کسی مذہب کے ہوں سچی دوستی اور دلی
محبت رکھنی اور برتنی چاہئے!"

دراصل فرقہ واریت قبائلی عصبیت کے بطن سے
پیدا ہوتی ہے، اور سیاسی مصلحت پسندی مختلف فرقوں
کے مابین غلط فہمیاں پیدا کرتی ہے اور فرقہ وارانہ شک و
شبہات ملک کی تعمیر و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔
اپنے لیڈروں کو سمجھانا ممکن نہیں لیکن اپنے ملک کے
نوجوانوں سے نیک کام لینا آسان ہے۔ چنانچہ
ہمارے نوجوانوں کو یہ بات ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ
جب ہاتھی لڑتے ہیں تو نقصان گھاس کا ہوتا ہے اور جب
وہ آپس میں محبت کا مظاہرہ کرتے ہیں تب بھی نقصان
گھاس ہی کا ہوتا ہے۔ اس لئے سیاسی ہاتھیوں سے
اپنی گھاس جیسی غریب خلقت کو بچائے رکھئے۔ فرقہ واریت
کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ
سب کشتیِ نوح میں سوار ہو جائیں اور ہر بستی کے ہر پسرِ نوح
کنعان کی رہنمائی قبول نہ کریں ـــ ہر سوشل لیڈر خدائی
خدمت گار نہیں ہوتا اور نہ ہر لیڈر مجاہدِ ملت ہوتا ہے۔
رہ نما تو وہ ہوتا ہے جو اُجالا بانٹے اور اندھیرا اپنے گھر

لے جائے۔ مگر سامنے کی بات تو یہ ہے کہ ان کے محلوں میں برقی
قمقمے روشن ہیں اور غریبوں کے جھونپڑوں میں گھُپ اندھیرا
ہے۔ مقامِ ماتم ہے کہ ہمارے بزرگوں نے یہ بھلا دیا ہے
کہ دیوتا اور راکشس کے بیچ ایک جاندار چیز اور بھی ہے اور
وہ ہے انسان!

کسی ایک علاقے، کسی ایک گروہ، کسی ایک فرقے
یا کسی ایک میر کارواں کا ذکر نہیں، انسان دشمنی کے حمام
میں تو سبھی ننگے ہیں ؎

عجیب قحط کا عالم ہے دیر و کعبہ میں
کہ اہلِ ظرف یہاں بھی نہیں وہاں بھی نہیں

محبت کا تمام سامان ہمارے پاس موجود ہے مگر
یہ ایک المیہ ہے کہ جیب میں کنگھی ہے اور ہم ہیں کہ اپنے
بال اُلجھائے پھرتے ہیں۔ ہندوستان کا نوجوان طبقہ
دوست نواز ہے اور محبت کی دولت سے مالا مال ہے۔
اگر وہ کسی کے بہکائے میں نہ آئے اور اپنی راہ چلے تو
دنگے فساد کی اس بنجر زمین میں وہ محبت اور بھائی چارگی
کے پھول کھلا سکتا ہے!

کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں!

بغداد کے ایک خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار میں
ایک شخص حاضر ہوا۔ اس نے خلیفہ اور حاضرین دربار کو
اپنا کھیل دکھایا۔ اس نے دُور کھڑے ہو کر ایک باریک
سوراخ میں ایک سوئی پھینکی جو سوراخ میں سے ہو کر باہر
نکل گئی۔ اس نے سو بار اپنے اسی عمل کو دہرایا اور ہر بار وہ
نشانہ لگانے میں کامیاب رہا۔ خلیفہ معنی خیز انداز میں ہنسا
اور اس شخص کو ایک سو دینار انعام میں عطا کئے اور ساتھ ہی
یہ حکم بھی دیا کہ اس شخص کے سو کوڑے لگائے جائیں۔ اس شخص
نے حیران ہو کر فریاد کی۔ خلیفہ نے جواب دیا:

"تمھارے کھیل کی مہارت پر تمھیں انعام دیا گیا
اور ایک غیر مفید کام میں وقت ضائع کرنے پر
تم کو سزا دی جا رہی ہے!"

پیغمبر اسلامؐ نے بھی ایسے کھیلوں کو کبھی پسند نہیں فرمایا۔
آپؐ نے ایک راہ سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ ایک بڑا سا پتھر
زمین پر پڑا ہوا ہے اور کچھ لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہوئے
ہیں۔ آپؐ نے قریب جا کر دریافت فرمایا "آپ لوگ
یہاں کیا کر رہے ہیں؟" ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ
"ہم باری باری پتھر اٹھا کر دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم میں کون زیادہ طاقتور
ہے!" یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا کہ "میں بتاتا ہوں کہ تم میں سے
کون سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ جس کا غصہ حق بات کو سمجھنے
میں نہ روکے، جو صاحبِ اقتدار اور صاحبِ قدرت بننے کے
بعد اپنے حق سے زیادہ نہ لے اور جس کا ضمیر اس کو بُرائی و
باطل کی طرف نہ لے جا سکے وہی سب سے زیادہ طاقتور ہے"۔

دراصل کبھی روم کے عیش پسند حکمرانوں کا یہ شوق تھا
کہ وہ اپنے سامنے دو طاقتور سانڈوں یا دو نوجوان انسانوں
کو اذیت میں مبتلا دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ نہ جانے آج کے
مہذّب انسانوں نے قدیم روم کی اس وحشی بدعت کو کیوں
اپنا رکھا ہے!

مندرجہ بالا حقائق کے قطع نظر دنیا کی تاریخ یہ بھی
بتاتی ہے کہ ہر قوم کو تین مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ پہلا
دور تعمیر ہوتا ہے، دوسرا تمدنی اور تیسرا تعیش پرستی کا دور۔
اور اس تیسرے ہی دور میں قوم کا زوال بھی شروع ہو جاتا ہے۔
تیسرے دور کے بعد اکثر قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔
اور بعض اپنی خاک سے پھر جنم لیتی ہیں۔ ایشیا کی اکثر قوموں نے
پھر جنم لیا ہے۔ ہندوستانی قوم نے بھی حیاتِ نو پائی ہے۔

اور اب وہ اپنے پہلے مرحلے (تعمیری دور) میں داخل ہو رہی ہے۔ تعمیری دور میں تعمیری باتیں ہی مناسب ہیں اور اچھی بھی معلوم ہوتی ہیں۔ کسی قوم کا اپنے تعمیری دور سے اچانک چھلانگ لگا کر تمدنی دور یا تعیش پرستی کے دور میں داخل ہونے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی بچہ اشتہاری دوائیں کھا کر وقت سے پہلے بالغ ہونے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بلوغت مصنوعی ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ اسپورٹس کے نام پر کھیل کود، کرتب، جیت، ہار، بھاگ دوڑ، مہارت و مشق کے انیک مظاہرے اور مقابلے کی باتیں انہی قوموں کو زیب دیتی ہیں جن کی تعمیر و ترقی کی تکمیل ہو چکی ہے اور جو اپنے تمدنی دور میں داخل ہو چکی ہیں یا جو قومیں تعیش پرستی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ جب کہ ہندستان دنیا میں مثالی غریبی کا حامل ہے۔ اس کی نصف سے زیادہ آبادی بھوکی اور ننگی ہے، جاہل ہے اور اپنے سر پر چھت سے محروم ہے۔ جب حالات یہ ہوں کہ ہر تیسرے ہندستانی کی زندگی اس نگر کا بنا ہوا ایک بن چکی ہو کہ جس کے چرکوں سے بچنا محال ہو تو کسی ہندستانی کھلاڑی کا کھیل کے عالمی میدان میں اترنا ایسا ہی ہے کہ خود تو بل میں نہیں سماپاتے اور دُم سے چھاج بندھا ہے۔

اسی بات کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ کھیل کود دل بہلاوے کا بھی ایک بہانہ ہے۔ اسپورٹس مین اسپرٹ کے تحت کھیل کا مقصد بازی جیتنا بھی بتایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عالمی سطح پر ہونے والے ایسے کھیلوں سے عالمی بھائی چارے کو بھی تقویت ملتی ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ عالمی کھیلوں میں شرکت کرنے والے ممالک کی سیاست کھیلوں کے جملہ فوائد پر غالب آ جاتی ہے اور نتیجے میں کھلاڑی اور دیکھنے والے بھی جیتنے سے زیادہ مقابلے کے جذبے میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور پھر ابتدا سے اختتام تک بے جا دوستی اور بے جا دشمنی کارفرما رہتی ہے۔ ہندستان کے شہر کلکتے میں بھی ہمیشہ موہن بگان اور محمڈن کلب کے درمیان جب بھی کھیل ہوتا ہے سارے شہر میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور شہر کے اخبارات مقابلے اور نفرت کے اس جذبے کو اور ہوا دیتے ہیں۔ بمبئی میں بھی ہند و پاک کرکٹ میچ کے دنوں میں کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

یہی نہیں بلکہ قومی اور بین الاقوامی تمام کھیل درپردہ جو سیاسی تماشے ہیں اور اب وہ کاروبار کا بھی ایک بڑا ذریعہ بن گئے ہیں۔ کھیل کے وہ نیک مقاصد جو بیان کئے جاتے ہیں برائے نام رہ گئے ہیں۔ دنیا کے تاجروں نے اخبار، ریڈیو اور پریس کے توسط سے ایسے کھیلوں کو اپنے کاروبار کے فروغ کا ایک بڑا ذریعہ بنا لیا ہے۔ کھلاڑی بھی نہ اپنی ورزش کی خاطر کھیلتے ہیں اور نہ عالمی بھائی چارے کے لئے۔ بلکہ کھیلنا ان کا روزگار ہے۔

بات یہ ہے کہ فن ہو یا کرتب یا تماشا انسانی ضرورت کے کام آنا چاہئے اور مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچنا چاہئے۔ وزن اٹھانا، دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا یا اپنی مکے بازی سے جسم کے چہرے جیسے مبارک حصے کو لہولہان کر دینا وحشت اور بربریت ہے۔

اپنی طاقت کا مظاہرہ کسی نیک کام کے لئے کرنا چاہئے۔ اپنا ہاتھ اٹھے تو کسی کے حق کے لئے، قدم بڑھے تو نیک منزل کی جانب، چھلانگ لگائی جائے تو کسی کو بچانے کے لئے اور وزن اٹھانے کی مشق کی جائے تو کسی غریب کے سر کا بوجھ اتارنے کے لئے

ورنہ بقول ذوق ؎

جو چشم کہ بے نم ہو وہ ہو کور تو بہتر
جو دل کہ ہو بے داغ وہ جل جائے تو اچھا

★ ★
★

شوکت کمالی

"کہتا ہوں سچ....."

یہ مرض لادوا ہے!

ایک قاضی جی کے بارے میں آپ سب جانتے ہیں کہ ان سے جب پوچھا گیا کہ "قاضی جی دُبلے کیوں ہو؟" فوراً بولے: "سارے شہر کی فکر ہے"۔ اب ہمارا بھی تجربہ سُنیئے۔ ہمارے ایک دیرینہ دوست پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔ شہر کے جانے مانے معالج، لیکن انھیں بذاتِ خود ایک نہایت خطرناک مرض لاحق ہے۔ ڈاکٹر ہونے کی وجہ وہ اس مرض سے واقف بھی ہیں۔ لیکن علاج کرنے سے قاصر ہیں کہ یہ مرض لادوا ہے۔ ہمیں ان کی حالت پر ترس آتا ہے۔ ایک دل تھا جسے وہ پہلے ہی دو بار مستند طریقے سے کھو چکے ہیں۔ اب ایک جگر باقی تھا سو اس کا بُرا حال ہے۔ بقول کراہ کراہ کر کہتے ہیں "کیا کیا جائے سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے"۔ بےچارے اسی دردِ جگر کی وجہ دُبلے ہیں، ہم ان کو دیکھ کر گنگناتے ہیں

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس دردِ جگر سے بیقرار ہو کر وہ قوم قوم، قوم کی رٹ لگانا شروع کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں "ہماری قوم ترقی نہیں کرتی، میں اس قوم کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہوں۔ قوم کو بیدار ہونا چاہیئے، قوم کے نوجوانوں کا حساس ہونا ضروری ہے، قوم کا اپنا اخبار ہونا لازمی ہے۔ قومی اداروں کا استحکام قوم کی بقا کا ضامن ہے۔"

ہمارے ڈاکٹر اس دردِ جگر کے ہاتھوں مجبور ہمیشہ کھری کھری سناتے ہیں۔ حتیٰ کہ دروغِ مصلحت آمیز کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔ کوئی دوست ملے یا مریض پہلا سوال ہوگا "آپ نے قوم کیلئے بھی کچھ کیا ہے؟" انھیں اس بات کا قطعی احساس نہیں کہ قوم کیلئے کچھ کرنا تو دُور کی بات ہے ہم لوگ اپنے لئے بھی کچھ نہیں کرتے، کیوں کہ ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ ہم تو یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ خدا محنت کرنے والوں کو کامیابی عطا فرماتا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا بیٹھنے والے، ڈاکٹر کی صاف گوئی کی وجہ منہ ایسے بناتے ہیں جیسے کسی کڑوی دوا کا گھونٹ بمشکل حلق سے نیچے اُترا ہو۔ ابھی حریف پہلے ہی سوال کی تاب نہیں لا سکا کہ ادھر سے سوالات کی بوچھار شروع ہوتی ہے۔ "بیٹے کو انجینئرنگ کالج میں داخلہ کیوں نہیں دلوایا؟"، "کتنے تعلیمی اداروں کی سرپرستی فرماتے ہیں آپ؟" "نہیں فرماتے؟" "کیوں نہیں فرماتے؟" اتنے سارے سوالات سے حریف کا بےہوش ہو جانا قرینِ قیاس ہے۔ پھر فوراً اس کی طبی جانچ شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جب حریف ہوش میں آتے ہوئے آنکھ کھولتا ہے تو وہ اپنی ڈائری کھولتے ہیں اور موزوں شعر ڈھونڈنے لگ جاتے ہیں۔ آخر ایک مصرع پڑھ ہی دیتے ہیں۔

"بُرے بھلے ہیں چند لوگ اپنی دنیا میں"

یہ اشعار کی ڈائری انکی خانہ ساز ہے۔ ایک دن ایک نوجوان ملازمت کے لئے سفارش لینے آپہنچا۔ ان کا

اسٹارٹ ویلو شروع ہوگیا۔ "قوم کے لئے کچھ کیا ہے"؟ "نہیں"۔ "کیوں نہیں"؟ "اچھا کہاں رہتے ہو"؟ "ناگپاڑہ" "ناگپاڑہ کی کسی مشہور شخصیت کو جانتے ہو؟" "جی ہاں جانتا ہوں"۔ "کیسے جانتے ہو؟" "سر آپ نے باسو دادا کا نام سنا ہوگا!" یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کا مرض اور بڑھ جاتا ہے۔ "تم فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ عبدل ارے او عبدل! اسے فوراً باہر نکال دے، اور مجھے "ارگا پائرن" کی دو ٹکیہ فوراً دے دے، میرا دم اٹک گیا ہے۔"

قصہ مختصر ہمارے یہ دوست اس طرح کھری کھری سنانے کی وجہ مفت بدنام ہیں۔ زمانہ تو چاپلوسوں کا ہے۔ روغن قاز ملئے اور اپنا الّو سیدھا کیجئے۔ آج کل تو بڑے بڑے نامور لوگ یہی نسخہ آزما رہے ہیں۔ گلی سے دلّی تک یہی حال ہے۔ دل اور جگر کا حساب کیا کیجئے۔ قصائی کی دکان میں بھی آج کل ان کا کال ہے۔ ایسے نازک وقت میں، ہمارے ڈاکٹر صاحب کی آواز نقّار خانے میں طوطی کی آواز کے مصداق ہے۔

آئیے ہم اس بات پر سوچیں کہ جس انفرادی و اجتماعی ترقّی اور خوش حالی کا تصور جو ہمارے ڈاکٹر صاحب کے ذہن رسا میں ہے یہ جنس گراں بہا کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے، اس کے لئے ہمیں اپنے ایک اور دوست کو آپ کو متعارف کرانا لازمی ہے۔ (ہم اس کے لئے مجبور ہیں)۔ ہمارے یہ دوست ہنس ہنس کر دوائے دل دینے کے فن میں ماہر ہیں۔ یہ بھی قومی مریض ہی ہیں۔ اپنا بچپن کی سی آواز کی وجہ اناؤنسر بڑے مقبول ہیں۔ اس قدر شیریں دہن، شیریں مقال کہ ان کی دلپذیر آواز سے سامع مسحور نہ ہو اس کا طبی معائنہ ضروری ہے۔ ہمارا بے تکلّف یارانہ ہے، جب یہ اسٹیج پہ مائک تھام کر اپنی محبوب شان سے مسکراتے ہیں تو ہم سوچتے ہیں "یہ برق گرے گی کہیں نہ کہیں"۔ اور جب انھیں ہم کامیاب اناؤنسنگ پر مبارک باد دیتے ہیں تو بصد شوق کہہ دیتے ہیں۔

ع "سیکھے ہیں مہ رخوں کے لئے ہم اناؤنسنگ"

بات چلی تھی ترقی اور خوش حالی لانے کی کہ ہمارے ہنس مکھ دوست کا ذکر خیر درمیان میں آگیا۔ یہ گستاخی ہم نے یوں کی کہ خوش حالی و ترقی کا ایک نسخہ طبیبوں باران کی زبان سے ہم نے سنا ہے۔ ان کا یہ مجرب نسخہ ہے جس شان والہانہ سے فرماتے ہیں

"ہر شخص اپنے گھر کے آنگن میں گلاب کی ایک کیاری تیار کرے تو پوری بستی گلزار بن سکتی ہے"۔

سامعین کرام یہ سن کر جھوم اٹھتے ہیں، خوش ہوتے ہیں، تالیاں بجاتے ہیں۔ لیکن کیاری آج تک کسی نے نہیں لگائی۔ ورنہ کم از کم علاقہ کوکن گلزار ہو جاتا۔ ہم آدمی نشستن گفتن اور برخاستن کے قائل ہیں۔ اب انھیں کون سمجھائے کہ ہم ٹی۔وی پر "پھول کھلے ہیں گلشن گلشن" دیکھتے ہیں اور گلی سے گزرتے وقت اپنی ہندوستانی ناک پر رومال رکھتے ہیں۔

ترقی اور خوش حالی مسلسل آگے بڑھنے کا دوسرا نام ہے مثلاً ایک شخص پرائمری مدرسے میں ایمانداری سے ملازمت کرے اور اگلے امتحانات کی تیاریاں کرے تو قابلیت حاصل کرنے کے بعد پروفیسر بن سکتا ہے، ایجوکیشن آفیسر کا عہدہ پا سکتا ہے اور اس کی ایمانداری سے خود اس کا اپنا ذاتی فائدہ ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ قوم کا بھی بھلا کر سکتا ہے۔ لیکن ایسی مثالیں آپ کو کتنی ملیں گی؟ مان لیجئے پانچ فیصدی لیکن بچا نوے فیصدی کا حال کیا ہوا؟ کچھ تو سست الوجود قسمت پہ صابر و شاکر جیسے تھے ویسے ہی رہے لیکن کچھ نے تو اس مقدس پیشے کو بھی بد نام کر کے رکھ دیا۔ ایک جناب کا قصہ یاد آیا۔ اللہ نے انھیں رومان پرور طبیعت عطا فرمائی

تھی۔ ایک دیہات میں اِن کا تقرر تھا۔ ایک شادی شدہ ایک بچّے کی ماں پر عاشق ہوئے۔ عشق البتہ یک طرفہ تھا۔ تعلقات بڑھانے کی ایک ترکیب سوجھی۔ اس کا لڑکا دوسری جماعت میں اِن کا شاگرد تھا۔ روزانہ چھٹی سے پہلے لڑکے کو قریب بلاتے اور کہتے "امّی کو ہمارا سلام کہنا"۔ جب ایک ماہ تک مسلسل سلام باقاعدہ پہنچتا رہا تو یہ اللہ کی نیک بندی سمجھ گئی کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ طبعاً ہوشیار تھی۔ اس نے یہ راز اپنے شوہر سے نہیں چھپایا۔ اور دونوں نے مل کر ایک اسکیم تیار کی۔ ایک دن اس نے اپنے لڑکے سے کہا "بیٹا! جناب سے کہنا کہ امی نے وعلیکم السلام کہا ہے اور کل اتوار شام کو ۵ بجے گھر پر چائے پینے کے لئے بلایا ہے۔ نیز یہ بھی کہنا کہ تمھارے ابا بمبئی جانے والے ہیں" — بہر حال سنیچر کے روز بچے کی زبانی پیغام پاکر جناب کا مارے خوشی کے بُرا حال تھا۔ جامے میں پھولے نہ سماسکتے تھے۔ انتظار کی گھڑیاں بھی کس قدر کٹھن ہوتی ہیں۔

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جُدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

وقت ٹھہر سا گیا تھا۔ لیکن خدا خدا کر کے وصل کی گھڑی آئی۔ جناب عطر حنا مل کر ہیرو بنکر اس کے گھر پہنچے۔ خاطر خواہ استقبال ہوا، اور عورت نے ان سے کہا "آپ بیٹھیے، میں چائے لے آتی ہوں۔" جناب کو چائے سے زیادہ چاہ کی ضرورت تھی۔ لیکن انکار کرنے کی بھی جرأت نہ تھی۔ ابھی یہ بیٹھے ہی تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ عورت نے ان کے سامنے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا اور گھبرا کر کہا "غضب ہو گیا! میرے میاں آگئے۔ شاید گاڑی میں جگہ نہ مل سکی، ہائے اللہ! اب کیا ہوگا؟" پھر تھوڑی دیر رک کر کہا "آپ یہ پرانی ساڑی پہن لیجئے اور اندر چکّی پر بیٹھ کر آٹا پیستے رہئے۔ موقع دیکھ کر باہر نکال دوں گی۔ وہ سمجھیں گے کہ مزدور عورت آٹا پیس رہی ہے۔" چنانچہ جناب نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ رات دس بجے تک چکّی چلائی۔ آٹا تیار ہو گیا۔ جب تک یہاں میاں بیوی شوق سے کھانا کھاتے رہے، چائے پیتے رہے۔ بالآخر جناب کو سبق سکھا کر دس بجے شب میں گھر سے باہر کر دیا — اب جناب نے سلام بھیجنا بند کر دیا۔ کچھ ایک ماہ کے بعد بچّے نے آکر کہا: "امّی نے سلام عرض کیا ہے اور کل چائے پر بلایا ہے۔" یہ سنتے ہی جناب کے ہوش اُڑ گئے اور کہا: "شکریہ! ہم نے چائے پینا بند کر دیا ہے" اور سوچنے لگے شاید پہلا پسا ہوا آٹا ختم ہو چکا ہے۔

اس قسم کے متعدد واقعات آپ کو بھی یاد ہوں گے۔ اب بھلا سوچئے جوانوں کی انرجی کا یوں معکوس استعمال ہوتا ہو تو ترقی اور خوش حالی کیوں کر آئے گی؟ برسبیل تذکرہ ایک حقیقت یاد آئی سو پیش کر دی۔ اس سے کسی کی اہانت مطلوب نہیں۔ پرائمری کے سینکڑوں نامور اساتذہ کی خدمات سے زمانے کو فیض پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے، اور وہ ترقی پذیر بھی ہیں۔ اور خوش حال بھی۔ نیک ٹیچروں کے بچے دیکھنے میں آیا ہے کہ بااخلاق اور کارگر ثابت ہوتے ہیں اور قوم کی بھلائی بھی کرتے ہیں۔ نیز ایک خاندان خوش حال ہو جاتا ہے —

ترقی اور خوش حالی کے لئے محنت و حرکت ضروری ہے۔ گذشتہ قسط میں ہی ہم لکھ چکے ہیں کہ از تو حرکت از خدا برکت۔ ہماری قوم کا ایمانداری سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا ہی ہوگا کہ ہمارا سماج پچاس فیصدی مفلوج ہے۔ مطلب واضح ہے کہ ہمارا طبقۂ خواتین منجمد سا ہے۔ کچھ خواتین اگر مصائبِ زندگی میں معاشی طور پر خود کفیل ہیں تو ان کی تعداد بہت کم ہے۔ دوسری قوموں کو دیکھئے، آپ کو یہ طبقہ بھی متحرک دکھائی دے گا۔ "لذت پاپڑ" کی مثال اظہر من الشمس ہے۔ کیا ہمارے یہاں بھی خواتین کی اس قسم کی سوسائٹیاں ہیں۔ رتناگری، سندھودرگ، رائے گڑھ، تھانہ آم کی پیداوار کے اضلاع ہیں۔ کیا لذت پاپڑ کی مانند ذائقہ اچار ہماری خواتین

امداد باہمی کے منصوبے بنا کر عالم وجود میں نہیں لا سکتیں؟ ہمارے یہاں گل بوٹے بنانے کا فن خواتین میں ہے لیکن کیا یہ کوئی سیل یونٹ کوآپریٹیو طریقے کا ہے؟ اب خواتین شہر ہی میں نہیں دیہاتوں میں بھی تعلیم پا رہی ہیں۔ روشن خیال آ رہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو جو ہمارا طبقہ، خواتین ان گھریلو صنعتوں کو اپنانے میں قدم اٹھائے کروڑوں کا سالانہ نقصان اس ضمن میں ہو رہا ہے۔ بمبئی کی تعلیم یافتہ خواتین اس مسئلے کو آگے بڑھانے کے لئے مل کر غور کریں تو یہ خوش آیند اقدام کہلائے گا۔ یہ ماشاء اللہ کوکن بینک موجود ہے۔ سرمائے کی کمی نہیں ہے اجلاس کے لئے بینک کا وسیع ہال موجود ہے۔ تعلقوں اضلاع کی خواتین کو گاؤں گاؤں پہونچ کر کوآپریٹیو نسوانی ادارے قائم کرنے کی ترغیب روشن خیال خواتین دے سکتی ہیں۔ اس وقت وزارت عظمیٰ پر ایک باعزم خاتون ہی متمکن ہے۔ لہٰذا ہمارے سماج کا یہ حصہ اگر بیدار ہو جائے تو ترقی و خوش حالی ہمارے قدموں پر ہوگی۔

فی الوقت کوکن کوآپریٹیو بینک میں ایک انڈسٹری سیل قائم ہوا ہے جس کے انچارج عالی جناب ایم ایم ٹھاکر صاحب ہیں۔ وہ یقیناً اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرما سکتے ہیں۔ خواتین کی امداد باہمی تحریک سے متعلق بینک مذکورہ کی ایکسپانشن اینڈ ڈیولپمنٹ کمیٹی کے اجلاس میں حال ہی میں مسئلہ زیر بحث آیا تھا۔ جناب آئی کے داؤد صاحب، جناب یاؤسکر، ایڈوکیٹ عباس ہٹیاوکر، کمیٹی سکریٹری مسٹر ایم اے پرکار اور متعدد اراکین نے اس پر غور و خوض کیا اور کچھ ٹھوس تجاویز پیش ہوئی ہیں۔ دیکھئے بلّی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کا شرف کسے حاصل ہوتا ہے۔ آج کل ہمارے سماج کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے اس کی بڑی وجہ یہی پچاس فیصدی کی بے کاری ہے۔ اس کے برعکس شادی بیاہ میں، رسومات میں، جہیز میں، دعوتوں میں فضول اخراجات میں ناخواندہ خواتین کا پہلا نمبر ہے۔ مرد کماتے ہیں، زحمت اٹھاتے ہیں اور یہاں جگ ہنسائی کا ہوا کھڑا کر کے فضول اخراجات میں رقم اڑائی جاتی ہے۔ بینکوں میں، ہوٹلوں میں، رکشاؤں میں، غرضیکہ ہر شعبۂ حیات میں جس دیدہ دلیری سے ہماری دیہاتی خواتین کی پیش قدمی ہے وہ ظاہر ہے، ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہتے لیکن ایک وقت ایسا آئیگا کہ سماج کے مردوں کو ان فضول باتوں کا سدباب کئے بنا جینے کا چارہ نہیں رہیگا۔ ترقی و خوش حالی اس وقت آئے گی جب پیسہ زیادہ آئے گا جو ثابت رہے گا کاروبار ہوں گے سبھی مصروف ہوں گے۔ آمدنی کے مقابل اخراجات کم ہوں گے۔ آس کا دامن کیوں چھوڑیں وہ صبح کبھی تو آئے گی ـــ وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

ہم ٹھنڈے دل سے سوچیں تو اس نتیجے پر پہونچیں گے کہ ابھی ہمارے سماج کا حال جو ہے وہ شرف کمالی کی نظم ٹھیکرے کے مصداق ہے۔ بلاوجہ ہماری خانہ جنگیاں ہمیں تباہی کی طرف لے جا رہی ہیں۔ شہروں میں تو خیر کچھ ٹھیک ہی ہے لیکن ہماری دیہاتی بستیوں میں بیکار بیٹھنے والے مردوں کی خدا کے فضل سے کمی نہیں۔ یہ لوگ بے کار ہیں۔ بالفاظ دیگر ناکارہ ہیں۔ اپنے اپنے قبیلوں کے ماشاء اللہ سردار ہیں۔ گرام پنچایت کے رکن ہیں، جماعت کے متولی ہیں۔ لیکن فی سبیل اللہ فساد جہاں وہاں ہیں ـــ یہ ماحول ترقی اور خوش حالی کے لئے یقیناً ناسازگار ہے۔ مہاراشٹر اور بھارت کی بات چھوڑیئے۔ میں اپنے کوکنی بھائیوں سے پوچھتا ہوں آپ کا رہنما کون ہے؟ کوئی نہیں۔ تو پھر اپنے اپنے رہنما ہم خود آپ ہیں۔ ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے "جس کا کوئی بزرگ نہیں تو ان کا رہنما شیطان ہوتا ہے۔" اور بہت ممکن ہے یہی شیطان دیہاتوں میں لوگوں کو بکھیر کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے لئے بھی ہم کو آپس کی پھوٹ کا خاتمہ ایک کرنا لازمی ہے۔ آج یہاں یہ پتہ نہیں کہ ہماری اولاد کو کس طرح کی تعلیم دے کر جہاں آراستہ کرنا ہے۔ کوئی ٹھوس لائحہ عمل ہمارے سامنے نہیں ہے۔ زمانے کی ہوا جدھر لیجائے ہم بھی

چنے جا رہے ہیں۔ افریقہ نہیں رہا تو خلیج زندہ باد۔ لیکن یہ زندگی کا طریقہ نہیں ہوا۔ ہم کو منظم و متحد ہو کر کوئی راہ تلاش کرنا ہے۔ جب ترقی اور خوشحالی آئے گی اور ہمارا ڈاکٹر شفایاب ہوگا اور ناناؤ تر جشنِ بہاراں کا اعلان کرے گا — خدا حافظ!!

قومی گیت

ابراہیم خان طالب

(مدارس میں پیش کئے جانے والے گیت منچ پروگرام کے لئے)

دل سے عزیز ہے ہمیں جان سے عزیز ہے
عزّت وطن کی سارے جہان سے عزیز ہے

مل جل کے دیش کے لئے ہم کام کریں گے
علم و ہنر کو دیش میں ہم عام کریں گے
ہم دیش کے ہر مسئلہ کو پرنام کریں گے
سو دیش جہاں میں دیش کا ہم نام کریں گے

ہم دوستی کی شمع یہاں پر جلائیں گے
نااتفاقیوں کا اندھیرا مٹائیں گے
ہر آدمی کو پیار سے انسان بنائیں گے
انسان کو زندہ رہنے کا ہم گر سکھائیں گے

ہم تو ملک ایک جہتی کا پرچار کریں گے
بھارت نواسیوں سے سدا پیار کریں گے
اس دیش کے ویرانے کو گلزار کریں گے
دشمن جو آئے گا اسے ہم مار کریں گے

دل سے عزیز ہے ہمیں جان سے عزیز ہے
عزّت وطن کی سارے جہان سے عزیز ہے

قاضی فراز احمد

مہذب درندے

دوستو! ہم نوا ہو! ابکا ہی ابکا
شور... طرزِ قیامت صدا ہی صدا

شکوۂ جاں سنو نالۂ دل سنو
دل کو دیکھا نہ تھا اتنا بسمل سنو
پر نہ ہوں گے سنانے کے قابل سنو
داستانِ الم یا جفا ہی جفا

جب بھی شعلوں کا پھیلا فسوں ہر طرف
جب بھی بھڑکے چراغِ جنوں ہر طرف
دل کی شمعیں ہوئیں سرنگوں ہر طرف
بو ہے بارود کی اور ہوا ہی ہوا

جلتی گرتی چھتیں گھر کے خاموش تن
تن کے دیوار و در ہیں ٹکڑے ٹکڑے بدن
شوق غولِ بیاباں ہوا خیمہ زن
آہ و فریاد اب ہے خطا ہی خطا

جنتیں دل کی باغِ عدن خاک ہیں
آشیاں خاک تھے اب چمن خاک ہیں
بے دعا بے زمیں بے کفن خاک ہیں
دل پہ قابو تھا وہ بھی گیا ہی گیا

کس کا انصاف ہو حسرتِ کشتہ ملا
زہر ظلمتوں کا یکتا سا نشہ ملا
ہاں مہذب درندوں کا حلقہ ملا
آدمی ہے فراز اب دغا ہی دغا
دوستو! ہم نوا ہو! ابکا ہی ابکا!

ایک مضمون

فسادات

قاسم یعقوب بجلے
ٹی. ایس. سی

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا — غافلوں کے لئے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا — امتحاں ہے ترے ایثار کا، خود داری کا

علامہ اقبالؒ

روئے زمین پر سب سے پہلا قتل ہابیل کا قابیل کے ہاتھوں ہوا۔ اس کے بعد سے اب تک جتنے بھی قتل وغارت کے مظاہرے اہلِ دنیا نے کئے، ان کی وجوہات زر، زن اور زمین رہیں۔ اس تثلیث کے علاوہ مذہبی جنون نے بھی اس زمین کو انسانی خون سے لالہ زار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس کرۂ ارضی پر جتنے بھی مذاہب رائج ہیں قطع نظر اس سے کہ وہ آسمانی ہیں یا غیر آسمانی ہر ایک نے اپنے اپنے انداز اور طریقہ پر سلامتی، اخوت، خلوص ومحبت، پاسداری ورواداری اور امن وآشتی کا پیغام دیا ہے۔ اس کے باوجود اس کائنات رنگ وبو میں مذہب کے نام پر کشت وخون نہ صرف جائز وروا بلکہ باعثِ حسنات سمجھا جاتا رہا ہے۔ مذہبی جنون میں مست اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے مالک متعصب اور فتنہ پرور افراد نے نہتے، کمزور اور بے بس، بے یار ومددگار اور پُرامن انسانوں کے خون کی ہولی کھیلنے اور ان کی املاک کو تاخت وتاراج کرنے کو سرور ونشاط، فخر وانبساط اور تسکین قلب کا ذریعہ گردانا ہے۔

آزاد ہندوستان کو فسادات کا ملک کہا جا سکتا ہے۔ جہاں آزادی کی پہلی سانس سے اور اس سے بھی قبل فرقہ وارانہ کشت وخون ہوتا رہا۔ اور ہند کی تاریخ کے صفحات کو مزین کرتا رہا۔ گو ان فسادات کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ فسادات کے اعداد وشمار کے مطابق اکثر وبیشتر فسادات مسلم کش رہے ہیں۔ جنھیں مذہب، تقسیم ملک، گئوکشی، اضافۂ آبادی، علاقائیت، لسانی و دیگر معلوم ونامعلوم وجوہات کی بنا پر ذبح کیا جاتا رہا۔ ان کے ملی ومعاشی شیرازہ کو منتشر کرنے کے منظم ترین طریقے اپنائے گئے، اور فسادی بے خوف وخطر قانون کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنا شنیع کام انجام دیتے رہے۔ تا حال ہم ایک بھی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں کہ باوجودیکہ عدالتی کمیشنوں نے فسادات برپا کرنے والوں کو ذمہ دار وخطاوار قرار دیا ہے انھیں سزا دی گئی ہو۔ اس طرح نہ صرف ان کی بالواسطہ ہمت افزائی ہوئی ہے۔ بلکہ ان کی یہ مذموم حرکات وکرتوت جمہوری ہندوستان کی سیاست میں بلند درجات ومراعات حاصل کرنے کی ضمانت بن گئی ہیں۔

تقسیم ہند کے ملک گیر ہندو مسلم فسادات کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی یاد آج بھی لوگوں کے اذہان میں محفوظ ہے۔ آج بھی روح میں لگے ہوئے زخم مندمل نہیں ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ موہوم سی امید تھی کہ آزاد ہندوستان فرقہ واریت کی لعنت سے پاک ہوگا، ہر ہندوستانی کو جمہوری حق اور دستوری تحفظ ملے گا۔ مگر ان کی یہ امیدیں سراب ثابت ہوئیں۔

آزادی کے بعد وقتاً فوقتاً سے خونیں، ہولناک، بہیمانہ اور
شرمناک فسادات ہوتے رہے، اور ان کا لامتناہی سلسلہ
آزادی کے ۴۰ سال بعد بھی اسی رفتار سے چل رہا ہے، اور
چلتا رہے گا! آسام، جمشید پور، جبلپور، میرٹھ، رانچی،
مرادآباد، بنارس، دلی، علی گڑھ، بہار شریف، بڑودہ،
احمدآباد، سورت کھمبات، عثمان آباد، حیدرآباد، مالیگاؤں،
جلگاؤں، شولاپور، پونا، بھیونڈی، ممبئی، جھاڑ، گورے گاؤں،
نیلی، کیتھا کماری۔ غرضیکہ ہندوستان کے نقشہ پر آپ
جہاں جہاں انگلی رکھئے ہر جگہ سے آہ و فغاں و
نالہ و شیون آپ کے پردۂ سماعت سے ٹکرائے گا۔ ایک
محتاط اندازے کے مطابق بلاناغہ یومیہ کم از کم ایک مسلمان
آزادیٔ ہند کے بعد سے مذہب کی بھینٹ چڑھ چکا ہے۔

جب کبھی فسادات برپا ہوتے ہیں مسلم لیڈران کو سانپ
سونگھ جاتا ہے۔ تین چار دن بعد جب تھوڑا تناؤ کم ہو جاتا ہے
تو ان کی مذہبی حمیت و غیرت جوش میں آتی ہے اور وہ
مسلمانوں سے، اپنے دینی بھائیوں سے ہمدردی جتانے، ان
کے دکھوں کا مداوا کرنے اور ان کی غمگساری کرنے اپنے آقا
کے حکم پر میدان میں اترتے ہیں، اور مسلمانوں کو اس بات
کی یقین دہانی کراتے ہیں کہ ان کی نجات کانگریس پارٹی سے
چمٹے رہنے ہی میں ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیڈر اس قدر ہمدرد
اور باضمیر ہیں کہ جن کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہیں،
ان کے ساتھ ہی بیٹھنے میں عار نہیں سمجھتے۔ کیا مسلم قائدین میں
آج تک کوئی امریندر سنگھ پیدا ہوا ہے جس نے جون ۱۹۸۴ء میں
گولڈن ٹمپل امرتسر پر فوجی یلغار کے احتجاج میں پارلیمنٹ کی
ممبرشپ اور کانگریس (آئی) سے استعفیٰ دیا ہو۔ کیا کوئی مسلمان
خشونت سنگھ کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔ جنھوں نے بطور احتجاج
اور قومی ہمدردی کی خاطر اپنا پدم بھوشن کا اعزاز ہندوستان کے
ان کے ہم قوم سکھ صدر کو واپس کر دیا ہو۔ مسلم لیڈران محض
اپنی جمع خرچ میں یقین رکھتے ہیں۔ وہ صرف گفتار کے غازی
ہیں۔ کردار کی معمولی رمق تک ان میں موجود نہیں ہے۔

قابل ستائش ہیں وہ مسلم و غیر مسلم قلم کار و صحافی
جنھوں نے ایماندارانہ طور پر فسادات کے واقعات کو پیش کیا۔
فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا، فسادات کی مذمت کی۔ اپنے غم و
غصہ اور رنج و غم کا اظہار کیا۔ حکومت کی نااہلی پر تنقید کی۔ ماضی
میں ہوئے فسادات کی تاریخ پیش کی۔ حکومت ہند کی فرقہ وارانہ
فسادات پر قابو پانے کی خاطر منظور شدہ تجاویز شائع کیں۔
(ملاحظہ ہو سالانہ رپورٹ وزارت داخلہ حکومت ہند برائے
۸۱-۱۹۸۰ء فرقہ وارانہ فسادات کے متعلق)۔ انھوں نے اس
بات کا خدشہ بھی ظاہر کیا کہ بھیونڈی اور بین الاقوامی شہر بمبئی کے
فسادات آخری کڑیاں نہیں ہیں بلکہ اس قسم کے فسادات اسوقت
تک ہوتے رہیں گے جب تک عوام کا باشعور اور انصاف پسند طبقہ
اس قسم کے شرمناک فسادات کے خلاف اٹھ کھڑا نہیں ہوتا۔
ان ابن الوقت لیڈروں اور ان کی پارٹی کے خلاف صدائے احتجاج
بلند نہیں کرتا۔ انھوں نے ایسے لوگوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو
ان حالات میں خاموش تماشائی بنے رہے۔ جبکہ متعصب فسادی
مذہب، قومیت اور علاقائیت کے نام پر شیطانی رقص کرتے رہے۔
انھوں نے حکومت مہاراشٹر کو ذمہ دار قرار دیا کہ ان کے زیر نگرانی
بین الاقوامی شہرت کی حامل پولیس فورس ہونے کے باوجود
اور قبل از وقت باخبر ہوتے ہوئے غفلت برتی۔ قانون شکن
اور غیر سماجی عناصر کے خلاف سخت کارروائی کرنے کے بجائے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی اور اب تک مختلف حیلے بہانے
کرتے ہوئے اپنی نااہلی کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔

اگر ہم فسادات کے لامتناہی سلسلے کے اسباب و وجوہات
کا جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گی کہ موجودہ

جمہوری سیاست کا یہ اہم باب ہیں۔ اگر غور و تعمق سے دیکھا جائے تو
اس حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ حکمراں پارٹی کی حکمرانی فسادات میں
ہلاک شدگان کی لاشوں پر کھڑی ہے۔ آگ لگانے اور بجھانے
کا بالترتیب بالواسطہ اور بلا واسطہ کام کرا کر یہ سادہ لوح
عوام کی ہمدردی حاصل کرتی ہے۔ گویا شعبدہ تاریخ بھی کر رہے
دیتی ہے آفتاب الشا۔

فسادات کے دوران خانماں بربادوں کی آبادکاری کی
نمائش کی جاتی ہے۔ خیرات کے چند ٹکڑے ان کی جھولیوں
میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کو باور کرایا جاتا ہے کہ
وہی پارٹی ان کی نجات دہندہ، بہی خواہ اور دکھ درد کی
ساتھی ہے۔ حالانکہ آزادی کے بعد سے اب تک فسادات
کا ہولناک و شرمناک سلسلہ اسی کے دورِ حکومت میں
چلا ہوا ہے۔ مخالف پارٹیاں اقلیتی فرقہ میں خوف و
دہشت پھیلا کر، ان کو معاشی و سماجی طور پر تباہ کر کے
اپنا مطیع و فرمانبردار بنانا چاہتی ہے۔ اور اسی طرح
سیاسی پارٹیوں کے یہ گدھ اپنے اپنے انداز میں انسانی لاشوں کی
بوٹیاں نوچ کر اپنا مطلب نکالتے رہتے ہیں۔

کیا آج اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ تعلیمی
نصاب میں تبدیلیاں اس انداز میں لائی گئیں اور لائی جا رہی ہیں
کہ وہ اکثریتی فرقہ کے خیالات و افکار سے ہم آہنگ ہوں۔ تاریخ کو
مسخ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو آج بھی مختلف طریقوں سے حکومت
کی قانونی، فوجی و نیم فوجی تنظیموں سے دور رکھا جاتا ہے۔ ان
کا ایک مقررہ کوٹہ ان تنظیموں یا حکومت کے دوسرے حساس
شعبوں میں نہیں رکھا جاتا۔ آخر یہ بے اعتمادی کیوں؟ کیا
حکومت ہند اس بات کو ثابت کر سکتی ہے کہ وہ سیکولر ہے؟
اگر وہ سیکولر ہوتی تو مختلف سرکاری اسکیموں کی افتتاحی
تقاریب ہندوانہ طریقہ پر عمل میں آتیں۔ یہاں تک قول و
فعل کا تعلق ہے اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حکومت کو اس بات کا یقین تھا کہ آزادی کے بعد کی
نسل فرقہ وارانہ جراثیم سے پاک ہوگی، تعلیم ان کے ذہن و قلب کو
بدل دے گی۔ مگر کیا آزادی کے ۴۰ سال بعد یہ ممکن ہو سکا؟
اور کیوں نہ ہو سکا۔؟

کیا مسلمانوں کی ذمہ داریاں فسادات کے تدارک کی خاطر
کچھ نہیں ہیں؟ مگر مسلمان اللہ تعالیٰ، عقل و فراست، ملی
بیداری، خود داری اور اپنے دست و بازو پر بھروسہ کرنے کے بجائے
ان ہی سیاستدانوں پر تکیہ کئے ہوئے ہیں۔ جن کے ہاتھ بالواسطہ
یا بلاواسطہ بے گناہ انسانوں کے خون میں رنگے ہوئے ہیں۔
اگر مسلمان تھوڑا سا غور کریں تو یہ عقدہ کھل جائے گا کہ ماضی
قریب کے فسادات میں پولیس کے جوان اپنے آپ کو شیوسینک
کہنے والے صحیح معنوں میں شیوسینک ہیں، جن کو منظم اور سوچے
سمجھے منصوبہ کے تحت شیوسینا کی ناجائز پیدائش کے بعد سے
اور خصوصاً بھیونڈی کے ۱۹۷۰ء کے فساد کے بعد سے بھرتی کیا
گیا۔ کچھ مسلمان ایسے ہیں جن کی نشوونما ایسے ماحول میں ہوئی
ہے جن کی فکری سطح اسلامی نظریات سے ہم آہنگ نہیں تھی۔
لہٰذا جب وہ زندگی کے کوائف و ظروف پر غور کرتے ہیں تو
چاہے وہ عام فکری جہات سے تعلق رکھتے ہوں یا اجتماعی،
اخلاقی، سیاسی یا دوسرے شعبوں سے تو وہ ان پر اسلامی فکر
کے مطابق غور نہیں کرتے۔ کچھ مسلمان ایسے ہیں جو زندگی کے
ہر شعبہ میں غیروں کی تقلید کرنا اپنی شان سمجھتے ہیں۔

آج وقت کی اہم ضرورت مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد ہے۔
مسلمان جو مختلف خانوں میں منقسم ہیں اور علماء دین جو آپس
میں اختلافات رکھتے ہیں وہ سب اپنے اختلافات کو بھلا کر
ایک ہو جائیں کیونکہ ہمارا اتفاق ہی فرقہ پرستوں اور شرپسندوں
کی مذموم حرکتوں اور ناپاک عزائم اور منصوبوں کو خاک میں ملا سکتا ہے

سانحۂ بیت المقدس

نوگل بھارتی

سریانی عالموں نے ایلیا نام سوچا　　　　یبوسیوں نے جس کو یبوسلم پکارا
بیت المقدس اس کا عربوں نے نام سوچا　　　　یروشلم کسی نے جیروشلم پکارا

اس سرزمینِ اطہر کے　　کتنے نام بدلے
لیکن نہ کیف بدلا　گو لاکھ جام بدلے

توریت اور قرآن میں جس کا تذکرہ ہے　　　　یہ سرزمینِ اقدس مولودِ انبیاء ہے
مولودِ انبیاء ہے یہ شہرِ کبریا ہے　　　　انوارِ رب سے اس کا ہر ذرّہ پُرضیا ہے

کب ہے رہینِ منّت　خورشید کا، قمر کا
ہوتا ہے چھٹ پٹے پر دھوکا یہاں سحر کا

اس شہر کو فلک سے نازل کیا خدا نے　　　　بخشا شرف اسے پھر کتنے ہی اصفیاء نے
کتنے ہی انبیاء نے کتنے ہی اتقیاء نے　　　　تبلیغ کی یہاں پر کتنے ہی انبیاء نے

یہ سرزمیں مقدّس، یہ سرزمیں ہے برتر
عظمت میں ہے بلاشک یہ آسماں سے بڑھ کر

اس سرزمیں پہ قبضہ ہے دشمنوں کا کب سے　　　　ناآشنا ہیں یکسر جو عظمت و ادب سے
ڈرتے نہیں جو یکسر اللہ کے غضب سے　　　　اب سرفروش اٹھیں شام و عرب عجم سے

اور دشمنوں سے اس کو آزاد اب کرائیں
باندھیں کفن کو سر سے آگے قدم بڑھائیں

ہوگی مجاہدوں کے دل میں جو عزم و ہمّت　　　　تب ساتھ ان کے ہوگی بے شک خدا کی رحمت
وہ انقلاب ہوگا دنیا کو ہوگی حیرت　　　　یہ ہوں گے اور ہوگی پہلی سی شان و شوکت

پھر ہوگا بیت المقدّس اور پرچم ہلالی
پھر گونجنے لگے گی اس میں اذاں بلالیؓ

ہوگا مجاہدوں کا ہر اک سا بول بالا　　　　ہے یہ نبیؐ کا مژدہ ہے یہ خدا کا وعدہ
ہے رات کے اندھیرے میں صبح کا اجالا　　　　ہے اس کی فتح و نصرت جس نے قدم بڑھایا

کیوں چُپ ہو سرفروشو! کیوں چُپ ہو جاں سپارو!
لب پر تمہارے حیدرؓ کا نعرہ ہو جیالو

خالدؓ کی تیغ ہو تم، حیدرؓ کا وار ہو تم!　　　　ملّت کا ناز ہو تم، وہ جاں سپار ہو تم!
جو پھونک دیں عدو وہ شعلہ بار ہو تم　　　　سطوت کے تم امیں ہو وہ جاں نثار ہو تم

بدر و حنین کا پھر پیشِ نظر ہو منظر
تم میں ہیں آج بھی تو کتنے ہزار حیدرؓ

ایم۔ اے پرکار
جدرمن

جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

معروضۂ حال

ماہِ جون کے شمارے میں مندرجہ بالا مستقل عنوان کے تحت خطۂ کوکن میں اردو شاعری اور اس کے شعرا کے متعلق ایک معلوماتی مضمون سپرد قلم کیا گیا تھا۔ وہ مضمون اس سلسلہ کی اولین کڑی تھی۔ اور جولائی کے شمارے میں اس کا بقیہ شائع ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن چند وجوہات کی بنا پر اس پر عمل نہ ہو سکا۔ جس کے لئے ہم قارئینِ کرام کی خدمت میں معذرت خواہ ہیں۔ یہی حال اگست کے شمارے کا بھی تھا۔ مسلسل دو ماہ کی ہماری غیر حاضری بعض قارئین کو ناگوار گزری۔ اس سلسلہ میں ادارۂ نقشِ کوکن کو متعدد شکایتیں، سفارشی اور تعریفی خطوط دستیاب ہوئے۔ کچھ مکتوبات بذاتِ خود ہمیں بھی موصول ہوئے۔ یقیناً جس سے دُکھ تو نہیں ہوا لیکن شرمندگی کا ہمیں احساس ضرور ہوا۔

شرمندگی اور پشیمانی محض اس لئے نہیں کہ مذکورہ دو شماروں میں خامہ فرسائی نہ کر کے ہم نے اپنا وعدہ ایفا نہ کیا بلکہ اس لئے ہوئی کہ ہمارے بعض کرم فرماؤں نے اپنے مکتوبات میں ہماری تحریر کے متعلق مبالغہ آمیزی سے کام لیا۔ تعریفوں کے پُل باندھے۔ ایمانداری کی بات ہے کہ جس کے ہم مطلق مستحق نہیں ہیں۔ جن میں سے ہمارے ایک کرم فرما جناب قاضی قطب الدین صاحب کا یہاں ذکر کرنا ازبس ضروری ہے۔ کیونکہ آپ کا مراسلہ جولائی کے شمارے میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ آپ نے اپنے مراسلہ میں بڑے پُر اخلاص لہجہ میں ذکر فرمایا ہے کہ ہم اپنے قلم سے جادو جگاتے ہیں۔ ہمارے متعلق آپ کی یہ تعریف و توصیف یقیناً ہمارے لئے شرمندگی کا باعث ہے ورنہ من آنم کہ من دانم کے مصداق ہم اپنی حیثیت خوب سمجھتے ہیں۔ اسی قماش کے اور بھی مکتوبات نظر نواز ہوئے ہیں۔ بہرحال یہ ان کا حسنِ ظن ہے جو ہمیں اس قابل سمجھا۔ ان کی بندہ نوازی کا احسان و تشکر بزبانِ غالب یوں ادا کرتے ہیں ؎

انشا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

اب رہا سوال شکایتی خطوط کا! اس کے لئے کیا عرض کر سکتے ہیں؟ ماہِ جون میں جولائی کے شمارے کا مضمون تحریر کرنا تھا لیکن اسی ماہ میں رمضان المبارک کی آمد ہمارے دنیاوی مشاغل میں حائل رہی۔ عمر کے اس آخری مرحلہ میں ہمارا گزشتہ کئی سالوں سے وطیرہ رہا ہے کہ حتی الامکان ہم اپنے آپ کو دنیاوی مصروفیات سے باز رکھتے ہیں، اور یہ بھی ایک خوش قسمتی بات تھی، کوئی فریضہ نہیں تھا۔ اب رہا سوال اگست کے شمارے میں ہماری غیر حاضری کا، جس کے لئے بڑی انکساری کے ساتھ ہم ادارۂ نقشِ کوکن کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ ہماری صاف گوئی نہیں بلکہ صاف نگاری کو ادارہ ہمیں معاف کرے گا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک قلم کار اپنے اس قومی ماہنامے کے لئے "نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ" کئے بغیر بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لے کر خامہ فرسائی کرتا ہے، اور اس مضمون کی کتابت کے بعد اگر ادارہ اس پر نظرِ ثانی نہ کرے اور کاتب صاحب سے

سرزد ہوئی غلطیوں کی تصحیح نہ کرے تو مضمون نگار کی اہلیت و قابلیت
کی اچھی خاصی نمائش ہوتی ہے۔ غلط جملے اور جملوں میں
سے جو الفاظ کاتب صاحب کی نوکِ قلم کی زد سے رہ جاتے ہیں
یا غلط لکھے جاتے ہیں ان کی تصحیح کرنا ادارے کا کام ہے۔ کاتب صاحب
کاتبِ تحریر ہیں کاتبِ تقدیر تو ہیں نہیں کہ ان سے غلطی ہی
سرزد نہ ہوتی ہو۔ یہی حال ناقص چھپائی کا ہے، جسے دیکھ کر
مضمون نگار کا دل ٹوٹ جاتا ہے، اور وہ یہی بہتر سمجھتا ہے کہ
اس طرح اپنی قابلیت کی نمائش کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کرنی
اور نہ لکھنا ہی بہتر ہے، جن کو ناموری اور شہرت کی ضرورت ہے
وہ ان باتوں کو نظر انداز کرتے ہیں لیکن جس نے اپنی زندگی اسی کام
میں وقف کیا ہو اور جو سستی شہرت سے بالاتر ہو وہ عمر کے
اس آخری دور میں یہ بات اس کی قوت برداشت سے باہر ہے۔
یہ بھی ایک وجہ تھی جس نے ہمیں قلم کو جنبش دینے سے روک دیا
تھا۔ لیکن چار و ناچار قارئین کرام کے اصرار پر اور اپنے کئے ہوئے
وعدے کا پاس کرتے ہوئے جبراً و قہراً اپنے قومی ماہنامے کے
صفحات پر نمودار ہو رہے ہیں۔ ادارے سے متعلق ہماری یہ
ناقدانہ تحریر اسے اپنے فرض کا احساس دلانے کے لئے ہے۔
دل آزاری یا کسی ناقص جذبے کے تحت نہیں ہے۔ یہ بھی ایک
دلداری کا انداز ہے۔

اردو شعرائے کوکن کے متعلق

یوں تو اس شمارہ میں شعرائے خطۂ کوکن کے متعلق جو سلسلہ
نامکمل رہ گیا ہے اس کی دوسری کڑی کی قسط تحریر کر لینا چاہیئے
لیکن پچھلے دنوں ہمارے ملک میں جو فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔
نیز اسلامی ممالک میں آپسی سر پھٹول اور عراق و ایران کی طویل
جنگ نے جو صورت حال اختیار کی ہے اس کے پیش نظر اس کی وجوہات
و فکریہ انداز میں واضح طور پر نہ سہی اشاروں اور کنایوں میں
تحریر کرنا ہی تقاضائے وقت ہے۔ آج امتِ محمدیہ کی یہ بے بسی
کی حالت کیوں ہے؟ دنیائے اسلام میں یہ افراتفری کی صورت
کیوں ہے؟ ہمارے ناقص خیال میں اس کی وجوہات روحِ اسلام
سے فراموشی، ایمان کی کمزوری، خود ساختہ بادیانِ دین کی غلط
قیادت اور غیر دینی شعائر کی قبولیت ہے۔ وقت کا یہ اہم مسئلہ
ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے اس سلسلہ کو سرِدست دوم درجہ دے کر
اولین درجہ اسے دیا ہے اور مبہم انداز میں اسی پر روشنی ڈالنے کی
کوشش کی ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں شعرائے کوکن
والی دوسری قسط پیش کی جائے گی۔

جدید سائنس کے اثرات اور مسلمان

بیسویں صدی میں تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہن و دماغ سترہویں
صدی میں پیش آنے والے سائنسی نظریات سے مرعوب و متاثر
ہوئے تھے اور علوم فلکیات، طبیعات، کیمیا اور حیاتیات کی
غیر معمولی ترقی کی بنا پر مادیت اور دہریت کو زبردست تقویت
پہونچی تھی۔ وہ لوگ جو صحیح ایمان و علم و فہم سے عاری تھے یہ سمجھنے
لگے تھے کہ سائنس نے مذہب کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں، بنیادیں
ہلادی ہیں۔ کیونکہ کائنات میں علت و معلول کا ایک سلسلہ
کار فرما ہے جس کی وجہ سے اس کی تخلیق بھی ہوئی اور تشکیل و
تعمیر بھی ہو رہی ہے۔ نہ کسی خالق کی ضرورت ہے اور نہ قیوم کی۔
اس زمانہ میں عقلوں پر سائنسی تجربات و مشاہدات اور ان کی
بنیاد پر قبول کئے جانے والے نظریات ہی کا غلبہ تھا۔
بلاشبہ اس کا ایک اثر یہ بھی پڑا تھا کہ اسلام کی،
قرآن کی سائنسی تفسیر و تشریح کا رجحان بڑھنا شروع ہوا
اور بات یہاں تک بڑھی کہ قرآن اور بعثتِ نبوی کا اولین مقصد
انسانوں کو کائنات کے سربستہ رازوں سے واقف کرنا اور
زمین و آسمان کے مخفی خزانوں سے استفادہ کی راہیں بتانا
قرار دیا جانے لگا تھا۔ نیز مغربی اقوام کو جن کے ہاتھوں میں
سائنسی تحقیقات کی کنجیاں تھیں اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُہَا

عبادی الصالحون (زمین کے وارث بنیں گے میرے صالح بندے) کا مصداق اور قرآن کے پیش کردہ انسانِ کامل کا ایک نمونہ کہا جانے لگا۔

کافر نتوانی شد، ناچار مسلماں شو

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل ہی میں جب کہ نیوٹن کے نظریات پر مبنی طبیعیات عروج پر پہونچ رہی تھیں، چند ایسے تجربات اور مشاہدات ہوئے کہ اس علم کی دیواریں متزلزل ہو گئیں اور علم طبیعیات میں ایک ہمہ گیر انقلاب رونما ہوا۔ اور ایک ہی جھٹکے میں مادیت و دہریت کے پرستاروں کا وہ طلسم جو سائنس کی بنیادوں پر قائم کیا گیا تھا یکسر ٹوٹ گیا اور کافر نتوانی ناچار مسلماں شو کے مصداق خدا کی ہستی پر ایمان لانے کی نئی راہیں کھل گئیں۔

بیسویں صدی میں دنیا کے نقشے میں رونما ہونے والی بڑی اہم تبدیلیوں کے نتیجہ میں دنیا کے عام انسانوں کے اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن پر انسانی زندگی کے دو شعبے سیاسیات اور اقتصادیات چھا گئے۔ کسی بھی مذہب، مجموعۂ افکار و نظریات اور نظامِ حیات کو جانچنے اور پرکھنے کا صرف ایک ہی پیمانہ رہ گیا۔ وہ یہ کہ ان دونوں شعبوں سے متعلق اس کے پاس کیا ہے؟ اس کے پیچھے کتنی طاقت ہے؟ اس کا نظامِ عمل کیا ہے؟ اور اس کے حلقۂ اثر میں اس کے کتنے حواری و پیرو ہیں؟

ہمیں یہاں ان دونوں شعبوں کی اہمیت اور انسانی زندگی میں ان کے درجہ اور مقام کے بارے میں سردست نہ بحث کرنا ہے اور نہ ہی اس سلسلہ میں کچھ کہنا ہے۔ ہمیں اس موقع پر ایمانداری کے ساتھ یہ غور کرنا ہے کہ اس طرزِ فکر کے بہت سے نتائج ہمارے ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ

آخرت، جزا و سزا، جنت و دوزخ، اللہ کی رضا و رحمت اور اس کے غیض و غضب سے بالکل ہٹ کر ساری توجہ دنیاوی زندگی کے چند مسائل پر ہی مرکوز ہو کر رہ گئی۔ مذاہب، افکار و نظریات کو صرف ان مسائل کے پیمانے سے تولا جانے لگا۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے دین، اور ان کے قائم کردہ منہاج میں یہ مسائل بڑی آسانی سے بالکل ضمنی طور پر اور یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ چٹکیوں میں حل ہو جانے لگے۔ جب انسان کے اندر ایمان و احتساب آ جاتا ہے، جب اس کے اخلاق، اس کے جذبات، اس کی تمام تر حرکات و سکنات اور اس کی ہر فکر و سوچ آخرت اور اللہ کی ہدایات پر عمل کر کے بڑے سیدھے اور فطری طریقے پر پوری زندگی اور کامل معاشرہ ایک نمونہ کی چیز بن جاتا ہے، جس سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور آخرت بھی۔

لیکن ہر زمانہ میں اسلام کے مخلصوں اور خادموں میں ایک طبقہ ایسا رہا ہے جس نے اسی کو بہتر سمجھا کہ زمانہ جس چیز کی زیادہ طلب کر رہا ہے، مانگ رہا ہے، جس پہلو کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے۔ اسلام کے اسی پہلو کو روشن اور نمایاں کیا جائے۔ تاکہ لوگوں کے ذہن اسلام سے قریب تر ہوں اور لوگ اسلام کو زمانۂ ماضی کی ایک فرسودہ چیز سمجھ کر اس سے مایوس اور برگشتہ نہ ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرز سے جو لوگ اسلام سے قریب تر ہوئے وہ حقیقی اور مکمل اسلام سے نہیں، اس کی اصل روح ایمان و ایقان اور تصدیق و استسلام سے نہیں، اس کے اس تربیتی پہلو سے نہیں جو اس کا منفرد جوہر ہے۔ بلکہ اس کے چند ظاہری پہلوؤں سے ہی قریب ہوئے جس کی وجہ سے وہ چند پہلو ہی ان کے ذہن و دماغ پر چھا گئے، جبکہ اور دوسری طرف یہی طرزِ فکر امت میں عام طور سے

پھیلنے لگا۔ انجام کار عام لوگوں کے ذہن و شعور پر چند
مخصوص پہلوؤں اور گوشوں ہی کی چھاپ گہری ہوتی
چلی گئی۔ چنانچہ تعمیر سیرت اور اصلاحِ معاشرہ کا
وہ کام جو کہ اسلام کا اصل منشاء ہے اور اللہ تعالیٰ
کی محبت و معرفت اور اس کی رضا کا حصول جو اس کا مقصود
ہے یا تو بالکل ہی ساقط ہو گیا یا فکر و عمل کی فہرست
کے بالکل آخر میں محض اتمامِ حجت اور دوسری کی زباں بندی
کی خاطر اسے جگہ دی گئی۔

راقم الحروف کا طالب علمانہ خیال ہے کہ مذکورہ بالا امر کی
وجہ سے ہماری اس صدی میں اسلام کی تشریح کرنے کی جانیوالی
کوششوں میں انہی دونوں شعبوں کے بارے میں اسلام کی
تعلیمات کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

یہ طرز کہاں تک صحیح ہے اور کس حد تک منہاجِ
نبوت کے مطابق ہے؟ اور اس کے نتائج عصرِ حاضر میں
فکرِ اسلامی پر کیا مرتب ہو رہے ہیں؟ یہ موضوع بہت
مفصل گفتگو کا متقاضی ہے۔ یہاں فی الحال تو
اس کا موقع محل نہیں ہے۔ یہاں تو یہی عرض کرنا ہے
کہ یہ جو ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ امت کا ایک بہت بڑا
طبقہ جو اپنے جذبات اور صلاحیتوں کے لحاظ سے ہمارے
لئے بہت قدر و احترام کے لائق ہے دعوتوں، تحریکوں اور
انقلابیوں کو بھی صرف اسی نہج اور پہلو سے جانچنے لگا ہے
جو دعوت بسلسلہ بدلہ ہو اور کچھ مار کاٹ مچا دے یا مار کاٹ
کی باتیں ہی کر کے ظالم و جابر طاقتوں کے مظالم سے
دل ہی دل میں کڑھ کر رہ جانے والے نیز احساسِ مظلومیت
کی آگ میں سلگنے والے مسلمانوں کے ذہنی سکون یا
بہلاوے کا سامان کر دے۔ بس وہ دعوت وہ رہبری
اور وہ تحریک اس لائق ہو جاتی ہے کہ نبوت کی طرح اس پر

ایمان لایا جائے اور اس پر عمل کی دعوت دی جائے۔ اور جو
اس کے عقائد، اس کے مقاصد اور اس کے اسلاف کے نامۂ
سیاہ کے بارے میں کچھ سوچنے یا غور کرنے کی بات کرے
اس پر طرح طرح کی تہمتیں لگا کر اسے خارج الاسلام و کفر
کے فتوے صادر کر کے اس کی بات کو بے وزن کرنے کی کوشش
کی جاتی ہے۔ یہ دراصل ایک نمونہ ہے اسلام کی تفہیم و
تشریح کے اس طرز سے تشکیل پانے والے ذوق و مزاج کا
اور عام مسلمانوں کی فکر و سوچ پر پڑنے والے اس کے اثر کا۔
جس کی طرف مندرجہ بالا سطور میں اشارہ کیا ہے۔

اب تک تو حالت یہ تھی کہ لوگ صرف خیالات و
نظریات کو جانچتے پرکھتے تھے۔ ان کے داعی و علمبردار کی
عملی زندگی پر نظر کرنے کو غیر ضروری بلکہ نامناسب خیال کرتے
تھے لیکن اب بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچ گئی ہے
کہ لوگ عقائد، خیالات، اصول اور جدوجہد کے حقیقی محرکات
کو جاننے سے بھی گریز کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کی کوشش کو
غیر شرعی، غیر مہذب اور نامناسب عمل خیال کرتے ہیں۔
ان کے نزدیک یہ کافی ہے کہ ایک شخص اسلام کا نام لے رہا
ہے، اللہ و رسول کی دہائی دے رہا ہے، لمبی داڑھی رکھتا ہے۔
بایں جبہ و دستار نعرۂ اللہ اکبر، نعرۂ رسالت و اسلام زندہ باد
بلند کر رہا ہے اور اپنی چرب زبانی سے امت کو للکار رہا ہے۔
اب کوئی ضرورت نہیں کہ اس کے عقائد اور خیالات کی جانچ
پڑتال کی جائے۔ حیرت ہوتی ہے جب ایسی باتیں ہمارے
کانوں میں پڑتی ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اسلام اور قرآن
کسی مخصوص نظامِ عقائد و اعمال کا نام نہیں، جو چاہو عقیدہ
رکھو، جو چاہو عمل کرو، تم مسلمان بنے رہو گے۔ بس اسلام
اسلام کا نام اور دعویٰ کرتے رہو کافی ہے۔
ہمارے تحریک اس طرز فکر کے رواج پانے کی ایک

وجہ یہی ہے کہ اسلام کے صحیح اور مکمل فہم اور دین کی سمجھ امت میں محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ گروہ بندی، جماعت، اقتدار وسیاست کا سکہ رائج الوقت ابنائے اسلام کے ذہنوں کو اس طرح مغلوب کر چکا ہے کہ اس لیبل کے ساتھ غلاظت کا ڈھیر بھی مشام جاں کو معطر کرتا رہتا ہے۔ اور جو شخص اسلام اور انقلاب کا نعرہ لگائے وہ امیدوں اور عقیدتوں کا مرکز ہو جاتا ہے۔ اس کے عقیدہ کے ہر بگاڑ اور افکار ونظریات کی ہر کجی کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے دین کے منشاء ومزاج سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ دین میں کتنی خطرناک تحریف ہے اور اس کے نتیجے میں ہر زیغ وضلال اور ہر کفر وباطل کو کتنی آسانی سے ابنائے اسلام کے ذہنوں میں راہ مل سکتی ہے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے حقیقی اسلام کا چہرہ کیسا مسخ ہو جاتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں اسلام اور داعی اسلام کی مخالفت اور ان کو نہ بڑھنے دینے کی اہل مکہ کی ہر ممکن کوشش جب ناکام ہوتی دکھائی دینے لگی تو ایک مرحلہ پر انھوں نے کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر مصالحت ومفاہمت کی بات سوچی اور یہ تجویز رکھی گئی کہ آپ ہمارے معبودوں کا احترام کریں۔ ان کی کچھ تعظیم وعبادت کیا کریں۔ کم سے کم ان کو ہاتھ ہی لگا دیا کریں۔ اور آپ جس معبود کی عبادت کرتے اور دعوت دیتے ہیں ہم اس کا احترام کریں اور اس کی بھی عبادت کیا کریں۔ اس طرح ہمارا آپ کا یہ اختلاف ختم ہو سکتا ہے۔ اسی موقع پر سورۂ کافرون (قل یاایھا الکافرون .....) نازل ہوئی۔

اس سورت کا تیور اور لب ولہجہ غیر معمولی ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ دعوت حق کے منکروں سے واشگاف اور دو ٹوک انداز میں کہہ دیں کہ (یہ معاملہ لین دین کا نہیں ہے۔ یہ دین کا اہم بنیادی مسئلہ ہے) تم اپنے جن خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا اور نہیں کروں گا۔ (اس کی امید نہ رکھی جائے) اور میں جس خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت اور پرستش کرنے والے نہیں۔

اگر عقیدہ کا مسئلہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ آج کل کے ہمارے بہت سے بھائیوں اور اسلام کی سربلندی کے مبارک جذبہ سے سرشار بہت سے نوجوانوں کے ذہن ودماغ میں ہے تو اس وقت حالات کا تقاضا آج کے حالات کی بہ نسبت ہزار گنا زیادہ تھا کہ عقیدہ کی بنیاد پر دشمنی قائم نہ کی جائے اور اس مسئلہ کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھا جائے جب اسلام کو طاقت حاصل ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق چچا ابو طالب کا معاملہ بھی عقیدہ کی اہمیت کی بڑی واضح دلیل ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابو طالب آپ کی حفاظت اور مدد کیا کرتے تھے اور آپ کے بارے میں ان کے نزدیک بڑی حمیت تھی جس کی بنا پر وہ لوگوں کی رضامندی وناراضگی کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ تو کیا اس کا فائدہ آخرت میں ان کو پہونچے گا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کو آگ کی لپٹوں میں پایا اور کچھ ہلکی آگ تک انھیں نکال لایا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول ابن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں بڑی صلہ رحمی کرتے تھے۔ مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، تو کیا ان کے لئے وہ نیکیاں سود مند ہوں گی؟ آپ نے فرمایا، نہیں۔ ان کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں کہا کہ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (اے میرے رب روز جزا کو میرے گناہ بخش دیجئے گا)۔ یعنی اللہ پر اور آخرت پر یقین

حسنِ اخلاق کے محرکات کچھ اگر اور ہیں تو اس سے انسان کی سیرت و کردار کو سچا سدھار نہیں ملے گا۔ اور آخرت میں اس کا کوئی نفع نہ پہونچے گا۔

بہر حال یہ ہے اہمیت اسلام میں عقائد اور ان پر ایمان و استقامت کی۔ لیکن آج کل کے ہمارے خود ساختہ بادیوں اور عالموں نے ہمارے اس دینی اساس اور اس کی اہمیت کو چیلنج کیا ہے۔ اور ان کی اندھی تقلید اور تائید نے ہمارے نوجوانوں اور پرانے لکیر کے فقیر بوڑھوں کو انبیاء علیہم السلام کے منہاج دعوت کی اس اساسی خصوصی کو بالکل پس پشت ڈال دینے کا خطرہ پیدا کیا ہے۔ اس لئے آج اس کی ضرورت ہے کہ اس کا پورا پورا احتساب کیا جائے اور علم و دیانت کے تقاضوں کو سو فیصد ملحوظ رکھ کر اپنے آپ کو گمراہی سے بچایا جائے۔ عقیدے کے لحاظ سے بھٹکے ہوئے نوجوانوں کی خدمت میں اشارتاً و کنایۃً یہ معروضہ پیش کیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لئے کی جانے والی ہر کوشش کو صفات قبولیت سے آراستہ فرمائے اور تمام اشرار و فتن سے ہماری حفاظت فرمائے۔

مراسلت یا ترسیلِ زر کے وقت

اپنا خریداری نمبر جو آپ کے نام بھیجے گئے پرچہ کے پتہ کے اوپر درج ہوتا ہے لکھنا نہ بھولئے۔

اسی طرح جب آپ منی آرڈر کرتے ہیں تو کوپن پر اپنا نام و پتہ صاف و خوشخط لکھئے بلکہ پن کوڈ نمبر بھی ضرور تحریر فرمائیں۔ اس طرح اندراج میں آسانی ہوتی ہے۔ (ادارہ)

ملازمت پیشہ خواتین کے مسائل

رقیہ نائکؔ

موجودہ دور کی بڑھتی ہوئی ضروریاتِ زندگی، مادی عیش و عشرت، بڑھتی ہوئی مہنگائی اور مغربی تہذیب کی نقالی نے آج عورت کو مردوں کے دوش بدوش کام کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ زمانے کی تیز رفتاری دیکھئے، پہلے مرد ایسی عورت چاہتے تھے جو امورِ خانہ داری سے واقف ہو، سینا پرونا جانتی ہو اور گھریلو اور سگھڑ ہو۔ آج مرد کی مانگ ہے، سروس کرنے والی لڑکی، گھر کی آسودگی، بچوں کی بہتر تعلیمی اور سماجی تربیت کے لئے روزی روٹی کمانے والی خاتون کی زندگی آج کتنی تکلیف دہ ہوگئی ہے۔ زندگی ایک مشین کی طرح ہوگئی ہے۔ زندگی کی مادی عیش و عشرت کی چتا میں احساسِ حسن اور نزاکت کو جلنا پڑا۔

آج ہمارے معاشرے میں عورت کا گھر سے باہر اسکولوں آفسوں اور بنکوں میں کام کرنا معیوب نہیں ہے۔ مگر یہ ایک کڑوی حقیقت ہے کہ عورت گھر اور باہر دونوں جگہ اپنے فرائض سے انصاف نہیں کر سکتی۔

عورت کو رات ہی سے فکر ستا رہی ہے کہ صبح جلد اٹھنا ہے، ناشتہ تیار کرنا ہے، بچوں اور شوہر کو ڈبہ دینا ہے۔ صبح کو وہ تمام کاموں کو جلد از جلد نمٹانا چاہتی ہے۔ اس کے پاس بچے کو پیار کرنے، اس کی شکایت سننے اور اس کی فرمائش کا اہتمام کرنے کا وقت ہی نہیں ہے۔ اگر کسی بچے نے بھول کر بھی ایسا کیا، تو سمجھ لیجئے بُری طرح پِٹ جائے گا یا ماں جھنجھلا کر گھر کے دوسرے آدمیوں پر غصہ اتار دے گی۔ صبح گھر کے تمام لوگوں کے کام کرنے والی خاتون اپنے چھوٹے بچوں اور گھر کو نوکر کے سپرد کر کے آفس کی جانب بھاگ رہی ہے۔ صبح کی مسلسل پانچ گھنٹوں کی محنت کے بعد بسوں اور ٹرینوں سے گزر کر آفس پہونچنے والی خاتون کو آفیسر کی بے رحم نگاہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موٹی موٹی فائلوں کے ساتھ دماغ کو کھپانا پڑتا ہے۔

درحقیقت آفس کا یہ کام دوسری شفٹ کا کام ہے۔ ذہن گھر پر ہے۔ بڑے بچے کے ٹیسٹ ہیں، منجھلے کو کھانسی ہے، چھوٹا بخار میں تپ رہا ہے۔ آفس سے چھٹی ملنے کا سوال ہی نہیں۔ خیر انہی الجھنوں اور تکلیفوں میں دن ختم ہوا۔ آفس سے گھر کی طرف آتے ہوئے سبزی خریدنی ہے۔ بچوں کے لئے مٹھائی، کسی کے لئے دوائی۔ ان تمام چیزوں کے بوجھ سے لدی، بسوں اور ریلوں کی بھیڑ کو برداشت کر کے عورت جب گھر پہونچی تو کئی ادھورے کام منتظر تھے۔ گھر کی بے ترتیبی، رات کے کھانے کا انتظام، منے کا ہوم ورک یہ تیسری شفٹ کا کام ہے۔ اب آپ انصاف کیجئے روزانہ کے ان کاموں کو اس مشینی انداز میں انجام دے کر عورت گھر کو مالی آسودگی تو دے سکتی ہے مگر بچوں کو ممتا نہیں دے سکتی۔ مہنگی انگریزی تعلیم کے اسکول میں داخل تو کروا سکتی ہے، زیادہ سے زیادہ ٹیوشن دلوا سکتی ہے

یہ تمام تکلیفیں وہ گھر کے بہتر مستقبل کیلئے کرتی ہے۔ مگر وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتی ہے کہ اس کی مامتا کی گود میں بیٹھ کر بچہ جو آسودگی محسوس کرے گا وہ سکون اسے اور کہیں نہیں مل سکتا۔ نوکر بچے کو کھانا کھلا سکتا ہے، اپنے ہاتھوں میں مامتا کا لمس نہیں بھر سکتا۔ بعض نوکر تو بچوں میں غلط قسم کے ڈر اور عادتیں ڈال دیتے ہیں۔ جس سے بچے کی پوری زندگی برباد ہو سکتی ہے۔ جو عورتیں گھروں سے باہر کام کرتی ہیں ان کے بچے مامتا سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ملازمت پیشہ خواتین مردوں کی مالی پریشانیوں کو ضرور دور کرتی ہیں مگر وہ ان کی ذہنی آسودگی کا سبب نہیں بن سکتیں۔ مردوں کی ناز برداری اٹھانے کا وقت بیچاری عورت کے پاس نہیں ہوتا۔ مرد اس کو عورت کی لاپرواہی سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ چونکہ عورت خود کفیل ہے اس لئے جان بوجھ کر اس کو نظر انداز کر رہی ہے۔ کبھی کبھی خود کفیل ہونیکا احساس برتری بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ احساس عورتوں کی نزاکت اور نرمی کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ اس طرح بعض اوقات اختلافات بڑھ جاتے ہیں۔ عورت میں یہ بھی احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اکیلی بھی زندگی گزار سکتی ہے۔ اور اس احساس نے کئی گھروں کی اساس کمزور کر دی ہے۔

قلمی معاونین!

گزارش ہے کہ اپنی تخلیقات کے حاشیے پر اپنا نام و مکمل پتہ پن کوڈ کے ساتھ ضرور تحریر فرمائیں۔ مضمون کاغذ کے ایک طرف لکھیں۔ اور قلمی نام کے ساتھ اصل نام بھی تحریر کریں۔ مضامین ایک نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔

(ادارہ)

از: مسٹر تابڑ توڑ

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں
تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر مہذب اور غیر ذمہ دارانہ نہ ہوں۔
★ ہر سوال کے بعد جواب کیلئے جگہ چھوڑی جائے۔

★ مشتاق مقدم — توراڈی مہسا ضلع رائے گڈھ

سوال:۔ دنیا کی سب سے بڑی مسجد کہاں پر واقع ہے؟

ج:۔ اسپین میں۔

سوال:۔ دنیا میں سب سے پرانی کتاب کہاں پر ہے اور کون سی ہے؟

ج:۔ یہ کتاب چین میں ہے جو حضرت نوح کی پیدائش سے بھی قبل لکھی گئی ہے۔ یہ لکڑی (درختوں) کی چھالوں پر لکھی گئی ہے۔

مراٹھی اور انگریزی اخباروں کی زینت بنایا جائے تو بہتر ہے کیونکہ کوئی منسٹر اردو تو جانتا نہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:۔ جو وزیر با تدبیر اردو جانتے ہیں گرچہ گنتی میں معدودے ہیں وہ بھی اگر ان صفحات پہ توجہ دیں تو بڑی بات ہوگی۔ مگر شکایت تو یہی ہے کہ
دشمنوں نے تو دشمنی کی ہے
دوستوں نے بھی کیا کمی کی ہے

★ حسن علی دلوی — الدمام سعودی عربیہ

سوال:۔ اس بھارتی بالر کا نام بتائیے جس نے پہلے ہی ٹیسٹ میچ میں پہلے ہی بال پر وکیٹ لی ہو نیز وہ جگہ بھی بتائیے۔

ج:۔ عابد علی نے بمبئی میں کھیلے گئے ہند انگلینڈ ٹیسٹ ۱۹۷۰ میں کپتان ٹانی لوئس کو اپنے ٹیسٹ کیریئر کے پہلے ہی گیند پر آؤٹ کیا تھا۔

سوال:۔ بھارت کی طرف سے زیادہ سے زیادہ ٹیسٹ کھیل کر ایک ہزار رن بنانے والے کھلاڑی کا نام بتائیے۔

ج:۔ گنڈاپا وشوا ناتھ

★ خلیل ناگلیکر — رتنا گری

سوال:۔ ایک آدمی ننگا دھڑنگا گھومتا پھرتا ہے۔ جب وہ مر جاتا ہے تو اسے کفن پہنایا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

ج:۔ ننگا پھرنے والا ذہن و دماغ سے عاری ہے اس کے لئے نہ دین کی فکر ہے نہ دنیا کی لاج۔ بکفن لفنانے والے صحیح الدماغ ہوں گے۔

سوال:۔ مجھے معلوم ہے آپ کہتے ہیں علماء سے پوچھو۔ ایسا کیوں؟

ج:۔ نقش کوکن مذہبی رسالہ نہیں ہے لہٰذا دینی سوالات ہم سے کرنا بے سود ہے۔ اب آپ کہیں گے کسی نے ہم سے پوچھا تھا کہ ظہر کی فرض نماز کتنی رکعتیں ہیں؟ اور ہم نے بتایا تھا نہ بیاز تو یہ بھی

★ بشیر کھوت — پوچھلون تعلقہ کھیڈ

سوال:۔ مبارک کاپڑی کا پہلا اور آخری افسانہ اگر ترجمہ کر کے

دینی سوال تھا۔ مگر میرے بھائی اتنی معلومات تو ہر مسلمان رکھتا ہے۔ مگر جب کوئی پوچھے کہ ظہر کی چار سنتیں ہیں تو پھر جمعہ کے روز دو کیوں پڑھی جاتی ہیں۔ بھلا اس کا جواب ہم کیوں کر دیں۔ بہتر ہے کسی عالم دین سے ہی پوچھا جائے۔

★ داؤد کھوت — آشٹی تعلقہ کھیڈ

سوال: بھارت میں تار ڈاک (ٹیلیگراف) کی شروعات کب اور کہاں ہوئی؟

ج: ہندوستان میں پہلی ٹیلیگراف لائین کلکتہ اور آگرہ کے درمیان ۱۸۵۳ء میں بنی۔

سوال: بمبئی سے تھانہ ریلوے لائین کب بچھائی گئی؟

ج: ۱۸۸۱ء میں۔

★ قاسم عثمان سُرویے — سونس تعلقہ کھیڈ

سوال: پیار میں دھوکا کھانے کے بعد انسان اپنے بارے میں کیا سوچتا ہے؟

ج: مرزا غالب کا یہ شعر

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

سوال: لڑکے کی نظر لڑکی پر پڑے تو لڑکا کیا محسوس کرتا ہے؟

ج: دین سے اتنا الگ جا رہا ہے یوں قریب
اس قدر دلچسپ کیوں یہ ڈھنگ دنیا کر دیا

★ احمد ابراہیم بامنے — ٹرامبے بمبئی ۸۸

سوال: دنیا کی کل آبادی کتنی ہے اور اس میں مسلمان کتنے ہیں؟

ج: کل آبادی تقریباً ۴ ارب ہے جس میں مسلمان تقریباً ۷۰ کروڑ ہیں۔

سوال: وہ کون سا ملک ہے جہاں مسلمان زیادہ ہیں؟

ج: انڈونیشیا۔

سوال: دلیپ کمار کا نام تو یوسف خان ہے پھر دلیپ کمار کیسے بنا؟

ج: دلیپ کمار نام نہیں بلکہ عرفیت ہے جیسے شاعروں کا تخلص۔

★ نفیس عبدالقیوم خطیب — کلیان ضلع تھانہ

سوال: دل پر قابو رکھنا کب مشکل ہو جاتا ہے؟

ج: غصہ کی حالت میں۔ ویسے جذباتی انسان بھی اپنے دل پر قابو نہیں رکھ پاتے۔

سوال: نیک دیندار ہونے کے باوجود بھی انسان گناہ کا مرتکب کیوں ہوتا ہے؟

ج: اس لئے کہ انسان بہرحال انسان ہے۔ فرشتہ نہیں۔

★ زرینہ عبدالقادر دھنشی — شری وردھن ضلع رائے گڈھ

سوال: بچہ کی پرورش و پرداخت کا ذمہ دار ماں ہے یا باپ؟

ج: دونوں۔ البتہ ماں کی آغوش کو اولاد کی پہلی تربیت گاہ کہا گیا ہے۔

سوال: علم کی فراوانی اچھی یا دولت کی؟

ج: مولانا روم کا مقولہ یاد رکھئے "علم کی وجہ سے کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا بجز دولت مند کے"

★ اسلم حسین ناخوا — پارک سائٹ کالونی وکھرولی

سوال: ہندوستان کا قومی ترانہ کس کا لکھا ہوا ہے؟

ج: ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کا۔

سوال: وہ کون سا شاعر ہے جس کے لکھے ہوئے ترانے کو دو ملکوں نے اپنا قومی ترانہ بنا لیا ہے؟

ج: شاعر تو بالیقین ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور ہی ہیں مگر ان کا ایک ہی ترانہ دو ملکوں نے اپنایا ایسا نہیں ہے بلکہ دو مختلف ترانے ہیں "جن من گن" ہندوستان کا قومی ترانہ ہے تو "امار سونار بنگلہ" بنگلہ دیش کا قومی ترانہ ہے۔

قارئین کے خطوط

گوش بر آواز

★ جولائی کا عید نمبر نظر نواز ہوا۔ نقشِ کوکن حقیقی طور پر کوکن کا واحد رسالہ ہے جسے پاکر قلبی سکون ملتا ہے۔ یہ ایک شمع کے مانند ہے جس کو پانے کے لئے ہزاروں پروانے بیقرار ہیں۔ اللہ سے دُعا کرتا ہوں کہ دن دونی رات چوگنی شمارہ کی اشاعت میں اضافہ کریں۔ آمین

شفیع بھارد ے — دوحہ قطر

★ نقشِ کوکن کا شمارہ اگست ۸۴ پوسٹ سے ملا۔ جناب ایم ایم بخشی صاحب سے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ "آپ کوکن مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی کے صدر رہیں۔"

کراچی میں کوکنی برادری میں اس تحریر سے کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کوکن مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ میں صدر کا عہدہ اس وقت نہیں ہے۔ اس وقت چیئرمین اور تین ممبر ہیں جن کے نام یہ ہیں: چیئرمین: جناب اقبال حسن قاضی ایڈوکیٹ۔ ممبر (۱) جناب عبدالحق نقیمہ (۲) ڈاکٹر خالد محی الدین مقدم (۳) بالیو حسن پاؤلے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ آپ نقشِ کوکن کے آئندہ شمارہ میں اس کی تصحیح شائع کریں تاکہ کوکنی عوام کی اور ممبران سوسائٹی کی غلط فہمی[1] دور ہوجائے۔

محمد اسحٰق غیاث الدین مقدم کراچی ۵ پاکستان

[1] لیجئے ہم آپ کا خط ہی شریکِ اشاعت کرتے ہیں تاکہ غلط فہمی دور ہوجائے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ خبر سہواً غلط نہیں چھپی ہے بلکہ جناب ایم ایم بخشی صاحب کا تعارف جو ہمیں دیا گیا تھا اس میں یہ مذکور ہے۔ اور اپنے جوابی خط میں ہم نے اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھی جوڑ دی ہے تاکہ آپ کو اطمینان حاصل ہو۔

(ادارہ)

★ ماہنامہ نقشِ کوکن سالوں سے زیرِ مطالعہ رہا ہے۔ گو کہ میں اس کا مستقل خریدار نہیں ہوں اس لئے کہ تلاشِ معاش میں کبھی ہندوستان میں تو کبھی ہندوستان سے باہر بھی رہنا پڑتا ہے۔ مگر جب بھی لوٹ آتا ہوں یہ جب ضرور دیکھ لیتا ہوں۔ آج کل نقش کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ اس کا معیار کافی بلند ہوتا جا رہا ہے، اور بلند و بالا معیار کے ساتھ لوگوں میں اس کی مقبولیت بھی بڑھ رہی ہے۔ پچھلے شمارہ میں یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ جناب عباس اسماعیل پر بلکر جو سعودی عربیہ میں برسر ملازمت مقیم ہوں گے اپنی بیٹی کی کامیابی پر اس کے لئے تحفۃً تاحیات نقش کا رکن جاری کر دیا ہے۔ ایک قومی پرچہ کے ساتھ یہ دلچسپی قابلِ قدر بھی ہے اور لائق ستائش بھی بلکہ اس طرح لوگ اپنی خوشیوں میں قوم و ملت کے اسی آرگن کی بھی سرپرستی فرمائیں تو فال نیک ہے۔

اسلم خان یعقوب گولندار
دونگری، بمبئی ۹

★ ماہنامہ نقشِ کوکن جو ہر ماہ پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتے رہتا ہے۔ جسے میں خاصی توجہ اور دلچسپی سے پڑھتا ہوں۔ آپ نے اس نیم ادبی رسالے کو ادبی شکل دینے کے لئے جس

عرق ریزی سے کام لیا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ آپ کی یہ کاوشیں اور علمی جدو جہد ایک تاریخی کارنامہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ موجودہ حالات میں کسی ادبی رسالے کو جاری رکھنا ہی ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ بڑا کام ہے آپ کی ہمت و حوصلہ کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔

آپ نے مختلف الخیال تخلیق کاروں کو اکٹھا کر کے ان کے خیالات سے قارئین کو لطف اندوز کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، جس سے اس رسالے کی قدر و قیمت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ ان دنوں نقشِ کوکن علمی، ادبی، دینی اور سماجی اعتبار سے نمائندہ ماہ نامہ بن چکا ہے۔ اس کی کامیاب اشاعت پر میری مکرر مبارک باد۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ جناب مبارک کاپڑی صاحب اور جناب مشرف کمالی صاحب کے بعد خطۂ کوکن کے بزرگ اردو شاعر، ادیب، صحافی، اور قوم پرست لیڈر حضرت بانی جرمن صاحب نے نقشِ کوکن میں ایک اور مستقل مضمون "جھوٹ کی عادت نہیں مجھے" کا اضافہ کیا۔ بانی صاحب کی پوری زندگی مختلف شعبوں میں تقسیم ہوتی رہی ہے۔ وہ نئی اور پرانی نسل کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

میں بانی صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ اپنی بے پناہ علمی استعداد سے نقشِ کوکن کو مستقل نوازیں۔ تاکہ قارئین نقشِ کوکن ان سے استفادہ کرتے رہیں۔

اوج بانکوٹی، بمبئی ۹

میں نقشِ کوکن کو باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ کیونکہ نقشِ کوکن میں کوکن کی ثقافت، انجمنیں اور کچھ تعلیمی ادارے سے روشناس اور واقفیت ہوتی ہے اور یہ سب کچھ آپ ہی کا کرشمہ ہے۔ میں آپ کی بے لوث خدمت کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

مشرف کمالی صاحب کا بھی تبصرہ بہت عمدہ ہے۔ مشرف صاحب نے مولود خوانی پر جو تبصرہ کیا ہے وہ قابلِ قدر ہے لیکن مولود خوانی کے گروپ میں جو اسمائے گرامی تحریر کئے ہیں ان میں ایک ہستی کا نام [illegible] کی ہے۔ وہ مرحوم ابراہیم سعید (بالو ملاجی) ہیں جن کے بغیر مولود شریف کو رونق نہیں آتی۔ شاید وہ بھول گئے۔

وزیر عبدالرزاق الخطیب
مسقط سلطنت عمان

★ آپ کا موقر جریدہ نقشِ کوکن نظر سے گزرا۔ اس گئے گزرے دور میں ایسی مخصوص علمی اور نظریاتی کوشش قابلِ تحسین ہے۔

میرا تعلق پاکستان سے ہے اور جی چاہتا ہے کہ مسلمانوں کے ان مراکز اور علمی سرچشموں سے آگاہی حاصل کروں۔

مسلم ثقافت اور اردو زبان کی بقا کے لئے آپ کی جدوجہد قابلِ تحسین ہے۔ مبارک باد قبول کیجئے اور پرچہ میرے نام جاری کر دیں۔

احمد خان ـ مانچسٹر

★ اگست ۸۴ء کا نقشِ کوکن موصول ہوا۔ مگر ایسا لگا جیسے پر کٹا پرندہ۔ اس لئے کہ اس کے دونوں پر یعنی پہلا صفحہ اور آخری صفحہ غائب تھے۔

ان دو صفحات کے باعث نقشِ کوکن شاہین صفت بن گیا ہے۔ مگر ان دو صفحات کی غیر موجودگی میں شتر مرغ لگا۔ (شتر مرغ جو پرندہ تو ہے مگر اڑ نہیں سکتا۔)

محمد حنیف سرگروہ
اندھیری ـ بمبئی ۵۸

اخبار واذکار

مرتب: فے بن صاد

کوکن مسلم ایجوکیشن سوسائٹی رتنا گری کا انتخاب

کوکن مسلم ایجوکیشن سوسائٹی رتناگری کی بمبئی سب کمیٹی کا سالانہ جلسۂ عام مورخہ ۲۹ جولائی ۸۲ء کی صبح عالی جناب پروفیسر دادرکر صاحب کے دولت کدے پر انھیں کی صدارت میں انعقاد پذیر ہوا۔ حساب و کتاب کی منظوری کے بعد سال رواں کے لئے مجلس انتظامیہ میں تین نئے اراکین کا انتخاب عمل میں آیا جو حسب ذیل ہے:

(۱) جناب اے ڈی ساونت (۲) جناب نیئر محمد مستری (۳) جناب عبدالرحمن موڈک۔

نئی منتخبہ مجلس انتظامیہ نے اسی وقت اپنی اگلی نشست کا اعلان کیا تاکہ بمبئی سب کمیٹی کے عہدیداران کا انتخاب کیا جا سکے۔ اس مطابق ۵ اگست ۱۹۸۲ء کو منعقدہ مجلس انتظامیہ کی میٹنگ میں عالی جناب پروفیسر دادرکر کو عہدۂ صدارت (چیرمین) پر برقرار رکھتے ہوئے ان کے لئے معاون کے طور پر ڈاکٹر عبدالکریم نائیک صاحب کو وائس چیرمین اور جناب محمود مستری صاحب کو کمیٹی کا سیکریٹری چنا گیا۔ عہدیداروں میں جناب محمود مستری صاحب کی شمولیت پر سبھوں نے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔ کمیٹی کے دیگر اراکین حسب سابق جاری ہیں۔

نیروبی میں قرأت کریم کا مقابلہ

ماہِ رمضان المبارک میں کوکنی مسلم کلب نیروبی کے زیر اہتمام مقابلۂ قرأت کریم اور اس کے بعد افطاری کا انتظام کیا گیا تھا۔ قرأتِ پاک کے مقابلے میں انعامات پانے والے طلبہ اور طالبات کے نام حسب ذیل ہیں:-

نرسری گروپ:-

اوّل:- عارف پتلادی - دوم: ساجد بھوگر

اسٹینڈرڈ ایک تا چار:

اوّل: شائستہ ہرڈیکر - دوم: صابر بھاتے۔
سوم: فردوس پرکار۔

اسٹینڈر پانچ تا فارم چار:

اوّل: ساجد ہرڈیکر - دوم: ارشد حسان۔
سوم: عارف قادری۔

(نامہ نگار: شیخ اسماعیل)

ناراض نہ ہوں

اگر آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے۔ عدم اشاعت پر ناراض نہ ہوں بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

تعلیمی وسائل کی اعانت

مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۸۲ء کو جناب محمود عبدالرحمن قاضی اور جناب نعیم مظہر قاضی نے اردو اسکول تارہ تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ کے نادار طلبہ کو کتابیں، بیاضیں اور تختیاں عنایت کیں۔ یہ تعلیمی وسائل مستحق جناب محمود ابراہیم سنگے کے زیر صدارت جناب محمد صاحب اسحاق سنگے کے ہاتھوں مستحق لیدواروں میں تقسیم کئے گئے۔

نامہ نگار: توکل حبارتی

हिन्दू हो या मुसलमान
सिख इसाई पारसी
हम हैं प्रकाशयात्री
राष्ट्रीय एकात्मता के
अवनति, दौर्बल्य और विनाश
प्रगति, समृद्धि और सामर्थ्य
राष्ट्रीय एकात्मता सुदृढ कीजिए
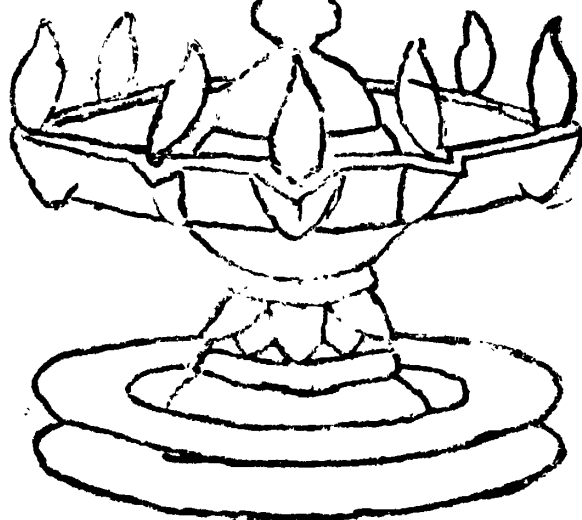
فاروق ہائی اسکول کو یوسف حسین مجاور ٹرافی

مرکز تعلیم و ترقی کے زیر اہتمام سالانہ جلسہ تقسیم انعامات و اسناد ۱۹ اگست ۱۹۸۴ء کو سینٹ میری ہائی اسکول ہال نیسبٹ روڈ، مجگاؤں میں منعقد ہوا۔ بمبئی عظمیٰ کے تمام (۸۴) اردو میڈیم کے اسکولوں کے ایس ایس سی امتحان کے نتائج کا جائزہ لینے کے بعد فاروق ستار عمر بھائی ہائی اسکول برائے طلبہ جوگیشوری کے صد فیصد اور شاندار نتیجہ کو مد نظر رکھتے ہوئے مسٹر یوسف مجاور صاحب کے دست مبارک سے یوسف حسین مجاور رننگ ٹرافی پرنسپل ابراہیم خان صاحب کو دی گئی۔

اس جلسہ کی صدارت عالی جناب ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا صاحب نے کی اور بطور مہمان خصوصی محترم یوسف حسین مجاور صاحب نے شرکت فرمائی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے پرنسپل ابراہیم خان صاحب نے اراکین مرکز تعلیم و ترقی کو جلسہ تقسیم انعامات و اسناد منعقد کرنے پر دلی مبارکباد دی۔ آپ نے مشورہ دیا کہ آئندہ ایسے جلسہ میں اساتذہ کی بھی ہمت افزائی کی جائے جن کے مضامین کا نتیجہ صد فیصد ہوا ہے۔

انجمن تعلیم کھیڈ کی رکنیت پر حکم امتناع

بمبئی پبلک ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ سیکشن (A) ۴۱ کے تحت جناب احمد میاں غلام حسین خطیب اور دیگر حضرات اپنی اتفاق رائے سے اسسٹنٹ چیریٹی کمشنر کولہاپور کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر کر چکے تھے کہ یہ حضرات انجمن تعلیم کھیڈ ضلع رتناگری رجسٹر نمبر ایف ۶۲ کے اراکین ہیں۔ لیکن اس ادارے کے عام جلسوں میں انھیں مدعو نہیں کیا جاتا۔ اس دعوے کی تحقیق کے بعد اسسٹنٹ چیریٹی کمشنر نے جانچ ہواز نمبر ۴۳۶ کے تحت فیصلہ صادر کرتے ہوئے منتظمین ادارے کو یہ حکم پیش کیا کہ مدعیان انجمن تعلیم اس ادارے کے ممبر ہیں اور انہیں ادارے کے عام مجالس میں مدعو کیا جائے۔ سربرآوردہ عہدیداران کی کارگزاری میں خلل اندازی ہے اس لئے انجمن تعلیم کے پریسیڈنٹ جناب اے وہاب علی اور سیکریٹری جناب آر۔ ڈی خطیب اور دیگر عہدیداران نے بمبئی ہائیکورٹ میں رٹ پٹیشن نمبر ۱۱۹۶ مورخہ ۲۴-۴-۸۴ کو داخل کیا۔ اس رٹ پٹیشن کی سماعت ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شری ریڈی کی بنچ میں بتاریخ ۲۰-۶-۸۴ کو ہوئی۔ اور شری موگیسے کے فیصلہ پر حکم امتناع (سٹے) لگا دیا گیا۔ اس کیس میں شری پی شنکر نارائن و جناب ہمیداڈکر اور جناب کھستکھیلے اینڈ ایسوسی ایٹس بمبئی نے ان کی رہبری میں کارروائی کی۔

مقادم ہائی اسکول کھیڈ میں تقریری مقابلہ

یوم آزادی کے موقع پر ایک تقریری مقابلے کا انعقاد کیا گیا جو کہ طلبہ کے تین گروپ پر مشتمل تھا۔ پہلا گروپ پرائمری سیکشن، دوسرا گروپ سیکنڈری سیکشن اور تیسرا گروپ ہائر سیکنڈری سیکشن کے طلبہ کے لئے تھا۔ پہلے گروپ کا ۵۰ روپئے کا پہلا انعام مقادم ہائی اسکول کی طالبہ کماری تنویر ابراہیم تانبے نے حاصل کیا تو دوسرے گروپ کا تیسرا انعام ناظم انور سے نے حاصل کر کے اسکول ہذا کو مندرجہ بالا دو گروپوں میں کامیابی سے ہمکنار کرانے میں مدد کی۔ جلسہ میں کھیڈ شہر کی معزز ہستیاں موجود تھیں۔ جن میں کھیڈ کے تحصیلدار بی۔ ڈی او۔ کھیڈ تعلقہ کے ایم ایل اے تو باکرم ڈپٹی پولیس انسپکٹر جونیکر صاحبان کے نام قابل ذکر ہیں۔

★

آدرش ہائی اسکول کرجی
تعلقہ کھیڈ، ضلع رتناگری

(امسال بھی آدرش ہائی اسکول کرجی میں بچوں کی پارلیمنٹ کا حسب ذیل انتخاب عمل میں آیا۔

مظفر عبدالرحیم پرکار	جنرل سیکریٹری	
حشمت عبدالغنی پرکار	سیکریٹری برائے تنظیم	
ہدایت اللہ فقیہ محمد حسین	"	بزم ادب
داشق عبدالرحمن خطیب	"	کوآپریٹیو اسٹورس
مسرت بنت اقبال تانبے	"	طالبات
برکت علی تانبے	"	تجہیز پیا وتحرور
مختار حسین پرکار	"	مالیات
ناہیدہ بنت اقبال تانبے	"	صحت باغ بشمول تفریح
اقبال حسین پرکار	"	لائبریری
محمد حسین عبدالستار تانبے	"	کھیل
محی الدین اسماعیل مقادم	"	سائنس کلب
آصف داؤد تانبے	"	سینچیکہ

منتخب شدہ طلبہ کو ہیڈ ماسٹر آئے۔ اے مقادم صاحب نے مبارک باد دی۔ منتظمین کی حیثیت سے جناب قاضی سر اور اقبال سر نے اپنا کام بخوبی انجام دیا۔

کوکنی مسلمان انگلستان میں

گو کہ کسب معاش کی خاطر مسلمانان کوکن نے افریقہ، انڈونیشیا، ایران، عربستان، یورپ اور امریکہ میں رہائش اختیار کی ہے۔ مگر وہ جہاں بھی رہے اپنے آبائی وطن کی تہذیب و تمدن، معاشرت، مذہب اور ثقافت کو بھی زندہ رکھا ہے۔

انگلستان میں کوکنی مسلمان عرصہ سے آباد ہیں، یہ ۱۹۷۰ء کے بعد ان کی آبادی میں کافی اضافہ ہوا ہے اور اب انگلستان ان کا دوسرا وطن بن چکا ہے۔ لہٰذا ان کی تہذیبی اور مذہبی فلاح و بہبود و بقا کے لئے کوکنی مسلم کلچرل اینڈ یوتھ آرگنائزیشن (یوکے) کا وجود عمل میں لایا گیا ہے۔ یہ ادارہ نوجوان کوکنی مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

اس ادارہ کے مقاصد نوجوانوں میں مختلف کھیلوں کی ایار تعلیمی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی اقدار کی نشوونما اور رہنمائی، رفاہی خدمات کا حصول، چھوٹے بچوں کے کھیل۔ تفریح ایا فن اور تصنیفوں کی مدد نہ دیکھ بھال، دیکھ ریشامل ہیں۔

ان امور کی تکمیل کے لئے ایک مرکزی لندن سے ملحق کو کمیونٹی ہے۔ ہرن ہیں تعمیر ہونے والے اس مرکز کی عمارت کا نقشہ تیار کیا گیا ہے اور ایک تخمینہ کے مطابق اس مرکز کی لاگت پر سات لاکھ پچاس ہزار پونڈ خرچ ہوں گے۔ جہاں مذکورہ بالا سہولیات کے علاوہ شادی بیاہ اور ایسی دیگر تقریبات کے لئے مناسب ہال بھی ہوگا۔

ہماری دلی دعا ہے کہ ہمارے دور افتادہ بھائیوں کی یہ کوشش کامیاب ہو۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

دلی مبارکباد

کلیان کے مسلم نوجوانوں کی تعلیمی سرگرمیاں لائق صد مبارکباد ہیں کہ نیشنل اسکول (اردو) کلیان میں ٹی ایڈ کلاس کا اجراء کر کے یہ ضلع تھانہ میں یہ بات اپنی مثال آپ ہے۔ ہم جناب محمد حنیف تانکی صاحب، محمد حنیف دلال صاحب اور شفیق احمد تانکی صاحب کے ساتھ جملہ اراکین اور خصوصاً ہیڈ ماسٹر جناب سیادی صاحب کی بھی بے پناہ دلچسپیوں اور کاوشوں پر انھیں مبارکباد پیش کرتے ہیں ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں

(نامہ نگار، نجم الدین فقیہ اور دیگر احباب)

کینیڈا سلائی انسٹی ٹیوٹ کا شاندار نتیجہ

ٹیکنیکل ایجوکیشن پرائیویٹ مینڈل مہاراشٹر کے زیر اہتمام اپریل [illegible] میں منعقدہ سلائی و کٹنگ سرٹیفکیٹ امتحان میں انجمن تعلیم کینیڈا کے زیر اہتمام سلائی کلاس سے کل گیارہ طالبات امتحان میں شریک ہوئیں، جن میں آٹھ دوم درجے سے کامیاب ہوئیں۔ مس مالینی یا مانڈ زنگ سونی ۵۹ فیصد مارکس حاصل کر کے اول آئی۔

کھیڈ تعلقہ ضلع رتناگری حکومت مہاراشٹر کا منظور شدہ یہ واحد انسٹی ٹیوٹ جس کا ذریعہ تعلیم مراٹھی ہے پچھلے چھ سالوں سے شاندار خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں تربیت پانے والی طالبات کو فیس اور بس کی سہولیات دی جاتی ہیں۔

انجمن خیرالاسلام اور اردو مدارس

تعلیمی ترقی اور خصوصاً اردو کے ذریعہ تعلیم کو فروغ دینے کا سہرا مہاراشٹر اسٹیٹ میں انجمن خیرالاسلام کے سر ہے۔ اس نے اب تک تقریباً ۱۶ اردو میڈیم کے ہائی اسکول کھولے ہیں۔ آج کے دور میں جب کہ اردو کو ہر سطح پر ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اس وقت اردو میڈیم کے اسکول کھولنا ایک بہت ہی بڑا اور قابل ستائش کام ہے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف اردو فروغ پارہی ہے بلکہ کئی مسلمانوں کو نوکریاں بھی مل جاتی ہیں۔ ابھی حال ہی میں خیرالاسلام نے گھاٹ کوپر میں بھی ایک اردو میڈیم اسکول کھولا ہے۔ اس سے قبل کوکن جیسے علاقے میں بھی خیرالاسلام نے اسکول کھولے ہیں۔ یہ علاقہ اب بھی پس ماندہ ہے۔ اگر اس علاقے میں اردو میڈیم اسکول نہ کھلتے تو یہ بچے مراٹھی میڈیم اسکولوں میں چلے جاتے۔ لیکن خیرالاسلام نے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے وہاں بھی اسکول کھولا۔ انجمن خیرالاسلام کے نائب صدر الحاج محمد علی مچھالہ صاحب۔ ان کے رفقاء کار اساتذہ بھی قابل مبارکباد ہیں۔

تقریری مقابلہ

تاج الدین پرکار آرتھوڈیکل کا نٹیسٹ کینیا (مشرقی افریقہ) کے ہائی اسکولوں کا مقبول ترین انگریزی تقریری مقابلہ ہے۔ جس میں گذشتہ ۲۰ سالوں سے ملک کے مختلف اسکولوں کے نمائندے ہر سال باقاعدگی سے حصہ لیتے رہتے ہیں۔

امسال کا مقابلہ ۱۳ جولائی کو نیروبی کے جمہوری ہائی اسکول میں زیر صدارت جسٹس مسٹر جے الواپچ منعقد ہوا جس میں کل ۱۶ اسکولوں نے حصہ لیا۔ ڈاکٹر کمار، جناب سینڈ مین اور جناب رشید مغل نے منصفین کے فرائض انجام دیئے۔

سٹار سے لیوائنہ سینٹر کے جان ڈیگوا، اوشوال ہائی اسکول کی ایملی کی یوکو اور آغا خان اکیڈمی کے احمد آر پرکار (جو کہ مرحوم تاج الدین پرکار کے پوتے ہیں) بالترتیب پہلے، دوسرے اور تیسرے انعامات کے مستحق قرار دیئے گئے۔

نامہ نگار: شیخ اسماعیل

سعودی میں الوداعی عشائیہ

جناب حاجی توفیق احمد دیسائی آرامکو سعودی عربیہ میں [illegible] سال کی ملازمت کے بعد ذاتی وجوہ کی بنا پر مستعفی ہوگئے تو حلقۂ احباب نے ۱۹ جولائی [illegible] کو جناب عبدالرحمٰن راجپورکر کالونیر سنگے صاحبان کی قیام گاہ پر الوداعی عشائیہ کا اہتمام کیا جس میں جناب الحاج عبداللطیف قاضی اور الحاج احمد دیسائی صاحبان کے ہاتھوں تحائف پیش کئے گئے تو صاحب اعزاز توفیق صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اپنے وطن پہنچ کر دکانات کے بجائے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ صرف کریں گے۔ تقریباً ۴ گھنٹے یہ تقریب جاری رہی۔

(نامہ نگار: سراج اسماعیل جادیا)

شبکدوشی پر اعزاز

انجمن اتحاد المسلمین وڈالا بمبئی ۳۱ کے ناظم جناب عبدالکریم عباس چوگلے نے نیول ڈاک میں ۲۴ سال کی طویل سروس کے بعد ۳۱ اگست ۸۴ء کو ریٹائر ہوگئے۔ اسی طرح سانکھرولی کے جناب تاج الدین عباس مومن صاحب بھی کئی سالوں تک سروس کرنے کے بعد گذشتہ مہینے ریٹائر ہوئے۔ اس سلسلے میں جناب فقیر محمد تاج الدین مومن کی جانب سے دونوں کو ۲ اگست کو ایک تقریب منعقد کر کے گل پوشی کی گئی۔ اس تقریب میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔

(نامہ نگار:۔ رفیق حسن میاں ناخوا)

آکاشوانی رتناگری

گزشتہ مہینے مورخہ ۱۷ اگست ۸۴ء کو شب کے ۱/۲ ۱ بجے

آکاشوانی رتناگری سے ماہانہ اردو پروگرام گلستاں میں جناب بدیع الزماں خاور کا لکھا ہوا ایک خصوصی فیچر "میرے خوابوں کا ہندوستان" پیش کیا گیا۔

جلسۂ تہنیت

عالی جناب عبداللطیف عمر ٹوپے صاحب کی روانگی حج بیت اللہ سے قبل ایک اعزازی جلسہ زیرِ صدارت محترم عبدالرحمن سیبن ۶ اگست ۸۳ء شب میں جماعت المسلمین وجیہ، ضلع رتناگیری کی جانب سے منعقد کیا گیا۔ جلسہ کا آغاز عبدالستار علی لوٹے صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ جناب عبدالرحیم بائو سکریٹری قاضی شرف الدین صاحب نے نعت پیش کی۔ جناب شاہنواز عباس، سرپنچ جماعت المسلمین وجیہ اور دیگر عزیز و اقارب نے معزز مہمان کی خدمت میں گلہائے عقیدت پیش کئے۔ پرنسپل ابراہیم خان طالب نے اپنی اور جناب خطیب محمد مستری، جناب ایم ایم ملا اور جناب عبداللطیف واحد نما کی جانب سے صاحب اعزاز کی خدمت میں گلدستۂ عقیدت پیش کیا۔ نظامت کے فرائض دلاور صاحب نے انجام دیئے۔

بزمِ شعر و ادب کوکن کا مشاعرہ

بزمِ شعر و ادب کوکن کی ۲۰ ویں ماہانہ نشست ۱۸ اگست ۱۹۸۳ء کو جناب فرحت اشرفی کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ یہ نشست غیر طرحی رکھی گئی تھی۔ نظامت کے فرائض جناب یعقوب ساغر نے بخیر و خوبی انجام دیئے۔ جو شعراء حضرات شریک تھے ان کے منتخب اشعار کچھ اس طرح ہیں:۔

نہیں بدلی آنکھوں کے ساون کی رُت
یوں تو موسم کتنے بدلتے رہے — سبھی کنول

محسوس کرو مجھ کو احساس کی آنکھوں سے
سنتا ہوا منظر ہوں خاموش تماشا ہوں — محمود شاہد

دل میں تصویر تری اور نظر سے تو دور
قرب کا قرب ہے تنہائی کی تنہائی ہے — یعقوب ساغر

جب بھی دے سرگوشی دستک
یاد تری دروازہ کھولے — آغا زکی

آج ہوں ایک حقیر ذرہ
کل مجھ میں تم آفتاب دیکھو — واحد محسن

بے مثل تو ہے تجھ کو میں کس شے سے دوں مثال
شعراء شاہ کہیں مثالوں کی بھیڑ میں — شہزاد رتناگری

دیکھ کر انسانیت کا خون آنکھیں پھوڑ لیں
ایک عرصہ ہو گیا ہے خود کو نابینا کئے — عاقل باغی

ہوش و حواس چھین لے میرے کہیں نہ یہ
چھوتا نہیں ہوں ساغر و مینا اسی لئے — محمود انجم یزدانی

اپنی صورت کا بھی پہچاننا مشکل ہوگا
آئینہ جب تیرا ماضی تجھے دکھلائے گا — قیصر رتناگری

طلب تو دیدار کی ہے لیکن ہنوز شرم و حیا ہے طاری
وہ رونق افروز انجمن ہیں نظر اٹھانے کی سوچتا ہوں — فرحت اشرفی

درج ذیل اشتہارات قبول کئے جائیں گے:

تجارتی اداروں کے اشتہارات کے علاوہ ماہ نامہ نقش کوکن میں آئندہ ماہ سے مندرجہ ذیل قبیل کی خبریں بطور اشتہار قبول کی جائیں گی:۔

۱۔ ضرورت رشتہ
۲۔ شادی خانہ آبادی
۳۔ ولادت (بچہ کی پیدائش)
۴۔ کسی بیرونی ملک کے دورہ کی خبر
۵۔ خوشی کی تقریب کی خبر

ایسی کسی بھی خبر کی اشاعت کے لئے کم از کم چارج ۲۵ پچیس روپے ہوں گے۔

(ادارہ)

تصویریں

جناب غلام غوث

اگریکلچرل فائنانس کارپوریشن لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب غلام غوث صاحب کا جنم ۱۹۲۴ میں ہوا۔ مدارس یونیورسٹی سے ایم اے (اکنامکس) اور بی ایس سی (بوٹانی، زوالوجی اور جیالوجی) ان مضامین کے ساتھ آپ کی کامیابی، پھر انڈین انسٹی ٹیوٹ آف بینکرس ممبئی سے C.A.I.I.B سی آئی آئی بی کی سند حاصل کرنا ایسا ہے جیسے غلام غوث صاحب شعبۂ تعلیم میں ہمہ جہت دلچسپی رکھتے تھے اور جو جوہر جہاں سے ملا آپ نے اسے اپنی گرہ میں باندھ لیا۔

۵۶ — ۱۹۴۶ کے دوران آپ حیدرآباد اسٹیٹ کوآپریٹیو بنک لمیٹڈ کے مینیجنگ ڈائریکٹر رہے۔ دریں اثنا آپ نے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اکنامکس حیدرآباد کے اعزازی ریذ فیلو اور عثمانیہ یونیورسٹی میں وزیٹنگ پروفیسر کی خدمات انجام دیں۔

۱۹۵۶ میں آپ نے اسسٹنٹ چیف آفیسر کی حیثیت سے ریزرو بنک آف انڈیا میں ملازمت اختیار کی اور ترقی کی کئی منزلیں طے کر گئے۔ آپ یونائیٹڈ بنک آف انڈیا کلکتہ کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے رکن بھی رہے۔

۷۳ — ۱۹۷۲ میں ایگریکلچرل فینانس ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے پروجیکٹ ڈویژن کے ڈائریکٹر مقرر کیے گئے۔ آپ نے انٹرنیشنل FAO بینکرس پروگرام روم کے چیئرمین کی حیثیت سے بھی ذمہ داری پوری کی ہے۔ آپ دنیا کے مختلف ممالک میں منعقدہ کانفرنسوں میں نظر پیش کرنے کے لئے مدعو کیے گئے اور اسی طرح کل ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالمگیر شہرت و عزت پائی ہے۔

مدیر نقش کوکن سے آپ کے دیرینہ مراسم ہیں اور نقش کوکن کے آپ خیرخواہ ہیں۔

جناب عبدالرزاق یوسف چوگلے

جناب عبدالرزاق یوسف چوگلے (متوطن آنشی تعلقہ کھیڑ ضلع رتناگری) نے امسال ممبئی یونیورسٹی سے B.A. بی۔ اے کے امتحان میں درجہ دوم میں کامیابی حاصل کی ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اور ثانوی تعلیم آلانس ہائی اسکول کرلی سے مکمل کرنے کے بعد جہاں آپ نے S.S.C امتحان میں درجہ اول میں کامیابی حاصل کی تھی، اعلیٰ تعلیم کے لیے مہاراشٹر کالج ممبئی میں داخلہ لیا اور کامل اقتصادیات دھانیات (Indian Economics) مضمون کے ساتھ امتحان پاس کر لیا۔ آنشی متوطن اور بھڑکی اور اب سا دھارتھ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے ایم بی اے (ماسٹر ان بزنس مینجمنٹ) کا کورس کر رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ خدا انہیں کامیابی عطا فرمائے۔

(پیش کردہ: عبدالغنی احمد چوگلے + حسین محی الدین چوگلے)

تصویروں کی اشاعت

اگر آپ چاہتے ہیں کہ خبر کے ساتھ آپ کی تصویر بھی شائع ہو جائے تو ضروری ہے کہ آپ اپنی تصویر کا بلاک بنا کر بھیجیں۔

نقش کوکن میں تصویر کی طباعت کے لئے بلاک بنانا پڑتا ہے، اور ادارہ اس بلاک سازی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کچھ لوگ صرف تصویر بھیج دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ تصویر شائع ہو گی۔ لہٰذا ہم ان سے معذرت خواہ ہیں۔

(ادارہ)

پرنسپل اے آر موٹلیکر کی چوتھی سینچری

اِس اُردو دشمن دور میں جب کہ اردو تعلیم و تدریس بھی آزمائش سے گذر رہی ہے، چند انسان ایسے بھی ہیں جو اپنی محنت اور جانفشانی سے اردو کا نام بلند کئے ہوئے ہیں۔ ان افراد میں پرنسپل عبدالرحمٰن موٹلیکر کا نام پیش پیش ہے۔

پرنسپل موٹلیکر صاحب ایک عرصہ سے صرف اُردو ہی کی نہیں بلکہ قوم کی بھی بیش قیمت خدمت انجام دے رہے ہیں۔

پرنسپل موٹلیکر صاحب بی ایس سی بی ایڈ ہیں " اور پچھلے پندرہ سالوں سے پرنسپل شپ کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پانچ سال تک وہ بہار انتخرا اردو ہائی اسکول (کرڈونی) اور ۱۹۷۴ء سے محمدیہ ہائی اسکول (بمبئی ۳) کے پرنسپل ہیں۔ دونوں ہائی اسکولوں کے ایس ایس سی کے نتائج ان کی پرنسپل شپ میں نہایت ہی شاندار رہے ہیں۔

کرڈونی ہائی اسکول میں ان کا نتیجہ تین سالوں تک مسلسل سو فیصد رہا جب کہ محمدیہ ہائی اسکول میں ۱۹۸۴ء کا نتیجہ سو فیصد رہا اور اس سے قبل بھی نتائج کافی نمایاں رہے ہیں۔ تعلیمی میدان میں یہ ان کی چوتھی سینچری ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ تعلیمی میدان میں گاؤسکر ثابت ہوں گے۔

پرنسپل موٹلیکر صاحب کے تعلق سے ایک اہم بات یہ ہے کہ وہ صرف اسکول کے تعلیمی معیار پر ہی توجہ نہیں دیتے بلکہ اخلاقی معیار پر بھی بھرپور نظر رکھتے ہیں۔ ڈسپلن بلکہ سخت ڈسپلن کے حامی ہیں۔ طلبہ کی نفسیات کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں، اس لئے پست تعلیمی معیار کے علاقوں کے طلبہ کا بھی سو فیصد نتیجہ برآمد کرتے رہے ہیں۔

خاموش طبع، دوراندیش اور انتظامی صلاحیتوں کے مالک پرنسپل موٹلیکر داپولی تعلقہ کے گاؤں ہرنئی کے ہیں۔

ماہ ستمبر ۱۹۸۴ء

رہنے والے ہیں۔ تدریسی پیشے کو اپنایا تو اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس پیشے میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اور ہمارے سماج کو نہ جانے کتنے ذہین اور قابل طالب علم عطا کیے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری قوم تعلیمی و دیگر میدانوں میں پرنسپل پٹیلکر صاحب کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کریں۔

شعرائے اردو ریڈیو قطر پر

قطر ریڈیو کی اردو سروس نے ۴ جولائی ۸۴ سے تین ماہ کے لئے ہفتہ واری ادبی پروگرام "پہچان" میں قطر کے نمائندہ اردو شعراء کے انٹرویوز، تعارف اور کلام شاعر پیش کرنا شروع کیا ہے، جس میں معروف گلوکاران خالد حسن پاپا، روبل لائٹ لاوالا، محمد سعید احمد اور خالد ابن بٹ ایکوز ایکسٹرا کی موسیقی کے ساتھ شعراء کا کلام سنائیں گے۔ اب تک بزمی یوترابی، ممتاز راشد اور اسلم میر کو موقع دیا گیا ہے۔

یہ پروگرام ہر بدھ رات آٹھ بجے شروع ہوا کرتا ہے۔

شیخ شہناز کے کنسلٹنگ روم کا افتتاح

مشہور فزیشین اور الرجی اسپیشلسٹ ڈاکٹر وقار شیخ کی ہمشیرہ شہناز شیخ صاحبہ جو ہرکسن داس اسپتال بمبئی میں اسپیچ تھراپسٹ (گویائی کی معالج) ہیں مورخہ ۱۲ اگست ۸۴ کو مہتا کورٹ گلڈر روڈ، بمقابل نوجیون سوسائٹی، بمبئی ۸ کے کنسلٹنگ روم کا افتتاح شہر کے مشہور ڈاکٹر وجے شاہ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر ان موصوف نیز ان کی والدہ محترمہ نور جہاں شیخ (وائس پرنسپل انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول باندرہ بمبئی) اور والد جناب شیخ صاحب کے حلقہ احباب کے علاوہ شہر کے کئی ڈاکٹر شریک تھے۔

اعزازی جلسہ

ماڈرن ایجوکیشن سوسائٹی (کونڈیورہ) ضلع رتناگری اور باشندگان کونڈیورہ کی جانب سے جناب محمود موڈک صاحب اور جناب مبارک کاپڑی صاحب کے اعزاز میں بتاریخ ۷ اگست ۸۴ء ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جلسہ کی صدارت سابق ہیڈ ماسٹر جناب عبدالحمید ڈبیے صاحب نے فرمائی۔ جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ ابتدا میں ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب خطیب صاحب، امام صاحب اور نظیر قاضی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جناب محمود موڈک صاحب جنھوں نے ماڈرن اردو ہائی اسکول کے لئے کافی محنت کی، ذریعۂ معاش کیلئے سعودی عربیہ کوچ کرنیوالے تھے، موصوف نے ہائی اسکول کے کاموں میں دن رات محنت کی تھی ان کی صدر جلسہ کے ہاتھوں گل پوشی کی گئی۔ موڈک صاحب نے یقین دلایا کہ وہ سعودی عربیہ سے بھی اسکول کیلئے خدمات انجام دیتے رہیں گے۔ آپ نے اسکول کے لئے ۱۰۵ روپیے کا عطیہ بھی عنایت فرمایا۔

مبارک کاپڑی صاحب کو ان کی ملّی خدمات کے اعتراف میں ان کی گل پوشی کی گئی۔ مبارک صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ رسوم و رواج و جہالت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے گاؤں میں تعلیمی اداروں کا قیام کافی مشکل کام ہے۔ البتہ اجتماعی کوششوں سے یہ کام ممکن ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے قلم سے بدکنے کے انجام سے آگاہ کیا اور بتایا اگر مسلمان اس موڑ پر بھی نہ جاگے تو ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ انھوں نے کئی مثالوں کے ذریعہ یہ بھی وضاحت کی کہ مراٹھی کی بہ نسبت اردو ذریعۂ تعلیم ہمارے طلباء کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اور ایک شاندار مستقبل کا ضامن بھی۔

ڈاکٹر رشید کاسکر صاحب نے نظامت کے فرائض کو بخوبی انجام دیا۔ جلسے میں گاؤں کے معزز افراد، پرائمری و ہائی سکول کے اساتذہ، طلبہ و طالبات نے شرکت کی۔

نامہ نگار: عبدالرزاق خان۔ جنرل سکریٹری

کوکن کی بندرگاہوں کی تعمیر

چھوٹی بحری بندرگاہوں کی ممکنہ تعمیر کے لئے حکومت مغربی ساحل پر مختلف مقامات کا جن میں دابھول، دیگھی، بے گڑھ اور رتناگری بھی شامل ہیں، جائزہ لے رہی ہے۔ دفاع کے وزیر مملکت کے پی سنگھ دیو نے مذکورہ انکشاف کیا۔

آسٹریلیا میں بھارت کے ہائی کمشنر

وزارت خارجہ میں جوائنٹ سیکریٹری شری محمد حامد انصاری کو آسٹریلیا میں ہندوستانی ہائی کمشنر شری دلیپ شنکر راؤ کامیکر کی جگہ نیا ہائی کمشنر مقرر کیا گیا ہے۔ شری انصاری جلد ہی اپنا عہدہ سنبھالیں گے۔

غالب ایوارڈ

اردو کے پانچ مشہور ادیبوں کو زبان اردو اور ادب میں ان کی خدمات کے عوض غالب ایوارڈ پیش کئے گئے۔ جسے غالب میموریل ویلفیر سوسائٹی کے صدر ڈاکٹر حیات اللہ انصاری ایم۔پی کے ہاتھوں تقسیم کیا گیا۔ موصوف نے فنکشن کی صدارت بھی کی۔ جیتنے والوں میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، پنڈت آنند موہن زتشی، گلزار دہلوی اور جوگیندر پال شامل ہیں۔

فنکشن میں شریک ہونیوالی اہم شخصیتوں میں ہندوستان کے لئے پاکستانی سفیر ڈاکٹر محمد ہمایوں خان بھی شامل تھے جنھیں غالب اکیڈمی کی طرف سے شائع کیا گیا منتخب کتابوں کا مجموعہ پیش کیا گیا۔

جلسہ یوم آزادی

رائے گڑھ ضلع پریشد اردو اسکول جوئی تعلقہ مہاڈ میں جناب غلام محمد صاحب کرمبلکر (چیرمن اردو اسکول و صدر صاحب اعانت المسلمین) کے ہاتھوں پرچم کشائی ہوئی۔ بعد ازاں انھیں کی زیر صدارت جلسہ منعقد کیا گیا۔ جلسہ کی غرض و غایت جناب شہاب الدین احمد خان صاحب نے بتائی۔ صدر کی افتتاحی تقریر کے بعد یوم آزادی کی اہمیت پر تقریریں ہوئیں۔ نظموں اور تقریروں میں اسکول کے بچوں نے حصہ لے کر کافی متاثر کیا اور جلسہ کامیاب ہوا۔

کنڈوس میں اردو ہائی اسکول کا قیام

تھانے ضلع دیہی مسلم فلاحی تنظیم کے زیر اہتمام کنڈوس (تعلقہ واڑہ) میں ایک اردو ہائی اسکول کا قیام عمل میں آرہا ہے، ہمیں امید ہے کہ اس اسکول کے قیام کے بعد وڈولی، واڈہ اور اطراف کے مسلمانوں کا تعلیمی مسئلہ حل ہوگا۔ اور اس ادارہ کے ذریعہ تعلیمی ترقی کی راہیں کھل جائیں گی۔

دعاگو

اسماعیل ابراہیم بھور سے
اے ایس ٹی۔ بھیونڈی نظام پور نگر پالیکا۔

نقش نواز

نقشِ کوکن کے بننے والے خریداروں کی فہرست کی اشاعت پر نہ صرف آپ
قوم و ادب کے خیرخواہوں سے متعارف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرمفرماؤں
کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔
لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درجِ ذیل ہے:۔

لائف ممبر:

جناب عبدالرزاق عباس الخطیب — کالستہ
محترمہ ناظمہ وزیر الخطیب — کرلا۔ بمبئی
جناب مظفر قمرالدین ڈھاکم — جنجیرہ مروڈ
〃 غلام پرکار (کرکیٹر) — بمبئی ۳
〃 اسحاق علی بغدادی — جوگیشوری بمبئی
〃 محمد عادل شیخ حسن میاں پرکار — ساکھرولی
〃 وسیم شرف الدین کاپڑی — کوہاپور
محترمہ شاذیہ داؤد کاپڑی — کرڈولی
جناب عبداللہ رستم حرشوی — بیزردلی

سالانہ خریدار:

جناب رفیع الدین فقیہ ہائی اسکول — بھیونڈی
〃 تنویر یوسف کاروبکر — پونہ دیری
صبحانی ہوسٹل — بمبئی
جناب آدم عبداللہ کاسیکر — بمبئی ۳
〃 اسماعیل پرکار مختسر — بمبئی ۱۶
محترمہ ریحانہ عبدالغنی جوانے — سنزیری
〃 شاہین این اے واحد — ویہور
〃 ایمنہ اے۔ آر پرکار — بانکوٹ
〃 ایمنہ عبداللہ موڈک — کرڈولی
سوشیل سوسائٹی ہائی اسکول — موربہ
جناب اقبال احمد محمد سعید کھکر — دکھرولی

بیرونِ ہند سالانہ خریدار:

جناب علی شمس الدین بھٹکور — سعودی عربیہ
〃 امتیاز ناکاڑے — سعودی عربیہ
〃 سی۔ اے۔ دھنشے — ساؤتھ افریقہ

اگر مسلمان جنتا پارٹی میں ہیں تو وہ چندر شیکھر کو مجبور کریں کہ حکومت کی تحویل میں بند سینکڑوں مسجدوں کا مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش کرے۔

اگر مسلمان کانگریس (آئی) میں ہیں تو اندرا جی کی اتحادی پارٹیوں میں شریک ہونے سے پہلے بال ٹھاکرے کو گرفتار کرنے کا مطالبہ کریں۔

وہ اندرا جی کو بتائیں کہ آئندہ الیکشن میں وہ مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے ان کے قریب بھی پھٹک نہیں سکتے۔

ہیں کوئی ایسے کوئی قابل مسلمان جو ان تمام پارٹیوں کو اپنی صلاحیت سے سیکولر بنا دیں؟

آج مسلمان جس کسی پارٹی میں ہیں اس میں وہ نڈر شیر بن کر رہنے کے بجائے چوپایوں کی جی رہے ہیں،

عام آدمی کی بات دور رہی، ہمارے ممبران پارلیمنٹ یا مذہبی رہنما بھی انتہائی بے اثر ہیں۔

مثلاً حالیہ فسادات کے تعلق سے مولانا اسعد مدنی نے اندرا جی اور اس وقت کے وزیر داخلہ سیٹھی کو کم و بیش ایک درجن خطوط لکھے،

اندرا جی یا سیٹھی نے ایک بھی خط کا (ایک آدھ جملے پر مشتمل ہی سہی) جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

البتہ اگر انہیں اسعد مدنی کو اندرا جی چائے پر بلاتی ہیں تو وہ فسادات کی ساری ذمہ داری سے اندرا جی کو بری قرار دیدیں،

اگر وہ انہیں ڈنر پر بلاتی ہیں تو وہ مسلمانوں سے آئندہ الیکشن میں اندرا جی کو ووٹ دینے کی اپیل کریں۔

چند ایک ملاقاتیں اور ہو جائیں یا کسی اوٹ پٹانگ موضوع ہی پر سہی اندرا گاندھی ان کی رائے لیں۔

تو وہ ساری زندگی کانگریس (آئی) کی وفاداری کی قسم کھانے پر تیار ہو جائیں۔

یہ حال صرف اسعد مدنی کا نہیں بلکہ ہر مسلم لیڈر کا ہے چاہے وہ کسی پارٹی میں شامل ہو۔

مثلاً شاہی امام کو اندرا جی چارہ نہیں ڈالتیں ورنہ ان سے ایک آدھ ملاقات راجیو گاندھی بھی کر لیں،

تو شاہی امام آئندہ الیکشن میں اندرا جی کو ووٹ دینے کی مسلمانوں سے اپیل کریں۔

کسی ایک مسلم لیڈر کو اگر اندرا جی مسلم ممالک کے دورے پر اپنا خصوصی ایلچی بنا کر بھیجیں

تو وہ اپنی آئندہ سات نسلوں کی وفاداری کا عہد نامہ ان کے نام لکھ دیں۔

یہاں مسلمانوں کو بے اقتدار ہوئے صدیاں گزر گئیں اس لئے یہ قوم صدیوں کی ندیدہ رہی ہے۔

اس لئے آج کسی انتہائی قابل یا تعلیم یافتہ مسلمان کو اگر راجیو گاندھی تعلقہ کانگریس (آئی) کا جوائنٹ سیکریٹری بھی بناتا ہے

تو وہ پھولے نہیں سماتا۔

اور اسی لئے آج مسلم لیڈرشپ گونگی، لنگڑی اور لولی ہے۔

ویسے مسلمان آج بھی سبھی پارٹیوں میں موجود ہیں

مگر غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے۔

جنہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہنے کا شرف حاصل ہوتا ہے "باادب با ملاحظہ ہوشیار!"

اور وہ سبھی اسی حال میں خوش بھی ہیں۔

مبارک کاپڑی

rinted at AJMAL PRESS, Bombay-3. & Published from 44, Jail Road (East). Bombay-9. DR. A M. NAIK M.B.B.S.
f NAQSHE KOKAN Publication Trust Bombay-9 Title Cover Printed at AMIN ART PTG PRESS BOMBAY-9.

नक्शे कोकण मासिक ● NAQSHE KOKAN

نقش کوکن

MD. SAYEED POPERE

KHALID AGASKAR
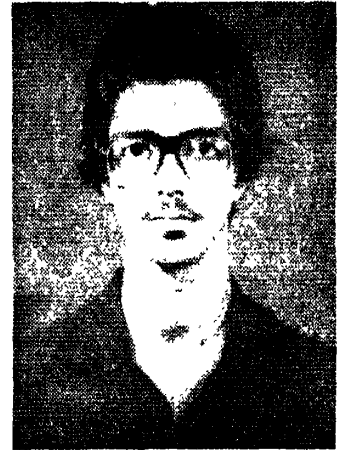
MUSHTAQ DALVI

(See Details on Pages No 49 & 50)

Capt. F M. Juwle is being introduced to the Prime Minister Smt. Indira Gandhi and President Gyani Zail Singh.

(See Details on Page No. 50)

قائم شدہ: ۱۹۶۲ء

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

رکن انڈین لینگویجز نیوز پیپر ایسوسی ایشن بمبئی

جلد نمبر ۲۳ / اکتوبر سنہ ۱۹۸۴ء / شمارہ نمبر ۱۰

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر: ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر: ایس اے رحیم تبسم

قیمت فی پرچہ: ۲/۵۰ روپے
سالانہ خریداری: ۲۵ روپے
تاحیات خریداری: ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ: ۱۵۰/۱۰ روپے
" " تاحیات: ۱۲۵۰ روپے

مقام طباعت: انجمن پریس بمبئی ۳
مقام اشاعت: ۴۳ جیل روڈ ایسٹ، ڈونگری بمبئی ۹
خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ: ۴۳ جیل روڈ ایسٹ۔ ڈونگری بمبئی ۹
ملکیت: نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (E 3006)
فون: 865384 / 861572

تاریخ اشاعت: یکم اکتوبر ۸۴ء

ادارہ کا ہر مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

اس شمارے کے فہرست

صفحہ نمبر

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ
أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا
وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ
لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ٥

(النور ٢٢)

اور تم میں سے جو لوگ بزرگ (منش) اور صاحبِ مقدور ہیں
وہ قربت والوں، محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو مدد (خرچ)
نہ دینے کی قسم نہ کھائیں بلکہ (چاہیے کہ ان کے قصور) بخش دیں اور
درگذر کریں (مسلمانو!) کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ خصوصی پیش کش جناب ای. ایچ. بشیخ کی جانب سے بطورِ عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجرِ عظیم دے (آمین)

پہلا صفحہ

گذشتہ چند ماہ سے اس ملک کے سیاست داں جمہوریت کو پوری طرح قتل کر کے
اس کی بوٹی بوٹی چیل کوّوں کو کھلا رہے ہیں۔

۲ جولائی کو کشمیر سے فاروق عبداللہ کو گورنر جگموہن کے ذریعے ہٹایا گیا۔
لاکھوں روپیوں سے ایم ایل اے خریدے گئے اور بعض کو منسٹر بھی بنایا گیا۔
آکاش وانی اور دوردرشن سے چیخ چیخ کر فاروق عبداللہ کو دیش دروہی بھی بتایا گیا۔

الیکشن سے قبل سارا میدان صاف کرنے کی خواہش میں اندراجی نے اپنے گورنر کے ذریعہ این ٹی آر کو ہٹا دیا۔
اور اب شروع ہوتے ہیں اس ملک کی جمہوریت کے سب سے دلچسپ واقعات،
جن کو آنے والی نسلیں تاریخ میں پڑھیں گی تو کھلکھلا پڑیں گی۔
آپ بھی ان واقعات پر خوب ہنسئے اور مزہ لوٹیے:

۱۔ این ٹی آر اور ان کے ۱۶۱ ایم ایل اے کو ٹرکوں میں بھر کر نظربند کیا گیا اور بھاسکر راؤ کو حلف دیا گیا۔
۲۔ کانگریس (آئی) کی تجوریاں کھل گئیں اور ایک ایک ایم ایل اے کا بھاؤ پانچ لاکھ سے پچاس لاکھ تک ہوگیا۔
۳۔ جب این ٹی آر اپنے ۱۶۱ ایم ایل اے کے ساتھ راشٹرپتی بھون میں جانے کے لئے ایئرپورٹ گئے تو
تو اس جہاز میں بم موجود ہونے کی دھمکیاں دی گئیں۔
۴۔ جب وہ ٹرین سے روانہ ہوئے تو جان بوجھ کر ان کی ٹرین دس گھنٹے تاخیر سے پہنچائی گئی۔
۵۔ راشٹرپتی بھون میں ذیل سنگھ نے کوئی قدم اٹھانے سے انکار کیا یہ کہہ کر کہ وہ قانون (یا اندراجی؟) کے ہاتھوں مجبور ہیں۔
۶۔ نادان قربانی کے بکرے رام لال کو عوامی احتجاج کے باعث برطرف کیا گیا۔
۷۔ جب این ٹی آر کے ایم ایل اے بکنے پر تیار نہیں ہوئے اور اندراجی کا سارا کھیل بگڑتا نظر آیا
تب انھوں نے پہلی مرتبہ اپنی زبان کھولی اور کہا (اس بات پر آپ خوب ہنسئے کیونکہ یہ ۱۹۸۴ء کا سب سے بڑا لطیفہ ہے)
"این ٹی راما راؤ کو ہٹانے کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ مجھے وہ خبر سب سے پہلے ایک نیوز ایجنسی سے ملی"
(ایک وزیر اعظم اتنے بڑے واقعات پر لاعلم ہے تو اسے فوراً مستعفی ہونا چاہئے)
۸۔ اور پھر این ٹی راما راؤ کے سارے ایم ایل اے نے حیدرآباد جانے کے بجائے بنگلور میں جاکر پناہ لی۔
(کس قدر قہقہہ لگانے کی بات ہے یہ اس ملک میں ایم ایل اے حضرات کو بکنے سے بچانے اور ان کی جان بچانے کیلئے دوسری ریاستوں میں پناہ لینی پڑتی ہے)
۹۔ اور تین دنوں تک کانگریس آئی اور بھاسکر راؤ کے حامی ہنگامے کر کے اسمبلی برخاست کرتے رہے۔
۱۰۔ اور بالآخر ہار کر اندراجی نے این ٹی آر کو دوبارہ وزیر اعلیٰ بنا دیا۔
(ایک اور لطیفہ :۔ ان کو یہ خبر بھی ایک اخبار نویس کے ذریعے ملی)

اب سنجیدگی سے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اس ملک کی زمین جمہوریت کے پیڑ کے لئے مناسب ہے یا نہیں؟

مبارک کاپڑی

اداریہ

وزارت سازی اور وزارت شکنی

فریقین کے وہ لیڈر جو بمبئی کے فرقہ وارانہ فسادات میں گرفتار کئے گئے تھے۔ ان کی رہائی جس ڈرامائی انداز میں ہوئی اس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ ہمارے سیاست داں صرف وزارت سازی یا وزارت شکنی کے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت فسادات کراتے ہیں۔ انھیں عوام کی جان و مال کے تحفظ سے کوئی سروکار نہیں۔ انھیں مطلب ہے تو وزارت سازی یا وزارت شکنی سے۔ انھیں الیکشن میں ووٹ مل جائیں۔ بس یہی ان کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ ورنہ محض چند ووٹ حاصل کرنے کے لئے شیوسینا کے لیڈروں کو اس طرح رہا نہ کیا جاتا۔

اور یہ بات سچ بھی ہے کہ اس دورِ جمہوریت میں واقعی وزارت سونے کی چڑیا ہے یا پارس کا پتھر یا پھر علاؤالدین کا چراغ۔ وزارت ملتے ہی آدمی دھرتی پر بیٹھ کر آکاش کو چھونے لگتا ہے۔ اس لئے کبھی تو حزب مخالف جو وزارت کی آس لگائے بیٹھی رہتی ہے۔ اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے کرسیٔ وزارت پر آسن جمانا چاہتی ہے۔ وہ حکمراں پارٹی کو بدنام کرنے کے لئے جگہ جگہ فسادات کرا دیتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اس طرح جنتا حکمراں پارٹی سے بدگمان ہو جائے گی اور الیکشن میں ووٹ ہمیں مل جائیں گے۔

یہی حربہ حکمراں پارٹی وہاں آزماتی ہے جہاں حزبِ مخالف کا زور ہوتا ہے — یہ فسادات کے وہ اسباب ہیں جنھیں اب ہندوستان کے بے وقوف عوام بھی سمجھنے لگے ہیں۔ اور مہاراشٹر ایم۔ ایل۔ سی کے الیکشن کے وقت جس طرح فرقہ وارانہ فساد کے سلسلے میں شیوسینا کے گرفتار شدہ لیڈروں کو رہا کیا گیا اس نے بھارت کے سادہ لوح عوام کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ملک میں جب تک الیکشن کے ذریعے وزارت بنتی اور بگڑتی رہے گی فسادات کا چکر چلتا رہے گا۔

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کے یہی اسباب ہیں مگر اس بنا پر ہم جمہوریت کو بدنام نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ یہی جمہوریت برطانیہ، امریکہ، فرانس وغیرہ میں بھی ہے مگر وہاں فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوتے۔ حالانکہ وہاں مذہب اور عقیدے کے علاوہ رنگ و نسل کا امتیاز بھی موجود ہے۔ حتیٰ کہ جنوبی افریقہ میں جہاں رنگ و نسل اور ذات پات کا امتیاز شباب پر ہے وہاں بھی اس طرح کے فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوتے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بھارت ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں فرقہ وارانہ فسادات کو وزارت سازی یا وزارت شکنی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

فرقہ وارانہ فساد میدانِ قیامت کا نمونہ ہوتا ہے۔ اور اس وقت پر ہم کو سورۂ قیامت ہی کی ایک آیت بار بار یاد آتی ہے:

"اس دن انسان یہ کہے گا کہ
کیا بھاگ کر کہیں پناہ لینے کی
جگہ ہے؟ تو اس کو معلوم ہوگا کہ
ایک ہی جگہ ہے اور وہ ہے پناہ
پروردگار ہے۔" (سورۂ قیامت آیت نمبر)

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کو خود ساختہ جمہوریت کے فتنہ و فساد سے اس وقت تک نجات نہیں ملے گی جب تک ہم خود ساختہ نظام کو چھوڑ کر "نظامِ الٰہی" کی طرف نہ آئیں۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

شہیدِ اعظمؓ اور ہم

یوں تو ہر سال محرم کا مہینہ اپنی آب و تاب بزرگی اور تاریخی اہمیت کے ساتھ دنیا کے افق پر جلوہ گر ہوتا ہے، اور اپنے دامن میں بے شمار یادیں لئے رخصت بھی ہو جاتا ہے۔

ماہِ محرم الحرام قمری اور ہجری سال کا پہلا مہینہ ہے اور اسی ماہ سے ہمارے نئے سال کا آغاز بھی ہوتا ہے۔ یہ مہینہ ہم کو ہمارے درخشاں و تابناک ماضی کی یاد دلاتا ہے جس کے کبھی نہ مٹنے والے نقوش اور لازوال حقائق و اثرات آج بھی اس دنیا کے چپہ چپہ پر ثبت ہیں۔ اور تاریخ عالم ان کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہے۔ یہ مہینہ ہم میں وہی صفات پیدا کرنا چاہتا ہے جو سیدنا امام عالی مقام حضرت حسین ابن علیؓ میں تھے۔

یہی وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بہشت سے نکالے جانے کے بعد دعا قبول کی تھی۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نار کو گلزار کیا۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ یہی وہ مہینہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں تاجدارِ دو عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سچے اور مخلص جان نثاروں کے ساتھ بحکم خداوندی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تھی۔ اور اسی ماہِ مقدس میں ایک زبردست لافانی، بے مثال اور جاں گداز واقعہ پیش آیا، جسے واقعۂ کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مصلحتِ خداوندی دیکھیئے کہ مسلمانانِ عالم کے نئے سال کی ابتدا بھی قربانی سے ہوتی ہے اور انتہا بھی ایک عظیم قربانی سے۔ اس طرح ہر آنے والا سال اسلام کے لئے حق و صداقت کا پیغام لے کر آتا ہے۔ جو آج سے چودہ سو سال قبل سیدنا امام عالی مقام حضرت حسین بن علیؓ نے میدانِ کربلا میں حق و صداقت کے لئے خشک ریگستان کو اپنے اور اپنے خاندان والوں کے خون سے سینچ کر فلاحِ انسانیت کے بیج بوئے تھے۔ اور سال کا اختتام بھی حضرت سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے جذبۂ قربانی اور رضائے الٰہی پر ہوتا ہے۔ حضرت امام عالی مقام نے میدانِ کربلا میں حق و انصاف کے لئے اپنی اور اپنے خاندان والوں کی عظیم الشان قربانی پیش کرنے میں جس اعلیٰ جذبے اور صبر و ضبط سے کام لیا ہے اسی مقدس اور عظیم جذبے کو بیدار رکھنے کا درس ہمیں اس ماہِ مقدس میں ملتا ہے۔ حضرت امام عالی مقام نے یہ ثابت کر دکھایا کہ حق حق ہے۔ باطل کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا۔ یہ سیدنا حسین ابن علیؓ اور ان کے

خاندان کی قربانی اور صبر و استقامت ہی کا نتیجہ ہے کہ آج اسلام دنیا کے گوشے گوشے میں زندہ و جاوید نظر آرہا ہے۔ مولانا محمد علی جوہر نے کتنی سچی اور دل کو لگتی ہوئی بات کہی:

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

سیدنا حسین ابن علیؓ جاہ و منصب و حصول اقتدار کے لئے یزید بن معاویہ سے مقابلہ کرنے نہیں آئے تھے بلکہ دنیا کو یہ بتلانے کے لئے کہ ایک غیر شرعی حکومت جس کی بنیاد جبر و استبداد پر ہو اس کی اطاعت و وفاداری ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ جس دین کی خاطر عظیم قربانیاں پیش کرکے اس کی عظمت کو داغدار ہونے سے بچایا گیا ہے، ہماری نگاہیں صرف ان قربانیوں اور شہادتوں پر ہی مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں اور ہم جذباتی طور سے ان شہدائے کرام کی مقدس زندگیوں کا مطالعہ کر کے اپنی ذمہ داری کو ختم کر لیتے ہیں۔ اور ان واقعات کے پس پردہ جو فلسفہ اور خداوند قدوس کی مصلحتیں ہیں ان کو یکسر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب مل کر اس حسینی مشن کو دنیا کے سامنے پیش کریں جس میں چودہ سو برس سے تعطل پیدا ہو گیا ہے۔ جب تک اس قسم کے جذبات و احساسات ہمارے اندر پیدا نہ ہوں حسینی کہلانے کے ہرگز مستحق نہیں۔

ہم شہدائے کرام کے نام لیوا ضرور ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ شہدائے کرام کے نام پر جس قدر خرافات ہو سکتے ہیں ہم کئے جاتے ہیں۔

ہومیوپیتھی اور اس کا مستقبل

ڈاکٹر انور بیگ

ہومیوپیتھی امریکہ میں مقبول کیوں نہ ہوسکی ؟ اور کیا ہندوستان میں یہ فن اپنے صحیح خدوخال میں رائج ہے ؟ یہ سوالات وقتاً فوقتاً ہومیوپیتھی کے ہمدرد حضرات کے ذہن میں اُٹھتے رہتے ہیں۔

یورپ سے امریکہ تک ہومیوپیتھی کے سفر کی داستان دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ ۱۹ویں صدی کے اوائل میں سارا یورپ خونیں پیچش میں مبتلا تھا۔ مروجہ دوائیں ناکام ثابت ہورہی تھیں۔ لیکن ڈاکٹر ہانمان HAHNEMANN کا طریقۂ علاج موثر ثابت ہوا اور خاطر خواہ نتائج کی شہرت امریکہ تک پہنچ گئی، اور اس طرح امریکہ میں ۱۸۸۰ کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً دس ہزار ڈاکٹر اس طریقۂ علاج کو اپنا چکے تھے۔ حالانکہ اس سے قبل ان میں سے اکثر علاج ALLOPATHY پر عمل پیرا تھے۔ اس بدلتے ہوئے رجحان نے ان امریکی سرمایہ داروں کی نیند اڑا دی جن کے کروڑوں روپئے ایلوپیتھی کے دواساز اداروں میں لگے ہوئے تھے۔ اپنے سرمائے کو بچانے کی انھوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ جب اشتہار بازی اور دشنام طرازی سے کام نہ چل سکا تو امریکن کاؤنسل پر دباؤ ڈالا گیا کہ ہومیوپیتھی کی سرپرستی نہ کرے۔ امریکی میڈیکل کاؤنسل نے ان تمام ڈاکٹروں کو برطرف کردیا جنھوں نے اس طریقۂ علاج کو اپنایا تھا۔ ہومیوپیتھی کے پرستاروں کے لئے وہ بڑا آزمائشی دور تھا، جب ہومیوپیتھی اپنانے کی سزا کے طور پر بیوی کو شوہر سے اور شوہر کو بیوی سے طلاق لینے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ آفریں ہے ان جیالوں پر جنھوں نے ایسے حوصلہ شکن ماحول میں اس فن کو سینے سے لگائے رکھا۔ حقیقتیں چھری کی دھار سے نہیں کٹتیں۔ کھلنے والے پھول آندھیوں میں بھی کھل کے رہتے ہیں۔ اسی طرح آج بھی امریکہ میں سیکڑوں ڈاکٹر اس فن کی خدمت کرتے نظر آتے ہیں۔

اس سلسلے کا دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ عروس البلاد بمبئی میں مروجہ طریقۂ علاج کس حد تک ہومیوپیتھی کہلانے کا مستحق ہے۔ اس تجزیے کے لئے ہومیوپیتھی کے طریقۂ علاج کو سمجھنا ضروری ہے

ڈاکٹر ہانمان کے اصولوں کے مطابق ہومیوپیتھی مرض کو مکمل طور پر دفع کرنے میں یقین رکھتی ہے علامات کو دبانے میں نہیں۔ مثلاً spondylosis میں RUSTOX گرتے ہوئے بالوں میں Phosphorus مہاسوں میں Silicea یا سر کے درد میں Natrum mur کا نسخہ لکھ دینا ہومیوپیتھی نہیں۔

اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں ہومیوپیتھک دوا کھا رہا ہوں۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہومیوپیتھک علاج کروا رہا ہوں۔ ہومیوپیتھی نام ہے علامات کو سمجھنے اور Similia

کے اصولوں پر اس کی تطبیق کا... میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصراً
سے Similia کی تشریح اس کے تاریخی پس منظر کے
ساتھ پیش کردوں۔

Similia کو آسان لفظوں میں یوں سمجھئے کہ زہر کا تریاق بھی
زہر ہی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ یعنی جن دواؤں سے جس طرح کے
علامات ظاہر ہوں ان دواؤں کی جوہری مقدار انہیں علامات
کے ازالے کے لئے استعمال ہو سکتی ہے۔

Similia کا نظریہ طب بقراط کی تصانیف میں
ملتا ہے۔ ان کے قول کے مطابق امراض کا علاج دو طریقوں
سے ممکن ہو سکتا ہے۔

(۱) اسباب و علامات کو وقتی طور پر ختم کر دینا یا
(۲) مرض کو جڑ سے ختم کرنا جو کہ صرف Similia یعنی
علاج بالمثل کے طریقے ہی سے ممکن ہے۔

جس طرح گرتے ہوئے سیب نے صرف نیوٹن کو
متوجہ کیا تھا ٹھیک سی طرح Similia کا نظریہ بھی سب سے
پہلے ڈاکٹر ہانمان پر واضح ہوا۔ جس زمانے میں ملیریا کی
وبا پھیلی ہوئی تھی علاج کے دوران ڈاکٹر ہانمان نے مشاہدہ
کیا کہ [illegible] کی معمولی سی مقدار ملیریا ایسے علامات
پیدا کرتی ہے [illegible] ہی سے ملیریا ٹھیک ہو جاتا ہے۔
اسی واقعہ کے تحت انھوں نے تجربات و مشاہدات سے اسے
ثابت بھی کر دیا۔

ایک عام سی غلط فہمی ہے کہ ہومیوپیتھک دواؤں سے
کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر James Tyler Kent
جیمس ٹائلر کینٹ کا قول اس غلط فہمی کے ازالے کے لئے کافی ہے
وہ کہتے ہیں کہ اگر ہماری دواؤں میں اتنا اثر نہیں کہ وہ جان لیوا
ثابت ہو سکیں تو یہ امید بھی نہیں کی جا سکتی کہ وہ امراض کو
ختم کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ تجربات
[illegible] دواؤں کے ساتھ ایک [illegible] ہومیوپیتھی کا پیروکار
کا یہ نسبت ایک کم علم ہومیوپیتھ کے زیادہ مفید ہے جو
قوی الاثر دواؤں کو بے دریغ استعمال کرتا ہو۔

میں اسے مزید واضح کردوں۔ ایک مشہور دوا Hepar
ہے جو Similia کی طرح پھوڑے پھنسیوں کو ابھار کر
پھوڑ دیتی ہے۔ اگر اس کا مسلسل استعمال قوی مقدار
(High Potency) میں کیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ
کسی ایسے پھوڑے کو بھی ابھار کر پھوڑ دے جو کسی اندرونی عضو میں
منجمد صورت (Mummified Form) میں منجمد ہو اور
اس دوا کے اثر سے جان لیوا ثابت ہو۔

ضروری نہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہی ہوں۔ مگر یہ تو
ہو سکتا ہے کہ جاننے والوں سے رابطہ قائم کر سکیں منزل مقصود
تک پہنچنے کے لئے کسی باخبر رہبر کی پیروی ضروری ہے۔

جب تک Similia کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھا جائے
تمام علامات پر غور نہ کیا جائے ہومیوپیتھی سے مکمل استفادہ
نہیں کیا جا سکتا۔ صرف چند علامتوں پر نسخہ لکھنا اس
فن اور مریض دونوں کے لئے مضر ہے۔

بیرونی خیرخواہوں سے

بیرونی ممالک میں رہنے والے نقش کوکن کے
خریداروں سے درخواست ہے کہ جب وہ
ہندوستان آئیں نقش کوکن کے لئے وقت نکالیں
اپنے تبادلۂ خیالات کے لئے دفتر [illegible]
اس سے پرچے کی ترویج و اشاعت کے لئے [illegible]
نیز بیرونی ممالک میں ہماری قوم کی سرگرمیوں سے
ہمیں آگاہی ہوگی۔

(ادارہ)

خصوصی مضمون

دوسری قسط

پردہ

محمد اعظم خان ایم۔ اے

ذیل میں ہم جناب محمد اعظم خان ایم اے کے تحقیقی مضامین سے ماخوذ ایک مضمون پیش کر رہے ہیں۔ محمد اعظم خان ریسرچ اسکالر ہیں اور جناب ایم اے قاضی (ہما فیقہ) صاحب کے شاگرد رہے ہیں، جب قاضی صاحب پونہ کے ٹریننگ کالج میں لکچرار تھے۔ فی الحال قاضی صاحب کیپ ٹاؤن ساؤتھ افریقہ میں مقیم ہیں۔ اپنے شاگرد محمد اعظم خان کے اس مضمون سے قاضی صاحب بے حد متاثر ہیں۔ اور آپ نے یہ مضمون جو غیر مطبوعہ ہے بغرض اشاعت ارسال فرمایا ہے انشاء اللہ اسے ہم قسط وار شائع کرتے رہیں گے۔ پہلی قسط آپ نے ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ لیجئے دوسری قسط حاضر خدمت ہے (ادارہ)

"دوسرا گروہ جو صرف ہندوستان کیلئے پردہ ضروری سمجھتا ہے

فی الحال اس دوسرے گروہ کو لیجئے جس کا خیال ہے کہ پردہ فی نفسہ کوئی ضروری چیز نہیں۔ لیکن ہندوستان کی تعلیمی پستی اور سیاسی حالت نے اسے یہاں کے لئے ناگزیر بنا دیا ہے۔ جہاں تک میں غور کر سکا ہوں مجھے تو تعلیم اور پردہ میں کوئی خاص تعلق نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ آپ طبیعات، کیمیا، فلسفہ، منطق یا تاریخ، جغرافیہ اور پردہ میں کوئی تعلق پیدا کر سکیں اور بتا سکیں کہ کیوں ایک ایسے شخص کے سامنے جو علوم بالا سے واقف ہو ایک عورت بے پردہ ہو سکتی ہے، اور ایسے شخص کے سامنے نہیں ہو سکتی جسے بد قسمتی سے ان علوم کے حاصل کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ ان حضرات کے فرمانے کا خدانخواستہ یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ تعلیم سے انسان کے جنسی خواہشات فنا ہو جاتے ہیں یا اس میں حسن پسندی کی صلاحیت نہیں باقی رہتی۔ اس لئے اگر اس کا کچھ مطلب ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ ایک تعلیم یافتہ آدمی اپنے جذبات پر بہ نسبت ایک جاہل آدمی کے زیادہ قابو رکھ سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک پردہ کا تعلق ہے حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ ایک تعلیم یافتہ آدمی ہمیشہ ایک جاہل آدمی کی بہ نسبت زیادہ حساس اور اثر پذیر طبیعت رکھتا ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ جنسی اثرات کے قبول کرنے کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج تعلیم یافتہ لوگ جو اپنی عورتوں کو جہلا سے پردہ کرانے پر زیادہ مصر نہیں تعلیم یافتہ لوگوں سے بطور خاص چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اکثر گھروں میں دیکھا ہوگا کہ خواتین اپنے خدمتگاروں، درزیوں اور دھوبیوں، بھشتیوں وغیرہ کے سامنے نکل آتی ہیں وہ ہم سے اور آپ سے ضرور گہرا پردہ کرتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ محض ایک بہانہ ہے جو تعلیم یافتہ طبقہ نے اپنے بچاؤ کے لئے تراشا ہے۔ اگر آج ہندوستان کی بیشتر آبادی تعلیم یافتہ ہوتی تو غالباً یہ لوگ عوام کی جہالت کا عذر کرنے کے بجائے ان کے تعلیم یافتہ اور ذکی الحس ہونے کا عذر کرتے۔

<u>ہندوستان کی سیاسی حالت</u> کا جو لوگ عذر کرتے ہیں اس سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایک قوم نہیں بستی بلکہ کئی قومیں ہیں جو رسم و عادات اور نسل و مذہب کے اعتبار سے بالکل مختلف ہیں۔ اس لئے یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ

ایسے مختلف الحال لوگوں کو ایک دوسرے کی عزت کا کچھ پاس نہیں ہو سکتا اور ایسے ملک میں عورتوں کا بے پردہ ہونا خطرہ سے خالی نہیں لیکن اگر ہندوستان میں ہندوستان میں کوئی آئینی حکومت نہ ہوتی بلکہ طوائف الملوکی کا دور ہوتا تو بے شک یہ عذر صحیح تھا، لیکن موجودہ زمانہ میں جب کہ یہاں کی آئینی تنظیم دنیا کے کسی ملک سے پیچھے نہیں اس امر کا بعید ترین امکان بھی نہیں کہ کوئی جماعت غالب اپنے سے کم تعداد والی جماعت کی عورتوں کو بہ جبر بھگا لے گی یا بے عصمت کر دے گی۔

آپ روزمرہ سینکڑوں فرنگی، پارسی، یہودی اور ہندو عورتوں کو کھلے بندوں پھرتے دیکھتے ہیں لیکن کبھی آپ نے دیکھا کہ کوئی پارسی کسی فرنگی پر یا کوئی ہندو کسی یہودی پر صرف اس لئے حملہ آور ہوا ہو کہ اس کی ہم مذہب نہیں۔ وہ فرقہ وارانہ منافشات جو کبھی کبھی ہمارے ملک میں رونما ہوتے رہتے ہیں اس پردہ کو جائز قرار دینے کے لئے ناکافی ہے۔ کیونکہ جب مذہبی یا فرقہ واری جنون میں جہلا آپے سے باہر ہو جاتے ہیں تو عورتیں خواہ بازار میں پھر رہی ہوں یا گھروں میں بیٹھی ہوں یہ از خود رفتہ مجمع بہر صورت ان پر حملہ کر سکتا ہے۔ اس لئے صرف ایسے حملوں کے ڈر سے گھروں میں چھپ رہنا ایسا ہی "دانشمندانہ" فعل ہے جیسے ٹھوکر لگنے کے خوف سے چلنا پھرنا موقوف کر دیا۔

تیسرا گروہ جو پردہ کی عالمگیر ضرورت سمجھتا ہے

اب اس تیسرے گروہ کی طرف آئیے جو یہ سمجھتا ہے کہ عورت کی عفت و عصمت اور سوسائٹی کی اخلاقی حالت برقرار رکھنے کے لئے پردہ بلا لحاظ ملک و ملت ضروری ہے۔ اس جماعت کا خیال ہے کہ ہندوستان کی پردہ دار عورتیں ساری دنیا کی بے پردہ عورتوں سے زیادہ پاکدامن ہیں اور چونکہ ان کے نزدیک عورتوں کی عصمت کا جوہر صرف پردہ کی آڑ میں محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ پردہ اٹھا کے اپنی عورتوں کو ایسے قیمتی جوہر سے عاری کر دیں۔ لیکن افسوس ہے کہ میں اس دعوے میں اجتماعِ ضدین ثابت پاتا ہوں۔

باعصمت عورتوں کیلئے پردہ

کسی عورت کی عصمت برقرار رکھنے کے لئے پردہ کو ناگزیر قرار دینا گویا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ خود آپ کو اس عورت پر اعتماد نہیں اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ پردہ سے باہر آئی تو اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے گی۔ پس یہ کہنا کہ باعصمت عورت کے لئے پردہ ضروری ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہنا کہ وہ عورت باعصمت بھی ہے اور بے عصمت بھی۔ جو بالکل مہمل ہے۔ آپ خود غور فرمائیے کہ آخر باعصمت سے آپ کی کیا مراد ہے۔ ایک عصمت کو چھوڑ دیجیے، دنیا کی کسی اور صفت کو لیجئے مثلاً آپ ایک شخص کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ دیانتدار ہے تو اس سے آپ کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ یہی نا کہ اس کو بد دیانتی کے تو مواقع حاصل ہیں لیکن وہ بد دیانتی نہیں کرتا اسی طرح جب آپ اپنی عورتوں کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ وہ باعصمت ہیں تو اس سے آپ کا یہی مطلب سمجھا جائے گا کہ انہیں بے عصمت ہونے کے مواقع تو حاصل ہیں مگر وہ بے عصمت نہیں ہوتیں۔ لیکن اگر بے عصمتی کے ان مواقع سے آپ کی یہ مراد ہے کہ گھر کی چار دیواری میں جہاں غیر مرد کی پرچھائیں تک نہیں دکھائی دے سکتی نہایت سختی کے ساتھ مقید ہونے اور اپنے ساس، سسر، باپ، بھائی، دیور، جیٹھ حتیٰ کہ ماؤں اور اناؤں تک کی انتہائی نگرانی میں رہنے کے باوجود بے عصمت نہیں ہوتیں تو میں یہ دعویٰ بھی کر سکتا ہوں کہ قیدخانے ان تمام نفوسِ قدسیہ سے معمور ہیں جو برق زنوں، فلک بوس دیواروں، مہلک برقی تاروں، آہنی سلاخوں اور موٹی موٹی زنجیروں کے باوجود برسوں کسی گناہ بلکہ معمولی قصور کا بھی ارتکاب نہیں کرتے اور ہم سب سے زیادہ پاک و سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر اگر آپ انہیں پارسا

کا اطلاق کرنے کے لئے تامل کرتے ہیں کہ ان کی پاکدامنی یا پارسائی کا دوسرا نام ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اسی اصول کو آپ اپنی عورتوں سے بھی متعلق کیجئے۔ یعنی اگر آپ کو اس پر اصرار ہے کہ جو نیکی قید و زنداں کی محتاج ہے وہ دراصل نیکی نہیں ہے۔ تو آپ کو اس پر بھی اصرار ہونا چاہئے کہ جو عصمت آپ کے گھر کی چار دیواری کی محتاج ہے وہ دراصل عصمت کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی۔

اس کے جواب میں یہ نہ فرمائیے گا کہ بے پردہ عورتوں نے مردوں کے جبر سے نہیں بلکہ اپنی خوشی سے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ذی روح جس میں زندگی کی ذرا سی بھی امنگ اور جذبات کی ترنگ باقی ہے اس ظالمانہ اور غیر فطری قید کو خوشی سے برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ اور بات ہے کہ ایک دائم الحبس قیدی کی طرح چار دیواری میں بیٹھے بیٹھے اس کی حس مردہ ہوگئی ہو اور اب اس قید کی اتنی تکلیف اسے محسوس نہ ہوتی ہو جتنی ایک اوسط جذبات کے ذی روح کو ہونی چاہئے۔

اگر آپ کو میرے بیان میں شک ہے تو آپ زیادہ نہیں صرف ایک ہفتہ کے لئے اپنے مکان کے سوا گز صحن میں قید ہو جائیے پھر دیکھئے آپ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ کی بیوی خود بے پردہ ہونا چاہیں تو کیا آپ انھیں اس کی اجازت دیں گے۔

ممکن ہے اب آپ ایک نئی ترکیب نکالیں جس سے آپ کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور آپ کی بیوی بھی ناراض نہ ہو۔ یعنی آپ ان سے یہ فرمائیں کہ "مجھے تو تم پر کامل اعتماد ہے مگر اس کو کیا کیا جائے اپنی سوسائٹی کے مردوں کی طرف سے بالکل اطمینان نہیں۔"

ممکن ہے کہ اس جواب سے آپ کی بھولی بھالی بیوی کی تشفی ہو جائے اور آپ کی بیوی بھی ناراض نہ ہو۔ لیکن اس سے کم از کم میری تشفی نہیں ہوسکتی۔ مردوں کی دست درازی دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو وہ عورتوں کی رضامندی سے ہوگی یا اس کے خلاف مرضی۔ پہلی صورت میں نہ تو وہ عورت آپ کے اعتماد کی مستحق ہے نہ باعصمت کہلائے جانے کی۔ اس لئے ایسی عورتوں سے یہاں ہمیں کوئی بحث ہی نہیں۔ اب رہی دوسری صورت سو اس کے متعلق قانون میں جو سخت سزا مقرر ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اب فرض کیجئے کہ خدانخواستہ ایک ایسے بدمعاش کی نیت آپ کی بیوی کے متعلق بدل جائے جو یہ سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو تو اس کے لئے شاہراہ، پارک یا بارونق پبلک گارڈن میں حملہ کرنے سے بدرجہا زیادہ آسان تو اس کے لئے رات کو اس کی خوابگاہ پر دھاوا کرنا ہوگا۔

اس کے جواب میں شاید آپ یہ فرمائیں کہ جب میں اپنی بیوی کو پردہ کراؤں گا تو اس بدمعاش کو اس کا علم ہی کیسے ہوگا کہ میری بیوی ہے جو جوان بھی ہے اور حسین بھی۔ لیکن آپ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ آپ ہی فرمائیے کہ آپ کے کتنے عزیز، دوست، ہمسایہ، ہم محلہ ایسے ہیں جن کے متعلق آپ کو بخوبی علم ہے کہ ان کی بیوی یا بہن یا بیٹی یا سالی جوان بھی ہے اور حسین بھی۔ لیکن کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے ان کے گھروں پر کتنی دفعہ کمند ڈالنے کی کوشش کی۔ اس موقع پر آپ یہ کہیں گے کہ "بغیر صورت دیکھے اشتیاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن صورت دیکھنے کے بعد ایسا اشتیاق بے شک پیدا ہو سکتا ہے۔" مگر تجربہ اس کی بالکل تائید نہیں کرتا۔ آپ ہی فرمائیے کہ روزانہ آپ کو کتنی حسین اور جوان فرنگی، پارسی، عیسائی اور ہندو عورتوں کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے لیکن کیا انھیں دیکھ کر آپ کا اشتیاق کبھی اس درجہ پر پہنچا کہ آپ نے ان کی موٹروں کے پیچھے دوڑ کر ان کی خوابگاہوں پر شبخون مارا ہو۔ اتنی بحث کے بعد غالباً اس حد تک تسلیم کرنے میں آپ کو تامل نہ ہوگا کہ جن عورتوں کی عصمت پر آپ کو کامل اعتماد ہے یعنی جن کے متعلق آپ یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں کسی قسم کی ترغیب و تحریص راہ راست سے نہیں ہٹا سکتی وہ خواہ پردہ میں ہوں یا بے پردہ اس سوسائٹی کی اخلاقی حالت پر کوئی برا اثر نہیں پڑ سکتا اور ان کی حد تک پردہ اگر مضر نہیں تو بیکار ضرور ہے۔

(باقی آئندہ)

غزلیں

• —— سلیم احمد سلیم

ہمیں خیال کی دُنیا بنا کے جی لینا
ہر اک زخم جگر میں چھُپا کے جی لینا

گذر نہ پائے اگر زندگی ہمارے بغیر
ہماری یاد میں خود کو بھُلا کے جی لینا

جنھوں نے تم کو ستایا ہے راہِ الفت میں
تم ان کی راہ میں دل کو بچھا کے جی لینا

ہر ایک سمت وفاؤں کے قافلے ہوں گے
کسی کے دامنِ دل کو سجا کے جی لینا

جو تم کو راس نہ آئے غمِ فراق سلیم
وصالِ ماضی کو محور بنا کے جی لینا

• —— اعجاز احمد خان اعجاز

ویسے تو احترام کے قابل ہے آدمی
لیکن کیوں اپنے آپ سے غافل ہے آدمی

انسانیت کی دوڑ میں ناکام ہو گیا
اب تو خلاء کی دوڑ میں شامل ہے آدمی

بے خوف سرِ عام یہ سچ بول رہا ہے
دھوکہ، فریب، جھوٹ کا حامل ہے آدمی

سب کی زبان ایک ہے سب کا لباس ایک
کیسے بتائیں، کون سا قاتل ہے آدمی

لمبا سفر ہے سایہ کہیں دُور تک نہیں
پھر بھی اعجاز رہ روِ منزل ہے آدمی

• —— واحد محسن

تم کو جس شئے پہ حقیقت کا گماں ہے لوگو
اُس طرف آگ نہیں، صرف دھواں ہے لوگو

آسمانوں سے زمینوں کو ملا دیتا ہوں
میری تقریر میں وہ زورِ بیاں ہے لوگو

ہر قدم موت کی آغوش میں لے جائے گا
اب تو ہر سانس میں تیزاب نہاں ہے لوگو

اس خسارے کی تجارت پہ بہت شاداں ہوں
بس ادب ہی سے میرا رشتۂ جاں ہے لوگو

ڈھال دو اب نئی تہذیب کے رنگ میں واحد
کتنا بوسیدہ مرے دل کا مکاں ہے لوگو

• —— پرویز باغی

ہر سال اسی طرح گذر جاتا ہے
چہرہ مرے خوابوں کا اُتر جاتا ہے

سو صدیاں مقدر کی بگڑ جاتی ہیں
تب جا کے کوئی لمحہ سنور جاتا ہے

اُس شخص سے امیدِ رفاقت کیوں ہے
جو خون کے رشتوں سے مُکر جاتا ہے

قصہ مری بربادی کا چھڑتا ہے جب
چہرہ مرے یاروں کا اُتر جاتا ہے

یاد آتا ہے جب عہدِ گذشتہ پرویز
خنجر سا مرے دل میں اُتر جاتا ہے

منورما دیوان

جب راون نے رام کو مار ڈالا

کھلونے بیچنے والا آواز لگا رہا تھا: "رام اور سیتا پچاس پیسے ہیں، راون سو پیسے میں"۔

خریداروں نے پوچھ ہی لیا کہ راون اتنا مہنگا کیوں ہے؟ جواب ملا کیونکہ اس کی مانگ بہت ہے۔

راون کی اتنی مانگ کیوں ہے؟ ہر سال ہم دسہرے کے موقع پر راون، کمبھ کرن اور میگھ ناتھ کے پتلے جلاتے ہیں۔ نہ جانے پورے ملک میں کتنی لنکائیں بھسم کی جاتی ہیں۔ کیونکہ ہم رام کے ہاتھوں راون کا مارا جانا بدی پر نیکی کی جیت سمجھتے ہیں، لیکن کیا ہم اپنے تمام تہوار بلا سوچے سمجھے صرف اس لئے مناتے ہیں کہ برسوں سے اس کا رواج چلا آ رہا ہے۔ یا ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی حقیقی اہمیت کیا ہے؟ اگر ہم ایسا سمجھتے تو اس کا کچھ تو اثر ہماری سماجی زندگی اور قدروں پر ضرور پڑتا۔ ہر سال جھوٹ اور بدی کی علامتوں کی صورت میں راون کے پتلے جلانے کے بعد بھی کیا ہم اپنی زندگی میں اپنے آس پاس کے راونوں کو بھی ختم کر سکے ہیں؟ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ راون کو راون نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ نقلی چہروں کا ایسا چکر چل رہا ہے کہ آج سماج ہی پتہ ہی نہیں چلتا کہ رام کون ہے اور راون کون؟

یا پھر ہماری سماجی قدریں اس طرح بدل گئی ہیں کہ ہم راون کو بدی کی علامت یعنی جھوٹ اور فریب کو برا نہیں سمجھتے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج بدعنوان سماجی لیڈروں، چوربازاری اور ملاوٹ کرنے والوں کا بول بالا نہ ہوتا۔ انھیں سماج میں اعلیٰ مقام نہ ملتا جو آج انھیں حاصل ہے۔

کیا ہم جھوٹ، بدی اور بداخلاقی کو واقعی برا سمجھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ فلاں شخص برا ہے۔ اس نے اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بے ایمانی سے پیسہ جمع کیا ہے۔ فلاں سیاسی لیڈر نے عوام کے اعتماد کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور غلط ڈھنگ سے لاکھوں کمائے، لیکن کیا ہم کبھی ان کا سماجی بائیکاٹ کرتے ہیں؟ اس کے برعکس ہم فخر کرتے ہیں کہ ایسے آدمی سے ہمارے قریبی تعلقات ہیں جو پیسے اور اثر والا ہے۔

بیٹے یا بیٹی کی شادی کرتے وقت ہم کوٹھیوں، کاروں، زیورات، شاندار پارٹیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان جگمگاتی روشنیوں، کاروں اور کوٹھیوں کے پیچھے جمع خوری، چوربازاری اور کالے دھن کا پیسہ کارفرما ہے۔ ہم سب کچھ جانتے ہوئے نہ صرف خاموش رہتے ہیں بلکہ یہ کوشش بھی کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اس خاندان میں رشتہ طے ہو جائے۔

آخر یہ اسمگلر، جمع خور اور بلیک و ملاوٹ کا دھندا کرنے والے کہیں آسمان سے تو نہیں ٹپکتے۔ وہ ہمیں لوگوں میں سے تو ہیں۔ وہ ہمارے ہی پڑوسی بھائی، چچا، بھتیجے، بیٹے، شوہر، سسر اور سمدھی وغیرہ ہی تو ہیں۔ کیا ہم نے کبھی ان کا سماجی بائیکاٹ کرنے کے بارے میں سوچا ہے؟ کیا کبھی ہمارے

شادی بیاہ صرف اس لئے نہیں ہوئے کہ ہونے والے سمدھی
کے بارے میں یہ پتا چل گیا کہ وہ جمع خوری کا دھندا کرتے
ہیں۔ کیا کبھی کسی ماں نے اپنے بیٹے کو یہ بات کہا کہ وہ اسمگلر ہوگیا
تھا یا کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنے لگا تھا،
کیا آج تک کوئی طلاق اس لئے مانگی گئی کہ بیوی اپنے شوہر کے
کاروبار کو بے ایمانی کا کاروبار سمجھتی تھی۔ کتنے والدین نے
اپنے بیٹوں کو اس لئے الگ کر دیا کہ وہ ناجائز کمائی کرتے
تھے اور کتنے بچوں نے اپنے والدین پر تنقید کی کہ وہ غلط ذرائع
سے پیسہ کماتے ہیں؟

یہ صرف فلمی باتیں ہیں کہ کچھ سرپھرے! ایماندار اور حق پرست
نوجوانوں نے اپنے والد کو للکار کر کہا کہ وہ ان کے کالے
دھندے کا راز فاش کر دینگے، اور ان کی باپ کی کمائی کے
حصہ دار نہیں بنیں گے۔ فلموں میں نوجوان ہیروؤں کی دھواں دھار
تقریروں پر تالیاں بجانے والے ہم تماش بین اپنی
روزمرہ کی زندگی میں اس پر ذرا بھی عمل نہیں کرتے۔ آج اس
حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری نسلوں نے
چکاچوند کرنے والی سجاوٹ کے مالک اسمگلروں، ڈاکوؤں
اور چور بازاری کرنے والوں کو ہیرو بنا دیا ہے۔ اور وہ ان کی
عیش و آرام کرنے والی زندگی سے متاثر ہوکر ان کے بُرے
کاموں سے نفرت نہیں کرتے بلکہ خود بھی ان جیسا بننے کی
کوشش کرتے ہیں۔

ہم برسوں سے کہتے آ رہے ہیں کہ ستیہ میو جیتے (سچائی
کی ہمیشہ فتح ہوتی ہے)، لیکن ہر سال ہم دسہرے
کے موقع پر بدی کے پتلوں کو جلاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی
ہماری عملی زندگی سے بدی دور نہیں ہوتی۔ آج ہمارے سماج میں
سادگی کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ یوگی پر بھوگی چھا رہا ہے۔
ہم برائیوں کو دیکھتے ہوئے بھی اُسے بُرا نہیں کہتے۔ بچے کو سکھایا
جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے۔ لیکن وہی بچہ بڑا ہوکر جب دیکھتا ہے
کہ ہر جگہ برائی کا بول بالا ہے تو خود بھی اسی راستہ پر چل پڑتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ آج سماج میں ہر جگہ نقلی چہرے لگائے جا رہے
ہیں۔ اوپر سے کچھ اور اندر سے کچھ اور۔

آج یہ بہت ضروری ہوگیا ہے کہ ہم راون کے پتلے
جلاتے ہوئے، رام کی جے جے کرتے ہوئے یہ سوچیں کہ ہم اپنے سماج
میں، اپنے آس پاس کے راونوں کو کس طرح سے مار گرانا ہے۔
یہ راون طاقتور ہیں، برسرِ اقتدار بھی ہوتے ہیں۔ ملک کی
اقتصادیات پر ان کا قبضہ ہوتا ہے اس لئے ان کو گرانے کیلئے
پوری لگن اور حوصلے کی ضرورت پڑے گی۔

جن خطوط، مراسلات، مضامین یا سوالات میں بھیجنے والے کا
پورا نام و پتہ درج نہ ہو ادارہ انھیں شائع کرنے سے
قاصر ہے۔

شیخ رحمٰن اکولوی

سلام

نہ جانے کیا موہنی ہے اس پیار حرفی لفظ میں کہ دشمن بھی سُن لے تو کچھ دیر کیلئے ہی سہی نرم ضرور پڑ جاتا ہے.
سلام کی اہمیت ہر قوم ہر ملت میں یکساں ہے. یہ اور بات ہے کہ مختلف فرقوں میں سلام کی ادائیگی کیلئے مختلف حرکات والفاظ مستعمل ہیں۔

انسان فطرتاً عزت کرنے والے کا قائل رہا ہے. اس لئے سلام کی روایت ہر دور میں رہی ہے. فرق صرف اتنا ہے کہ زمانہ قدیم میں سلام برائے سلام استعمال اور ادا کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن آج ملاوٹ اور تصنع کے چلن سے متاثر ہو کر سلام، سلام نہ رہا۔ کاروباری، رسمی، مصلحتی اور خوشامدی ہو گیا ہے.

سیاست میں شر پسند عناصر کی اہمیت اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ سلام ایک پیمانہ ہے جس سے کسی شخص کی سماجی پوزیشن ناپی جاتی ہے. اور بڑے بڑے لیڈر اسی لئے سلام کرتے رہتے ہیں کہ ان کی لیڈری چلتی رہے اور انھیں سلام وصول ہوتے رہیں ۔

مشاعرے میں شاعر کو جب کسی شعر پر داد ملتی ہے وہ سامعین کو سلام کرتا ہے. اسے دوبارہ داد ملتی ہے. شاعر پھر سلام کرتا ہے ۔ اور سامعین واہ واہ بہت خوب جیتے رہو کہتے جاتے ہیں. اور یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا ہے. اگر آپ اس داد و سلام کے سلسلے کا بغور جائزہ لیں تو آپ محسوس کریں گے کہ لوگ شاعر کو اس کے کلام پر کم، سلام پر زیادہ داد دیتے ہیں.

انسان کی سلام پسندی کو مدنظر رکھتے ہوئے مداری اور سرکس والے اپنے جانوروں کو سلام کرنے کی ٹریننگ دیتے ہیں تاکہ تماشبین خوش ہوں اور تماشہ کامیاب ہو جائے ۔ ملازم جو صبح و شام اپنے مالک کو سلام کرے (بھلے ہی کام نہ کرے) اچھا ملازم ۔ اور لیڈر جو ہاتھ جوڑ کر پرنام کرے (پس پردہ لوگوں کے گلے کاٹے) اچھا نیتا ہے.
کلرک کے پرموشن کا سوال ہو یا کم لیڈر کی لیڈری کا مسئلہ۔ سلام کی بڑی اہمیت ہے. یہی وجہ ہے کہ کلرک اپنے باس کو اور لیڈر اپنے دو ٹرس کو سلام کرنا نہیں بھولتا. (اگر بھول جائے تو بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے)

ہمارا مشاہدہ ہے کہ سلام کر کے تقریر کا آغاز کرنیوالا مقرر علمی میدان میں نہ سہی اسٹیج پر ضرور کامیاب ہو جاتا ہے. وہ سلام کر کے سامعین کے ذہنوں کو اخلاقی طور پر اپنی گرفت میں لے لیتا ہے. ان کی ہمدردی حاصل کر لیتا ہے. اور سامعین بیچارے خاموشی سے تقریر سننے پر مجبور ہو جاتے ہیں.

ساس سسر چاہتے ہیں کہ داماد (تاحیات) عید بقرعید دیوالی جیسے ہر اہم تہوار پر انھیں سلام کرنے آئے۔ اگر وہ کسی معقول وجہ کی بنیاد پر انھیں سلام کرنے نہ پہنچ سکے تو وہ اسے نامعقول قرار دے دیتے ہیں۔ اور ان کی ناراضگی اس کی ازدواجی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے.

سلام پسندی کی انتہا اس وقت ہوتی ہے
جب کسی لیڈر کی لاش کو بندوقوں، توپوں اور جھنڈوں
کی سلامی دی جاتی ہے۔

سلام مختلف حالتوں میں مختلف تاثر دیتا ہے۔ اگر آپ کو
آپ کی بیوی سلام کرے تو سمجھ لیجئے کہ چوری پکڑی گئی۔ قرض خواہ
سلام کرے تو سمجھئے کہ قرض کی ادائیگی کی مدت ختم ہوگئی۔ الیکشن
کے زمانہ میں امیدوار آپ کو سلام کرتا ہے تو اس کے انداز کہتے ہیں
"امید ہے سابقہ روایات کے مطابق آپ ایک بار پھر اپنی بیوقوفی
کا مظاہرہ کریں گے اور میرے وعدوں پر اعتبار کر کے اپنا قیمتی
ووٹ مجھے دیں گے۔"

لیکن الیکشن میں کامیاب ہونے کے بعد وہ دونوں ہاتھ
جوڑ کر سلام کرے گا تو اس کے انداز کہیں گے: "آپ نے مجھے
ووٹ دے کر اپنی روایت پسندی قائم رکھی ہے مجھ پر احسان
نہیں کیا ہے۔ کسی کام میں میری ضرورت پڑے تو مجھے معاف کریں۔
مجھے اپنی طرح بیوقوف نہ سمجھیں۔"

اگر آپ سلام کی اہمیت، ضرورت اور تاثیر عملی طور پر
دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتے ہوں تو مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں۔

★ محلّہ کے دادا کو سلام مت کیجئے
★ وارڈ کے ممبر کو سلام مت کیجئے
★ اپنے باس کو سلام مت کیجئے

سلام کرنا بھی ایک آرٹ ہے۔ آپ کا لب و لہجہ، ہاتھ کی
حرکت اور چہرے کے تاثرات میں یکسوئی لازمی ہے۔ اگر ان میں
مطابقت نہ ہوئی تو آپ کا سلام مشکوک ہو جاتا ہے۔
اور آپ کی سلامتی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ جنرل سروے کے
دوران اندازہ ہوا کہ اسّی فیصد لوگ اشارتی سلام ادا کرتے ہیں۔
یعنی وہ آداب عرض یا نمستے وغیرہ الفاظ کی ادائیگی کے بجائے زبان
نہیں ہلاتے۔ ہاتھ کے اشارے یا سر کی جنبش سے سلام ادا کرتے ہیں۔

سلاموں میں فرشی سلام کو نسبتاً زیادہ اہمیت حاصل
رہی ہے۔ کیونکہ بادشاہوں اور نوابوں میں سلام پسندی
(یا خود پرستی) کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ فرشی سلام کو ذریعہ
بنا کر رقاصوں، گویوں، شاعروں اور لطیفہ گو حضرات نے
بادشاہوں اور نوابوں کی خوشنودی حاصل کی۔ اور وہ اعزاز و
اکرام حاصل کئے کہ نہ صرف مورخ بلکہ تاریخ بھی دہائی ہوگئی۔

سلام کے اثرات تاریخ پر براہ راست پڑے ہیں۔ مثلاً
پورس سکندر کو سلام کر کے اس کی تعظیم بجا لاتا تو ان کے
درمیان جنگ نہ چھڑتی اور لاکھوں انسانوں اور جانوروں کا
خون نہ بہتا۔ لیکن افسوس کہ پورس نادان، سلام کی اہمیت
و تاثیر سے ناواقف تھا۔ اس بات سے ہمیں انکار نہیں کہ
اس جنگ کی بدولت اسے بہت زیادہ پبلسٹی ملی۔ کیونکہ
اس جنگ کے تذکرے کے علاوہ پورس کا ذکر تاریخ کی
نصابی کتابوں میں شاذونادر ہی دیکھنے میں آیا ہے۔

آپ اپنے اردگرد ماحول کا بغور جائزہ لیں تو آپ کو
بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلام کی اہمیت سمجھنے والوں ہی
نے دنیا کو سمجھا ہے، ترقی کی ہے۔ اور جنھیں سلام کرنا
نہ آیا انھیں کچھ نہ آیا۔ وہ پچھڑے رہ گئے۔

غرض یہ کہ ایک دیوانہ شخص ہی سلام کی اہمیت و
تاثیر سے انکار کر سکتا ہے۔

گذارش

نقشِ کوکن کی ترویج و اشاعت کے لئے
اپنی گراں قدر رائے سے ہمیں نوازیئے۔ اس کی
خامیوں سے ہمیں آگاہ کیجئے۔ یہ آپ کا پرچہ ہے۔ قوم کا
کوکن ہے۔ اسے خوب سے خوب تر بنانے میں ہم آپ سے
تعاون کے خواستگار ہیں۔ (ادارہ)

اسوۂ حسین رضی اللہ عنہ

از: عبد السلام فلاحی
گھاٹیوالا

کتنے دل ہیں جنھوں نے شہادتِ حسین رضؓ کو اس کے حقیقی بصائر و معارف کے انداز سے دیکھا ہے اور کتنی آنکھیں ہیں جو حسین ابن علیؓ شہید پر گریہ و بکا کرتی ہوئی اس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتی ہیں جو اس حادثۂ عظمیٰ کے اندر موجود ہے۔ فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی، صرف اس لئے ہوئی تاکہ پیروانِ اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہادِ حق و عدالت اور اس ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کردے۔

ضرورت ہے کہ تفصیل کے ساتھ اس حادثہ ہائے شہادت پر نظر ڈالی جائے۔ سب سے پہلے اس کی تاریخی حیثیت نمایاں کرکے ان کے تمام مواعظ و نتائجِ عظیمہ کو ایک ایک کرکے بیان کیا جائے جو اس ذبیحِ عظیم کے اندر پوشیدہ ہیں اور جن کی لسانی حیات آج بھی اسی طرح صدا دے رہی ہے جس طرح کنارِ فرات کی ریتیلی سرزمین پر ایسے تیرہ سو برس پہلے زخم و خون کے اندر وعظ فرمائے حقیقت و صداقت تھی!

دنیا میں ہر چیز فانی ہے مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں، کبھی فنا نہیں!

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

لیکن افسوس ہے کہ شرح و بسط کے لئے وقت نہیں، اس لئے یہاں صرف چند مجمل اشارات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

۱۔ سب سے پہلا نمونہ جو حادثۂ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے دعوت الی الحق اور حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔ بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو کبھی اسلامی نہیں ہو سکتی۔ انھوں نے اسلام کی روحِ حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورۂ اجماعِ امت کی جگہ محض غلبۂ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام شریعتِ الٰہیہ نہ تھا، بلکہ محض اغراضِ نفسانیہ و مقاصدِ سیاسیہ۔ ایسی حالت میں ضروری تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک ایسی مثال قائم کی جاتی، اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

۲۔ مقابلہ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمھارے پاس مادی قوت و شوکت کا وہ تمام سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے۔ کیونکہ حسینؓ بن علیؓ کے ساتھ چند ضعفاء و مساکین کی جمعیتِ قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کی فکر سے بے پرواہ ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمھارا کام نہیں یہ اس قوتِ قاہرہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدانِ انصار کے کامیاب کرتی ہے۔ کم من

فئة قليلة غلبت فئة كثيرة
باذن الله۔

۳۔ بہر حال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ لیکن حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو۔ اگر ظالم و جابر حکومت کا وجود ہے تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور ایسے ہونا بھی چاہئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہو سکتا۔ اور ظلم کا صاحبِ شوکت و عظمت ہونا اس کے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت ہی کرنی چاہئے۔ کیونکہ وہ ظالم ہے اور حق و صداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

۴۔ سب سے بڑا اسوۂ حسنہ اس حادثۂ عظیمہ کی لسانِ حال اس کی ترجمانی کرتی ہے، راہِ مصائب، اور جہادِ حق میں صبر و استقامت اور عزم ثبات ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا......

فی الحقیقت اس شہادتِ عظیمہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے تمام عزیز و اقارب، اہل و عیال اور فرزند و اصحاب کے ساتھ دشتِ غربت و مصائب میں محصورِ اعداء ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدتِ عطش و جوع میں آہ و فغاں کراتے ہوئے دیکھنا، پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلودہ لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا، حتیٰ کہ اپنے طفلِ شیر خوار کو بھی تیرِ ظلم و بربریت سے نہ بچا پانا۔ مگر با ایں ہمہ راہِ عشق و صداقت میں جو پیمانِ صبر و صداقت باندھا تھا اس کا ایک لمحہ بلکہ ایک عشرِ دقیقہ کے لئے بھی متزلزل نہ ہونا۔ اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئیں سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا کہ

رضینا بقضاء اللہ وصبرنا علیٰ بلائہ

پیکانِ ترا بجاں خریدار
من و ہم دیگراں نخواہم

دوست کے ہاتھ سے جامِ زہر بھی ملتا ہے تو تشنہ کامانِ ذلالِ محبت اسے غیروں کے جامِ شہد و شکر پر ترجیح دیتے ہیں:

اے جفا ہائے تو خوشتر ز وفائے دگراں!

آج بھی اگر گوشِ حقیقت نیوش باز ہو تو خاکِ کربلا کا ایک ایک ذرہ توصیہ فرمائے صبر و استقامت ہے۔

شدیم خاک ولیکن بوئے تربت
تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

ناقابلِ اشاعت

ماہ نامہ نقشِ کوکن کے تمام قلمکاروں کو معلوم ہو کہ وہ مضمون یا مراسلہ جس میں کسی مذہب کے عقیدے یا مسلک پہ اعتراض ہوگا شریکِ اشاعت نہیں کیا جائے گا۔ (ایڈیٹر)

جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ایم۔ اے۔ پرکار (باغی)
جرمنی

دستاویزی جھلکیاں

شعرائے کوکن کے متعلق، ہم نے نقشِ کوکن کے ماہ جون کے شمارے میں پہلی قسط پیش کی تھی۔ لیکن اس کے بعد کے شماروں میں اسی مستقل عنوان کے تحت دوسرے موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ لیکن گذشتہ ستمبر کے شمارے میں اس بات کی یقین دہانی کی تھی کہ انشاء اللہ آئندہ شمارے میں اس سلسلہ کی کڑی یعنی دوسری قسط شائع کی جائے گی۔ چنانچہ اسی کے پیشِ نظر اس کڑی کو جوڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

بزرگ شعرائے کوکن کے متعلق ہم نے پہلے یہ سوچا تھا کہ ہر شاعر کی تفصیلی معلومات نہ دیتے ہوئے اختصار کے ساتھ اس کی شاعری کے محرکات، اس کا وطن، راقم الحروف سے اس کے تعلقات، اس کی فنی خدمات، اس کے ساتھ ساتھ نمونتہً اس کے کم از کم دو اشعار پیش کئے جائیں۔ لیکن جہاں تک اشعار کا تعلق ہے ہم نے اسے اپنے دل و دماغ سے مطلق نکال دیا ہے کیونکہ یہ ذرا دقت طلب معاملہ ہے۔ یوں تو جو صاحبانِ دیوان شعراء ہیں ان کے دیوان ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ان میں سے دو اشعار ہم اپنے عقل و شعور کے حساب سے منتخب کر کے اس تذکرے میں درج کر سکتے تھے۔ لیکن اس میں بھی ہمیں خطرہ محسوس ہوا کہ ہمارے منتخب کردہ اشعار اس شاعر کے اعلیٰ اشعار کے بجائے ادنیٰ اشعار نکلے تو بڑی مشکل ہوگی۔ کیونکہ شاعر کی ہر غزل میں ایک دو اشعار بھرتی کے نہیں تو کم از کم خانہ پری یا زیبِ داستان کے لئے ضرور ہوتے ہیں۔ ہر غزل مرصع تو نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ہماری یہ دیانتدارانہ کوشش بھی طبعِ نازک پر بار گزرتی۔ کیونکہ ہم ہر شاعر کی نازک مزاجی اور حساس طبیعت سے بخوبی واقف ہیں۔ ہو سکتا ہے تقاضائے بشری کے تحت وہ ہمیں موردِ الزام ٹھہراتا کہ ہماری یہ حرکت شرارت پر مبنی ہے — جو شعراء صاحبِ دیوان نہیں ہیں اور ان کا کلام ہمارے پاس محفوظ نہیں ہے، ان کے دو شعروں کا اس تذکرے کے لئے مطالبہ کرنا اور انہیں حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کیونکہ ان میں سے نہ تو سب کے پتے ہمارے پاس ہیں اور نہ ہی وہ ہماری سطحِ دماغ پہ نقش ہیں۔ اس صورت میں بعض شعراء کے اشعار اس مضمون کی زینت بنتے اور بعض اس سے محروم ہو جاتے۔ یہ صورتحال ہمیں بھی گراں گزرتی اور انہیں بھی ناگوارِ خاطر ہو جاتی۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی ہماری پہلی قسط میں ایک غلطی ہم سے سرزد ہو چکی ہے۔ اس قسط میں ہم نے اپنے بزرگ شعراء کی جو فہرست شائع کی تھی اس میں مرحوم لطفی رضوانی، عزیزی شاکر پانکوی کے نام شائع ہونے سے کیونکر رہ گئے — اس کی ہمیں حیرت بھی ہے افسوس بھی۔ حالانکہ ہماری ذہنی فہرست میں یہ دو نام ضرور شامل تھے۔ کیونکہ لطفی صاحب ہمارے دیرینہ دوست تھے اور شاکر صاحب ہمارے عزیز ہیں۔ اس لئے یہ نام ہمارے حلقۂ ذہن سے نکل ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر ہونی کو

کون روک سکتا ہے۔ بندر کی بلا طویلے کے سر کے مصداق ہم کاتب صاحب کو اس سلسلے میں موردِ الزام نہیں ٹھیراتے۔ بلکہ اس کے مجرم ہم اپنے آپ کو ہی گردانتے ہیں۔

ہماری یہ کوشش ایک طرح سے دستاویزی جھلکی ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی ہی میں اپنے ہم عصر کوکنی شعراء کا تذکرہ مختصر ہی کیوں نہ ہو احاطۂ تحریر میں لاکر نقشِ کوکن کے صفحاتِ قرطاس پر پیش نہ کرتے تو ہمارے ہم عصر شعرائے کرام پر بڑا ہی ظلم ہوتا۔ ان کی زندگی میں تو ان کا کلام شائع ہوتا اور ان کے نام پر سہیل تذکرہ آجاتے لیکن ان کی موت کے بعد فراموش کئے جاتے جیسا کہ دنیا کا دستور ہے، جس کے لئے آئندہ کی نسلیں ہمیں کوستی رہتیں۔ ایک طرح سے ہم اسے اپنا فرض قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ فی الحال جو بزرگ شعراء (کوکنی) بقید حیات ہیں ان سب سے ہمارے مراسم ہیں۔ تعلقات ہیں۔ ان کی صحبتوں کا ان کے ساتھ مشاعروں میں شرکت کا ہمیں شرف حاصل ہے۔ جو اب ہم میں نہیں ہیں بفضلِ تعالیٰ ان سے بھی ہمارے تعلقات استوار تھے۔ چنانچہ اس فرض کو اس طرف کو ہم برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ وقت کے اس تقاضے کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ہم اس کوشش میں پورے نہ اتریں جس کا شکوہ ہمارے بزرگ شعراء کو بھی ہو سکتا ہے۔ اور ہم بھی اپنی اس کمزوری کا ببانگ دہل پیشگی اعلان کرتے ہیں ؏

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہمارے بزرگ شعراء سے نئی نسل کو روشناس کرانے کی یہ ادنیٰ کوشش ہے اور ایک طرح سے اپنے اخلاقی فرض کے ادائیگی کی تکمیل بھی۔ یہ کام ہم عصر شعراء میں سے کسی کو پورا کرنا چاہئے تھا لیکن بدقسمتی سے ابھی تک کسی نے دھیان نہیں دیا۔ لہٰذا اس اہم فرض کی تکمیل کی جسارت ہم کر رہے ہیں۔ ورنہ ہم نے سنا ہے کہ کوئی صاحب یا ادارہ اس ضمن میں ایک کتاب مرتب کر رہا ہے۔ یہ سنی سنائی بات ہے۔ تاہنوز ہم تک نہیں پہونچی ہے۔ اگر یہ درست ہے تو بہت ہی مستحسن اقدام ہے۔ ہماری دلی دعا ہے ؏

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

محرکاتِ شعر و سخن

پہلی قسط میں ہم نے تفصیل سے تحریر کیا تھا کہ کن کن ذرائع، لوازمات، محاسن اور واقفیتِ اصناف و معلومات کا ہونا ضروری ہے۔ ہم اس کا دوبارہ اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی بعض محرکات ایسے ہیں جن سے ایک شاعر کو ابھرنے، نکھرنے اور شعر و سخن کی نشوونما میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہماری ناقص عقل اور ذاتی تجربے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اس کا اطلاق شعرائے کوکن پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے تذکرے سے قبل ان محرکات کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس نے ہمارے شعرائے کرام کو ایک اچھا خاصا شاعر اور شعر و سخن کا ماہر بنا دیا۔

ایک شاعر کا علم و دانش کے علاوہ شعر و سخن کا فطری ذوق و شوق، زبان و بیان پر قابو، نامور اساتذہ کی سرپرستی، وسیع مطالعہ، سخنوروں کی رفاقت و صحبت، آل انڈیا قسم کے مشاعروں میں بحیثیت سامع شرکت، مناسب ماحول اور خداداد مواقع۔

ہمارا ایمان ہے یہ ہیں وہ محرکات جو ہمارے شعرائے کوکن کو ان کے ابتدائی اور ابتلائی دور میں میسر نہ آتے تو آج نہ ان کی ناموری ہوتی اور نہ ہی ہمیں اس مضمون کے ذریعے ان کا ذکر چھیڑ کرنے کا موقع نصیب ہوتا۔ چنانچہ آپ محسوس کریں گے کہ اس زیر نظر تذکرے میں ہر شاعر کی شعری نشوونما میں مندرجہ بالا محرکات میں سے کسی نہ کسی طرح کا عمل دخل رہا ہے۔

عروس البلاد بمبئی میں

آل انڈیا مشاعرے

مندرجہ بالا محرکات میں سب سے پہلے ہم آل انڈیا مشاعروں کا ذکر کریں گے۔ جن کے اثرات ہمارے شعراء پر بڑی حد تک اثر پذیر ہوئے۔ انھیں نامور اساتذۂ سخن کو بذات خود دیکھنے اور سننے کے مواقع نصیب ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۰ء سے آزادئ وطن کے قبل کے فرقہ وارانہ فسادات یعنی سنہ ۱۹۴۶ء تک شہر بمبئی بلا شبہ شعر و سخن کا مرکز رہا۔ اس دوران یہاں پر عظیم الشان اور فقید المثال مشاعرے منعقد ہوئے۔ جن میں قدیم ہندوستان (بشمول پاکستان) کے اس وقت کے سارے اساتذہ اور نامور شعرائے کرام نے شرکت فرمائی ہے۔ اس کا سہرا میمن برادری کے سر ہے۔ اگر ان مشاعروں کو ان کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی تو ایسے شاندار مشاعرے منعقد ہی نہ ہو سکتے تھے۔

اس زمانے میں یہاں پر دو بزمیں بنام بزم اقبال اور بزم یگانی بالکل حریفانہ انداز میں ایک دوسرے کے مقابل سرگرم عمل تھیں۔ ان کے اپنے پندرہ روزہ اور ماہانہ مشاعرے ہوتے ہی رہتے تھے۔ لیکن ان کی جانب سے سال میں ایک مرتبہ ایک اعلیٰ پیمانہ پر شاندار مشاعرہ ایک دوسرے کو زک دینے کے لئے منعقد کیا جاتا تھا۔ ایسے آل انڈیا مشاعرے کاؤس جی جہانگیر ہال اور ماؤنڈ ہال میں منعقد ہوا کرتے تھے۔ جن میں ممتاز اساتذہ فانی بدایونی، اصغر گونڈوی، نوح ناروی، جوش ملیح آبادی، سیماب اکبرآبادی، احسن مارہروی، آرزو لکھنوی، حسرت موہانی جیسے مشہور آفاق اساتذۂ شعر و سخن کو بطور خاص بلایا جاتا تھا۔ یہ اساتذہ اپنے ساتھ اپنے نامور شاگردوں کو لاتے تھے۔ کیونکہ ان اساتذہ میں بھی زبردست حریفانہ تھی۔ جو داغ دہلوی کے شاگرد ان اساتذہ میں تھے وہ اپنے آپ کو داغ کا جانشین ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ چنانچہ نوح ناروی اپنے شاگرد بسمل اکبرآبادی، سیماب، ساغر نظامی، احسن، آرزو احسنی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی جیسے اپنے مشہور نامور شاگردوں کو ساتھ میں لاتے تھے۔ اس زمانہ میں ان نوجوان شعراء کا طوطی بولتا تھا۔ ہر ایک اپنے خاص انداز اور ترنم آمیز سے مشاعرے پر چھا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ ماہر القادری، حفیظ جالندھری، احسان دانش، جوش ملسیانی، کیفی دہلوی، گلزار دہلوی، ایک کانپور کے نوجوان شاعر غالب ضیا کانپوری تھے (فنا کانپوری نہیں جو بمبئی پیدا ہیں) ان کا طرحی غزل کا ایک شعر آج بھی ہمارے دل و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ شعر ہے

واعظ کی زباں کوثر و تسنیم کی باتیں
جیسے کہ میرے ہاتھ میں پیمانہ نہیں ہے

اسی طرح ہندوستان کے سارے مشہور و معروف شعرائے کرام کو اپنے اپنے مشاعروں میں لانے کا اہتمام کرکے ہر دو بزمیں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتی تھیں۔ یہ سلسلے مشاعرے طرحی ہوا کرتے تھے۔ اور دو دن الگ مصرعے دیئے جاتے تھے۔ جن پر طبع آزمائی ہوتی تھی۔ آپس میں خوب چوٹیں ہوتی تھیں۔ ان مشاعروں کے انعقاد پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ بلا ٹکٹ شرکت دعوتی کارڈ کے ذریعہ ہوتی تھی۔ مندرجہ بالا بزموں کو جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے میمن برادری کے دو متمول خاندانوں کی سرپرستی حاصل تھی۔ ایک بزم کے روح رواں مشہور آگبوٹ والا (بیگ محمد) خاندان کے چشم و چراغ ابوبکر صاحب تھے جن کا تخلص مسرور تھا۔ آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ بڑے خوبرو و خوش لباس نوجوان تھے۔ دوسری بزم کو سر سلیمان میٹھا خاندان کی پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ ہر دو خاندان آپس میں قرابت دار تھے۔ لیکن قرابت کے ساتھ

رقابت بھی شدید تھی۔ جو شہر بمبئی میں اردو شاعری کی ثقافت
کے کام آئی۔ ایک بزم کے سیکریٹری چشتی میرٹھی تھے، دوسری
بزم کے سیکریٹری کا نام سردست میرے ذہن سے نکل گیا ہے۔
بہر حال ہر دو صاحبان نے مذکورہ دونوں میمن خاندانوں سے
اردو زبان کے فروغ اور شعر و سخن کے بقا اور ارتقاء کے لیے
کما حقہ تعاون حاصل کیا۔ ان مشاعروں میں شرکت کے لیے
باذوق حضرات دعوت نامے حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ
استعمال کرتے تھے اور جوق در جوق شرکت کر کے استفادہ
اور اپنی تشنگی ذوق کو دور کرتے تھے۔ تین تین روز تک یہ
مشاعرے جاری رہتے تھے۔ ان دنوں بڑی ہما ہمی ہوتی تھی۔
شہر بمبئی کی فضا شعر و سخن سے معمور و مخمور ہو جایا کرتی تھی۔
ہر سمت اور ہر گوشہ میں شاعرانِ خوش بیان اور ان کی
قادر الکلامی و بلاغت نظامی کے چرچے ہوتے تھے۔ جیسا کہ
آج کل فلمی تماش بینوں میں فلمی ستاروں کے چرچے
ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں سخن فہموں کی اور موزوں و مناسب
موقعوں پر داد دینے والوں کی کمی محسوس ہوتی تھی۔ اس لئے
شعرائے کرام کے ساتھ سخن فہم سامعین کی بھی قدر ہوتی تھی۔
ان کے مشاعرے کامیاب کرنے کے لئے باذوق سامعین کو
گھیرا جاتا تھا۔ اس دور میں شہر بمبئی میں اردو زبان کا واحد
مرکز انجمن اسلام ہائی اسکول تھا۔ ایک ہی اردو ہائی اسکول
ہونے کی وجہ سے مسلمان طلبہ کے علاوہ شمالی ہند کے اردو زبان
کے ہندو اور سکھ طلبہ بھی اسی اسکول میں تعلیم حاصل کرتے
تھے۔ اس کے باوجود ان دنوں اس ہائی اسکول میں طلبہ کی تعداد
کبھی پانچسو سے تجاوز نہ کر سکی۔ ان طلبہ میں جو باذوق طلبہ تھے
اور جنھیں نکہت شاہجہانپوری کی رہنمائی حاصل تھی کیونکہ
انجمن اسلام کے اردو فارسی کے استاد ہونے کے علاوہ آپ
ایک بلند پایہ اردو فارسی کے شاعر بھی تھے۔ ایسے باذوق
طلبہ کی ان مشاعروں میں بڑی مانگ تھی۔ شعرائے کرام کو دعوتوں
اور خاص خاص نشستوں میں انھیں بھی شریک کیا جاتا تھا۔
انھیں میں راقم الحروف کا شمار ہوتا تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے
کہ اردو زبان کے جلیل القدر اساتذہ سے نیاز حاصل ہو سکے
اپنی کم سنی کے باوجود ان سے سلام و کلام اور تعلقات استوار
کرنے کے مواقع فراہم ہو سکے۔ ان سے بذاتِ خود بالخصوص
اور خطۂ کوکن کے شعرائے کرام سے بالعموم استفادہ حاصل ہوا ہے۔
جس کا ذکر آئندہ بہ سبیل تذکرہ کیا جائے گا۔

بزم خیال اور بزم بیتابی کے علاوہ اسمٰعیل یوسف کالج
جوگیشوری میں ایک سالانہ مشاعرہ جشن شعر و سخن کے نام سے
ہوا کرتا تھا۔ چونکہ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے ماہرین تعلیم
ڈاکٹر بذل الرحمن صاحب، پروفیسر نجیب اشرف ندوی،
پروفیسر نقوی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں ان کی سربراہی میں
اس کے انعقاد کے انتظامات بھی اعلیٰ پیمانے پر کئے جاتے تھے
اور انجمن اسلام ہائی اسکول کے ہم جیسے دادرسان کے لئے
پوری بندر تا جوگیشوری کے ٹرین کے واپسی ٹکٹ کا اہتمام،
شعرائے کرام کے ساتھ رات کا طعام اور صبح کے ناشتے کا
انتظام ہوتا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں رات کے بارہ بجے ٹرینیں
بند ہو جاتی تھیں اور صبح تک مشاعرے ہوتے تھے۔
اسی لئے مہمانوں کے ناشتہ کا اہتمام بھی لازمی سمجھا جاتا
تھا۔ کامیاب ترین شاعر کو ان مشاعروں میں طلائی تمغہ دیا جاتا
تھا۔ چنانچہ میرے استاد مرحوم نکہت شاہجہانپوری نے
مسلسل دوبارہ یہ گولڈ میڈل حاصل کئے۔ یہاں اس کا ذکر کرنا
غیر ضروری نہ ہوگا۔

جب ہر دو میمن خاندان تعلیمی سرگرمیوں کی طرف
مائل ہوئے اور ان کی سرپرستی میں بیگ محمد ہائی اسکول،
احمد سیلر ہائی اسکول کا اجراء اور انجمن خیر الاسلام کا قیام
ظہور میں آیا تو لامحالہ ہر دو بزم کی جانب ان خاندانوں کی توجہات
کم ہو گئیں۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ہر دو

بزم کی سرگرمیاں بھی سرد پڑ گئیں۔ تو پنجاب ایسوسی ایشن جیسے سماجی ادارے نے اس میدان میں قدم رکھا، اور اپنی مالی امداد کے لئے یومِ اقبال، یومِ غالب وغیرہ مشاعرے منعقد کر کے اپنے ساتھ ساتھ اردو ادب کی بھی خدمت کی ہے۔ اس وقت سے ٹکٹ فروخت کر کے آمدنی حاصل کرنے کا کاروباری رواج پڑ گیا۔ انھیں مشاعروں میں ساحر لدھیانوی، شکیل بدایونی، مجروح سلطان پوری، مظفر شاہجہاں پوری اور نذر کانپوری جیسے خوش گلو اور خوش بیان نوجوان شعراء سے بمبئی کے عوام روشناس ہوئے اور ساتھ ہی ان کی اپنی فلمی زندگی (گیتوں) کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد انجمن ترقی اردو بمبئی نے بھی اسی سطح پر انجمن کی مالی امداد کے لئے چند آل انڈیا مشاعرے منعقد کئے۔ انھیں تمام مشاعروں کی وجہ سے شہر بمبئی اور اس کے اطراف و اکناف اور خاص کر خطۂ کوکن میں اچھا خاصا شعر و سخن کا ادبی ماحول سازگار ہوا۔

تعلیمی و ادبی رسالوں کا اثر

انگریزی دورِ حکومت میں سررشتۂ تعلیم کے توسط سے ملک کے تمام اردو مدارس میں رہنمائے تعلیم نامی رسالہ بھیجا جاتا تھا۔ یہ رسالہ لاہور سے نوح ناروی کی سرپرستی و ماسٹر جگت سنگھ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس رسالہ میں تعلیمی معلومات اور ہدایات کے علاوہ ادبی شعبہ بھی ہوتا تھا۔ چونکہ یہ ماہنامہ ہر اردو اسکول میں جاتا تھا، اس لئے ظاہر ہے کہ ہر اسکول کے مدرسین اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ دیہات اور قصبات میں ایسے رسالے کا وجود غنیمت تھا۔ اس کے مطالعہ سے مدرسین کا ادبی ذوق بتدریج بڑھنے لگا۔ چنانچہ قارئین کرام کو ہمارے شعراء کی فہرست سے پتہ چلے گا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر شعراء تعلیمی اداروں سے وابستہ تھے۔ ماہنامہ رہنمائے تعلیم کے مطالعہ نے ان کی تشنگیٔ ذوق اور بڑھادی۔ اور اپنے ذوق کی پذیرائی کے لئے ان کی توجہات خالص ادبی رسالوں کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ جن میں ماہنامہ شاعر آگرہ جو سیماب اکبرآبادی کی ادارت میں نکلتا تھا، ماہنامہ نگار لکھنؤ کے نیاز فتحپوری روحِ رواں تھے، ماہنامہ ساقی دہلی جس کے مدیر شاہد احمد دہلوی تھے۔ اور اب بھی یہ رسالہ پاکستان سے جاری و ساری ہے۔ ماہنامہ ہمایوں و عالمگیر یہ دونوں رسالے لاہور سے نکلتے تھے۔ بلاشبہ ان رسالوں کے مطالعہ سے ہمارے شعراء کی شعر و سخن کے سلسلہ میں اچھی خاصی آبیاری و نشو و نما ہوئی اور انھیں ایک شاعر کی حیثیت سے آسمانِ سخن پر نمودار ہونے میں کافی سے زیادہ مدد ملی۔

ہمیں اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ تذکرۃ شعراء سے قبل ہم نے محرکات اور اُن کے پس منظر کا اظہار کرنے کے لئے کافی طوالت سے کام لیا ہے۔ لیکن اس کے بغیر چارہ ہی نہیں کیونکہ بقولِ غالب ؎

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

کیونکہ ان کا تعلق لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب تک اس پس منظر کو قارئین کرام کے پیشِ نظر نہ رکھا جائے انھیں شاعر کو سمجھنے میں دقت محسوس ہو گی۔ وہ شاعر کی اہمیت، اس کا صحیح مقام سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔ جیسا کہ پہلے ہی ہم نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ہر شاعر کا تذکرہ نہایت مختصر طور پر کرنے والے ہیں۔ کیونکہ تنگیٔ داماں کا خیال ہمارے دل و دماغ پر غالب ہے۔ اگر تفصیلات میں جائیں گے تو ہر شاعر کے لئے ایک شمارہ وقف کرنا ہوگا، اور یہ سلسلہ مہینوں نہیں برسوں میں بھی ختم نہیں ہوگا۔ اس لئے یہی محرکات و پس منظر اس کے تذکرے پہلو بہ پہلو آمادہ رہے گا۔ تاکہ مذکورہ سلسلہ طوالت نہ اختیار کر سکے۔ (باقی آئندہ)

مراسلہ نگار
ہر کالم کے لئے علیحدہ کاغذ استعمال کریں۔ ایک ہی کاغذ پر مراسلہ، خط، سوالات، رپورٹ وغیرہ لکھنے کی صورت میں اشاعت کسی ایک کے حصہ میں آتی ہے

چائلڈ کیئر نرسری رتناگری

پرویز باغی

CHILD CARE NURSERY Ratnagiri

رتناگری کے مشہور بزرگ سید حسام الدین قادریؒ کی درگاہ کے قریب سے گزرتے ہوئے میری نگاہ اس کے عقب میں "چائلڈ کیئر نرسری" کے بورڈ پر پڑی۔ میں رتناگری میں موجود دیگر نرسریوں سے واقف تھا۔ مگر اس نرسری کے بارے میں نہ کسی سے سُنا تھا اور نہ کہیں پڑھا تھا۔ اس کے بعد اس تعلق سے نقش کوکن میں ایک چھوٹا سا اشتہار نظر سے گزرا تو پتہ چلا کہ اس نرسری کو محترمہ سعیدہ نائیک چلا رہی ہیں۔ جو رتناگری کی مشہور و معروف نائیک فیملی سے تعلق رکھتی ہیں اور نقش کوکن کے بانی ڈاکٹر عبدالکریم نائیک کی بھتیجی ہیں۔

اس نرسری کو دیکھنے کی خواہش دل میں انگڑائیاں لینے لگیں۔ اور میں نے اپنی اس خواہش کا ذکر اپنے ایک کرم فرما جناب عبدالمجید نائیک سے کیا اور پھر ایک سنیچر کو وقت مقرر کرکے ہم دونوں وہاں جا پہنچے۔

نرسری جس عمارت میں ہے وہ بھی نائیک فیملی کی ملکیت ہے۔ ہم جس وقت وہاں پہنچے محترمہ سعیدہ نائیک وہاں حاضر نہیں تھیں۔ ہم بڑی دیر تک نرسری کے مختلف کمروں میں گھومتے رہے۔ ہر کمرہ سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ بہترین قسم کی کتابیں اور چیزیں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ نرسری کے مختلف شعبوں کو دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔

کچھ دیر بعد محترمہ سعیدہ نائیک بھی وہاں آگئیں۔ میرے ساتھی نے میرا تعارف کرایا۔ تعارف کے بعد میں نے ان سے سوالات کرنے کی اجازت چاہی:

میرا پہلا سوال تھا کہ اس نرسری اسکول کے قیام کا خیال آپ کے ذہن میں کیسے آیا؟

اس سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ خیال آنے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ وہ سوشل ورک کی طالبہ ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر نائیک صاحب سے سائیکولوجی کی ٹریننگ لی ہے۔ چائلڈ ڈیولپمنٹ کا ڈپلوما بھی لیا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ "خدمتِ قوم" ان کی خاندانی خصوصیت ہے۔ چائلڈ ورک اور ویمن ورک میں ان کو دلچسپی ہے۔ رتناگری میں آنے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ یہاں کی نرسریوں میں فارمل ایجوکیشن کا طریقہ رائج ہے۔ وہ چونکہ تارا بائی موڈک کے انفارمل ایجوکیشن میتھڈ کو بہتر سمجھتی ہیں اس لئے انھوں نے اس نرسری اسکول میں انفارمل ایجوکیشن میتھڈ شروع کیا۔

میرے دوسرے سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ اس نرسری کا آغاز جون ۱۹۸۲ء میں آٹھ طلبہ سے ہوا۔ جو سب کے سب ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کے ہیں۔ اس وقت بغیر کسی اشتہار کے بیس طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تین ٹیچر ہیں اور ایک آیا ہے۔ نرسری کی ماہانہ فیس ۲۵ روپئے اور داخلہ فیس سو روپئے ہے۔ نرسری کا ذریعۂ تعلیم انگریزی اور عربی ہے۔ یہاں پلے تھراپی، مانٹیسری میتھڈ اور کیس ورک کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے۔

محترمہ سعیدہ نائیک صاحبہ سے جب میں نے ان کی ذاتی

زندگی کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ انھوں نے نفسیات سے بی۔ اے کیا ہے۔ اس کے علاوہ M.S.W. کی ڈگری حاصل کی ہے۔ وہ اپنی ذاتی زندگی میں مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر عبدالکریم نائیک سے متاثر ہیں۔

اس نرسری اسکول کے لئے نصاب کا انتخاب انھوں نے کافی چھان بین کے بعد کیا ہے اور یہ انتخاب ان کی ذہانت اور تجربہ کاری کا عملی ثبوت ہے۔ کچھ کتابیں انھوں نے ساؤتھ افریقہ، امریکہ اور لندن سے بھی منگوائی ہیں۔

نرسری اسکول کا اسٹاف (ٹیچرس) ان کے رشتہ داروں پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اس بات کا شکوہ کیا کہ انھیں یہاں تجربہ کار اسٹاف نہیں ملتا ... اس کے علاوہ مسلمان اس ادارے میں آتے ہوئے کتراتے ہیں فنڈ کی کمی کا بھی تذکرہ انھوں نے کیا۔ اس کے باوجود انھوں نے اس نرسری کو چلانے کا کام آگے بڑھانے کا عزم کر رکھا ہے۔

اور میں نے بھی آدھے گھنٹے کی گفتگو میں اس بات کا اندازہ کیا کہ وہ محض گفتار کی غازی نہیں ہیں ——— ...

میں جب نرسری سے باہر نکلا تو میرے ذہن میں یہی سوالات اُبھرے ہوئے تھے کہ ہماری قوم اپنے بچوں کی طرف سے بے توجہی کیوں برت رہی ہے؟ ہزاروں روپئے عطیات کی شکل میں دے کر اپنے بچوں کو ایسے کونوینٹ میں کیوں پڑھاتے ہیں جہاں سیکھنے والا بچہ اپنے مذہب سے، اپنی تہذیب سے دور ہو جاتا ہے۔

میری خواہش یہی ہے کہ اکابرین ملت اس ادارے کی ترقی کے لئے آگے بڑھیں۔ نہ صرف مالی تعاون دیں بلکہ اپنے بچوں کو بھی اس ادارے میں داخل کریں — اور میری خواہش یہ بھی ہے کہ ایک روز یہ نرسری اسکول اس علاقے کا مثالی نرسری اسکول بن جائے

★

گھر، گھرانا اور ہمارے فرائض

انجم عباسی

گھرانا یا خاندان سماجی تنظیموں میں اولین تنظیم ہے۔ یہ انسان کا سب سے پرانا اور فطری سماجی ادارہ ہے۔ یہ شہری اوصاف اور سماجی زندگی کی سب سے بہتر تعلیم گاہ ہے۔ فرد کا گھرانے سے رشتہ بالکل اٹوٹ ہے اور نمایاں ہے۔ وہ زندگی کے ابتدائی ایام سے ہی گھرانے کے اخلاص، محبت، تعاون، تحمل، خدمت اور انضباط وغیرہ کے جذبات سے بھرے ماحول میں پرورش پاتا ہے جس کا اس کی شخصیت پر کافی اثر پڑتا ہے۔ اور اس میں بھی وہی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ان جذبات و اوصاف کی عملی شکل پر ہی سماج قائم ہے۔ بچے کنبے میں رہ کر ہی رحم، ہمدردی، محبت، اطاعت، ضبط و تحمل، آداب و اخلاق وغیرہ کا سبق پڑھتے ہیں جو ان کی آئندہ سماجی زندگی کی تعمیر میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ گھرانا سماجی خوبیوں اور اچھائیوں کا پالنا ہے۔

Family is the cradle of social virtues.

میزنی کا گھرانے کی اہمیت کے بارے میں یہ جملہ بڑا اہم ہے کہ "بچے شہریت کا سب سے اچھا سبق اپنی ماں کے بوسے اور باپ کے پیار سے سیکھتے ہیں۔"

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب کہ علم و عرفان کے اجالے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں فرد کو ہمہ گیر ترقی اور رشتوں کی بحالی کے ہر ممکن تدبر کرنے چاہئے ہیں گھرانوں اور ان کے افراد کے درمیان [illegible] بات پر تو تو میں میں بھی ہوتی ہے۔ نفاق کے شعلے بھی دکھتے نظر آتے ہیں۔۔۔ اور اس کا سب سے بڑا سبب ہے گھرانوں کے افراد کی متضاد فطرت اور ان کے نظریات۔ ایک ہی گھرانے میں ایک ہی مزاج، ایک ہی طبیعت کے لوگوں کا ہونا قطعی نا ممکن سی چیز ہے۔ ہر فرد دوسرے فرد سے الگ ہوتا ہے۔ اس کی عادتیں الگ ہوتی ہیں۔ اس کے نظریات الگ ہوتے ہیں، اور ان کا باہمی تصادم جنگ و جدال کا باعث بن جاتا ہے۔ اچھے خاصے گھرانے عادتوں کے تضاد اور نظریات کے اختلاف کی وجہ سے نفاق و عداوت کا اکھاڑہ بن جاتے ہیں۔ اس ایسے سے نجات پانے کے لئے ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے گھرانے کے ہر فرد کے خیالات کو جانیں، اس کی عادتوں کے تضاد کو سمجھیں۔ ہم اپنے خاندان اور اپنے سماج سے ایسے وابستہ ہوتے ہیں جیسے زنجیر کی کڑیاں باہم پیوست ہوتی ہیں۔ گھرانے کے جتنے افراد ہوتے ہیں ہمیں ان کی عزت اور ان کا پاس رکھنا چاہئے۔ گھرانے کے ذمہ دار بننے کے زعم میں اپنے سے چھوٹوں کو اپنا ماتحت سمجھنا نری جہالت ہے۔ عزت عزت سے ملتی ہے۔ قدر و منزلت سے قدر یں جنم لیتی ہے۔ اور اسی لئے بلحاظ مرتبہ و درجہ ہر ایک سے پیش آنا ہمارا اپنا پہلا فرض ہے۔ گھرانے کے سارے افراد یگانگت، شفقت اور محبت کے رشتے سے بندھے رہتے ہیں۔ بار بار تحکم کا تازیانہ، حقارت و طعن و طنز کی بوچھار اور بے جا نصائح کی بھرمار نہ صرف گھرانوں کا شیرازہ درہم برہم کرتے ہیں بلکہ افراد کی پوشیدہ صلاحیتوں کو

اپنی نیند سلا دیتے ہیں۔ ہم اپنے گھرانے کے افراد کی نہ صرف گھر کے اندر قدر پیمائی اور حوصلہ افزائی کرتے رہیں بلکہ گھر کے باہر بھی ان کی شخصیت کو عزت و ناموس کے ساتھ پیش کریں۔ اس سے ان کے دل میں جہاں ان کی عزت نفس کا احساس جاگتا رہے گا وہاں وہ سماج میں سر اٹھا کر زندہ رہنے کے جذبے سے سرشار ہوں گے اور اپنی ذات اور اپنے گھرانے کو سربلند و سرخرو رکھنے میں ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔

دوسری بات جو ہمیں ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے وہ ہے نظریاتی ہم آہنگی ــــ چونکہ گھرانے کے افراد مختلف فطرتوں اور نظریات کے حامل ہوتے ہیں اس لئے ہمیں ان کی متضاد فطرتوں اور نظریات کا نہ صرف باریک بینی سے مطالعہ کرنا چاہئے بلکہ ایسا ہمدردانہ ماحول پیدا کرنا چاہئے جس میں ان کے جذبات و نظریات مجروح نہ ہوں اور نہ ان کے دل میں کسی قسم کی خلش پیدا ہو۔ گھریلو ماحول میں یا گھرانوں کے مابین ایسے بہت سے مواقع آتے ہیں جہاں ایک ہی مسئلے پر دو فریق تیار ہو جاتے ہیں اور دونوں اپنی اپنی بات پر اٹل رہتے ہیں۔ اس صورت حال میں ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے نظریے کو برافروختگی اور سختی کے ساتھ پیش کرنے کے بجائے نہایت سنجیدگی اور شگفتگی کے ساتھ پیش کریں۔ اور سب کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کریں۔ جہاں کوشش ناکام ٹھہرے وہاں خود اپنے نظریات میں لوچ پیدا کریں تاکہ کسی قسم کی منافرت اور بیگانگی سر نہ ابھارے۔ اپنے نظریات کو اپنے وقار کا مسئلہ بنانا نہ صرف اپنی شخصیت کی بیخ کنی کرنا ہے بلکہ گھر میں اور گھر کے باہر منافرت کے بیج بونے کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ کسی مسئلے کی تفہیم میں کبھی کبھی ایسا بھی حادثہ پیش آتا ہے کہ دو مختلف رائیں ایک ہی حقیقت سے ہم کنار ہوتی ہیں مگر ہر فریق کو اپنا نظریہ پسند خاطر ہونے کی وجہ سے اس حقیقت تک کسی کی نظر نہیں جاتی ــــ مثال کے طور پر میز پر پانی سے آدھا بھرا ہوا گلاس رکھا گیا ہے۔ اس حقیقت کو ایک فریق تسلیم کرتا ہے مگر دوسرا فریق اس حقیقت کے بارے میں برعکس نظریہ رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک میز پر جو گلاس رکھا گیا ہے وہ آدھا خالی ہے۔ یہاں واضح طور پر نظریاتی اختلاف ضرور ہے مگر ایک ہی حقیقت کے یہ دو پہلو ہیں ــــ لہٰذا گھر کی سلامتی اور گھرانوں کے مابین خوشگوارگی متقاضی ہے کہ ہم اپنی رائے یا اپنے نظریات کو ہی حرف آخر نہ سمجھیں۔ دوسروں کے جذبات اور دوسروں کے نظریات کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں اپنی ضد اور اپنی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ضعف عقل کی دلیل ہے۔

گھرانے کی سلامتی چونکہ بڑوں کے کردار اور اثر پر منحصر ہے اس لئے گھر میں نباہ کرتے وقت احتیاط کو بہ نظر رکھیں کہ سب کے ساتھ مساوات کا برتاؤ ہو آج کل صنعتی نظام کے اثرات ہمارے گھروں اور ہمارے گھرانوں میں دور دور تک پھیلے ہیں گھر میں انہیں افراد کو زیادہ وقعت و عزت دی جاتی ہے جو زیادہ آمدنی پاتے ہیں یا جو اونچے عہدے پر ہوتے ہیں۔ اس سے گھر میں تفریق اور امتیاز کی دیواریں کھڑی ہوتی ہیں۔ یہی امتیاز و تفریق گھرانوں کے درمیان نئی خلیجیں پیدا کرتا ہے اور نتیجتاً خلوص، محبت، شفقت، امداد باہمی اور ایثار و قربانی کے جذبات کافور بن کر اڑ جاتے ہیں اور گروہ بندی اور بدگمانیاں گھرانوں کی صالح زندگی میں زہر گھول دیتے ہیں۔ اس قسم کے امتیاز و تفریق سے گریز گھر اور گھرانوں کی صحت مندی کے قطعی، لازمی و ضروری ہے ــــ خاندانی اشتراک کی

بحال رکھنے کے لئے نئی نسل کو بھی بہت کچھ کرنا چاہئے. نئی نسل کو اپنے بڑوں کا احترام کرنا چاہئے. ان کی خدمت میں کوتاہی بدظنی کا باعث ہوگی. خدمت ہی سے لوگ اونچا مقام پاتے ہیں. گھرانوں میں قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں جہاں بڑوں کے رتبے اور مرضی کا خیال رکھنا پڑتا ہے. جہاں تک ہو سکے انہیں مناسب درجہ دیتے رہیں، اور حتی المقدور ان کی رائے اور ان کے فیصلے کو قابلِ وقعت سمجھیں. جہاں بات اختلاف کی آرہی ہو وہاں خاموشی بہترین علاج ہے. وقت وقت پر مزاج بدلا جاسکتا ہے. ایک دم سے پرانے لوگوں میں تبدیلی لانا ممکن نہیں ہو سکتا. انتہائی ضروری امور میں اگر پرانے لوگوں کی رائے برعکس دکھائی دے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم اپنی بات ان سے منوالیں. ہم اپنی مرضی کے مطابق قدم اٹھائیں. گھرانوں کے بڑے لوگ ایک دوبار مخالفت کریں گے. پھر خود ہی مخالفت کرنا چھوڑ دیں گے. مگر اس روش پہ چلنے سے پہلے ایک بات کا دھیان رکھنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ ہم ہر فیصلہ کو اپنی مرضی سے ہی مرتب نہ کریں. اس سے اختلاف بڑھنے کا اندیشہ رہے گا اور پھر گھر اور گھرانوں کے بڑے لوگوں کے تجربے سے فائدہ نہ اٹھانا سخت بدنصیبی ہے. یہ لوگ زمانے کی ٹھوکریں کھا کھا کر سنبھلے ہوئے ہوتے ہیں. ان کے فیصلے، ان کے مشورے زندگی کی راہوں میں اکثر سودمند ہوں گے. پھر ان کا خون تعلیم و تربیت کی شکل میں نئی نسل کی رگوں میں دوڑتا رہتا ہے اس لئے ان کی مخالفت کرنا حماقت ہے مگر بعض اوقات ایسے بھی موڑ آجاتے ہیں جہاں ان کی دل شکنی ہونے کے کافی اندیشے لاحق ہوتے ہیں. ایسے حالات میں براہِ راست مخالفت کرنے کی بجائے ان سے ہمدردانہ برتاؤ کیا جائے اور انہیں نئے دور کے تقاضوں سے آگاہ کیا جائے چونکہ مخالفت نفرت کو جنم دیتی ہے اس لئے ہم پیار کو ذریعہ بنانے کی کوشش کریں ــــ کامیاب رہیں تو اچھا ہے ورنہ وقت خود انہیں سمجھا دے گا. ناحق ہم گناہ و دل آزاری کے مرتکب کیوں ہوں؟

نئی اور پرانی نسلوں کے مسائل کے ساتھ ساتھ حقوقِ نسواں بھی ہمارے گھرانوں میں ایک مسئلہ ہے اور یہ مسئلہ ایک عرصے سے سنگین صورتِ حال اختیار کئے ہوئے ہے. موجودہ دور میں تعلیم کی وسعت اور اشاعت نے جہاں لڑکیوں اور عورتوں کو اپنے فرائض سے آگاہ کیا ہے وہاں ان کو اپنے حقوق سے بھی روشناس کیا ہے. ان کو بھی اپنی مرضی اور نظریے کے تحفظ کا احساس رہتا ہے. وہ پرانے اور فرسودہ اصولوں پر چلنے کی بجائے آزادی کا سانس لینا چاہتی ہیں. وہ شوہر، ساس، نند، بھاوج اور گھرانوں کے بزرگوں کی زیادتی اور فوقیت برداشت کر سکتی ہے مگر کسی کا ظلم نہیں. آج کی عورت گھر کے سارے لوگوں کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے. شوہر اور گھرانے کے بزرگوں کے حکم کو فرمانِ خدا گردانتی ہے مگر غلامی کی زندگی نہیں چاہتی. اپنی خودداریوں اور نظریوں کو بڑے پیمانے پر مجروح ہوتے نہیں دیکھ سکتی جس کی وجہ سے ٹکراؤ ہونے لگتا ہے، اور روز روز کا یہ ٹکراؤ لمبے چوڑے جھگڑوں میں بدل جاتا ہے.

اس قسم کے حالات محض اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ گھرانے کے لوگ اس کے احساس کی پرواہ نہیں کرتے. اگر گھر اور گھرانوں کو خوش حالی اور سلامتی کا گہوارہ بنانا ہے تو حقوقِ نسواں کے بارے میں ہمارے جو محدود خیالات ہیں ان کو بدلنا چاہئے. ہمیں گھر میں اور گھر کے باہر بھی ان کو اپنی آزادیِ رائے کا حق دینا چاہئے. مناسب آزادی کے ساتھ انہیں میل جول بڑھانے کے مواقع فراہم کرانے چاہئیں. سماجی روایات کی بحالی اور ترویج کے سلسلے میں عورتیں اہم رول ادا کرتی ہیں. مروجہ رسومات کو غیر اہم سمجھ کر

یکسر نظرانداز کردیتا ہے عورتیں ان کو عملی جامہ پہنا کر گھرانوں کو
یگانگت اور سلامت روی کی زنجیر سے باندھ دیتی ہیں۔
سماجی طور طریقے اور خلق و سلوک بیشتر روایتی ہوتے ہیں
یہ کہیں تحریری نہیں ہوتے۔ اس روایت کو کنبہ یا گھرانا ہی
برقرار رکھتا ہے اور اس ضمن میں عورتیں خصوصی رول ادا کرتی
ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سماجی روایات
کو برقرار رکھنے میں انھیں مناسب تعاون دیں اور ان کی
کوششوں کو سراہتے رہیں۔ البتہ جہاں کوئی طور طریقہ
خلاف عقل ہو وہاں احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہ
جانے دیں۔

گھر اور گھرانوں کی سلامتی اور استواری کے لئے ایک
اور بات کا ہمیں خیال رکھنا ہوگا۔ اور وہ ہے مغربی تہذیب
کی اندھی تقلید۔ جن گھرانوں کے بیشتر افراد مغربی تہذیب
اور فیشن کے دلدادہ ہوتے ہیں وہاں نہ صرف ہماری
سماجی اور اخلاقی قدریں دم توڑتی ہیں بلکہ وہ گھرانے انتشار
و انحطاط کا شکار رہتے ہیں۔ ہمیں اپنی اخلاقی اقدار اور
معاشرتی آداب کا زندگی کے ہر میدان میں خیال رکھنا
چاہئے نیز گھر میں اور گھر کے باہر ان کی ترویج کی کوششیں
کرنی چاہئے۔ مغربی تہذیب اور فیشن کی اندھی تقلید
اسی وقت وبائی صورت اختیار کرتی ہے جب گھرانوں کے
افراد کو اور خصوصاً عورتوں کو آزادی کے نام پہ کھلی چھوٹ
دی جاتی ہے۔ اس قسم کی کھلی چھوٹ آزادیٔ نسواں کے لئے
سمّ قاتل ہے۔ اس ضمن میں ہمیں نہ ایسا سخت رویہ اختیار
کرنا چاہئے کہ گھر کے افراد کی آزادی سلب ہو کر رہ جائے
اور نہ ایسی ڈھیل دینی چاہئے کہ ان کی آزادی ہمارے لئے
وبالِ جان بن جائے۔ ان میں وہ شعور پیدا کریں جو
مشرقی تہذیب و اقدار کی اہمیت ان پر واضح کرے۔

غرض نئے سماج کی تعمیر و ترقی گھرانوں کی صحت مندی
اور اتحاد پر منحصر ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس باغ کے
پودوں اور درختوں کی ایک مالی کی طرح نشوونما کریں اور
اخلاق و اقدار کی قینچی سے ان کی تراش خراش کرتے رہیں
تاکہ ایک صحت مند معاشرہ جنم لے سکے۔
(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو ۔ نشری تقریر)

حاصلِ تقدیر

منصور خان
ابوظہبی، متحدہ عرب امارات

سگریٹ کا ایک طویل اور مست کر دینے والا کش لے کر میں سکون سا محسوس کر رہا ہوں۔ اور بار بار دھوئیں کے ساتھ اپنے لبوں کو گول کر رہا ہوں۔ اور اس دھوئیں کو خلا میں اُگل دیتا ہوں اور یہ دیکھ رہا ہوں کہ دھوئیں کے مرغولے خلاؤں میں معلق ہیں۔

میرا وجود بھی کچھ اس طرح کے مرغولے کی طرح ہے۔ جس کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اس کے حصار میں مقید ایک دھندلی سی شبیہ کو میں صاف طور پر پہچانتا ہوں، محسوس کرتا ہوں کہ اس میں جو تصویر نظر آتی ہے وہ شاہین کی ہی تصویر ہے۔

تصویر اب بھی خلاؤں میں رقصاں ہے۔ مگر حالات نے نیا رُخ اختیار کیا ہے۔ تصویر جو خلاؤں میں معلق ہے وہ سامنے زندہ و جاوید ہے۔ اور میں شاہین کے پہلو میں لیٹا ہوا ہوں۔ اس کے پیار بھرے ہاتھ میرے رخساروں کو گرمی اور روح کو تسکین پہنچا رہے ہیں۔

رات کے ٹھیک دو بجے کسی کی آہٹ سن کر میں جاگ جاتا ہوں۔ ساری حقیقت میرے سامنے ہے کہ یہ حقیقت نہیں خواب تھا۔ رخسار میرے نہیں تھے اور نہ ہی میں شاہین کی باہوں میں تھا۔ ۔۔۔ یہ وجود ساجد کا تھا۔ جس نے میرے ارمانوں کا خون کیا ہے۔ میں نے جس طرح کا شریکِ حیات کی تمنا کی تھی وہ آج ساجد کی باہوں میں ہے۔

میں اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کے جنازے کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

ہم ایک ہی گاؤں میں پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔ ہمیں ہماری محبت از خود پروان چڑھی۔ اسی گاؤں کی تاریک راتوں میں کئے ہوئے شاہین کے وعدے، قسمیں، عہد و پیمان جب یاد آتے ہیں تو دل لرز جاتا ہے۔ روح کانپنے لگتی ہے۔ اور مجھے میرا وجود، میرا جسم ایک زندہ لاش نظر آتا ہے۔ اور اپنی زندگی کو خود میں اپنے آپ پر بوجھ محسوس کرتا ہوں۔ میں تڑپ رہا ہوں لیکن شاہین کی ازدواجی زندگی، اس کی خوش حالی کے لئے بارگاہِ خداوند قدوس میں دعا کرتا ہوں۔ اور دعا کرتے کرتے یہ ہاتھ کبھی تھکتے بھی نہیں۔

اس کی سلامتی کی دعا مانگتے مانگتے تھک گیا ہوں۔ آنکھیں آنسو بہا بہا کر خشک ہو گئی ہیں۔ اور انتظار کرتے کرتے تھک چکی ہیں۔ سوچتا ہوں کہ اب وہ کسی کی ہو گئی ہے اور اس کا انتظار اخلاقاً جائز بھی نہیں ہے۔ لیکن پھر میں کیوں انتظار کرتا ہوں۔۔۔؟

لیکن اس کے بغیر۔۔۔ انتظار کے بغیر میرا جینا بھی مشکل ہو جائے گا۔ یہی ایک جینے کا اور دل بہلانے کا ذریعہ ہے۔ اس نے تو میری نیند ہی چُرا لی ہے۔ اب زندگی کا سرمایہ بھی کچھ نہیں رہا۔ صرف ایک سانس باقی ہے، جو اگر وہ اپنے ساتھ لئے جاتی تو کتنا اچھا ہوتا!

لیکن نہیں ۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں شاہین کی ازدواجی زندگی کو بھر پور دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسے خوش حال اور صحت مند دیکھنا میرا ایمان ہے۔ اور اسی میں میری خوشیاں اور شادمانیاں پوشیدہ ہیں۔ حقیقت کی تلخیاں محسوس کرنے کے باوجود ان سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ اور ہر حقیقت اپنے دامن میں ایسے نقوش لئے ہوتی ہے۔ جسے اگر گردشِ زمانہ لاکھ مٹانے کی کوشش کرے تو یہ دھندلا تو ضرور جاتی ہے لیکن مٹتی کبھی نہیں ہے۔

گالوں، وہ تاریک راتیں جن میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پانے، چاہنے کی باتیں کیں، وہ تاریک تنہا راتیں چیخ چیخ کر شاہین کو بھول جانے کو کہہ رہی ہیں۔ کیوں کہ ہر تاریک رات کے بعد ہر تی صبح ہوتی ہے اور ہر صبح ایک نئے مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے" اور یہی میرا حاصلِ تقدیر ہے ۔۔۔۔

بقیہ: تبصرہ (صفحہ ۲۴ سے آگے)

بحث تقلید اس کتاب میں بحث کی تقلید تو ہونی ہی چاہئے تھی سو وہ بھی ہے۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے کہ ائمہ اربعہ نے تقلید سے منع کیا ہے۔

بہر صورت یہ ایک اچھی تصنیف ہے۔ اور ایک خوبی یہ ہے کہ بہت عام فہم انداز میں لکھی گئی ہے۔ اور ہر بزرگ کی تاریخ پیدائش و موت بھی دی ہے جس سے بعض مسئلے کے سلجھانے میں بہت مدد ملتی ہے۔

خاص موضوع

اس کتاب کا خاص موضوع یہ ہے کہ چاروں فقہوں کے مرتب ہونے سے پہلے تمام اہل سنت والجماعت "اہل حدیث" تھے۔

بچوں کی ذہانت

رقیہ نائیک

حکایت کی گئی کہ ایک بچے سے خلیفہ مامون نے پوچھا کہ تم کس کے بیٹے ہو؟ بچے نے جواب دیا: "اے امیر المومنین میں ادب کا بیٹا ہوں"۔ مامون نے اس پر کہا کہ کتنا بہترین نسب ہے۔ اور شعر پڑھا جس کا ترجمہ ہے:

"کوئی شخص یہ کہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں۔ یہ ہوں وہ نہیں۔ جس کا چاہے بیٹا بنئے اور ادب حاصل کیجئے جو کہ نسب سے بے نیاز کر دے گا۔"

(۲) عمر بن عبدالعزیز کے خلیفہ بننے پر بہت سارے وفود مختلف علاقوں سے مبارکباد دینے ان کے پاس آئے۔ حجاز کے وفد سے ایک بچہ جس کی عمر گیارہ سال سے بھی کم تھی خلیفہ کی طرف بڑھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ تم لوٹ جاؤ اور جو تم سے بڑا ہو وہ آگے آئے۔ بچے نے اس پر کہا: "اللہ امیر المومنین کی مدد فرمائیں۔ انسان چھوٹی چیزوں سے پہچانا جاتا ہے۔ "قلب و زبان سے"۔ جب اللہ بندہ کو اچھی زبان اور محافظ دل عطا کرتا ہے تو کلام کرنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اگر معاملہ عمر کے ذریعہ طے پاتا تو اس وقت آپ کی جگہ جو سب سے زیادہ عمر والا ہوتا وہ حقدار ہوتا۔" خلیفہ بچے کے جواب سے ششدر رہ گئے۔ اور دو اشعار پڑھے جن کا ترجمہ ہے:

۱) علم حاصل کیجئے کیونکہ انسان عالم پیدا نہیں ہوتا۔
اور صاحبِ علم جاہل کی طرح نہیں ہوتا۔

۲) اگر کسی قوم کا بڑا آدمی بغیر علم کے ہو تو وہ چھوٹا سمجھا جاتا ہے
حالانکہ اس کی طرف محفلیں التفات کرتی ہوں۔

(۳) عید کے دن خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ایک لڑکے کے بدن پر پھٹی ہوئی قمیص دیکھ کر رو دئے۔ لڑکے نے خلیفہ سے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ خلیفہ نے کہا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ دوسرے بچوں کو خوش لباس میں دیکھ کر تمہارا دل ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ تمہارے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں۔

اس مومن لڑکے نے جواب دیا۔ دل اس کا ٹوٹے گا جسے اللہ اپنی رضا سے محروم کر دے گا یا اس کے ماں باپ نے اسے عاق کر دیا ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی رضا کے ساتھ اللہ بھی مجھ سے راضی ہو جائے۔ خلیفہ عمر کی آنکھیں بھر آئیں اور بچے کو گلے سے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کی۔ مستقبل میں بچہ اپنے والد کے بعد سب سے امیر آدمی بنا۔ (عربی سے ماخوذ)

مرد اور عورت

۱۔ مرد کی شخصیت اس کے چہرہ سے عیاں ہوتی ہے
عورت کی شخصیت اس کے پورے جسم سے پہچانی جاتی ہے۔

۲۔ مرد اپنا گھر دنیا پر قربان کرتا ہے۔
عورت دنیا کو اپنے گھر پر تصدق کرتی ہے۔

۳۔ مرد گھر بناتا ہے۔
عورت اس کی حفاظت کرتی ہے۔

مرثیہ

کیپٹن فقیر محمد جوگے

کوکن کے کئی قصبات میں ہر سال محرم کی پہلی دس راتوں میں شہیدانِ کربلا کی یاد میں مجالس پڑھی جاتی ہیں۔ اس خاص موقع پر پڑھنے کے لئے کیپٹن فقیر محمد جوگے متوطن کڈوئی تعلقہ سنگمیشور نے یہ مرثیہ نظم کیا ہے۔ بلکہ اسے چھپوا کر قرب و جوار کے قریوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہمیں بھی ایک کاپی دی گئی۔ جس میں سے چند بند ہدیہ ناظرین ہیں ——— (ادارہ)

اے خدا توفیق دے ہم سب پڑھیں ہر دم درود — مصطفیٰؐ اور مرتضیٰؑ خاتونِ جنت پر درود
نورِ عینینِ نبیؐ شبیرؑ و شبرؑ پر درود — آل و اصحابِؓ نبیؐ اور کُل شہیدوں پر درود
راہِ حق میں جو ہوئے قربان ہیں ان پر درود
شہداء کے حق میں مل پڑھنا محمدؐ پر درود

کیا ستم اللہ والوں پر یزیدوں نے کئے — تشنہ لب معصوم کو ایک بوند پانی نا دیے
پاس ندی بہہ رہی پر راستے روکے گئے — ساقیِ کوثر کے گل مرجھائے پانی کے لئے
پانی پانی کر کے روئے طفلگاں ان پر درود

لعل و گوہر ہو چلے رخصت خدا کی راہ میں — نذر تھی نسلِ علیؑ ساری خدا کی راہ میں
جانیں یوں قربان کیں سب نے خدا کی راہ میں — حشر تک زندہ ہیں جاں دے کر خدا کی راہ میں
اُمتِ نانا کی خاطر سر دئے ان پر درود

یا الٰہی رکھ سلامت دین اور ایمان کو — رکھ سلامت تا جہاں اسلام کے فرمان کو
متحد رکھ عالمِ اسلام کے ارکان کو — پھیل دے سارے جہاں میں دینوی عرفان کو
جو ہوئے اسلام پر قربان ہیں اُن پر درود

بانیِ مجلس کے کُل ارمان پورے ہوں سدا — اور ہم سب حاضرین کی مغفرت کر اے خدا
پاک رکھنا ہر گناہ سے دفع کرنا ہر بلا — صبر کی توفیق دے یہ غمزدوں کی ہے صدا
مظلوموں کی یاد میں ہے مرثیہ ان پر درود
شہداء کے غم میں مل پڑھنا محمدؐ پر درود

سوال آپ کے جواب ہمارے

از: مسٹر تابڑ توڑ

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر شائستہ اور غیر مہذب نہ ہوں۔
★ ہر سوال کے بیچ جواب کیلئے جگہ چھوڑی جائے۔

★ **احمد یونس سروے** — یانبو سعودی عربیہ

سوال:۔ دنیا میں سب سے پہلے اذان کب ہوئی؟

ج:۔ ہجرت نبوی کے دوسرے سال حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں ایک بزرگ سے اذان کے کلمات سُنے۔ آپ بیدار ہوئے تو حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر وہ کلمات دہرائے۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے کہا یہ کلمات یاد کرلیں اور زور سے اذان دیں۔ اس وقت سے اذان کی ابتدا ہوئی جو آج تک جاری ہے۔

سوال:۔ اسلامی پرچم کا رنگ کیوں ہرا ہے؟

ج:۔ پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا

سوال:۔ آج کے دور میں مسلمانوں کا ایمان کیوں ڈگمگانے لگا ہے؟

ج:۔ مسلمان ہی جب برائے نام ہو تو ایمان کیونکر کامل ہوگا۔

★ **عبدالعزیز یونس میاں گھارے** — کنوارنگر۔ بمبئی

سوال:۔ وہ کون سی بات ہے جو سچ ہو کر جھوٹ لگے؟

ج:۔ تونگری اور عیش کا تذکرہ افلاس کی حالت میں۔

سوال:۔ حسن دور سے دیکھنا چاہئے یا چھوکر؟

ج:۔ اس کا دارومدار آپ کی ہمت اور قوتِ برداشت پر ہے۔

سوال:۔ تقدیر کیا ہے؟

ج:۔ تدبیر کا پھل

★ **رکن الدین زین الدین پرکار** — دمام سعودی عربیہ

سوال:۔ آدمی کسی کا بدلہ بُرے طریقے سے کیوں لیتا ہے؟

ج:۔ یہ اپنے اپنے ظرف کی بات ہے میرے بھائی کسی شاعر نے کہا ہے ؎

کہہ رہا ہے جوشِ دریا سے سمندر کا شباب
جس میں جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

سوال: فساد کی جڑ کیا ہے؟

ج:۔ فتنہ

★ **اشتیاق شریف خان** — ڈونگری بمبئی ۹

سوال:۔ محبت اور نفرت کا راز کس چیز میں پوشیدہ ہے؟

ج:۔ محبت یا نفرت کوئی راز نہیں بلکہ کھلی حقیقت ہے جو محبت کرنیوالے کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے۔

سوال:۔ انسانیت کا راز کس چیز میں پوشیدہ ہے؟

ج:۔ حُسنِ سلوک میں

★ **شوکت علی جمال الدین کھوت** — بھیونڈی ضلع تھانہ

سوال:۔ پروانہ شمع پر بُری طرح فریفتہ ہے پھر شمع اپنے چاہنے والے کو جلا کر خاک کیوں کردیتی ہے؟

ج:۔ بقول شاعر:۔ شمع نے جان لی اس وہم میں پروانہ کی
صبح کو عام نہ ہوجائے کہیں رات کی بات

سوال:۔ کیا شادی کرنے سے خوشیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے؟

ج:۔ جی ہاں۔ مگر یاد رہے کہ اس دروازہ پر سُرخ رنگ میں لکھا ہوتا ہے: EXIT

★ امین عبدالقادر پرکار — بمبئی ۸

سوال:۔ اگر ایک امام کی وجہ سے کسی ایک گاؤں میں دو نمازیں ہوتی ہوں تو کیا کرنا چاہئے؟

ج:۔ نئے امام کا انتظام

سوال:۔ کیا اقامت پوری ہونے کے بعد امام کا انتظار کر سکتے ہیں؟

ج:۔ فرض نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو جائے۔ امام صاحب اپنی جگہ پر آگئے ہیں تو مقتدیوں میں سے کوئی صاحب (عام طور پر بانگی۔ موذن) اقامت کہتے ہیں۔ اس کے بعد انتظار کرنے کا سوال ہی کہاں ہے۔

★ شیخ علی شمس الدین سانگلے — کیمپ ٹاؤن

سوال:۔ کیا جو مسلمان شہید ہوتے ہیں انہیں بغیر غسل دیئے دفن کیا جا سکتا ہے؟

ج:۔ جی ہاں۔

سوال:۔ مسلمان مسجد میں جاتے وقت ٹوپی پہنتے ہیں اور جوتا نکال لیتے ہیں۔ اگر عیسائی گرجا میں جاتے وقت جوتا پہنے ہوتے ہیں مگر ہیٹ اتار دیتے ہیں ایسا کیوں؟

ج:۔ ہر دین میں عبادت کے انداز نرالے ہیں۔

سوال:۔ امسال ہندوستان سے کتنے مسلمان حجِ بیت اللہ کو گئے؟

ج:۔ حج کمیٹی کے زیر اہتمام جانے والے عازمین کے علاوہ امسال پرائیویٹ طور پر بھی حاجی عازم سفر ہوئے ہیں لہٰذا سر دست صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔ کچھ دیر بعد انشاءاللہ اخبارات میں بھی اعلان آئے گا۔

★ طاہر نورالدین پرکار — دمام۔ سعودی عربیہ

سوال:۔ پھول اور پھل میں کتنا فاصلہ ہوتا ہے؟

ج:۔ ایک منزل کا۔ پھول بار آور ہو تو پھل بن جاتا ہے۔

سوال:۔ کسی کوکنی شاعر کا نام بتائیے؟

ج:۔ کوکنی (بولی) کا صاحبِ دیوان شاعر جناب ظریف نظامی ہیں۔ آپ سے پہلے ایک شاعرہ نے بھی کوکنی شاعری کی ہے ان کا بھی مجموعۂ کلام شائع ہو چکا ہے۔ وہ ہیں محترمہ حمیدہ نارکر

سوال:۔ کیا آج بھی راون موجود ہے؟

ج:۔ ایک نہیں کئی ہیں، مگر رام ہی نہیں جو انہیں پہچان سکے

★ ناظمہ بدرالدین مقدم — مہاڈ۔ ضلع رائے گڑھ

سوال:۔ میں نے کہیں پڑھا ہے کہ ایک اندھا شخص رات کو ہاتھ میں لالٹین لئے چلتا ہے۔ آخر اس نابینا کو لالٹین کی روشنی سے کیا فائدہ

ج:۔ روشنی اس کے لئے نہیں بلکہ آنکھ رکھنے والوں کے لئے ہے کہ وہ اندھیرے میں اس سے نہ ٹکرائیں۔

سوال:۔ شک و شبہ اور رنج و فکر میں کیا رشتہ ہے؟

ج:۔ دونوں جان کے دشمن ہیں۔ ایک بار جو کوئی ان کا شکار ہو جائے تو سمجھئے اس کا خدا ہی حافظ

★ حنیف جرگی ٹیچر — سونس تعلقہ کھیڈ

سوال:۔ مسز اندرا گاندھی کون سی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اور ان کی ڈگری کیا ہے؟

ج:۔ مسز اندرا گاندھی انگلستان میں زیر تعلیم تھیں۔ مگر ان کی تعلیم یا ذہانت ڈگری کی محتاج نہیں ہے۔

سوال:۔ اپنی مادری زبان اردو کو دفتری زبان میں کب شمار کیا جائے گا؟

ج:۔ جب آپ جیسے قابل ٹیچر اردو پڑھنے والے طلبا کو اس قابل بنائیں کہ مقابلہ کی دوڑ میں جیتنے لگیں۔

★ ★ ★

گوش بر آواز

★ نقشِ کوکن کا تازہ شمارہ ڈاکٹر خلیق انجم کے پاس دیکھا۔ اس پر کافی دیر تبصرہ ہوا اور طے پایا کہ اس دورِ گرانی میں اردو کا بہترین رسالہ ہے۔ پھر کوشش کی کہ آپ کو خط لکھوں اور رابطہ قائم کروں۔

شمس تبریزی
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

★ "نقشِ کوکن" ہر ماہ کسی نہ کسی طریقہ سے پڑھنے کو ملتا ہے اس کے معیار میں روز بروز ترقی ہو رہی ہے لیکن پرنٹنگ (خطاطی) روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ہر میگزین (رسالہ) کی شان معیاری ادب کے ساتھ ساتھ پرنٹنگ بھی ہے۔ کوکن میں سیکڑوں مصور ہیں ان سے اچھا خاصا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ صرف معنوی اعتبار سے ہی رسالہ معیاری نہیں بنتا بلکہ صوری حسن پر بھی دھیان دینا چاہئے تاکہ تمام دیگر رسالوں کے ساتھ ساتھ فخر سے یہ رسالہ بھی پڑھا جا سکے۔ مجھے امید ہے کہ میری اس رائے پر بھی غور کریں گے۔

کیف کوکنی (منصور علی خان)
ابوظہبی — متحدہ عرب امارات

★ آخری صفحے کے رواں موضوع سے سرقیصہ یہاں کا حلقہ متاثر ہوا ہے۔ بلکہ ہر کوکنی کے گھر میں جہاں یہ پرچہ جاتا ہے تذکرہ تھا اردو داں غیر کوکنی حلقہ میں بھی مقبول ہوتا جا رہا ہے۔ نقشِ کوکن کی طرح اس جرأت مندی سے آج تک کسی نے اس موضوع پر قلم نہیں اٹھایا تھا ہم سب مبارکباد کے ساتھ جناب اور نقشِ کوکن کو اس حوصلے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

احمد قاضی فراز
دوحہ - قطر

★ آج کل ایک کتاب زیرِ مطالعہ ہے۔ نام ہے:

"THE THIRD WORLD WAR" THE UNTOLD STORY
BY GEN. SIR JOHN HACKET

خود مصنف دوسری جنگ عظیم میں فوج کا بڑا افسر رہ چکا ہے۔ مصنف کا خیال ہے تیسری جنگ عظیم نیوکلیر نہیں ہوگی، جنگ انتہائی بھیانک ہوگی مگر کوئی ایٹم بم استعمال کرنے سے پہلے ڈر اٹھے گا — اور اس جنگ میں بالآخر شکست روس کو ہوگی۔ دنیا میں جنگ کے مختلف محاذ کا (۱۹۸۵ء میں ہونے والی جنگ کا) ماہرانہ جائزہ لیا ہے۔ جائزہ اس انداز میں لیا ہے جیسے جنگ ہو رہی ہے، جاری ہے۔ اور بہت سے رموز و نکات سے پوشیدہ رہ گئے تھے انہیں ۱۹۸۵ء میں اس نے بے نقاب کیا ہے۔ اس کا آخری باب The Experience of defeat بڑا دلچسپ ہے۔

اگر آپ لکھیں اور نقشِ کوکن کی پالیسی کے خلاف نہ ہو تو میں اس کا خلاصہ کر کے آپ کے پاس بھیجوں۔ مگر کم از کم دو قسط میں آپ کو اسے شائع کرنا ہوگا۔

مئی کے فسادات سے جس طرح دنیا کو بمبئی کے حالات سے کرایا ہے اسے پڑھ کر کہنا پڑتا ہے کہ پرچہ کا معیار روز بروز اونچا ہوتا جا رہا ہے۔

سرفراز احمد — حیدرآباد

آپ ضرور بھیجئے۔ ہم شکرگزار ہوں گے۔

★ نقشِ کوکن ہر ماہ پڑھتا ہوں۔ خصوصاً جناب ... صاحب کے "پہلا صفحہ" اور "آخری صفحہ" کے لئے — چند ایک نا قابل

کسی قاری نے یہ رائے تجویز کی تھی کہ جناب عاصم صاحب کی ان نگارشات کو مجموعے کی شکل دی جائے۔ میں اس تجویز کی تائید کرتا ہوں کہ جلد از جلد ان مضامین کو ادارہ نقش کوکن ایک مجموعے کی شکل دے۔ یہ مجموعہ ہر گھر میں رکھنے کے قابل ہوگا اور آئندہ نسلوں کو جستجو کرتا رہے گا۔

ڈاکٹر شفیق احمد انصاری
D.U.M.S.
گھاٹ کوپر۔ بمبئی ۸۴

★ نقش کوکن جون ۸۴ء میں جناب لطفی رضوانی صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھ کر از حد صدمہ پہنچا ہے۔ جناب لطفی رضوانی صاحب سے بزم شعر و ادب کوکن کی نشستوں میں کئی بار ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر کی ملاقات کافی اثر انداز ہوتی تھیں۔ ان کے دیئے ہوئے ادبی مشورے آج بھی رہنمائی کر رہے ہیں۔

لطیف قاضی
دولت الکویت

راجے واڑی کے طالب علم کو آخر انصاف مل گیا

میں باشندہ راجے واڑی۔ مہاڈ ضلع رائے گڑھ ــــ بمبئی B.E.S.T. میں کنڈکٹر ہوں۔ میرا بیٹا خلیل محمد اسحاق گھرے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سے معذور ہے۔ شکشن پرسارک منڈل اردو ہائی اسکول راجے واڑی (میرے گاؤں) میں ۸۳-۱۹۸۲ء دسویں کلاس کا طالب علم تھا۔ چند وجوہات میں چلنے والی خانگی کلاس میں نہ جانے پر اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب ایم اے غوری نے اسے جرمانہ کیا اور عدم ادائیگی جرمانہ کی بنا پر اسے امتحان میں شرکت سے باز رکھا۔

بچہ کے ساتھ کی گئی ناانصافی اور اس کے مستقبل کی تباہی کی میں نے حکام بالا سے شکایت کی۔ نیز بمبئی کے اردو اور مراٹھی روزناموں کے ذریعہ اپنی فریاد انصاف پسند اور علم دوست عوام تک پہونچائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انکوائری کے بعد اسکول کو اکتوبر ۸۳ء میں دی جانے والی گرانٹ میں دس فیصدی کٹوتی کی گئی۔ اس طرح صدر مدرس کی بیجا حرکت پر ادارہ کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

چونکہ اب اس اسکول میں میرے بچہ کا مستقبل تاریک نظر آتا تھا۔ میں نے بچہ کا نام اسکول سے خارج کردینے کی درخواست پیش کی تاکہ کسی دوسرے اسکول سے اسے شریک امتحان کرا سکوں۔ مگر اب ہیڈ ماسٹر نے خارجہ سرٹیفکیٹ دینے میں ٹال مٹول کیا۔ بالآخر ایک بار پھر مجھے افسران اعلیٰ سے رجوع ہونا پڑا جنھوں نے ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر کو اسکول میں بھیج کر مجھے خارجہ سرٹیفکیٹ دلوایا۔

میں حکومت اور محکمہ تعلیم کے ذمہ دار افسران اور بمبئی کے اردو و مراٹھی روزناموں کے مدیران کا شکرگزار ہوں جنھوں نے بروقت میری آواز پر توجہ فرمائی اور مجھے انصاف دلا کر بچہ کا مستقبل تاریک ہونے سے بچا لیا۔

یہاں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس سوسائٹی کے تحت یہ اسکول چلائی جاتی ہے وہ سوسائٹی آج برسر اقتدار نہیں ہے۔ سنہ ۱۹۸۰ء سے نہ اس سوسائٹی کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا ہے نہ ہی ممبران سے فیس وصول کی گئی ہے۔ سیکریٹری نے بیزار ہو کر استعفیٰ دے دیا ہے۔ صدر برائے نام ہے۔ جب رجسٹریشن ہی برقرار نہ ہو تو صدارت کے حقوق کیونکر حاصل ہو سکتے ہیں۔ حکومت کو ان حالات کی چھان بین کر کے دیہی علاقہ میں چلنے والے اس غیر قانونی راج کو فوراً بریک لگانا چاہئے۔

محمد اسحاق ابراہیم گھرے

★ ستمبر ۸۴ء کے نقش کوکن میں ایم اے پرکار (جرمن) بانکوٹی صاحب کا جھوٹ پڑھا پتہ نہیں نقش کوکن جیسے موقر جریدے نے اپنے قیمتی چھ صفحات اس جھوٹ کی نذر کیوں کئے۔ خصوصاً

پہلے ڈیڑھ صفحے کی اشاعت پر کوئی بھی سنجیدہ قاری ادارۂ نقش کوکن کو معاف نہیں کر سکتا۔ جس میں ایموزیٹیڈ جرمن پرکار صاحب نے اپنی تعریف و توصیف، اور "ہم"، "ہم" کی رٹ سے نقش کوکن کے وقار کو مجروح کیا ہے۔

رائٹر کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں وہ مقصدی ہوتا ہے۔ اور دوسرے وہ جو نہ جانے کتنی اور ڈھیر ساری باتیں لکھ جاتے ہیں مگر اس کا مقصد کچھ نہیں ہوتا (سوائے قارئین کے سر میں درد پیدا کرانے کے) ایم۔ اے صاحب کی ان طول طویل تحریروں کا بھی مقصد بالکل کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ بہک جاتے ہیں کہ موضوع کیا تھا، بات کہاں سے شروع کی اور اب کہاں ختم کی جائے۔ غالباً یہ اس لئے ہے کہ جبراً و قہراً انھوں نے لکھنا شروع کیا ہے۔

محمد نذیر بجوگلے
کرلا۔ بمبئی ۷۰

★ آزادی نمبر بہت پسند آیا۔ ابوداؤد قیصر نے اڈن کھٹولے پر بٹھا کر پوری دنیا کی سیر کرائی جس کے لئے وہ شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔

احمد ابراہیم یامنے — ٹرامبے بمبئی

★ تازہ نقش ملا۔ نقش کوکن پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے۔ یہی اس کی کامیابی کا ثبوت ہے۔

اس مرتبہ جناب ایم اے پرکار یانی صاحب، ڈاکٹر عبدالستار دلوی صاحب، شمس کنول اور مشرف صاحب کے بڑے اچھے مضامین ہیں۔ ایم اے پرکار صاحب کی دو شماروں میں غیر حاضری تھی جس سے قارئین کو بڑی کمی محسوس ہوئی اور واقعی ان کو کتابت کے سلسلہ میں جو شکایت ہے وہ حقیقت ہے[1]۔ — خیر انھیں مجبور کیجئے کہ وہ کبھی غیر حاضر نہ رہیں تاکہ کڑی نہ ٹوٹے۔

عارف سیمابی بانکوٹی

★ ستمبر ۸۰ء کا نقش کوکن [illegible] پڑھ کر [illegible] کا تعارف فسادات کے عنوان سے جناب قاسم کچھی کا مضمون اور شرف کمالی کھنیروی نشتر بہت ہی پسند آئے۔ البتہ جناب ایم اے پرکار صاحب نے بہت مایوس کیا۔ دو ماہ بعد حاضر ہونے والے پرکار صاحب سے امید تھی کہ وہ بات وہاں سے شروع کرتے جہاں انھوں نے پچھلی قسط میں چھوڑی تھی۔ مگر انھوں نے اس لن ترانی سے شروع کی جس کی نقش کوکن کے لئے قطعاً ضرورت نہیں تھی۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ڈیڑھ صفحہ تو انھوں نے اپنی ذات پر صرف کیا، جس میں ایک جگہ پر نقش کوکن کو بھی ہدف ملامت بنایا ہے۔ آپ نے اس حصہ کو شائع نہیں کرنا چاہئے تھا[2]۔

ابوداؤد قیصر کا اڑن کھٹولہ اور پرو فیسر یونس اگاسکر کا پیش کردہ "یادگار یوسف" دلچسپ ہے اور معلوماتی بھی۔

شمس کنول صاحب کو بھی اس محفل میں دیکھ کر خوشی ہوئی۔

قاری نیاز احمد خان رحمان خان
دکھرولی۔ بمبئی

---

[1] کتابت اور تصحیح کے سلسلہ میں شکایت بالکل بجا ہے۔ اور ہمیں بھی اس کا اعتراف ہے بلکہ ہم معذرت خواہ ہیں۔ مگر ہماری مشکل وہی لوگ جان سکتے ہیں جو طباعت و اشاعت سے بہت قریب رہے ہوں — ہم کوشش تو کرتے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی کریں گے کہ لوگوں کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

[2] نقش کوکن ہمارا نہیں ایک ٹرسٹ کا پرچہ ہے۔ قوم کی امانت ہے۔ اور ایمانداری کا تقاضہ ہے کہ ہم نہ صرف اپنی ہونے والی تعریف ہی شائع کریں بلکہ تنقید بھی زیر اشاعت لائیں تاکہ قارئین کو اصلیت جاننے میں مدد ملے۔ (ادارہ)

نقش کوکن ادبی پہیلی ۱

۵۰ روپے نقد انعام

حل وصول ہونے کی آخری تاریخ : ۲۰ نومبر ۱۹۸۲ء

■	■	ل		۱ ع
■	■	■		۲ ا
■	ت		ح	۳ م
■	ل		ل	۴
ر	ا			۵ ب

اشارے :- (دائیں سے بائیں)

۱۔ ـــــ ہے اندر فن ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

۲۔ نئی نسل دونوں ملکوں کی اس محبت، خلوص، اس رفاقت، اس اپنائیت سے آشنا نہیں جو پرانی نسل کے دل میں ـــــ بھی موجود ہے۔

۳۔ انسان کی حسن کاری، نفاست اور ـــــ کا اس سے بڑھ کر شاہکار شاید کوئی اور نہیں ہوگا۔

۴۔ ـــــ کر رہنے ہی میں ہم سبھوں کا فائدہ ہے۔ ورنہ دشمن کی نگاہیں ہماری تاک میں ہیں۔

۵۔ تم ـــــ ہو، سماج کا اس میں کیا قصور ہے؟ کیا تمہارے دکھوں کا ذمہ دار سماج ہی ہے!

شرائط :-

۱۔ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں اس مقابلے میں حصہ لے سکتے ہیں۔
۲۔ ایک کورے کاغذ پر اس خاکے کی نقل کر کے اسے روشنائی سے بھر کر روانہ کریں۔
۳۔ کٹے پھٹے، مشکوک اور پنسل سے بھرے ہوئے حل ناقابل قبول ہوں گے۔
۴۔ ایک شخص ایک ہی نام اور پتے سے جتنے چاہے اتنے حل روانہ کر سکتا ہے۔
۵۔ اس مقابلے کے لئے کوپن کی کوئی قید نہیں ہے۔
۶۔ ہر حل کے ساتھ صرف پچیس ۲۵ پیسے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ روانہ کرنے پڑیں گے۔
۷۔ ایک حل کے پچیس ۲۵ پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے حساب سے آپ کئی حلوں کے ڈاک ایک ہی لفافے میں بھیج سکتے ہیں۔
۸۔ اس پہیلی میں استعمال ہونے والے سبھی اشارے اردو کتب میں شائع شدہ ہیں۔
۹۔ ۵۰ روپے کا نقد انعام صحیح حل پر دیا جائے گا۔ صحیح حل موصول نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم غلطیوں والے حل پر یہ انعام دیا جائے گا یا برابر تقسیم کیا جائے گا۔
۱۰۔ سبھی حل ۲۰ نومبر ۱۹۸۲ء سے قبل اس پتے پر روانہ کیجئے:

کمپٹیشن ایڈیٹر ماہ نامہ نقش کوکن
۴۴ جیل روڈ (ایسٹ) ڈونگری
بمبئی ۴۰۰۰۰۹

۱۱۔ ہر صورت میں
کمپٹیشن ایڈیٹر نقش کوکن کا فیصلہ آخری، قطعی اور قابل قبول ہوگا۔

تبصرہ

از: مولوی سمیع اللہ

نام کتاب: اسماعیلی عقائد پر ایک نظر
نام مصنف: جناب اصغر علی صاحب انجینئر
صفحات: ۲۲۴
کاغذ، کتابت اور طباعت: نہایت عمدہ اور اعلیٰ
قیمت: چالیس روپئے
ناشر: اسماعیل علوم الا انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹیڈیز۔ آئرن کا کج نارتھ روڈ، سانتا کروز، بمبئی ۵۵۰۰۰ء

شیعوں کی تین بڑے فرقے ہیں: مستعوی یعنی بوہرے، نزاری یعنی خوجے اور اثنا عشری۔ اس کے علاوہ اور بہت سی ذیلی شاخیں ہیں۔ ہندوستانی بوہروں اور خوجوں کی زیادہ تعداد مہاراشٹر یا گجرات میں ہے کچھ بوہرے ضلع اعظم گڑھ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

اثنا عشری شیعوں کی بڑی تعداد لکھنؤ، جونپور اور الہ آباد وغیرہ اتر پردیش کے شہروں میں ہے۔ دوسری ریاستوں میں بھی ان کی معقول تعداد ہے۔ لیکن کتاب مذکورہ بالا میں صرف اسماعیلی عقائد پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ یوں بوہرے اور خوجے دونوں اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ مگر اس کتاب میں جماعت بوہرہ کے عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔ آخر میں فٹ نوٹس ہیں، جن میں ان کے کتابوں کے نام ہیں جو اس کتاب کے ماخذ ہیں۔ وہ بجز ابو یعقوب کتاب پر مشتمل ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسماعیلی فرقہ پر تاریخی تبصرہ
۲۔ اسماعیلی عقائد دور اول میں۔
۳۔ فاطمی عقائد دور ثانی میں۔
۴۔ تاویل الدعائم
۵۔ اسماعیلی عقائد کا تیسرا دور
فٹ نوٹس

پہلا مضمون ایک ٹھوس اور قیمتی مقالہ ہے جس کے مطالعے سے اسماعیلی فرقے کی تاریخ روشن ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اس فرقے کا جو زمانہ روپوشی ہے اس کے کردار پر بہت بچے تلے الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرے اور تیسرے مقالے میں اسماعیلی اور فاطمی عقائد کا ذکر ہے۔ دور اول میں یہ تحریک اسماعیلی تحریک کہلاتی تھی۔ لیکن دوسرے دور میں جب مصر میں ان کی حکومت قائم ہوگئی یہ فاطمی تحریک دعائم الاسلام کہلانے لگی۔ اسی دور میں قاضی لقمان نے اسماعیلی فقہ پر ایک مستند کتاب لکھی ہے۔ یہ اسماعیلی جماعت کے سب سے بڑے فقیہ سمجھے جاتے تھے۔ ان کی کتاب کا نام دعائم الاسلام ہے۔ اس کتاب میں اسلام کے ظاہری احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی پر بہت زور دیا گیا ہے۔

باطن لیکن یہ فرقہ ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی قائل ہے۔ اس لئے یہ ہر ظاہری بات کی ایک تاویل بھی کرتے ہیں۔ اپنے اسی عقیدے کی بناء پر قاضی لقمان نے دعائم الاسلام کی بھی ایک تاویل لکھی جس کا نام تاویل دعائم الاسلام ہے۔ یہ دور ثانی کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ دور ثالث میں

بھی بڑے بڑے فقہاء اور علماء پیدا ہوئے جن کو یہ اپنی اصطلاح
میں مخصوص ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ ان فقہاء میں سیدنا
حمید الدین کرمانی اور موید شیرازی کے نام سرِ فہرست ہیں۔

یہ ہم سب جانتے ہیں کہ بوہرے اسلام کے ظاہری احکام
کی بجا آوری پر زور دیتے ہیں، جن دنوں مصر میں فاطمیوں
کی حکومت تھی ان دنوں بھی یمن کے دورِ حکومت میں بھی ان
کی مساجد آباد رہتیں۔ اور وہ نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ
کا بڑا اہتمام کرتے۔

تاویل

اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو بوہرہ فرقہ
قابلِ قدر ہے۔ لیکن یہ فرقہ ہر ظاہری حکم
بلکہ قرآن کے ہر ظاہری لفظ کی ایک تاویل کرنا بھی ضروری
سمجھتے ہیں۔ علمِ تاویل گرچہ قرآن سے ثابت ہے۔ مگر
اسماعیلی دعاۃ اور علماء نے جس انہماک کے ساتھ اسلامی
احکام اور قرآنی الفاظ کی تاویل کی ہے۔ اسے دیکھ کر ایسا
محسوس ہوتا ہے کہ اسلام ظاہر کے مقابل اور ایک اسلام
باطن اور قرآن ظاہر کے مقابل اور ایک قرآن باطن بھی ہے۔
یہی بات اہلِ سنت والجماعت کو بوہروں سے شکوے
کا موقع دیتی ہے۔

مثلاً سورۂ یوسف کی تفسیر ہے۔ اس میں ایک تاریخی
واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جو قرآن کے علاوہ بائبل میں بھی ہے۔
اور اس کی تاریخی حیثیت سے انکار مشکل ہے مگر مفسرینِ فاطمی
نے اس پورے سورہ کی جو تاویل کی ہے۔ اور جو اس کتاب میں
بھی ہے یہ قدم قدم پر چونکا دیتی ہے۔ اور ایک اہلِ سنت
والجماعت جب ان تاویلوں کو پڑھ کر فارغ ہوتا ہے تو
وہ اپنے کو دریائے حیرت میں غرق پاتا ہے۔

تاویل ایک روحانی ذوق ہے۔ اس کا ثبوت قرآن و
حدیث سے بھی ملتا ہے۔ صوفیائے اہلِ سنت والجماعت نے
بہت سی آیاتِ قرآنیہ کی تاویل کی ہے۔ مگر انھوں نے اس کو
قرآن ظاہر کے مقابل ایک قرآنِ باطن بنا کر پیش نہیں کیا ہے۔

اس کتاب میں مسئلۂ نبوت، وصایت، امامت
اور ولایت کا بھی بہت دلنشیں اور قابلِ فہم انداز میں ذکر ہے۔
یہی بادشاہ یعنی نبی کے وزراء وارکانِ سلطنت ہوتے ہیں۔
اس کتاب میں واضح طور پر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کو خاتم النبیین تسلیم کیا گیا ہے۔

دورِ ضلالت میں ناطقین، ائمہ مستودع وائمہ مستقر کا
جو سلسلہ دریافت کیا گیا اور جو اس فرقے کا مسئلۂ المذہب
ہے ان کا بھی بہت تفصیل سے ذکر ہے۔

اس میں تعطیلِ شریعت کے مسئلے سے بھی بحث کی گئی
ہے۔ اور امامِ عصر کی یوم الست والی دعا، اور امام محمد بن اسمٰعیل
کو ناطق سابع تسلیم کرنے سے تعطیلِ شریعت کے خیال کو
تقویت ملتی ہے۔ اس شبہ کا ازالہ بھی بہت حسن و خوبی سے
کیا گیا ہے۔ اور سب سے بڑی بات جو مصنف کی یہ معلوم ہوتی
ہے کہ اگر بوہرے تعطیلِ شریعت کے قائل ہوتے تو نماز،
روزہ جیسے احکام کے کیوں پابند ہوتے۔

اسماعیلی عقائد کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ
ضروری ہے۔ لیکن تاویلات کا جو باب ہے اس کو
پڑھنے کے لئے صبر و ضبط کی ضرورت ہے۔

اس کتاب کا اندازِ تحریر پیچیدہ تاریخی ہے۔ شاید کہیں
یہ نام اس کتاب میں آ بھی گیا ہے۔ مصنف مذہبی آمریت سے
سخت بیزار معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ اعلم بالصواب

خاکسار نے اس کتاب سے پہلے بھی اسماعیلی عقائد کا
مطالعہ کیا تھا۔ اور ایک مقالہ مرتب کیا تھا جو گلستان کے
ایک رسالے میں ۸۰ صفحات پر شائع ہوا تھا۔ کتاب [illegible]
کے مطالعے سے علمِ تاویلات میں بہت اضافہ ہوا۔

یوں تو اسماعیلی تحریک علم تاویل کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ مگر جس چیز سے فتنہ پیدا ہوتا ہو۔ کیا ضروری ہے کہ اس کا ہر جگہ ذکر کیا جائے۔ اور یوں بھی تقیہ تو آپ کا جزوِ ایمان ہے۔ فافہم وتدبر۔ ورنہ مسلمان تو اس کتاب کو پڑھ کر کہیں گے کہ

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند (اقبال)

بہر صورت اسماعیلی عقائد کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ معین و مددگار ثابت ہوگا۔

نام کتاب:- فرقہ واریت اور
فرقہ وارانہ فسادات

نام مصنف:- جناب اصغر علی انجینئر (تجزیاتی تجربہ)
کاغذ، کتابت و طباعت : اعلیٰ و دیدہ زیب
صفحات : ۲۰۰
قیمت غیر مجلد : تیس روپیے۔ مجلد : ۳۵ روپے
ناشر:- اسماعیل عطر والا۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
آمرو کارنج۔ فورتھ روڈ۔ سانتا کروز بمبئی ۴۰۰۰۵۵

ہندوستان میں آئے دن فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اس کتاب میں اس کا سیاسی، معاشی اور سماجی تجزیہ کیا گیا ہے۔ پہلے تو فسادات کے پس منظر پر ایک بسیط مضمون ہے۔ دوسرا مضمون ہے فرقہ واریت کی سماجی و معاشی بنیادیں۔ تیسرا مضمون ہے ہندوستانی مسلمانوں کی سماج دشمن روایات۔

یہ تینوں مضامین نہایت معلومات افزا ہیں۔ ان میں فسادات کے اسباب و علل پر بصیرت افروز رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرا مضمون تو مسلم و غیر مسلم سبھوں کے لئے قابل مطالعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند مسلمانوں نے جنگ آزادی کی طرح کس طرح ڈالی۔ یہ انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے آزادی کی مہم چلا رہے تھے۔ محمد ٹیپو حکمران دکن کے علاوہ شمالی ہند میں بھی [illegible] اور دوسرے مقتدر علماء نے آزادی کی مہم جاری رکھی۔ اس سے پہلے کہ ۱۸۷۵ء میں لارڈ ہیوم انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھتے مسلمان حکمران، علماء اور مجاہد جنگ آزادی کی تحریکیں چلا چکے تھے۔ یہ مضمون ان تمام لوگوں کے قابل مطالعہ ہے جو ہندوستان کی جنگِ آزادی سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

اس کے بعد بڑے بڑے فسادات کی نام بنام تفصیل ہے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱۔ علی گڑھ کا فساد (ترقی پسند عناصر کیلئے چیلنج)
۲۔ فیروز آباد کا فساد
۳۔ فسادات اور دو بھائی کا [illegible] (ترقی پسند عناصر کیلئے [illegible])
۴۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (اقتدار کی ایک جنگ)
۵۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بل (کیا یہ ہنگامہ جوابی ہے)
۶۔ بہار شریف فرقہ وارانہ فساد (ایک تجزیہ)
۷۔ بہار شریف (فسادات کے بعد)
۸۔ گودھرا فرقہ وارانہ فساد (فرقہ واریت کا گھناؤنا روپ)
۹۔ احمد آباد میں پھر فرقہ وارانہ فساد
۱۰۔ پونا اور شولاپور (فرقہ وارانہ فسادات کی زد میں)
۱۱۔ میرٹھ فساد (پی اے سی کی بربریت کا ننگا ناچ)
(میرٹھ فساد کے چند تجرباتی پہلو)
۱۲۔ نوبرودہ کا فرقہ وارانہ فساد یا سی آر پی کا ظلم
۱۳۔ آسام تحریک (تحقیقی رپورٹ اور تجزیہ)
۱۴۔ مالے گاؤں کا فساد (سیاسی اور معاشی تجزیہ)

۱۵۔ حیدرآباد کا فساد (تحقیقاتی اور تجزیاتی رپورٹ)
۱۶۔ خالصتان کا مسئلہ اور ہندوستانی مسلمان
۱۷۔ تبدیلیٔ مذہب (اسباب و نتائج)
۱۸۔ سری لنکا میں تامل اقلیت اور ہندوستان میں مسلم اقلیت کا مسئلہ
۱۹۔ ڈیرہ ڈون کے مسلمان (بدلتے ہوئے رجحانات)
۲۰۔ آر ایس ایس اور ہندوستانی مسلمان
۲۱۔ مسلمانوں کے مسائل اور قومی اخباروں کی خاموشی

مضامین مذکورہ بالا کے علاوہ ۲۱ بڑے بڑے فسادات کے اسباب و علل پر بڑی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ہر نام کے آگے قوسین میں جو عبارت ہے وہ خود مصنف کی ہے۔ اس سے ایک اہل علم اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس نام کے ضمن میں کیا باتیں پیش کی گئی ہیں۔ اس سے خود بخود مطالعہ مضمون کی تحریک ہوتی ہے۔

مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ فسادات کے محرکات سیاسی، معاشی اور سماجی عوامل ہیں۔ قومیت یا دو قومی نظریے کو فسادات کا محرک تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

اس سے پہلے میری نظر سے ہندوستانی فرقہ وارانہ فسادات پر کوئی ایسی ٹھوس اور مفصل کتاب نہیں گزری تھی۔ اس کتاب کی اہمیت یوں بھی بہت زیادہ ہے کہ ہر جگہ مصنف نے خود جا کر تحقیق کی ہے۔ یعنی چشم دید حالات اور ذاتی تحقیقات قلم بند کی ہیں۔ یقیناً انھوں نے اس سلسلے میں بڑی کاوش کی ہے۔ ان کی محنت قابلِ تحسین ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ طرزِ تحریر پرولتاری ہے۔ یعنی اشتراکی اندازِ تحریر ہے۔ مجھے اس کتاب کے پڑھتے ہوئے کارل مارکس کے رفیق کار اینگلز کی کتاب "خاندان۔ ذاتی ملکیت اور ریاست" یاد آگئی۔ بالکل اسی انداز اور طرزِ تحریر میں ہندوستانی فسادات کا تجزیہ کیا ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ اس دور میں یہ طرزِ تحقیق دوسرے اندازِ فکر سے زیادہ قابل قدر اور ترقی یافتہ ہوتی ہے۔ اس طرح گہرائی میں ڈوب کر ہر سبب کی تلاش کی جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ہندوستان میں ہر گھنٹے میں ایک فساد ہوتا ہے۔ مگر وہ فسادات جن سے سارا ملک لرز اٹھا وہی بڑے بڑے فسادات ہیں جن کا اس کتاب میں ذکر ہے۔

جو لوگ ہندوستانی معاشرے کو سمجھنے کا سیاسی معاشی اور سیاسی شعور رکھتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب قابلِ مطالعہ ہے۔

عبدالوہاب نجدی | اس کتاب میں جو اور ایک چونکا دینے والی بات ہے وہ یہ ہے کہ "عبدالوہاب نجدی" جو بہت بڑے اہل حدیث بلکہ اس سلسلے کے مصلح سمجھے جاتے ہیں۔ ان کو مقلد ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد تھے۔ اور سید عبدالقادر جیلانیؒ جن کے متعلق مشہور ہے کہ حنبلی تھے۔ ان کو اہل حدیث ثابت کیا گیا ہے۔

کشف و تصوف | تیسری بات جو اہم ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے اہل کشف، اہل باطن اور اہل تصوف بزرگوں کو بھی اس میں اہل حدیث کہا گیا ہے۔ حالانکہ عموماً یہ بات کہی جاتی ہے کہ اہل حدیث ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے۔

دعوی مجددیت | اس میں ایک مسئلہ دعویٰ مجددیت بھی ہے۔ یعنی یہ کہ مجدد، مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہؒ کے دعاوی درج کئے گئے ہیں۔

تدوین علم حدیث | اس میں ایک باب تدوین علم حدیث کا بھی ہے جو بہت مفصل اور معلوماتی ہے۔

مرتبہ: فہمی بن صباح

ساحر شیوی ہندوستان میں

"نیم شگفتہ" اور "وقت کا سورج" کے خالق اور نیروبی (مشرقی افریقہ) میں مقیم کوکن کے خوش فکر اردو شاعر ساحر شیوی اکتوبر۔ نومبر میں انگلستان اور ہندوستان کا دورہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہندوستان سے اس قدر دور رہ کر اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود ساحر صاحب نے اردو زبان و ادب کو اپنے سینے سے لگائے رکھا ہے۔ آپ صرف مشق سخن کے ذریعہ ہی ادب کو فروغ دینے پر اکتفا نہیں کرتے۔ آپ کا تعلق کئی ایسے اداروں سے ہے جو سالہا سال سے ادب نوازی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ کوکن اردو رائٹرس گلڈ شاخ نیروبی (کینیا) کے آپ روح رواں ہیں۔ گلڈ کے زیر اہتمام آج تک کل چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور چند اور کتابیں جلد ہی طبع ہو کر منظر عام پر آجائیں گی۔

(نامہ نگار: شیخ اسماعیل)

نیروبی میں مینا بازار

نیروبی کے کوکنی مسلم کلب کی بزم خواتین نے سنیچر یکم ستمبر ۸۲ء کو کوکنی مسلم ایسوسی ایشن ہال میں ایک نہایت ہی شاندار "مینا بازار" کا انعقاد کیا جو کہ بہت ہی کامیاب اور منفعت بخش ثابت ہوا۔

(نامہ نگار: شیخ اسماعیل)

تارلی اردو مدرسہ

اردو مدرسہ تارلی کے لئے عطیات

جناب عبدالحمید حسن آرائی اور جناب فقی محمد غلام محی الدین آرائی ان دونوں نے مدرسہ کو رنگ دینے کے لئے /300 روپئے عطیہ دیا۔ جناب ایوب عبدالرحمٰن دھر موجی نے مدرسہ کے لئے /30 روپے سالانہ دے کر نقش کوکن جاری کیا ہے۔ جناب ایرابراہیم بیٹھان نے /40 روپے عطیہ دے کر دو رسالے قومی راج اور سائنس کی دنیا جاری کر دیئے ہیں۔

(نامہ نگار: ابراہیم یعقوب نیلیکر۔ صدر مدرس)

شیخانی میموریل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے نتائج

انجمن اسلام جنجیرہ کے ماتحت جاری سیدی ظفر شیخانی میموریل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ مروڈ جنجیرہ سے جولائی ۸۲ء میں آئی ٹی آئی (I.T.I.) کے امتحان میں مندرجہ ذیل طلبہ کامیاب ہوئے:

موٹر میکانک فائنل ٹیسٹ۔ نتیجہ ۱۰۰ فی صد

(۱) پرفرے معین الدین نورالدین (۲) چیلوان شمیم محمد۔
(۳) دفعدار مقبول اسماعیل
(۴) فقیہ شہادت شرف الدین۔
(۵) جمعدار شبیر احمد محمد صاحب
(۶) قاضی ابوالفضل حبیب میاں۔
(۷) قاضی صدیقی کاظم ابوبکر
(۸) لانگڑے حبیب عبدالرشید
(۹) لسنے ریاض عبدالرزاق
(۱۰) ناگوٹھنے ظہور احمد داؤد
(۱۱) پرکار اسماعیل حسن
(۱۲) ساونت زاہد علی احمد
(۱۳) شیخ محمد شفیع نسیم اللہ

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت، کامیابی یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے۔ تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے ــ عدم اشاعت پر ناراض نہ ہوں بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

(۱۴) اولیکرے بتیا دعلی محمد (۱۵) پرد نکرعمر فاروق عمر ۔
(۱۶) اشتیکر محمد صادق عبدالرحیم (۱۷) اوارے خلیل اسماعیل
(۱۸) دھنسے منظر علی یعقوب (۱۹) پٹھان فاروق عبدالکریم
(۲۰) صدیقی زاہد حسین زین الدین (۲۱) سولکر نیاز احمد اسحاق
(۲۲) ٹھوکن ریاض احمد شمس الدین ۔

ویلیٹر فائنل ٹیسٹ نتیجہ ۱۰۰ فی صد

(۱) جلوان محمد سلیم عباس (۲) دکھنی نواب عبدالرحمٰن
(۳) عیدروس شکیل احمد زین العابدین (۴) جعفر آصف علی ایم قاسم
(۵) خیبر صادق عبدالغفور (۶) خیبر محمد اسحاق عبدالغفور ۔
(۷) خانزادہ ایس معظم ایس احمد (۸) فراوے انور داؤد ۔
(۹) منڈے عبداللہ غلام حسین (۱۰) ناگو ٹھنے ایم شفیع داؤد
(۱۱) راؤت شوکت علی ابراہیم (۱۲) شیخ عقیل احمد شمس الدین
(۱۳) ٹھوکن مبین حسین (۱۴) ٹھوکن ریاض احمد شمس الدین ۔
(۱۵) کاغذی عظیم شریف (۱۶) مقدم دلاور احمد
(۱۷) شیخانی ابوسفیان عمر ۔

بزمِ فروغِ تعلیم تامانے مجگاؤں مقیم بحرین

بحرین میں بسلسلۂ ملازمت بود و باش رکھنے والے تامانے مجگاؤں ضلع رائے گڑھ کے نوجوانوں نے ۱۵ ۔ ۲۰ نوجوانوں پر مشتمل ایک بزم "بزمِ فروغِ تعلیم تامانے مجگاؤں" قائم کی ہے ۔ جناب نذیر قاسم وگناک جیسے جواں ہمت نوجوان کے زیرِ صدارت یہ بزم اردو اور عربی تعلیم کے فروغ کے لئے نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے ۔ اس بزم کی جانب سے ہر ماہ مذہبی تعلیم کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں ۔ نیز ضرورت مند طلبہ کو کتابیں اور تعلیمی امداد دینا، ذہین طلبہ کو انعامات سے نوازنا، اردو اسکول کے لئے لگنے والے تعلیمی لوازمات اور مذہبی تعلیم سے متعلق دینی کتابیں مہیا کرنا بزم کے اغراض و مقاصد میں شامل ہیں ۔ بزم کی ورکنگ میں مندرجہ ذیل اراکین شامل ہیں (۱) جناب نذیر قاسم وگناک (۲) جناب شمس الدین ابراہیم داویکر (۳) جناب انور خان ہمبیکر (۴) جناب محمود حسن دابلکر (۵) جناب شبیر عمر صاحب حمدارے (۶) جناب نذیر عبدالستار ھمبیکر

ہم ان تمام اراکین کی مساعی جمیلہ پر ان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں ۔

(نامہ نگار: ستار علی معاون مدیر)

جناب انجم عباسی کا مجموعۂ کلام "لہو کے چراغ"

کوکن اردو رائٹرز گلڈ کی نیروبی شاخ کے مالی تعاون سے وادیٔ کوکن کے جواں فکر اور مقبول نثر نگار جناب انجم عباسی کا مجموعۂ کلام لہو کے چراغ شائع ہو گیا ہے ۔ یہ مجموعہ جناب پریم گوپال متل صاحب نے موڈرن پبلشنگ ہاؤس دہلی سے شائع کیا ہے اور اسے خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے ۔ کوکن اردو رائٹرز گلڈ کی ان مطبوعات میں جناب ساحر شیوی کا نمایاں رول ہے ۔ یہ مجموعۂ کلام حسب ذیل پتہ پر مل سکتا ہے :

انجم عباسی
بندوق والا بلڈنگ بی بلاک روم ۱۲ جیل روڈ نا
بمبئی ۹

(نامہ نگار: ایس علی)

مسقط میں عید الاضحیٰ

یہاں پر عید کے موقعوں پر حکومت ایک طویل تعطیل کا اعلان کرتی ہے ۔ مگر یہاں سیر و تفریح کے لئے مراکز نہیں کہ جہاں پر یہ خوشی کے لمحے گزار سکیں ۔ لہٰذا عید کے دوسرے دن وزیر خطیب کے دولت کدہ پر ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں کوکنی برادری نے بڑی تعداد میں شرکت کی ۔ مجلس کے آخر میں کچھ غزلیں اور نعتیں بھی پیش کی گئیں جو حاضرین کے لئے باعثِ مسرت بنیں ۔

عازمینِ حج

ہماری ایک ہمدرد کارکن محترمہ فاطمہ عبدالمطلب پٹوی نے اس امر پر خوشی کا اظہار کیا ہے کہ جوگیشوری بمبئی کے فاروق ہائی اسکول فار گرلز کی پرنسپل محترمہ زیب النساء یعقوب بکری والا اس سال مع اپنے خاوند حج بیت اللہ سے مشرف ہوئیں۔

بزمِ کوکن کی شعری نشست

بزمِ شعر و ادب کوکن (بمبئی) کی ماہانہ طرحی نشست مورخہ ۱ر ستمبر ۱۹۸۴ء کو عالی جناب آغاز کیفی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ سعید کنول صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ اس نشست میں مندرجہ ذیل شعرائے کرام نے اپنے طرحی کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ مہر اصفہانی صاحب علالت کی وجہ سے پچھلی تین نشستوں میں شریک نہیں ہو سکے۔ مگر اس نشست میں ان کی طرحی غزل پڑھی گئی۔

جناب آغاز کیفی: دھوپ میں جھلسے گی جب میری حیات
تیرا آنچل سائباں ہو جائے گا

جناب قیصر رتناگیری: جانے کب کیسے کہاں ہو جائے گا
حادثہ ہے ناگہاں ہو جائے گا

جناب مہر اصفہانی: آج جو بھی اس زمیں پہ بار ہے
کل وہ بارِ آسماں ہو جائے گا

جناب محمود الحسن ماہر: غربت و افلاس کو آنے تو دو
دوستوں کا امتحاں ہو جائے گا

جناب سعید کنول: ٹوٹ کر بکھرے گا دل کا آئینہ
گر تو پتھر کی زباں ہو جائے گا

جناب شاداب رتناگیری: وقت کو کروٹ بدلنے دو ذرا
جو ہے ناقد مدح خواں ہو جائے گا

جناب ناچیز قیصری: دیکھنا اک دن دوئی کا فاصلہ
اُن کے میرے درمیاں ہو جائے گا

جناب واحد محسن: سوکھ جائے گا لہو جب جسم میں
رنگ بھی اس کا گراں ہو جائے گا

جناب بسمل کیفی: جذبۂ تعمیرِ نغمۂ انقلاب
یوں نصیبِ دشمناں ہو جائے گا

جناب یعقوب ساغر: گر تخیل کو بلندی ہو نصیب
تو زمیں پہ آسماں ہو جائے گا

جناب حمید قاضی: بجذبۂ الفت جواں ہو جائے گا
وہ یقیناً مہرباں ہو جائے گا

جناب مظہر سیلانی: خواہشِ دنیا نہ کر حد سے سوا
ورنہ عقبیٰ کا زیاں ہو جائے گا

اُردو اسکول باغ مانڈلہ میں جشنِ الوداع

۳۱ر جولائی ۸۴ء کو اردو اسکول باغ مانڈلہ تعلقہ شریوردھن کے صدر مدرس جناب حسین یونس کرجیکر کی ۳۵ سالہ تعلیمی خدمات کے بعد سبکدوشی کے موقع پر اردو اسکول باغ مانڈلہ کے مدرسین اور بچوں نے الوداعی جلسہ دیا جس میں گاؤں کے عمائدین اور دیگر حضرات نے کثیر تعداد میں، خاص کر ہندوؤں نے بھی شرکت کی۔ جلسے کی صدارت باغمانڈلہ مسجد کے پیش امام مولانا شفیق احمد ندوی صاحب نے فرمائی۔

اسکول کی طالبات ریحانہ عبدالغفور مانڈلیکر، نفیسہ محمد سعید ونارسے اور پروین آدم مانڈلیکر نے حمد پیش کی اور طالب علم شکیل ابراہیم کاروڈکر نے جناب منظر باغمانڈلوی کی نعت پڑھی۔ طلبہ میں خیرالدین اسماعیل عمرے، اشفاق نصرالدین مانڈلیکر، رفیق عبدالعزیز اور دلنواز عبدالعزیز نے تقریریں کیں۔ نور کہانہ، نفیسہ اور پروین نے الوداعی نظم پڑھی جسے سن کر حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔

اسی موقع پہ جناب عبدالکریم محمود کاروڈکر صاحب کی جانب سے سالانہ امتحان میں اول اور دوم نمبر حاصل کرنے والے بچوں کو جناب داؤد ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں انعامات دیئے گئے۔

کامیابی

★ بمبئی یونیورسٹی سے ملحق طبیہ کالج بمبئی سے امسال B.U.M.S. کے فائنل امتحان میں کامیابی حاصل کر کے درج ذیل طلبہ ڈاکٹری کی سند کے مستحق قرار پائے۔ ان کامیاب ڈاکٹروں کو ہم دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

(۱) ڈاکٹر عبدالوحید انصاری (۲) ڈاکٹر انجم اشفاق انصاری۔ (۳) ڈاکٹر پروین سلطانہ انصاری (۴) ڈاکٹر عتیق احمد انصاری (۵) ڈاکٹر فرحت علی انصاری (۶) ڈاکٹر افتخار احمد محمد اسحاق (۷) ڈاکٹر جاوید حسین محمد یٰسین انصاری (۸) ڈاکٹر ماجرہ رحیم بخش انصاری (۹) ڈاکٹر صاحبزادہ منور علی بیگ (۱۰) ڈاکٹر رخشندہ فرغوری (۱۱) ڈاکٹر کمال الدین خان (۱۲) ڈاکٹر طاہرہ یاسمین خان (۱۳) ڈاکٹر اسرار احمد خان (۱۴) ڈاکٹر محمد علی مقادم (۱۵) ڈاکٹر رئیس الدین افتخار الدین ملا (۱۶) ڈاکٹر امتیاز ابراہیم کوندکری۔ (۱۷) ڈاکٹر نادرہ نورالحسن نیازی (۱۸) ڈاکٹر عصمت عبدالکریم پٹیل (۱۹) ڈاکٹر زاہدہ اشفاق علی سید (۲۰) ڈاکٹر جاوید خلیل احمد شاہجہاں (۲۱) ڈاکٹر اختر النساء احمد شیخ (۲۲) ڈاکٹر محمد انور شیخ۔ (۲۳) ڈاکٹر منور زادی سید (۲۴) ڈاکٹر امتیاز محمود چھاپرہ (۲۵) ڈاکٹر عبدالرؤف دبیر (۲۶) ڈاکٹر خلق اللہ خان (۲۷) ڈاکٹر عبدالصمد غلام رسول مومن۔ (نامہ نگار: محمد نائیک)

★ S.S.C. کا نتیجہ ظاہر ہوتے ہی ہمارے تعلیمی ادارے اپنے اپنے نتائج بتفصیل روانہ کرتے ہیں۔ جو فوراً شریک اشاعت ہوتے ہیں۔ البتہ کچھ نام جو تاخیر سے پہنچتے ہیں وہ چھپنے سے رہ جاتے ہیں۔ اس وقت بھی کچھ نام جو ہمیں تاخیر سے ملے تھے اور انھیں شائع کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اب ڈاکٹروں کی کامیابی کے ساتھ اسی عنوانِ کامیابی کے تحت شاملِ اشاعت ہیں۔

سٹیبون تعلقہ کھیڈ کے مظفر احمد نورے چھبیلداس ہائی اسکول دادر بمبئی سے ۸۲ فیصد مارکس حاصل کر کے کامیاب رہے تو نوجیون ہائی اسکول شیون کے لیاقت عبدالرحمٰن پاپیکرنے ۷۰ فیصد مارکس حاصل کئے۔ بمبئی میں خالدہ عبدالرحمٰن سرنگ ۷۳ فیصد مارکس حاصل کر کے کامیاب ہوئیں تو نمبئی ابراہیم سرنگکو ۶۴ فیصد مارکس ملے۔ اسی طرح ربانی کالج بمبئی سے شبنم عبدالرحمٰن سرنگ نے ۶۴ فیصد نمبر کے ساتھ بارہویں میں کامیابی حاصل کی۔

(نامہ نگار: عباس سروے اور نثار واگو)

کوکن جہاز سروس

مغل لائن شپنگ کمپنی کے ذریعے بمبئی اور پنجی کے درمیان کوکن مسافروں کی سروس ۱۷ نومبر اکتوبر سے شروع ہونے کی توقع ہے۔ اس روٹ پر چلنے والے دونوں جہاز مرمت کے لئے خشک گودی پر پڑے ہوئے ہیں۔ جو کہ اکتوبر کے وسط تک استعمال میں آنے کے قابل ہو جائیں گے۔

راجیواڑی ایس۔ بی۔ ایم سوسائٹی کی نئی انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل

قصبہ راجیواڑی تعلقہ سنگمیشور ضلع رائے گڑھ۔ یہاں پر ۱۹۷۷ء کو شکشن پرسارک منڈل نام کی ایک سوسائٹی قائم کی گئی تھی جس کی انتظامیہ کمیٹی کا انتخاب ۱۹۸۲ء میں ہونا چاہئے تھا مگر کچھ وجوہات کی بنا پر ۱۹۸۲ء میں انتظامیہ کمیٹی تشکیل میں نہ آئی۔ آخر نوجوانان راجیواڑی کی پرجوش کوششوں سے مورخہ ۲۷ اگست ۸۳ء کی جنرل میٹنگ میں ایک نئی انتظامیہ قائم ہوئی: جناب ابراہیم عثمان کاپڑی: صدر۔ ڈاکٹر ابراہیم عثمان پاؤسکر، نائب صدر۔ جناب لیاقت عبدالرحمٰن لمبارے: سیکریٹری۔ جناب عباس عمر چاپیکر، نائب سیکریٹری۔ جناب علی صاحب داؤد بٹے، خازن۔ اور اراکین: اسحاق بابا ساونت، اسکندر حسین غیبی۔ عمر صاحب ابراہیم لمبارے۔ محمد شریف کاسکر۔ عبدالرحمٰن بٹے۔ فقیر بابو گیرے۔ ابراہیم چلوان۔ موسیٰ محمد بانگی۔ عبدالرحمٰن بابا غیبی۔ بابو پنڈ[illegible] قاضی۔

(نامہ نگار: [illegible])

پرنسپل ڈاکٹر اے اے غنی

یہ خبر ریاست مہاراشٹر کے تعلیمی وتدریسی نیز علمی وادبی حلقہ میں بالعموم اور اہالیانِ کوکن میں بالخصوص مسرت کا باعث ہوگی کہ امسال نیشنل فاؤنڈیشن فار ٹیچرز ویلفیر بمبئی عظمیٰ کی جانب سے ڈاکٹر عبدالقدوس غنی پرنسپل مہاراشٹر کالج بمبئی، صدر اردو اکیڈمی ونائب صدر کوکن انزنائیشنل کوان کی ۲۵ سالہ تعلیمی خدمات کی قدر افزائی کے طور پر سالِ رواں کا بہترین معلم کے اعزاز وانعام سے نوازا گیا ہے۔

مذکورہ ادارہ جس کے سرپرست اعلیٰ مہاراشٹر کے گورنر عزت مآب جناب ایدریس حسن لطیف صاحب ہیں۔ اور دیگر سرپرستوں میں حکومت مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ شری وسنت دادا پاٹل، وزیر تعلیم شری سدھاکر نائیک اور بمبئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ایس این گورے کے نام قابلِ ذکر ہیں۔۔ کی بنیاد ۱۹۶۲ میں رکھی گئی تھی، اور تب سے کر آج تک یہ ادارہ ریاستی سطح پر یونیورسٹی، ثانوی مدارس اور ابتدائی مدارس کے مخلص، قابل اور باصلاحیت اساتذہ کے کارہائے نمایاں کی توصیف اور ان کی خدمات کی قبولیت اور تصدیق کے طور پر انعام واعزاز سے نوازتا رہا ہے۔

اس سال جن سات اساتذہ کو انعامات سے نوازا گیا ہے ان میں ڈاکٹر اے اے غنی کا نام سرِ فہرست ہے۔ اور یہ پہلا موقع ہے کہ کسی مسلم ادارہ کے پرنسپل کو نہ صرف یونیورسٹی کے تمام اساتذہ میں بہترین معلم تسلیم کیا گیا بلکہ غنی صاحب وہ پہلے مسلم ٹیچر ہیں جنھیں یہ انعام دیا گیا ہے۔ نیز ڈاکٹر غنی صاحب کالج کے واحد استاد ہیں جنھیں امسال اس اعزاز سے سرفراز کیا گیا ہے۔

میونسپل کارپوریشن ہال بمبئی میں منعقد ہونے والی خصوصی تقریب میں ریاستی قانون ساز کونسل کے سابق چیرمن مسٹر ڈی ایس پاگے نے اعزاز سے نوازا۔ جبکہ میونسپل ایڈمنسٹریٹر شری ڈی ایم سکھٹنکر نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔

مشتاق دلوی

جناب مشتاق یوسف دلوی جنھوں نے امسال منی پال انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے انجینیرنگ میں B.E. کی ڈگری فرسٹ کلاس ڈسٹنکشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ اور آئندہ بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اپنے نیک مقصد میں کامیاب کرے۔

جواں سال مشتاق یوسف دلوی کا آبائی وطن کارے بورلی پنچتن تعلقہ شریوردھن ضلع رائے گڈھ ہے۔ موصوف نے ابتدائی تعلیم انڈین اسکول کویت سے حاصل کی۔ اسکول کے زمانہ تعلیم میں بھی آپ ہمیشہ اول نمبر رہے۔ ہائر سکنڈری گروپ آف سائنس میں انڈین اسکول کویت میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے۔ جس کی بنا پر انھیں کویت کے شیخ عبداللہ جابر الصباح کی جانب سے تین سال کے لئے اسکالرشپ دی گئی۔

موصوف فی الحال اپنے والد سے ملنے کویت گئے ہوئے ہیں۔ تاکہ ان سے صلاح مشورہ کرسکیں۔ ان کے والد جناب یوسف محمد دلوی منسٹری آف کویت کے پاور اسٹیشن شعبہ (شعایبہ) میں سینئر ٹیکنیکل اسسٹنٹ کے عہدے پر فائز ہیں۔

محمد سعید لوپیرے

جناب محمد سعید قمرالدین لوپیرے ساکن نانددی ضلع رائے گڑھ کے ایک معزز باشندہ ہیں۔ آج ان کی زندگی جس سرخروئی اور سرفرازی سے ہم کنار ہے اس میں ان کی شب و روز محنت اور ان کے مصمم ارادوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد بمبئی آکر ہوٹل میں ملازمت اختیار کی — مگر ان کی زندگی خوب سے خوب تر کی متقاضی تھی۔ اس لئے سنہ ۱۹۴۲ء میں ملٹری میں بھرتی ہوئے سنہ ۱۹۴۶ء تک ملٹری میں سروس کی۔ سنہ ۴۷ء کے انتشار اور دیگر ناخوش حالات کی وجہ سے انھیں سروس کو خیرباد کہنا پڑا اور بمبئی بی ای ایس ٹی کمپنی میں داخل ہو گئے۔ وہاں الیکٹرک ٹیکنیکل ڈپارٹمنٹ میں ایک طویل عرصے تک اپنے فرائض منصبی جس دیانتداری سے انجام دیئے اسی کا نتیجہ تھا کہ جب وہ ۸۴/۱ کو اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے تو ممتاز افسران نے ان کی خدمات کو سراہا۔

وہ قومی خدمت کا جذبہ بھی رکھتے ہیں اور اپنے علاقے کے کئی اداروں کے فعال رکن ہیں ۔۔ ۷ اگست ۸۴ء کو اپنی اخروی سرفرازی کے لئے حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو گئے ہیں ہم انھیں اس مبارک فریضہ کی ادائیگی پر مبارکباد دیتے ہیں۔

کیپٹن فقیر محمد جولے کو ایک لاکھ روپئے کی ادائیگی

ہندوستانی جہازرانی کے مرد مجاہد پدم شری کیپٹن فقیر محمد جولے متوطن کڈوئی ضلع رتناگری نے ہندوستانی جہازرانی میں انگریزوں کی اجارہ داری کو ختم کرنے اور ملکی افسران کو بروئے کار لانے کی غرض سے ۱۹۲۳ء میں جہازی افسران کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک ادارہ قائم کیا تھا۔ آج حکومت کے زیر اہتمام ٹریننگ شپ اور تمام سہولیات سے آراستہ نائیکل کالج بھی ہے۔ مگر جس وقت ایسا کوئی انتظام نہ تھا کیپٹن جولے نے شخصی طور پر اتنی بڑی ہمت کی تھی جو بارآور بھی ہوئی لہٰذا ان سرکاری اداروں کا جب جب جشن منایا گیا تو کیپٹن جولے کو بھی حکومت فراموش نہ کر سکی۔ بڑی عزت و توقیر کے ساتھ انھیں اعزاز بخشا۔ پدم شری کے خطاب سے نوازا۔ اور ابھی ۱۸ اگست ۸۴ء کو وزیر اعلیٰ مہاراشٹر شری وسنت دادا پاٹل کے ہاتھوں انھیں واجب الادا وظیفہ کی رقم ایک لاکھ روپے کا چیک ایک سادہ مگر پروقار تقریب میں پیش کیا گیا۔

قارئین کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ پدم شری کیپٹن جولے کی نسل سے جہاں اعلیٰ بحری افسران ابھرے ہیں آپ کے پوتے ڈاکٹر نذیر احمد جولے جو امراض قلب کے ماہر معالج ہیں۔ بمبئی کے مشہور سینٹ جارج ہسپتال (بوری بندر) میں بطور [illegible] مقرر ہوئے ہیں۔

زیر نظر تصویر اسی وقت کی ہے جب نیول ریویو ۸۴ء (ہر دس سال بعد منعقد ہونیوالی بحریہ کی تقریب) میں کیپٹن جولے موصوف کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا۔ تصویر میں آپ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی اور صدر جمہوریہ گیانی ذیل سنگھ سے متعارف ہوتے نظر آرہے ہیں۔

(پروفیسر) خالد اگاسکر

قارئین نقش کوکن کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ہماری درخواست پر نوجوان افسانہ نویس اور صحافی جناب خالد اگاسکر نے اپنی بے شمار مصروفیتوں کے باوجود ہمارے پرچے کے لئے مستقل طور پر کالم "میرا شہر میرا لوگ" لکھنے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ خالد اگاسکر بمبئی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ریسرچ فیلو ہیں۔ جہاں موصوف سنہ ۱۹۶۰ء کے بعد لکھی گئی مراٹھی اور اردو کہانیوں پر کام کر رہے ہیں۔ خالد اگاسکر بنیادی طور پر افسانہ نویس ہیں اور اپنی حیثیت سے علمی و ادبی دنیا میں متعارف بھی ہیں۔ افسانہ نویس کی حیثیت سے وہ

اپنے ہم عصروں میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

نقش کوکن کے لئے لکھا جانے والا یہ کالم فیچر کی شکل میں شائع ہوگا۔ ادارہ خالد اگاسکر کے اس قلمی تعاون پر اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے۔

ڈاکٹر این ایس گوریکر

سینٹ زیویرس کالج (بمبئی) کے شعبۂ اردو و فارسی اور اسلامیات کے سابق صدر ڈاکٹر نظام الدین گوریکر ایم اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ۔ کو ان کی چالیس سالہ تدریسی و تحقیقی خدمات کے پیش نظر بمبئی یونیورسٹی کی منظوری سے اپریل ۱۹۸۲ء تک اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے ان کے تقرر کو جاری رکھا گیا ہے۔ وہ کالج کے اہم اساتذہ پی ایچ ڈی کے طلبہ کی رہنمائی کرتے رہیں گے۔

ڈاکٹر گوریکر کو بلدیہ کلیان نے اپنی سوا سو سالہ جشن کے موقع پر ۱۹۸۱ء میں کلیان بھوشن، میتھلی ودیا پیٹھ نے ۱۹۸۲ء میں مہا مہوپادھیا (استاذ الاساتذہ) اور کل ہند فارسی اساتذہ کانفرنس نے ۱۹۸۳ء میں ممتاز استاد فارسی کے خطابوں سے نوازا ہے۔ سالِ رواں میں روٹری کلب نے ان کو اعزازی ویٹیرین بنایا ہے۔ اسی طرح کل ہند گجراتی ساہتیہ سمیلن، کوکن اسٹیٹ انٹرنیشنل اور بلدیہ بمبئی عظمیٰ نے ان کی خدمات کا خاطر خواہ اعتراف کرکے اعزازات سے نوازا ہے۔

پروفیسر گوریکر کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں جن میں ان کی گلمپسیز آف اردو لٹریچر، طوطیانِ ہند، نوائے وقت، اردو مراٹھی لغت اور انڈو ایران روابط قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں اسکول اور کالج کے طلبہ کے لئے اردو، فارسی و عربی نصابی کتب کے شریک مرتب رہے ہیں۔ ان کے مضامین اردو اور انگریزی رسالوں میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

موصوف انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (بمبئی) کے ۱۹۷۵ء سے ڈائریکٹر اور اس کے ترجمان نوائے ادب کے ایڈیٹر اور ہیراس انسٹی ٹیوٹ آف انڈین ہسٹری اینڈ کلچر کے معاون ڈائریکٹر ہیں۔

شادیٔ خانہ آبادی

★ منشی اینڈ کمپنی بمبئی کے جناب منشی عبدالعزیز انصاری کی دختر شمیم الصباح کا عقد مسعود ڈاکٹر مقبول احمد کے فرزند طارق احمد کے ساتھ ۱۳ اگست ۸۳ء کو جم باغ ذکریا میں انجام پایا۔

★ جناب سید علی نذیر کی دختر خورشید بیگم کا عقد سید سیف اللہ ابن سید شبیر احمد نذیر کے ساتھ ۲۵ اگست ۸۳ء کو بیگ محمد باغ بمبئی میں انجام پایا۔

★ درویش ٹمبر ٹریڈرس کے جناب محمد اقبال حاجی اسماعیل احمد درویش کا عقد سعدیہ بانو بنت حاجی ہارون کھجور والا کے ساتھ ۱۶ ستمبر ۱۹۸۳ء کی صبح مینارہ مسجد بمبئی میں انجام پایا۔ اس سلسلہ میں خواتین کے لئے استقبالیہ تقریب اسی شام انجمن اسلام بوری بندر کے گراؤنڈ پر منعقد ہوئی۔

★ کیمپ ٹاؤن میں جناب خلیل الرحمن ڈاورے (متوطن کرٹی ضلع رائے گڈھ) کے فرزند ڈاکٹر کفایت اللہ ڈاورے کی شادی عتیقہ بیگم بنت عبداللہ سونڈے (متوطن والیٹ ضلع رائے گڈھ) کے ساتھ ۱۹ اگست ۸۳ء کو بحسن و خوبی انجام پائی۔

انجمن اتحاد المسلمین دابھول

انجمن اتحاد المسلمین کا ساتواں سالانہ جلسۂ عام منعقد ہوا۔ جس میں مجلسِ منتظمہ کا انتخاب عمل میں آیا جو حسبِ ذیل ہے۔
صدر، گلزار اسماعیل خطیب۔ سکریٹری: عبدالغفور فضل الٰہی گونڈلیکر۔ خازن: فرید محمد الدین درویش۔ عارضی وقتیہ کمیٹی کے اراکین میں تبدیلی نہیں ہوئی۔

(حسین بیابار، دانڈ کمیں)

استقبالیہ جلسہ

۳۰ اگست ۸۳ء کو اردو اسکول جوئی تعلقہ بھاڈک
کی جانب سے جناب عبدالحمید محمد خاں کوٹیلوکر کے اعزاز میں
ایک جلسۂ استقبالیہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت گرام پنچایت
جوئی کے سرپنچ جناب عبدالستار یوسف پلوکر نے فرمائی۔ جلسہ
میں اسکول کے طلبہ وطالبات نے حمد کے بعد استقبالیہ نظم اور
تقاریر سے صاحبِ اعزاز کے اخلاق و عادات اور اوصاف
حمیدہ پر روشنی ڈالی۔ شرکائے مجلس میں سے چند معززین نے
بھی تقریریں کیں۔ صاحبِ اعزاز نے اپنی جوابی تقریر میں
مدرسین کی خدمات کو سراہا اور بچوں کی ہمت افزائی کی خاطر
پانچ سو روپے کا عطیہ صدر مدرس کے حوالے کیا۔

روزمرہ کی عربی سیکھیے

ممبئی یونیورسٹی کے استاد اور سابق مدیر نقش کوکن یونس اگاسکر
کی تصنیف ہندوستان کے مشہور اشاعتی ادارے جیکو
پبلشنگ ہاؤس نے عرب ممالک سے تجارت و ملازمت کے
ذریعہ تعلق رکھنے والوں کی سہولت کے پیش نظر روزمرہ کی
عربی سکھانے والی کتاب ARABIC FOR EVERY DAY USE
(عربک فار ایوری ڈے یوز) شائع کی ہے۔ اس کتاب میں
بنیادی عربی گرامر کے ساتھ مختلف مواقع کے لئے فہرست الفاظ
اور مکالمات عربی و انگریزی رسم الخط میں ترجمے کے ساتھ
درج کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کو عربی سیکھنے کے شوقین حلقوں میں کافی
سراہا جا رہا ہے۔

جلسۂ تعزیت

۲۲ ستمبر ۸۳ء شب میں داؤد فاضل بھائی آڈیٹوریم
ڈونگری ممبئی میں سابق وزیر اعلیٰ مہاراشٹر عالی جناب
بیرسٹر عبدالرحمٰن انتولے صاحب کی والدہ ماجدہ کی رحلت
پر ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت حسین خان صاحب دلوائی
ممبر پارلیمنٹ انعقاد پذیر ہوا جس میں حضرت مولانا ظل الرحمٰن
صاحب، مولانا ضیاء الدین بخاری صاحب، جناب علی ایم شمسی صاحب
شری پربھاکر کنٹے نے تقریریں کیں۔ صدرِ جلسہ دلوائی صاحب نے مرحومہ پر
بڑا بلیغ خطبہ دیا۔ جناب انتولے صاحب چونکہ ممبئی میں نہیں تھے اس لئے
شریکِ جلسہ نہیں ہوئے۔ قاضی شہر ممبئی جناب مرگھیے صاحب
کی دعاؤں پر جلسہ اختتام کو پہنچا۔ جلسہ میں جناب الیاس پرکار [illegible]
صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

نقش کوکن کہاں ملے گا ——

شہر ممبئی کے اردو داں حلقہ میں
سبھی اسٹالوں میں نقش کوکن دستیاب ہے
اور اب بیرونِ ممبئی مندرجہ ذیل بک اسٹالوں پر
بھی آپ کا محبوب پرچہ آپ کی توجہ کا منتظر ہے۔
تنساگری، جھاڈ، مانگاؤں، شری وردھن، گورے گاؤں،
چپلون وغیرہ ایس ٹی اسٹانڈ پر
(ادارہ)

میرا شہر میرے لوگ

نوجوان افسانہ نویس اور صحافی
جناب **خالد اگاسکر**
آپ کے محبوب پرچہ کیلئے مستقل طور پر
"میرا شہر میرے لوگ" کے عنوان سے کالم لکھنے والے ہیں۔
یہ کالم جو فیچر کی شکل میں شائع ہوگا امید ہے کہ آپ کی دلچسپی میں
مزید اضافہ کا باعث بنے گا۔
(ادارہ)

نقش نواز

نقش کوکن کے بننے والے خریداروں کی فہرست کی اشاعت پر نہ صرف
آپ قوم وادب کے خیر خواہوں سے متعارف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی
اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے
لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے :

لائف ممبر :-

جناب جمیل داؤد دلوی — وکھرولی
〃 مظفر داؤد داگکڑے — بہادر شیخ
〃 عبدالمجید شمس الدین قاضی — کرلا بمبئی
محترمہ میمونہ علی برکار — کرلا بمبئی
〃 بدر النساء صابر — کراچی

بیرون ہند سالانہ خریدار

جناب طاہر فقیہ — بحرین
〃 مصطفےٰ احسن — بحرین
〃 علی اسماعیل بھوسلے — کراچی
〃 اخلاق اندڑے — انگلینڈ

سالانہ خریدار :-

جناب بدرالدین حسن جہاں پاؤسکر — کرلا بمبئی
〃 داؤد عمر پاٹیلے — داپولی
محترمہ عشرت حمید چھوٹے — ہرنئی
جناب واحد علی حسن غنیمی — ولیسوی
〃 ظہیر احمد ابراہیم ملاجی — ہرنئی
〃 نثار احمد عبدالرحمٰن حاتو نکر — نگڈی

جناب حیدر خلیل قاضی — ٹیمبا ے
محترمہ سائرہ صابر مالونکر — بمڈی
جناب علی میاں محمد کوکاٹے — ماندیولی
〃 ایوب عبدالقادر ہندرکر — دہیولی
محترمہ نور جہاں حسن خان دارے — گورے گاؤں
جناب علی میاں چیلونکر — مہاڈ
محترمہ شہناز حسن دھنسے — موربہ
〃 صبیحہ دھنسے — آراٹھی
〃 نسیمہ منصور علی لوگڑے — تلنڈی
جناب ابراہیم طیب چچکر — مہاڈ
〃 شکور ڈانگنکر — مہاڈ
ہیڈ ماسٹر اردو ہائی اسکول — تامہانے جگاؤں
جناب عبدالرحمٰن حسن نائیک — اوشی
〃 آصف منیر الدین قاضی — مہاڈ
〃 رضوان شمیم کر بیکر — جوڑا
محترمہ خیر النساء ابراہیم سنگے — بہادر شیخ
〃 حسن بانو بشیر انگڑے — بہادر شیخ
〃 یعقوب بیگ ہائی اسکول — پتوبل
محترمہ بیگم ثناء احمد جوگلے — گورے گاؤں بمبئی
جناب علی کھوت صاحب سروے — بمبئی ۹
〃 عبدالمجید حسن راول — آشتی
محترمہ وحیدہ ابراہیم بالک — جگاؤں (مانے گڑھ)
〃 شاذیہ محمد صاحب ناخواجی — والوٹ

مضمون نویسی کا انعامی مقابلہ

ہم اپنے تعلیمی اداروں کے شکر گذار ہیں کہ
ہماری درخواست پر تقریباً پچاس مضامین
مقابلے کیلئے موصول ہوئے۔ ان مضامین کی
بمبئی کے تین نامور اساتذہ (جن میں ایک خاتون
ٹیچر، ایک پرنسپل اور ایک پروفیسر شامل ہیں)
جانچ کر رہے ہیں۔

ان کی طرف سے دیئے گئے نمبرات (مارکس)
پر ایک معتبر جج یکم دوم اور سوم نمبر تفویض کریں گے
اور اس طرح اس مہینہ کے آخر تک نتیجہ برآمد ہوگا۔

امید ہے کہ اگلی اشاعت میں ہم ان خوش نصیبوں
کے نام کا اعلان کریں۔ جنہیں انعام کا حقدار قرار دیا جائے۔
اور انشاءاللہ اس کے بعد بمبئی کی نامور علم دوست
اور اردو نواز ہستی
کے زیر صدارت
جلسۂ عام میں
کسی معزز شخصیت کے ہاتھوں
ایک ہزار روپے کے انعامات اور ٹرافی
دی جائے گی

ہماری دلی خواہش ہے کہ انعام پانے والے طلبہ اور ان کے
اداروں کے نمائندے اس جلسہ میں شریک ہو کر اپنا انعام
حاصل کریں۔

اردو کی خدمت اور طلبہ کی ہمت افزائی کی یہ ادنیٰ سی کوشش
ہے۔ اور اس کے لئے ہم آپ سے تعاون کے خواستگار ہیں۔

سیکریٹری
نقش کوکن ٹیلینٹ فورم

سعودی عرب کا نیشنل ڈے

۵۳ ویں نیشنل ڈے کے سلسلہ میں سعودی قونصل
جنرل جناب عبداللہ الشبیلی نے ۲۵ ستمبر ۸۳ء کو تاج محل
ہوٹل میں ایک پُر تکلف استقبالیہ دیا، جس میں
ریاست مہاراشٹر کے وزیر پروٹوکول جناب
اظہر حسین، کویت کے قونصل جنرل، عراق کے قونصل جنرل
بحرین کے قونصل جنرل، یمن کے قونصل اور مصر کے قونصل جنرل
کے علاوہ غیر ملکی سفارتی نمائندے، اعلیٰ حکام اور شہر
کے ہر مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والی ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی
سعودی قونصل جنرل اور ان کی اہلیہ مادام
عبداللہ ایچ شبیلی نے مہمانوں کا خیر مقدم
کیا۔ ....

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

★ ایڈوکیٹ بی ڈی پرکار مقیم ممباسہ اور نیروبی کے ڈاکٹر عبدالحمید پرکار اور جناب عبدالرشید پرکار کی والدہ محترمہ شریفہ تاج الدین پرکار ۲۵ اگست ۸۴ء کو نیروبی مشرقی افریقہ میں بعمر ۹۰ سال انتقال فرما گئیں.

★ نقش کوکن کے ایک دیرینہ بہی خواہ جناب حسین بھائی عبدالغنی کا جواں سال فرزند اقبال کار کے حادثہ کا شکار ہو کر اسپتال میں داخل کیا گیا تھا مگر جانبر نہ ہو سکا اور ۱ ستمبر کو راہی عدم ہو گیا.

★ سیطوڑہ کے جناب یوسف کاپڑی کا ۵ ستمبر ۸۴ء کو ممبئی میں انتقال ہو گیا.

★ نقش نواز جناب عبدالرزاق عباس الخطیب کی پھوپھی سکینہ بہاؤالدین الخطیب کا ان کے وطن کالستہ، تعلقہ چپلون میں ۲۷ اگست ۸۴ء کو انتقال ہو گیا.

★ نشاط انجینئرنگ ورکس کے جناب نظام الدین سکے محترم جناب ابراہیم اسماعیل کونڈ کری ۷ ستمبر ۸۴ء کو اپنے وطن گھاٹیوالا میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے.

★ ادارہ نقش کوکن کے ایک دیرینہ ہمدرد اور فعال کارکن جناب ذوالفقار بھارتی کے پدر بزرگوار شیخ ابراہیم محمد صالح دو سال کی طویل علالت کے بعد ۲ ستمبر ۸۴ء کو ان کے وطن ونڈیلی تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ میں بعمر ۱۰۵ سال رحلت فرما گئے.

★ حکومت مہاراشٹر کے ریٹائرڈ سرویئر (مقیم چپلون) جناب عظیم کھاڈیکر کے ہم زلف جناب قاسم بھیکو خان (جو ممبئی پورٹ ٹرسٹ میں ملازمت کر چکے ہیں) طویل علالت کے بعد ان کے وطن گونڈیور ضلع رتناگری میں انتقال کر گئے.

★ امام باڑہ میونسپل اردو اسکول کی ہیڈ مسٹریس محترمہ

نجمہ عبدالرزاق بیگ ۱۱ ستمبر ۸۴ء کو طویل علالت کے بعد راہی عدم ہو گئیں.

★ جناب الحاج عبدالقادر ٹولے (مقیم مجگاؤں ممبئی ۱۰) کے والد عباس ٹولے کا پچھلے مہینہ بروز جمعہ شب میں انتقال ہو گیا.

★ کھوٹیل تعلقہ مہاڈ ضلع رائے گڈھ کے جناب داؤد خان محمد خان دیشمکھ کی بڑی دختر دلشاد بیگم ایک حادثہ سے دوچار ہو کر عین جوانی میں بتاریخ ۳۱ اگست ۸۴ء کو رحلت کر گئیں.

★ ۲۹ اگست ۸۴ء کو ابراہیم اسماعیل ایلوکر کے خسر جناب حسین غلام علی کھوپکر کا وڑولی تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ میں انتقال ہو گیا.

★ الحاج شیخ حسین احمد اجی مقیم کرد ھنا ضلع رتناگری ۵ ستمبر ۸۴ء شب میں رحلت فرما گئے.

★ مجگاؤں ممبئی کے ڈاکٹر عزیز رسا ونت اور جناب ایچ ایف ساونت کی والدہ اور کیمپ ٹاؤن کے ڈاکٹر علی بھاتے کی خوشدامن خدیجہ بی زوجہ محمد ساونت کا ۲۰ ستمبر ۸۴ء کو ممبئی میں انتقال ہو گیا. اور انھیں ان کے وطن داابھٹ ضلع رتناگری میں لے جا کر سپرد خاک کیا گیا.

★ داابھٹ ضلع رتناگری کے جناب داؤد عثمان ساونت جو ممبئی پورٹ ٹرسٹ میں سرنگ کے عہدہ پر فائز تھے ۱۹ ستمبر ۸۴ء کو ٹاٹا اسپتال ممبئی میں انتقال کر گئے. مرحوم سرطان کے موذی مرض کا شکار ہو گئے.

★ ۳۰ اگست ۸۴ء کو ممبئی (بوری محلہ) کے مشہور ڈاکٹر دیوان جی کا انتقال ہو گیا.

کہتا ہوں سچ .....

پچھلے مہینہ جناب شرف کمالی اور ان کی بیگم صاحبہ وسطی اور جنوبی افریقہ کے دورے پر گئے ہیں۔ ان کی اچانک روانگی کی وجہ سے اس مہینہ ان کے تیر و نشتر شریک اشاعت نہیں ہیں. اس غیر حاضری کیلئے ہم معذرت خواہ ہیں.

شرف صاحب غالباً تین چار مہینہ تک اس دورہ پر رہیں گے مگر امید ہے کہ اگلے مہینہ سے نقش کوکن کے صفحات پر آپ انھیں دیکھ سکیں گے۔

(ادارہ)

صفحہ خبری

کہتے ہیں :-
اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد!
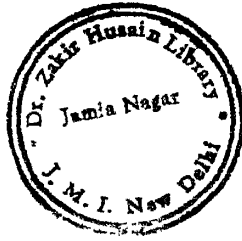
البتہ بھیونڈی، بمبئی اور تھانے کے "حالیہ کربلا" کے بعد پھر کہیں زندہ ہوتا نظر نہیں آتا۔
کوئی اسپرٹ، کوئی ملی جذبہ، کوئی بیداری — کچھ نظر نہیں آتا اس قوم میں!
اس لئے ایسے کئی کربلا کے بعد بھی ہم اسلام کو زندہ نہیں کر سکتے۔
اس لئے کہ ہمارے پاس اسلام باقی ہے ہی نہیں۔
ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اسلام کے دَور سے قبل کی جاہلانہ رسمیں ہیں اور مشرکانہ عقیدے۔
اس لئے ایسے مسلمانوں سے اسلام کو زندہ کرنے کی توقع بیکار ہے۔
بلکہ اس کٹی پٹی قوم کے مزار پر اسی قوم کے رہبران فاتحہ خوانی کر رہے ہیں اور حلوے کھا رہے ہیں۔

ماتم — آج ان "کربلاؤں" پر کرنے کے بجائے اس قوم کی حالت پر کیا جانا چاہئے

مبارک کاپڑی
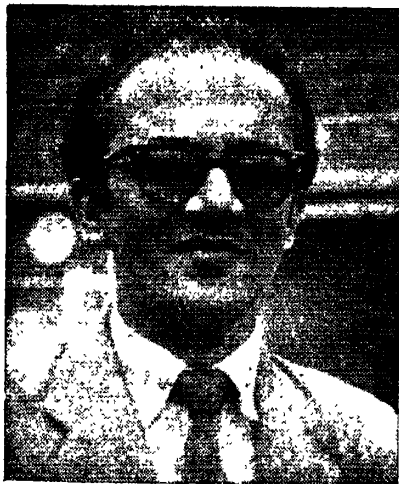
DR. N S GOREKER

DR A. A MUNSHI

(See Details on Pages No. 49 & 51)

NAQSHE KOKAN (BOMBAY) OCTOBER 1984 Regd. No: MH/BYE/
Licensed to post without pre-payment Mandvi Bombay. Licence No. 8

'inted at AJMAL PRESS, Bombay-3. & Published from 44, Jail Road (East), Bombay-9. DR. A. M. NAIK M.B.B.S.
NAQSHE KOKAN Publication Trust Bombay-9 Title Cover Printed at AMIN ART PTG PRESS BOMBAY - 9.

16/11/84

نقش کوکن

قائم شدہ ۵،۰-۱۹۶۳ء

ماہنامہ نقشِ کوکن بمبئی

رکن ۶ انڈین نیوز پیپر سوسائٹی، بمبئی

جلد ۲۳ / نومبر ۱۹۸۲ء / شمارہ ۱۱

ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر: ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر: ایس اے رحیم قیصر

قیمت فی پرچہ :- ۳ روپے
سالانہ خریداری :- ۲۵ روپے
تا عمر خریداری :- ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ :- ۱۰۰/۱۵۰ روپے
" " " تا عمر :- ۱۲۵۰ روپے

مقامِ طباعت :- اجمل پریس، بمبئی ۳
مقامِ اشاعت :- ۴۴ جیل روڈ ایسٹ، ڈونگری، بمبئی ۹

ملکیت :- نقشِ کوکن پبلیکیشنز ٹرسٹ (E 3006)

فون :- 861572 / 865384

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ:-
۴۴ جیل روڈ ایسٹ، ڈونگری، بمبئی ۹

تمام تنازعات صرف بمبئی کی عدالت میں ہی سماعت کے قابل ہوں گے۔

تاریخِ اشاعت :- یکم نومبر ۱۹۸۲ء

اس ماہ کے نقوش

★ مَا اُحِلَّ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَ مَا لَا يُحِلُّ
مَتٰى يَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِ اَنْ يَّاْخُذَ مِنَ
الْحَرَامِ شَيْئًا

کن چیزوں کا کھانا مسلمانوں کو جائز ہے اور کن کا ناجائز،
حرام چیز کب اور کس حالت میں کھائی جا سکتی ہے

(۱) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ
وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ
لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا
عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ○

(البقرۃ ۱۷۳)

بس مرا ہوا (جانور) اور خون اور سوّر کا گوشت حرام ہے اور (نیز)
وہ (جانور) جس کو خدا کے سوا کسی (اور کی عبادت) کے لئے حلال اور نامزد کیا جائے۔
تو جو بھوک سے بیقرار ہو جائے (اور) حکم عدولی کرنے والا اور حد سے بڑھ جانے والا
نہ ہو اس پر (ان میں سے کسی چیز کے کھا لینے کا) گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

خصوصی پیش کش جناب ای۔ ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم دے۔ آمین

پہلا صفحہ

کیا ہماری تاریخ پولیس کے مظالم کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے
ظلم ایسے ایسے ظلم، کہ شیطانیت اور بربریت بھی اس کے سامنے شرمندہ ہو جائے۔
اور یہ مظالم پولیس کے ہاتھوں ہوتے ہیں، جنھیں قانون کے رکھوالے کہا جاتا ہے۔

نہ جانے کتنے فسادات یا عام حالات میں بھی پولیس کتنے بے گناہوں پر مظالم ڈھا چکی ہے۔
کتنے قتل انہوں نے کئے، کتنوں کو لنگڑا لولا کر دیا اور کتنوں کی آنکھوں کی بینائی چھین لی۔
کتنوں کے سیندور اجاڑے، کتنوں کی گودیں سونی کیں اور کتنوں کی عصمتیں لوٹیں۔
اور شیطانیت اور بربریت کے باوجود ان قانون والوں کا تبادلہ تک نہیں ہوتا۔
شاید کسی کو یقین نہ آئے مگر یہ حقیقت ہے کہ کسی فساد میں چند ایک قتل یا مجرمانہ خاموشی کے بعد بھی
ایک پولیس افسر کو صرف بارہ روپے جرمانہ ہوتا ہے جو ہر ماہ ایک ایک روپے کے حساب سے [illegible]

پولیس کی اس لاقانونیت کے باوجود ہمارے لیڈران اور حکومتیں خاموش کیوں رہتی ہیں؟
اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ پولیس اور حکومت کی ملی بھگت ہوتی ہے۔
درحقیقت بلیک مارکیٹیئر، اسمگلر اور غنڈے (وردی اور بے وردی) کے رحم و کرم پر جیتے ہیں۔
اگر کوئی حکومت پولیس والوں کو چھیڑتی ہے تو وہ بغاوت کر بیٹھتے ہیں۔
سول نافرمانی کی ایسی تحریک کو دبانے کے لئے ہمیشہ فوج کا سہارا لینا پڑے گا۔
اور ملک میں جیسا کہ اگر فوج کا سہارا لیا جائے اور فوج کو اقتدار کا چسکا پڑ جائے۔
تو ان سیاست دانوں کے تخت و تاج چل جائیں گے اور شاید فوج بھی اقتدار سنبھال لے۔
محض اس بناء پر پولیس کی من مانی اور حیوانیت و بربریت کو سیاستدان برداشت کئے ہوئے ہیں۔
تاکہ انتظامیہ کی ناکامی چھپی رہے اور فوج کی مدد لینی نہ پڑے۔

ہماری انتظامیہ مسلسل ناکام کیوں ہو رہا ہے؟ کیوں ہر دوسرے روز کہیں نہ کہیں فوج کا سہارا لینا پڑ رہا ہے؟
اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے منسٹروں کی اکثریت انتہائی جاہل، نااہل اور ناکارہ ہے۔
ان منسٹروں کے سیکریٹری یا حکومت کے سیکریٹری بننے کیلئے صرف آئی اے ایس افسر منتخب ہوتے ہیں۔
اور افسروں کو نہ جانے کتنے مقابلہ جاتی مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔
البتہ ہمارے ملک میں منسٹر بننے کے لئے کسی تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔
یہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ انتہائی جاہل شخص بھی الکشن میں کھڑا ہو سکتا ہے۔
یہ جاہل افراد چونکہ ناکام ذہن کے مالک ہوتے ہیں اس لئے صرف تخریب ہی برپا کر سکتے ہیں۔
ہندوستان میں الکشن سے قبل الکشن میں حصہ لینے کے لئے کم از کم تعلیم کی قید مقرر ہونی ضروری ہے۔
تعلیم یافتہ، پڑھے لکھے، قابل اور ذہین انسانوں کے ہاتھ میں انتظامیہ دیکر دیکھنا بھی ضروری ہے۔

مبارک کاپڑی

توقیر مسعود

کشمیر اور آندھرا پردیش کی وزارت کا زوال

نوٹ: یہ اداریہ جس وقت قلم بند کیا گیا راما راؤ وزارت سے معزول کئے جا چکے تھے لیکن ۱۶ ستمبر کو وہ پھر وزارت پر بحال کردیئے گئے۔ —————— (ایڈیٹر)

قارئینِ نقشِ کوکن کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ ہم نے اس کے ایک شمارے میں بھینسوں کی لڑائی کا ذکر چھیڑا تھا۔ اس وقت تو بعض دوستوں کو یہ ایک مفروضہ معلوم ہوا ہوگا۔ مگر اب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ ایک حقیقت تھی، جس کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ دہلی کی حکومت نے نہ صرف یہ کہ کشمیر اور آندھرا پردیش کی وزارت کو برطرف کر کے وہاں نئی وزارتیں قائم کردیں بلکہ پنجاب میں بھی ایک تہلکہ برپا کردیا۔ اور دہشت گردی کا جو ایک سلسلہ چل پڑا تھا، اس پر بھی قابو پالیا۔

ان سیاسی تغیرات سے ملک کے ایک طبقے میں بے چینی ضرور پھیلی ہے۔ کچھ بدگمانی بھی پیدا ہوئی ہے۔ چنانچہ اب یہ کہا جارہا ہے کہ عوام کے خیال کو اس طرف سے موڑنے اور دوسرے مسائل میں الجھانے کے لئے حکومت خود ہوائی جہازوں کا اغوا کرا رہی ہے۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کی سیاست میں ایک دنگل بپا ہے اور یہ دنگل ۸۵ء کے الکشن تک تو ضرور رہے گا۔

ممکن ہے جب نقشِ کوکن کا یہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں آئے تامل ناڈو اور بنگال کی وزارتیں بھی معزول ہو چکی ہوں۔ اور اس سیاسی کھیل میں دہلی کے بھینسے نے سونے کا تمغہ جیت لیا ہو۔

اس جگہ کسی کو یہ سوال کرنے کا حق نہیں کہ وزارت کے اس ردوبدل میں کتنے انسان بلیدان چڑھائے گئے۔ اس لئے کہ وزارت سازی تو عوامی نمائندوں ہی کا کام ہے۔ اگر عوام اس کے لئے قربانی نہیں دیں گے تو ان کے نمائندے کامیاب کیسے ہوں گے۔

دیوالی

چودہ برسوں کا بن باس کاٹ کر رام جب اجودھیا نگری واپس ہوئے تو عوام نے اپنے مکانوں کی منڈیروں پر اور آنگنوں میں دیپ جلاکر ان کی واپسی کا خیر مقدم کیا تھا۔ دیوالی کے روپ میں خوشی کا یہ جشن صدیوں سے منایا جارہا ہے۔

رام سچائی، فرض شناسی، سعادت مندی اور اصول پسندی کا پیکر تھے۔ انھوں نے راج پاٹ کو چھوڑنا پسند کیا مگر یہ گوارا نہیں کیا کہ ان کے کردار پر نافرمانی کا کوئی داغ لگ جائے۔

اُڑن کھٹولے

ابوداؤد فہیم

زمین کے کثافت آلود ماحول سے طبیعت میں ایک قسم کی بیزاری اور گھٹن سی محسوس ہو رہی ہے۔ کارخانوں کے دھوئیں اور فیکٹریوں سے فضا کثیف ہو گئی ہے تو بھاری بھرکم گاڑیاں جو ہر وقت سڑکوں پر کالا کالا بدبودار دھواں چھوڑتی اور شور و غل مچاتی ہر طرف دوڑتی رہتی ہیں ان سے دماغ ماؤف، ذہن پریشان اور سکون درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ طبیعت سکون اور یکسوئی چاہتی ہے۔ لیکن زندگی کی یہ دولت زمین پر نہیں مل سکتی۔ تو کیوں نہ آج ہم بھی [illegible] کے اڑن کھٹولے میں بیٹھ کر ذرا عالم بالا کی سیر کو نکلیں۔

لیکن آج اپنا اڑن کھٹولہ ذرا اور بلندی پر لے چلیں۔

اور وہاں سے کرۂ زمین کا مطالعہ کریں۔

وہ دیکھو! اُدھر کی فضا سرخ ہو رہی ہے شاید کہیں کوہ آتش فشاں پھٹ پڑا ہے۔ ذرا قریب چل کر تو دیکھیں۔

یہ کیا؟ یہ تو کوہ آتش فشاں نہیں۔ بلکہ فضا رنگ و بو سے منور ہو رہی ہے۔ آتش بازی چھوڑی جا رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کوئی بڑی بھاری تقریب ہے۔ کیوں نہ زمین پر اتر کر یہاں کا عالم دیکھیں۔

جب ہمارا اڑن کھٹولہ زمین پر آ گیا تو لوگوں نے سمجھا کہ ہم کسی دوسرے کرے سے آئے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا اڑن کھٹولہ ہوائی جہاز کی طرح تھا نہ راکٹ کی طرح۔ بس ایک کھٹولا سا تھا جس پر ہم لوگ آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ بھیڑ ہمیں دیکھنے ٹوٹ پڑی۔

آپ لوگ کس کرے سے آئے ہیں؟

ہم لوگ اسی کرۂ زمین کے رہنے والے ہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ آپ لوگوں نے اتنی بڑی بھیڑ بھاڑ کیا لگا رکھی ہے؟

ابھی آپ کو معلوم نہیں۔ یہ امریکہ کا شہر لاس اینجلس ہے۔ یہاں اولمپک کھیل ہوا ہے۔ اس میں ایک سو چالیس ممالک کے تین ہزار کھلاڑیوں نے حصہ لیا۔ اور ۲۳ قسم کے کھیلوں کا مظاہرہ کیا۔ اسی کے اختتام پر یہ تقریب منائی جا رہی ہے۔

اچھا یہ تو بتائیے کہ یہ اولمپک کھیل کیا ہے؟

بھئی یہ ایک کھیل ہے جس کی بنیاد ۷۷۶ قبل مسیح یونان کے شہر اولمپیا میں ڈالی گئی تھی۔

اس کھیل کے پس پشت کونسا جذبہ کارفرما ہوتا تھا؟

بھئی اس کھیل کے انعقاد کا خیال یوں ہوا کہ آئے دن یونان اور دوسرے ممالک کے درمیان جو جنگیں ہوتی تھیں اور ہر طرف نفرت و عداوت پھیلتی جا رہی تھی اس کو دور کرنے کے لئے ایک ایسے پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس ہوئی جہاں ہر قوم جنگ و جدال کے جذبے سے آزاد ہو کر اکٹھے ہوں۔ اس کے لئے یونان کے سیاست دانوں اور دانشوروں نے ایک ہی ایسا پلیٹ فارم تیار کیا جہاں تمام لوگ باہمی اختلافات [illegible] سکتے تھے۔ اور وہ کھیل کا میدان تھا [illegible] جگہ تھا۔ اس لئے یہ کھیل مقبول ہو گیا

اور پھر چار سال کے بعد اس کا انعقاد ہونے لگا۔ یہ سلسلہ ۳۹۳ء قبل مسیح تک جاری رہا۔ اس کے بعد اس کھیل میں کچھ ایسی بدعنوانیاں ہونے لگیں کہ شاہ یونان نے اس کو ممنوع قرار دیا۔ اور یہ کھیل ۱۸۹۶ء تک یعنی دو ہزار دو سو اسی سال تک بند رہا۔ لیکن جب دنیا میں جنگ و جدال کا سلسلہ بڑھتا گیا، رقیب قوموں پر چڑھائی کرنے لگیں تو صلح پسند لوگوں کو پھر اولمپک اور اس کا فائدہ مند جذبہ یاد آیا۔ اور دو ہزار دو سو اسی سال بعد پھر ۱۸۹۶ء میں دوبارہ یہ کھیل یونان کے اولمپک میدان میں منعقد کیا گیا۔ اب کی اس کے لئے ایک دولت مند آدمی نے ایک خطیر رقم دی۔ اس کے علاوہ کھلاڑیوں کو تمغات و انعامات دینے کا بھی اعلان کیا۔ اس کھیل میں دس ممالک نے حصہ لیا۔ اس مرتبہ یونان کے ایک کسان نے اعلیٰ درجے کا انعام حاصل کیا۔

اس کے بعد ہر چار سال کے بعد یہ کھیل مندرجہ ذیل ممالک میں منعقد ہوئے:

نام مقام	تاریخ	کیفیت
پیرس	۱۹۰۰ء	
سینٹ لوئس	۱۹۰۴ء	
لندن	۱۹۰۸ء	
اسٹاک ہوم	۱۹۱۲ء	یہاں کھیل میں باکسنگ کی اجازت نہیں دی گئی۔
برلن		یہاں ۱۹۱۶ء میں یہ کھیل منعقد ہونے والا تھا کہ سیاسی حالات نے اجازت نہیں دی اور پھر یہ کھیل ۸ سال کے بعد
بلجیم میں	۱۹۲۰ء	میں منعقد ہوا
پیرس	۱۹۲۴ء	اس میں ۴۴ ممالک نے شرکت کی۔
ایمسٹرڈم	۱۹۲۸ء	
روس	۱۹۳۲ء	یہاں پہلی بار اس کھیل میں عورتوں کو شرکت کی اجازت دی گئی۔ یونان میں تو عورتوں کو یہ کھیل دیکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ روس میں ہی پہلی بار کھلاڑیوں کو شراب پینے کی اجازت دی گئی۔
برلن	۱۹۳۶ء	یہ کھیل بہت شاندار رہا۔
جاپان	۱۹۴۰ء	
لندن	۱۹۴۴ء	اس میں کمیونسٹ ممالک نے بھی شرکت کی۔
آسٹریلیا	۱۹۵۶ء	عالمی جنگ کے باعث ۱۲ سال تک بند رہا۔ اس کھیل کا اسپین، سوئٹزرلینڈ، مصر، عراق وغیرہ نے یہودیوں کی شرکت کے باعث بائیکاٹ کیا۔
روم	۱۹۶۰ء	
ٹوکیو	۱۹۶۴ء	
میکسیکو	۱۹۶۸ء	
میونخ (جرمنی)	۱۹۷۲ء	یہاں فلسطینی دہشت پسندوں نے کھلاڑیوں پر حملہ کیا۔
اوٹاوا	۱۹۷۶ء	اس کھیل کا تنزانیہ اور روس کے ساتھیوں نے بائیکاٹ کیا۔
روس	۱۹۸۰ء	اس کھیل کا امریکہ نے بائیکاٹ کیا۔
لاس اینجلس	۱۹۸۴ء	اس کھیل کا روس نے بائیکاٹ کیا۔ لیکن چین نے ایک لمبے عرصہ کے بعد اس میں شرکت کی

(ماخوذ از لایف ویکلی جولائی سنہ ۱۹۸۴ء)

اچھا یہ تو بتا یئے کہ اس ۲۳ ویں اولمپک میں کتنی قسم کے کھیلوں کا مظاہرہ ہوا؟

بھئی، ۲۳ قسم کے کھیلوں کا۔ کھلاڑیوں نے ایک سے ایک کرتب بتائے۔ جی خوش ہو گیا۔

سب سے اچھے کھیلوں کا مظاہرہ کس ملک کے کھلاڑیوں نے کیا؟ — امریکہ نے — اس کو سونے کے ۸۲ تمغات

کیا تمغات سونے کے علاوہ دوسرے دھات سے بھی ہوتے ہیں؟

جی ہاں، یہ چاندی اور جستے کے بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے اور تیسرے درجے کے کھلاڑیوں کو چاندی اور جستے کے تمغات دیئے جاتے ہیں۔

مگر اس طرح تو آپ لوگ کھلاڑیوں کی توہین کرتے ہیں۔ تمغے تو سبھوں کو ایک ہی دھات کا ملنا چاہئے۔ البتہ وزن میں فرق ہونا چاہئے۔ جب کھلاڑیوں کی جنس نہیں بدلتی تو آپ لوگ تمغات کی جنس کیوں بدل دیتے ہیں۔

آپ کی یہ بات تو دل کو لگتی ہے۔ اولمپک کے منتظمین کو اس طرف متوجہ کرنا چاہئے۔

اچھا، سب سے زیادہ تمغات کس کھلاڑی کو ملے؟

امریکہ کے کھلاڑی کارل لوئس کو۔ انھوں نے سونے کے چار تمغات حاصل کئے۔

تو پھر آپ ۲۳ ویں قسم کے کھیل کیوں نہیں گنے گئے۔ ۲۳ واں کھیل جو ہم ہندوستانی کھیلتے ہیں اس کو کیوں نہیں شامل کیا۔ اگر آپ لوگ اس ۲۳ ویں کھیل کو شامل کر لیتے تو یقین جانئے کہ سارے تمغات ہم ہندوستانی ہی بٹور لیتے۔

ارے بھئی، وہ کون سا کھیل ہے اور اس کا کیا نام ہے؟

بھئی سنو! اس کا نام ہے:
"فرقہ وارانہ فساد"

Smt. INDIRA GANDHI

(Born : 19th Nov. 1917, Death : 31st Oct 1984)

We mourn the passing away of our beloved prime minister Smt. Indira Gandhi on 31st October 1984 in New Delhi.

The manner in which her death occured was most tragic, inhuman and unfortunate for India.

The nation will always remember her dedicated services for the people of India.

May the Almighty rest her soul in peace.

The moment requires us to unite harmoniously to bring about better peace, progress and prosperity for our people and our country, and let not her untimely death be in vain.

- NAQSH-E-KOKAN

Mr. M. D. Naik of Naik Ice & Cold Storage Ratnagiri receiving the award from Hon'ble Shri Sudhakar Naik Minister, Government of Maharashtra.

(See Details Page No. 49)
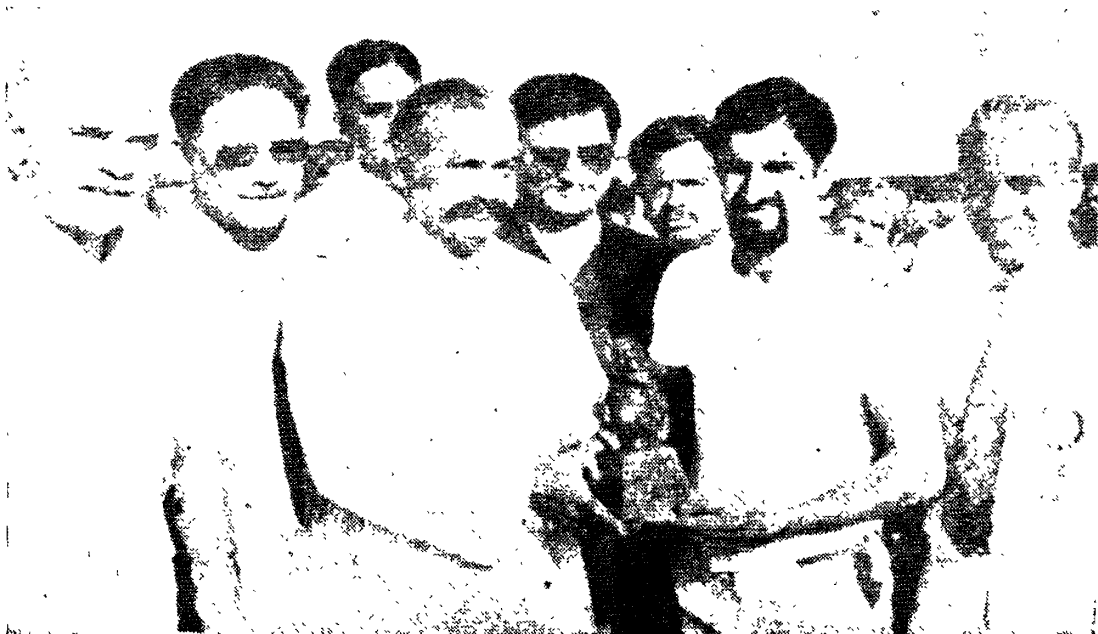
Mr. Gulam Parkar receiving "Man of the Match" award from Shri Udaysinghrao Gaikwad M. P.

(See Details on Page No. 50)
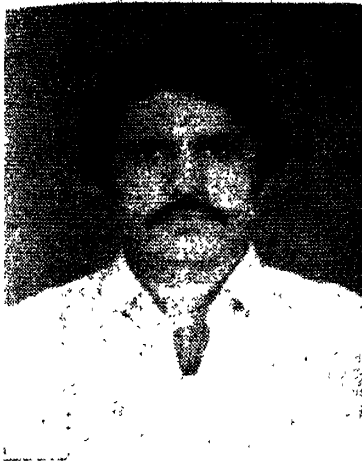
IBRAHIM KAZI
S. E. M.

I. Y. KHAN TALIB
Principal
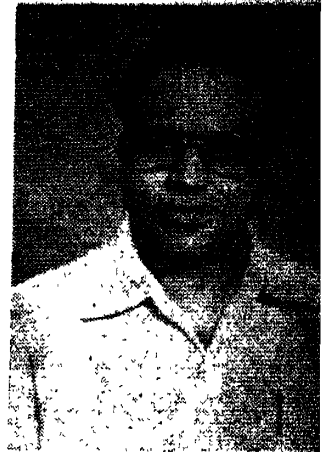
SETH IBRAHIM TAJ
S. E. M.

(See Details on Pages No. 49 & 50)

(قسطِ دوم)

یادگارِ یوسف

پروفیسر یونس اگاسکر

بمبئی یونیورسٹی کی لائبریری میں اردو کی بھی نایاب کتابیں اور قیمتی مخطوطات موجود ہیں جن کے تحفظ کے سلسلہ میں پروفیسر یونس اگاسکر خصوصی جلد بندی میں مصروف ہیں۔ اس تلاش کے نتیجہ میں "یادگارِ یوسف" ان کے ہاتھ لگی جس کی ایک قسط ستمبر ۸۲ء میں شائع ہو چکی ہے اور اب یہ دوسری قسط پیشِ خدمت ہے۔ (ادارہ)

حاجی یا قمر علی ٹخینہ کو اُن کی سخاوت اور رفاہِ عام کے کاموں کے پیشِ نظر بھیونڈی کے محمد علی روگھے کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ ان کی شخصیت اور علمی، دینی اور قومی خدمات پر ایک مضمون کی شکل میں روشنی ڈالی جائے۔ اگر یہ کام آج کل میں نہیں ہوا تو آئندہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ "بمبئی میں اردو" (جس سے مذکورہ بالا اشعار ماخوذ ہیں[1]) کی مصنفہ کے پاس سخاوت نامہ کی نقل موجود ہے۔ اس کی اشاعت بھی نہایت مفید ثابت ہو سکتی ہے:

"یادگارِ یوسف" کے مصنف نے کتاب کے مقدمے میں بمبئی کی میمن مخیر ہستیوں اور ان کے رفاہی کاموں کا بھی خاص طور سے ذکر کیا ہے اور ان کے مقابلے میں اپنی بے بضاعتی کو بیان کر کے محض اس سفرنامے کو اپنے لئے زادِ آخرت بتایا ہے؛ یہ تینوں معروف ہستیاں ہیں: منشی محمد ابراہیم مقبہ، ناخدا محمد علی روگھے اور میمن حاجی زکریا حاجی احمد بیٹل۔ جن کے بارے میں کچھ لکھنا تحصیلِ حاصل ہے۔ اس لئے اصل سفر کی طرف مڑتے ہیں۔

سفرِ حج کو روانگی

مصنف مع ہمراہیوں کے ۲۲ رمضان ۱۲۹۷ھ کو اتوار کے دن صبح کے چھے بجے اپالو بندر پہنچ کر آگبوٹ ایس ایس سٹی آف بالٹی مور (S.S. city of Baltimore) پر سوار ہوئے۔ مصنف کی زبانی اس آگبوٹ (دخانی جہاز) کی تعریف سنیئے:

"یہ آگبوٹ بالکل نئی ساخت کی تھی اور لنڈن سے بمبئی میں نو وارد تھی اور اب پھر لنڈن کی طرف اس کے لنگر برداری کی تیاری تھی۔ مگر میمن ابو اللہ رکھیا نے اس کا ٹھیکہ کیا اور فقط دو سو حاج کے سوار ہونے کی اجازت چاہی، سو اس آگبوٹ میں فقط دو سو حاج سوار تھے۔ (ص ۶)

آج جمبو جیٹ چارٹر کیا جاتا ہے جس میں پانچ سو کے لگ بھگ حاجی سوار ہوتے ہیں۔ میمن ابو اللہ رکھیا کی تاجرانہ بیدار مغزی اور دینی ہوشمندی قابلِ تعریف ہے کہ انھوں نے سو سال قبل لندن سے آکر لوٹ جانے کی تیاری کرنے والے دخانی جہاز کا فوراً ٹھیکہ لے لیا اور دو سو حاجیوں کو آرام دہ طریقے پر سفرِ حج کرانے میں معاون ثابت ہوئے۔ میمن آج بھی اپنی تاجرانہ حاضر دماغی اور دینی خدمت کے لئے مشہور ہیں۔

اس جہاز کی مزید تعریف کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

"اس کا ہر ایک کمرہ صاف و پاکیزہ تھا اور تمام اسباب وغیرہ نہایت قرینے کے ساتھ

---

[1] ملاحظہ کیجئے نقشِ کوکن کا گزشتہ شمارہ ستمبر ۱۹۸۲ء

... نہایت ہوادار کھا تھا۔ چال بھی اس کی بہت تیز تھی اور دکھاوا بھی اس آگبوٹ کا نہایت خوش وضع تھا ——————

اس آگبوٹ میں ایک مڈم اجمیری رہنے والی مع کمسن خورد سال بچے سوار تھی، فی الحال اُس کا ارادہ لنڈن جانے کا تھا۔ وہ دونوں بچے [illegible] انگلستانی بات نہایت شیرینی اور فصاحت سے کرتے تھے۔ (ص ۶)

رسید بود بلائے

اس آگبوٹ میں غالباً تین درجے تھے۔ اول، دوم، سوم۔ مصنف اور ان کے ہمراہیوں نے دو کمرے درجۂ ثانی کے اور ایک درجہ دوم کا لیا۔ جہاز چلا تو سارا دن امن و امان سے گذرا۔ رات بھی خیریت سے گذری لیکن پیر ۲۳ رمضان کی صبح مصنفؒ آگبوٹ کی چھتری پر بیٹھے کتاب "ذخیرۂ عقبیٰ" کا مطالعہ کر رہے تھے کہ یکایک نیچے سے رونے اور چلّانے کا شور و غل سنائی دیا اور "آگ لگی آگ لگی" کی آواز سنائی دی۔ مصنف نے گھبرا کر نیچے کا رُخ کیا تو ان کی نظر دود کش (چمنی) پر پڑی، جس کے نزدیک رکھی ہوئی لکڑیوں میں آگ لگ چکی تھی، دھواں اس قدر پھیل چکا تھا کہ کچھ دیکھنا مشکل تھا۔ ملّاح اور کپتان اور انجینئر آگ پر قابو پانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور تمام حجاج رو بہ قبلہ کھڑے ہوئے با نالہ و زاری بدرگاہِ خالق الباری دعا خواں تھے یہ واقعۂ جانکاہ دیکھ کے میں بھی ان دعا گویوں میں شامل ہوا۔ بہر حال خدا خدا کر کے آگ بجھ گئی اور سب کی جان میں جان آئی۔ لیکن آفت نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ چنانچہ طایف سے مکے کو واپس لوٹتے ہوئے اس قافلے پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ اس دوسرے واقعۂ جانکاہ کی تفصیل یوں ہے:

بٹ ماروں کا حملہ

جہاز میں ان مسافرانِ حج کا تعارف ایک عرب حاجی سیّد سقاف سے ہوا جو مع اہل و عیال سفر کر رہے تھے۔ طایف سے مکے جاتے وقت سیّد سقاف اپنے خاندان کے ساتھ ان کے ہم سفر ہو گئے۔ اونٹوں پر سوار یہ قافلہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں دو رویہ پہاڑی سلسلہ تھا اور درمیانی تنگ راہ سے صرف ایک اونٹ گذر سکتا تھا۔ مصنف اور ان کے دوست محمد سعید شیخ بھیکن پیدل چل رہے تھے۔ اچانک پہاڑی سے گولی چلنے کی آواز آئی اور بڑے بڑے پتھر لڑھکنے شروع ہوئے۔ اس کے بعد گولیاں چلنی شروع ہوئیں اور پتھر برسنے لگے۔ ایک گولی اس اونٹ کے پیٹ میں جا لگی جس پر محمد سعید کی والدہ سوار تھیں۔ دوسری گولی مصنف کے سینے سے ایک بالشت کا فاصلہ چھوڑ کر اس اونٹ کو لگی جس کے نیچے وہ دبکے کھڑے تھے۔ گولی سے بچے ہی تھے کہ ایک پانچ سیر کا پتھر گھٹنے میں آ لگا اور وہ درد کے مارے زمین پر بیٹھ گئے۔ اوپر سے پتھروں کی بارش تیز ہو گئی۔ پہلے محمد سعید اور ان کے پیچھے مصنف اسی وقت اونٹ پر جس کے گولی لگی تھی اور جس پر والدہ محمد سعید اور آمنہ بی سوار تھیں، بڑی مشکل سے چڑھے اور شقدف میں گھس گئے۔ خالہ صاحبہ اپنے بیٹے شرف الدین گھیٹے کے ساتھ الگ اونٹ پر سوار تھیں۔ انھوں نے ایک بقچہ اٹھا کر اپنا سر بچایا لیکن پیٹھ کو ضرب ہونے سے نہ بچا سکیں۔ شرف الدین نے خود کو ایک گودڑ میں لپیٹ کر محفوظ کیا۔ لیکن دل ہی دل میں سب کو یقین ہو گیا کہ گولیوں اور پتھروں کی بوچھار کے نیچے "ہماری ہڈیاں ان پہاڑوں کی نذر ہوتی ہیں"۔ اس وقت سید سقاف اور ان کی مستورات نے بڑی ہمت سے کام لیا اور نیچے سے

پتھر پھینکنے شروع کئے۔ لیکن مقابلہ مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ پھر جان کیسے بچی؟ اس کا حال مرحوم محمد یوسف ٹنگیکر صاحب کی زبانی سنیئے:

"آخرش سید صاحب نے نیچے سے ایک پست آواز میں اُن کے نزدیک معافی چاہی اور عربی زبان میں کہا کہ میں سید ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ تم نے جو ہمارے مارنے کا خیال کیا ہے اس سے درگذر کرلو اور جو تم کو مال و متاع چاہئے وہ اپنی خوشی سے آکے لے جاؤ۔ مگر ہماری جانیں لِلّٰہ فی اللہ آزاد کر دو۔ یہ عجز والحاح سید صاحب کی زبان سے سُن کر اُن لٹیروں کے دل میں رحم آیا۔ اور جس راہ سے آئے تھے اُسی راستے سے لوٹے۔" (ص ۵۳)

اُس دن ایک عرب اور سیدزادہ اس قافلے کے ہمراہ نہ ہوتا تو جان جانا طے تھا۔ عربی عصبیت اور زبان کی یکسانیت نے یاوری کی اور لٹیروں کے دلوں میں ترحّم پیدا ہو گیا۔ [illegible] زبان کے جادو سے کون انکار کر سکتا ہے؟

بُرقعے کی چوری

لٹیروں کے حملے سے تو خیر جان بچ گئی تھی اور یہ تجربہ زندگی بھر یاد رہنے والا تھا۔ لیکن جدّہ میں اُترتے ہی ایک چھوٹی سی چوری بڑی دلچسپ نوعیت کی تھی۔ مصنف کے اپنے الفاظ میں:

"کھانا پانی کھا کے رات کو سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک چور نے کھڑکی میں ہاتھ ڈال کے خانہ صاحبہ کا سیاہ بُرقع جس کو ملایا بھی کہتے ہیں، لے کے فرار ہو گیا۔ اب ہم یہاں کے گلی کوچوں سے ناواقف تھے اس لئے اس کی تلاش نہیں کی۔" (ص ۱۴)

کُتیا کے عجیب بچے

جدّے میں مصنف نے ایک کُتیا کے عجیب و غریب بچّے دیکھے:

"ایک کُتیا کو دیکھا جس نے کہ تین بچے بلّی کے اور ایک بچہ گدھے کا جنی تھی۔ ان تین بلّی کے بچوں میں سے ایک بچّہ تین پانو کا تھا اور دُم سب بچوں کی کُتّے کی دم کے موافق ٹیڑھی (یعنی الٹی) تھی۔" .. (ص: ۴۵)

ہندوستانی روپے کی قیمت

آج ایک سعودی ریال تقریباً تین روپے کے برابر ہوتا ہے۔ مصنف کے ذیل کے بیانات سے پتا چلتا ہے کہ سو سال قبل سعودی ریال آج کے دو روپے سوا پیسے کے برابر ہوا کرتا تھا۔

"حرم شریف کے مدرسوں میں ایک مکان سید یحییٰ بن سید قاسم صاحب کا ستّر ریال یعنی بمبئی کے ڈیڑھ سو روپے ہوتے ہیں، کرائے سے مقرر کیا۔" (ص ۲۸)

"ہم نے فی الحال چھ سو ریال یعنی تیرہ سو روپے کی ھُنڈی سے فقط دو سو ریال میرے اور شرف الدین کے دستخط سے اُٹھائے۔" (ص ۳۰)

اونٹوں کی سواری

اب تو سعودی عرب کی کایا ہی پلٹ گئی ہے۔ آمد و رفت کے لئے تیز ترین سواریاں موجود ہیں۔ لیکن سو سال قبل سوائے اونٹوں کے کسی اور سواری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس ہندوستانی قافلے نے اونٹوں پر سفر کیسے کیا ذرا اس کا حال بھی ملاحظہ کریں:

"بازار میں گئے اور تین شقادف تیئیس روپے پانچ آنے کرائے سے لئے۔ اس میں طائف شریف اور مدینہ منوّرہ آنے جانے کا کرایا اور جدّے میں فقط جانے کا کرایہ ٹھہرا یا۔ ...... بعد صلوٰۃ المغرب، بیت اللہ کا طواف الوداع کیا اور شہر طائف شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم نے چھ اونٹ کرائے سے کئے تھے۔ ان میں تین اونٹوں پر شقادف تھے۔ شقادف جمع ہے شقدف کی۔ شقدف اس کو کہتے ہیں کہ اونٹ کے پیٹھ پر دو کھٹیاں اس طرح سے کستے ہیں کہ دو نوں کھٹیوں پر

اوپر سے ایک ہی چھپری ہوتی ہے اور اندر اُن دو کھٹیلوں پر دو سوار فراغت سے بیٹھے ہوئے، لیٹتے ہیں۔ ان شقدفوں کو تین اونٹوں سے ایک اونٹ پر میں اور جناب خالہ صاحبہ سوار تھیں۔ اور دوسرے شقدف میں حاجی محمد سعید اور حاجی شرف الدین سوار تھے۔ اور تیسرے شقدف میں محمد سعید کی والدہ اور آمنہ سوار تھیں۔ اور دو اونٹوں پر شباری رکھی تھیں۔ شباری جمع ہے شغبری کی۔ شغبری اس کو کہتے ہیں کہ ایک کھٹلی رہتی ہے چارپائی کے موافق۔ مگر اس کے اوپر چھپری نہیں رہتی ہے۔ اور شغبری کو اونٹ کے پیٹھ پر آڑی باندھتے ہیں کہ اس کا بوجھ تمام اونٹ کی پیٹھ پر رہتا ہے اور شقدف کا بوجھ اس کے پیٹھ پر نہیں رہتا ہے ــــ

اُن شغبری کے دو اونٹوں پر سے ایک پر دادا خان اور سید محی الدین جن کو ہم نے ساتھ لیا تھا، سوار تھے اور دوسری شغبری میں بابو اور بہو یہ دو شخص بیٹھے تھے اور ایک اونٹ پر سامان کے تھیلے وغیرہ رکھے تھے۔ (ص ۳۹-۴۰)

یہی دن مختصر سا قافلہ تھا جس پر بدو مار دنے حملہ کر دیا تھا۔

واپسی

آج نقل و حمل کی بے پناہ سہولتوں کے باوجود حج کے سفر میں سواریوں کا انتخاب حاجیوں کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔ سو سال قبل یہ دشواری نہیں تھی۔ تنگیکر مرحوم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حج کر کے جدہ واپس آئے تاکہ دخانی جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان لوٹیں۔ جس جہاز سے بمبئی تا جدہ سفر کیا تھا وہ تو لندن روانہ ہو چکا تھا۔ اب نئے جہاز میں بکنگ کرنی تھی۔ اس بکنگ کا حال پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جہاز کے انتخاب میں کس قدر آزادی میسر تھی:

"جدے میں آ پہنچے اور ایک مکان کرایہ سے لے کر تمام اسباب وغیرہ وہاں اتارا اور حاجی محمد سعید اور حاجی شرف الدین آگبوٹ کے تجویز کرنے کو بندر پر چلے گئے۔ پہلے کو لیا آگبوٹ دیکھی، مگر بسبب خاطر خواہ نہ ہونے کے دوسری آگبوٹ ایس ایس کلیان سیچورٹ (یہی نام لکھا ہے) نام کی پسند کی اور اس کے ٹھیکیدار عثمان کھجوریا (کچھی میمن؟) کے کارو باری ابراہیم کو دکان میں ساتھ لا کے ۔۔۔۔ درجہ اول کی تین ٹکٹ فی ٹکٹ پچاس روپے اور درجہ ثانی یعنی چھپری کی تین ٹکٹ فی ٹکٹ تیس روپے اور درجہ سوم کی تین ٹکٹ فی ٹکٹ بائیس روپے اس حساب سے جملہ تین سو اکیس روپے ان کو ادا کئے۔ (ص ۱۳۰)

بیگم جوناگڈھ اور ٹیپو کے نواسے

"اس آگبوٹ پر جوناگڈھ کی بیگم صاحبہ مع بیس پچیس سپاہی سوار تھیں۔ اور ٹیپو سلطان کے نواسے مع چند اشخاص اور دو صاحبزادوں کے سوار تھے۔ (ص ۱۳۱)

ساڑھے تین مہینے بعد بروز ۵ محرم ۱۲۹۸ھ کو مسافر زین حرم کا جہاز رات کے آٹھ بجے بمبئی کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوا۔ ۶ محرم کی صبح مختصر سا قافلہ کشتیوں میں سوار ہو کر بمبئی میں داخل ہوا۔

اس بابرکت سفر سے بامراد لوٹنے والوں کا استقبال کرنے والوں میں غلام صاحب تھا کیا۔ مجھ سے جیسے یاد گئے۔ ناخدا غلام حسین رہ گئے، محمد ابراہیم تنگیکر (دادا مرحوم غلام محمد گھٹے)، محمد ابراہیم بن ملا محمود مقبہ۔ غلام محمد تنگیکر، معین الدین تنگیکر اور حسام الدین تنگیکر شامل تھے۔

> زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
> جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی
> اقبال

کھلا سچ

"وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنا محاسبہ کرنا جانتی ہیں!"

—— شمس کنول

کہ دیکھنا ہی نہیں ہم کو سوچنا بھی ہے!

ایک بار چند آدمیوں کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ علم اور دولت میں کون سی چیز بہتر ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ "دولت فرعون کا ورثہ ہے اور علم انبیاء کا عطیہ —— دولت مند انسان کے دشمن زیادہ ہوتے اور عالم کے دوست زیادہ!" —— لیکن دولت مند انسان اپنی زندگی میں توازن اسی طرح پیدا کر سکتا ہے کہ جہاں وہ دولت پیدا کرتے وہاں وہ علم بھی حاصل کرے۔

بمبئی کے دادر اور ماٹونگا نام کے علاقوں میں ہر برس دسہرا اور نوراتری جیسے تیوہار اجتماعی طور پر اور عوامی سطح پر منائے جاتے ہیں۔ ان کا انتظام ان علاقوں کی سبھائیں انجام دیتی ہیں جو اپنے اپنے علاقے کے گھر والوں سے اور دکانداروں سے اب تک دس دس بیس بیس روپے وصول کرتی تھیں —— مگر چندے کی وصولی بڑھتے بڑھتے اب اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ نوراتری کی نو دیتیں منانے کے لئے کم سے کم 100/= روپے سے 500/= روپے تک ہر دکاندار سے چندہ وصول کیا گیا اور ایسا چندہ دینے والوں کی خوشی یا ناخوشی کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس برس دیوی درگا کی جو بیش قیمت مورتی خصوصی طور پر پونے کے کاریگروں سے بنوائی گئی اس کو 12 مربع فٹ کی اسٹیج پر نصب کیا گیا اور 35 ہزار برقی قمقموں سے اسے روشن کیا گیا۔ اور وہ روشنی 50 کلوواٹ کے ایک جنریٹر سے حاصل کی گئی۔ اور صرف اس ایک تماشے پر ایک لاکھ چالیس ہزار روپے روپے خرچ ہوئے۔

دادر اور ماٹونگا کے ایسے تماشے تو جنوبی ہند کے رہنے والوں نے کئے۔ لیکن تھانے کی شیوسینا نے اس برس سے گجراتیوں کے نوراتری تیوہار منانا شروع کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں تھانے شہر کے ایک چوراہے پر چار بڑے پنڈال لگائے جن پر ڈھائی لاکھ روپے لاگت آئی۔ اور یہ رقم اس طرح آئی کہ شیوسینا کے کارکنوں نے پانچ پانچ سو روپے کی رسید بک ہر فرقے کے سبھی دکانداروں کو دی۔ اور یہ حکم بھی ہوا کہ ہر رسید بک فلاں تاریخ تک کل رقم کے ساتھ واپس کر دی جائے —— اور —— چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تھانے کے دکانداروں نے شیوسینا کی خوشنودی کے لئے خوشدلی سے شیوسینا کے حکم کی تعمیل کی۔ بمبئی کے بھی اکثر علاقوں میں شیوسینا نے اپنی اس ٹیکنک سے دھرم سیوا کی خاطر چندہ وصول کیا۔

یہی نہیں بلکہ اس برس مہاراشٹر میں محرم کے غم بھی کچھ زیادہ ہی شان سے منایا گیا۔ پہلے اسی محلے کے لئے

کچھڑے کی ایک ہی دیگ کا ثواب کافی سمجھا جاتا تھا لیکن
اسی برس ایک ایک نئے امیر نے چوبیس چوبیس دیگیں اتروائیں
اور ثواب دارین حاصل کیا۔ اکثر سبیلوں پر ایران کے مذہبی
رہنما آیت اللہ خمینی کی بڑی بڑی تصویریں بھی لگی ہوئی دیکھی گئیں۔

اپنے مذہبی تہواروں کے سلسلے میں عوام کا اور نئے امیروں
کا جوش و جذبہ اس لئے بھی بڑھ رہا ہے کہ ہمارے حکمراں طبقے کے
ہندو مسلم حکمراں مذہبی تقریبوں میں خصوصی مہمان بنتے ہیں
اور مذہب کو تماشا بنا دینے والوں کا دل بڑھاتے ہیں۔

اس بات کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ مذہب کی شان
بڑھانے والے لوگ بالکل بھی مذہبی نہیں ہوتے ــــ دراصل
ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے اندر سے خالی ہوتے ہیں اور وہ
اپنے اندر کے سناٹے کے طلسم کو توڑ نہیں پاتے۔ اس لئے وہ اپنے
چھوٹے سے تہوار کی چھوٹی سی خوشی کو بھی Enlarge کر کے
کلوزاپ پر لے آتے ہیں۔ وہ اصل میں جو ہوتے ہیں اُس سے
وہ انکار کرتے ہوئے فرار اختیار کرتے ہیں۔

مذہب کے نام پر دوسروں سے لاکھوں روپے لے کر دوسروں
پر خرچ کر دینا اور یہ سمجھنا کہ ان کو روحانی سکون حاصل
ہوگا بھول ہے ــــ نیک خود کو اور دوسرے انسان کو
بھی خوشی عطا کرنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے جو بڑے بتا گئے
ہیں کہ اپنی حلال کمائی سے اگر کسی دوسرے کی کوئی بنیادی ضرورت
بات کے اندھیرے میں پوری کر دی جائے تو اپنا اور ضرورت مند
کا چہرہ روحانی خوشی اور دلی سکون سے کوہ نور کی طرح منور ہو جاتا
ہے ــــ بات دراصل یہ ہے کہ اپنے جس نیک کام کو تم
بڑے بڑے برقی قمقموں کی روشنی میں دنیا کو دکھانا چاہتے ہو
اس کو تمہارا ہی خدا یا بھگوان دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے۔
شاید اسی لئے قرآن شریف میں کہا گیا ہے کہ تم اپنی
پاکیزگی مت بتایا کرو۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ (تم میں) کون
پرہیزگار ہے؟ ــــ ورنہ آج ہر مذہبی تہوار اور اس سے متعلق
ہر جلسہ اور ہر تماشا جو منعقد کیا جاتا ہے موم کا پتلا ثابت
ہوتا ہے۔ رات گزرتے ہی جب سورج طلوع ہوتا ہے
تو حقیقت کی حدت اُسے پگھلا ڈالتی ہے۔

اس سلسلے میں بعض یہ بھی سمجھتے ہیں کہ تہوار ضرورتمند
کی ضرورت کو پورا کرنے کا ایک وسیلہ ہے مگر ایک بار گاندھی جی
نے اس سلسلے میں بہت ہی اچھی بات کہی تھی کہ "اگر مقصد نیک
ہے تو اس کے حصول کے ذرائع کو بھی نیک ہونا چاہئے!"
یعنی آپ گندے کپڑے کو گندے پانی سے دھو کر پاک نہیں
کر سکتے ــــ ہندوستان کا سلطانا ڈاکو اور انگلستان کا
رابن ہڈ بھی امیروں سے چھین کر غریبوں کو دیتے تھے لیکن تاریخ
نے اور کسی بھی مذہب نے انہیں نہ نیک انسان قرار دیا اور
نہ شریف ہی۔ حضرت سلمان فارسی نے شاید اسی لئے
کہا تھا کہ "قانون شکن انسان اور ضابطۂ زندگی کا احترام
نہ کرنے والے انسان کی بخشش سے بھی کوئی خوش نہیں ہوتا"

اس سلسلے میں نام نہاد خدائی خدمتگاروں کے ساتھ ساتھ
وہ علماء بھی دوشی ہیں جو تعلیم اور جذبۂ حب الوطنی سے محروم آج
کے امیروں کو راہ راست نہیں دکھاتے یا کوئی نیک مشورہ نہیں
دیتے ــــ بات یہ ہے کہ جو لوگ خود عوام کا استحصال
کرتے ہیں یا جن کا مفاد وابستہ ہوتا ہے وہ کبھی دوسروں کو
نیک اور سچا مشورہ نہیں دیا کرتے۔ اور نہ وہ سماج میں کسی قسم
کی تبدیلی کے حق میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو مذہبی علماء
مذہبی تہواروں کو غلط ڈھنگ سے منانے پر معترض نہیں ہیں
وہ عالم نہیں ہیں اور جو تہواری رسوم پر دوسروں سے
چھین کر خرچ کرتے ہیں وہ حاتم نہیں ہیں۔

حال یہ ہے کہ سارا سماج ریاکاری کے ایسے رنگ میں
رنگتا جا رہا ہے کہ زندگی کی ہر بات کے معانی بدل کر رہ گئے

ہیں۔ اپنے معاشرے کو بے معانی بننے سے روکنے کا طریقہ یہی ہے کہ دولت اور تعلیم ساتھ ساتھ حاصل کی جائے۔ اس سے فرد کی زندگی میں توازن پیدا ہوگا اور پھر معاشرہ بھی متوازن بن جائے گا۔ اس لئے تماشا دیکھنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ہم جو دیکھتے ہیں اس پر غور بھی کریں کہ اس کو دیکھنا ہمارے لئے مفید ہے یا مضر؟

"دیکھتے ہیں"

نظر بھدنی

نہ کاغذ نہ کوئی قلم دیکھتے ہیں
زمانے کا پارٹ کو ہم دیکھتے ہیں
وہاں ڈھیر ساری رقم دیکھتے ہیں
"جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں"

لئے ہاتھ میں تو کرپشن کا پرچم
بڑھاتا ہے دولت زمانے سے برہم
گھڑی میں ہے شعلہ گھڑی میں ہے شبنم
ترے سرو قامت سے اے ابن آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تری شخصیت ہے ہزاروں پہ بھاری
ترے دم سے چلتی ہے دوکاں ہماری
خوشامد کا ہوا فیض جاری
"تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں"

تمہارا رویہ ہوا نامناسب
یہ کیا دوستی ہے بنے ہو محاسب
نہیں ہم سوالی نہیں زر کے طالب
"بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں"

رقصِ عریاں

باغی بانکوٹی

رہبر کی ہر روش تو عجب رنگ بھر گئی / تعمیر کے حجاب میں تخریب کر گئی
بازیگرِ بساطِ سیاست کی چال سے / خنجر بکف شرافتِ انساں گزر گئی
شور و شغب ہے شعلے شرارے ہیں شہر میں / امن شہر مٹا کے کوئی بد نظر گئی
فرقہ پرستی تیرا بھلا! اب کے یہ بلا / بھیونڈی، تھانہ، بمبئی، جیسے شہر گئی
تھا رقصِ عریاں ہر گلی کوچہ میں الاماں / جب خوگرِ خوں رقص کناں حور اتر گئی
منظر شہر نگاراں کے خوں بار ہو گئے / اس وحشیت سے رونقِ دیوار و در گئی
اذانِ حرم، صدائے جرس اور نوائے نے / آہ و بکا و نالہ و شیون کے سر گئی
انساں درندہ بن گیا مذہب کے نام پر / نفرت دلوں میں ڈال کر خوئے بشر گئی
قتلِ پسر کا خوں چکاں منظر ابھر گیا / جب ماں کے سامنے سے کوئی تیغ تر گئی
جن چھاتیوں سے دودھ کے دھارے تھے موجزن / تیغِ جفا کی دھار انھیں کاٹ کر گئی
کس کا سہاگ لٹ گیا، چھوٹے ہیں کس کے بھاگ / رنگِ حنا کہاں گیا، بندیا کدھر گئی
اس کسمسائی زیست پہ انسانی موت بھی / قرباں گئی، نثار گئی، سر بسر گئی
سسکی و ہچکی جن کا مقدر ہے اُن کو کیا / چھو کر انھیں کبھی جو خوشی کی لہر گئی
ہنسا کا راج تابکے اس رام راج میں / سیتا کی آبرو کبھی راون کے گھر گئی

حق بینی، حق شناسی و حق گوئی کے سبب
ناہید سی، نگارشِ باغی نکھر گئی

کہتا ہوں سچ

شرف کمالی

:- شرف صاحب نے سات سمندر پار پہنچ کر بھی قارئین نقش کوکن کو فراموش نہیں کیا۔ اور اپنا سچ بذریعہ ڈاک ہم تک پہنچایا ہے۔ اس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ (ادارہ)

"بمبئی ٹیلیفون" بھی اوپر والے کی دین ہے۔ اللہ دے اور بندہ لے۔ اس جنسِ گراں مایہ کے غمزوں سے سبھی واقف ہیں۔ میں نے کہا "ہلو، میں شرف کمالی بول رہا ہوں"۔ اس نے کہا "ہوش کی دوا کیجئے۔ جانور بولتا ہے — ہم کہتے ہیں اور شرف صاحب تو فرماتے ہیں"۔ میں نے کہا "ہاں، ہاں۔ ہمیں معلوم ہے۔ گرامر ہمیں نہ سکھائیے بمبئی میں بولنا جائز ہے۔ یہاں قسم قسم کے جانور اپنی اپنی بولی بول کر اڑ جاتے ہیں۔ یہ بحث رہنے دیجئے، آپ ذرا ہو سکے تو ہمارے بھائی صاحب محترم جناب فقیر محمد مستری صاحب کو بلا دیجئے۔ بڑی نوازش ہوگی"۔ "شرف صاحب آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ ہم ضرور انھیں بلاتے ہیں۔ مگر ذرا پتہ تو بتائیے"۔ مودبانہ آواز آئی — ہم فوراً سمجھ گئے کہ رانگ نمبر ہے۔ پوچھا "کہاں سے بول رہے ہو؟" "جی، جی دیونار سلاٹر ہاؤس سے مجھے آپ سے مخاطب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ میں بھی آپ کے مضامین چٹخارے لے کر پڑھتا ہوں"۔ "شوق سے پڑھئے مگر رانگ نمبر فوراً کیجئے"۔ سوچا اب کیا کیا جائے؟ فقیر محمد مستری فون پر کیسے ملیں جب کہ روانگی میں ابھی کچھ گھنٹے ہی باقی رہ گئے ہیں۔ ایک ترکیب ذہن میں آئی۔ فوراً دیونار سلاٹر ہاؤس کا نمبر گھمایا اور جواب ملا جی دفتر نقش کوکن۔ طبیعت خوش ہوگئی۔ پتہ چلا فقیر محمد ابھی ابھی گئے ہیں، یعنی ان کے کرسی کی آہٹ ہوا بھی ابھی تک گرم ہے۔ باندرہ سے بمبئی جانا اور واپس بخیر و خوبی واپس آجانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ لہٰذا بمبئی کے جن دوستوں کو روانگی سے قبل نہ ملنے کی شکایت ہو وہ مذکورہ رکاوٹوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر ہمیں معاف فرمائیں۔ ویسے ہمیں اپنے دوستوں کی پُرخلوص دعاؤں پر یقین ہے۔ اب رہے دشمن، تو نصیب دشمناں ہم کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے بلکہ اتفاق سے کوئی دشمن ہے بھی تو وہ جان سے پیارا ہے۔ ہمارا اپنا شعر اس نکتے کی وضاحت کرتا ہے ؎

یہ ان کا ظرف کہ یاروں نے دشمنی کر لی
کیا ہے ہم نے شرف دشمنوں سے پیار بہت

پُرخلوص دوستوں نے سفرِ افریقہ پر دلی گہرائیوں سے مبارک بادیاں دیں۔ ایک دوست کو ان کے ظرفِ عالی نے یہ کہنے کی توفیق بخشی کہ "اب شرف صاحب بھی افریقہ جارہے ہیں"۔ ہم تک جب یہ آواز پہنچی تو ہم نے کہا "تیری آواز مکے اور مدینے"۔ اب ہمیں یقین ہوگیا کہ آپ ہمارے دوست صادق الولا ہیں۔ آپ کے "اب" اور "بھی" کا مطلب ہے کہ ہمیں بچانے والے ایک شرف ہی تھے وہ بھی اب جارہے ہیں۔ اب ہمیں مار کھانے سے کون بچائے گا؟ خیر آپ چاہیں نہ چاہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب اللہ نے چاہا ہے تو وہی ہو کر رہے گا۔ بفضل اللہ اس بار افریقہ کے سفر کی پیش کش کو ہم نہ ٹال سکے۔ اس سے پہلے بھی بارہا مقرر ہونے والے

مُضطر ہوئے۔ لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ہمارا ارادہ نہ ہو سکا۔ اور یہ
بات تشکر و امتنان پر ختم ہوتی رہی۔ لیکن اب کی مرتبہ
ہم تیار ہوئے تو بیگم شرفت بھی ہمرکابی کے لئے تیار ہو گئیں،
انھوں نے ارادہ ظاہر کیا تو دلِ ناداں نے صدا دی کہ ؎

تیرا ہاتھ ہاتھ میں آگیا کہ چراغ راہ کے جل گئے

سفرنامہ لکھنے کا خیال یوں ہوا کہ سفر کے حالات
ضبطِ تحریر ہوں تو کئی نئی باتوں پر روشنی پڑے گی۔
ورنہ مستری صاحب کا کہنا تھا کہ میں چار پانچ قسطیں دفتر میں
جانے سے قبل پہنچا دوں۔ میں نے کہا میں بذریعہ ڈاک
روانہ کرتا رہوں گا۔ اور یہاں سے پہلی قسط کی روانگی اس بات
کا ثبوت ہے کہ میں جہاں بھی رہوں نقشِ کوکن کی یاد ہمیشہ
دل کی گہرائیوں میں محفوظ رہے۔ ؎

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار
لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

انشاء اللہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

میں بارگاہ رب العزت میں سربسجدہ ہو کر رب الارباب
و مسبب الاسباب نے بخشی ہوئی گوناگوں نعمتوں پر اس کا شکریہ
ادا کرتا ہوں۔ ان نعمتوں میں سب سے افضل ترین نعمت جو ہمیں
خالقِ کائنات نے عطا فرمائی ہے وہ ہے صالح و سعادت مند
اولاد۔ اور وہ بھی کوثر ضمعت یعنی بکثرت۔ لہٰذا میں
ایک سے اکیس کا قائل ہوں۔ لوگوں کو جب ہم دو ہمارے دو
کہتے ہوئے دیکھتا اور سنتا ہوں تو ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے
وہ خدائی معاملات میں دخل در معقولات کے فعلِ قبیح
کے مرتکب ہیں۔ خیر پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔ ویسے میں
خوش ہوں کہ اس معاملہ میں میرے ہم خیال اور کئی احباب
ہیں۔ لہٰذا مستری، شمسی، نائیک صاحبان کو دیکھ کر
جی خوش ہوتا ہے کہ بفضل اللہ اپنی فہرست میں
ان کے بھی نام ہیں۔ اولاد کی صحیح تربیت اپنی جگہ بڑا فن ہے۔
میری دو بیٹیاں رحمت اور خدیجہ رلمبی۔ بلنٹائر ملاوی
میں مستقل طور پر قیام پذیر ہیں۔ دونوں داماد بھائی بھائی
ہیں۔ اور ماشاء اللہ خلیق ہیں۔ بفضل اللہ زندگی ہر زاویہ نظر
سے اطمینان بخش ہے۔ لیکن سب سے بڑی دولت جو انھیں ملی
ہے وہ خُلق و خلوص ہے۔ ہمیں ایک عرصے سے بُلا رہے
تھے۔ اب کی بار ان کے والدِ معظم جناب احمد عباس صاحب
کو انڈیا سے یہاں لے آنے کا مسئلہ تھا۔ وہ گزشتہ بارہ سال
کے عرصے سے فالج کا شکار ہو کر صاحبِ فراش ہیں۔ لیکن
بایں مشکلات و مصائب خوش نصیب ہیں کہ ان کے دو
صاحبزادے غنی اور جمال واقعی اسم بامسمّیٰ ہیں۔ آپ
کوئی کام شروع فرمائیے آپ کو انشاء اللہ مشورے بلا فیس
مفت ملیں گے۔ یہ بات اور ہے کہ وہ متضاد ہوں گے۔
مثلاً گھر تعمیر کیجئے۔ پہلا ماہر مشورہ دے گا کھڑکیاں
بڑی بڑی رکھنا۔ اور دوسرا ماہر بڑی بڑی کھڑکیاں دیکھ کر
دل کے آبلے پھوڑے گا۔ توبہ توبہ کھڑکیوں کا جب یہ
حال ہے تو دیواروں کا کیا ہوگا۔ بھائی صاحب۔ یہ کھڑکیاں
رہنے دیجئے۔ اور فلاں ناپ کی بنوا لیجئے۔ بلیلہ یہی حال تھا،
کوئی کہے "باپ کہاں۔ بیٹے کہاں" کوئی مشورہ دے
افریقہ گیا۔ "کیوں بیٹھے ہو؟ باپ کی خدمت کے لئے یہیں رہ جاؤ"۔
سُنا ہے کہیں ایک بھینس کی گردن کھڑکی کے بیچ پھنس گئی
تھی۔ عقلمند بلائے گئے خود ہی آگئے اور مشورہ
دیا "پہلے بھینس کی گردن کاٹ دو، پھر دیوار گرا دو"۔
چنانچہ اگر سارے مشورے مانے جاتے تو یہی حال ہوتا۔
لیکن جمال اور غنی کو تجربات نے اچھا سبق دیا ہے۔
وہ سب کی سُن کر اپنے دل کے فیصلے پر عمل کرنے کے قائل
ہیں۔ طے یہ ہوا کہ ہندوستانی پاسپورٹ پر انھیں ملاوی

لے جایا جائے۔ اور وہاں رہائشی پرمٹ نکالا جائے۔
لہٰذا زتو حرکت از خدا برکت آٹھ دن میں پاسپورٹ
بن گیا۔ اور ایر انڈیا سے سارے انتظامات مکمل ہوئے۔
مریض کے لئے تین سیٹوں کے برابر کرایہ ادا کر کے اسٹریچر
لگایا گیا۔ اور عزیزی جمال اور لختِ جگر خدیجہ۔
بیگم شریف اور راقم الحروف اتوار ۱۸ ستمبر ۱۹۸۳ء صبح ٹھیک
ساڑھے آٹھ بجے ایر انڈیا کے ہوائی جہاز سے زمبابوے
ہرارے کے لئے عازم سفر ہوئے۔ ایر انڈیا نے واقعی انتظام
کیا تھا۔ افسران کا تعاون مثالی تھا۔ ہوائی جہاز میں
بیٹھنے تک برابر رہنمائی کرتے رہے۔ مریض کی ایمبولنس
براہ راست جہاز تک لائی گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ایر ہوسٹس نے
ذوقِ مے کشی کی آزمائش کی۔ بڑے ہی پرخلوص انداز میں
پوچھا "کیا پیو گے؟" ہم نے کہا "پانی"۔ وہ مسکرائی۔
ہمیں یاد آیا شراب اور یہ خطرناک تبسم، نشہ واقعی
دو آتشہ ہو جاتا ہوگا۔ اور اُترتے ہوئے چہرے کا
یہ خطرناک تبسم دیکھ کر نہ پینے والا بھی کہہ دے ہاں، پھر پلا
دیجئے۔ اور کہہ دے ۔۔

دیدہ و دل کی تباہی ہمیں منظور مگر
اُن کا اُترا ہوا چہرہ نہیں دیکھا جاتا

اس نے کہا "میرا مطلب ہے بیئر، وہسکی، برانڈی، جن
وغیرہ" ۔۔ میں نے کہا شکریہ شکریہ! ہم نے بھی
کبھی پی ہے اور خوب جم کر پی ہے۔ لیکن اب توبہ کر چکے
ہیں۔" اس نے کہا "توبہ توبہ شراب سے توبہ!!" ہم نے
کہا "جی ہاں!" اور مجاز کا مشہور جواب دیا "ابھی حضرت
انسان کو بگڑنے میں کیا دیر لگتی ہے۔" خیر، ہم اپنے اصول
پر کاربند رہے اور دعوتِ مے نوشی قبول کر کے نائب
وزیر اعلیٰ بننا قبول نہیں کیا۔ دراصل جب فیضانِ الٰہی نے
صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ہمیں حقیقی خسارہ
کا پتہ مل گیا ہے، جس کے سامنے یہ نشہ فضول بلکہ بکواس ہے۔

ملاوی خوب صورت ملک ہے۔ حدِ نظر تک سبزہ ہی
سبزہ، خوشنما پہاڑ، حسین باغات، گلوں کی مہک،
سبزے کی لہک، بلبل کی چہک ۔۔ دل نے کہا یہیں
بہار کا پہلے پہل ہوا تھا شگون۔ صاف ستھرے راستے
کیا مجال کہیں کاغذ کا ذرا سا ٹکڑا کہیں نظر آئے۔ لوگ
صفائی کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ ہمیں یاد آیا ممبئی میں راستوں پہ
پان کھا کر لال لال تھوک اگلنا تو روزمرہ کا معمول ہے۔ لیکن
ہائی کورٹ، پولیس کمشنر آفس، پاسپورٹ آفس سیڑھیوں کے
کونوں میں "یہاں تھوکنے کی ممانعت ہے" پڑھ کر بھی آرام سے
تھوکتے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں آزادی!! ۔۔

ملاوی ہندوستان سے بہت دور ہے۔ دس بارہ ہزار
میلوں کی مسافت یقیناً ہے۔ لیکن ہمارا دیوبند اور بریلی کا
مرض یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ میں نے بہ نظرِ خود ان
جراثیم کا معائنہ کیا ۔ لمبی مسجد میں نمازِ مغرب فرض کے
فوراً بعد "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"
سنا۔ ذرا آگے بڑھ کر دیکھا مولانا سیاہ صافہ باندھے
ہوئے، گلے میں بڑا رومال ہے اور سلام پڑھنے کے لئے
کھڑے ہیں ۔۔ دوسرے روز عید الاضحیٰ کا خطبہ بھی اسی مولانا
نے پڑھا ۔ تبلیغی تحریک کا بھی یہاں زور ہے۔ ایک
مولانا احمد پٹیل صاحب سے ملاقات کچھ دیر کے لئے ہوئی۔
جامع مسجد ممبئی کے مولانا شوکت علی صاحب کے بڑے مداح
ہیں۔ ہم ان سے مل کر اور ان کی روشن خیالی سے بہت متاثر
ہوئے ۔۔ ممبئی سے کچھ دور ایک اسلامی مرکز ہے جہاں
عراق کے ایک نوجوان شیخ سعد بہت بڑا مدرسہ چلا رہے
ہیں، اور صحیح نہج سے تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ یہاں کی

[illegible] سے بولتے ہیں۔ میں نعمان سے انٹرویو کیلئے وقت لیا ہے۔ آئندہ قسط میں اس کا ذکر انشاءاللہ ضرور ہوگا۔

یہاں ٹرافک پہلے تو بہت کم ہے ـــ اور دیکھا، لوگ سلیقے سے طریقے سے گاڑیاں چلاتے ہیں۔ شوق ہوا کہ گاڑی چلانے کا کمال بھی سیکھ لیا جائے تو بُرا کیا ہے۔ ڈرائیونگ اسکول سے رابطہ قائم کیا اور انشاءاللہ اسی مہینے میں لائسنس بھی مل جائے گا۔ ان لوگوں کا اصرار ہے کہ سیر کیلئے نکلا جائے۔ ہم نے روک رکھا ہے کہ مدتوں بعد سستانے کا کچھ موقع ملا ہے۔ ابھی کچھ روز آرام کریں گے۔ کیپ ٹاؤن سے کئی دوستوں اور عزیزوں کا بڑا اصرار ہے۔ فون بھی آتے رہتے ہیں ـــ وہاں میرے حقیقی چچا پیوندِ خاک ہیں۔ وہ ترکِ وطن کر کے چلے گئے اور وہیں کے ہو کر رہے۔ اب ان کے بیٹے اور خاندان ہے۔ زندگی میں پہلی بار ان سے بھی ملاقات ہو سکے گی۔ یہاں سے وہاں پہونچنے کے انتظامات ممکن ہیں۔ لیکن یہ پروگرام ابھی طے نہیں ہے۔ دیر سے سہی لیکن واپسی سے قبل وہاں ضرور ہو آئیں گے۔

یہاں آنے کے بعد ایک اچھا دوست ملا ہے۔ اس کا نام "سولو" ہے۔ میں جب گھر کے آنگن میں ہوتا ہوں یا پائیں باغ کی روشوں پر گھوم کر گلاب کے قسم قسم کے پھولوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہوں تو یہ میرے آگے پیچھے گھومتا رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں "سولو" اور یہ بھاگتا ہوا آپہنچتا ہے۔ دراصل "سولو" کتا ہے۔ بہت خوب صورت بہت وفادار... اس کو دیکھ کر اپنے کچھ دوستوں کی گندم نمائی اور جو فروشی یاد آئی۔ اسے دیکھ کر اپنی ایک پرانی نظم گنگنانے لگتا ہوں ؎

مشرق مشہور ہے دنیا میں کُتے کی وفاداری
مگر میں سوچتا ہوں کس لئے بدنام ہے کتا

بلنٹائر اور ملبی میں ہندوستانی کافی ہیں۔ جو ایک مدت سے یہاں آباد ہیں۔ پہلے اس علاقے کو نیا سالینڈ کہتے تھے۔ ہندوستانیوں میں میمن ہیں، گجراتی ہندو ہیں۔ کوکنی مسلم بس اب سات خاندان ہیں۔ بہرکیف یہاں سب مل جل کر اتفاق سے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد مقدم اور ان کی زوجہ محترمہ ڈاکٹر رقیہ، زین الدین مقدم، مقری، بونڈارے، انعامدار کئی خاندان ہیں۔ ان کا تفصیلی جائزہ آئندہ انشاءاللہ لوں گا۔ ڈاکٹر رقیہ ہماری خاطر بیرارے زمباوے تک آئی تھیں۔ کیونکہ مریض کا باقی سفر ان کی زیرِ نگرانی ہو۔ بہت خلیق اور پرخلوص خاتون ہیں۔ ان کا آبائی وطن کشمیر ہے اور شادی کے بعد بھی اللہ نے انہیں کشمیر جیسے ہی خطۂ ارض پر پہنچا دیا ہے۔

یہ پرچہ آپ کو کیسا لگا؟

پرچے کے معیار ہی کو نہیں مزاج کو بھی ملحوظِ خاطر رکھیے اور بتائیے کہ پرچہ آپ کو کیسا لگا؟ اگر آپ کو پسند ہے تو اپنے دوستوں سے کہیے کہ اس کے خریدار بن جائیں۔ (ادارہ)

غزلیں

عبدالمطلب پرکار زاہد
کیمپ ٹاؤن

نہ شہرت نہ میں مال و زر چاہتا ہوں
محبت بھری اک نظر چاہتا ہوں

تجلی ہو جن میں ترے زلف و رخ کی
میں ایسے ہی شام و سحر چاہتا ہوں

وہی اک نظر جس نے لوٹا تھا دل کو
میری جان بارِ دگر چاہتا ہوں

شب غم جو پلکوں پہ بن جائیں تارے
وہ آنسو میں اے چشم تر چاہتا ہوں

غزل سن کے اے زاہد گر وہ بھی جھومیں
غزل میں بس اتنا اثر چاہتا ہوں

واحد محسن

جانے کس سمت سے اٹھے گا دھواں کیا معلوم
آگ کی زد میں ہو اپنا بھی مکاں کیا معلوم

زندہ لاشوں کی تجارت پہ بہت نازاں ہے
ایک تاجر کو بھلا سود و زیاں کیا معلوم

تیر و خنجر بھی ہیں، بھالے بھی ہیں، چاقو بھی ہیں
شہر میں امن کا مسکن ہے کہاں کیا معلوم

یہ ہے سفاک لٹیروں کا نگر اے واحد
کون سے روپ میں آئے گا یہاں کیا معلوم

منظر اقبال اختر

سیلِ امواج سے گذرنا ہے
چڑھتے دریا کو پار کرنا ہے

ہو گئی شام تو ڈوب جانے دو
صبح کو پھر مجھے ابھرنا ہے

سب کے سب خوشنما کھلونوں کو
ایک دن ٹوٹ کر بکھرنا ہے

کیا پتہ کون سا مقام ہے وہ؟
قافلے کو جہاں ٹھہرنا ہے

آگ میں جل کے دیکھ لو اختر
مثلِ کندن اگر نکھرنا ہے

صابر مجگانوی

زمانے کی نظر میں پارسا تھا
میں اپنے آپ سے لیکن خفا تھا

اسی دن ان کی آنکھوں میں بسا تھا
میں جس دن اک رسالے میں چھپا تھا

مجھے وعدہ خلافی کی سزا دو
کسی سے میں نے بھی وعدہ کیا تھا

کہاں سے ہوتے داخل حملہ آور
ہمالہ بن کے راہوں میں کھڑا تھا

متاعِ دل لٹی جس کی خاطر
اسی نے دیدہ کو ترسا دیا تھا

زباں کیوں کر مری خاموش رہتی
مرے اندر کوئی شاعر چھپا تھا

نہ صابر ہو سکا طے زندگی بھر
بظاہر مختصر سا فاصلہ تھا

★ ★ ★ ★ ★ ★

مسلم نوجوانوں کی معاشی ترقی

ایم۔ایم۔ٹھاکر

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ فی زمانہ مسلمان تعلیمی اعتبار سے پس ماندہ ہیں۔ آزادئ ہند کے وقت آبادی کے تناسب سے تعلیم یافتہ مسلمان کتنے تھے اور آج کل آبادی کے تناسب سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی تعداد کیا ہے۔ اور ہمارے طریقۂ تعلیم میں کیسی تبدیلی کی ضرورت ہے؟ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلمان قوم نے طلبہ کو تعلیم کے لئے اور خاص طور پر پیشہ ورانہ اعلیٰ تعلیم کے لئے تیار نہیں کیا۔ اس تعلیمی پس ماندگی کی درج ذیل وجوہات ہیں:۔

مسلمانوں کا عقیدہ تجارت کی طرف مضبوط، تعلیم کی طرف کمزور اور صنعت کی طرف اس سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ (۲) تعلیم کے فوائد اور اہمیت کی کمی (۳) تعلیم سے دلچسپی میں کمی۔ اور تعلیمی مواقع کے متعلق معلومات میں کمی (۴) تعلیم کے سلسلے میں تائید کی کمی (۵) ملنے والی امداد کا علم نہ ہونا (۶) کم عمر لڑکوں کو کام پر لگانا تاکہ خاندان کی آمدنی میں اضافہ ہو (۷) داخلہ کے لئے درخواست نہ دینے میں غفلت برتنا

خلیجی ممالک میں مسلمان نوجوانوں کو کام کے بہت سے مواقع فراہم ہیں۔ وہاں کام کرنے کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایس۔ایس۔سی کے بعد مناسب صنعتی تربیت ان کو خلیجی ممالک میں مناسب ملازمتوں کے حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔ یونائیٹڈ اکنامک فورم (U.E.F.) کا اس معاملے میں موقف ہے کہ صنعت و حرفت کی تربیت سے مسلمان نوجوانوں کو بہت فائدہ ہوگا۔ اور ان کا معیار زندگی بھی بلند ہوگا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ آرٹس اور سائنس کے کالج کھولنے کے بجائے پیشہ ورانہ تعلیم، انجینئرنگ، طب، زراعت، قانون، مالیات، انتظامی امور کی تعلیم کے ادارے کھولے جائیں۔ یہ ادارے مسلمان اکثریت والے علاقوں میں کھولے جائیں۔ اور منظوری کے سلسلے میں زیادہ فراخدلی سے کام کیا جائے۔ معاش سے متعلق تعلیم و تربیت کا زیادہ سے زیادہ اسکولوں میں انتظام کیا جائے تاکہ وہ مسلمان جو کم آمدنی کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

صنعتی تربیت کی تین سطحیں ہیں (۱) ڈگری کورس (۲) ڈپلوما کورسیس (۳) سرٹیفکیٹ کورسیس۔

اس قسم کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص علاقے کی مخصوص تجارت اور ہنر کو مدنظر رکھا جائے تاکہ تربیت یافتہ نوجوان فوراً کام حاصل کرسکیں۔

یونائیٹڈ اکنامک فورم کے قیام کا مقصد مسلمانوں میں تعلیمی سہولتیں مہیا کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے تربیتی اداروں کا قیام سب سے ضروری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مسلمان قوم میں تعلیم کی اہمیت کا احساس پیدا کیا جائے۔ تعلیمی اداروں میں داخلہ کے لئے طلبہ کی امداد اور رہنمائی کرنا، پاس شدہ طلبہ کو ملازمت دلانے کے لئے رہنمائی کرنا۔ U.E.F. کی خواہش ہے کہ صنعتی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے مراکز کھولے جائیں۔

اور یہ ادارے خود مسلمان قائم کریں۔ اور یہ ادارے کم خرچ میں تعلیم کا انتظام کریں۔ ان کا مقصد طالب علم ہر جہتی ترقی اور تربیت ہو۔ ان اداروں کے دروازے غیر مسلموں کے لئے بھی کھلے رہیں تاکہ قومی اتحاد اور اتفاق کی عملی صورت پیدا ہو۔ جائنٹ سیکریٹری مسٹر سکینہ نے کہا تھا کہ ایک ادارہ بنایا جائے جہاں سرکاری اور رضاکارانہ ادارے اور مسلمان دانشور طبقہ وقتاً فوقتاً مسلمانوں کے تعلیمی، سماجی اور معاشی حالات کا جائزہ لے۔

تامل ناڈو میں یونائیٹڈ اکنامک فورم اس مقصد کے حصول کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ مسٹر سکینہ نے کہا ہے کہ اوقاف کی آمدنی سے صنعتی تعلیم اور مسلمانوں کے عام اسکولوں کی امداد کی جائے۔ مسلم یوتھ ہاسٹل (اقامت گاہیں برائے مسلم طلبہ) کا فوری طور پر قیام ایک دشوار مسئلہ ہے۔ البتہ ایسے مرکزی مقام پر ہاسٹل بنایا جا سکتا ہے جو آس پاس کے اداروں کے طلبہ کے قیام کی سہولت فراہم کر سکے۔ یہ ہوسٹل مسلمان طلبہ کی بڑی تعداد کے قیام کے لئے ہونا چاہئے۔

ان ہوسٹل کے قیام کی وجہ سے بہت سے فائدے حاصل ہوں گے ہمارے طلبہ اسلامی اصول پر کاربند ہو سکتے ہیں۔

(۲) اجتماعی مباحثوں سے علمی لیاقت میں اضافہ ہوگا۔
(۳) بڑی جماعت کے بچے نچلی جماعت کے طلبہ کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ (۴) ہوسٹل میں صرف ایک غذائی اسکیم کی منصوبہ بندی اور کفایتی شرح پر مناسب غذا فراہم کرنا وغیرہ۔

پیشہ ورانہ تعلیم کے لئے کالج سے زیادہ مناسب ہائر سیکنڈری سطح ہے۔ کیونکہ کالج کے مقابلے پانچ گنا زیادہ طلبہ ہائر سیکنڈری میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کی رہنمائی بے حد ضروری ہے۔ ہائر سیکنڈری کے اساتذہ کو تربیت دی جائے کہ وہ طلبہ کی صحیح رہنمائی کر سکیں۔

صنعتی ادارے: صنعتی اداروں سے فارغ طلبہ کو ہمارے بڑے اور چھوٹے صنعتی اداروں نے ملازمتیں دینی چاہئے۔ علاوہ ازیں جو تجارت کرنا یا کارخانے قائم کرنا چاہتے ہوں انھیں اس سلسلہ میں مکمل معلومات دیں۔ بینکوں سے سرمایہ حاصل کرنے کے طریقے اور SIDCO سے ان کے متعلق تفصیلات میں رہنمائی کریں۔ ساتھ ہی ساتھ کارخانوں کا صحیح جگہوں پر قیام، ان کے متعلق مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی طرف سے دی جانے والی سہولتوں کے متعلق معلومات اور ان کے متعلق صحیح رہنمائی کی جاتی رہے اور انھیں صحیح عملی جامہ پہنایا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نوجوان بہت جلد ترقی کی منزل پر گامزن ہو جائیں گے۔

خواتین کی تعلیم:۔ ہمارے ملک میں عورتوں کی تعلیم اور ان کی فلاح و بہبود کی طرف خصوصی طور پر زور دیا جا رہا ہے۔ عورتیں خود تعلیم اور ملازمت کے سلسلے میں مردوں کے دوش بدوش چلنا چاہتی ہیں۔ تنہا مرد کی آمدنی سے گھریلو اخراجات و گزر بسر مشکل ہو گیا ہے، اس لئے ہمیں یہ غور کرنا ضروری ہو گیا ہے کہ ہماری لڑکیاں کس طرح اور کون سی تعلیم حاصل کریں جو کہ ماحول اور ضرورت کے مطابق ہو۔ لڑکیوں کیلئے ابتدائی تعلیم سے لے کر ثانوی تعلیم تک مکمل بندوبست کیا جا سکتا ہے اور ایک تنہا عورت کی بدولت پورے خاندان کو تعلیم مل سکتی ہے۔ عورتوں کیلئے چھوٹی صنعتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً پاپڑ، اچار، مصالحے، سلائی و سوئٹر وغیرہ بننا اس قسم کی صنعتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح تعلیم و پیشہ ورانہ تعلیم کے ذریعہ خاندان ترقی کی راہ پر گامزن ہوں گے۔ مسلم اکثریت والے علاقوں میں صنعتی ادارے کھولے جا سکتے ہیں۔ یونائیٹڈ اکنامک فورم اور آل انڈیا اسلامک فیڈریشن مسلمانوں کی رہنمائی اور بھلائی کے فریضے انجام دے رہے ہیں۔ یونائیٹڈ اکنامک فورم تامل ناڈو نے اپنی ریاست میں جو کام شروع کیا اس سے متاثر ہو کر کیرالا، کرناٹک، آندھرا پردیش اور دہلی میں بھی یونائیٹڈ اکنامک فورم کی طرز پر خود مختار ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ اور ان اداروں نے اپنے فرائض انجام دینا شروع کر دیا ہے اور اس کوشش نے ہمیں بھی اس پر آمادہ کیا کہ ایک مضمون آپ کے زیر نظر لائیں تاکہ آپ خود اس پر سوچ سکیں۔

کرکٹ

احمد ابراہیم بامنے

میدان میں چند طرحدار منچلے نوجوان ایک عجیب و غریب کھیل میں مصروف ہیں۔ تین ٹانگوں والا ایک اسٹول زمین پر سیدھا رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے کچھ فاصلے پر ایک لمبا تڑنگا نوجوان بھاری سی گیند لئے اسٹول کی ٹانگیں اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب کہ اس کا دوسرا ساتھی ہاتھ میں لکڑی لئے گیند کو اس طرح مارتا ہے کہ وہ اسٹول کی ٹانگوں میں نہ لگ سکے۔ اسٹول کے پیچھے کی جانب کچھ نوجوان تماشائی ہر اس گیند کو روکتے ہیں جو اسٹول اور دوسرے کھلاڑیوں سے بچ کر ان تک پہنچتی ہے۔ راستہ چلنے والے ان نوجوانوں سے کتراتے ہیں اور بچ کر نکل رہے ہیں۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ آج سے تقریباً ۴۰۰ سال پہلے لندن کے شرفا جس کھیل سے حقارت کے ساتھ اسٹول بال کہہ کر گزر جاتے تھے وہ ایک روز کرکٹ جیسے ہر دلعزیز کھیل کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، بلکہ دلچسپی کا سب سے بڑا مرکز بن کر انگلستان کا قومی کھیل کہلائے گا۔

جہاں تک کرکٹ کی ابتدائی تاریخ کا تعلق ہے کرکٹ جیسے کھیل کا حوالہ انگلستان کے شاہ ایڈورڈ اول کی اس ڈائری میں ملتا ہے جس میں وہ گھریلو حساب کتاب کی تفصیلات درج کیا کرتا تھا۔ اس تحریر کا تعلق ۱۳۰۰ء سے ہے۔ اور اس حوالے کو کرکٹ کا سب سے قدیم اور مستند حوالہ تصور کیا جاتا ہے۔

سولہویں صدی کے آخری حصے میں (۱۵۵۸ء۔۱۶۰۳ء) جب ملکہ ایلزبتھ اول تخت انگلستان پر جلوہ افروز تھی کرکٹ کا کھیل عام لوگوں میں خاصا مقبول ہو چکا تھا لیکن ۱۶۰۳ء میں ایلزبتھ کی آنکھ بند ہوتے ہی انگلستان کا سنہری دور ختم ہونے لگا۔ اور معاشرے میں تیزی کے ساتھ زوال پذیری کے آثار نمودار ہونے لگے۔ زمانے کی اس بدحالی اور ابتری سے کرکٹ کا کھیل بھی جو ابھی نوزائیدہ کھیل تھا محفوظ نہ رہ سکا۔

اس طرح سترہویں صدی عیسوی میں اس کھیل کو بری نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ کیونکہ اب اس کھیل کے کھیلنے والے زیادہ تر شہر کے آوارہ، اوباش اور بدنام لوگ تھے۔ اس کھیل کے معیوب ہونے کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب انگلستان کے مشہور مدبر اور سیاستدان اولیور کرام ویل ۱۵۵۸ء۔۱۵۹۹ء کے مخالفین سیاست میں اس کی ہمسری میں ناکام ہوئے تو انھوں نے کرام ویل کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کی الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ ان ہی الزامات میں سے کرام ویل پر ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ وہ ملکی کاموں کو پس پشت ڈال کر کرکٹ کے بے تکے اور بیہودہ کھیل میں دلچسپی لے رہا ہے۔ سترہویں صدی کی ابتدا ہی سے، جب کرکٹ کے کھیل کو روکنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں تو قانون کا سہارا لے کر اس کھیل کو اتوار کے دن، جو عیسائی مذہب میں مقدس مانا جاتا ہے، کھیلنا قابل سزا جرم قرار دے دیا گیا۔

اس قانون کے تحت ۱۶۶۲ء میں سکس کے مقام پر کرکٹ کھیلنے کے الزام میں چند لڑکوں کو سزا بھگتنی پڑی تھی۔ اس کے بعد ۱۶۵۳ء میں بھی اولیور کرام ویل کے دور میں کینٹ کے مقام پر بھی اتوار کے روز کرکٹ کھیلنے کے جرم میں سات افراد کو

سزا سنائی گئی۔

کرکٹ کا پہلا میچ جس کا قابلِ بھروسہ تذکرہ ملتا ہے ۱۶۹۷ء میں سسکس کے مقام پہ کھیلا گیا۔ ۱۷۱۹ء میں لندن اور کینٹ کی ٹیموں کے درمیان بڑے جوش و خروش کے ساتھ ایک میچ کھیلا گیا۔ جس کو بجا طور پر کاؤنٹی کرکٹ چیمپین شپ کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ ۱۷۷۴ء تک کرکٹ کے کوئی باقاعدہ قوانین مرتب نہیں تھے۔ سنہ ۱۷۷۴ء میں لندن کرکٹ کلب نے اس کھیل کے قوانین وضع کر کے اس میں نئی روح پھونک دی۔ لیکن جب ۱۷۸۷ء میں

MARYLE BONE CRICKET CLUB.

جسے عرفِ عام میں ایم سی سی کہا جاتا ہے معرضِ وجود میں آئی تو اس کلب نے کرکٹ کے نئے اور بہتر قواعد وضع کئے لیکن کرکٹ کھیل کو بامِ عروج پر پہنچانے میں اس رومانی کہانی کا بہت بڑا ہاتھ ہے جسے عرفِ عام میں ASHES کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ کرکٹ کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

ایشیز ASHES

۱۸۸۲ کا سن ہے کہ آسٹریلیا کی کرکٹ ٹیم انگلستان کے دورے پر آئی۔ دونوں ٹیموں کے درمیان اوول کے مقام پہ کرکٹ کا سرکاری میچ منعقد ہوا۔ انگلستان کو اپنی برتری پر بہت ناز تھا لیکن خلافِ توقع اس کو آسٹریلیا کے ہاتھوں شکست ہو گئی۔ اس غیر متوقع شکست نے انگریز قوم کو ناکامی کے شدید اندھیروں میں ڈھکیل دیا — ہر طرف انگلش کرکٹ کی ملامت ہونے لگی۔ لندن کے اخبار دی اسپورٹنگ ٹائمز نے کرکٹ کے نام ایک فرضی تعزیت نامہ چھاپا۔ جس کا مفہوم کچھ یوں تھا: "انگلش کرکٹ کا جنازہ نکل چکا ہے۔ اس کا جسدِ خاکی نذرِ آتش کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اب اس کی راکھ ASHES آسٹریلیا لے جائی جا رہی ہے۔"

لیکن کچھ عرصے بعد شکست کا یہ شدید احساس کم ہو گیا۔ اور اگلے سیزن ۱۸۸۳ء میں انگلستان کی ٹیم آسٹریلیا کے دورے پر روانہ ہوئی تو اس کے کپتان آئیوو بلائی IVO-BLIGH تھے جو بعد میں لارڈ ڈارنلے LORD DARNLEY کے نام سے مشہور ہوئے۔ جب آئیوو بلائی (IVO-BLI) سے دریافت کیا گیا کہ ان کے دورے کا مقصد کیا ہے؟ تو انھوں نے فرضی تعزیت نامے کے حوالے سے یہ کہا کہ "انگلش کرکٹ کی وہ راکھ حاصل کرنے آئے ہیں جو گذشتہ سال آسٹریلیا کی ٹیم اپنے ساتھ لائی تھی۔"

ملبورن کے مقام پہ دونوں ٹیموں کے درمیان مقابلہ ہوا۔ اور اس بار انگلستان کا اعتماد بحال ہوا۔ وہ کھیل جیت گئے۔ میچ کے اختتام پہ ملبورن کی رہنے والی دو خواتین داخل ہوئیں اور ایک بیل BAIL بطورِ نشانی اپنے ساتھ لے گئیں۔ دونوں خواتین نے اس بیل کو جلا کر راکھ کیا اور پھر اس راکھ کو مٹی کے ایک خوب صورت خاکدان (وہ مرتبان جس میں مردے کی راکھ رکھی جاتی ہے) میں بند کر کے انگلستان کے کپتان کو پیش کر دیا۔ اور کہا کہ یہ وہ راکھ ہے جس کی تلاش میں آپ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے یہاں پہونچے ہیں۔ مٹی کے اس خوب صورت برتن نے لارڈ ڈارنلے پر وہی اثر کیا جو نورجہاں کے ہاتھوں سے اڑ جانے والے کبوتر نے شہزادہ سلیم پہ کیا تھا۔

لارڈ ڈارنلے نے شکریہ کے ساتھ نہ صرف یہ خوب صورت تحفہ قبول کیا بلکہ اس کے ساتھ ہی ان دونوں خواتین میں سے ایک کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لیا۔ تحفہ پیش کرنے والی خاتون خود تحفہ کے ساتھ لارڈ ڈارنلے کی زندگی کا قیمتی سرمایہ بن گئیں۔ وہ جب تک زندہ رہے یہ خاکدان لارڈ ڈارنلے کے پاس ہی رہا۔ لیکن ان کی وفات (۱۹۲۷ء) کے بعد ایشیز کی ٹرافی کو

لارڈ ٹرائونڈ کے لانگ روم میں رکھ دیا گیا۔ اور اب اس حقیقت سے قطع نظر کہ کون سا ملک اس ٹرافی کے جیتنے میں کامیاب ہوتا ہے یہ ٹرافی ہمیشہ لارڈز ہی میں رہتی ہے کہیں لے نہیں جائی جاتی۔ سچ کہا ہے کسی نے انسان ختم ہو جاتا ہے لیکن اس کی یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔

پاکستان، ہندوستان کے علاوہ ویسٹ انڈیز، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، نیوزی لینڈ اور سیلون کا شمار ان ممالک میں ہے جہاں کرکٹ کا رواج براہ راست انگریزی حکومت کے سبب ہوا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی دنیا کے دوسرے ممالک یعنی چلی، مصر، ڈنمارک، جرمنی، نیوزی لینڈ، پرتگال، کنیڈا، کینیا، یوگنڈا، یوراگو کے اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کرکٹ کا خاصا رواج پایا جاتا ہے۔

ویسٹ انڈیز کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ وہاں کرکٹ کا رواج ۱۹ویں صدی میں پڑا اور ۱۸۶۳ء تک بار بیڈوز، جمیکا اور ٹرینی ڈاڈ میں کرکٹ کے کلب قائم ہو چکے تھے۔ آسٹریلیا میں یہ کھیل ۱۸۰۳ء سے رائج ہوا۔ اس ملک میں کرکٹ کے کلب کا پہلا میچ ۱۸۲۵ء میں تسمانیہ اور وکٹوریہ کی ریاستوں کے درمیان ہوا۔

جنوبی افریقہ میں کرکٹ کا پہلا میچ انگریز فوجیوں کے درمیان کیپ ٹاؤن کے مقام پر ۱۸۰۸ء میں منعقد ہوا۔ جبکہ نیوزی لینڈ میں پہلا میچ ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۲ء کے درمیان کھیلا گیا۔ اور انگلستان کی ٹیم نے پہلی بار اس ملک کا دورہ ۱۸۶۴ء میں کیا۔ اس وقت تک صرف انگلستان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ویسٹ انڈیز، ہندوستان اور پاکستان ہی انٹرنیشنل کرکٹ کانفرنس کے ممبر ہیں۔ اور ان ملکوں کے درمیان کھیلے جانے والے سرکاری میچوں کو ٹیسٹ میچوں کا مرتبہ حاصل ہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں کرکٹ کا کھیل انگریز فوجیوں کے ذریعہ داخل ہوا۔ لیکن یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں پہلا کرکٹ میچ ایم سی سی کے قیام کے تین سال پہلے ۱۸۸۴ء میں شہر کلکتہ میں کھیلا گیا۔ یہ میچ انگلستان کے ایٹن کالج ETON COLLEGE کے سابق طلبار اور مقامی پارسیوں کے درمیان ہوا۔ اس میچ سے متاثر ہو کر ۱۷۹۲ء میں کلکتہ کرکٹ کلب کی بنیاد ڈالی گئی۔ کلکتہ کرکٹ کلب کے قیام کے تقریباً ۵۶ سال بعد ۱۸۴۸ء میں پارسیوں نے ایک کلب اورینٹل کلب کے نام سے بنایا۔ بمبئی کے تجارتی شہر میں بمبئی کرکٹ کلب کے نام سے ایک کلب ۱۸۶۶ء میں وجود میں آیا۔

لیکن ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی انفرادیت کے پیش نظر اپنا پہلا کلب اسلام کلب کے نام سے ۱۸۸۳ء میں قائم کیا۔

۱۹۰۰ء تک ہندوستان کے سارے مشہور کھلاڑی پارسی ہی ہوا کرتے تھے۔ اس تجارتی دلچسپی کے پیش نظر ہندوستانی پارسیوں نے ۱۸۸۸ء میں ایک ٹیم بنا کر انگلینڈ کے دورے پر روانہ ہوئے۔ یہ دورہ بہت کامیاب رہا۔ اور پارسیوں کی ٹیم نے آٹھ میچ جیتے۔ ۱۸۸۹ء میں پہلی بار برطانیہ کی ٹیم برصغیر میں آئی۔ اور اس طرح برصغیر اور برطانیہ کے درمیان میچوں کا سلسلہ قائم ہو گیا۔

۱۹۱۱ء میں غیر منقسم ہندوستان کی پہلی ٹیم نے جس میں ہندو مسلمان پارسی اور انگریز بھی شامل تھے انگلینڈ کا دورہ کیا جو بہت کامیاب رہا۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء ۔ ۱۹ کے سبب کھیلوں کا یہ سلسلہ منقطع رہا جس کے بعد ۱۹۲۵ ۔ ۱۹۲۶ء میں ایم سی سی کی کرکٹ ٹیم آرتھر گلیگن کی قیادت میں ہندوستان آئی۔ اس دورے کے بعد کرکٹ کا کھیل برصغیر میں دیوانگی کی حد تک پسند کیا جانے لگا۔ ۱۹۳۲ء میں ہندوستان کو امپیریل کرکٹ کلب میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہوا اور اسی سال ہندوستان کی پہلی ٹیم سرکاری دورے پر انگلستان

الیکٹرونیکس کی دنیا میں
چمکتا ہوا ستارہ

WASIM ELECTRONICS

WE HAVE ALL THE TYPE OF
AIR CONDITION, REFRIGERATORS,
T. V.S. VIDEOS, WASHING MACHINES,
GAS RANGE, GAS TABLE,
CULCULATORS, WATCHES, CAMERAS,
T.V. GAME, UHF VHF AREALS AND
ALL THE ACCESSARIES IN
ELECTRONICS.

★ HUGE PARKING,
★ REASONABLE PRICE,
★ BEST SERVICE.

REMEMBER

WASIM
ELECTRONICS

OPP. MUHRRAQ BUS STOP,
P. O. BOX 22070,
MUHARRAQ, BAHRAIN,
A. GULF.

PROP. SAMAD PARKAR

TEL. : 32 40 75 - 32 24 28
RESI. : 32 42 03

ہمارے یہاں

ہر کمپنی کے ہر طرح کے ایرکنڈیشن، ریفریٹر، ٹی۔وی،
ویڈیو، واشنگ مشین، گیاس رینج، گیاس ٹیبل،
کیمرے، کلکیولیٹرس، گھڑیاں، ٹی۔ وی۔ گیم،
وی۔ایچ۔ایف، یو۔ایچ۔ایف، ایریل اور
ہر طرح کے ایلکٹرونیکس اوزار دستیاب ہیں۔

★ پارکنگ کی خاص سہولت
★ رعایتی دام اور بہترین سرویس

کے لئے یاد رکھئے :-

وسیم الیکٹرونکس

محرق بس اسٹاپ کے سامنے
پوسٹ بکس نمبر ۲۲۰۷۰ - محرق
بحرین - عربین گلف

مالک :- صمد پرکار

ٹیلیفون :- ۳۲۲۴۲۸ — ۳۲۴۰۷۵
گھر :- ۳۲۴۲۰۳

نسرین احمد قاضی
(سورت محلہ)

"خونِ انساں سے لبریز ہے آج جامِ حیات"

ساحلِ سمندر پر ایک مُردہ گائے کی لاش پڑی تھی۔ میں نے اسے دیکھ کر سوچا کہ کسی زمانے میں انسان نے اس سے کتنا فائدہ اٹھایا ہوگا۔ ابھی میں یہ سوچ رہی تھی کہ دور آسمان کی وسعتوں سے کچھ گدھ تیزی سے اڑتے ہوئے اس گائے کی طرف آئے۔ آتے ہی انھوں نے گائے کی آنکھوں کو پھوڑ ڈالا۔ "اُف!" میں نے کراہ کر آنکھیں موند لیں۔ کتنے بیدرد اور سفاک ہیں یہ گدھ۔ میں ان سے کراہیت محسوس کر رہی تھی۔

"ہاہاہا"... قہقہے کی آواز سن کر میں سہم گئی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولی۔ دیکھا سامنے کوئی کھڑا تھا۔ میں نے اس سے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا: "تم کون ہو؟" — "میں وہی ہوں جسے تم انسان گہری نیند سلانے میں ماہر ہو۔ میں تمہارا ضمیر ہوں۔" اس نے کہا۔

میں نے اسے حیرت اور دہشت سے دیکھتے ہوئے کہا: "لیکن تم نے قہقہہ کیوں لگایا۔؟" اس نے جواب دیا: "تمہاری بے وقوفی پر" — "میری بے وقوفی پر" — میں نے بُرا سا منہ بنایا "ہاں! تمہاری بے وقوفی پر۔ تم ان گدھوں پر نفرت کر رہی ہو۔ حالانکہ جب تم غذا کھاتی ہو تو وہ تم سے نفرت نہیں کرتے۔ پھر ان سے نفرت چہ معنی دارد۔ وہ گدھ تم انسانوں سے بہتر ہیں جو ایک دوسرے کی بوٹی تو نہیں نوچتے۔ اپنے بھائیوں کا خون تو نہیں بہاتے۔ اپنے ہی برادری کے کسی فرد کو تو نہیں لوٹتے۔" میں اس کی باتیں سن کر متاثر تو ہوئی۔ لیکن میں بھلا شکست کیونکر مانتی۔ میں نے کہا: "تم نے یہ سب صحیح کہا ہوگا۔ لیکن انسان بہرحال اشرف المخلوقات ہے۔ اور خدا نے اسے دنیا میں سب سے عظیم بنا کر یہ خطاب دیا ہے۔ بلکہ اسے عقل اور انسانیت جیسی اعلیٰ صلاحیتوں سے سرفراز کیا ہے۔"

وہ میری باتیں غور سے سنتا رہا۔ اور پھر یک بیک زوردار قہقہہ لگایا۔ مجھے اس کا یہ بے وقت کا قہقہہ بڑا ناگوار گزرا۔ لیکن میں نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ ہنستے ہنستے خاموش ہو گیا۔ اور دریچے سے باہر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا: "اس مردہ گائے اور گدھوں کو دیکھ رہی ہو۔ جنھیں دیکھ کر ابھی تم نے آنکھیں موند لی تھیں۔ تم انسانوں کی انسانیت بالکل اس مُردہ گائے کی طرح ہو گئی ہے اور وہ وسیع سمندر دنیا کے لوگوں کی طرح بھرا ہوا ہے جس نے انسانیت کو دنیا کے ایک کونے میں ڈال دیا ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ انسان نما گدھ اب بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ اس کی بوٹی بوٹی نوچتے ہوئے یہ پھڑ پھڑا کر اپنی فتح مندی اور خوشی کا اظہار

کمزور ہے بالکل ان گدھوں کی طرح۔"

... اپنی توہین محسوس کر رہی تھی۔ لیکن انسانوں کی حمایت میں پھر اس سے اپنی بات منوانے کی کوشش کی۔ میں نے اس سے کہا: "ہو سکتا ہے تم جو کچھ کہہ رہے ہو صحیح ہو۔ لیکن انسان کی ذہانت اور عقلمندی سے تم انکار نہیں کر سکتے۔ آج انسان چاند پہنچ چکا ہے۔ اور ہر چیز پر قابو پا چکا ہے۔"

میری باتیں سن کر پھر اس نے تمسخرانہ قہقہہ لگایا۔ "ہاں میں جانتا ہوں کہ جناب انسان نے بہت سی ایجادیں کی ہیں۔ اور وہ چاند پر بھی قدم جما چکا ہے۔ بلکہ اپنے قدموں کے نشانات بھی ثبت کر دیئے ہیں۔ لیکن چاند پر پہنچنے سے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا ہے؟ انسانیت کی روح کو کون سی غذا فراہم ہوئی؟ ان کے چاند پر پہنچنے سے پہلے بھی انسانیت بھوکی تھی، اور اب بھی ہے۔

راجوں مہاراجوں کی فتوحات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ کیا یہ چیز ہمارے لئے باعث خوشی ہے کہ ایک انسان نے زمین کے ٹکڑے کیلئے اپنے جیسے بھائیوں کا خون بہایا۔ تم ہی بتاؤ اس سے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا؟ انسانیت تب بھی سسک رہی تھی، اب بھی سسک رہی ہے۔ بادشاہ جہاں جس نے تاج محل بنا کر دنیا کے سات عجوبوں میں ایک کا اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن اس سے انسانیت کی صحت پر کیا اثر پڑا۔ انسانیت تب بھی کمزور تھی۔ اب بھی کمزور ہے۔ کیا تاج محل کو دیکھتے ہی بھوک مٹ جائے گی؟ تن پر کپڑے میسر آ جائیں گے؟ سر پر چھت دستیاب ہو گی؟ جب یہ سب ناممکن ہے تو اس کو کیونکر یاد رکھا جائے۔ ابھی حضرت انسان کی ایجاد تلوار، بندوق، ایٹم بم، ہائیڈروجن اور نائٹروجن بم جیسے مہلک ہتھیار ہیں۔ کیا تم پانی پت کی جنگ بھول گئیں۔ ایک تلوار اٹھنے سے دس بے گناہ انسانوں کے سر زمین پر گرتے ہیں۔ تم بھول گئیں جلیان والا باغ کا قتل عام، اس کی غارت گری۔ کیا تم ہیروشیما اور ناگاساکی کی ہولناکیاں... خیر چھوڑو! یہ گزری ہوئی باتیں ہیں۔ ان کو یاد کرنے سے دکھ ہی ہوگا۔ تم خود اپنی حالت دیکھو۔ کیا تم ہر وقت خوف زدہ نہیں رہتیں۔ تمہارے ذہن پر ہر وقت ایک خوف کا عالم طاری نہیں رہتا؟" "مم۔ مم۔ میں نہیں تو۔ میں بھلا کیوں خوف زدہ رہنے لگی۔" میں نے اپنے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا: "ہاہا.... من خوب می شناسم۔ تمہاری کوئی بات مجھ سے تو چھپی ہوئی نہیں ہے۔ پھر مجھ سے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ آج صرف تم ہی نہیں دنیا کا ہر فرد، ہر شخص جو اس مہلک ترین ہتھیار (نیوکلیئر) بم کے بارے میں جانتا ہے یا کچھ معلومات رکھتا ہے خوف زدہ رہتا ہے۔ کیا ایسے خوفزدہ ماحول میں انسان خوش رہ سکتا ہے؟ یا انسانیت پنپ سکتی ہے؟ ماہرین میں سے ایک نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "چوتھی جنگ عظیم تلواروں سے لڑی جائیں گی۔" سوچو! اس جملے میں کتنی ہولناکی چھپی ہوئی ہے۔" "بس خاموش ہو جاؤ۔ میں جانتی ہوں تم سب سچ کہہ رہے ہو۔" میں نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔ میں رو رہی تھی۔ میں نے اپنی اس کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں اس سے پوچھا: "مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ خدارا مجھے کوئی مشورہ دو۔ ورنہ اس ماحول میں میرا دم گھٹ جائیگا۔" اس نے پھر قہقہہ لگایا۔ "اگر دنیا میں جینا ہے تو انسانیت کی خدمت کرو۔ اسے جھنجھوڑ کر ابدی نیند سے بیدار کرو۔ اور اس ضلالت سے چھٹکارا پا کر رب السموات والارض کی ذات کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اگر اس کی ذات کی طرف رجوع ہوگی تو کبھی نامراد نہیں لوٹو گی۔ صرف ایکبار صدق دل سے اسے پکارو۔ اگر روح کی بالیدگی تمہیں منظور ہے تو ایکبار سعی کرو۔ دنیا کا تمام سکون اطمینان قلب تمہاری جھولی میں ہوگا۔ اچھا اب مجھے اجازت دو۔ مجھے یقین ہے تم میری باتوں پر غور کروگی۔ خدا حافظ۔" میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں تحلیل ہو گیا۔ زمین مطمئن پرسکون سی سجدے میں گر گئی کہ میں نے اپنی منزل کا تعین کر دیا تھا۔

شرمندہ میری روح کی سچائیاں ہوئیں ... وہ تبصرہ ضمیر نے کردار پر کیا

از:۔ مسٹر طہٰ بابر ٹونڈ

★ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر مہذب اور غیر شائستہ نہ ہوں۔
★ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑی جائے۔

★ سلطان علی سراج الدین حکیم — نوپاڑہ باندرہ بمبئی

سوال:۔ اچھا انسان کسے کہہ سکتے ہیں؟

ج:۔ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

سوال:۔ کیسے معلوم ہو کہ سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں میں کون عاقل و دانا ہے اور کون جاہل اور نادان؟

ج:۔ بہت آسان ترکیب ہے۔ ان لوگوں سے بحث شروع کی جائے بھید کھل جائے گا۔ البتہ بحث شروع کرنے والے کا عاقل ہونا شرط ہے۔

سوال:۔ خوش نصیب کسے سمجھنا چاہیے؟

ج:۔ جسے قدرت نے بیک وقت تین عطیات سے نوازا ہو: علم، سخاوت اور شگفتہ روئی۔

★ صابر یوسف گڑ گری — کرلا تنا گری

سوال:۔ زندگی میں آسان کام کون سا ہے اور مشکل کون سا؟

ج:۔ جھوٹ بولنا آسان ہے اور سچ مشکل

سوال:۔ فکر ایک بوجھ ہے۔ ایسا کیوں کہا جاتا ہے؟

ج:۔ اس لئے کہ آج کا انسان سہل پسند ہو گیا ہے۔

★ انور علی تاج الدین مجیب — گوونڈی، بمبئی

سوال:۔ جب ہم کسی کرکٹ کھلاڑی کو سر پر ہیلمٹ، سینہ پر چسٹ پیڈ، کلائی پر آرم پیڈ، ہاتھوں میں گلوز، رانوں پر تھائی پیڈ، عضو تناسل کی حفاظت کے لیے ایبڈومین پیڈ اور پاؤں میں پیڈ باندھے نکلتا ہوا دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ زرہ بکتر پہنے ہوئے سپاہی میدانِ جنگ میں جا رہا ہے۔ کیا کرکٹ اتنا خطرناک کھیل ہے؟

ج:۔ کرکٹ جتنا دلچسپ ہے اتنا ہی خطرناک بھی۔ کرکٹ کی تاریخ میں مار لگنے سے ایک دو نہیں، کئی اموات واقع ہوئی ہیں۔ ذیل میں ہم دو تین مثالیں پیش کریں گے:

(۱) ۱۸۸۲ء میں انگلینڈ اور جرمنی کے درمیان کھیلے گئے دوستانہ میچ میں جرمن کپتان ویتھی سٹو نے انگریز بولر کی پھینکی ہوئی گیند پر اس قدر زوردار ہٹ لگائی کہ گیند سامنے والے فیلڈر کی ناک پر لگی اور وہ وہیں گر کر دم توڑ گیا۔

(۲) ۱۹۵۸ء میں کراچی سروسز اور ائرلائنز کے درمیان میچ ہو رہا تھا، ۲۰ سالہ کھلاڑی عبدالعزیز کراچی سروسز کے بلے باز، محمد ایوان کی گیند سینہ پر لگنے سے مجروح ہوا اور ہسپتال پہنچ کر پندرہ منٹ کے اندر اندر عالم بالا کو کوچ کر گیا۔

(۳) ۱۹۷۵ء میں لارڈس کے میدان پر ناٹنگھم شائر کا ایک بیسم

ایم سی سی کے فاسٹ بالر جوسف یا لٹسٹ کی گیند سر پہ لگنے سے وہیں گرا اور فوت ہو گیا۔

★ دلآرام حسین ملاجی ساکھرولی تعلقہ کھیڈ

سوال:۔ دنیا میں طاقتور انسان کون سا؟

ج:۔ یوں تو رستم و سہراب بہت ہو گزرے ہیں، مگر جو اپنے نفس پر قابو پائے وہی طاقتور انسان ہے۔

سوال:۔ دنیا میں خوب صورت شہر کون سا؟

ج:۔ کہتے ہیں پیرس بہت ہی خوب صورت ہے۔

سوال:۔ دنیا میں خوب صورت عورت کون سی ہے؟

ج:۔ یہ بتانا مشکل ہے۔ اس لئے کہ آج کل حسن کا معیار بہت بدل گیا ہے۔ عالمی مقابلہ میں Miss India کا خطاب پانے والی لڑکی سے کہیں تو گاؤں دیہات کی خوش شکل حیادار لڑکی زیادہ خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔

★ رخسانہ محمد علی پٹیل نور باغ بمبئی ۹

سوال:۔ ایسے مسلم گورنروں کے نام بتایئے جنھیں لوگوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور یاد رکھا ہے؟

ج:۔ دور کیوں جایئے مہاراشٹر کے موجودہ گورنر ایئر چیف مارشل ایڈریس حسن لطیف کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اسی طرح عالی جناب ایس ایم ایچ برنی، آصف علی اور جناب علی یاور جنگ کے نام آج بھی عزت و توقیر سے جانے ہیں۔

★ لیاقت پرکار کمبلے ضلع رائے گڑھ

سوال:۔ خوشی کا احساس جلد ہوتا ہے اور غم کا دیر سے ایسا کیوں؟

ج:۔ خوشی میں دوست بھی شریک ہوتے ہیں اس لئے اس کا احساس بہت جلد ہوتا ہے بلکہ کرایا جاتا ہے۔ غم کے ہم تنہا مالک ہیں دیر سویر سے جب تنہا تی

نصیب ہو تب ہی یہ احساس جاگ اٹھتا ہے، اس لئے دیر لگتی ہے۔

سوال:۔ محبت میں سخت سزا کون سی ہے؟

ج:۔ دردِ فراق۔

★ شیربانو عبدالستار کھوپکر راجپوری تناگری

سوال:۔ اسمگلر کو اردو میں کیا کہیں گے؟

ج:۔ چنگی مار۔ مگر اب اسمگلر اس قدر مستعمل ہے کہ اردو لفظ اس کا صحیح مفہوم پیدا نہیں کر سکتا۔

سوال:۔ ہلدی کے لئے انگریزی میں لفظ کون سا ہے؟

ج:۔ TURMERIC

سوال:۔ مچھلی اور دہی ایک ساتھ کھانے سے تندرستی پر کیا اثر پڑے گا؟

ج:۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہاضمہ خراب رہے گا۔ اس پر بھی کوئی باز نہ آئے تو کوڑھ ہونے کا اندیشہ بھی ہے۔

★ نسیم اسماعیل بامنے کرلا۔ بمبئی

سوال:۔ عورت عورت کی دشمن کب بن جاتی ہے؟

ج:۔ سوکن کے جلاپہ میں۔

سوال:۔ سچی محبت بیوی سے کی جاتی ہے یا محبوبہ سے

ج:۔ اس بیوی سے جو کبھی محبوبہ رہی ہو۔

سوال:۔ عورت تعریف کی بھوکی کیوں ہے؟

ج:۔ یہ اس کی فطری کمزوری ہے۔

★ ایم آئی ملا آشتی تعلقہ کھیڈ

سوال:۔ گڈ فرائڈے کب اور کیوں مناتے ہیں؟

ج:۔ عیسائیوں کے نقطہ نظر سے گڈ فرائڈے سوگ کا دن ہے۔ اس دن حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ گڈ فرائڈے کو اکثر عیسائی روزہ بھی رکھتے ہیں۔

سوال:۔ بھارت میں T.V. کی ابتدا کب اور کون سے مقام پر ہوئی؟

ج:۔ ۲۵ سال پہلے دہلی میں T.V. کی شروعات ہوئی تھی۔

گوش بر آواز

★ اگست ۸۳ء کے شمارے میں کاتب ہی صاحب کے صفحۂ اول اور صفحۂ آخر کی کمی شدت سے محسوس کی گئی۔ حالیہ فسادات پہ موصوف کی بیباک اور دلیرانہ تحریر قابلِ تعریف ہے۔ مگر آئے دنوں اکثریتی طبقہ کی زیادتیوں کا ذکر کہیں قوم کو بزدلی اور احساسِ کمتری کا شکار نہ بنادے۔ لہٰذا اس سے بچنے کے لئے قوم کو خیر سگالی، علمی اور فنی کوتاہیوں کی طرف توجہ دلانا زیادہ بہتر ہوگا — نیز انہیں فسادات کی بنا پر جو کمی ہوئی اور مشتعل گائیڈنس کی اشاعت ضرور کیجئے۔ بہتوں کا بھلا ہوگا۔

ابراہیم بغدادی — انگلینڈ

★ اس وقت میرے سامنے اکتوبر کا شمارہ اور اس میں محمد اعظم خان ایم۔ اے کا مضمون "پردہ" ہے۔ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ مدیران کو سخت خیال رکھنا چاہئے کہ وہ پرکھیں کہ کیا کہا جارہا ہے نہ کہ کون کہہ رہا ہے۔ کوئی بی۔ اے یا ایم۔ اے؟

پہلی اور صاف بات یہ ہے کہ پردے کے موضوع پر سوچتے وقت اسلام اور اس کی تعلیمات کا ذہن میں آجانا ناگزیر ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے پردے کی بحث کرتے وقت "کال کوٹھری" یا "جیل" کا تصور کسی جاہل ہی کے ذہن میں آسکتا ہے۔ چاہے وہ دنیاوی اعتبار سے "تعلیم یافتہ" ہی کیوں نہ ہو۔ یا اپنے آپ کو سمجھتا ہو۔

دراصل اسلام "بے پردے" کا تصور ایک نفسیاتی (نہ کہ منطقی) حقیقت پر مبنی ہے۔ مرد اور عورت کے بیچ جو فطری کشش ہے اس کے پیشِ نظر اسلامی ضابطۂ اخلاق میں جو اصول پیش کئے گئے ہیں ان کا منطق سے نہیں بلکہ دنیا سے تعلق ہے۔ اور اگر مغرب کے سماجی حالات سے موصوف نے کچھ بھی سیکھنے سے انکار کردیا ہے تو انہیں منطق کے مطالعہ ناقص کی آڑ میں سماجی مفکر بننے کی اجازت دینا ایک گناہ سے کم نہیں ہے۔ ان سے کہیں کہ اور کچھ نہیں تو سید مودودی کی "پردہ" ہی غور سے پڑھ لیں۔

پردہ نہ مرد کے جبر سے اور نہ عورت کی خوشی سے اختیار کیا جاتا ہے بلکہ اسلامی نقطۂ نظر کو سمجھنے کے بعد ایک صحیح سماجی اصول سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔ اور پردے کا مطلب قید اور جیل نہیں بلکہ ایسی معاملات میں جنسی اشتعال اور تحریک سے اجتناب کا ایک ضروری نسخہ ہے۔ اس لئے اس کے مضر و ضد مضر نہ ہونے کی صورت میں بیکار ہونے کا فتویٰ دینا اُسی شخص کا کام ہے جو بیماری کو روکنے کے بجائے مرض کی تشخیص ہونے کے بعد ہی علاج کرنے کا قائل ہے۔ اور جس طرح جسمانی موت کے بعد ادویاتی علاج بے معنی ہے اسی طرح اخلاقی موت کے بعد پردے کا نسخہ بھی بے کار ہے۔

ڈاکٹر ابو۔ ایم تکلے بمبئی ۹

★ اکتوبر ۸۲ء کے شمارہ میں جناب ایم۔ اے پرکار حریم صاحب کا مضمون نظر نواز ہوا۔ اور اس بات سے خوشی ہوئی کہ شعراء کو کن

کے بارے میں جون ۸۳ء کے جوابات شروع کی گئی تھی اسے اس مہینہ آگے بڑھایا گیا ہے۔ دستاویزی جھلکیاں، شعر و سخن، بمبئی میں "یادِ شاعر" آپ کی یادداشت، گہری نظر اور طرزِ نگارش کا علمی ثبوت ہیں۔ اور اس کے لئے پرکار صاحب مبارکباد کے مستحق بھی ہیں امید ہے کہ یہ سلسلہ نہ صرف قارئین میں پسندیدگی کا باعث ہوگا بلکہ ایک ادبی کاوش

امین الدین احمد ملا
ڈونگری، بمبئی ۹

[illegible] اگست کا شمارہ بھی دستیاب ہوا۔ عید نمبر میں سبھی مضامین کے ساتھ جناب یوسف ناظم صاحب کا شیر خورمہ پورے رسالے میں شیر بنی گھول گیا اور ماہ سے صفحہ خواتین میں محترمہ رقیہ نایک صاحبہ عورتیں اور مردوں کو خوب سے خوب تر بنانے کے گُر بتا گئی ہیں۔ واقعی کام کی تحریر ہیں۔ جن طلبہ نے امتیازی کامیابی حاصل کی ہے ان کی تعداد پیر شائع کر کے جو ہمت افزائی ہو رہی ہے واقعی سراہنے کے قابل ہے۔

عباس حسین سرور ۔ سعودی عربیہ

★ ستمبر ۸۳ء کا شمارہ ملا۔ نہایت لو لین فرصت میں اس کا مطالعہ کیا۔ بے شک نقش کوکن نے اپنے معیار کو اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے۔ ویسے تو شمارے میں ہر قسم کے مضامین ہونے ہیں نقش کوکن کو ہر رنگ میں ہر مشتمل [illegible] پیش [illegible] اگلے شمارے کا بے چینی سے انتظار ہے۔

عبد الحمید یوسف سو لکر۔
البحرین ۔ سلطنت عمان

★ خدا کرے نقش کوکن یونہی ترقی کی منزلوں پر ہمیشہ گامزن رہے سرورق نہایت خوبصورت اور قابلِ ستائش ہے۔ مگر دیوناگری میں [illegible] بجائے [illegible] لکھا جائے تو بہتر ہے۔ امید کہ آئندہ شمارہ کا سرورق اس تبدیلی کے ساتھ شائع کریں گے۔

اکتوبر کے شمارہ میں بعنوان "پردہ" نقش کوکن کے شایانِ شان نہیں ہے۔

جناب خالد اکاسکر کا فیچر "میرا شہر میرے لوگ" کے ساتھ آئندہ شمارہ کا بے چینی کے ساتھ منتظر ہوں۔

مشتاق احمد خان حسن خان مہادیک
ل ایس سی
دوحہ ۔ قطر

★ سرورق پر اردو اور انگریزی کے ساتھ مراٹھی میں بھی پرچہ کا نام لکھا گیا ہے مہربانی [illegible] دیوناگری نہیں بلکہ مراٹھی ہے۔ اور مراٹھی بھی کوکن کے یہاں بولی جاتی ہے۔
★ ہمیں افسوس ہے کہ علالت طبع کے باعث جناب اکاسکر اس شمارہ سے اپنے فیچر کالم شروع نہیں کر سکے۔ زحمتِ انتظار کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

★ سابق وزیرِ اعلیٰ جناب اے آر انتولے صاحب نے جو ترقیاتی پروگرام ودربھ کے لئے اعلان کیا تھا اس کا نیر مقدم طلبا یا مذہب و ملت پر ودربھ نے کیا تھا۔ اسی کے ساتھ مہاراشٹر کے ضعیف و نادار بیکسوں، بیواؤں، یتیموں کو جو وظیفہ جاری و ساری ہے اس کی نظیر دوسرے صوبے میں نہیں ملتی غریب عوام اور معاوا انصاف برپا۔ وہ یہ صفات ہیں اس سلیقہ شعار ان کے حق میں انتولے صاحب کو ملی ہیں نے عہد ساز و صلاحیت منقوش کر دیا۔ اعتراف میں کیوں نہ ہم آئی ٹی آئی کا نام اس شخصیت ساز ان کے نام نامی سے منسوب کر دیں۔ میں ملت ٹیکنیکل ایجوکیشن سوسائٹی کے اراکین کی خدمت میں ایک مؤدبانہ گذارش پیش کرتا ہوں کہ نئی قائم ہونے والی آئی ٹی آئی کا نام انتولے صاحب کی والدہ "زہرہ" انتولے کے نام سے منسوب کریں۔

لطیف ثانی پشپگانوی
تامی پورہ پانچ پاکھاڑی ۔ [illegible]

از: مولوی سمیع اللہ

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ

ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے

زیر نظر شمارے میں ہم جناب تابش مہدی صاحب کی کتاب "تبلیغی نصاب ایک مطالعہ" پر تبصرہ شائع کر رہے ہیں۔

تبلیغی نصاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تصنیف ہے۔ وہ لوگ جو تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں ان کو اس کتاب سے والہانہ عقیدت ہے۔ وہ ہر مجلس اور اجتماع میں یہ کتاب پڑھا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس کتاب کے پڑھنے سے دل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے۔ اور یہ بات مشاہدے میں بھی آئی ہے کہ تبلیغی جماعت کا نماز، روزہ اور اسلامی شعار کی طرف زیادہ رجحان رہتا ہے۔ وضع قطع سے یہ درویش صفت لوگوں کی جماعت معلوم ہوتی ہے۔

مگر جو بات دل کو کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہی اہتمام قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے میں کیا جاتا تو کیا اس سے دل میں نیکی کی تحریک نہیں ہوتی۔ زبانی طور پر تو یقیناً تبلیغی جماعت والے بھی قرآن کو تبلیغی نصاب پر فوقیت دیتے ہیں۔ مگر ان کا عمل ایسا ہے کہ تبلیغی نصاب کے سامنے قرآن کریم کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔

محض چھ امور قابل ذکر

اس کے علاوہ اور ایک امر بھی قابل ذکر ہے۔ وہ یہ کہ تبلیغی جماعت کے واعظوں کو صرف چھ باتوں پر اظہار خیال کی اجازت ہے۔ وہ کسی اجتماع یا جلسے میں کسی اور عنوان پر اظہار خیال نہیں کر سکتے۔ اور وہ چھ باتیں یہ ہیں:-

کلمہ، نماز، علم و ذکر، اکرام مسلم
اخلاص نیت اور تفریغ وقت

حالانکہ قرآن مجید کی تعلیمات ان ہی چھ باتوں میں محصور نہیں۔ قرآن کی تعریف تو یہ ہے کہ

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

ترجمہ: تمام علوم تو قرآن ہی میں ہیں۔ مگر لوگوں کی عقلیں انھیں سمجھنے سے قاصر ہیں۔

پھر ایک واعظ کو اظہار خیال میں انھیں چھ باتوں کا پابند کر دینا کون سی خدمت قرآن ہے۔

یہی شکایت ہمیں جناب تابش مہدی صاحب سے بھی ہے۔ آپ بھی نجدی المسلک یعنی اہل حدیث ہیں۔ اور اہل حدیث کی مجالس میں بھی قرآن سے زیادہ احادیث کا چرچا ہوتا ہے۔ قرآن کی حیثیت یہاں بھی ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول تھا:

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ

یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

مگر آج تو
لوگوں نے قرآن کو
مہجور کی طرح چھوڑ دیا ہے۔

ہم سبھوں کا فرض ہے کہ قرآن کو اس کا جائز مقام دیں —— دینی اور دنیوی کامیابی کا یہی راز ہے۔

نام کتاب : "تبلیغی نصاب" ایک مطالعہ
مصنف : جناب تابش مہدی
صفحات : ۱۳۶
قیمت : ۵ روپئے
کاغذ، کتابت اور طباعت : عمدہ اور دیدہ زیب
ناشر : مکتبہ الایمان، دیوبند (یوپی) ۲۴۷۵۵۴

عصر حاضر کے مسلمان مفکرو دانشور، جہاد یعنی جہادِ سیفی کرنے والوں کو شیر، اور صوفیہ یعنی جہادِ نفس کرنے والوں کو گوسفند یعنی بکری کہتے ہیں۔

مصنف کے نزدیک شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا صاحب مصنف تبلیغی نصاب صوفی ہیں، اور لوگوں کو تصوف کی دعوت دیتے ہیں۔ اس لئے وہ ان دانشوروں کی اصطلاح میں بکری ہیں۔ کتاب ہٰذا میں اسی نظریہ گوسفندی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ لیکن قیاست یہ ڈھائی ہے کہ ان کو یہودیوں کا ایجنٹ اور یہودی مشن کو تقویت پہونچانے والا بھی کہا گیا ہے (صفحہ ۵۰-۵۸)

دوسرا غضب یہ ڈھایا ہے کہ حدیث فیم یختصم الملاء الاعلیٰ جو ایک مشہور و معروف حدیث ہے اور جو بعض علماء کے نزدیک حدیث معراج سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اس کو بے اصل و بے سند قرار دیا ہے۔ (صفحہ ۵۹) حالانکہ یہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ فی المساجد و مواضع الصلوٰۃ کی تیسری فصل میں مسند احمد اور ترمذی کے حوالے سے موجود ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن و صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی جگہ یہ قول بھی درج ہے کہ امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت معاذ بن جبلؓ ایک ثقہ انصاری ہیں۔ جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں بڑا بلند مقام ہے۔

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کتاب محض تزکیۂ نفس، تطہیر قلب اور خشیت الٰہی پیدا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اور صوفیہ کا خیال تھا کہ ترغیب و ترہیب کے لئے موضوع و من گھڑت روایات وغیرہ کا سہارا لینا جائز ہے۔ اسی لئے ہم کو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم میں بہت سی موضوع حدیثیں ملتی ہیں۔

اگر اس نظریے سے یہ کتاب دیکھی جائے تو واقعی یہ بہت سے رطب و یابس اقوال کے مجموعے کا نام ہے۔ اور جناب تابش مہدی صاحب نے یہی ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ ....

سہ ماہی رسالہ
اسلام اور عصر جدید جنوری ۸۲ء

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

اسلام کے قانون وراثت میں یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اسلامی اصطلاح میں پوتا محجوب الارث کہلاتا ہے، جس کو ہم محروم الارث بھی کہہ سکتے ہیں۔

اکثر علماء نے فقہ نے اس مسئلے پر اس نقطۂ نظر سے غور کیا ہے کہ بیٹا جو باپ کی جائداد میں وراثت کا حصہ دار ہوتا ہے۔ جب وہ باپ کی زندگی میں مرگیا تو اس کا حق وراثت ختم ہو گیا۔ اس لئے آگے جو اس کی نسل ہے وہ دادا کی جائداد کی وارث نہیں ہوگی۔ چونکہ اس کے باپ کا حق ملکیت اس کی موت سے ختم ہو جاتا ہے۔ قانونی طور پر یہ خیال درست ہے مگر اخلاقی اور معاشرتی طور پر بہت تکلیف دہ اور قابل اعتراض ہے۔

مگر یہ اعتراض علماء کی قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ قرآن مجید میں وراثت کے علاوہ ایک حکم وصیت بھی ہے اور یہ دو جگہ ہے۔ ایک تو انھیں آیات وراثت میں من بعد وصیۃ کی شرط ہے۔ یعنی وراثت کا نفاذ وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد

(پ ۵۔ نساء آیت نمبر ۱۲-۱۳) — اس کے علاوہ ایک مستقل آیت میں بھی وصیت کا حکم ہے۔ اور وہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ ہے۔ اس میں یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ آدمی مرض الموت میں اپنے والدین اور اقرباء کے حق میں وصیت کرے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ پوتا قریب ترین رشتہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے دادا پر فرض ہوتا ہے کہ موت سے پہلے پوتے کے لئے اپنی جائیداد کی ⅓ حصے تک کی وصیت کردے۔ اسلام نے اس طرح وراثت میں پوتے کا حق محفوظ کر دیا ہے۔ مگر علماء اس نکتے کو فراموش کر گئے۔ انہیں صرف ایک قانونی نکتہ یاد رہ گیا۔ حالانکہ آیت مذکورہ بالا اور خود آیت وراثت سے بھی بدیہی طور پر لازمی وصیت ثابت ہے۔ یعنی دادا پر فرض ہے کہ پوتے کے حق میں ⅓ حصے تک کی وصیت کر جائے۔ اور اگر اس کو موت نے مہلت نہیں دی یا اس نے پوتے کی طرف سے چشم پوشی کی تو حکومت (قاضی) کا فرض ہوتا ہے کہ یتیم پوتے کو دادا کی جائیداد میں سے ⅓ حصے تک ترکہ دلا دے۔

سہ ماہی رسالہ اسلام اور عصر جدید نئی دہلی اکتوبر ۸۲ء کے شمارے میں اس موضوع پر تین مضامین ہیں۔ دو موافقت میں اور ایک مخالفت میں۔ یہ تینوں مقالے قابل مطالعہ ہیں۔ اس کے علاوہ ان باتوں سے قدیم و جدید طرز فکر و تحقیق کا فرق بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

زمین کی تقسیم کا مسئلہ

اس جگہ اس بات کا بھی ذکر کر دوں کہ ان دنوں ایسے ذہن بھی پیدا ہو گئے ہیں جو ترکہ میں جائیداد منقولہ کی طرح زمین کی تقسیم کے قائل نہیں۔

دیکھئے رسالہ جامعہ دہلی بابت اپریل ۸۲ء صفحہ (۵۴/۵۵)

میر تقی میر

ماہنامہ آج کل دہلی کا میر تقی میر نمبر بابت جون ۸۲ء

اس شمارے میں میر تقی میر پر سترہ مضامین ہیں

میر اردو کے مشہور غزل گو شاعر گزرے ہیں۔ پیدا تو آگرہ (اکبر آباد) میں ہوئے مگر ۳۴ سال کی عمر تک دہلی (شاہ جہاں آباد) میں رہے۔

ان کا زمانہ نہایت پُر آشوب زمانہ تھا۔ سلطنت دہلی پر زوال پھیلے۔ جاٹ، سکھ اور مرہٹے تو حملہ کرتے ہی تھے۔ قصہ نادر شاہ درانی نے بھی حملہ کر دیا۔ یہ ۵۸ دن دہلی میں رہا۔ ان میں ۹ دنوں تک تو باشندگان دہلی کا قتل عام کیا۔ پھر ہزاروں اونٹوں پر لوٹ کا مال لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد دہلی پر احمد شاہ ابدالی نے حملہ کیا۔ اور یہ بھی لوٹ مار کر کے غزنی کو لوٹ گیا۔ ہندوستان پر جتنے مسلمان حملہ آوروں نے حملے کئے ان میں یہی دو آور ایسے تھے جنہیں ہم لٹیرا کہہ سکتے ہیں۔ میر تقی میر اسی دور میں تھے۔ انہوں نے دہلی کو اجڑتے ہوئے دیکھا۔ وہاں سے دل برداشتہ ہو کر لکھنؤ کو چلے گئے۔ جو ان دنوں ادب و شعر و شاعری کا مرکز تھا۔ وہاں آصف الدولہ اور سعادت خان کی حکمرانی تھی۔ کہتے ہیں کہ جب میر تقی میر نے لکھنؤ کے ایک مشاعرے میں پہلے پہل شرکت کی تو ان کی دہلوی وضع قطع دیکھ کر لکھنوی شعراء نے مذاق اڑایا۔ اور بطور طنز پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ تو میر تقی میر نے جواب دیا کہ:

بود و باش پوچھتے ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے برباد کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

حاضرین فوراً تاڑ گئے کہ یہ میر تقی میر ہیں۔ فی البدیہہ اتنا پختہ کلام کہنا ہر شخص کی بات نہیں۔

اس کے بعد میر تقی میر نے ساری زندگی لکھنؤ ہی میں گزاری۔ مگر کہتے ہیں کہ وہ لکھنؤ کی تہذیب سے سمجھوتہ نہ کر سکے۔ ہر دم ایک قسم کی کشمکش سے دوچار رہتے تھے۔ لیکن اس خیال سے "میر اور لکھنؤ" والے مضمون میں اختلاف کیا گیا ہے۔

میر صاحب کو نواب آصف الدولہ کی طرف سے تین سو یا دو سو روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ سیر و شکار کو بھی جاتے تھے۔

ہندو اور توحید تذکرۂ میر میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ ان کی وسعتِ نظر ہے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں، خواجہ میر درد اور میر تقی میر — یہ پہلے مسلمان دانشور و مفکر ہیں جو ہندوؤں کو موحد اور اہلِ کتاب مانتے تھے۔

بقول مصنف "شہرِ میر" میر تقی میر نہایت صابر اور قناعت پسند انسان تھے۔ نوابوں اور راجاؤں کے دربار سے دور رہتے تھے۔ ●●●●●

نام کتاب : بھیونڈی اور بمبئی کے فسادات (انگریزی)
نام مصنف : جناب اصغر علی صاحب انجینئر
صفحات : ۱۷۷
قیمت : چالیس روپے
پبلشر : انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
آئین کاٹیج۔ سانتا کروز۔ بمبئی ۴۰۰۰۵۵

اگست ۸۴ء کو جناب اصغر علی صاحب انجینئر نے جرنلسٹ یونین ہال میں اس کتاب کا رسم اجراء کی تقریب منائی جس میں معتد بہ صحافیوں نے حصہ لیا۔ کتاب مذکورہ میں بھیونڈی اور بمبئی کے حالیہ فسادات پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے اور پیش کردہ واقعات پر فاصل بحث کی ہے۔ اس امر کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ تمام متاثرہ علاقوں کے حالات زیر تجزیہ آجائیں۔ ان فسادات سے متعلق خبر اخباروں کے جو اداریے تھے وہ بھی نقل کر دیئے گئے ہیں۔

آخر میں ایک فہرست ہے جس میں ہر علاقے کے مرنے والوں اور گرفتار ہونے والوں کی تعداد درج ہے۔

بھیونڈی اور بمبئی کے علاوہ تھانہ اور کلیان کے فسادات کا حال بھی درج ہے۔

فساد کے دوران حکام اور پولیس کا جو رویہ رہا اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب ہر اعتبار سے قابلِ مطالعہ معلومات افزا ہے۔ قومی و ملی معاملات سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

یہ کتاب انگریزی میں ہے۔ اگر جناب اصغر علی صاحب انجینئر اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کر دیں تو اردو داں طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ زیادہ ضرورت اسی طبقے کو ان فسادات اور ان کے اسباب و عمل سے واقف کرانے کی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ملک کے امن اور ان کے قومی و ملی وجود کے خلاف کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں۔

مقابلہ

نقش کوکن ادبی پہیلی ۲

۵۰ روپے نقد انعام

حل وصول ہونے کی آخری تاریخ :- ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء

۱	ا	م
۲ ا		■
۳		ت
۴	ا	
۵		ن

اشارے :-

(دائیں سے بائیں :)

۱۔ میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں ــــ پیدا کر

۲۔ ــــ تک لوگ یہی سمجھتے آئے تھے کہ سائنس اور مذہب میں تضاد ہے۔ البتہ دونوں نے ایک دوسرے کو سمجھنے میں کافی مدد کی ہے۔

۳۔ یہ بیچارہ مسلم معاشرہ جس میں نہ ضبط و تحمل کی طاقت تھی اور نہ مدافعت و مزاحمت کی ــــ، اپنی جان بچانے کے لئے اس معاشرے کی گود میں جا بیٹھا۔

۴۔ ــــ کے لئے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں، اپنی جان تک دے سکتا ہوں۔ ایک بار آزما لو۔

۵۔ تم ــــ کی خاطر مرتے ہو! زندگی کی میں پچاس بہاریں دیکھ چکا ہوں مگر تم کو اس سلسلے میں کچھ رائے نہیں دے سکتا۔

۱۔ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں اس مقابلے میں حصہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ ایک کورے کاغذ پر اس خاکے کی نقل کرکے اسے روشنائی سے بھر کر روانہ کریں۔

۳۔ کٹے پھٹے مشکوک اور پنسل سے بھرے ہوئے حل ناقابل قبول ہوں گے۔

۴۔ ایک شخص ایک ہی نام اور پتے سے چاہے اتنے حل روانہ کر سکتا ہے۔

۵۔ اس مقابلے کے لئے کوکن کی کوئی قید نہیں ہے۔

۶۔ ہر حل کے ساتھ صرف پچیس ۲۵ پیسے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ روانہ کرنے پڑیں گے۔

۷۔ ایک حل کے پچیس ۲۵ پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے حساب سے آپ کئی حلوں کے ڈاک ٹکٹ ایک ہی لفافے میں بھیج سکتے ہیں۔

۸۔ اس پہیلی میں استعمال ہونے والے سبھی اشارے اردو کتب میں شائع شدہ ہیں۔

۹۔ ۵۰ روپے کا نقد انعام صحیح حل پر دیا جائے گا۔ صحیح حل موصول نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم غلطیوں والے حل پر یہ انعام دیا جائے گا یا برابر تقسیم کیا جائے گا۔

۱۰۔ سبھی حل ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء سے قبل اس پتے پر روانہ کیجئے:
کمپیٹیشن ایڈیٹر ماہنامہ نقش کوکن
۲۴ چپل روڈ (ایسٹ) ڈونگری بمبئی ۴۰۰۰۰۹

۱۱۔ ہر صورت میں کمپیٹیشن ایڈیٹر نقش کوکن کا فیصلہ آخری، قطعی اور قابل قبول ہوگا۔

نقش نسواں

نقش کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست کی اشاعت پر نہ صرف آپ قوم وادب کے خیر خواہوں سے متعارف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے لیجئے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے:

لائف ممبرس :-

محترمہ نفیسہ پیر محمد وانگر	چپلون
جناب حسین آدم مقدم	بوریولی بمبئی
" عابد معین ہنواری	بمبئی ۸
" بیت اللہ اسماعیل شیخ	مہابلیشور
" حنیف حسن قاضی	ممبرا
" عمر الیف ۔ مقدم	بمبئی ۹
محترمہ فردوس حسن میاں قاضی	مہاڈ

بیرونِ ہند سالانہ خریدار :-

جناب عبدالحمید یوسف سولکر	سلطنت عمان
" عبدالقادر علی پرکار	دوحہ قطر
" عبدالرحمن اسماعیل قادری	سعودی عربیہ
" عبدالحمید پرکار	سعودی عربیہ
" شفیع کریم غلام	کویت
" فقیر محمد سنبل	دوحہ ۔ قطر
" مشتاق عباس پوتریک	دوحہ قطر
" آدم سلیمان درجی	کراچی
" اے بی عزیز مقری	کراچی
" حامد علی احمد چوگلے	دوحہ ۔ قطر

سالانہ خریدار :-

جناب قاسم عبدالرحمن انوری	کاٹن گرین بمبئی
" قاسم شیخ محی الدین پاڈیکر	ہرنئی
بزمِ اردو محمد اد جونیئر کالج	ڈہوڑ
جناب عبداللہ حسین دلوی	کارلہ شریوردھن
احمدیہ ہائی اسکول	جسو بلی
جناب عمر فاروق احمد خان	ڈونگری بمبئی ۹
" حسن خان صاحب	بمبئی ۳
" عبدالرؤف اسماعیل پیٹو	کھیرا خورد
" عبدالمجید عباس ناگوٹھکر	کھیرا خورد
" مقبول عباس چوگلے	آشٹی
" شیخ محمد عبدالقیوم	بمبئی ۳
" عبدالوہاب سرنگ	ملاڈ بمبئی
نیشنل ہائی اسکول	تلوجہ
جناب مسعود بدرالدین ملا	بمبئی ۱۰
" ایم ۔ ڈی شیخ	بمبئی ۹
محترمہ زیب النساء بکری والا	ماہم بمبئی
جناب یاور علی بی سید	ماہم ۔ بمبئی
" حسین ابراہیم چوگلے	بھرولی ۲

مرتبہ: سفی بن صالح

سیدی ظفر شیخانی میموریل انسٹی ٹیوٹ

انجمن اسلام جنجیرہ مروڈ ضلع رائے گڑھ کے زیر اہتمام مروڈ میں قائم کردہ سیدی ظفر شیخانی میموریل ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ جہاں موٹر میکانک، انیسٹرومینٹ اور ویلڈنگ کے کورس کی تعلیم دی جاتی ہے امسال صد فیصد (۱۰۰) کامیاب طلبہ کے اعزاز میں بروز اتوار ۲۴ اکتوبر ۸۲ء ایک تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد کیا گیا، جس کی صدارت صابو صدیق پالی ٹیکنیک کے پرنسپل جناب ... صاحب نے فرمائی، بمبئی ہائی کورٹ کے جسٹس جناب ایم ایم قاضی بطور مہمان خصوصی شریک تھے۔ دیگر مہمانوں میں ... کے مالک جناب سمیع خطیب، جناب ہارون موسوگر (چیف ...) ... اور ... مدیر جناب سید احمد نور ماہنامہ نقش کوکن کے نمائندہ جناب قیصر محمد مستری شریک تھے۔

جلسہ شروع ہونے سے قبل جناب سمیع خطیب صاحب کے ہاتھوں ایک نمائش کا افتتاح کیا گیا جو سارا دن عوام کی دلچسپی کے لئے کھلی تھی نمائش میں طلبہ نے اپنے تربیتی کورس کی چند خصوصیات احسن طریقہ پر پیش کی تھیں ایک نو عمر ادارہ میں ۱۰۰ بچوں کا صد فیصد نتیجہ اور انیکٹرومینٹ، ویلڈنگ، موٹر میکانک اور موٹر ڈرائیونگ پر مشتمل نمائش میں بچوں اور ان کے اساتذہ کی محنت اور لگن کا ثبوت نظر آیا۔

مولانا حسن صاحب خطیب جامع مسجد پیٹھ کی تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ انجمن اسلام جنجیرہ کے روح رواں ڈاکٹر اے۔ آر۔ مفتی نے مہمانوں کا تعارف کرتے ہوئے خیر مقدم کیا۔ ڈاکٹر ضمیر الدین خطیب (جو ریجنل ٹیکنیکل تعلیم کے معمار ہیں) نے مہمانوں کی گلپوشی فرمائی اور انسٹی ٹیوٹ کے پرنسپل جناب مختار احمد خان نے رپورٹ پڑھی۔ جناب سید احمد، جناب ہارون موسوگر، جناب قیصر محمد مستری اور جناب سمیع خطیب نے اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ادارہ کی کوششوں کو سراہا اور طلبہ کو مبارک باد دی۔

مہمان خصوصی جناب ... الدین قاضی نے تقسیم انعامات کے بعد ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ مروڈ کے علاوہ شیگڑاؤ، چیوری، نادگاؤں، بجگاؤں اور ... سے بھی آکر لوگوں نے جلسہ میں شرکت کی تھی۔ حاضرین قاضی صاحب کی تقریر سے بیحد متاثر ہوئے۔ اس کے بعد جناب قادر حسین صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں ادارہ کو پرخلوص اور ہمت افزا تجاویز پیش کیں۔ اور ہر ممکن تعاون کا وعدہ فرمایا۔ آخر میں انجمن کے صدر جناب عبدالرزاق خطیب (جنہیں حال ہی میں حکومت مہاراشٹر نے SEM کے خطاب سے نوازا ہے) شکریہ ادا کیا۔

انسٹی ٹیوٹ کے ایک استاد جناب نعیم شیخ نے نظامت کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے۔

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت، کامیابی، یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقش کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے۔ تو سمجھ لیجئے کہ اس کی اطلاع ادارہ کو نہیں ملی ہے۔ عدم اشاعت پر ناراض نہ ہوں۔ بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

بحرین میں عید الاضحیٰ کے موقع پر "عید ملن"

۸ ستمبر ۱۹۸۶ء کو کوکن مسلم سوسائٹی (بحرین) کے توسط سے عید ملن کلچرل پروگرام کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ پروگرام سینٹ کرسٹوفر ٹینس ہال میں منعقد ہوا جس میں کوکن کے چاروں اضلاع کے باشندگان نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس کے بعد حمد و نعت اور بچوں کا میموری ٹیسٹ ہوا جس میں دس بچوں نے حصہ لیا۔ اور اس میں اول، دوم اور سوم انعام پانے والوں میں اشرف علی گھنسار، جاسمہ پرکار اور آصف عباس انتولے تھے۔

بعد ازاں کوکن کے فنکاروں کو اسٹیج پر لایا گیا اور حاضرین کی کثیر تعداد قوالیاں، غزلیں اور سلام بطور سرور کونین سے محظوظ ہوئی۔ اس کے بعد سوسائٹی کے صدر جناب حسین میر کر کا خطبۂ صدارت ہوا۔ اور جنرل سیکریٹری جناب قاسم پاٹنکر نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اختتام سے پہلے پر تکلف عشائیہ کا انتظام تھا۔ اس پروگرام میں الگ بھگ چھ سو کوکنی شریک تھے۔ رات کے دس بجے پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

نامہ نگار :- عبد العزیز الدین ملاجی
نائب سیکریٹری

مسعود پیش امام کو اعزاز

۲۴ ستمبر ۱۹۸۶ء کو روٹری کلب ہال شیواجی چوک کلیان میں جائنٹس انٹرنیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام ٹیچرس ڈے منایا گیا۔ مہمان خصوصی کے طور پر پروفیسر نظام الدین گوریکر صاحب کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس جلسہ میں مختلف زبانوں کے چار سو اساتذہ کو اعزاز سے نوازا گیا جس میں نیشنل اردو ہائی اسکول جونیر کالج اور ڈی ایڈ کالج کے لیکچرار جناب مسعود حسن پیش امام کو ان کے علمی و سماجی خدمات کے سلسلے میں پروفیسر نظام الدین گوریکر صاحب کے ہاتھوں نوازا گیا۔ ہفت روزہ فوزان کے نامہ نگار جناب نثار احمد فنکار کلیانی نے مسعود پیش امام صاحب کی علمی و سماجی خدمات پر روشنی ڈالی۔

جناب مسعود پیش امام نے ایم۔ اے (M.A.) پالیٹیکل سائنس سے اور بی ایڈ انگریزی سے کیا۔ بیناسدن کالج الہاس نگر اور اسماعیل یوسف کالج جوگیشوری کے جنرل سیکریٹری رہ چکے ہیں۔ فی الحال پیش امام صاحب عوامی سوشل اور ایجوکیشنل سوسائٹی کے جنرل سیکریٹری ہیں۔

(نامہ نگار: شیخ شکیل احمد کلیانی)

اعلیٰ تعلیم کیلئے علٰحدہ ڈائریکٹوریٹ

مہاراشٹر کے وزیر تعلیم شری سدھاکر نائیک کے بیان کے مطابق ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ موجودہ ڈائریکٹوریٹ برائے تعلیم کو تقسیم کر کے اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک علٰحدہ ڈائریکٹوریٹ کی تشکیل کی جائے گی تا کہ اعلیٰ تعلیم سے متعلقہ مختلف امور و مسائل پر خصوصی توجہ دی جا سکے۔

فی الحال ریاست میں ۴۶۸ کالج ہیں جن میں ۲۴ سرکاری کالج، ۷ فیصد غیر زرعی یونیورسٹیاں، ۷ تحقیقی ادارے بھی شامل ہیں۔ وزیر تعلیم نے مزید بتایا کہ نئے ڈائریکٹوریٹ کے قیام سے جونیر کالجوں کا غیر سرکاری کالجیٹ اداروں سے الحاق، علٰحدہ تنخواہ کی اسکیم اور تدریسی اور غیر تدریسی عملہ کی جونیر کالجوں سے منظوری وغیرہ جیسی جاری کردہ نئی اسکیموں کی تنظیم کی جا سکے گی۔

تجدید خریداری :-

سالانہ خریدار بننے والے ہمارے نقش نواز اگر سال کے آخری مہینوں میں خریدار بنتے ہیں تو وہ ایک سالہ زرِ مبادلہ کے علاوہ اتنی رقم اور ادا کریں کہ ان کی مدتِ خریداری سال کے اختتام پر ختم ہو جائے۔ اس سے تجدید خریداری یاد رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔

(ادارہ)

تھانہ ضلع دیہی فلاحی تنظیم

۱۰ جنوری ۸۴ء میں تھانہ ضلع کے دیہی مسلمانوں کی تعلیمی، سماجی، معاشی نیز ہنگامی حالات میں پیش آمدہ معاملات میں ان کی فلاح و بہبود کے لئے غیر سیاسی بنیاد پر "تھانہ ضلع دیہی فلاحی تنظیم" کا قیام عمل میں آیا۔

مختصر سی مدت میں اس تنظیم نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے کاموں کی شروعات کی ہی تھی کہ ماہ مئی میں شہروں کے فسادات کی وجہ سے ضلع کے ۴۲ دیہات اس فساد کی زد میں آگئے۔ جہاں مسلمانوں کو شدید جانی و مالی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ ان فسادات کی شدت اور انتہا پسند عناصر کی طرف سے مرتب کئے گئے ایک منصوبے کے تحت ضلع بھر کے دور دراز علاقوں سے جہاں مسلمانوں کی بہت ہی قلیل آبادی ہے وہاں سے تقریباً ۰۰ خاندان (مسلم) خوف و ہراس کی وجہ سے منتقل ہو کر نسبتاً بڑی مسلم آبادی والی بستیوں میں سکونت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ دیہی علاقے میں اس سے پیشتر مسلمانوں کی کوئی جماعت یا ادارہ عالم وجود میں نہیں آیا تھا اس لئے اس تنظیم کے قیام کی وجہ سے مسلمانوں نے اس سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ اور اب بلا ٹھکانہ بے سہارا ۰۰ خاندانوں کی بازآبادکاری کا بوجھ تنظیم کے سر آن پڑا ہے۔ اس پورے منصوبے پر ۲۰ لاکھ روپے خرچ کا اندازہ ہے۔ دیہاتوں کے مسلمانوں نے مکانات کی تعمیر کے لئے مفت جگہ فراہم کی ہے۔ دیگر اہل خیر حضرات نے نیز مسلم اداروں کی طرف سے اس کام کے لئے خطیر رقم کی پیشکش بھی ہوئی ہے۔ اور کچھ اعانتیں موصول بھی ہو چکی ہیں۔ اس کے باوجود اس منصوبہ کو پورا کرنے کے لئے انھیں مزید ۱۵ لاکھ روپے کی اعانتیں مطلوب ہیں۔

مورخہ ۲۶ اگست ۸۴ء کو اس تنظیم کی مجلس عاملہ اور مجلس تھانہ شاخ کی میٹنگ کریمی لائبریری ہال انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی میں منعقد ہوئی۔ جہاں بمبئی کے مختلف مکتبِ فکر و خیال کے مسلم رہنماؤں نے شرکت کی اور اسی نشست میں اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مندرجۂ ذیل صاحب اثر و اہلِ خیر حضرات پر مشتمل ایک فنڈ کمیٹی کی تشکیل کی گئی ہے۔

اسمائے گرامی اراکین فنڈ کمیٹی :-

۱۔ الحاج زکریا اکاڑی : چیئرمین (۲) رضوان حارث سکریٹری
(۳) ڈاکٹر ایم۔ اسحاق جمخانہ والا (۴) ایم اے کھنڈوانی ایم ایل اے
(۵) مولانا ضیاء الدین بخاری (۶) مولانا مختار احمد ندوی
(۷) مولانا شمس پیرزادہ (۸) احمد زکریا ایم ایل اے
(۹) ڈاکٹر اے یو میمن (۱۰) عبدالاحد نرویل
(۱۱) ڈاکٹر عبدالرحیم انڈرے (۱۲) ڈاکٹر ایم رئیس
(۱۳) ڈاکٹر عبدالکریم نائیک (۱۴) خلیل فقیہ (تاج آفس)
(۱۵) عبدالسمیع بوبیرے صبح امید (۱۶) ابراہیم فطرت
(۱۷) علی ایم شمسی (۱۸) محمد یوسف رکمین صدر تنظیم
(۱۹) عبدالمجید ناجن - سیکریٹری جنرل

ماپاری محلہ اردو اسکول چپلون کی شاندار کامیابی

بزم اردو چپلون کی جانب سے ۱۵ ستمبر ۸۴ء کو کھیڈ ضلع رتناگری میں تحریری و تقریری مقابلے منعقد کئے گئے تھے جس میں گروپ اول میں ماپاری محلہ اردو اسکول کی طالبہ انیسہ عبدالقادر فقیہ اول آئی جس کو بزم کی جانب سے میڈل انعام ملا۔ گروپ ۱ شیلڈ بھی اس اسکول نے جیت لی۔ گروپ دوم تقریری مقابلے میں دوسرا انعام روبینہ عباس دلوی نے جیتا اور میڈل حاصل کیا۔ ساتھ ساتھ تقریری شیلڈ بھی اسکول کے لئے حاصل کی۔ تقریری مقابلے میں اس اسکول کا طالب [illegible] نقد انعام جیتا۔ گروپ ۲ کی تقریری شیلڈ لگاتار تین سال سے [illegible] شاندار کامیابی پر اسکول کا طلبہ اور اساتذہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

کراچی میں جناب عبدالستار دستمکھ ناظم صلوٰۃ

حکومت پاکستان نے ۱۲ اگست ۸۴ء سے اقامت صلوٰۃ کے لئے اعزازی طور پر ناظمین کی تقرری کا آغاز کیا۔ اس سلسلہ میں کوکن برادری مقیم کراچی (پاکستان) کے ممتاز سماجی کارکن جناب عبدالستار دستمکھ کو کوکن سوسائٹی کراچی اور اس سے ملحقہ فاران سوسائٹی، ٹریڈرز سوسائٹی، بہار سوسائٹی اور تسنیم سوسائٹی کے علاقہ حلقہ نمبر ۲۶ کے لئے حکومت کی جانب سے ناظم صلوٰۃ مقرر کیا گیا ہے۔

کوکن برادری نہایت مسرت و انبساط کے ساتھ جناب دستمکھ صاحب کو مبارکباد پیش کرتی ہے۔ اور دعا گو ہے کہ خداوند کریم اس نیک مذہبی اور نیک کام کی بجا آوری میں آپ کو کامیابی عطا فرمائے۔

نامہ نگار: بشیر احمد پاڈگی

ماہانہ شعری نشست

بزم شعر و ادب کوکن ممبئی کی ماہانہ غیر طرحی نشست، مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو بزم کے سیکریٹری جناب سعید کنول صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ شاداب رتناگردی صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ ماہ محرم کا احترام کرتے ہوئے چند شعراء نے سلام پیش کئے — انتخاب مندرجہ ذیل ہے:

سعید کنول :- ہے بات جب کہ جان لٹا دو حسینؑ پر
کرتے ہو کیوں نمائشی ماتم حسینؑ کا

قیصر رتناگروی :- محو حیرت تھی زمیں اور دم بخود تھا آسماں
لشکر جرار پر حسا ور بہتر ہو گئے

تہور جمعہ حلائی :- شجاعت ہے وہ جس میں مل گئی انہیں گردنیں
جو خدا کی سیف و سناں پہ جھکنے نہ سکے

عزیز آذر :- سر کٹا کر شہ نے سر اسلام اونچا کیا
دین حق کے کام آیا خون تلوار خون۔ کا

شاداب رتناگردی :- بجھائی جان تشنہ ہوگئے رن میں شہید
حسین کا عروج نہ اعدا پر کبھی ڈھلا شبیر کا

واحد محسن :- وہ مقبرہ جس نے لقب دیا ہے
حسینؑ تجھ کو شہید اعظم

اطہر قیصری :- نادان نہ تھے انجان نہ تھے آقا تو کچھ تھے ظالم
کربل کی یہ شہزادی ہے جو نہ بجھ جکڑی جاتی

آغا نا کیفی :- مژگاں پہ جو ٹھہرا ہے قطرہ نہ اسے سمجھ
گر جوش پہ آ جائے سیلاب کا پانی ہے

ناچیز قیصری :- ایسی بستی میں بستے ہیں ہم لوگ
جہاں ہر شخص لہو کا پیاسا ہے

یعقوب ساغر :- خزاں رسیدہ چمن کو نہ کچھ نصیب ہوئی
ہمیں امید تھی شاید نئی بہار ملے

شفیع چوگلے بابوسن :- سنا تو یہ ہے کہ کچھ کھو کے کچھ پاتے ہیں
کہ ہم نے خود کو تو کھویا پر ان کو نہ پا سکے

مظہر شیولوی :- اہل وفا بھی پرسش نہ کر سکے جب ہمارا حال
اہل جفا کو اپنے ہم دوڑنے لگے

نامہ نگار: سعید کنول

ملک کی سب سے زیادہ مسافت والی ٹرین

کنیاکماری اور کشمیر کے درمیان ملک کی سب سے زیادہ مسافت طے کرنے والی پہلی ٹرین شروع ہو گئی۔ یہ ٹرین کنیاکماری اور جموں توی کے درمیان پہلی براہ راست ٹرین ہوگی جس کا نام ہم ساگر ایکسپریس ہے۔

یہ ٹرین مجموعی طور پر ۳۸۶۸ کلومیٹر کی مسافت ۶۸ گھنٹوں میں طے کرے گی اور تریوینڈرم، تاملناڈو، کیرالا، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، اتر پردیش، ہریانہ، پنجاب، جموں کشمیر اور دہلی سے [illegible] ہوگی۔ یہ ٹرین ہر بدھ کو کنیاکماری سے روانہ ہوگی اور سنیچر کی [illegible] جموں توی پہنچے گی۔ [illegible] جموں توی سے ہر اتوار کو روانہ ہو کر منگل کی شام کو کنیاکماری پہنچے گی۔

"بزمِ اردو" دہیور

۲۱ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو شعبۂ اردو محمد لاڈ جونیئر کالج دہیور کے زیرِ اہتمام غزل خوانی و گاندھی جینتی کا ایک مشترکہ پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں طلبہ نے غزل خوانی کے ذریعہ ایک ایسا سماں باندھا جو دنیائے شعر و ادب ذوق رکھنے والوں کے لیے باعثِ سرور تھا۔ اس پروگرام میں دہیور کے کہنہ مشق شاعر حضرت عبدالستار صاحب عاصی نے اپنی بہترین غزلیں سُنا کر حاضرین سے خوب خوب دادہائے تحسین وصول کی۔

جناب غلام محمد پٹیل نے جہاں مہاتما گاندھی کی تعلیمات کا ذکر کر کے آنجہانی کو خراجِ عقیدت پیش کیا وہیں اس پروگرام کے مہمان خصوصی جناب عاصی صاحب کا تعارف بھی پیش کیا۔ جن کی اردو دوستی کے سہارے جناب رشید آثار، صدر شعبۂ اردو نے "بزمِ اردو" کے قیام کا اعلان کیا۔ پھر جناب ضیاء الدین پیرزادہ نے "بزمِ اردو" کے اغراض و مقاصد اور عہدیداران و مجلسِ مشاورت کے ارکان کی تفصیل پیش کی۔

ادارہ کے پرنسپل جناب این اے واحد صاحب نے جو اس مشترکہ پروگرام کی صدارت فرما رہے تھے "بزمِ اردو" کے ساتھ ہر ممکن تعاون کا اعلان فرمایا۔ نیز نقد عطیہ کے طور پر مبلغ ۱۵۱ روپے کا بھی اعلان کیا۔ حضرت عاصی دہیوری نے بزمِ اردو کا افتتاح کیا اور نقد عطیہ کے طور پر ایک ہزار ایک ۱۰۰۱ روپے کا اعلان کیا۔ مزید یہ اعلان بھی کیا کہ ہند و پاک کے مختلف معیاری اخبارات و جرائد "بزمِ اردو" کے نام جاری کروا دیے گئے۔

یہ معیاری پروگرام تقریباً چار گھنٹے جاری رہا۔

بزمِ اردو کے عہدیداران :-

سرپرست :- (۱) پرنسپل این۔ اے۔ واحد صاحب
(۲) جناب غلام محمد پٹیل
(۳) جناب اقبال مستری

صدر: رشید آثار ــ نائب صدر: پیرزادہ ضیاء الدین۔
جنرل سیکریٹری: سید اطہر حسین ــ جوائنٹ سیکریٹری: شیخ عبد الرشید۔
خازن: مہر زک اقبال ــ

ان کے علاوہ مجلسِ مشاورت میں نامزد طلبہ اور اساتذہ پر مبنی علیحدہ علیحدہ دو مجالسِ مشاورت بھی تشکیل دی گئی۔

نامہ نگار: سید اطہر حسین جنرل سکریٹری

ہرنئی میں خواتین کا جلسہ

بزمِ خواتین بازار محلہ ہرنئی تعلقہ داپولی نے ۲۱ ستمبر کی شام محلہ کی بزرگ خاتون محترمہ حمیدہ بی حسن میاں پاؤسکر کی زیرِ صدارت جشنِ عید ملن بڑی دھوم دھام سے منایا جس میں گاؤں کی خواتین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ محترمہ مومنہ تاج الدین بلڈ ے، محترمہ زینب بی قادر میاں ڈھینکر، محترمہ عائشہ بی عباس ہرگے، محترمہ صغریٰ یونس میاں پاؤسکر، محترمہ نیرالنساء زکریا ڈونگرے نے تقریریں کیں۔ اور خصوصی طور پر جناب قادر میاں زین الدین ڈھینکر صاحب نے خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے اتفاق، بھائی چارہ تعلیم کی اہمیت اور کفایت شعاری پر زور دیا اور خواتین کی طرف سے منعقدہ پروگرام کی کامیابی پر مبارک باد پیش کی۔ اس موقع پر افریقہ سے وطن آئی ہوئی محترمہ خدیجہ ہرگے نے بزمِ خواتین کو ۱۵۰ روپے کا عطیہ پیش کیا۔

قطر ریڈیو کے اردو پروگرام

۱۹ ستمبر کی شب ۸ بجے قاضی فراز احمد کا انٹرویو قطر ریڈیو سے محترمہ بانو سلیمان نے "پہچان" پروگرام میں نشر کیا۔ کلامِ شاعر بزبانِ شاعر اور قطر کا اردو قومی ترانہ جو ہر سال قومی دنوں میں شائع ہوتا ہے۔ "جہانِ آرزو" ملا نشر کیا گیا جو پاکستانی فنکاروں ... قطری موسیقاروں کے تعاون سے کمپوز کیا تھا۔ آدھ گھنٹے کے اس پروگرام میں محترمہ بانو سلیمان نے قاضی فراز احمد کی ادبی خدمات اور لسانی کاوشوں کا ذکر اور قطر میں اردو کے فروغ کی کوششوں کا اچھے الفاظ میں ذکر کیا۔ بانو سلیمان صاحبہ پہلے سے

تعلق رکھتی ہیں۔ دو ہفتے قبل جناب صبا شیدانی اپنے مزاحیہ کلام سے ریڈیو قطر سے محظوظ فرما چکے ہیں۔ آپ بھی بزم اردو قطر کے ہر ادبی پروگرام کو کامیاب بنانے میں معاون رہے ہیں۔

(نامہ نگار :- قافلہ الف)

بحرین میں مہاراشٹر منڈل کی سرگرمیاں

۵ جولائی سنہ ۸۳ء کو بحرین میں مہاراشٹر منڈل کی جانب سے ایک عید ملن کا پروگرام ہوا تھا جس میں کثیر تعداد میں ہندو مسلم حضرات شریک تھے۔ منڈل کے صدر ڈاکٹر بھگوت نے بچوں میں عیدی تقسیم کی اور مسلم اور غیر مسلم افسروں کے تعاون پر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

اس سے قبل سلمانیہ ہسپتال میں Blood Donation خون کا عطیہ کا پروگرام بھی منڈل کی جانب سے انعقاد پذیر ہوا جس میں ہندوستانی سفیر اور سلمانیہ ہسپتال کے اسٹاف ڈاکٹر بیڑا، ریڈ کریسنٹ کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر نے اس خدمت خلق کو سراہا۔ عطیہ خون اور عید ملن کی تقریبات میں کوکن کے مسلم نوجوانوں یوسف فقیہ وغیرہ

مشتاق ملا جیسے، اقبال دھنشے، عبداللہ ملاجی، محترمہ مہرالنسا، صوبیدار، یوسف الجی، صمد پنڈوی، صمد پکار، ابراہیم ملاجی اور کامل احمد سیکو کے نام شامل ہیں۔

قطر میں اردو مشاعروں کا پچیسواں (۲۵) سال

قطر کی سنگلاخ زمین پہ حصولِ معاش کی کشش جن افراد کو یہاں لے آئی ان کے دلوں میں ذوقِ شعر و ادب کی مدھم مدھم آنچ نہ جانے کب سے اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، جو لاوا بن کر اگست ۱۹۵۹ء میں پھوٹ پڑی۔ اور بزمِ اردو قطر کی تخلیق ہوئی۔ مسلسل ۲۵ سال حادثاتِ زمانہ کے تیز و تند آندھیوں کے مقابل آخلاص چمن پر بہار آہی گئی۔ اور بزم نے ۱۶ اگست ۸۴ء کی تاریخی شب میں دوحہ کے فلک بوس سوفیٹل ہوٹل میں کامیابی و کامرانی کا جشنِ سیمیں آسمانِ شعر و ادب کے درخشاں ستاروں جیسے محسنِ شعر و ادب جناب سید محسن نقوی، برجیا بوترابی، قاضی احمد فراز، اصغر نقوی، عجائب صاحب، صفات علی صفات، رشید نیاز، صادق حسین، جرأت پرکار، آذر تابش، گوہر نایاب گوہر، انور فاقی، اسلم عمیر، خالد بٹ، صبی شیخانی، ممتاز راشد، بشیر صحرائی، سلیم سردنی، و دیگر شعراء کے جھرمٹ میں سلور جوبلی مشاعرے کی شکل میں منایا۔

اس عظیم الشان کامیابی کے بعد عید الاضحیٰ کے پرنشاط موقع پہ مختلف ممالک سے آئے ہوئے شعراء تحیوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع فراہم کرتے ہوئے بزمِ اردو قطر نے "عید ملن" کا اہتمام مشاعرے کی شکل میں ۳۱ اگست ۸۴ء کی شب میں جناب محمد یعقوب صاحب کے دولت کدہ پر کیا۔ صدارت کے فرائض قطر کے ممتاز شاعر بشیر صحرائی صاحب نے بحسن و خوبی انجام دیئے۔ دوحہ قطر کے نامور شعراء اور قدردانِ شعر و ادب نے کثیر تعداد میں شرکت فرما کر تقریب کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ طرحی مصرعہ یہ تھا:

"میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے"

نشست دو ادوار میں منقسم ہوئی، پہلا طرحی دور جس کی نظامت جناب قاضی محمد اصغر صاحب نے اور دوسرا غیر طرحی دور جس کی نظامت جناب رشید نیاز صاحب نے کی۔ جب دوسرا دور شروع ہوا تو جناب خالد حسین پاپا اور خالد امین بٹ صاحب نے اپنے دلکش ترنم سے سامعین کو بے حد محظوظ فرمایا۔

چند منتخب اشعار طرحی اور غیر طرحی اس طرح ہیں:

بشیر صحرائی
ہونٹوں پہ بے جان تبسم دل میں غموں کا لاوا
در پہ چراغاں گھر میں اندھیرا دیکھ ہی گھر کے کتنے رنگ

قاضی احمد فراز
قدر و اخلاص و یقیں دعوتِ ایماں تک ہے
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

"
ہم نے ایسے بھی ارادوں کے مسافر دیکھے
بے سفر ہو کے نہ پھر اپنے مکاں تک پہونچے

صبی شیخانی
گھر کو رکھنا ہے جو آباد تو بیگم سے ڈرو
کوئی شکوہ نہ کبھی دل سے زباں تک پہنچے

گوہر نایاب گوہر
عشق کے دشت میں جو بستے ہیں درد کے ناگ انکو ڈستے ہیں
آج کے دور کے سمندر میں قیمتی آب خون سستے ہیں

فرخ بے نوا
خاکِ صحرا سے یہی آج بھی آتی ہے صدا
ہائے وہ کیا سر تھے جو سجدے سے سناں تک پہنچے

رشید نیاز
زندگی در دبن گئی یارو پھر بھی ہونٹوں پہ ہنسی ہے یارو
پھر کسی کی آنکھ میں اب اشک نہیں کیوں یہ موسم نمی ہے یارو

برجیا بوترابی
برجیا سجدے کی رفعت کی ہے معراج یہی
خاک سے سر جو اٹھے نوکِ سناں تک پہنچے

صفات علی صفات
شہرِ نفرت کے گلی کوچوں سے کہہ دو جاکر
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

احمد مجبور
ہر ایک صبح کٹی ہے تڑپ تڑپ کر میری
ہر ایک شام الم بیقرار گذری ہے

جاسم ہاشمی
اشکِ احساس میرے حرف و بیاں تک پہنچے
ظرف کی حد سے جو نکلے تو نقصاں تک پہنچے

نامہ نگار:- داؤد عبدالکریم جوگلے

کوکن کے قابلِ قدر اساتذہ

نقشِ کوکن ٹیلنٹ فورم کے زیرِ اہتمام مضمون نویسی کے مقابلوں میں مقابلوں کے بعد اب ٹیلنٹ فورم نے اساتذہ کی قدر افزائی کا ارادہ کیا ہے۔

مارچ ۱۹۸۴ء کے S.S.C. امتحان کے نتائج کی روشنی میں اضلاعِ کوکن کے اردو ذریعۂ تعلیم کے تمام ہائی اسکولوں کے اساتذہ میں ہر مضمون کے بہترین استاد کا انتخاب کر کے اسے انعام دینے کے لئے اداروں کے سربراہوں سے رابطہ قائم کیا جا رہا ہے۔

علم دوستی کی طرف ہماری یہ ادنیٰ سی کوشش ہے اور اس کے لئے ہم آپ سے اشتراک و تعاون کے طلبگار ہیں۔

ابراہیم احمد سندیکر
سیکریٹری نقشِ کوکن ٹیلنٹ فورم

کامیابی

جناب عزیز احمد قاسم ساونت نے فرسٹ ایئر ڈپلوما ان فارمیسی میں درجۂ اول (۷۱ فیصد) میں کامیابی حاصل کی۔

ڈاکٹر مہر النساء دلامیے کے نئے مطب کا افتتاح

۲۴ اکتوبر ۱۹۸۳ء کی صبح عینیا اپارٹمنٹ نزد جبلی سنٹرل ڈاکٹر مہر النساء دلامیے کے نئے مطب کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر کے عزیزوں اور خیرخواہوں کے علاوہ بمبئی کے چند نامور ڈاکٹروں نے شریک ہو کر ڈاکٹر مہر النساء کو مبارکباد اور ترقی کی دعا دی۔ ڈاکٹر موصوفہ کے شوہر ڈاکٹر عبداللہ دلامیے جو شہر کے ممتاز E.N.T. سرجن ہیں عنقریب ہی اس بلڈنگ کے پہلے منزلہ پر اپنے ہسپتال کا اجراء کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ہماری دلی دعا ہے کہ زوجین ڈاکٹران کو اللہ تعالیٰ ترقی عطا فرمائے اور بیماروں کو ان کے دستِ شفا سے فیض پہنچے۔

جناب سیٹھ ابراہیم احمد تاج

جناب سیٹھ ابراہیم احمد تاج کا آبائی وطن مہاڈ تعلقہ قصبہ کسگاؤں ہے۔ آپ دسمبر ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم درجہ چہارم تک کسگاؤں میں مکمل کرنے کے بعد راجے واڑی میں ہفتم تک زیر تعلیم رہے۔ بعد ازاں سلسلۂ تعلیم منقطع کرتے ہوئے مجبوراً فکر معاش کرنے کے لئے کمر کسنا پڑا۔ اور آپ سوکھی مچھلی کے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ قریہ قریہ جا کر پھیری لگا کر شبانہ روز جد و جہد مسلسل سے روزی روٹی حاصل کرتے رہے۔ آخر آپ کی جانفشانیاں اور محنتیں رنگ لائیں۔ اور چند ہی برسوں میں آپ نے مہاڈ میں سوکھی مچھلی کا بیوپار کرنے کی غرض سے ایک دکان قائم کر لی۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتے رہے اور تھوک بزنس کرنے لگے۔ آج موصوف خدا کے فضل و کرم سے ضلع بھر میں سوکھی مچھلی کے صف اول کے بیوپاری ہیں۔ موصوف کی خداداد صلاحیت، سلیقہ مندی، انتھک جد و جہد کے نتیجہ میں ترقی کی راہیں کشادہ ہوتی گئیں۔ اور منزلوں پہ نئی روشنیاں جگمگانے لگیں۔ علاقہ کوکن کے صف اول کے دو درجن سپلائی کنٹرکٹر بنے جو حکومت مہاراشٹر کے منصوبوں کا ایک حصہ ہے۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ آف انڈیا کی جدید طرز کی ماہی گیری اسکیم کے تحت اس بزنس کو بھی بہت فروغ دیا۔ آج مہاڈ کے صف اول کے تاجروں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

اپنی کاروباری مصروفیت کے ساتھ ساتھ آپ کو سماجی و ملی خدمات کا بھی شوق ہے۔ آپ کی پرخلوص کوششوں سے مہاڈ پولادپور تعلقہ مسلم امن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا۔ آپ مہاڈ پولادپور تعلقہ کانگریس (آئی) پارٹی کے ایک سرگرم رکن ہی نہیں بلکہ مسلم سماج کے ایک مخلص نمائندے بھی ہیں۔ متعدد تعلیمی اداروں سے آپ کی خدمات وابستہ ہیں۔ آپ حد درجہ خلیق، ملنسار اور پر وقار شخصیت کے مالک ہیں۔ حکومت مہاراشٹر نے S.E.M کے اعزاز سے نواز کر موصوف کی سماجی، سیاسی اور ملی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ قوم اور ملک کو آپ کی ذات سے تادیر استفادہ حاصل ہوتا رہے۔

جناب ایم۔ ڈی نائیک

سنہ ۸۲-۱۹۸۳ء کے دوران ایکسپورٹ کی غیر معمولی کارکردگی پر مہاراشٹر اسٹیٹ اور ریجن ایکسپورٹ ایوارڈ مہاراشٹر کے وزیر صنعت عزت مآب شری سدھاکر راؤ نائیک نے نائیک اکسپورٹ اینڈ کولڈ اسٹوریج رتناگری کے جناب ایم ڈی نائیک کو پیش کر رہے ہیں۔ جناب ایم ڈی نائیک صاحب نے اس سے قبل چھ بار بیسٹ کیننگ پرائز حاصل کئے ہیں۔

جناب ابراہیم خان طالب

جناب ابراہیم خان طالب کو یوم اساتذہ کے موقع پر بہترین مدرس کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔ موصوف اردو مدارس کے اول مدرس ہیں جنھیں ان کی بے لوث تعلیمی اور سماجی خدمات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ایوارڈ دیا گیا۔ سال گذشتہ بھی موصوف کو نیشنل فاؤنڈیشن فار ٹیچرس ویلفیئر ریجن عظمیٰ نے بہترین مدرس کے ایوارڈ سے نوازا تھا۔ پرنسپل طالب کی رہنمائی میں فاروق ستار عمر بھائی ہائی اسکول کو ۱۹۸۲ء میں حکومت مہاراشٹر کی جانب سے علمی و تعلیمی بہترین کارکردگی پر عطیہ بڑے حوصلہ افزائی دس ہزار روپیہ نقد کی گرانقدر رقم دی گئی تھی۔ اس سال بھی ایس ایس سی کا نتیجہ سو فیصد رہا جس پہ بمبئی اور مضافات کے مختلف اداروں سے اسکول ہذا کو انعامات و اسناد سے نوازا گیا مرکز تعلیم ترقی کے تحت منعقدہ جلسۂ تقسیم اسناد میں فاروق ہائی اسکول کے سو فیصد اور شاندار نتیجہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یوسف حسین بہادر ٹرافی پرنسپل ابراہیم خان طالب کو دی گئی۔

غلام پرکار

ہندوستانی کرکیٹ ٹیسٹ ٹیم کے نئے کھلاڑی جناب غلام پرکار جو ہر گیند پر چیتے کی طرح جھپٹتے ہیں موضع کالسہ تعلقہ چپلون ضلع رتناگری کے باشندہ، نقش کوکن کے لائف ممبر اور شہر بمبئی میں ایک الیکٹرونک اسٹور کے مالک ہیں۔

غلام پرکار کا کھیل دیکھ کر آسٹریلیا کے کپتان کم ہیوز نے تبصرہ کیا ہے کہ ہندوستانی ٹیم میں صرف ایک کھلاڑی ہے جو یک روزہ میچ کو اہمیت سے کھیلتا ہے اور میدان میں ہر بال پر چیتے کی طرح جھپٹتا ہے۔

۔ غلام پرکار نے اسکول کی سطح پر کرکیٹ کھیلنا شروع کردیا تھا۔ اور سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں وہ بمبئی یونیورسٹی کی ٹیم میں شامل ہوکر رانجی ٹرافی کے لئے کھیلے۔ ان کھیلوں میں انھوں نے پانچ سنچریاں بنائیں۔ الٰہ آباد کے مقابلے پر ۲۰۸ رنز، پونا کے خلاف ۱۱۲ رنز، گجرات کے خلاف ۱۱۴ رنز، جلپور کے مقابلے پر ۱۵۳ رنز [illegible] کے مقابلے پر ۱۳۴ رنز۔

غلام پرکار کے کھیل کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو سنہ ۱۹۷۸-۷۹ء میں ویسٹ زون یونیورسٹیز کا کپتان بنادیا گیا۔

یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد غلام پرکار کو رانجی ٹرافی لیگ میں کھیلنے کے لئے منتخب کرلیا گیا۔ ویسٹ بنگال کے مقابلے میں بمبئی کی ٹیم میں کھیلتے ہوئے غلام پرکار نے اوپنر کا ایک شاندار ریکارڈ پیش کیا۔ وہ ۴۰۰ منٹ وکیٹ پر رہے اور انھوں نے ۱۵۶ رنز بنائے۔

غلام پرکار نے رفتہ رفتہ اوپنر کی حیثیت میں فرسٹ کلاس کرکیٹ میں اپنا ایک اچھا مقام بنالیا۔ اور اب ان کو ہندوستانی ٹیسٹ میں شامل کیا گیا۔ جہاں انھوں نے بیٹنگ اور فیلڈنگ دونوں میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

غلام پرکار کرکیٹ میں کم از کم دس سال کا عملی تجربہ رکھتے ہیں۔ اور فرسٹ کلاس کرکیٹ میں اچھا ریکارڈ قائم کرکے کام، نام او[illegible]

شہرت حاصل کرچکے ہیں۔ ہندوستانی ٹیسٹ ٹیم میں بھی اب تک انھوں نے جتنے میچ کھیلے ہیں ان میں کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہندوستانی ٹیسٹ ٹیم کو غلام پرکار اور غلام پرکار کو ٹیسٹ ٹیم سے اچھی توقعات وابستہ ہوسکتی ہیں۔

زیرِ نظر تصویر میں غلام پرکار مین آف دی میچ کا انعام رکنِ پارلیمنٹ شری ادئے سنگھ گائیکواڈ کے ہاتھوں وصول کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جناب ابراہیم قاضی

جناب ابراہیم عبدالحمید قاضی متوطن داپولی، ضلع رتناگری اپنی تاجرانہ مصروفیات کے علاوہ سماجی اور تعلیمی امور میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ کی انھیں خدمات کی قدرافزائی کے طور پر حکومت مہاراشٹر نے آپ کو S.E.M. اسپیشل اکزیکیٹو مجسٹریٹ کے خطاب سے نوازا ہے۔

شادی خانہ آبادی

سید حکیم محمد انور حسین کے فرزند ڈاکٹر منور حسین کا عقد مسعود ڈاکٹر منور سلطانہ کے ساتھ ۲۴ ستمبر ۸۲ء کو مہاراشٹر کالج کے ہال بمبئی میں انجام پایا۔

نقش کوکن کہاں ملے گا؟

بمبئی کے سبھی اردو بک اسٹالوں پر نقش کوکن دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ S.T. کے درج ذیل اسٹانڈ پر بھی آپ کا محبوب پرچہ آپ خرید سکتے ہیں۔

پین، پنویل، مہاڈ، چپلون، رتناگری۔

اور اب تو بیرون ہند بحرین، مسقط وغیرہ شہروں کے بک اسٹالوں پر بھی نقش کوکن پہنچ گیا ہے۔ (ادارہ)

مضمون نویسی کا انعامی مقابلہ

پچھلے شمارہ کی آخری کاپی پریس میں جارہی تھی اس وقت ہمیں صرف ۴۸ مضامین موصول ہوئے تھے مگر حسب الاعلان مہینہ کے اختتام تک مضامین آتے رہے اور تعداد ۷۱ تک پہنچ گئی مقررہ تاریخ کے بعد بھی کچھ مضامین ملے مگر انھیں شریک اشاعت نہیں کیا گیا۔

معتبر جج صاحبان نے جن میں ایک معلمہ، ایک پرنسپل اور ایک پروفیسر شامل ہیں تمام مضامین کی جانچ کی اور جو نمبر دیئے اس مطابق درج ذیل طلبہ انعام کے حقدار قرار پائے :-

اوّل : زرینہ عبّاس بجلے ـــ حاجی داؤد امین ہائی اسکول ۔ کالستہ چپلون۔

دوم : توفیق عباس بڑے ـــ نیو انگلش ہائی اسکول ۔ قصبہ ۔ سنگمیشور۔

سوم : نزہت اقبال پینکر ـــ انجمن اسلام جنجیرہ ہائی سکول ـ گونڈگھر۔

خصوصی انعام : مومن محمد شعیب جان عالم ـــ شاد آدم ٹیکنیکل ہائی اسکول ۔ بھیونڈی۔

۱۔ اوّل نمبر پانے والے طالب العلم کو چار سو روپئے انعام اور اس کے ہائی اسکول کو سو روپے اور ایک گشتی ٹرافی۔

۲۔ دوم نمبر پانے والے طالب العلم کو ڈھائی سو روپئے انعام اور اس کے ہائی اسکول کو پچاس روپئے۔

۳۔ سوم نمبر پانے والے طالب العلم کو ڈیڑھ سو روپئے انعام اور اس کے ہائی اسکول کو پچاس روپئے۔

۴۔ خصوصی انعام سو روپئے

ایک ہزار روپئے کے یہ گرانقدر انعامات اور گشتی ٹرافی جناب قیس صاحب جنوبی افریقہ کی پیش کش ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ کوکن کے چاروں اضلاع نے اس مقابلہ میں حصّہ لیا۔ تفصیل حسب ذیل ہے :-
تھانہ ضلع کے تین اداروں سے ۱۳ طلبہ، رائے گڈھ کے ۸ اداروں سے ۲۰ طلبہ، رتناگری ضلع کے ۹ اداروں سے ۳۲ طلبہ سندھو درگ کے ۲ اداروں سے ۵ طلبہ ـــ اس طرح کل ۲۲ اداروں سے ۷۱ طلبہ شریک مقابلہ ہوئے۔

مورخہ ۲۵ نومبر ۱۹۸۲ء صبح دس بجے رتن بائی ہال کھرکی بمبئی میں تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد ہوگا۔ جس کے دعوت نامے تمام اداروں کو بھیجے جائیں گے۔

ہماری دلی خواہش ہے کہ نہ صرف انعام پانے والے طلبہ اور ان کے اداروں کے نمائندے شریکِ جلسہ ہوں بلکہ حصہ لینے والے تمام طلبہ بھی آجائیں تاکہ ہم انھیں شریکِ مقابلہ ہونے کی سند پیش کرسکیں۔

اُردو کی خدمت اور طلبہ کی ہمت افزائی کی یہ ادنیٰ سی کوشش ہے اور اس کے لئے ہم تمام علم دوست حضرات سے اشتراک و تعاون کے طلبگار ہیں۔

ابراہیم احمد سند یلکر
سیکریٹری نقش کوکن ٹیلنٹ فورم

موت کا ایک دن معین ہے

★ جناب عبدالغفور یعقوب چوگلے ساکن الجنوبل ضلع رتناگری ۱۱ ستمبر ۸۴ء کو طویل علالت کے بعد بعمر ۶۲ سال انتقال کر گئے۔
(نامہ نگار: عباس حسین سردے)

★ گوونلکوٹ چپلون کی محترمہ آمینہ بی بابا میاں چوگلے کا ۳ ستمبر ۸۴ء کو طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔
(نامہ نگار: عباس حسین سردے)

★ سوشل سوسائٹی موربہ ضلع رائے گڑھ کے اعزازی سیکریٹری ڈاکٹر جی سی باپٹ ۱۲ ستمبر ۸۴ء کو راہی عدم ہو گئے۔ مرحوم علم دوست، غریب پرور انسان تھے۔ اور سوسائٹی کے بانیان میں سے تھے۔

★ مراٹھی ہفتہ وار شودھن کے روح رواں اور شاعر و ادیب ڈاکٹر محمود عمر شیخ کی والدہ کا ۲۴ ستمبر ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

★ مرکرواڑہ (رتناگری) فشنگ کرافٹس اونرس ایسوسی ایشن کے بانی چیئرمن، کوکن مرکنٹائل بنک رتناگری برانچ کے ڈائریکٹر اور شہر رتناگری کے ہردلعزیز سوشل ورکر جناب حسن داؤد دروے کے والد محترم کا ۱۰ اکتوبر ۸۴ء کی شام بعمر ۷۵ سال رتناگری میں انتقال ہوا۔

★ کوتڑپورہ ضلع رتناگری کے جناب عبدالحمید خان کی چھ سالہ دختر عاصمہ کا ۱۲ اکتوبر ۸۴ء کو انتقال ہوا۔

★ جناب آدم صاحب ماہمی (مالک ماہمی ڈیکوریٹرس باندرہ بمبئی) کے والد جناب عبدالقادر ماہمی کا بعمر ۱۰۶ سال نوپاڑہ باندرہ بمبئی میں انتقال ہو گیا

★ نقش نواز شمیم رشید ساونت کی دادی محترمہ عائشہ بابا ساونت ۱۲ اکتوبر ۸۴ء مطابق ۱۲ ماہ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ طویل علالت کے بعد بعمر ۸۵ سال رحلت فرما گئیں۔
(نامہ نگار: ستار)

★ نیروبی (مشرقی افریقہ) والے جناب محمد قاسم بلکیکر اپنے آبائی وطن زانگے تعلقہ داپولی میں ۱۱ ستمبر ۸۴ء کو تقریباً سو سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ (نامہ نگار: شیخ اسماعیل نیروبی)

★ بھیمڑی ضلع تھانہ کے ایک جواں سال [illegible] جناب عبدالوحید علی مقدم (متوطن سازنگ - جو بغرض [illegible] میں سکونت پذیر تھے) کا ۲ اکتوبر ۸۴ء کو بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ اور بھیمڑی میں تدفین عمل میں آئی۔

★ نقش کوکن کے مونس، ہمدرد جناب انور محگاونکر منیجر بنک آف انڈیا جنجیرہ مروڈ کی بھابی اور نقش نواز جناب سراج الدین محگاونکر کی اہلیہ محترمہ حلیمہ بی جو سعودی عربیہ میں اپنے شوہر کے ساتھ سکونت پذیر تھیں مختصر سی علالت کے بعد ۸ اکتوبر ۸۴ء کو راہی عدم ہو گئیں۔ ان کی میت ہندوستان لاکر ان کے میکہ کے مقام داپولی میں سپرد خاک کی گئی۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن

والد محترم جناب محمد حسین ملا کی

وفات حسرت آیات پر کچھ ہمدردوں نے بنفس نفیس آکر پرسہ دیا تو کچھ اعزا و احباب کی جانب سے تعزیت نامے موصول ہوئے کچھ دوستوں نے اظہارِ غم و ہمدردی کے تار ارسال فرمائے۔ الغرض اس صدمۂ جانکاہی میں میری اور میرے اہل و عیال کی ڈھارس بندھانے والے ان تمام کرم فرماؤں کا میں تہہ دل سے شکر گذار ہوں

غمزدہ: ڈاکٹر عبدالحلیم محمد ملا

کرڈکی، تعلقہ شری وردھن ضلع رائے گڑھ

حال مقیم ڈونگری، بمبئی ۹

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی قوم کے زوال و انتشار کا سبب کوئی دشمن قوم نہیں بلکہ خود اسی قوم کے چند غدار افراد رہے ہیں ـــ کوئی بھی قوم مکمل طور پر منتشر اور تباہ کسی بیرونی دشمن قوم کے ذریعہ نہیں ہوسکتی۔ البتہ اسی قوم کے اگر مٹھی بھر افراد بے ایمان فروشی پر اتر آئیں تو اس قوم کا نام بھی صفحۂ ہستی سے مٹنے میں دیر نہیں لگتی ـــ۔

مسلم قوم کی تاریخ میں وفاداروں سے زیادہ ایمان فروش پائے جاتے ہیں ـــ۔ اور اسی لئے یہ قوم ایک مختصر سے عرصہ تک ہی باقتدار، بارسوخ رہی ـــ۔ برصغیر کے مسلمانوں کی پیٹھ میں ایک مرتبہ چند نااہل، ڈرپوک اور غیر دوراندیش مسلمانوں نے چھرا گھونپا تھا ـــ۔ سارے جگوڑے بھاگ گئے تھے اور یہاں کے مسلمانوں کے صفحۂ تقدیر پر سیاہی پھیل گئی تھی ـــ۔

آزادیٔ ہند کے بعد جو مسلمان (By chance یا By choice) یہاں رہے ان کی ایک بڑی تعداد نے ایک دوسرے کا گلا کاٹنا شروع کیا ـــ۔ میر جعفریؔ ورثے میں ملی تھی، سو وہ بخوبی نبھائی ـــ۔ آزادیٔ ہند کے بعد کسی بھی آر ایس ایس یا جن سنگھ کے کسی کٹر فرقہ پرست لیڈر سے اتنا نقصان مسلمانوں کو نہیں پہنچا ہوگا جتنا خود مسلمانوں کے نام نہاد مسلم لیڈران سے ہے۔ جب کسی مسلم لیڈر کو کسی بھی پارٹی نے چند ٹکوں میں خرید لیا ـــ۔ مسلم یونیورسٹی تباہ کرنی ہو، اوقاف کا راستہ صاف کرنا ہو، قرآن و حدیث کی تضحیک کرانی ہو یا اس سے بھی زیادہ کوئی قوم دشمن یا گھٹیا کام کرانا ہو، لاتعداد مسلمان یہ سارے کام کرنے کیلئے قطار میں تیار کھڑے ہیں ـــ۔ ادھر چند روپے تھما دو (یا صرف تعریف و توصیف سے ان کو آسمان پر چڑھا دو)، نہ جانے کتنے 'مسلمان' تیار ہیں چٹکی بجھوں میں یہ سارے کام کرنے کے لئے ـــ۔

آر ایس ایس اور جن سنگھیوں کے سارے منصوبے اور پلان ان ہی مسلمانوں کے باعث آج کامیاب ہوتے آ رہے ہیں ـــ۔

یہی مسلمان بڑی ہی صفائی سے معصوم، بھولے بھالے اور بےگناہ مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک جاتے ہیں ـــ۔ جلسے اور جلوس منعقد کرکے، کانفرنس کرکے لڈو کھا کر اور ماتم کرکے ـــ۔

آج ایسی ہی ایک دھول جھونکو کانفرنس کا تذکرہ یہاں کر رہا ہوں ـــ۔ صرف اس ایک کانفرنس کی روداد سے آپ کے سامنے ہندوستان کے سارے مسلم لیڈران کے ارادے اور خصلتیں بےنقاب ہوجائیں گے اور یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ بیچارے مسلمان کتنے بھولے بھالے ہیں۔ اور یہ کہ ان کو کتنی آسانی سے بےوقوف بنایا جاسکتا ہے ـــ۔

یہاں میں کسی فرد یا افراد کے خلاف یا موافق میں نہیں لکھ رہا ہوں، میں ان افراد کے اصولوں کے خلاف یا موافق میں لکھ رہا ہوں۔ مجھے کسی فرد سے کوئی دشمنی نہیں ہے ـــ۔ ان میں سے

کوئی فرد اگر اپنی نیت بدلے اور قوم دشمنی سے باز آئے تو اُس کی تعریف میں بھی لکھ دوں ــــ ۔

ہر فساد کے بعد یہاں ایک مولانا جنم لیتا ہے (ایک مولانا پیدا ہوتا ہے ہر فساد کے بعد !) آسام میں مسلمانوں کے قتلِ عام کے بعد مُلک و ملّت بچاؤ تحریک کے ذریعہ مولانا اسعد مدنی کا جنم ہوا۔ اور اب بمبئی، تھانے اور بھیونڈی کے فسادات کے بعد مولانا مظفر حسین کچھوچھوی کا جنم ہوا ــــ ! لہٰذا انھوں نے فسادات کا غم بھلانے کیلئے پچھلے دنوں ایک 'فسادات مخالف کانفرنس' بمبئی کے مستان تالاب پر منعقد کر ڈالی ــــ ۔

ایسی کسی کانفرنس کا انعقاد کانگریسیوں نے اس لئے ضروری سمجھا کہ حالیہ فسادات میں حکومت رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تھی۔ اور فسادات میں اس کا ہاتھ ہونے کے شواہد ملے تھے۔ اب یہ کانگریسی مسلمانوں کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ لہٰذا مسلم قوم کے چند میر جعفروں کو کوئی ناٹک منعقد کرنے کیلئے کہا جائے جس میں وہ حکومت کو خوب خوب بُرا بھلا کہیں۔ اور اس طرح مسلمانوں کا اعتماد جیت لیں تاکہ آئندہ الکشن میں جب یہ افراد مسلمانوں کے ووٹ مانگنے جائیں تو مسلمانوں کو ان پر اتنا اعتماد ہو کہ انھیں خالی ہاتھ نہ لوٹائیں ــــ ۔ اور اس کانفرنس کے لئے چند لاکھ روپئے ان ہندیدوں کے سامنے پھینکے گئے ــــ ۔

یہ تین روزہ کانفرنس جس میں مَیں شروع سے آخر تک حاضر تھا، قابلِ مطالعہ ہے ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے لیڈران کس طرح بکے ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ یہ قوم ابھی تک کتنی احمق ہے ــــ ۔

کم و بیش دو درجن افراد نے اس کانفرنس میں لمبی چوڑی تقریریں کیں، جن کی اکثریت جذباتی، جوشیلی، بے تکی، بے مقصد اور احمقانہ تقریروں پر مشتمل تھی ــــ ۔ کوئی یہ نہیں بتا رہا تھا کہ یہ فسادات کس طرح رد کے جائیں۔ بلکہ ہر کوئی صرف جذباتی اور جوشیلی باتیں کر رہا تھا۔ ایسی باتیں جس سے مسلمان بہل جائیں، خوش ہو جائیں۔ تالیاں پٹیں ــــ ۔ سو ہو گیا ــــ ۔

سب سے پہلے سُنئے انوار احمد (ممبر پارلیمنٹ) کی تقریر ــــ ۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ان فسادات میں بیرونی ہاتھ ملوث ہے۔ بیرونی ممالک ہماری ترقی سے جل رہے ہیں (میرے احمق بندھو! ایک پرائمری اسکول کا طالب علم بھی ایسی بے تکی اور بچکانہ بات پر کھلکھلا پڑے گا) اور یہ کہ ایسی کانفرنسیں پورے بھارت میں جابجا منعقد ہوتی رہنی چاہئے (اور ان کانفرنسوں سے فسادات رُک جائیں گے؟ جب یہ سبھی یک طرفہ کانفرنسیں ہوں گی کیونکہ ان میں فسادی تو شریک ہوں گے ہی نہیں۔ غیر مسلم آتے ہی نہیں) ــــ ۔ ان کے بعد ایک اور کانگریسی ایم پی آئے قاضی جلیل عباسی، اور کہا کہ اس ملک کے ہم ہیں تن من دھن

کا قربانی دینی چاہئے (تو شرما جی نے کس بات کی، دیکھئے قربانی اور روک دیجئے فسادات!) غرض کہ وہ بھی (راجیو کے ڈر کے مارے) بڑے ہی سنبھل سنبھل کر بولے، اگلے الکشن کے لئے ٹکٹ کا آیا تو اندرا جی کی تعریف کی اور چل دیئے ــــ ان کے علاوہ بھی جتنے حضرات کی تقریریں ہوئیں (ان میں ممبر پارلیمنٹ بھی شامل تھے اور کئی ریاستوں کے ایم ایل اے بھی) انتہائی بچکانہ تھیں، جیسے اسکول کے طلبہ رٹی رٹائی تقریریں سناتے ہیں ــــ غرض کہ ہر کسی نے ڈر ڈر کر تقریر کی. اندرا جی کا ڈر، راجیو جی کا ڈر، سادہ لباس میں بیٹھے درجنوں سی بی آئی والوں کا ڈر! ــــ

دہلی سے آئے ہوئے وزیر یوگیندر مکوانہ بھی بولے بلکہ یہ سے دوسری تمام پارٹیوں پہ ــــ: رام راؤ ادک بھی آئے، بولے نہ بولے اور چلے گئے ــــ ان کے علاوہ بھی بے شمار تقریریں ہوئیں (ڈر ڈر کر) ـ بے حساب تجاویز رکھی گئیں، بچکانہ اور بے تکی تجاویز!

جب یہ تماشا برداشت نہ ہوا تو میں نے اجازت چاہ کر ایک تجویز رکھی کہ اس کانفرنس کو صحیح معنوں میں کامیاب بنانے کے لئے سب سے پہلے حالیہ فسادات کے ذمہ داران کو مناسب سزا دینے کے لئے اس کانفرنس کو منعقد کرنے والے آواز بلند کریں. میں نے کہا کہ حالیہ بھیونڈی، بمبئی اور تھانے کے فسادات کے چار افراد ذمہ دار تھے. بال ٹھاکرے، وسنت دادا پاٹل، بمبئی کے پولیس کمشنر ریبیرو اور تھانے کے پولیس کمشنر ڈی رام چندرن ــ لہٰذا وسنت دادا کی حکومت کو برطرف کیا جائے، بال ٹھاکرے کو گرفتار کیا جائے اور بمبئی و تھانے کے پولیس کمشنروں کو برطرف کیا جائے ــــ سارے سی بی آئی والوں کے قلم تیز تیز چلتے رہے اور چہ میگوئیاں ہوتی رہیں ـ اس لئے بھی کہ اس وقت وسنت دادا حکومت کے دو وزراء بھی وہاں موجود تھے ــــ.

مولانا ہاشمی میاں نے نپی تلی تقریر کی اور کہا کہ حکومت بھنڈرن والے کو ختم کر سکتی ہے تو کاغذی شیر بال ٹھاکرے کو ہاتھ لگانے سے بھی کیوں ڈرتی ہے؟ انھوں نے تجویز پیش کی کہ انسداد فسادات ملٹری ہونی ضروری ہے ــــ مہاراشٹر کے وزیر اتیسر نے بھی تقریر کی. دھواں دھار تقریر اور حکومت کو تاڑا. تالیاں بجیں، واہ واہ ہوا ــــ صدر جلسہ مظفر حسین کچھوچھوی نے متعدد مرتبہ تقاریر کیں. بڑی ہی جوشیلی اور جذباتی تقریریں کہ مسلمان اب مرے گا نہیں (بہت خوب!)، دنیا ابھی تک مجھ پر قابو نہیں پا سکی ہے، جو مجھ کو نہیں مار سکتے وہ اتنے بڑے میاں بھائی کو کیا ماریں گے ـ تالیوں کی گڑگڑاہٹ ــــ (مظفر حسین صاحب مجھ کو مارنا مشکل ہوگا مگر ہندوستان میں مسلمان کو مارنا بہت آسان ہے)، بال ٹھاکرے کیا ہے؟ میدان میں سامنے آئے جو جیتے گا وہ راج کرے گا (تالیوں کی گڑگڑاہٹ)، بال ٹھاکرے کو مسلمانوں کی تاریخ معلوم نہیں ہے (نہیں مولانا خود مسلمانوں کو مسلمانوں کی تاریخ معلوم نہیں ہے. وہ نہیں جانتے کہ وہ کون تھے) ــــ.

فسادات کیوں ہوتے ہیں سبھوں کو پتا ہے. کیا وہ پتا چلانے کے لئے اتنی بڑی کانفرنس ضروری تھی؟ اور پھر یہ کانفرنس مسلم علاقے میں کیوں منعقد ہوئی؟

ہمارے اکابرین ملت اور لیڈران کی تقاریر اور جوش و جذبات میں مسلمانوں کا بے تحاشہ تالیاں پیٹنا اور خوش ہونا ــــ میرے دل پر یہ چوٹ مئی کے فسادات کی چوٹ سے بھی زیادہ گہری ہے.

مبارک کاپڑی

नकशे कोकण मासिक ● NAQSHE KOKAN MONTH

DEC. 1984 ● 23RD YEAR OF PUBLICATION ● Rs. 3-
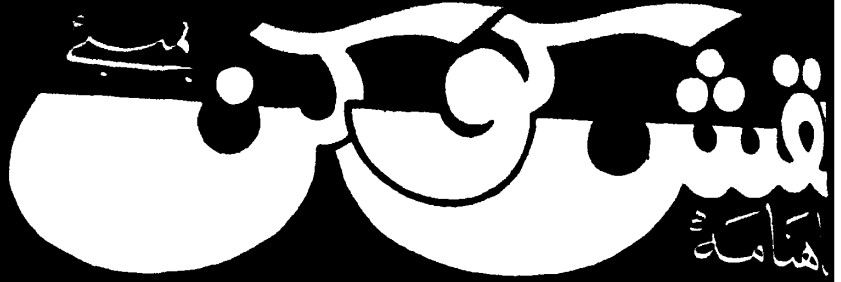
Prize Distr bution Function of Naqshe Kokan Talent Forum. Seen in the picture are Mr Yusuf Nazim on mike (L. to R.) Mr Mehmood Mistry who distributed the prizes, Dr. A. A. Munshi president of the function, Mr. F. H. Lala & Mr. Sahir Shivi guests of honour & Dr. A. M. Naik, Editor Naqshe Kokan.

14th National Day Anniversary of the Sultanate of Oman celebrated in Bombay (L. to R.) Madam Al-Thawadi, Consul General of Sultanat of Oman Mr. Rashid Al-Khambashi, Madam Khambashi & Consul General of Qatar Mr. Abdulla Al-Thawadi.

سی ای ایم شمارہ :- ۶۲-۱۹۶

ماہنامہ نقش کوکن بمبئی

کوکن انڈین میگزینز نیوز پیپرز ایسوسی ایشن، بمبئی

جلد ۲۳ / دسمبر ۱۹۸۴ء / شمارہ ۱۲

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر :- ڈاکٹر عبدالکریم نائیک
معاون مدیر :- ایس اے رحیم قیصر

قیمت فی پرچہ :- ۳ روپے
سالانہ خریداری :- ۲۵ روپے
تاعمر خریداری :- ۲۵۰ روپے
بیرونی ممالک سے سالانہ :- ۱۵۰/۱۰۰ روپے
" " تاعمر خریداری :- ۱۲۵۰ روپے

مقام طباعت :- اجمل پریس بمبئی ۳
مقام اشاعت :- ۲۰۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۹

ملکیت : نقش کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ (E 3006)

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ :-
۲۰۴ جیل روڈ ایسٹ، ڈونگری، بمبئی ۹

تاریخ اشاعت :- یکم دسمبر ۱۹۸۴ء

اِس ماہ کے نقوش

صفحہ نمبر

پہلا صفحہ

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء ہندوستان ، بلکہ دنیا کی تاریخ کا ایک اہم اور ناقابل فراموش دن ہے جس دن پہلی مرتبہ ہندوستان کی جمہوریت نے ایک عجیب موڑ لیا ۔ ہماری جمہوریت میں جو چیز ناممکن سمجھی جاتی تھی وہ واقع ہوئی ۔ ہندوستان کی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کا ان ہی کے سیکورٹی گارڈ کے ہاتھوں قتل ہوا ۔! آزاد ہندوستان میں یہ کسی بھی دوسرے قومی لیڈر کا قتل تھا ۔ ۴۸ء میں مہاتما گاندھی کا قتل ہوا اور ۸۴ء (ہندسے تبدیل ہوئے) میں اندرا گاندھی کا (اگرچہ اندرا کبھی بھی گاندھی نہ بن سکیں) ۔

اندرا کے قتل کے ساتھ ایک یگ سماپت ہوا ، اچھا یا برا یہ آگے چل کر دیکھیں گے اور آنے والا مورخ بھی اس کی وضاحت کرے گا ۔

۱۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو پریہ درشنی اندرا کا جنم ہوا ، پنڈت گھرانے میں ، ایک بڑے گھر میں جہاں ہاتھی جھوما کرتا تھا ۔ مشہور تھا کہ وہاں سے کپڑے پیرس میں دھلنے جاتے تھے ۔ اس کے باوجود اس گھرانے کا نام عوامی تھا ، اس لئے کہ اندرا کے دادا موتی لال ، پتا جواہر لال اور ماں کملا نہرو کی زندگی میں راج گھرانے کا کوئی عکس نہیں تھا ، بلکہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے انسانوں کی آہیں وہ سن سکتے تھے ، محسوس کر سکتے تھے ۔ ایک فقیر منش کی ایمار پر سارا عیش و آرام تیاگ کر کے آزادی کی جنگ میں کودنے والے خاندان میں اندرا پلی بڑھی ۔ کیمبرج سے ابتدائی تعلیم حاصل کی ، بھارتیہ سنسکرتی اور سبھیتا کے تعلق سے شانتی نکیتن میں تعلیم حاصل کی اور جہادِ آزادی میں حصہ لیا ۔ اسی دوران ایک پارسی فیروز گاندھی سے ملاقات ہوئی اور (مخالفت کے باوجود) شادی ہوئی ۔ شادی کے بعد بھون میں جانے کے بجائے جیل میں گئیں ۔ اور پھر ان کی سیاسی شروع ہوئی ۔ نہرو جی کے ساتھ رہ کر ، آزادی کے بعد بیرونی دوروں میں ان کے ہمراہ رہ کر انھوں نے کچھ سیکھا ۔ شاستری جی کی وزارت میں وزیر نشریات رہ کر ، ان کے بعد وزارت عظمیٰ کی کرسی سنبھالی ۔ وزارت عظمیٰ کی کرسی کے لیے ان کا نام گوئنکا (جو پھر ان کا کٹر دشمن بن گیا) نے سجھایا ۔ اور کامراج کی حمایت کے باعث وہ وزیر اعظم بن گئیں ۔

کہتے ہیں اندرا جی اپنی ذاتی زندگی سے نہایت غیر مطمئن تھیں ۔ ایسی عورت میں تکبر یا جھگڑالو فطرت کا ہونا لازمی بات تھی ۔ لہٰذا ۱۹۶۹ء میں کانگریس کے صدارتی امیدوار سنجیوا ریڈی کو ' اپنا گروپ بنا کر ہرا دیا ۔ اور اپوزیشن کے آزاد امیدوار وی وی گری کو کامیاب کرا دیا ۔ اس شرارت کا نتیجہ یہ نکلا کہ کانگریس سے ان کو نکال دیا گیا ۔ انھوں نے اپنی نئی پارٹی بنائی ۔ اور اسی کو اصل کانگریس کہلانے لگی ۔ اس طرح اس تاریخی تنظیم کے انھوں نے دو ٹکڑے کر دیئے جس کے جھنڈے تلے مہاتما گاندھی اور نہرو نے آزادی کی جنگ لڑی تھی ۔

پھر مشرقی پاکستان کے حالات نے انھیں نئے مواقع فراہم کئے ۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے معاملات میں دخل اندازی کی اور نااہل جنرلوں کو شکست فاش دیکر انھیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا ۔ بس پھر کیا تھا راتوں رات وہ سارے ہندوستان کی دیوی بن گئیں

(جن سنگھ کے واجپائی تک نے انھیں "درگا" کہا تھا) اور اس جنگ نے ان کی ڈوبتی (بلکہ ڈوبی ہوئی) نیا بچالی۔ اور اس کے بعد اندرا اور ہندوستان لازم وملزوم بن گئے۔ ۶۶ء سے ۷۷ء تک وزیراعظم رہیں — ۷۷ء کے الکشن میں جے پرکاش نرائن کی جنتا لہر میں بے اقتدار ہوئیں — ۷۸ء میں ایک بار پھر کانگریس توڑی اور اپنی نئی پارٹی بنائی اندرا کانگریس — ۷۹ء میں جنتا پارٹی توڑی اور چرن سنگھ کو وزیراعظم بنایا — چند مہینوں بعد چرن سنگھ کی حکومت توڑی اور پھر ۱۹۸۰ء کے الکشن میں برسراقتدار آئیں اور مرتے دم تک وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز رہیں —۔

یہ تھی ان کی مختصر سوانح حیات —۔

اب آئیے اُن کا دور اور ان کی پالیسیوں کا مطالعہ کریں —۔

۱۹۶۶ء میں جن لوگوں نے انھیں وزیراعظم بنایا، ایک مختصر سے عرصے میں انھیں لوگوں کو انھوں نے دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کردیا — یہ ایک بہت ہی ہمت کا کام تھا۔ کیونکہ کانگریس کے سارے سینئر لیڈران (کامراج، ایس کے پاٹل، نجلنگپا، سنجیوا ریڈی، مرارجی) ایک طرف تھے اور اندرا اکیلی دوسری طرف — البتہ مختصر سے عرصہ میں انھوں نے عوامی اعتماد حاصل کرلیا۔ اس کا موقع انھیں ۷۱ء میں ہاتھ آیا جب پاکستانی فوجیں اپنے ہی وطن کے لوگوں پر ظلم ڈھا رہی تھیں — اور روس کی شہ پر انھوں نے اس ملک میں مداخلت کی۔ پاکستانی فوجیں ہندوستان کی قوی فوجی طاقت کا مقابلہ نہ کرسکیں اور ۱۴ دن کی جنگ کے بعد انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے — بس پھر کیا تھا، سبھوں کی نظر میں وہ دیوی بن گئیں۔ لہٰذا فوراً الکشن میں وہ دو تہائی سے زیادہ سیٹوں سے جیت گئیں — اب وہ ہندوستانی عوام کی نفسیات بھی جان چکی تھیں — وہ جانتی تھیں کہ مذہب کے نام پر یہ ملک تقسیم ہوا ہے۔ لہٰذا عام ہندو کو پاکستان کے خلاف باتیں کرکے مطمئن بلکہ خوش کیا جاسکتا ہے —۔

۶۶ء سے ۷۷ء تک انھوں نے کئی بڑے کارنامے انجام دیئے — صنعتوں اور کارخانوں کی ترقی ہوئی، سائنسی ترقی ہوئی، ایٹمی دھماکہ ہوا — البتہ وہ سب کچھ نہیں ہوا جو وہ کرسکتی تھیں یا قدرت نے ان کو کرنے کی جو صلاحیت دی تھی — اس لیئے اُن کی ساری صلاحیت صرف ہوئی اپوزیشن پر کیچڑ اُچھالنے میں اور ساری عوام کو پاکستان سے ڈرانے میں — ان کو اگر کسی دوسرے کارنامے پر نہ سہی البتہ اس کارنامے پہ نوبل پرائز مل سکتا تھا کہ انھوں نے ساٹھ یا ستّر کروڑ عوام کو ہمیشہ بے وقوف بنا کر رکھا کہ پاکستان حملہ کرنے والا ہے، یا پاکستان ہتھیار جمع کررہا ہے — عام لوگوں پر خصوصاً ہمیشہ اس بات کا ڈر و خوف چھایا رہا — کسی نے یہ نہ سوچا کہ ہندوستان کی فوجی طاقت کے مقابلے میں پاکستان کی حیثیت ہی کیا ہے — اور اگر پاکستان نے کبھی ہم پر حملہ کرنے کی غلطی کی ہے تب منہ کی کھائی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مرتے دم تک وہ یہی راگ الاپتی رہیں، ووٹ حاصل کرتی رہیں اور راج کرتی رہیں۔

ان کو ہر معاملے میں "بیرونی ہاتھ" نظر آتا تھا۔ کوئی فساد ہو یا کوئی حادثہ، ہر معاملے میں بیرونی ہاتھ دکھائی دیتا تھا ان کو — حالانکہ ملک کے کسی بھی معاملے میں بیرونی ہاتھ ملوث ہونے کی صورت میں حکومت کو اپنی نااہلی کی بنا پر مستعفی ہونا چاہیئے تھا۔ مگر وہ علی الاعلان یہ کہتی رہیں کہ ان فسادات میں

ان واقعات میں، ان حادثات میں بیرونی ہاتھ ہے؛ اور ووٹ حاصل کرتی رہیں۔

۷۱ء ہی میں انھوں نے ایک بڑا موثر اور پرکشش نعرہ ملک کو دیا: "غریبی ہٹاؤ"۔ صرف نعرہ! اس پر عمل کبھی نہیں ہوا، اس نعرے کو حقیقت میں بدلنے کے لئے کوئی پروگرام سامنے نہیں آیا، جس کی وجہ غالبًا یہ تھی کہ وہ سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گئی تھیں۔ حکومت چلانے کے لئے، پارٹی کو قائم رکھنے کے لئے اور الکشن لڑنے کے لئے انھیں انھیں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اس لئے ان کی معاشی اور اقتصادی پالیسیوں پر سرمایہ داری نظام کی چھاپ تھی۔ لہٰذا وہ جب برسراقتدار آئی تھیں اس وقت عالمی مارکیٹ میں روپئے کی قیمت ۵۶ پیسے تھی جو ۸۴ء میں گھٹ کر صرف ۱۷ پیسے ہوگئی۔ ۶۶ء میں قومی قرضہ جات صرف ۸۰۰۰ کروڑ روپئے تھے جو ۸۴ء میں بڑھ کر ۴۰۰۰۰ کروڑ ہو گئے بیرونی قرضہ جات ۶۶ء میں صرف ۲۶۰۰ کروڑ روپئے تھے جو ۸۴ء میں بڑھ کر ۱۷۰۰۰ کروڑ روپئے ہو گئے۔ غریب غریب تر ہوتا گیا۔ بھوک مری سے سینکڑوں افراد ہر سال لقمۂ اجل ہوتے رہے اور وہ صرف مسکرا کر یہ کہتی رہیں کہ یہ تو عالمی مسئلہ ہے۔ اور یہ کہ غریبی تو امریکہ میں بھی ہے۔ (یہ اور بات ہے کہ امریکہ میں اس آدمی کو غریب کہتے ہیں جس کے پاس دو کاروں کے بجائے ایک کار ہو۔ اور ہندوستان میں غریبی کی تعریف ہے روٹی، کپڑے اور مکان جیسی بنیادی چیزوں سے محرومی)۔

۷۴ء کے یوپی کے ایک ضمنی الکشن میں ان کے الکشنی مہم کے دوران سرکاری مشنری کا استعمال ہوا تھا، جس پر راج نرائن نے ان پر الٰہ آباد ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا۔ اور وہ مقدمہ جیت گئے۔ جسٹس سنہا نے اندرا جی کو ۶ سال تک کے لئے وزارتِ عظمیٰ سے معطل کر دیا۔ اندرا جی نہیں مانیں۔ اقتدار کے بغیر وہ سوچ ہی نہیں سکتی تھیں۔ اپوزیشن نے ملک گیر تحریک چلانے کا اعلان کیا اور اس سے ایک دن قبل یعنی ۲۵ جون ۷۵ء کو انھوں نے ایمرجنسی کا اعلان کر دیا۔ (ایمرجنسی جیسے اہم فیصلے سے قبل کابینہ کی میٹنگ نہیں لی گئی تھی)۔ سارے اپوزیشن لیڈران گرفتار کئے گئے اور اخبارات کی آواز دبا دی گئی۔ یہ ایمرجنسی بلاشبہ اندرا جی نے اپنا تخت و تاج برقرار رکھنے کے لئے نافذ کی تھی۔ البتہ اس کے ابتدائی دنوں میں چند بڑے کام بھی ہوئے۔ بلیک مارکیٹوں کو دن میں تارے نظر آنے لگے۔ رضاکارانہ طور پر ۱۴ ارب کالا روپیہ لوگوں نے باہر نکالا (حالانکہ صرف بمبئی شہر میں اس کے دس گنا کالا روپیہ موجود تھا، اور پورے ہندوستان میں نہ جانے کتنے کھربوں روپئے تھے)، چند مہینوں تک لوگوں میں ڈسپلن بھی آگئی۔ سرکاری دفتروں میں کام وقت پر ہونے لگا۔ مگر کل مختاری جب انسانوں کے پاس آجاتی ہے تو اس کے شیطان بننے دیر نہیں لگتی۔ لہٰذا چند مہینوں کے بعد چنگیزی شروع ہوئی اور سنجے گاندھی کی تخت نشینی کا سارا کام شروع ہوا۔ ایمرجنسی کا عہد اس لحاظ سے بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس عہد میں ملک کے تقریبًا سارے دانشوروں کی عقل ماری گئی تھی۔ اور ہر کوئی اس کو ملک کا روشن ترین عہد قرار دے رہا تھا۔ مجھے یاد آتا ہے ملک کے ایک مشہور کارٹونسٹ کا کارٹون جس میں اس نے سنجے گاندھی کے بائیں ہاتھ کی انگلی پر پوری دنیا گھومتی بتائی تھی۔ اور ایک مشہور صحافی نے سنجے گاندھی کو ہندوستان کا واحد نجات دہندہ بتایا تھا۔ ونوبا بھاوے نے ایمرجنسی کے معنیٰ بتائے تھے، ڈسپلن۔ ایک فلمی آدمی نے اس عہد پر ایک فلم بنانے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ ایمرجنسی ہٹانے کے بعد ان میں سے چند حضرات نے

پشیمانی کا اظہار کیا۔ اور چندر نے "دانشوری" چھوڑ دی۔ (ہندوستان جیسے غریب اور پس ماندہ ملک کے لئے ایک طویل عرصے کے لئے ایمرجنسی جیسی کسی چیز کی ضرورت ہے مگر یہ کام اندرا گاندھی کے عہد میں نہیں ہونا چاہئے تھا۔)

۷۷ء کے اوائل میں سنجے کی چوکڑی کے کسی فرد نے صلاح دی کہ الکشن کرانے کا یہ موزوں ترین وقت ہے، اور پھر اندرا جی پھنس گئیں۔ الکشن کے اعلان اور ایمرجنسی کی ڈھیل کے ساتھ ہی چاروں طرف سے ان کے خلاف آوازیں بلند ہوئیں اور محاذ تیار ہوئے۔ چار اپوزیشن پارٹیوں (جن سنگھ، کانگریس (او)، سوشلسٹ پارٹی اور بھارتیہ لوک دل) نے ایک ہو کر جنتا پارٹی بنائی اور اس کے ساتھ اندرا جی کی شکست کے آثار نظر آنے لگے۔ کانگریس کے تابوت میں آخری کیل جگ جیون رام نے ٹھونکی۔ حکومت اور پارٹی سے مستعفی ہوئے۔ الکشن ہوا ـــ اور کانگریس ہار گئی۔ ریڈیو اور ٹی وی ماتم کرنے لگے ـــ اندرا جی کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ اندرا جی کی سیٹ کا نتیجہ برآمد ہونے کے باوجود بارہ گھنٹے تک آکاش وانی یا دوردرشن نے یہ بتانے کی ہمت نہیں کی کہ اندرا جی ہار گئیں۔ یہ خبر بی بی سی نے ۵ بجے دی تھی۔ جب کہ آکاش وانی نے دوسری صبح ۹ بجے اس کا اعلان کیا۔ اور وہ بھی ان الفاظ میں: "رائے بریلی سے راج نرائن ۵۵ ہزار ووٹوں سے جیت گئے ہیں"۔ نہ یہ کہ "اندرا جی ۵۵ ہزار ووٹوں سے ہار گئی ہیں"۔

اب شروع ہوتا ہے ان کی زندگی کا سب سے کٹھن اور آزمائشی دور۔ گالیاں، فقرے، الزامات اور تقریباً کمیشنوں کے ذریعے پانچسو سے زائد مقدمے! جنھوں نے کبھی ان کی جوتیاں چاٹی تھیں وہ بھی ان کو صرف گالیاں دے رہے تھے ـــ مگر اس صبر آزما دور میں بھی انھوں نے بڑی ہی ہمت سے کام لیا جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ شاید سیاست چھوڑ دینے کا بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ (مجھے یاد آتا ہے ۷۷ء کے دوران کا ایک واقعہ، جب وہ بے اقتدار ہونے کے بعد پہلی بار بمبئی آئی تھیں۔ ایرپورٹ پر ان کو ریسیو کرنے کے لئے کوئی موجود نہ تھا۔ وہیں پر کوئی رپورٹر بھی کسی کام سے موجود تھا۔ اندرا جی کو دیکھ کر ان سے سوال کیا، اور ان کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اس نے وہ سوال انھیں سے کیا تھا۔ ـــ بعد میں ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ وہ عملی سیاست میں ہرگز ہرگز حصہ نہیں لیں گی۔ سیاست سے باہر رہ کر وہ قومی خدمت انجام دیں گی۔)

۷۸ء میں موقع کو غنیمت جان کر اور اندرا جی کو مقدمات میں پھنسا دیکھ کر ان کے سارے ساتھیوں نے ان کو نظر انداز کر دیا۔ اور سارے فیصلے خود کرنے شروع کئے۔ یہ بات اندرا جی کو نہ بھائی۔ لہٰذا انھوں نے اپنی نئی پارٹی بنائی اندرا کانگریس۔ اب کی بار ان کے ساتھیوں میں بالکل کوئی نہیں تھا۔ مقابل کی کانگریس (آر) یعنی ریڈی کانگریس کہلاتی تھی۔ اندرا جی کی طاقت بڑھنے لگی تو ریڈی اندرا کانگریس میں آئے اور کانگریس (آر) اب کانگریس (ایس) بن گئی یعنی سورن سنگھ کانگریس پھر سورن سنگھ بھی اندرا کانگریس میں شامل ہوئے۔ اب وہ کانگریس بن گئی کانگریس (یو)۔ بچارے "یو" بھگوان کو پیارے ہو گئے۔ ورنہ وہ بھی آئی کو پیارے ہو گئے ہوتے ـــ اب اس کانگریس میں بچے وائی بی چوہان ـــ جو دو سال تک اندرا کانگریس کی ویٹنگ لسٹ پر رہ کر اندرا کی چوکھٹ پر واپس آئے۔

۷۷ء تا ۷۹ء تک جب جنتا پارٹی برسر اقتدار تھی مرار جی، چرن سنگھ اور جگ جیون رام کے درمیان

اقتدار کے لئے مسلسل رسہ کشی ہوتی رہی۔ اس کا فائدہ اندراجی نے اٹھایا۔ چرن سنگھ کو وزارت عظمیٰ کا لالچ دلایا اور جنتا پارٹی توڑ دی۔ اور کانگریس (آئی) کی حمایت سے چرن سنگھ کو ایک دن کا سلطان بنایا۔ اور پھر اپنی پارٹی کی حمایت واپس لے لی۔ چرن سنگھ منہ کے بل گر پڑے۔ سنجیوا ریڈی نے پارلیمنٹ تحلیل کردی۔ اور جس سنجیوا ریڈی کو اندراجی نے صدر بننے نہیں دیا تھا انھوں نے اندراجی کو وزیر اعظم بننے کا موقع فراہم کر دیا۔ اپوزیشن میں سے لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا۔ اور چار و ناچار ایک بار پھر اقتدار ہوئے وزیر اعظم کو پھر لوگوں نے اقتدار بخشا۔

دوبارہ جب وہ برسرِ اقتدار آئیں تو اندرا گاندھی بدل چکی تھیں۔ ان کی پالیسیاں اب سرے سے منفی ہو گئی تھیں۔ خارجہ پالیسی تو خیر ان کی تھی ہی نہیں۔ ان کے لاکھ انکار کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان روس کی ایک نوآبادی بن گیا تھا۔ کئی ایک مثالوں سے یہ بتا سکتا ہوں کہ نہ جانے کتنی مرتبہ روس کی کاشہ پر ہندوستان نے کئی عالمی مسائل پر مجرمانہ خاموشی برتی تھی۔ غریبوں کی بھلائی کے کسی پروگرام کو عمل میں لانے کے بجائے ایشین گیمز کا انعقاد کیا اور اس پر ایک ہزار کروڑ روپئے خرچ کر ڈالے۔ پھر غیر جانبدار ممالک کی کانفرنس اور دولتِ مشترکہ کے سربراہان کی کانفرنس پر کروڑوں روپئے خرچ کرکے اپنا عالمی مقام بنانے کی کوشش کی۔

انھوں نے اپنی ساری انرجی اور وقت اپوزیشن کو نیچا دکھانے میں صرف کیا۔ جمہوری طرز سے منتخب شدہ اپوزیشن کی حکومتوں کو گرانا شروع کیا۔ کرناٹک میں پیسوں کی تھیلیاں کھولیں اور ہیگڑے سرکار کو گرانے کی کوشش کی جس میں ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ پھر کشمیر میں فاروق کی حکومت گرادی۔ اور اسی نشے میں چور ہوکر آندھرا پردیش میں این ٹی راما راؤ کی حکومت گرائی۔ پھر روپیوں کی تجوریاں کھولیں مگر ایک بار پھر ناکامی اور بدنامی ہوئی۔

ایک اور بڑی تبدیلی ان کی پالیسی میں یہ آئی کہ انھوں نے نہرو خاندان کے سیکولرزم کو آر ایس ایس کے ہاتھوں بیچ دیا۔ ۶۶ء سے ۷۷ء تک اگرچہ وہ سو فیصد سیکولر نہیں تھیں البتہ انھوں نے آر ایس ایس سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ایمرجنسی کے دوران سب سے زیادہ ان کا عتاب آر ایس ایس پر ہی نازل ہوا۔ البتہ اب کی مرتبہ اپنی حکومت ٹکانے کے لئے انھوں نے آر ایس ایس سے ہاتھ ملایا۔ ان کو یہ ثابت کرنا تھا کہ سب سے کٹر ہندو لیڈر وہی ہیں۔ لہٰذا تین دن پیشگی خبر ملنے کے باوجود انھوں نے آسام کے تین ہزار معصوم انسانوں کی جان نہیں بچائی۔ حیدرآباد اور اس سے شہر بار بار جلتے اور سلگتے رہے۔ اور پھر حال ہی میں بمبئی، بھیونڈی اور تھانے اُجڑا۔ بمبئی اور بھیونڈی کے مسلمانوں کے قتلِ عام کے تعلق سے یہ نہیں کہتا کہ یہ سب ان کی کاشہ پر ہوا۔ البتہ جب یہ سب ہوا، اس کے بعد انھوں نے سارے مجرموں کو پہچان کر بھی خاموشی برتی۔ یہ سب سے بڑا جرم تھا۔ جو انھوں نے کیا۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ ۸۰ء سے ۸۴ء تک کبھی انھوں نے ہندو راشٹر کے نظریے کی مخالفت کی۔ بلکہ ہندو راشٹر والوں کو انھوں نے بڑھاوا دیا۔ ہندو راشٹر کے نظریے کی تبلیغ اس دور میں جتنی ہوئی اتنی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اور کبھی انھوں نے اس کی دبے الفاظ میں بھی مذمت نہیں کی۔ دہلی کے میونسپل الکشن میں اور جموں کشمیر کے اسمبلی الکشن میں آر ایس ایس والوں نے ان کے لئے کام کیا۔ اور کامیابی سے ہمکنار بھی کیا۔ پاکستان کے تعلق سے بھی اندرا کا رویہ بالا جاب

دہرس کے لئے کافی اطمینان بخش تھا۔ اندرا جی نے یہ جان لیا تھا کہ اقلیتوں کو زک پہنچا کر بھی وہ برسر اقتدار رہ سکتی تھیں۔ ادہر ملک کی اقلیتوں کی طرح ہندوستان کی اقلیتیں بھی مجبور تھیں ۔ اندرا جی نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایسے کھیل کھیلنے شروع کئے جو ان کے حق میں وقتی طور پر فائدہ مند تھے مگر ملک کی سلامتی کے لئے انتہائی نقصان دہ ۔ اپنے اس مرتبہ کے عہد میں سب سے بڑی غلطی انھوں نے یہ کی تھی کہ اس ملک کی انتہائی وفادار قوم (سکھ) کے ساتھ سیاسی کھیل شروع کیا ۔ یہ قوم آزادی کے بعد سے انتہائی وفاداری سے اس ملک کی خدمت انجام دے رہی تھی ۔ خالصتان جیسی چیز سے وہ بالکل واقف نہیں تھے۔ آنند پور ریزولیشن انھوں نے نہیں رکھا تھا۔ امرتسر اور دیگر شہروں کو مقدس قرار دینے کی بات ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ ابتدا میں ان کے مطالبات انتہائی سادہ تھے ۔ مگر اندرا جی کو اس میں فائدہ نظر آیا ۔ ان کو دکھائی دیا کہ سیاست کا کھیل کھیل کر وہ مسئلہ کو سلگتا رکھ سکتی ہیں ۔ اور عوام کا ذہن اہم مسائل سے ہٹا سکتی ہیں ۔ لہٰذا دس سالوں تک انھوں نے پنجاب کے مسئلے کو جان بوجھ کر جلتا ہوا رکھا ۔ جھنڈرانوالے کو بھی کانگریس (آئی) نے جنم دیا تھا ۔ دہشت پسندوں کی سرگرمیاں بڑھتی رہیں ۔ اکالیوں کے مطالبات بڑھتے گئے اور پنجاب لاقانونیت کا گھر بن گیا۔ گولڈن ٹمپل میں ہتھیار جمع ہونے لگے ۔ اندرا جی پھر بھی کھیل توڑتی رہیں ۔ البتہ جب عوامی دباؤ بڑھتا گیا، ہندو راشٹر والوں نے سکھوں کو سبق سکھانے کی ٹھانی تو ۴ جون ۱۹۸۴ء کو گولڈن ٹمپل پر فوجی حملہ کر دیا ۔ اور اس طرح ایک بار پھر فاتح اور ہندوستان کی نجات دہندہ بن گئیں ۔ ہندوؤں کی طرف سے ان کو مبارکبادیاں دی جانے لگیں ۔ کسی نے یہ نہ پوچھا کہ اتنے مہلک ہتھیار حتیٰ کہ ٹینک جب گولڈن ٹمپل میں جمع ہو رہے تھے اس وقت حکومت کیا کر رہی تھی ۔ انٹلی جنس کیا کر رہی تھی ــــــ ۔ ان کی سیاسی زندگی کا سب سے خطرناک کھیل یہی تھا جو انھوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے لئے پنجاب میں کھیلا ــــــ ۔

اور سارے سکھوں کے دلوں پر گویا گولیاں چلیں ــــــ ۔ خالصتان وادیوں کی تعداد اتنی بڑھی کہ دو تین سال تک جس کو دیوانے کا خواب سمجھا جاتا تھا اس کو سکھوں کی تقریباً نصف آبادی کی حمایت حاصل ہوئی۔

ہندو راشٹر والوں کی شہ پر انھوں نے گولڈن ٹمپل پر حملہ تو کر دیا تھا البتہ اب ان کی زندگی کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور بالآخر ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو خالصتان وادیوں کی بن آئی ــــــ ۔ یہ بہت برا ہوا ــــــ ۔ اس لئے کہ ہندوستان کی جمہوریت کو ابھی تک خون کی لذت معلوم نہیں تھی ــــــ اور اب ہندوستان کی جمہوریت کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ اس کے ساتھ اب ہندوستان میں سب کچھ ممکن ہو گیا تھا ۔ مگر ایسا کیوں ہوا ؟

اندرا جی اسی تشدد کا شکار ہو گئیں جو ان کے ذہن کی پیداوار تھا ۔ انھوں نے پنجاب کے مسئلے کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا اور انھوں نے اس قوم سے چھیڑ خانی کی جس کی تاریخ بہادری اور قربانی سے بھری ہوئی ہے ۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کے جو وہ سلوک کرتی آئی ہیں وہی سکھوں کے ساتھ کریں گی ۔ مسلمان ایسی بے حس قوم بن چکی ہے کہ ظلم سہنے کی اسے عادت پڑ گئی ہے (نہ جانے کتنے مرادآباد، بھیونڈی، جلگاؤں، دہلی اور نیلی کے بعد بھی مسلمان چپکے سے ایک دن جا کر کانگریس ہی کو ووٹ دے کر آتے تھے) البتہ سکھ قوم بڑی غیور اور حساس ہے ۔ اس کے ساتھ ہندو راشٹر والوں کے مظالم انھیں کافی مہنگے پڑے ۔ مسلمانوں نے چالیس سال تک ہر ظلم

برداشت کیا۔ البتہ سکھوں نے چار مہینوں (جون میں گولڈن ٹمپل پر حملہ کیا تھا) ہی میں اس ملک کی سب سے بڑی طاقتور سربراہ کو قتل کر دیا ۔۔۔ اور اسکے ساتھ ہی دلی ایک بار پھر اُجڑ گئی ۔ کانگریس (آئی) کی سرکردگی میں سکھوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا اور ان کی بیٹیاں لوٹی اور جلائی گئیں۔ اور سکھ تقریباً سارے ملک میں رفیوجی کیمپوں میں بھرے گئے۔ یہ منظر ۴۷ء کی تقسیم کے منظر سے بالکل ملتا جلتا تھا۔ جب سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمان کیمپوں میں بھر گئے اور دال اور روٹی کیلئے ہاتھ پھیلا رہے تھے

اور اندرا جی کے قتل کے ساتھ ہی نئے وزیر اعظم کیلئے چرچا ہونے لگا اور لوگوں نے دیکھا کہ اندرا جی کی روح بھی کتنی طاقتور ہے اور کانگریس آئی (اور پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ لہذا راجیو گاندھی کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ ویسے اندرا جی نے اپنی حیات میں ہی [illegible] کانگریس (آئی) کے لیڈران کو نامزد کر دیا تھا۔ جو ہندوستانی جمہوریت کے موروثی حکومت بننے پر احتجاج کرتے ۔۔۔ راجیو گاندھی ۱۹۸۰ء تک کانگریس کے معمولی رکن بھی نہیں تھے اور صرف تین سال میں وزارتِ عظمیٰ کے مرتبے تک پہونچے ۔ دراصل اندرا جی کی لیڈر شپ کی کئی خوبیاں تھیں۔ البتہ سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ انھوں نے دوسری لیڈرشپ کو جنم نہیں دیا۔ بلکہ اگر ان کی پارٹی میں کسی نے لیڈر بننے کی کوشش کی اس کو نکال پھینکا جس کے نتیجے آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان کی موت کے بعد کتنا بڑا خلا واقع ہوا جس کو پر کرنے کے لئے ان کی پارٹی میں آج کوئی موجود نہیں ہے۔

اندرا اپنی پارٹی کی ایک عظیم لیڈر تھیں ۔۔۔۔

مگر ۔۔۔ اندرا کبھی گاندھی نہیں بن سکیں ۔ اگر اندرا ، گاندھی جی کے راستے پر چلتیں ، وہ اپوزیشن پر حملے کر کے اپنی انرجی برباد کرنے اور پاکستان سے سبھوں کو ڈرانے کے بجائے اپنی خداداد صلاحیتوں کو سچے دل سے ملک کی ترقی کے لئے استعمال کرتیں ، انگریزوں کی "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی پر نہیں گاندھی جی کے عدم تشدد کی پالیسی پر عمل کرتیں تو اندرا ، گاندھی بن سکتی تھیں اور دنیا کی تاریخ میں امر رہتیں ۔ ان کو برسر اقتدار رہنے کے لئے گاندھین فلسفہ کافی تھا۔ مگر انھوں نے بھیونڈی، مراد آباد، جلگاؤں ، پرسنل لا اور مسلم یونیورسٹی، چھاگلہ، حمید دلوائی اور ایکاتما یگیہ کا سہارا لیا اور تاریخ کے صفحات پر کوئی خاص مقام نہ پا سکیں ۔

اندرا ، نہرو بھی نہیں بن سکیں ۔ نہرو کے قول و فعل میں اتنا تضاد نہیں تھا۔ وہ کسی پارٹی کے نہیں بلکہ ملک کے لیڈر تھے ۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نہرو جی تنقید برداشت کر سکتے تھے۔ اپنے کٹر مخالف سے بھی انھوں نے کبھی دشمنی نہیں رکھی۔ البتہ اندرا جی مخالفت برداشت کر ہی نہیں سکتی تھیں، جس کسی نے ان کی مخالفت کی، اس کے پیچھے پڑ گئیں۔ اگر کسی صحافی نے ان کے خلاف لکھا تو اس کے ہاتھ ہی قلم کرنے کی ٹھانی۔ البتہ بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہونگے کہ نہرو جی ایک فرضی نام (چانکیہ) سے اپنے ہی خلاف اخبارات میں مضامین لکھا کرتے تھے اور اپنی حکومت کی خامیاں لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے (ایک مرتبہ الکشن کے عین موقع پر انھوں نے چانکیہ کے نام سے مضمون لکھا جس کا عنوان تھا "کانگریس کو ووٹ مت دو" اور اس مضمون میں اپنی حکومت کی ساری کمیاں عوام کے سامنے کھول کر رکھ دیں۔ یہ راز کہ چانکیہ کوئی اور نہیں بلکہ جواہر لال نہرو تھے ، ان کی موت کے بعد لوگوں پر کھلا ۔) ۔۔۔ اندرا جی کے تعلق سے سب سے بڑی ٹریجڈی یہی ہے کہ وہ گاندھی یا نہرو نہیں بن سکیں جبکہ اس کی ان میں صلاحیتیں موجود تھیں۔ اس کے باوجود ان کو ہندوستانی مورخ اس لئے یاد رکھے گا کہ تقریباً دو دہائیوں تک ہندوستانی سیاسی منظر پر وہ چھائی رہیں۔ ان کو صرف ایک نظر دیکھنے کے لئے ہزاروں لوگ ٹوٹ پڑتے تھے۔ صرف ان کا نام استعمال کر کے ، ان کا صرف ایک مسکراتا فوٹو دکھا کر نہ جانے کتنے ہزاروں نے الکشن جیتا، لاکھوں ، کروڑوں روپیہ کمایا، منسٹری کمائی، نام کمایا۔ یہ ان کی شخصیت کا کمال تھا۔ وہ عورت تھیں، ہندوستان کی سیاست میں ان کے لئے یہ بھی مثبت نکتہ تھا۔ ان کے انتقال کے ساتھ عورت ذات کو ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا ہے ۔ اندرا جی ہندوستان کے سیاست دانوں میں واحد مرد تھیں۔ ان کی بہادری اور بلند حوصلگی کے باعث وہ ہمیشہ یاد کی جاتی رہیں گی۔ ان کی یاد میں کروڑوں روپئے کے مجسّمے بنانے کے بجائے یونیورسٹی یا کوئی ایوارڈ ان کے نام منسوب کر کے ان کے "غریبی ہٹاؤ" کے نعرے کو حقیقت میں بدلنے کے لئے کوئی پروگرام بنانا ضروری ہے۔ یہی اس عظیم لیڈر کو صحیح خراجِ عقیدت ہوگا ۔۔۔ •

مبارک کاپڑی

IQBAL HUSAIN

(See Details on Page No. 59)

منتخبات القرآن

★ مَا اُحِلَّ لِلْمُسْلِمِیْنَ وَمَا لَا یُحِلُّ

کن چیزوں کا کھانا جائز ہے اور کن چیزوں کا ناجائز

۲۔ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْیَوْمَ یَىِٕسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

(المائدۃ ۳)

مرا ہوا (جانور) اور لہو اور سور کا گوشت اور جو (جانور) خدا کے سوا کسی اور کے لئے نامزد کیا گیا ہو، اور جو گلا گھونٹے سے مرا ہو، اور جو چوٹ سے مرا ہو، اور جو اوپر سے گرنے سے مرا ہو اور جو کسی (جانور) کا سینگ لگ کر مرا ہو یہ سب چیزیں تم پر حرام کر دی گئیں. اور نیز وہ (جانور) جس کو درندوں نے (پھاڑ) کھایا ہو (جس کے مرنے سے پہلے) تم اس کو حلال کر لو (تو وہ حرام نہیں) اور وہ (بھی منع ہے) جو کسی تھان پر (چڑھا کر) ذبح کیا گیا ہو اور یہ (بھی) کہ (اس جیسے کے جانور کا گوشت جوئے کے طور پر) تیروں (کے پانسوں) سے آپس میں تقسیم کیا کرو کہ یہ گناہ (کی بات) ہے۔ (مسلمانو) کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہو گئے (کہ تم پر، اور ان میں اتحاد نہیں ہو سکتا اور وہ تمہاری سخت مخالفت کریں گے) تو ان سے نہ ڈرو ہم ہی سے ڈرو۔ آج ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کیا. اور تمہارے لئے دین اسلام پسند فرمایا۔ پھر جو بھوک سے بیقرار ہو جائے (اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو (اور بمجبوری کوئی حرام چیز کھائے)، تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے.

یہ خصوصی پیش کش جناب ای۔ ایچ شیخ کی جانب سے بطور عطیہ پیش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ

(رحمٰن)

مسز اندرا گاندھی سابق وزیر اعظم ہند ــــ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ ان کی موت سارے ہندوستان کے لئے ایک تڑپا دینے والے المیہ کی صورت میں سامنے آئی۔ وہ طبعی موت نہیں تھی بلکہ ایک وحشیانہ اور بہیمانہ قتل تھا۔

ان کی سولہ سالہ سیاسی زندگی ایک تاریخ ساز زندگی تھی زندگی کے آخری دور میں تو انھوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو نامور لوگوں کا بیاب ترین سیاست انولڈ ہی کا حصہ ہے۔ انٹارکٹیکا (قطب جنوبی) میں ہندوستانی پرچم لہرا دینا، انسنٹ اے اور بی کو خلا میں بھیج دینا، ایشیاڈ کا اس سرزمین پر منعقد کرنا، غیر وابستہ ممالک کی کانفرنس کا اہتمام کرنا۔ اس کا دلکش اور حیرت انگیز انتظام کرنا اور اس کے چیئرمین بننے کا فخر حاصل کرنا، پھر دہشت پسندوں اور ملک کی سالمیت کے دشمنوں کو گولڈن ٹمپل سے نکالنا۔ یہ ان کے آخری اور دورِ سیاست کے غیر فانی اور ابدی کارنامے ہیں۔

مگر ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کا دن بھی کیسا منحوس دن تھا کہ ایسی باوقار اندرا جی جیسی محترمہ اور صاحبہ خاتون وزیر اعظم اپنے ہی گھر میں دہشت پسندوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئیں۔ گولیاں اس طرح برسائی گئیں کہ ایک حرف بھی ان کی زبان سے نہ نکل سکا۔ ایسی موت حسرت کی موت کہلاتی ہے۔

دنیا کا دستور ہے کہ جب خاندان کا کوئی سربراہ پیغامِ اجل کو لبیک کہنے کی تیاری کرتا ہے تو وہ اپنے رشتے داروں، عزیزوں، خویش و اقارب اور دوستوں سے ملاقات کرتا ہے۔ انھیں کچھ نصیحت یا وصیت کرتا ہے۔

پھر داعیِ اجل کے ساتھ دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف چل پڑتا ہے۔ مگر یہاں تو کچھ نہیں ہوا۔ نہ تو اُف بھی نہیں کر سکیں۔ ان کی موت اس طرح واقع ہوئی کہ ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہو سکا۔ ان کی روح قفسِ عنصری سے اس طرح نکلی کہ اس کے پھڑپھڑانے کی آواز خود انھوں نے بھی نہیں سنی۔ انھوں نے ایک جھپک ہی میں گولوں کو دیکھا ہوگا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں موند لی ہوں گی۔ ان کی زندگی کا دفعتہً خاتمہ ہو گیا۔ ان کی دنیوی زندگی ختم ہو گئی۔ اور پھر حرکت شروع ہو گیا۔ وہ اپنے تمام عزیزوں کو چھوڑ کر وہ کہیں ان کی طرف چل پڑیں۔ ان کا جسم تو وہیں خون میں لت پت پڑا تھا۔ مگر وہ نہیں تھیں۔ اندرا اس جسم کا نام نہیں تھا۔ بلکہ اس آتما اور روح کا نام تھا جو اب جسم کے بندِ قفس سے آزاد ہو کر کسی اور دیش کو پرواز کر گئی تھی۔ لوگوں پر ایک سکتہ طاری ہو گیا۔ حیرت آئے اور اب ان کی سیاسی زندگی پر روشنی ڈالنے کے بجائے بھجن کا پاٹھ شروع کر دیا۔ روح کیا ہے اور جسم کیا ہے؟ یہ روح کہاں سے آئی تھی اور کہاں چلی گئی۔ چلتے وقت ان نے نہ پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف دیکھا نہ وگیان بھون کی طرف۔ تری مورتی کی طرف نظر دوڑائی نہ صفدر جنگ مارگ کی طرف۔ آخر یہ روح کیا تھی جس نے اتنی جلد ساری دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں۔ آخر وہ کہاں چلی گئی؟ مجھوں میں اسی فلسفۂ روح و جسم پر روشنی ڈالی جانے لگی۔ اور سچ پوچھئے تو اب انسان کے پاس غور و فکر کیلئے اس کے سوا کچھ رہا بھی نہیں تھا۔ اندرا جی کی موت سے معلوم ہوا کہ زندگی کے ہنگامے تو فانی ہیں۔ ایک ہی ایسی ابدی حقیقت ہے جس پر ہر انسان کو غور کرنا چاہئے۔ اور وہ کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانا ہے؟

رواداری اپنائی جائے گی۔ یکسانیت اور انسانیت پر ایمان رکھتی تھیں۔ مذہب کی آڑ میں زندگی اور تشدد کی پرورش کو گناہ تصور کرتی تھیں۔ اس دیش کے واسیوں سے صرف پیار ہی جس کا ایمان تھا۔

اندرا جی مر چکیں؟ اندرا جی مر چکیں؟ مگر ہماری آتما کی گہرائی اور اس کا نیا پن یہ ماننے کو نہیں مانتا۔ وہ کیوں بضد ہے کہ اندرا زندہ ہے۔

اور وہ سدا زندہ رہے گی۔

ہمارا ضمیر، ہماری آتما آخر کیوں زمانے کے نئے پن کو قبول کرنے سے انحراف کرتی ہے اور آواز دیتی ہے:

اندرا زندہ ہے۔

اندرا امر ہے ......

★

اندرانجلی

شرف کمالی
بمبئی، ملاڈ ویسٹ

جان دے کر دخترِ نہرو نے ثابت کر دیا
وہ کبھی معیار سے نیچے اُتر سکتی نہیں
اس کی عظمت کا نہیں ہے اب تم قاتل کو پتہ
وہ امر ہے موت کے پنجوں سے ڈر سکتی نہیں

حکمرانی اس کی اب دل کی گزرگاہوں میں ہے
سچ تو یہ ہے اب وہ سڑکوں سے گزر سکتی نہیں
مارنے والے سمجھنے سے کوئی جا کر کہے
اندرا گاندھی تو زندہ رہ سکتی ہے مر سکتی نہیں

اب تو دیکھیں گے اسے پھولوں کی رنگینی میں ہم
داستاں اس کی ہے اب اوجِ ہمالہ پر رقم
وہ ابھر کر آئے گی اب تو ہزاروں روپ میں
فکر ہو گی اس کو بھارت واسیوں کی دمبدم

مسکرائے گی وہ لیکن بادلوں کی اوٹ سے
ہو گی اب بھارت کے کھیتوں اور میدانوں میں وہ
سبزۂ نورستہ بن کر ہر طرف چھا جائے گی
تا ابد باقی رہے گی اپنے انسانوں میں وہ

رہنمائی کیا فقط بھارت کی غائب ہو گئی
تیسری دنیا قیادت سے ہوئی محروم اب
اک مجسم چہرۂ عام سے غائب ہو گیا
کون تھی یہ ساری دنیا کو ہوا معلوم اب

اندرا گاندھی تو زندہ رہ سکتی ہے، مر سکتی نہیں

●

TRIBUTS

Sixteen Bullets Sealed India's fate
They wrecked her days of peace & glory,
They killed her beloved Prime Minister
'T was an assassination cold and gory.

Indira Priyadarshini
She was the [illegible] of the masses.
She worked for the uplift of the people
And catered to all creeds and classes.

For sixteen years she bore so well
The brunt of the world's largest democracy,
Yet sixteen bullets ruled otherwise
'T was an act of sheer hypocrisy.

By this sensless act of a misguided few
Another light has been snuffed out,
India is plunged into darkness again
Her glorious future, now in doubt.

We salute you, O India's gallent ambassador
With foreign nations, bounds of peace you tied,
You portrayed India so very rich
That every Indian could raise his chin in pride.

Goodbye, O Worthy daughter of an illustrious father
We will cherish your values and endeavours,
T was cruel that you were silenced by bullets
But your memory in our hearts will linger forever.

—— M.K.

کیا خوب تھیں عورت اندرا جی

دوست محمد شاداب
تناگیروی

تھیں دیش کی عظمت اندرا جی
نہرو کی دولت اندرا جی
سرچشمۂ حکمت اندرا جی
تھیں فخرِ سیاست اندرا جی
تھیں شمعِ نظامت اندرا جی
کیا خوب تھیں عورت اندرا جی

جو سایۂ نہرو میں تھیں پلیں
سانچے میں سیاست کے ہی ڈھلیں
جو امن کی مشعل بن کے جلیں
اب ہو کے امر دنیا سے چلیں
ہر ناری کی عزت اندرا جی
کیا خوب تھیں عورت اندرا جی

چہرہ تھا تدبر کا مسکن
آنکھیں تھیں ذہانت کا مخزن
سر تا پا سیاست کا درپن
کس شان سے پی گئیں ہر دشمن
پیغامِ شہادت اندرا جی

ہر سمت ہے اک آہ و زاری
ہر دل پہ لگی ضرب کاری
ہر آنکھ سے ہیں آنسو جاری
ہر ملک پہ جدائی کا بھاری
تھیں مادرِ بھارت اندرا جی
کیا خوب تھیں عورت اندرا جی

آہ! اندرا گاندھی

— منظور ندیم

آج اک تیر چلا
آج اس ملک کے سینے میں پڑا اک شگاف
آج اک داغ لگا
آج اس ملک کے دامن کی سفیدی پہ سیاہی پھیلی
آج اک شمع بجھی
آج اس ملک کے تابندہ اُجالوں کا بھرم ٹوٹ گیا
آج رنگ اُڑا!
آج اس ملک کے ہنستے ہوئے چہرے پہ اداسی جاگی
آج اک چیخ سی یکلخت فضا میں ابھری
آج اس ملک پہ طاری ہوا ہر سمت عجب سناٹا
آج اک زخم لگا
آج اس ملک میں ہر شخص ہوا مجروح احساس کا بدن
آج اک جان گئی
آج اس ملک میں ہر تن میں سسکتی ہیں کروڑوں جانیں
آج اک درد اٹھا
آج کا درد کئی سال کئی صدیوں تک
سینۂ ہند میں محسوس کیا جائے گا

•

آنسوؤں کے چراغ

جمیل انصاری گونڈوی

اندراؔ کے غم میں اشک بہاتے رہیں گے ہم
پلکوں پہ یہ چراغ جلاتے رہیں گے ہم

اک تیری کیلئے سب کے بجھے مرگِ ناگہاں — تیری جدائی دل پہ ہوئی ہے بہت گراں
یوں تو جہاں میں اور بھی ہیں غم کے رازداں — لیکن نہ مٹ سکے گا اے اندرا تیرا نشاں

کچھ پھول حسرتوں کے پہ چڑھاتے رہیں گے ہم
پلکوں پہ یہ چراغ جلاتے رہیں گے ہم

تو جیسے گل کی طرح پریشان ہو گئی تھی — ہر آنے والے دور کا تا دار ہی تو تھی
کوشش تری جہاں کے لئے جان ہی تو تھی — تو موسمِ بہار پہ احسان ہی تو تھی

گُن تیرا سازِ شوق پہ گاتے رہیں گے ہم
پلکوں پہ یہ چراغ جلاتے رہیں گے ہم

سعی و عمل کی دل کو رمق دے رہی ہے تو — قوموں کو زندگی کا سبق دے گئی ہے تو
سارے جہاں کا امن پہ تعلیم دے گئی ہے تو — یہ کم نہیں کہ جینے کا حق دے گئی ہے تو

کلیوں کو اپنا خون پلاتے رہیں گے ہم
پلکوں پہ یہ چراغ جلاتے رہیں گے ہم

اس کو ڈرا رہا ہے عبث زورِ انتشار — چھلکی ہے جس کے جام سے سرمستیٔ بہار
دیکھیں گے توڑ کر یہ طلسماتِ روزگار — نعرہ لگا کے صلح و محبت کا بار بار

سوتے ہوئے دلوں کو جگاتے رہیں گے ہم
پلکوں پہ یہ چراغ جلاتے رہیں گے ہم

یوں تو خزاں کے پھول کی طرح ہیں ملے دلے — لیکن جنونِ وطن کا جب آیا اُٹھے چلے
اس راہ میں چراغ تعصب کا کیا جلے — ہم بھی رہے ہیں غم کی گھنی چھاؤں کے تلے

آہوں سے اپنی آگ لگاتے رہیں گے ہم
پلکوں پہ یہ چراغ جلاتے رہیں گے ہم

اے آسمانِ قوم کی نیّر تجھے سلام — اے بختِ زندگی کی سکندر تجھے سلام
اے باغِ آرزو کی گلِ تر تجھے سلام — اے صلح و آشتی کی پیمبر تجھے سلام

پیغام اے جمیلؔ سناتے رہیں گے ہم
پلکوں پہ یہ چراغ جلاتے رہیں گے ہم

بھارت کی بیٹی

اندرا گاندھی

قاضی فراز احمد

صداقت کا چہرہ حیا کا لباس
شرافت کا آنچل ذہانت کا طاس

وہ ممتا کا درپن وہ آشا کا روپ
وہ دریائے دل اور محبت کی پیاس

الم کا سمندر مسائل کی ناؤ
امیدیں تھیں پتوار ساحل تھی آس

نئی دہشتوں کا تشدد کا ناگ
بہت دیر دیکھا اُسے بے ہراس

فرازؔ آج بھارت کی بیٹی کا خون
وطن کی زمیں پی کے ہو گی اداس

کھلا سچ

"وہی قومیں ترقی کرتی ہیں جو اپنا محاسبہ کرنا جانتی ہیں"

شمس کنول

سرفروشی کی تمنا!

حق پرست کے سامنے تلوار کھینچ کر کھڑے ہو جانا بہادری نہیں ہے، بلکہ حب وطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر نہتا ہونے کے باوجود سینہ سپر ہو جانا بہادری ہے۔ اندرا جی سچ مچ بہادر تھیں۔

اس سلسلے میں ڈوموی کی بھیڑیں چرانے والی اس کنواری لڑکی کی بہادری بھی یاد آتی ہے جو اپنے ہی ہم وطنوں کی غداری کے نتیجے میں شہید ہو گئی مگر اپنے وطن عزیز فرانس کو ایک بھاری شکست سے بچا گئی۔ وہ جون آف آرک تھی!

دراصل ہر جدت، ہر انفرادیت اور ہر نئے پن میں بہادری چھپی ہوتی ہے۔ ذرا اپنے تصور کی آنکھ سے مریم کے بیٹے کو دیکھئے کہ بھاری صلیب شانے پر ہے، کبھی گرتا ہے کبھی سنبھلتا ہے، بچے پتھر مارتے ہیں، بڑے تھوکتے ہیں، زخمی ہے، لہولہان ہے، ستم زدہ ہے، مجبور و لاچار ہے۔ مگر اس مرد حق کا دل نہ مجبور ہے اور نہ کسی کے سامنے سرنگوں ہے۔ اس لئے کہ وہ بہادر تھا۔ اس نے اپنے خون کے چراغ سے کروڑوں کروڑوں انسانوں کے دل و دماغ کو روشنی بخشی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر عہد میں مسیح کو اپنی قوم کی فلاح کی خاطر صلیب پر چڑھنا پڑتا ہے!

بہادر بزدل کا برتن نہیں ہوتا جو دیکھتے دیکھتے گرم ہو جائے اور ٹھنڈا بھی۔ ذرا صوفی شمس تبریز کو یاد کیجئے۔ ملادان بادشاہ نے تبریز کی انسان دوستی کو کفر جانا اور اس کو قوم دشمن قرار دیا۔ حکم ہوا کہ تبریز کی کھال کھینچ لی جائے۔ تبریز کی پیشانی پر شکن بھی نہ آئی۔ اس سے پہلے کہ جلاد آگے بڑھتے تبریز نے مسکراتے ہوئے اپنے جسم سے اپنی کھال اتاری جیسے کوئی اپنے جسم سے اپنا پیراہن اتارے۔ اور اپنی وہ کھال تبریز نے بادشاہ کی نذر کر دی اور اپنی غزل کا یہ شعر گنگناتے ہوئے دربار سے نکل گئے۔ بھیک مانگنے تیرے در پر آیا ہے۔ اے شاہ دل! کچھ اس کو دے دے! یعنی جان لینے والا بھکاری ہوتا ہے اور جان دینے والا شاہ!

بھگوان بدھ نے ایک شکاری کو ایک معصوم ہرنی کو شکار کرتے ہوئے دیکھا تو خود کو اس کے آگے کر دیا۔ یعنی ہرنی بچ جائے چاہے وہ خود ختم ہو جائیں۔ سچے ویر کی یہی پہچان ہے کہ وقت پڑنے پر وہ اپنے ملک کے لئے ڈھال بن جاتا ہے!

بہادر کا ذہن موسم کے ساتھ نہیں بدلتا۔ محلوں میں رہنے والی میرا کو اپنے نا سمجھ جی کے حکم سے زہر کا پیالا پینا پڑا۔ مگر زہر بھی میرا کی بھگتی تحریک کا رخ نہ موڑ سکا!

اندرا جی بھی زمانے کے سرد و گرم سے متاثر نہیں ہوتی تھیں۔ گرم ہو چاہے یا سرد ماں کے درجہ حرارت میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ وہ اپنے ملک کی سالمیت، ایکتا اور بقا کو برقرار رکھنے کیلئے پیدا ہوئی تھیں [illegible] اپنی شہادت سے

تقریباً ہر موضوع کسی پرچۂ امتحان کا سوال معلوم ہوتا ہے۔
ابتدا سے آج تک یہی صورت جاری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اردو زبان جاگیردارانہ نظام کی پیداوار ہے اور آج وہ معاشرہ روبہ زوال ہے۔ اور ایسے زوال پذیر معاشرے میں طنز و مزاح اور پھکڑپن ہی جنم لیا کرتا ہے۔ چنانچہ آج کا اردو دانشور جب کسی سیمینار کے اسٹیج پر آتا ہے تو انیس یا اقبال کی شاعری کو اپنا موضوع بناتا ہے اور جب تفریحی موڈ میں ہوتا ہے تو طنز آمیز لطیفے سناتا ہے۔ اور یہ دونوں رخ آج کے مسائل سے فرار کی غمازی کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جاگیردارانہ معاشرے کے آثار ابھی باقی ہیں لیکن ہم کمپیوٹر عہد میں رہ رہے ہیں اور خلائی عہد ہمارے سامنے ہے۔ پھر ہم آج کے معاملات سے دلچسپی کیوں نہیں لیتے؟ حیرت ہے کہ آج کا انگریزی پڑھا لکھا نوجوان بھی اپنے بزرگ مولوی ملاؤں کی طرح انہی موضوعات سے دلچسپی لیتا ہے جو راہ فرار اختیار کرنے میں اسے مدد دیتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ انسان سے غلطیاں تو ہو ہی جاتی ہیں۔ یہ کوئی غیر فطری بات نہیں ہے مگر اس کی غلطیاں اس کے ساتھ ساتھ جب دوسروں پر منفی اثر انداز ہونے لگیں تو تشویشناک ہوتی ہیں۔ اپنے آئینہ خانوں میں اپنے یا دوسروں کے عکس دیکھنے والے اپنی آئندہ نسلوں کی سوچ و فکر کو بری طرح متاثر کر رہے ہیں۔ انہیں نئی راہ پر سوچنے اور آج کی زندگی کے مسائل حل کرنے سے روک رہے ہیں۔

بمبئی دوردرشن کے پروگرام اس لئے بھی دلچسپ نہیں ہوتے کہ وہ وقت کے تقاضے کو پورا نہیں کرتے۔ وہ نہ آپ بیتی پیش کرتے ہیں اور نہ جگ بیتی۔ وہ تو اس فرسودگی کا ذکر کرتے ہیں جو اس دنیا سے جا چکی ہے ــــ حال سے کٹی ہوئی بات دل لگی ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے کبھی خلیل جبران نے کہا تھا کہ مسائل آمیز غم جب بات کرتا ہے تو لطائف آمیز گفتگو سے زیادہ شیریں ہوتا ہے!

کہتے ہیں زندگی بھگوان کی دین ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے۔ اسے ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ ہماری سرکار نے بھی ریڈیو اور ٹی وی کے سلسلے میں ہماری زبان اردو کو بھی تھوڑا سا وقت بخش کر حاتم طائی ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ سرکار سے تیل بلا پنے ہی میں سبھی کے مصداق ہمیں چاہئے کہ ہم اسے آج کے افسانے کے نام پر ضائع نہ کریں بلکہ آج کے اپنے جو حقیقی مسائل ہیں ان کو حل کرنے میں اسے کام میں لائیں۔

زمین اگر بالکل ہی بنجر ہوتی اور اس میں کچھ بھی نہ اُگ پاتا تو صبر تھا لیکن ایسا نہیں ہے، پودا درخت بنتا ہے مگر پھل نہیں دیتا، نتیجے میں محرومی کا شدید احساس ہوتا ہے ــــ اردو زبان کو ریڈیو اور ٹی وی پر مواقع ملتے ہیں لیکن وہ تمام مواقع شعر و شاعری کی بھینٹ چڑھا دیئے جاتے ہیں اور مسلم معاشرہ سر پیٹتا رہ جاتا ہے۔ مختصر طور پر عرض ہے کہ قرآن پاک کی رو سے شعر و شاعری علم کی ضد ہے۔ آج کے مسلم معاشرے کے کتنے ہی مسائل ہیں جن کو ٹی وی کے پردے پر لا کر ہر کسی کو غور و فکر کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ مسلم لڑکیوں کی تعلیم، جہیز، اور تلک (نقد جہیز) کا مسئلہ، غریب مسلمان لڑکیاں اور عرب کے عیاش امیر، متوسط طبقے کے مسلم گھرانوں کی نمائشی زندگی، الیکٹرانک ساز و سامان پر مسلم عوام کی فریفتگی، اردو زبان میں اصلاحی کتابوں کا فقدان، نفسیات، جنسیات، سائنس اور آج کی ٹیکنالوجی سے مسلمانوں کی عدم دلچسپی وغیرہ وغیرہ کتنے ہی ایسے موضوع ہیں جن کو ٹی وی کے پردے پر پیش کیا جانا چاہئے۔

اردو والوں کو جاننا چاہئے کہ آج کا دور ویڈیو کا دور ہے الفاظ تصویروں میں ڈھل ڈھل کر متحرک ہو رہے ہیں۔ اردو والے اس تحریک کو محض ٹیلی ویژن کا دور سمجھنے کی بھول نہ کریں بلکہ بلکہ یہ ہندوستانی معاشرے کی ذہنی تڑپ ہے جو تبدیلی لانے کے لئے بے چین ہے!

●

حمد

ساغر ملک

مالکِ انس و جاں، خالقِ دو جہاں، فرش سے عرش تک تو ہی جلوہ نما
تیری وحدانیت، تیری حقانیت، سارا عالم ہے آئینہ خانہ ترا

تیری مرضی کے تابع زمیں آسماں، زیست اور موت پر ہے ترا اختیار
اُس کو دنیاوی طاقت کا کیا خوف ہو، جس پہ ہو جائے تیرا کرم اے خدا

ایک جن و بشر ہی کیا بات ہے، ذرہ ذرہ یہاں تیرا محکوم ہے
سب کا حاکم ہے تو، تو ہی مختارِ کل، تیری مرضی پہ ہے آخری فیصلہ

سب کا خالق ہے تو، سب کا رازق ہے تو، چھوڑ کر تیرا در، کوئی جائے کدھر
تیرا در کتنا ذی شان ہے اے خدا، جس نے مانگا یہیں اس کو بھی مل گیا

دُور منزل ہے اور مرحلہ سخت ہے، پھر بھی ساغر ملک کا یہ ایمان ہے
ہر مصیبت سے چھٹکارا اُس کو ملا، نام تیرا مصیبت میں جس نے لیا

نعت

منظر باغی نڈلوی

نہ مرنے اور نہ جینے کی بات کرتے ہیں
ہمیشہ ہم تو مدینے کی بات کرتے ہیں

بہارِ خُلد کی خوشبو سے کیا ہمیں مطلب
کہ ہم نبیؐ کے پسینے کی بات کرتے ہیں!

جلائے جائیں گے محشر میں نارِ دوزخ میں
نبیؐ سے جو کوئی کینے کی بات کرتے ہیں

زباں ہماری محمدؐ کا ذکر کرتی ہے
قرینے والے قرینے کی بات کرتے ہیں

قسم خُدا کی شرابِ محمدیؐ منظر
جو پینے والے ہیں پینے کی بات کرتے ہیں

دسمبر ۸۳ء

منقبت

پرویز باغی

ملے تمہارا مجھے آسرا غریب نواز
یہ ہے تمنا، یہ ہے مدعا غریب نواز

تم اپنے در سے نہ لوٹاؤ خالی ہاتھ مجھے
کہ تم ہو پیکرِ جود و سخا غریب نواز

میں پھنس گیا ہوں عجب الجھنوں کے جنگل میں
مجھے دکھا دو کوئی راستا غریب نواز

تمہاری نظرِ کرم سے مجھے زبان ملے
یہاں میں برسوں سے ہوں بے نوا غریب نواز

بپھر رہا ہے سمندر، مگر ڈروں کیوں میں
بنا لیا ہے تمہیں ناخدا غریب نواز

تمہارے فیض سے پرویز آج سب کچھ ہے
یہ بات سچ ہے وہ کچھ بھی نہ تھا غریب نواز

الیکشن

عبدالغنی عثمان پاؤسکر

اندازہ ہے کہ سالِ رواں کے آخر یا سالِ نو کے ابتدا میں ہمارے یہاں لوک سبھا کے چناؤ کرائے جائیں گے۔ جمہوری طرزِ حکومت میں چناؤ، الیکشن یا انتخابات کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ الیکشن ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے عوام کی طاقت اپنے پسند کا نمائندہ منتخب کرتی ہے اور اپنی پسند کی حکومت تشکیل دیتی ہے۔ ایک عام آدمی اسکول اور کالج کے دور ہی سے الیکشن سے متعارف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان تعلیمی اداروں میں بھی الیکشن کے ذریعہ اسکول پارلیمنٹ یا کالج کی کئی کمیٹیوں کے لئے ممبران یا سربراہوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ ویسے گاؤں میں گرام پنچایت، ضلع پریشد، شہروں میں میونسپلٹی کے انتخابات بھی عوام کو الیکشن کی مشق کرواتے رہتے ہیں اور جب کبھی صوبائی یا مرکزی حکومتوں کے لئے چناؤ ہوتے ہیں تو ماہ دو ماہ اور خصوصاً الیکشن کے آخر کے دو ہفتوں میں اتنی ریل پیل چہل پہل۔ جلسے جلوس، اخبارات میں رنگ برنگی سرخیاں، نت نئے سیاسی مضامین، سیاسی اشتہارات، شہر کے در و دیوار پر رنگ برنگی پوسٹرز، ہوا میں لہلہاتے امیدواروں اور سیاسی جماعتوں کے بینرز اور رات گئے تک ایسا شور و غل ہوتا ہے کہ الکشن، الیکشن نہیں بلکہ ایک عجیب و غریب موسم لگتا ہے۔

یوں تو سیاسی جماعتیں، سیاستدان، سیاسی و سماجی کارکن، اخبارات و رسائل اپنے اپنے طور پر بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ عوام الیکشن اور اس کی اہمیت کو جان جائیں اور ان کے اپنے ہی پسند کے امیدوار کے حق میں ووٹ دیں۔ عوام بھی اپنے طور پر بھرپور کوشش کرتی ہے۔ اور بلند ترین عمارتوں کے مکینوں سے لے کر جھونپڑی میں رہنے والا بھی الیکشن اور امیدوار سے متعلق جہاں کہیں موقع ملے، وقت ملے بحث و مباحثہ کے لئے وقت مخصوص نہیں کرتا۔ کسی بحث کا موضوع نئے پرمٹ، نئے ٹھیکے اور لائسنس کے ارد گرد ہوتا ہے تو کسی کا جھونپڑ پٹی تک روشنی کا انتظام یا پانی کے مسئلہ کا ہوتا ہے۔ بہرحال الیکشن گرگراہٹ اور گرج کے ساتھ آتا ہے اور آہستگی سے گزر جاتا ہے کہ پھر پانچ سال کے لئے چھٹی ہو جاتی ہے۔

الیکشن کے اس ہنگامہ آرائی پر ملک کے کروڑوں روپئے صرف ہو جاتے ہیں۔ لیکن رہ رہ کر ایک سوال اٹھتا ہے کہ کیا عوام صحیح اور ایماندارانہ طور پر اپنے ووٹ کا استعمال کرتے ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟ اور اس کی اصلاح ممکن ہے یا نہیں؟

جمہوری طرزِ حکومت میں ووٹ ایک ایسی قوت ہے جو بنا کسی چوں و چرا کے کسی بھی سیاسی جماعت کو برسرِ اقتدار لا سکتا ہے یا برسرِ اقتدار جماعت کے شکست و زوال کا باعث بن سکتا ہے۔ اور اس بیش بہا قوت پر عوام کا قبضہ ہوتا ہے۔ اگر عوام سوجھ بوجھ کے ساتھ بغیر کسی خوف و لالچ کے یا طرفداری کی پرواہ کئے بغیر ایماندارانہ طور پر ووٹ کے فرض کو ادا کریں تو کامیاب ہونے والا امیدوار اور جماعتیں

کامیاب نمائندگی کی ضمانت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں ان کے دوبارہ منتخب ہونے کے مواقع محدود ہی نہیں بلکہ مشکل بھی ہوسکتے ہیں۔

ہندوستانی سیاسی میدان بے شمار سیاست دان، سیاسی ورکرز اور سیاسی جماعتوں سے اٹا پڑا ہے، اور ان کی سرگرمیوں کے پس پردہ ملک اور عوام کی فلاح و بہبودی سے زیادہ ان کا اپنا ذاتی مفاد اور اپنی بقا کا مسئلہ اہم ہوتا ہے۔ صحیح اور ایماندارانہ سیاست کو اپنانا ایک مشکل کام ہے۔ کیونکہ صحیح اور ایماندارانہ سیاست قربانی چاہتی ہے، اور آج کا سیاست دان قربان ہونا نہیں چاہتا۔ بلکہ دوسروں کی قربانیوں پر اپنی آسودگی اور عیش و عشرت کے سامان پیدا کرتا ہے۔

ووٹ عوام کے ہاتھ ایک مضبوط ترین ہتھیار ہے، جو جمہوریت کی محافظت کا کردار بخوبی انجام دینے کی قوت رکھتا ہے۔ لیکن اگر اس ہتھیار کا عوام صحیح اور ایماندارانہ استعمال نہ کریں تو اس کی قوت صفر کے برابر ہے۔ ووٹ دینا ہمارا حق ہے۔ اور اس کے استعمال میں کوتاہی سے ملک کا مفاد اور عوامی ترقی خطرات سے دوچار ہوسکتی ہے۔ اس فرض کی ادائیگی اس وقت تک کامل اور بامعنی نہیں ہوسکتی جب تک اسے صحیح اور ایماندارانہ طور پر ادا نہ کیا جائے۔

مجموعی طور پر عوام کس حد تک صحیح اور ایماندارانہ طور پر ووٹ دیتی ہے یا اسے دینے کے مواقع حاصل ہیں اس کا اندازہ ہر ایک کو ہے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ امیدواروں کو الکشن کے میدان میں کھڑے رہنے کا فرض سیاسی جماعتیں ادا کرتی ہیں۔ اور سیاست میں آج جن لوگوں کی بھرمار ہے وہ جمہوریت کو کامیاب اور بامعنی کرنے کی اہلیت سے کوسوں دور ہیں۔ ان کی ذمہ داریاں صرف نعرہ بازی اور سودے بازی تک محدود ہیں۔ لہٰذا ہمارے سامنے بہت ہی کم معیاری امیدوار آتے ہیں۔ اور جو آتے ہیں ان میں سے کسی ایک کو کامیاب کرنے کی ذمہ داری ہمارے سر ہوتی ہے۔

باشندگان کوکن کا تعلق کافی پس ماندہ علاقہ سے ہے۔ جہاں کی اکثریت آج بھی غیر تعلیم یافتہ ہے۔ اور جو بھی تعداد تعلیم یافتہ ہے ان کی تعلیم کا مقصد ذریعۂ معاش میں برتری حاصل کرنا ہے۔ کوکن دیگر شعبوں کی طرح سیاست میں بھی غیر ترقی یافتہ ہے۔ لہٰذا سیاست کے پیچ و خم ہمارے لئے معمہ سے کم نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ الکشن آتا ہے اور آکر چلا جاتا ہے۔ ووٹ دینے والے ووٹ دیتے ہیں اور جو جیتنے والا ہوتا ہے وہی جیت جاتا ہے۔ اور اس کا رد عمل یہ ہے کہ کوکن جہاں برسوں پہلے تھا اب بھی وہیں ہے۔ کبھی اس کا ووٹ تو کبھی اس کا ووٹ۔ اور شاید یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ اور جو ہمارے اور خوش حال زندگی کے درمیان عمیق خلیج پیدا کرتا جائے گا۔ جس کو پھلانگنا یا پر کرنا ایک مشکل ترین مرحلہ ہوگا۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ ہم آنکھیں بند کرنے کے بجائے کھول کر اپنے ووٹ کا استعمال کریں تاکہ سیاست دان اور ان کی جماعتوں کو یہ احساس ہو جائے کہ ہمارے ووٹ میں بھی قوت ہے۔

پہلے ہی یہ بات صاف ہوچکی ہے کہ جو بھی امیدوار میدان میں آئیں ان میں سے کسی ایک کو ہی ووٹ دینا چاہئے۔ ہم میں سے ہر ایک یہ کوشش کرے کہ ماضی میں ہم نے جس جماعت اور اس کے امیدوار کو ووٹ دیا تھا اس کا تجزیہ کریں کہ اس نے جو وعدے کئے تھے، جس خاموشی کے ساتھ ہمارے شکوے و شکایات کو سن کر انھیں حل کرنے کا عزم کیا تھا۔ ہماری مصیبتوں اور مشکلات میں ساتھ دینے کا

وعدہ کیا تھا اور جو پروگرام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے وہ
میدان میں آئے تھا۔ الیکشن جیتنے کے بعد کس حد تک
وہ ہمارے معیار پر پورا اترا۔ اس کے جیتنے سے عوام اور ملک
کو کیا فائدہ پہنچا یا کتنے نقصان سے اس نے بچانے میں
سرگرمی دکھائی۔ جیت کر آنے کے بعد اس میں کون سی اور
کس طرح کی تبدیلیاں آئیں۔ اور ان تبدیلیوں کی بنا پر اس کے
اور عوام کے درمیان تعلقات بڑھ گئے یا کم ہو گئے۔ یہ تجزیہ
اتنا آسان نہیں۔ لہٰذا انفرادی طور پر نہیں تو ہم مجموعی
طور پر تجزیہ کرنے کی سعی کریں اور اس کے بعد ہی اس کو ووٹ
دینا ہے یا نہیں طے کریں۔

سیاسی نعرہ بازی، سیاسی وعدوں یا عین الیکشن
کے وقت امیدوار یا سیاسی جماعتیں جو کام عوام کے
مفاد کے لئے کرتی ہیں اس کو زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہئے
کیونکہ یہ ایک طرح کی سیاسی "رشوت" ہے۔ لہٰذا اگر
کسی دوسری جماعت یا نئے امیدوار کو ووٹ دینا ہے تو
نہایت باریکی، سنجیدگی کے ساتھ اس جماعت اور ان کے
امیدوار کی تعلیمی قابلیت، اخلاقی معیار، سیاسی اصلیت
اور سیاست میں کودنے سے پہلے کے ریکارڈ کا مطالعہ
کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تعلیم یافتہ ہو لیکن ساتھ
ساتھ سیاست میں مہارت یا انداز فکر سیاسی ہونا بھی
لازمی ہے۔ عوام کی خدمت کا جوش، ولولہ اور پریشان کن
حالات سے نپٹنے کا مادہ بھی ہونا چاہئے۔ کیونکہ آج کی سیاست
کے نشیب و فراز ایک ہی وقت میں مختلف زاویہ سے موسم بہ موسم
بدلتے رہتے ہیں۔ اگر نیا امیدوار پچھلے الیکشن والے امیدوار
سے بہتر ہو تو نئے امیدواروں کو، نئے خون کو اور نوجوانوں
کی ہمت افزائی کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

ہمارے سامنے ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ
اکثر اوقات سیاسی جماعت اچھی ہوتی ہے مگر اس کا
امیدوار اچھا نہیں ہوتا۔ یا یوں بھی ہوتا ہے کہ امیدوار
معیاری اور ہر لحاظ سے ووٹ پانے کا مستحق ہوتا ہے
لیکن وابستہ جماعت ہمارے معیار پر نہیں اترتی۔ یا
ان کا رویہ کسی خاص قوم و ملت یا علاقہ سے اچھا نہیں
ہوتا۔ ہر امیدوار اپنی جماعت اور اس کے نصب العین
کے تحت کام کرتا ہے۔ اور ہر صورت میں جماعت کے
قواعد کی پابندی کرنی ہوتی ہے۔ ان حالات کو مدنظر
رکھتے ہوئے امیدوار معیاری ہونے کے باوجود ایک
خاص فرقہ، جماعت، قوم یا علاقہ کے لوگ اس امیدوار
کو ووٹ نہیں دے پاتے۔ اس کے برخلاف اس امیدوار
کو ووٹ دیا جاتا ہے جو اس کا اہل نہیں ہوتا۔ ان حالات
میں ہمیں اپنی خفگی ظاہر کرنے کا پورا حق ہے اور ہماری
یہ کوشش اس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب ہم
اس جماعت پر یہ ظاہر کر دیں کہ اچھا امیدوار ہونے کی
صورت میں آپ کی جماعت ہمارا ووٹ حاصل کر پائے گی۔
دوسری طرف اس کا یہ اثر بھی ہو جاتا ہے کہ جو جماعت
ہمارے مفاد یا ہماری فلاح و بہبودی کے لئے سرگرمی نہیں
دکھاتی اُن میں کسی حد تک لچک پیدا ہو جاتی ہے۔
اور ان پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ بے وجہ کسی قوم یا علاقہ سے
بیر رکھ کر جمہوریت میں اپنی ساکھ بنائے رکھنا مشکل
مرحلہ ہے۔

الیکشن کے وقت دیہات ہو یا شہر ہر جگہ
وقتی سوشل ورکرز اور ہر جماعت کے طرفدار پیدا ہو جاتے
ہیں۔ اور ان کا "دلالی" کا کاروبار شباب پر آجاتا ہے۔
ہمیں ان لوگوں سے دور رہنا چاہئے۔ کیونکہ الیکشن اور
ووٹوں کی آڑ میں وہ لاکھوں روپیہ کما بیٹھتے ہیں۔ ہر گاؤں

...ہیں گی مکان یا گئی ایسے حضرات ہوں گے جن کا تعلق یا جن کے
گھر سیاست دانوں کا آنا جانا ہوگا۔ اور اس بل بوتے پر
ایسے حضرات گاؤں والوں کو اپنے پسند کے امیدوار کو ووٹ
دینے پر رضامند کر لیتے ہیں۔ ہماری خواتین کی اکثریت ان کے
بہکاوے میں آجاتی ہے اور اندھادھند اپنے ووٹ کا
غلط استعمال کرتی ہے۔ ہمیں ایسے حضرات کے بہکاوے
میں نہیں آنا چاہئے۔ اور اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرنا چاہئے کہ
ایسے حضرات اور سیاست دان ان سے ناراض ہو جائیں گے۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ اصولاً کون کس کو ووٹ دیتا
ہے اس کا پتہ کسی کو نہیں چل سکتا۔ ووٹ دیتے وقت
ووٹ دینے والا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی خوف و ہراس کے
بغیر صحیح اور ایماندارانہ طور پر ہمیں اپنے ووٹ دینے کے حق اور
فرض کو ادا کرنا چاہئے۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ تعداد میں آکر
ووٹ دینا چاہئے تاکہ صحیح امیدوار کو کثرت سے ووٹ ملیں۔
ووٹ ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اور
ہمیں اس سے کترانا نہیں چاہئے۔ آپ کے ووٹ نہ دینے کی
صورت میں بھی ایک غیر معیاری اور نااہل امیدوار کے
جیتنے کا امکان ہے۔

باشندگانِ کوکن کے لئے یہ اور بھی ضروری ہو جاتا
ہے کہ وہ ووٹ کی اہمیت کا مطالعہ کریں۔ امیدوار اور
اس کی جماعت کا تجزیہ کریں۔ وقتی [illegible] اور
سیاسی کارکنوں کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ الیکشن سے قبل
گذرے پانچ سیاسی سالوں کا مطالعہ کریں۔ باریکی
سے ہر پہلو کا جائزہ لیں اور تجزیہ کے نتائج کو سامنے رکھنے کے
بعد امیدوار اور جماعت کو اپنے ووٹوں کا حقدار سمجھیں۔ کوئی بھی
قوم باشندہ سیاسی شعور کے بغیر ہر وہ گروہ اپنے حقوق کی حفاظت نہیں
کر سکتا۔

اظہارِ حقیقت

ابراہیم خان طالب

ہواؤں کے رُخ اب بدلنے لگے ہیں
بہاروں میں کانٹے نکلنے لگے ہیں

سرِ انسانیت کا کچلنے لگے ہیں
وہ طاقت کے بل پر اُچھلنے لگے ہیں

تماشائے اہلِ سیاست نہ پوچھو
درم کیلئے دل بدلنے لگے ہیں

ہیں وعدہ فراموش لیڈر ہمارے
الکشن جو آیا اُچھلنے لگے ہیں

کرشمہ ہے سائنس، جگ میں خدا کا
کہ دل آدمی کا بدلنے لگے ہیں

نہ تھا ہوش اتنا لڑکپن میں اُن کو
جواں جب ہوئے تو سنبھلنے لگے ہیں

دھرے ہاتھ پر ہاتھ بیٹھے ہو طالب
جو پیچھے تھے آگے نکلنے لگے ہیں

اور یہ اپنے یورپین شاگردوں کو قطب جنوبی و شمالی اور امریکہ کے حالات بتا رہے ہیں جنھیں سن کر طلباء متعجب ہو رہے ہیں (چند صدیوں کے بعد۔ انھیں کشوف کی بنا پر کولمبس امریکہ کے قریب اور واسکو ڈیگاما ہندوستان پہنچ گیا)

اور ذرا اس طرف دیکھو۔ یہ علامہ ابن خلدون ہیں۔ یہ مقدمہ ابن خلدون کے لکھنے میں مصروف ہیں۔ جنھوں نے اہل یورپ کو تاریخ نویسی کا راستہ بتایا۔

اور ذرا مڑ کر ادھر بھی تو دیکھو۔ یہ کون سے بزرگ ہیں۔ یہ علامہ ابن رشد ہیں، جو فقہ کی ترتیب و تدوین میں لگے ہیں۔

اور یہ کیسی تجربہ گاہ ہے۔ یہاں کون بیٹھے ہیں۔ یہ ابن الہیثم ہیں۔ جو روشنی یعنی سائنس کے ایک زبردست موضوع "علم المرایا و مناظر" پر تحقیق کر رہے ہیں۔

غرض دور اسلام کا یہ اسپین کیا ہے علم دین و دنیا کا مرکز بنا ہوا ہے۔

دنیا والے ان باتوں سے انکار کریں تو کریں۔ مگر جو ہمارے اس اڑن کھٹولے پر آئے گا وہ زمین سے سیکڑوں میل کی بلند فضا کے پردہ سیمیں پر یہ احوال و مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ سائنس دانوں کا یہ قول درست ہے کہ دنیا کے ہر واقعے کا عکس فضا کے پردے پر موجود ہے۔ اسی دریافت کے بعد تو ہم ٹی۔وی کے پروگراموں سے محظوظ ہوتے ہیں۔

اگر اس اڑن کھٹولے پر بیٹھ کر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو لطف مطالعہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ کتابوں میں جو پڑھتے ہیں یہاں وہ باتیں مشاہدے میں آ جاتی ہیں۔

اچھا ذرا ادھر تو دیکھو۔ اسپین کے پردہ سیمیں پر ایک دراڑ کیوں نظر آ رہی ہے۔

ارے بھائی یہی تو وہ دراڑ ہے جو اس ملک کے دور عروج کو دورِ زوال سے الگ کرتی ہے۔ مسلمانوں کو یہاں پانچ سو سال ہو گئے۔ اب یہ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ہیں۔ عربوں اور افریقہ کے بربر قبائل میں خانہ جنگی شروع ہو گئی ہے۔ عیسائی جو موقع کی تاک میں تھے اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دو سو سال تک یہی حالت رہی۔ آخر اٹلی، جرمنی اور فرانس وغیرہ نے متحدہ محاذ بنا کر ایک مرتبہ اسپین کی سات سو سالہ حکومت پر ہلّہ بول دیا۔

وہ دیکھو یورپ کے تمام اطراف سے فوجیں یلغار کرتی ہوئی آ رہی ہیں۔ مسلمان جو پہلے خانہ جنگی کے زخموں سے چور ہو رہے تھے، اس یلغار کی تاب نہ لا سکے۔ ان کے پیر اکھڑ گئے۔ آخری بادشاہ ہے جس نے جہاز میں بیٹھ کر فرار ہونے کی کوشش کی۔ مگر عیسائیوں نے گولہ باری کر کے اس جہاز کو غرق کر دیا۔ اور شمع اسلام جو سات سو سال سے اسپین میں روشن تھا۔ دفعتہً بجھ گیا۔

یہ واقعہ ہم کتابوں میں تو پڑھتے ہی تھے اڑن کھٹولے میں بیٹھ کے پردہ سیمیں پر بھی دیکھ رہے ہیں۔

یہ اسلامی اسپین کا دور عروج و زوال ہے۔ مگر کیا اسلام ہمیشہ کیلئے وہاں سے مٹ گیا۔ ہرگز نہیں۔ اسپین کی فضا میں پھر اذان کی آواز گونج رہی ہے۔ پرانی مساجد میں بھی نمازوں کا اہتمام ہونے لگا ہے۔ ابھی تبلیغی جماعت نے بھی وہاں کی مسجد میں نماز ادا کی۔ وہاں ایک نئی مسجد بھی بنی ہے یعنی مسجد بشارت۔ یہ باتیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر اُبھرے اُدھر ڈوبے، اُدھر ڈوبے اِدھر اُبھرے
(اقبال)

اٹلی

اچھا اب اپنا اڑن کھٹولہ اسپین کے پڑوسی ملک کی طرف لے چلیں۔ یہیں پاپائے روم کا پایۂ تخت ہے۔ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے حواری پطرس کو یہیں شہید کیا گیا تھا۔
یہیں ان کا مزار ہے۔ یہ پطرس حواری کی گدی کہلاتی ہے۔
رومن کیتھولک عیسائیوں کے پیشوا کی یہی گدی ہے۔ یہ پوپ
کہلاتے ہیں۔ وہ جگہ جہاں پر یہ گدی ہے "ویٹی کن سٹی"
کہلاتی ہے۔ یہ بمبئی کی طرح سات جزائر کے مجموعے کا
نام ہے۔ یوں یہاں حکومت اٹلی کی ہے مگر ویٹی کن سٹی
اندرونی معاملات میں خود مختار ہے۔ ۱۹۶۴ء میں جب
بمبئی میں رومن کیتھولک عیسائیوں کی یوکرسٹک کانگریس
ہوئی تھی تو اس کی صدارت کرنے ویٹی کن سٹی سے پوپ پال
ششم تشریف لائے تھے۔

اچھا اپنا اڑن کھٹولہ ذرا پطرس حواری کے چرچ کے
قریب لے چلیں۔ اور دیکھیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہ دیکھو!
یہاں تو ایک بڑا اجتماع ہے۔ ذرا غور سے سنو تو لاؤڈ اسپیکر
کیا اعلان ہو رہا ہے۔

حاضرین! آج مقدس پوپ پال ششم تین اہم فرمان
جاری کرنے والے ہیں۔ تمام لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنیں:

یہودی | پہلا اعلان یہودیوں کے متعلق ہے۔ اس زمانے
کے یہودیوں کو صلیب مسیح کے جرم سے بری کیا جاتا ہے۔ جناب
مسیح کو صلیب دینے والے وہ یہودی تھے جو ان کی زندگی میں
تھے نہ کہ آج کے یہودی۔

گلیلیو | دوسرا اعلان اطالوی سائنس دان گلیلیو کے
متعلق ہے۔ جس نے دوربین ایجاد کی اور چاند کی طبعی حالت
کا مشاہدہ کیا۔ اس زمانے کے چرچ نے اس کو ملحد اور کافر
قرار دیا تھا۔ اب یہ الحاد نامہ اور کفر نامہ واپس لیا جاتا ہے۔

اسلام | تیسرا فرمان "اسلام" کے متعلق ہے۔
مذہب اسلام ایک قابلِ احترام مذہب ہے۔ تمام کیتھولک
عیسائیوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ اس مذہب اسلام کا
احترام کریں۔

اعلان ختم ہوا۔ اور تمام عیسائی اپنے پیشوا کے
آگے جھک گئے۔

ہم لوگ اب اپنا اڑن کھٹولہ لے کر اٹلی کے ہوائی اڈے
کی طرف چلے۔ ایک جہاز جو اتر رہا تھا۔ ہم لوگوں نے اس کا
تعاقب کیا۔ دیکھا کہ اس پر "الاطالیہ" لکھا ہے۔ یہ اٹلی ایئرویز
کا جہاز تھا۔ مگر نام خالص عربی طرز کا تھا۔ یہ گمان ہوتا تھا
کہ سعودی عرب یا خلیج کی کسی ریاست کا جہاز ہے۔ مگر فوراً
خیال آیا کہ بمبئی میں بھی تو اٹلی ایئرویز کے آفس پر "الاطالیہ"
ہی لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اسپین کے اسلامی دورِ حکومت
میں اطالوی زبان پر عربی زبان اس طرح اثر انداز ہوئی کہ
اس کا تلفظ اور لہجہ عربی ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ اٹلی کو الاطالیہ
بولنے لگے۔ اور آج الاطالیہ ایئرویز کا جہاز بھی روزانہ اڑ اڑ کر
اس بات کا اعلان کرتا رہتا ہے۔

سویڈن | اچھا اب اپنا اڑن کھٹولہ سویڈن کی طرف
لے چلو۔ یہ یورپ کا ایک خوشحال اور ترقی یافتہ ملک ہے۔
بمبئی میں خاص طور پر سویڈن مشن مسلمانوں کو عیسائی
بنانے میں مصروف ہے۔ کولھاپور، پونا اور بمبئی اس کے مراکز ہیں۔
اس مشن کے ذریعہ درجنوں مسلمان عیسائی ہو چکے ہیں۔ اردو
زبان کا اس کا ایک ماہنامہ "صدا" بھی نکلتا ہے۔ مگر خدا کی
قدرت کہ آج اس سویڈن میں بھی اذان کی آواز گونج رہی ہے
وہ دیکھو ایک نئی مسجد نظر آ رہی ہے۔ منارہ کتنا خوبصورت
ہے اور موذن کس خوش الحانی سے اذان دے رہا ہے۔

ادھر دیکھو۔ ایک اسلامی اجتماع ہو رہا ہے۔
مگر اس میں مسلمان کم اور عیسائی زیادہ نظر آ رہے ہیں۔ اور
بڑے انہماک سے واعظ کی تقریر سن رہے ہیں۔ اسلامی
تعلیمات کا عیسوی تعلیمات سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور اسلامی

اسلامی تعلیمات کی برتری محسوس کر رہے ہیں۔

نیپال

بھئی! دنیا کے بہت سے ممالک دیکھ لئے۔ کہیں مسلمانوں کا راج ہے۔ کہیں عیسائیوں کا تو کہیں کمیونسٹوں کا۔ مگر پانچوں براعظموں میں کہیں کوئی "ہندو اسٹیٹ" نظر نہیں آیا۔

بھائی آپ بھی عجیب بات کہتے ہیں۔ "ہندو اسٹیٹ" تو ہمارے ملک کے پڑوس ہی میں ہے۔ جہاں "ہندو راج" ہے۔ اور ساری دنیا میں یہی ایک ملک ہے جہاں ہندو راج ہے۔

بھائی! اس اسٹیٹ کا نام کیا ہے؟ اس کا نام ہے "نیپال"۔ تو کیوں نہ اڑتے اڑتے اس کی سیر بھی کر لیں۔ "چشمِ ما روشن دلِ ما شاد"۔ نیپال ہوتے ہوئے گھر چلیں۔

اب ہمارا اڑن کھٹولہ نیپال کی سرسبز و شاداب وادیوں اور پہاڑوں پر اڑنے لگا۔ کتنا خوب صورت ملک ہے۔ وہاں کی راجدھانی "کھٹمنڈو" دیکھی تو دل باغ باغ ہوگیا۔ جمادات، نباتات، حیوانات، جن و انس سب پہ حسن کی پرچھائیاں تھیں۔

ہم نے وہاں اپنا اڑن کھٹولہ اتارا۔ اور نیپالیوں میں گھل مل گئے۔ کچھ دیر تو اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ لیکن جوں خیال آیا کہ ہم تو مسلمان ہیں اور یہ ہندو۔ ہم تو ان کی نظروں میں غدار اور ملک دشمن ہوں گے۔ اس لئے کہ ہندوستان میں تو عام ہندو مسلمانوں کے متعلق یہی خیال رکھتے ہیں۔ تو ذرا اجنبیت سی محسوس ہونے لگی۔ نیپالیوں نے ہمارے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر تاڑ لیا۔ اور ہمیں تسلّی دینے لگے۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا: کیا نیپال میں مسلمان بھی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! یہاں مسلمان بھی ہیں۔ "تو یہاں مہینے میں کئی مرتبہ فرقہ وارانہ فساد ہوتا ہے؟" نیپالی ہماری یہ بات سن کر بھونچکے ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا کہ یہ فساد کون سی قسم ہے؟ ہم نے اس سے پہلے کبھی یہ نام نہیں سنا۔ ہم نے کہا بھائی معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ "ستیہ یگ" کے رہنے والے ہیں۔ اور ہم تو "کلیگ" کی بات کر رہے ہیں۔

کہتا ہوں سچ.....

شرف کمالی

چھکڑے اپنے سنبھال کر رکھنا!

مراٹھی میں بیل گاڑی کو چھکڑا کہتے ہیں۔ اسے ایک بیل کھینچتا ہے۔ کھٹارا چھکڑے ہی کی طرح ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ اس میں ایک بیل کی جگہ دو بیل جوتے ہیں۔ ہیرا او موتی! آزادی سے پہلے چھکڑوں اور کھٹاروں کی سواری کا عام رواج تھا۔ لیکن اب ان کی جگہ آٹو رکشا اور کاریں آگئی ہیں۔ ہمارے بچپن میں چھکڑے کی سواری بھی عیش مانی جاتی تھی۔ بالا ماما بُرٹے کا چھکڑا اکثر ہمیں گووَل کوٹ سے چپلون لے جایا کرتا تھا۔ چپلون ہمارا ننہال ہے۔ بالا میاں بُرٹے غریب کسان تھا۔ اس کی غربت بھی اس کے چھکڑے سے ٹپکتی تھی۔ اس وقت ایک روپئے کے سولہ آنے ہوا کرتے تھے۔ ایک آنے کے چار پیسے تھے۔ دوسرے فینسی چھکڑے والے چپلون پہنچانے کے لئے دو آنے لیا کرتے۔ لیکن غریب بالا ماما بُرٹے ڈیڑھ آنے میں مان جاتا ــــ اور بھی کئی مشہور چھکڑے والے تھے۔ ان میں ایک شابو کاکا کا تُروے بھی تھا۔ شابو کاکا کے کئی چھکڑے اور کھٹارے تھے۔ جنھیں اُن کے گڑی یعنی نوکر چلایا کرتے تھے۔ شابو کاکا بڑے با اصول آدمی تھے۔ ان کا ایک بیل گاڑی ڈھوتے ڈھوتے بوڑھا ہوگیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ اسے چارا پانی دے کر پال رہے تھے۔ اسے بوڑھا ہونے پر کبھی گاڑی پر نہ جوتا۔ کہا کرتے، اس نے خوب کما کر ہمیں کھلایا ہے۔ اب باقی زندگی بھر بیٹھ کر آرام سے کھانے کی اس کا حق ہے۔ شابو کاکا جو کچھ بھی تھے لیکن ان کی نجات کے لئے اس بوڑھے بیل کے ساتھ کی ہوئی نیکی ہی کافی ہے۔ ورنہ اسی جگہ بوڑھے بچھڑوں کا بُرا حال دیکھا ہے۔ جب تک کام ہو سکا بے چاروں نے کام کیا۔ لیکن جب تھک گئے تو نہ اولاد نے پوچھا نہ معنوی اولاد یعنی شاگردوں نے ـــ!! یہیں ایک ہنگارکر ابا تھے۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ بڑے مزے کے آدمی تھے۔ انگریزی حکومت نے ان کی قابلیت پر خان صاحبی بخشی تھی۔ نہایت ہر دلعزیز، بات بات پہ ہنساد یتے تھے۔ لیکن اس مذاق میں بھی نیتر و نشتر ہوا کرتے اس وقت ان کی تہہ تک پہونچنے والے لوگ بھی خال خال تھے۔ خان صاحب ہنگارکر چپلون میونسپل کونسل کے صدر ہوا کرتے۔ ان کے لئے ملکشمن بُرٹے کا سجا ہوا چھکڑا ہوا کرتا۔ گدیلے پر گاؤ تکیہ لگائے خان صاحب کی سواری جب نکلتی تو راستے پر جیسے بہار آجاتی۔ یعنی شہر کا میئر بھی چھکڑا ہی استعمال کیا کرتا!

چھکڑے اور چھکڑے والے اور بھی تھے۔ ابرم کھوت، قمریا، جینو بھائی، بیچکر چاچا، تکیا ماما، وناری وغیرہ وغیرہ ہندو تھے، مسلمان تھے۔ لیکن ان سب کا ایک ہی مذہب تھا۔ غربت اور محنت ان کا ایمان!!! دابھول سے بمبئی آتے ہوئے مسافر کر کالا باغ، گنگا، میرا اسٹیمر پر گووَل کوٹ آیا کرتے تھے۔ اور ان چھکڑے والوں کا کاروبار چل رہا تھا۔ پھر آزادی کے ساتھ زمانہ بدلا، انقلاب آگیا جہازوں کی جگہ ایس ٹی کی گاڑیاں دوڑنے لگیں۔ سڑکیں

جہنم زار دن تک بھی پہنچ گئیں۔ اور یہ گاڑیاں جس کو جہاں جانا ضروری ہے وہاں پہنچا دیتی ہیں۔ لوگ اب زیادہ سفر کرنے لگے چھکڑوں کے بجائے لوگ اب آٹو رکشا میں بیٹھتے ہیں۔ آٹو رکشا خدا بخشے بڑی رومانٹک سواری ہے۔ اور جیسی سواری ہے ویسے ہی اللہ رکھے اس کے ڈرائیور بھی! دلیپ کمار سے لے کر متھن چکرورتی تک سبھی اسٹائل کے ہیرو اس دھندے میں آپ کو نظر آئیں گے۔ وہی بال، وہی پتلون، ویسی ہی چال، پہلے تو صرف ایک ہی مجنوں ہو گزرا لیکن اب تو ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔ رکشا والے ہی نہیں بلکہ کچھ کام نہ کرنے والے بھی۔ ایک بھائی دبئی میں کما رہا ہے ان کا ویزا بلکہ بقول ان کے آزاد ویزا آنیوالا ہے۔ جبتک ذرا ہیرو بن جائیں تو کیا مضائقہ۔ ماں باپ خوش کہ ان کے گھر میں بھی امیتابھ بچن کے اوتار نے جنم لیا ہے۔ لیکن رکشا والے ہیرو کا معاملہ ہیروئن سے متعلق جلدی پٹ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ رکشا میں سفر کرنے کے بہانے آجاتی ہیں۔ اور رکشا ڈرائیور سے کہتی ہیں "چلو"! وہ جواب دیتا ہے "کہاں چلوں"؟

تیری زلف کے یہ سلسلے، بس اب آگے کون جائے
تو کہے تو زندگی کو میں یہیں سلام کر لوں

اور جب یہ جیسے آفتاب، چندے ماہتاب اپنی تعریف سن کر شرماتی ہیں تو دوسرا اسٹومنٹ کر دیتا ہے

شرما گئے، لجا گئے، دامن چھڑا گئے
اے عشق مرحبا وہ یہاں تک تو آ گئے

کیا زمانہ ہے؟ کتنی تیز رفتار ترقی ہے؟ چھکڑے کی جگہ آٹو رکشا۔ بالا ماما بڑے کی جگہ ایکٹروں کے نئے ایڈیشن!! سبحان اللہ! سبحان اللہ!! کھیڈ سے چپلون۔ داپولی سے کھیڈ، کھیڈ سے داپولی۔ جہاں جی چاہے آن واحد میں پہنچ جائیے!! مرد بیچارے پیٹرو ڈالر کے تب تب ہیں۔ باقی جو مجبوری سے بچے رہے سو بچے، بوڑھے، بیمار یا نامراد۔ اب آپ جہاں جائیے بے باک عورتوں کی فوج کے دھکے کھائیے۔ جیسے کہہ رہی ہوں

ابھی ہم سے بچ کر کہاں جائیے گا
جہاں جائیے گا ہمیں پائیے گا

ہم نے "چھکڑا اپنا سنبھال کر رکھنا" عنوان کچھ سوچ سمجھ کر ہی منتخب کیا تھا۔ لیکن شدہ شدہ بات جدید ترقیوں تک پہونچی۔ ہمیں کسی کی سرزنش قطعی مطلوب نہیں۔ ہم بھی اسی کشتی کے سواروں میں ہیں۔ کچھ جنت سے نہیں ٹپکے۔ لیکن اپنا ماحول بگڑتا دیکھ کر دل دکھتا ہے۔ اور قلم برداشتہ لکھ جاتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں (ہمارے بچپن میں) عورتیں شہر میں عندالضرورت ہی جایا کرتیں، تو ان چھکڑوں کے آگے پیچھے چادریں لگائی جاتیں۔ شاید یہ اہتمام اس لئے ہوا کرتا کہ بہو بیٹیوں پر شریفوں کی نظر نہ پڑے۔ گاڑی بان سے پردہ قطعی غیر ضروری تھا۔ اس روش ہی کو دیکھ کر حضرت ظریف نظام پوری مرحوم کے دل کو ٹھیس لگی تھی جو انھوں نے فرمایا تھا

ظریف ایلے اوٹیاور تے ہی لکالک ہے
ہلیا چا گرا بھنڈان ہے نی تو گھران پھرتے!!!

(ترجمہ: ظریف باہر کے برآمدے میں آئے ہوئے ہیں تو خواتین کی چھپا چھپی (پردے میں بھاگنے) کا یہ عالم ہے۔ لیکن گھر کا نوکر ننگا دھڑنگا ہی ہے اور وہ پورے گھر میں گھوم رہا ہے۔)

پیٹرول کی قلت کا ذکر گذشتہ قسط میں ہم کر چکے ہیں۔ معاً خیال آیا کہ جدید ترقی جو کارگزشتہ گراں ہے، کسی وقت کسی کی دیوانگی نے کوئی پتھر پھینکا تو کیا حشر ہوگا! میری اپنی ناقص رائے میں مغرب کے سارے ممالک

مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔ مشرق والے پھر گھی چھکڑے
اور کمھار سے چلا کر اپنی گزر اوقات کر سکیں گے۔ مغرب والوں
کو یہ دن آنے تک وہ فنا ہو چکے ہوں!! شاعر مشرق نے
کیا خوب کہا ہے ؎

تمھاری تہذیب اپنے ہاتھوں آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

چھکڑوں، کمھاروں، آٹو رکشاؤں کے دونوں ادوار کا
ذکر آپ نے ہنس ہنس کر سنا۔ یہی فرق پرانی تہذیب اور
نئی تہذیب میں ہر جگہ آپ کو نظر آئے گا۔ پہلے تعلیم مدرسوں
اور مکتبوں میں دی جاتی تھی، اب نئی طرز کے کالجوں نے ان
مکتبوں کی جگہ لے لی ہے، جہاں نہ فیضِ نظر ہے نہ مکتب کی
کرامت ہے۔ لہٰذا نئے دور کے اسماعیل کو آدابِ فرزندی
کس طرح آئیں!! ہمیں خود ہی جدید طریقہ تعلیم کی برکتوں کا
اندازہ ہے۔ سیکھنے سکھانے کے آداب ہر لحظہ تغیر پذیر
ہیں۔ اب استاد کا معاوضہ ہدیۂ دل نہیں رہا، بلکہ
پس سبق شاگرد رشید ماسٹر صاحب سے "بل پیش کیجئے" آرام سے
کہہ دیتا ہے۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے نئی برکتوں کا کیا خوب
مذاق اڑایا ہے۔ فرماتے ہیں

؎ گزر اس کا ہوا کب عالم اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں
ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

اسلامک مشن بلنٹائر (ملاوی) کے زیر سرپرستی
چلائے جانے والے دینی ادارے کا تعارف اس خاطر
مطلوب ہے کہ اس کا وہی مقام ہے جو ہماری تہذیب میں
چھکڑے کا ہے۔ نئی تہذیب دولت کے پیٹرول پر
بڑی حد تک منحصر ہے۔ کالج وغیرہ چلانے کے لئے دولت
درکار ہے۔ اور یہ چیز علمی میدانوں میں اتنا چل چکا ہے کہ
لڑکے کو میڈیکل کالج میں داخل کروانے کے لئے لاکھوں میں رقم
دینا لازمی ہے۔ اس جدید لوٹ کو مہذب لٹیروں نے لوٹ
کی بجائے "عطیہ" بلکہ انگریزی میں "ڈونیشن" کہہ دیا اور لوٹ لیا۔
لیکن ہمارے دینی ادارے دولت کے بل بوتے پر نہیں
جذبۂ ایمان کے زور پر چل رہے ہیں۔ شاعر مشرق فرماتے ہیں:

؎ الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

بلنٹائر اسلامک مشن، مسلم ایسوسی ایشن ملاوی
کے زیر اہتمام جاری ہے۔ یہاں مدرسہ کے مہتمم (پرنسپل)
مولانا محمد معاذ ندوی صاحب سے ملاقات کا وقت
طے کر کے پہنچے۔ مولانا نہایت خلیق اور شفیق انسان ہیں۔ یہاں
اساتذہ کا تقرر دوسرے اسلامی ممالک کے دینی ادارے
کرتے ہیں۔ مولانا نے بتایا کہ یہ ادارے پبلک ٹرسٹ
جیسے ہوا کرتے ہیں جو عالمی طور پر اپنا مشن بلند سطح پر
جاری رکھتے ہیں۔ یہاں کی حکومت بالخصوص عرب ملک
کی ایسی امداد عوام تک روشنی پہنچانے کے لئے ضرور قبول کرتی
ہے۔ اسی کو ہمارے یہاں غیر ملکی ہاتھ کہا جاتا ہے۔
جو ایک مدت تک مجذوب کی بڑ کی طرح ہمارے معاشرے
کو خواہ مخواہ خوفزدہ کئے ہوئے ہے۔

ندوی صاحب کا تقرر دار الافتتاح، ریاض سعودی عربیہ
کی جانب سے ہے۔ ان کی تنخواہ جو کچھ ہے وہیں سے
حساب کتاب چلتا ہے۔ رہنے کے لئے بہترین رہائش گاہ
ساری ضروری سہولیات مہیا وہ اپنی فیملی کے ساتھ یہاں
رہتے ہیں۔ یہ انتظامات بلنٹائر اسلامک مشن کی طرف سے
ہیں۔ یہاں ٹیچروں کا مقام سوسائٹی میں بلند ہے۔

مرسلہ: ابراہیم احمد سندر بیگم

پرستان جنجیرہ

بحرِ عرب کے ساتھ ساتھ چلنے والی پہاڑیوں میں
گھرا ہوا قدرتی مناظر سے بھرپور خطہ کوکن اپنے کہساروں
پُرپیچ وادیوں، دشوار گذار پگڈنڈیوں، ہرے بھرے جنگلوں،
جا بجا بحرِ عرب سے نکلتی ہوئی کھاڑیوں، نیچی اونچی بستیوں
اور سرسبز کھیتوں کے حسین و دلکش مناظر پیش کرتا ہے۔
اسی خطہ میں بمبئی سے تقریباً پچاس میل جنوب میں ایک قدیم
ریاست "جزیرہ حبشان" یا جنجیرہ جسان کے نام سے
قائم تھی، جو ضلع رائے گڑھ کے موجودہ مروڈ، شریوردھن اور
مھسلہ تعلقوں پر مشتمل تھی۔ اور جہاں ۱۹۴۸ء تک
سیدی نوابوں کی حکمرانی تھی۔ ان نوابوں کا شاہی محل
ناریل کے باغات کے سایہ میں بسے ہوئے دارالریاست
مروڈ کے شمالی سرے پر لبِ ساحل ایک چھوٹی سی پُرفضا
پہاڑی "پھول شہر" پر واقع تھا۔ اور آج بھی ہے۔
سامنے مغرب کی سمت تاحدِ نظر وسیع بحرِ عرب پھیلا ہوا،
ساحل سے کچھ فاصلہ پر سمندر کے بیچ قلعہ کاسہ، مشرق اور
شمال کی جانب پہاڑیوں کا سلسلہ، جنوب میں
پہاڑوں کے قطاروں کے درمیان ان تعلقوں کو فصل کرنے والی
یا بہ الفاظ دیگر وصل کرنے والی راجپوری کی کھاڑی، اس کے
دہانہ پر عین سمندر کے درمیان کوہ وقار قلعہ جنجیرہ، اس کے
ایک کنارے پر قدیم تاریخی مستقر دنڈا راجپوری کی
بندرگاہ، قریب ہی کھوکھری کے گنبد اور گرد و پیش کا
پُرکیف ماحول دیدۂ شوق کے لئے دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔

جنجیرہ کے حکمرانوں میں نواب سر سیدی احمد خان (۱۸۶۲ء-۱۹۲۲ء)
اور بیگم نازلی رفیعہ کو علم و ادب سے خاص طور سے شغف تھا۔
ہندوستان کی کئی ایک علمی اور نامور شخصیتیں شاہی مہمان
بنکر آئیں۔ اور اس خوب صورت محل میں علم و ادب کی محفلیں
گرم ہوتی رہتیں۔ علامہ شبلی کے لئے یہاں سبزہ و گل سے
بھرا ہوا دامنِ کہسار کا ہر گوشہ ویرانہ غیرتِ خلدِ بریں
تھا۔ انہیں محفلوں اور صحبتوں کو یاد کرکے انہوں نے کہا تھا:

یادِ صحبت ہائے رنگیں جو جزیرہ میں رہیں
وہ جزیرہ کی زمیں تھی یا کوئی میخانہ تھا

جنگِ آزادی کی مجاہدہ بلبلِ ہند آنجہانی مسز سروجنی نائیڈو
نے جذبات سے بے قابو ہوکر اس مسحور کن جزیرہ کی رنگ و بو
کی دنیا میں ہمیشہ رہنے کی خواہش کی تھی۔ سروجنی نائیڈو
سنہ ۱۹۱۰ء میں نواب اور نازلی بیگم کی مہمان بنکر اس قصرِ معلی
میں آکے رہیں۔ رخصتی کے وقت انھوں نے اپنے تاثرات
ایک نظم FAIRY ESLE OF JANJIRA میں
نازلی بیگم کی خدمت میں پیش کئے۔

جناب ابوالحسن نغمی کا اس انگریزی نظم کا اردو ترجمہ
"آج کل" دہلی کے مئی سنہ ۱۹۵۰ء کے شمارہ میں پرستان جنجیرہ
کے عنوان سے شائع ہوا تھا ـــــ
جس کو یہاں پیش کیا جاتا ہے تاکہ

تاکہ قارئین نقش کوکن اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں۔

ابراہیم احمد سندیلکر

اے میری اچھی میزبان

کاش میں ہمیشہ تیرے خوبصورت جزیرے میں رہ سکتی۔
میں یہاں ہمیشہ رہ کر انتہائی مسرت محسوس کرتی۔

اے پریوں کی حسین ملکہ!
اے کبھی ختم نہ ہونے والی بہاروں کی ملکہ!
اے پھولوں کی شہزادی!
تیرا جزیرہ کس قدر مسحور کُن ہے۔

یہاں
اب بھی پُرانے زمانے کی پرسکون زندگی میسر ہے۔
کاش میں اس رنگ و بو کی دنیا میں ہمیشہ رہ سکتی۔

جہاں
کھجوروں کے جھنڈ ہیں
جن میں کلیاں پھوٹ رہی ہیں۔

اور جہاں
سمندر کی لہریں مدھم سروں میں سہانے گیت گاتی ہیں
پھر بات یہ ہے کہ بے قابو ہو کر میرا جی چاہتا ہے
کہ سمندر کے کنارے لیٹ جاؤں۔
اور سمندر کی مترنم لہریں مجھے لوریاں دے دے کر سلا دیں اور مجھے ایک میٹھی
اور پُرسکون نیند آ جائے۔
تیرے جاودانی مسرت سے لبریز جزیرے میں
ہمیشہ بہاریں رقصاں رہتی ہیں۔
لیکن
میں یہاں سے چلی جاؤں گی
اور ضرور چلی جاؤں گی

وہاں چلی جاؤں گی
جہاں سے ایک جگمگاتی ہوئی دنیا چیخ چیخ کر تیز رفتاروں سے
مجھے بلا رہی ہے۔
مقدر میرے نقاروں کی چوٹیں بجا بجا کر مجھے جلدی جلدی
بلا رہی ہیں۔

تیرے جزیرے سے دُور پار
دُور
بہت دُور
تیرے محل کے ان سفید سفید گنبدوں سے دُور
جو چاندنی رات میں چمک رہے ہیں۔
اور چاندنی میں جن پر غنودگی کا عالم طاری ہے۔
تیرے قلعے کی دیواروں سے دُور
جو چاندنی رات میں سہانے خواب دیکھ رہی ہیں۔
مجھے شریک ہونا ہے
اس اُبھرتے ہوئے جلوس میں
جو جوشیلے نعرے لگا رہا ہے۔
جو جنگِ آزادی کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔
ایسی جنگ کے لئے
جو محبت، نیک نیتی اور حق کی حامل ہے۔
جو باطل سے لڑی جائے گی۔
ایسی جنگ جس میں شیر دل سپاہی تلواریں سونتے آگے
بڑھ رہے ہوں گے۔
جس میں میں اس لئے شریک ہونے جا رہی ہوں
کہ میں جنگ کے آتشیں نغمات کا پرچم لہرا کر آگے چلوں
جس میں میں نے شریک ہونے جا رہی ہوں
کہ میں کمزور دلوں کی ڈھارس بندھاؤں (باقی صفحہ

لہ نغمی صاحب نے PALM WO:DS کا ترجمہ کھجوروں کا جھنڈ کیا ہے۔ زیادہ موزوں ہوگا "ناریل کے جھنڈ"

پچیس ۲۵ دن

پروفیسر خالد حسین آرائی
ایم اے

نرم غالیچے پر بکھرے ہوئے کیسٹس سمیٹنے کے لئے اُس کے بڑھنے والے ہاتھ وہیں رُک گئے اور وہ مبہوت ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ جسم کی ہر حرکت اس طرح رُک گئی جیسے وہ کوئی ساکت و جامد مجسمہ ہو۔ سانس کی آمد و رفت البتہ اس کے پیٹ اور سینے کو آگے لانے اور پیچھے کھینچنے کا کام کر رہی تھی۔ اُس کی پھٹی پھٹی نگاہیں کبھی تو کیسٹس پر بنی نغموں کی فہرست کا جائزہ لیتیں تو کبھی فلمی اداکاروں کی تصویریں دیکھ لیتیں۔ اور پھر ایک جانب لکھے ہوئے اپنے شوہر کے نام پر ٹھہر جاتیں۔ اس کے دل پر ایک لمحہ کے لئے بھی وہ خود کو الگ نہ کر سکے۔ ایسے درد نے قبضہ جما لیا تھا۔ وہ بڑی دیر تک اسی طرح کھڑی رہی۔ ایک بار اسے لگا جیسے کمرے میں بکھری ہوئی بیرونی ملکوں کی ساختہ چیزیں اُس پر ہنس رہی ہیں۔ اُس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ ہر چیز اپنی جگہ خاموش پڑی تھی۔ باورچی خانہ سے اس کی نند اور بھاوج میں کام کرتے ہوئے وقفے وقفے کے ساتھ ہونے والی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ساس، لوگوں کے جانے کے بعد سے گھر میں اِدھر اُدھر بکھرے سامان کو مشینی انداز میں سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بیچ ہی میں کسی چیز کے بارے میں وہ اپنی بیٹی کو آواز دیتے ہوئے پوچھ لیتی۔ سب کام میں لگے ہوئے ہیں، مجھے بھی کچھ کرنا چاہئے۔ ایک خیال اس کے دل میں آیا۔ لیکن اسے اپنے کمرے سے باہر لے جانے میں ناکام رہا۔ پھر بلا ارادہ ہی اُس نے دیوار پر لگے بجلی کے بٹن میں سے ایک دبا دیا۔

پلنگ کے اوپر لٹکے پنکھے نے بھاری آواز کے ساتھ گھومنا شروع کیا۔ اس نے گردن اوپر اٹھا کر دیکھا۔ پنکھا اپنی رفتار تیز کرتا جا رہا تھا۔ آس پاس کی چیزوں پر اُس کا اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ خود اس کے بال اور کپڑے ہلنے لگے تھے۔ لیکن اس کے لئے ہوا سے ٹھنڈک محسوس کرنے کی حس جیسے مُردہ ہو چکی تھی۔

"اب یہی پنکھا رہنے دو، رفیق جب آئے گا تو نیا لے آئے گا۔ اس وقت ہی بدلنے والا تھا۔ لیکن پچیس ۲۵ دنوں میں کیا کیا کرتا۔" ساس اس کے کمرے میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اُس نے چونک کر ساس کی طرف دیکھا اور اپنے آپ کو یوں واپس لے آئی جیسے وہ کچھ بھی سوچ نہیں رہی تھی۔ ساس فوراً ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر اسی طرح کھڑے رہ کر وہ بیٹھ گئی۔ نرم غالیچہ اس کے بوجھ سے نیچے دب گیا۔ دوسرے ہی لمحہ کانپتے ہوئے جسم کے ساتھ وہ پلنگ سے لگ بھگ اسی طرح دور ہو گئی جیسے رینگنے والے جانوروں نے اس کے جسم کو چاروں طرف سے چھو لیا ہو۔ دور سے ہی اس نے پلنگ پر نظر ڈالی۔ اس کے بیٹھنے سے دبی ہوئی جگہ کی طرف بکھرے ہوئے کیسٹس سرکتے ہوئے آ گئے تھے۔ اسے اپنی بیوقوفی پر کچھ ہنسی بھی آئی۔

آج ہی شام رفیق قطر کے لئے روانہ ہو گیا تھا۔

صبح سے ہی گھر میں کتنا ہنگامہ برپا تھا۔ رشتہ دار تو پہلے ہی

لگتے تھے۔ شام ہوتے ہوتے گاؤں کے دوسرے لوگ بھی اکٹھا ہو گئے۔ رفیق صبح سے ہر کسی کے یہاں جا جا کر ملنے میں مصروف تھا۔ وہ یہ سارا نظارہ بڑی اداسی سے دیکھتی رہی۔ ویسے وہ آج صبح جلدی ہی اُٹھ کر ساس نند اور بھاوج کے ساتھ کام میں لگ گئی تھی۔ دس بجے سے ہی پڑوس کی عورتیں آنا شروع ہوئی تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر تو کسی نہ کسی کام میں ہاتھ بٹاتیں اور ادھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دیتیں۔ بحث کا اہم موضوع رفیق ہی تھا۔ کتنے دن رہا، کیا کام کرتا رہا۔ سسرال کب گیا۔ بمبئی میں کتنے دن گزارے وغیرہ وغیرہ باتیں ان کے لئے جواب طلب ہوتیں۔ اُسے حیرت تھی تو اس بات پر کہ ہر آنیوالی اس کی طرف ضرور دیکھتی۔ انھیں مجھ میں کس بات کی تلاش ہے۔ میری طرف دیکھ کر آخر یہ کون سی باتیں جاننا چاہتی ہیں؟ یہ سوچتے ہوئے وہ عجیب سی بے چینی میں مبتلا ہو جاتی۔ لیکن پھر جیسے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ہے اس انداز میں کام میں مشغول رہتی۔

اُس کے لئے یہ کوئی پہلا موقع نہ تھا۔ شادی کے بعد سے آج پانچویں بار رفیق قطر کیلئے روانہ ہو رہا تھا۔ ہر سال وہ پچیس ۲۵ دن کے لئے گھر آجاتا۔ یہ پچیس دن گھر میں گھما گھمی کا عالم ہوتا۔ اس کے جذبات تو ان دنوں طوفان میں سمندر کی موجزن لہروں کی طرح ہوتے۔ اور پھر رفیق کے جانے کے بعد ان لہروں کی شکل اختیار کر لیتے جو کنارے پر آکر اپنا سر پٹکتی ہیں۔ پچیس دنوں میں جیسے یہ ساری کائنات سمٹ آتی۔ یہ وقفہ کسی ایسی شے کی مانند ہوتا جس کا ہر حصہ دوسرے سے گہرا پیوستہ ہو لیکن جب روزانہ کھرچ کھرچ کر ختم کیا جاتا ہو، یہاں تک کہ اس کا وجود باقی نہ رہے۔ ادنیٰ سے ڈھیلے پن کے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اُسے یاد آیا قطر سے

آنے کے سترہویں دن کسی بات پر رفیق اُس پر بگڑ بیٹھا تھا۔ غصہ میں اس نے سخت سست باتیں بھی کہی تھیں لیکن وہ ضبط کر گئی۔ اور اس کے ساتھ تعلق میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ یہ سوچ کر کہ روٹھنے اور منائے جانے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ چاہے تو خط میں لکھ دے گی۔ خط لکھنے اور پانے کے لئے تو ابھی ۵ مہینوں کا عرصہ پڑا ہے۔ خطوط ہی تو ساری دلچسپیوں کا سامان ہیں۔ جو دلی زبان میں جذبات پہونچاتے بھی ہیں۔ اور لے بھی آتے ہیں۔ رفیق کے آنے کی خبر بھی تو خط ہی لایا تھا۔ جس دن یہ معلوم ہوا تھا کہ فلاں تاریخ کو رفیق بمبئی پہنچ رہا ہے اس دن گھر میں کیسی خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ہر ملنے والے اور پاس پڑوس والوں سے اس کا ذکر کیا گیا تھا۔ اسے یہ فوقیت حاصل تھی کہ رفیق کے آنے کی اطلاع گھر والوں سے پہلے اُسے ہی ملی تھی۔ اس دن وہ زیر لب مسکراتی بھی رہی۔ جب گھر کے لوگ یہ سمجھ کر کہ اسے بھی آج ہی معلوم ہوا ہے باتیں کر رہے تھے۔

سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں کے سامنے خطوط کی دنیا گھومتی نظر آنے لگی۔ پچھلی بار جب رفیق قطر گیا تھا تو وہ ایسی ہی حالت سے دوچار تھی۔ پھر خط آیا اور جیسے اس کے درد کو راہ مل گئی۔ اس کے بعد آنیوالا ایک ایک خط جذبات کی ابتدائی شدت کم کرتا گیا۔ پھر بات یہاں تک پہنچی کہ اب کیا لایا گیا اور کیا لایا جائے کو اہمیت دی جانے لگی۔ گاؤں کے گھر کے حالات لکھے جانے لگے۔ گاؤں میں کس بات کے چرچے ہیں، کس کے بیاہ میں شرکت کی وغیرہ۔ اُس کے منتشر خیالات ایک جگہ سے دوسری جگہ جست لگاتے پھر رہے تھے۔ بیاہ کا خیال آتے ہی اُسے یاد آیا شادی کے دو تین سال تک اس کے کہیں جانے پر عورتوں اور مردوں میں کیسی باتیں ہوتی تھیں۔ قطر میں کام کرنے والے کی بیوی، شوہر قطر میں رہتا ہے،

رفیق گھر کی ہستی کی بڑی فکر رکھنے والا ہے۔ یہی دیکھو نا
شادی کے آٹھ دن بعد فوراً اپنے کام پر چلا گیا۔ کیا مجال
جو کام پر سے اپنی توجہ کم کر دے — یہ اور ایسے فقرے ہر دم
اسے سنائی دیتے تھے۔ ابتدائی دنوں میں اسے فخر کا احساس
ہوتا تھا۔ لیکن اب جیسے اُن فقروں کا ہر لفظ ایسا اثر
کرتا چلا گیا ہے۔ اب اگر کوئی اس طرح کہتا ہے تو وہ بظاہر
مسکرانے کا انداز اختیار کرتے ہوئے بھی دل میں مغموم سی
ہو جاتی ہے۔ اپنے مزاج کی اس تبدیلی کا اسے احساس تھا۔
وہ جانتی تھی کہ کس طرح اب انجانے لوگوں سے رفیق کے آنے کا
ذکر ہوتا ہے، تو وہ ہمہ تن گوش بن جاتی ہے۔ اسے اس
خط کا شدت سے انتظار رہتا ہے۔ جو رفیق کے آنے کی
خبر لے کر آئے۔ اب کی بار بھی تو ایسا ہی ہوا تھا۔ شدت سے
انتظار کرنے کے بعد جب رفیق کے آنے کی خبر دینے والا خط اُسے
ملا تھا تو وہ پھولے نہ سمائی تھی۔ دن بھر میں کتنی بار کام سے
فرصت نکالتے ہوئے اس نے اپنے کمرے میں جا جا کر
وہ خط پڑھا تھا۔ کام میں جی نہیں لگتا تھا۔ پورا دن دل
میں ایک گھٹن سی جاگتی رہی تھی۔ اس کے بعد سے تو
ہر دن اسی عالم میں گزر رہا تھا۔

—— اور پھر رفیق کی آمد ہوئی۔ گھر میں ایک
نئی چہل پہل شروع ہوئی۔ قریبی رشتہ داروں کی دلچسپیوں
میں اضافہ ہوا — اس کی توجہ البتہ رفیق کی لائی ہوئی بیش قیمت
چیزوں پر زیادہ جانے کے بجائے چھٹیوں کے عدد پر زیادہ رہی
جو گنے ہوئے دنوں کے لئے استعمال کیا جانے والا تھا۔
وقت کب رکا رہتا ہے۔ کوئی واقعہ پیش آتا ہے اور اسی
لمحے وقت کا حساب لگا لگا کر باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔
ایک ایک دن گزرنے لگا۔ سال بھر کے بعد آنے سے رفیق
محدود وقت کی تقسیم لوگوں میں حسب مراتب بھلا کیا کرتا۔

اب اس سے ملنے کے لئے گیا تب اس سے دو دن کیلئے
پورا گھر سے باہر رہنا اس پر لازم آتا۔ آتے وقت وہ چند
چیزیں لایا تھا وہ بھیجنے کے لئے جاتا تھا۔ اس کے
میکے سے رفیق کو بلاوا آیا ہی کرتا۔ دونوں وہاں کے لئے
روانہ ہوئے اور پھر بمبئی میں چار دن گزار کر گھر واپس لوٹے۔

جذبات اپنی فطری رفتار سے چل پڑنے کے لئے وقت کی
مانگ کرتے ہیں۔ اس کا یہاں کبھی تذکرہ نہیں بمبئی سے
لوٹتے ہوئے ہی رفیق اپنے ساتھ واپسی کا ٹکٹ لے آیا تھا۔
پھر کیا تھا باقی ماندہ دن گویا ایک ایک کر کے رخصت
ہوتے رہے۔ اور اسے دل کی عجیب کیفیات سے دو چار کرتے
رہے۔ اور آج بہرحال رفیق قطر کے لئے روانہ ہو ہی گیا تھا۔

باورچی خانہ کا دروازہ بند ہونے کی آہٹ سنائی دی۔
نند اور بھاوج کام سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں کی طرف
چلی گئی تھیں۔ ان کے ساتھ کام نہ کرنے کی بات سوچ کر
وہ جھینپ گئی۔ انھوں نے بھی اسے آواز نہ دی تھی۔ جیسے تیسے
چند نوالے اُتار کر اس نے جو اپنے کمرے کا سہارا لیا تو پھر
اس سے زیادہ بیٹھا جایا نہ گیا۔

رات آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سر میں ہلکا سا سر درد
اُبھر رہا تھا۔ اس نے پلنگ پر سے کپڑے اٹھا لئے اور
قریبی میز پر بے ترتیبی سے رکھ دیئے۔ پنکھا بند کر دیا۔ روشنی
گل کر دی۔ اور ایک بار دروازے سے باہر جھانکا دالان
میں بچھی ہوئی چارپائی پر اس کی ساس کروٹیں بدل بدل کر
سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ دھندلی روشنی میں اس کے
چہرے کو صاف دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ بیٹے کی جدائی کے
کانٹے اُسے بھی چبھے جا رہے ہوں گے۔ اس نے سوچا۔
ساس اس کے حق میں بڑی رحمدل واقع ہوئی تھی۔ ہمیشہ
اس کا خیال رکھا کرتی۔ وہ بڑی دیر تک ساس کی طرف دیکھتی

بہی۔ اس ہمدردی کا اندازہ کرتے ہوئے اسے اپنا درد دھندلا پڑتا سا محسوس ہوا۔ پھر دوسرے ہی لمحے دونوں کا ایک مشترکہ درد اس کے سامنے اُبھر آیا۔ اور اسے خود سے زیادہ ساس سے اپنی ہمدردی کا احساس ہوا۔

وہ جانتی تھی کہ ابھی تین مہینے بھی گزرنے نہ پائیں گے کہ پوتا یا پوتی دیکھنے کی آرزو رکھنے والی اس کی ساس ہمیشہ کی طرح پڑی بوڑھیوں سے کھسر پھسر کرتی پھرے گی:

"اری سنو! تمہارا کیا خیال ہے۔ ہماری بہو کا پیر بھاری بھی ہے......!"

بحرین

جائے وقوع:- بحرین ایک جزیرہ نما ہے جس کے چاروں طرف سمندر ہے۔ مگر خشکی راہ کے لئے بحرین اور سعودی عربیہ کا پل ۱۹۸۱ء سے زیر تعمیر ہے۔ جو کہ ۱۹۸۵ء کو تیار کرانے کا اگریمنٹ کرانے کا اگریمنٹ بنایا گیا ہے۔

سماھیج
المحرق
المنامہ
سلماح
الحد
البدیع
القریہ
جنوہ
دمستان
الرفاع الغربی
الرفاع الشرقی
عوالی
المالکیہ
صدر
عسکر
الزلاق
العمر
جو الجحل

دولۃ البحرین
مراکز العمران

پایہ تخت و شہر:-

بحرین کا پایہ تخت منامہ ہے۔ جو بحرین کا واحد شہر بھی ہے۔ جہاں ہر چیز مہیا ہے۔ سِترہ میں تیل نکلتا ہے۔ وہاں ریفائنری ہے وہ ایک بندرگاہ بھی ہے۔ جہاں تیل کے جہاز لگتے ہیں۔ محرق مچھلی مارنے والوں کے لئے بہت سی سہولتوں سے آراستہ ایک چھوٹی سی بندرگاہ ہے۔ جِد ایک دیہات ہے جِدّاذہ محرق کے بیچ میں ایک بین الاقوامی ایئرپورٹ ہے۔ جِد حفص ایک دیہات ہے۔ بُدیّہ بھی ایک دیہات ہے۔ جہاں سے سعودی مملکت کا حصہ دھندلا سا دکھائی دیتا ہے۔ اور بُدیّہ کے بالکل آخری حصے سے بحرین سعودی عربیہ پُل زیر تعمیر ہے۔ مدینہ عیسیٰ ایک شہر ہے۔ رفاع میں کچھ بڑے شیخ لوگ کے بنگلے اور باغات ہیں۔ رفاع غربیہ میں ایک المونیم فیکٹری ہے۔ جس کا نام البا ہے۔ ایک دن میں لگ بھگ ۴۰۰ ٹن المونیم تیار کیا جاتا ہے۔ پورے عربستان میں صرف یہی المونیم کی مشہور فیکٹری ہے۔

سیر و تفریح:- بحرین میں جابجا باغات بڑی
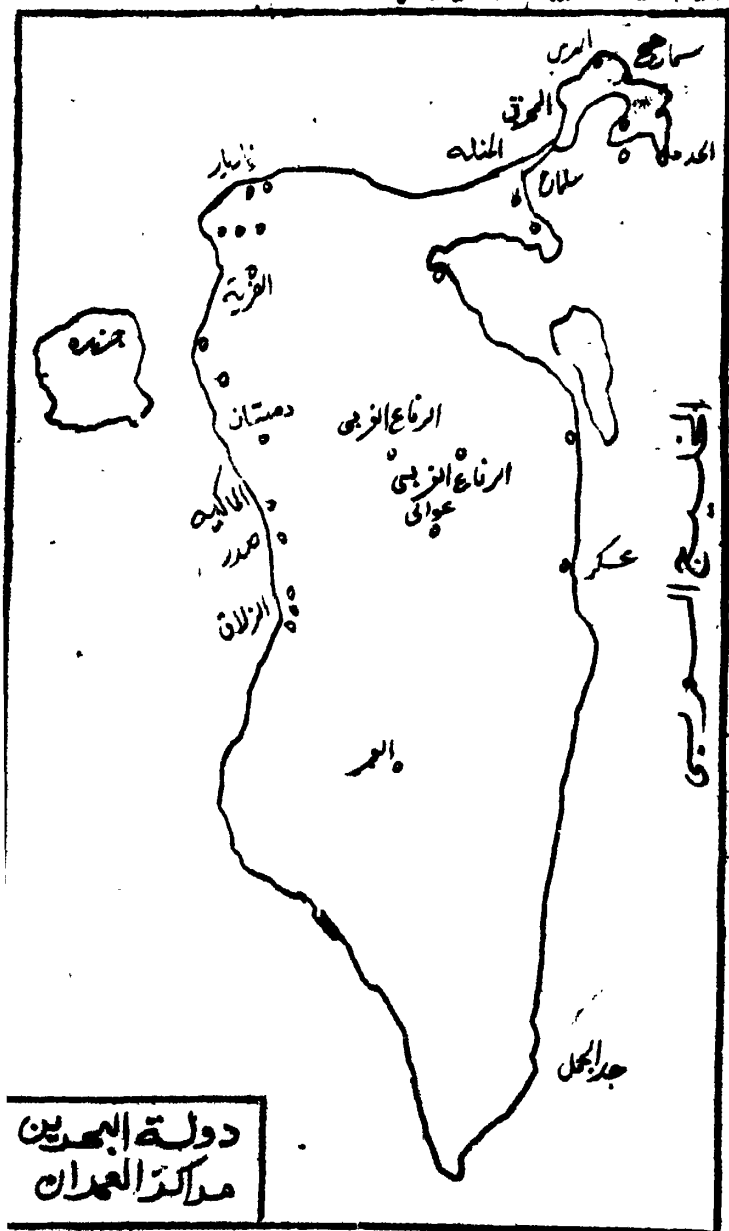
خوب صورتی سے بنائے گئے ہیں۔ سمندر کے کنارے پارکوں کے
کھیلنے اور تفریح کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا گیا ہے۔
منامہ میں چار سینما ہال ہیں جس میں سے تین ایئر کنڈیشنڈ
اور ایک اوپن ایئر ہے۔ چاروں سینما ہال میں زیادہ تر ہندی
فلمیں لگتی ہیں۔ محرق میں ایک اوپن ایئر سینما ہال ہے۔
وہاں پر بھی زیادہ تر ہندی فلمیں لگتی ہیں۔ اوال نامی سینما
ہال میں زیادہ تر انگریزی فلمیں لگتی ہیں۔ انگریزی، عربی،
ایرانی اور پاکستانی فلموں کا اوسط ۲۰ یا ۲۵ فیصد ہوگا۔
باقی فلمیں ہندوستانی ہوتی ہیں۔ فلمیں عام طور سے
تین یا چار دن میں بدلتی رہتی ہیں۔ ٹکٹوں کی قیمتیں ۵۰۰ اور
۹۰۰ فلس یعنی انڈین ۱۲½ اور ۲۵ روپے ہیں۔

آبادی :- بحرین کی آبادی ۳۴۶۱۲۰ ہے جس میں
۲۲۵۲۸۲ مقامی ہے اور ۱۱۴۶۳۸ بیرونی ہے بیرونی
میں ہندوستانی اور پاکستانی زیادہ تعداد میں ہیں۔

تعلیم :- حکومت کی طرف سے وطنی لوگوں کو اعلیٰ تعلیم
تک مفت انتظام ہے اور لوگوں میں دلچسپی بھی زیادہ ہے۔
خاص کر لڑکیوں میں۔ اور یہاں کی یونیورسٹی بھی معیاری ہے۔
ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد طلبہ کے اعزاز میں وزارت تعلیم کی
طرف سے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ ان جلسوں میں شیخ لوگ
بھی شرکت فرماتے ہیں۔ اس سال تو یہاں کے وزیر اعظم شیخ
خلیفہ بن سلمان الخلیفہ کے دست مبارک سے انعامات بھی دیئے گئے۔
بحرین میں ایک ہندوستانی، ایک پاکستانی اور ایک برٹش اسکول
بھی ہے۔ مگر ہندوستانی اور پاکستانی اسکولوں کا ذریعہ تعلیم بھی
انگریزی ہے۔ ساتھ میں اردو اور عربی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ اور
بڑے بڑے شیخ لوگوں کے بچے انگلینڈ، امریکہ جاکر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔
جن کی تعداد بہت کم ہے۔ بحرین کے کچھ بچے ہندوستان میں بھی تعلیم
حاصل کرتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت کم ہے۔

رہائش :- یہاں کے شیخ لوگوں کے بنگلے ہندوستانی بادشاہوں
کی طرح قلعہ نما ہیں۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مضبوط تھے یہ مضبوط
نہیں ہیں۔ اونچی چاردیواریوں کا کمپاؤنڈ، بیچ میں خوبصورت بنگلہ، اطراف
میں باغات اور نوکروں کی رہائش کے لئے کمرے۔ یہاں بیرونی
ملک کا کوئی بھی آدمی خود کا گھر تعمیر نہیں کر سکتا۔ وطنی لوگ
خود گھر بناکر دیتے ہیں یا حکومت بنا کر دیتی ہے۔ ایک کمرے کا کرایہ کم سے
کم ۱۰۰ دینار سے ۲۵۰ دینار ماہانہ تک ہے۔

کھیل کود :-

پورے عرب ممالک میں صرف ایک کھیل کھیلا جاتا ہے
اور وہ ہے فٹ بال۔ اور بھی کچھ کھیل کھیلے جاتے ہیں۔ مگر
کوئی خاص نہیں، جتنا کہ فٹ بال کھیلا جاتا ہے۔ کچھ ہندوستانی
اور پاکستانی کرکٹ کھیلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں پر
دو کوکنی مسلمانوں کی ٹیمیں ہیں۔ جن میں EVERGREEN
نامی ٹیم مشہور ہے۔ جو کرکٹ بھی کھیلا کرتی ہے۔
اور والی بال بھی۔

مذہب :-

وطنی لوگ بلاشبہ سبھی مسلمان ہیں۔ محلے محلے
میں مسجدیں ہیں۔ اکثریت نماز کی پابند ہے۔ بیرونی لوگ
ماحول سے متاثر ہوکر پنج وقتہ نمازی ہوتے ہیں۔
نماز کے لئے ڈیوٹی چھوڑ کر جانے کی بھی کھلی چھوٹ ہے
عام طور سے لوگ مسجدوں میں کم، گھروں میں زیادہ نماز
پڑھتے ہیں۔ سنت پر کم دھیان دیا جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ
فرض نماز پڑھتے ہیں۔ تقریباً سبھی مسجدوں میں شافعی
طریقے سے نماز پڑھائی جاتی ہے۔

آمد و رفت :- بحرین میں بین الاقوامی ایئرپورٹ اور بندرگاہ
ہے۔ اندرونی آمد و رفت سڑکوں سے ہوتی ہے۔ ریل گاڑیاں نہیں
ہیں۔ سبھی روڈ کشادہ ہائی وے ہیں۔ [illegible] کرکے

ریگستان ہونے کے باوجود سڑکوں کے دونوں طرف درخت اُگانے
کی کوششیں جاری ہیں جو ۷۵ فیصد کامیاب بھی ہیں۔ گاڑیوں
کی عام رفتار ۸۰ سے ۱۱۰ کلومیٹر ہوتی ہے۔ سب سے سستی چیز
بحرین میں پرانی گاڑی (کار) ہے، جو ۲۰۰ دینار سے ... (دینا بہت
بہت اچھی حالت میں مل سکتی ہے۔ یہاں کے ٹرافک انسپکٹر
کی سڑکوں پر ہر جگہ دس دس منٹ سے پھیری ہوتی ہے۔ اور وہ
کسی کو بھی گاڑی چلانے میں ذراسی غلطی پر بخشتے نہیں جس سے
ہر ڈرائیور احتیاط سے گاڑی چلاتا ہے۔ عام طور پر ہر قسم کے
جرائم کی سزا جیل کے بجائے جرمانہ لیا جاتا ہے۔

پولیس: خاص طور سے روڈ پولیس کا اچھا بندوبست و
کنٹرول ہے۔ راستوں پر سگنل تو بہت کم نظر آتے ہیں مگر ٹرافک
کنٹرول بہت اچھا ہے۔ ٹرافک انسپکٹر کو عربی میں "مرور"
کہا جاتا ہے جو کہ بہت چالاک اور قانون کی حفاظت
کرنے والے ہوتے ہیں۔ رشوت خوری بالکل نہیں چلتی۔ اس لئے
ہر ڈرائیور احتیاط برتتا ہے جس سے ایکسیڈنٹ وغیرہ بہت
کم ہوتے ہیں۔ ہر جرم کا فیصلہ جگہ پر ہی جرمانہ کر کے کیا جاتا ہے۔
سٹی پولیس کا بھی اچھا انتظام ہے۔ جرائم کا اوسط بہت ہی
کم ہے۔ ملٹری بھی ہے جو گورنمنٹ کے پروجیکٹس کی رکھوالی
کرتی ہے۔ سٹی پولیس میں عربی لوگ تو زیادہ ہیں مگر کچھ ہندوستانی
اور پاکستانی بھی ہیں۔

زبان: سرکاری زبان عربی ہے، عربی سے عربی رسالے
اور اخبار تو نکلتے نہیں مگر انگریزی میں دو اخبار نکلتے ہیں جن کے
نام GULF DAILY NEWS اور GULF MIRROR
ہیں۔ ہندوستانی، پاکستانی اور انگریزی لوگ یہی اخبار (پرچے)
خریدتے ہیں۔ ٹیلیویژن اور ریڈیو پر بھی انگریزی خبریں نشر کی
جاتی ہیں۔ ریڈیو کویت سے اردو گانے اور خبریں نشر کی جاتی ہیں۔
بحرین ٹیلیویژن سے ہر ہفتے ایک ہندی فلم دکھائی جاتی ہے۔
قطر، دوبئی اور کویت سے بھی مہینے میں دو تین فلمیں (ہندی)
دکھائی جاتی ہیں۔ بازار وغیرہ میں ملباری، ایرانی اور پاکستانیوں
کی دکانیں ہیں۔ عربی کی دکانوں پر اردو جاننے والے اور تھوڑی سی
عربی بھی جاننے والے لوگ کام کرتے ہیں۔ اسلئے اُردو یا انگریزی
سے کام چل جاتا ہے۔ عربی سیکھنے کی ضرورت کبھی محسوس نہیں
ہوتی۔ صرف سرکاری دفتروں میں واسطہ پڑ جانے تو مشکل ہوتی ہے

طب و صحت :- طبی امداد گورنمنٹ اسپتال سے سب کو
مہیا کی جاتی ہے۔ دوائیں وغیرہ اچھی ہوتی ہیں۔ مگر خاص
ٹرینڈ ڈاکٹرز نہیں ہیں۔ پرائیویٹ دواخانے بہت کم ہیں۔
جن میں ایک ملاقات کی فیس کم سے کم ۵ دینار لی جاتی ہے۔

ملازمت : بہت کم تعداد میں وطنی لوگ ملازمت کرتے
ہیں۔ چنانچہ اہم عہدوں پر عربی لوگوں کو رکھا جاتا ہے۔ جو نام کیلئے
ہوتے ہیں۔ عام طور سے سبھی بڑے آفیسر انگریز ہیں۔ ان کا
پورے ملک پر کنٹرول ہے۔ وہی لوگ زیادہ مزے کی زندگی
گزارتے ہیں۔ ویسے شراب ممنوع ہے۔ مگر ان کے لئے
لاسنس دیئے جاتے ہیں۔ ہندوستانی اور پاکستانی کو
ڈرائیونگ لاسنس نکالنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے۔
انگریز کو بحرین آتے ہی پہلے ہی دن لاسنس دیا جاتا ہے۔
(عام طور سے بغیر کسی امتحان (TEST) کے) ایگریمنٹ میں
آنے والوں میں اکثریت ہندوستانیوں کی ہے۔ اب
بنگلہ دیشی بھی آرہے ہیں۔ مگر ایگریمنٹ میں بندش زیادہ
اور تنخواہیں کم ملتی ہیں۔ ایگریمنٹ والوں کے لئے رہائش کا
انتظام کمپنی کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ اگر رہائش کا انتظام
کمپنی کی طرف سے نہ ہو تو آزاد ویزا زیادہ بہتر ہے۔ سبھی
محنت کے کام پٹھان لوگ کرتے ہیں۔ ہندوستانیوں
کو اچھے Technicians کے ناطے عزت کی جاتی ہے
اچھی اور سستی Skilled جو ہندوستان سے ملتی ہے

وہ دوسرے کسی ملک سے ملنا مشکل ہے۔ آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اوورٹائم ہوتا ہے۔ اوورٹائم کی تنخواہ سوا گنا دی جاتی ہے، جمعہ ہفتے کی چھٹی کا دن ہوتا ہے۔ یہاں casual leave نہیں ملتی صرف sick leave ملتی ہے۔ اس کے لئے بھی سرکاری ڈاکٹری سرٹیفکیٹ ضروری ہوتا ہے۔

تجارت :- حکومت کے قانون کے مطابق بیرونی ملک کا آدمی آزادانہ تجارت نہیں کر سکتا۔ ایک لوکل (وطنی) پارٹنر کا ہونا ضروری ہے۔ اُسی کے نام سے دکان، ہوٹل یا جو بھی تجارت کا ذریعہ ہو لائسنس ملے گا۔ ٹیکسی ڈرائیور وطنی لوگ ہی ہوتے ہیں۔ دکانوں اور ہوٹلوں میں زیادہ تر ملباری ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو عربی کے ساتھ مل کر تجارت کرتے ہیں۔

حکومت :- ایک شخص کی حکومت ہے۔ جو شاہی حکومت کے مشابہ ہے۔ اس کی مرضی سے چنے ہوئے منتریوں کی ایک کونسل ہوتی ہے۔ جس میں زندگی کے شعبے سے تعلق رکھنے والی نامور ہستیوں کو لیا جاتا ہے۔ جو حکومت کے ہر کام کی نگرانی کرتے ہیں۔ ویسے ہر کام کے پیچھے ۵۰ فیصدی دماغ بیرونی (انگریزوں) کا ہوتا ہے۔

موسم :- عام طور سے دو موسم ہوا کرتے ہیں۔ ایک گرمی دوسرا سردی۔ سردی کے دنوں میں کبھی کبھار بارش ہوا کرتی ہے، اور تیز ہوائیں چلتی ہیں، جس کی وجہ سے گھر کے باہر نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ درجۂ حرارت بھی نقطۂ انجماد کے قریب ہوتا ہے۔ گرمی کے دنوں میں ہوا بہت ہی کم مقدار میں چلتی ہے۔ دھوپ تیز ہوتی ہے اس لئے پسینہ زیادہ نکلتا ہے۔ جس سے جسم کا نمک زیادہ مقدار میں خارج ہوتا ہے۔ اس کی کمی پورا کرنے کے لئے لوگ Salt Tablets کھاتے ہیں۔ اگر ہوا نہ چلے تو تپش کا احساس اس طرح ہوتا ہے جیسے آگ کے آس پاس کھڑے ہوں۔ گرمی کے دنوں میں بغیر اے۔ سی کے روم میں سکون سے سونا ناممکن ہوتا ہے۔ اور سردی کے دنوں میں بغیر کمبل کے سونا بھی ناممکن ہوتا ہے۔ بہرحال دونوں موسم ناقابلِ برداشت ہیں۔

نوٹ :- مضمون کافی عرصے بعد شریکِ اشاعت ہو رہا ہے اس لئے ممکن ہے کہ جو عدد بتائے گئے ہیں اس میں فرق آ گیا ہو۔

غزل

لیاقت علی عاصم
کراچی (پاکستان)

لہریں پناہ ڈھونڈ رہی تھیں چٹان میں
اک ناؤ آ کے ٹوٹ گئی درمیان میں

دُکھ بانٹتے ہوئے وہ جہالت کے مر گیا
سب نے پڑھا لکھا تھا جو اس خاندان میں

یارب تری پناہ سے کب عذر تھا مگر
اچھا لگا ہے سونپ کے ماں کی امان میں

کچھ ایسے ہو گئے ہیں خریدار شہر کے
بکنے لگے ہیں لوگ خود اپنی دوکان میں

دل دل کو آنکھ آنکھ کو پہچانتی نہیں
آباد ایک شہر ہے میرے مکان میں

دستِ رقیب یار رقابت سے جھک گیا
ترکش کے سارے تیر سجا کر کمان میں

عاصم بچا تو لائے ہیں کشتی ہواؤں سے
پیوند سو طرح کے سبھی بادبان میں

عبدالرزاق یوسف راول

کمپیوٹر

آپ ہم میں سے ایسے لوگ ہوں گے جنھوں نے کمپیوٹر کا صرف نام سنا ہوگا۔ اور بہت سے ایسے بھی ہوں گے جو اس کے نام سے بھی واقف نہ ہوں گے۔ آیئے آج ہم آپ کو کمپیوٹر سے متعلق چند اہم باتیں بتائیں۔

کمپوٹ کا مطلب انگریزی میں حل کرنا ہے اور کمپیوٹر کا مطلب ہے حل کرنے والا۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کمپیوٹر کس کام آتا ہے۔

کمپیوٹر کے کئی حصے ہوتے ہیں۔ کئی مشینوں کا ایک سیٹ کمپیوٹر کہلاتا ہے۔ انسان ہی کی طرح یہ پڑھ سکتا ہے۔ کمپیوٹر کا جو حصہ لکھتا یا پرنٹ کرتا ہے پرنٹر (PRINTER) کہلاتا ہے۔ اسی طرح کمپیوٹر کا دماغ بھی ہوتا ہے۔ جو میموری (MEMORY) کہلاتا ہے۔ ہر کمپیوٹر کی یادداشت الگ الگ ہوتی ہے۔ اور میموری جتنی بڑی ہوگی اس پر اتنے ہی لمبے حسابات کیے جا سکتے ہیں۔

کمپیوٹر سے منسلک مشینیں ایک ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں رکھی ہوتی ہیں۔ جو کمپیوٹر روم کہلاتا ہے۔ ایک کمپیوٹر کی قیمت کئی لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔ اس کے پرزے بہت نازک، حساس اور قیمتی ہوتے ہیں۔ اسی لیے کمپیوٹر کو گرد و غبار اور دوسری آلودگیوں سے بچانے کے لیے کمپیوٹر روم میں جوتے پہن کر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ کمپیوٹر روم کو ایک خاص درجۂ حرارت پر رکھا جاتا ہے۔ حرارت کم یا بڑھنے پر اسے روک دینا پڑتا ہے۔ ورنہ یہ غلط نتائج دینے لگے گا۔ کمپیوٹر عام زبان نہیں سمجھتا اس کی اپنی مخصوص زبانیں ہوتی ہیں۔ وہی زبانیں وہ سمجھتا ہے۔ اگر آپ ان زبانوں میں سے اسے ہدایت دیں گے تو وہ ایک وفادار خادم کی طرح آپ کا کام اس وقت تک کرتا رہے گا جب تک آپ چاہیں گے۔ کچھ زبانوں کے نام فورٹران، کوبال، پاسکل، بے سک، پی ایل ون، آٹوکوڈر ہیں۔

ہر کمپیوٹر کا نمبر الگ الگ ہوتا ہے۔ اور اسی لحاظ سے الگ الگ زبانیں الگ الگ کمپیوٹروں کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر آٹوکوڈر صرف IBM 1401 کمپیوٹر پر ہی چلائی جا سکتی ہے۔

IBM کمپیوٹر بنانے والی بہت مشہور کمپنی ہے۔

کمپیوٹر کو دی جانے والی ہدایتیں کسی کاغذ پر لکھ کر نہیں بلکہ کارڈ پر پنچ کر کے کمپیوٹر میں ڈال دی جاتی ہیں۔ کارڈ پنچ کرنے کے لیے پنچنگ مشین PUNCHING MACHINE کا استعمال کیا جاتا ہے۔ IMB COMPUTERS. پر صرف IMB CARDS ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ پنچنگ مشین جو کچھ کارڈ پر پنچ کرتی ہے اسے صرف کمپیوٹر ہی پڑھ سکتا ہے۔ اسی لیے سوراخوں کے اوپر ساتھ ہی ساتھ

پنچنگ مشین ٹائپ بھی کر دیتی ہے کہ کس سوراخ کا کیا مطلب ہے۔ تاکہ پنچ کرنے والے کاغذ پر لکھے پروگرام کو اس سے اچھی طرح ملالے۔ اور پنچنگ میں جو غلطی ہوا سے درست بھی کرے۔ لمبے لمبے حسابات کے لئے کارڈ کی جگہ MAGNETIC TAPE یا DISK کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر IMB CARD کا اوپری بایاں کنارہ کٹا ہوا ہوتا ہے تاکہ ہزاروں لاکھوں کارڈ کے بنڈل میں، بھی اگر کوئی کارڈ غلطی سے الٹا لگ گیا ہو تو فوراً پتہ چل جائے۔ پنچنگ مشین کارڈ پر جو سوراخ کرتی ہے ان میں سے ہر سوراخ برابر اور چوکور ہوتا ہے۔ اسی طرح کمپیوٹر سے کام لینے کیلئے اسے سلسلے وار ہدایتیں دی جاتی ہیں۔ اگر کوئی بھی ہدایت بیچ میں چھوٹ گئی تو کمپیوٹر غلط بتر دے گا۔ اسی لئے اکثر مسائل میں جو سلسلے وار مرحلے ہوتے ہیں۔ انہیں پروگرام لکھنے سے پہلے ایک FLOW CHART بنا کر دیکھ لیتے ہیں۔ اس سے بیچ میں کوئی ہدایت چھوٹ جانے یا کسی دوسری غلطی ہونے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

کمپیوٹر کو جو ہدایتیں دی جاتی ہیں وہ INSTRUCTIONS کہلاتی ہیں اور ان INSTRUCTIONS کا سیٹ ایک PROGRAMME کہلاتا ہے۔ اس کو لکھنے والا PRO-GRAMMER کہلاتا ہے۔ کمپیوٹر پر پروگرام کو چلانا پروگرام کو RUN کرنا کہلاتا ہے۔ کبھی کبھی پروگرام میں غلطی ہو جانے سے کمپیوٹر غلط جواب چھاپ دیتا ہے۔ اس لئے کمپیوٹر سے صحیح جواب حاصل کرنے کے لئے پروگرام کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں پروگرام لکھنے والا قابل ہونا چاہئے۔ جس سے غلطی نہ ہو اور کم وقت میں زیادہ کام ہو جائے۔

سب سے پہلے PROBLEMS کا حل کمپیوٹر کی زبان میں لکھ لیا جاتا ہے۔ پھر اسے پنچنگ مشین کے ذریعہ کارڈ پر پنچ کر لیا جاتا ہے۔ ایک کارڈ پر صرف ایک ہی ہدایت پنچ کی جاتی ہے۔ کارڈ پر پہلے پانچ کالم پنچ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ چھٹا کالم خالی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ساتویں کالم سے پروگرام لکھنا شروع کیا جاتا ہے۔ جو اسی نمبر کے کالم تک جا سکتا ہے۔ اگر تمہاری کوئی ہدایت اتنی بڑی ہے کہ ایک کارڈ پر نہیں آسکتی تو باقی ہدایت کے لئے دوسرا کارڈ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے کارڈ کے چھٹے کالم میں 1 یا کوئی نمبر لکھنا بہت ضروری ہے تاکہ کمپیوٹر کو یہ علم ہو سکے کہ دوسرے کارڈ پر پہلے کارڈ کی بچی ہوئی عبارت ہے۔ ڈیٹا کارڈ DATA CARD پر پہلے ہی کالم سے پنچ کیا جاتا ہے۔ کارڈوں کو نمی، پانی سے بچانا بہت ضروری ہے۔ ورنہ یہ کمپیوٹر میں نہیں چل سکے گا۔ کارڈ پنچ کر کے انہیں سلسلے وار رکھ کر ایک بنڈل تیار کر لیا جاتا ہے۔ اوپر کی طرف CONTROL CARD پنچ کر کے لگا دیئے جاتے ہیں۔ یہ کنٹرول کارڈ ہر کمپیوٹر کے لئے الگ الگ ہوتے ہیں۔ پروگرام کارڈ کے بعد DATA CARD لگائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر دوسرے کنٹرول کارڈ اور آخر میں دو کارڈوں پر STOP اور END پنچ کر کے لگا دیئے جاتے ہیں۔ اس ہدایت سے کمپیوٹر کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اب کام ختم کر دینا ہے۔ اور خاص کر ایک بات کا دھیان رکھا جاتا ہے کہ کارڈوں کے بنڈل سے کوئی بھی کارڈ اوپر نیچے یا ادھر ادھر نہیں ہونا چاہئے۔ اسی لئے احتیاط کے طور پر بنڈل کو ربر بینڈ سے اچھی طرح کس دیا جاتا ہے۔ پھر اس بنڈل کو COMPUTER ROOM میں لے جا کر ربر بینڈ سے آزاد کر کے کارڈ ریڈر میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور کمپیوٹر کا بٹن دبا دیا جاتا ہے۔ سوں سوں کی آواز سے کمپیوٹر چل پڑتا ہے۔ کارڈ ریڈر کے ذریعہ کارڈ پنچ کی ساری اطلاعات پڑھ لی جاتی ہیں۔ کارڈ پنچ کئے ہوئے سوراخوں میں ELECTRIC IMPULSE

پیدا ہوتی ہے جس سے ساری اطلاعات C.P.U. میں پہنچ جاتی ہیں۔ CENTRAL PROSSING (C.P.U.) UNIT وہ مشین ہے جس میں میموری ہوتی ہے۔ جب مریض کو آپریشن کے لئے بیہوش کیا جاتا ہے تو نت نئے آلات کے ذریعے اس کے دل کی دھڑکن، خون کا دوران اور نبض کی رفتار معلوم کی جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح جب ایک پروگرام فیڈ ہوتا ہے تو اس کے بارے میں ساری تفصیلات CONSOL TYPE WRITER بتاتا رہتا ہے۔ ادھر کارڈ ریڈر کارڈ پڑھتا رہتا ہے۔ اور ادھر پرنٹر پر PROBLEMS کا حل چھپتا رہتا ہے۔ یہ تمام عمل اس قدر تیزی سے ہوتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔

اور جس کا نام ہے "کمپیوٹر"۔ یہ ابھی صرف ابتدا ہے۔ کمپیوٹر کی دنیا اب ایسے ایسے انقلابات برپا کرتی جارہی ہے کہ عقل حیران ہے۔ انسان کے سارے مسائل حل کرنے میں کمپیوٹر گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دنیا کا مستقبل کمپیوٹر سے وابستہ ہے۔ اور ساری نگاہیں ان پر لگی ہوئی ہیں۔

بقیہ: پرستان جزیرہ ۔ صفحہ ۴۲ سے آگے

اور بہت ہار جانے والے لرزاں ہاتھوں کو امید کے دامن کی طرف
رہبری کروں۔
جس میں میں اس لئے شریک ہونے جارہی ہوں
کہ حق کی فتح ہو۔
اور فتح کی خوشی کہ دنیا میں مسرت پھیل جائے۔
امن وامان، صداقت اور محبت ہر طرف رقصاں ہوں۔

(ماخوذ)

مسز سروجنی نائیڈو (مترجمہ: ابوالحسن نغمی)

مقابلہ

نقش کوکن ادبی پہیلی ۱ کا نتیجہ

نقش کوکن ادبی پہیلی کا سلسلہ قارئین میں کافی پسند کیا گیا۔
ہمیں اس پہیلی کے کل ۴۸ حل موصول ہوے ۔ البتہ صرف ایک ہی حل صحیح ثابت ہوا۔
اس ایک حل پر پہلا انعام مبلغ پچاس روپئے ادا کئے جا رہے ہیں۔
ایک اور دو غلطیوں والے حلوں پر اگرچہ کوئی انعام نہیں تھا۔ البتہ ہم ان کے نام بھی شائع کر رہے ہیں۔

صحیح حل (پچاس روپئے انعام) :-

نسیم اسماعیل بامنے ۔ فیض کو آپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی، ہال روڈ۔ کرلا، ممبئی ۴۰۰۰۷۰

ایک غلطی والے حل :-

۱۔ جاوید اے جی ، موسیس روڈ ، ممبئی ۱۱ ۔ (۲) جاوید اے جی ، موسیس روڈ ، ممبئی ۱۱ ۔ (۳) انور حسین شبیر گاؤنکر باپو کھوٹ اسٹریٹ ممبئی ۳ ۔ (۴) محمد عارف انصاری ، مولانا آزاد روڈ ، ممبئی ۸ ۔ (۵) نسیم بامنے ، کرلا ، ممبئی ۷۰ ۔ (۶) نسیم بامنے کرلا ، ممبئی ۷۰ ۔ (۷) معظم اکبر خان ، ماجوری ، مرڈ جنجیرہ ۔

دو غلطی والے حل :-

۱۔ ثریا عجب نبل ، راجیواڑی (رائے گڈھ) ۔ ۲۔ نسرین ناخواہ ، امام باڑہ روڈ ، ممبئی ۹ ۔ (۳) عبدالقادر چوگلے کلوہ (تھانہ) (۴) عارف ساونت ، راجیواڑی (رائے گڈھ) ۔ (۵) شہزاد ملا ، ساکھرتر (رتناگری) ۔ (۶) محمد سعید کونکے دہور ، مہاڈ ۔ (۷) عادل علی ایم شمسی ، اگری پاڑہ ، ممبئی ۱۱ ۔ (۸) حسن میاں لمباڑے ، راجیواڑی (رائے گڈھ) ۔ (۹) عرفان بندرکر ۔ جے ایس ایم ایس ہوسٹل ممبئی ۹ ۔ (۱۰) محمد غالب ملا ، ساکھرتر (رتناگری) ۔ (۱۱) محمد غالب ملا ساکھرتر (رتناگری) ۔ (۱۲) نسیم بامنے ، کرلا ، ممبئی ۷۰ ۔ (۱۳) جاوید اے جی ، ممبئی ۱۱ ۔ (۱۴) شکیل احمد انصاری ، مومن پورہ ممبئی ۱۱ ۔ (۱۵) انور شبیر گاؤنکر ، ممبئی ۳ ۔ (۱۶) اشفاق بامنے ، بنگالی پورہ ، ممبئی ۳ ۔ (۱۷) نازنین بنگالی نرسی ناتھا اسٹریٹ ، ممبئی ۹ ۔ (۱۸) عتیق تابش داپولی (رتناگری) ۔ (۱۹) ذکیہ دادن ، ممبئی ۱۰ ۔ (۲۰) فوزیہ دادن ، ممبئی ۱۰ (۲۱) ممتاز سولکر ، کرلا ، رتناگری ۔ (۲۲) رضیہ بانو پانساری ، مہاڈ ۔ (۲۳) اشتیاق نزان ، تانڈیل اسٹریٹ ممبئی ۹ ۔ (۲۴) زاہدہ واگھو ، گورے گاؤں (رائے گڈھ) ۔ (۲۵) صابرہ ٹکری ، کرلا (رتناگری) ۔ (۲۶) عبدالحمید نائیک ، وڈالا ، ممبئی ۳۱ ۔ (۲۷) عبدالرحمٰن عمری منصوری ، مالیگاؤں (۲۸) محمد غالب ملا ، ساکھرتر (رتناگری) ۔ (۲۹) ممتاز شیخ ، جوگیشوری ، ممبئی ۶۰

سوال آپ کے جواب ہمارے

از: مسرت بانو

★ آپ نقشِ کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں تین سوالات پوچھ سکتے ہیں۔
★ سوالات غیر شائستہ اور غیر مہذب نہ ہوں۔
★ ہر سوال کے بعد جواب کیلئے جگہ چھوڑی جائے۔

★ شرف النساء اسماعیل قاضی — لے روڈ، بمبئی ۲

سوال:- پیسہ آتے ہی انسان مغرور کیوں ہو جاتا ہے؟

ج:- اگر ایسا ہوتا تو بھلو وہی لوگ مغرور بن جاتے ہیں جو احساسِ کمتری کا شکار رہے ہوں۔

سوال:- حیات و موت کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟

ج:- صرف ایک سانس کا۔

سوال:- جوشِ عمل انسان کو کہاں تک لے جاتا ہے؟

ج:- جوشِ عمل نے اب تک تو چاند پر پڑاؤ ڈال دیا ہے
مگر "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"

★ محمد افتخار لالہ میاں صابلے — ابوظہبی، متحدہ عرب امارات

سوال:- ایک گاؤں چوالیس جہاں بول رہا ہے پیسا
یہودیوں جیسی شیوا سے آدکا ہندوؤں کے جیسا
نام کے ہیں یہ بھی مسلمان ڈھنگ نہیں مسلم جیسا
اب آپ ہی بتایئے بھلا کیا ہوگا اس گاؤں کا؟

ج:- گمراہ ہو گئے ہیں۔ انھیں راہ بتایئے۔ ہم آپ کی کامیابی کے لئے دعا کریں گے۔

سوال:- ڈونگری کے آس پاس ہیں دو "داڑھی والے"
کرتے ہیں تبلیغ کی باتیں اور غیبت بھی کرتے ہیں
بھلا ان کو کیسے سمجھایا جائے کہ غیبت خود ہی شیطنت ہے۔ ذرا آپ انھیں سمجھا دیجئے نا؟

ج:- بھلا ہم کیا جانیں وہ کون لوگ ہیں۔ آپ جب جانتے ہیں تو سمجھانا آپ کا فرض ہو جاتا ہے۔ چاہے مانیں یا نہ مانیں۔ ورنہ آپ کا یہ سوال بھی غیبت میں شامل ہوگا۔

★ عبد الحمید ابراہیم مادرے — سیہوڑہ، ضلع گنیہ

سوال:- ندامت کے آنسو کیا گناہ دھو سکتے ہیں؟

ج:- ضرور دھو سکتے ہیں۔ بقول شاعر:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے میرے جو تھے عرقِ انفعال کے

سوال:- انسان اپنی نظر جھکا کر کب چلتا ہے؟

ج:- جب وہ اپنے کئے پر شرمسار ہو۔

سوال:- انسان اپنی قسمت پر کب روتا ہے؟

ج:- جب موقع ہاتھ سے نکل جائے۔

★ انجم آرا عنایت اللہ مستقطی — ممبرا، ضلع تھانہ

سوال:- بغیر اعتقاد کے محض تماشائی کی حیثیت سے تعزیہ دیکھنے جانا کیسا ہے؟

ج:- تعزیہ داری بدعت ہے اور بدعت کا کام خواہ تماشائی طریقہ پر ہی کیوں نہ ہو نہ کیا جائے۔

سوال:- محرم مہینہ میں بالخصوص پہلے عشرہ میں شادی کرنا کیسا ہے؟

ج:- درست ہے۔ شریعت میں اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امام عالی مقام حضرت حسینؓ کی شہادت پر اپنے کسی دوست احباب ماتم کناں ہوتے ہیں اس لئے ان دنوں شادی کی تقریب منعقد نہیں کیا کرتے۔

★ نذر کمال الدین لھوت — پونہ فلون

سوال: جان ہے تو جہان ہے ۔ دل ہے تو ......

ج: گمان ہے۔

سوال: دھرتی اگر ماتا ہے تو پھر گگن ...... ؟

ج: ددھاتا۔

★ سلطانہ عبدالرزاق چیلونکر — ممبرا ضلع تھانہ

سوال: کیا کنجوس والدین کے بچے بھی کنجوس ہوتے ہیں؟

ج: جی ہاں اس وقت تک جبکہ ان کے والدین بقید حیات ہیں۔

سوال: بے خوابی کی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

ج: تارے گننا شروع کیجئے۔ اس لئے کہ خواب آور گولیوں کا استعمال مضر صحت ہو سکتا ہے۔

شاعر کہتا ہے:

تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے

★ اسلم عباس گوندلیکر — آشٹی تعلقہ کھیڈ

سوال: وہ کون سے پرندے ہیں جو رات کو نظر آتے ہیں، دن کو نہیں؟

ج: الو اور چمگادڑ۔

سوال: ہمارا بھارت دیش کن کن دریاؤں سے سرسبز و شاداب ہوتا ہے؟

ج: ایک طویل فہرست ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ جغرافیہ کی کتاب دیکھ لیں۔

سوال: ہمارے دیش کا نام بھارت کیسے پڑا؟

ج: اصل نام تو بھارت ورش ہے جو مختصراً بھارت ہوگیا۔ ہندوستان اور انڈیا تو بعد کے نام ہیں۔

★ اسماعیل طاہر پٹیل کار — دمام سعودی عربیہ

سوال: عورت کے لغوی معنی کیا ہیں؟

ج: ستر ۔ قابل پوشیدگی۔

سوال: کسی عمارت میں آگ لگ جائے تو اگنی شامک کو بلایا جاتا ہے۔ اگر دل کو آگ لگ جائے تو کیا کریں؟

ج: شامت اعمال کو یاد کریں۔

سوال: کیا کوئی کوکنی خاتون فلم کی ہیروئن بنی ہے؟

ج: جی ہاں ۔ اور آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ وہ آپ ہی کے پرکار خاندان کی دختر نیک اختر ہے۔

★ محمد صادق عبدالغفور خیر — بانکوٹ تعلقہ منڈنگڑھ

سوال: وہ کیا چیز ہے جو بن مانگے ملتی ہے؟

ج: گرانی۔

سوال: دنیا میں سب سے بڑی عمارت کونسی ہے اور کہاں ہے؟

ج: امپائر اسٹیٹ بلڈنگ ۔ نیویارک امریکہ میں ہے۔

★ نورالدین ابوبکر سالگاؤنکر — آزاد نگر کرلا بمبئی

سوال: مجلس میں ایک سیدزادہ بھی شریک ہے اور نماز کا وقت ہوگیا ہے تو کیا یہ ضروری ہے کہ آل رسولؐ ہونے کے ناطے سید کو امامت دی جائے؟

ج: امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ، صحیح العقیدہ اور نماز کے مسائل سے واقف ہو۔ اگر سیدزادہ ان شرائط پر پورا اترتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ غیر سید عالم امامت کے لائق ہے۔

★ کیا عورت مرد کے ساتھ جماعت میں نماز پڑھ سکتی ہے؟

ج: پڑھ تو سکتی ہے مگر مردوں سے بہت دور پیچھے رہے ۔ ساتھ کھڑے رہنے سے نماز نہیں ہوگی۔

گوش بر آواز

★ اگست ۱۹۸۴ء کا نقشِ کوکن دستیاب ہوا۔ اس ماہ کا رسالہ بھی انہی تمام معلومات اور مضامین سے بھرا ہوا تھا جس کی لوگوں کو اشد ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ایک رسالہ ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے آبائی وطن کے حالات سے ہزاروں میل دور رہنے کے باوجود باخبر ہوتے ہیں۔ اس مہینے کے رسالہ میں قاسم بجلے صاحب کا مضمون "فساد" قابلِ تعریف رہا ہے۔

داؤد جوگلے ــــ دوحہ قطر

★ ستمبر ۱۹۸۴ء کا نقشِ کوکن دیکھا۔ پرچے کی کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس شمارے میں چند مضامین دیکھ کر واقعی بہت افسوس ہوا۔ جرمن پرکار صاحب نے اپنی تعریف و توصیف کے جو دریا بہائے ہیں۔ اس کے بجائے سچ مچ کوئی تخلیق پیش کی ہوتی تو زیادہ اچھا ہوتا۔

شرف کماپی صاحب ایسا سچ کہہ گئے ہیں جس سے دل آزاری تو ہوتی ہے، کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ممبئی کے جس ڈاکٹر کا ذکر انھوں نے کیا ہے ان کو میں بذاتِ خود میں جانتا ہوں۔ بہت سارے آدمی اُن کی انگلی پکڑ کر اٹھے۔ یہ تو ان کا ظرف تھا کہ ان کے اتنے بے تکے مضمون کو انھوں نے اپنے پرچے میں جگہ دی۔ بہتر آئندہ ان کو سچ بولنے سے دُور رکھا جائے۔ یہی قوم کے لئے بہتر ہے۔

داؤد خان احمد خان دیشمکھ

لوٹے تورڈ پلی، تعلقہ مہاڈ، ضلع رائے گڑھ

★ سرزمینِ کوکن سے منسوب "نقشِ کوکن" اعلیٰ معیار کا انفرادی رسالہ ہے۔ یہ ہر ماہ پابندی سے ہمارے گھر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہم چاہتے ہوئے بھی خوبصورتی سے اسے پڑھ نہیں سکتے۔ چھپائی آنکھوں پہ بار ہوتی ہے۔ اس کی قیمت کم ضرور ہے مگر آپ چاہیں تو اس رسالے میں تحریر کی خوبی پیدا کر سکتے ہیں۔

مس حسن آرا حسن مہاڈک۔ کرلا ممبئی

★ میں پچھلے دس سالوں سے نقشِ کوکن خرید کر پڑھتا ہوں۔ اس میں متعدد لوگوں نے لکھا اور اپنی یادوں کے نقوش چھوڑ گئے۔ مگر مبارک کاپڑی صاحب نے بے حد متاثر کیا ہے۔ تین چار شماروں سے شمس کنول صاحب کے مضامین کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے۔ میں اسے سونے پہ سہاگہ سمجھتا ہوں۔

سید سبط حسن برماوی۔ ممبئی

★ نومبر ۱۹۸۴ء کے نقشِ کوکن میں یہ خبر پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ مضمون نویسی کے مقابلے میں جیتنے والوں کو ایک ہزار ایک سو روپئے کے نقد انعامات دیئے جائیں گے۔ جو افریقہ کی ایک علم دوست ہستی جناب اے قیس صاحب مرحمت فرمائے ہیں۔ قیس صاحب کا یہ جذبہ قابلِ قدر ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ قوم میں قیس صاحب جیسے اور بھی مخیر اور علم دوست حضرات پیدا ہوں تاکہ اس قسم کی سرگرمیاں تیز کی جا سکیں۔

علاؤالدین سرکھوت۔ ممبئی

نقش نواز

نقشِ کوکن کے نئے بننے والے خریداروں کی فہرست کی اشاعت پر نہ صرف آپ قوم و ادب کے خیر خواہوں سے متعارف ہوتے ہیں بلکہ ہمیں بھی اپنے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔
پچھلے اس ماہ کے خریداروں کی فہرست درج ذیل ہے:

لائف ممبرس :-

ڈاکٹر عبدالوہاب دانش ۔ بمبئی ۸
محترمہ زینڈاے مُلّا ۔ گھاٹکوپر بمبئی
فیض عالم خلیل الرحمٰن نقیب ۔ ذرو تحفت
محترمہ ریحانہ نظام ڈانگرے ۔ بہادر شیخ
جناب قاسم اسماعیل حاجی ۔ ورسوا ۔ بمبئی
〃 شوکت علی ایچ قاضی ۔ سیوڑی بمبئی
محترمہ یٰسین سید عبدالشکور قادری کرلا بمبئی
جناب یوسف اسحاق دھنشے موربہ
〃 عبدالحمید یونس قاضی بھوین
〃 محمد شریف حسین میاں مقدم انجنویل

بیرون ہند سالانہ خریدار :-

جناب انور حسن کٹمالے الوجہ سعودی عربیہ
〃 عبدالغفور سرگروہ ینبو سعودی عربیہ
〃 مجاہد عبدالمجید سندیلکر دوحہ قطر

سالانہ خریدار :-

جناب محمد نورالدین مجبلے کالسته
محترمہ نورجہاں علی احمد کاٹری کونڈیورا
اردو اسکول ہرنئی منجانب: محترمہ رابعہ غنی پاؤسکر
محترمہ عائشہ بی عباس میاں ہرگے ہرنئی
جناب عظیم ابراہیم سارنگ ہرنئی
〃 ابوبکر اوکئے کرلا ۔ بمبئی
محترمہ خورشید محمود پاسکر شیون
جناب وادل آر پرکار اہم
ینگ مسلم لائبریری پیڈوے ضلع رتناگری
نوجیون ہائی اسکول شیون منجانب: جناب ساحر شیونا
جناب محمود صالح عبدالرحمٰن پٹیکلا بمبئی ۱
〃 عبدالحمید نایحق [illegible] گاہ ضلع ٹھانہ

مرتب: نفی بن صادق

کراچی میں نقشِ کوکن کا خیر مقدم

بیگم رقیہ صاحب کے مختصر دورہ پاکستان میں ۱۶ اکتوبر کی شام بیٹھکر منزل کراچی میں نقشِ کوکن کے پرانے خیر خواہوں اور فعال کارکنوں نے ملاقات کی۔ اس میٹنگ میں محمد یوسف ممبئی والا، جعفر پٹیل، صغیر بیٹھکر، بشیر بیٹھکر، اسحاق مقادم، عبدالستار دشمکھ اور دیگر معزز حضرات نے شرکت کی۔ نقشِ کوکن پبلی کیشن ٹرسٹ کے مقاصد اور اغراض جاننے کے بعد تمام حضرات نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔ جناب اسحاق مقادم صاحب اور محمد یوسف ممبئی والا صاحب نے تمام ریکارڈس اور اکاؤنٹس رکھنے کا ذمہ لیا ہے۔ محترم قمرالدین صاحب قاضی جو کہ پاکستان کی کوکنی برادری میں اپنی پُرخلوص خدمات کے لئے خاص طور پر عزیز ہیں۔

۲۰ اکتوبر کی شام قاضی صاحب کے دولت کدے پر ایک میٹنگ ہوئی جس میں قاضی صاحب نے نقشِ کوکن سے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا اور ماہناموں خریداری کی پیشکش کو قبول کیا۔

ادارہ نقشِ کوکن تمام حضرات کا جنھوں نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے شکر گزار ہے نیز نئے ممبران اور ماہنامہ خریداری قبول کرنے والے حضرات کا بھی شکر گزار ہے۔

فیض صاحب کو خراجِ عقیدت

برصغیر کے مقبول شاعر جناب فیض احمد فیض کی وفات پر ایک تعزیتی جلسہ ۲۲ نومبر ۸۴ء کی شب میں الہلال بلڈنگ باندرہ کے بالاخانہ پر منعقد ہوئی جس کی صدارت ہندوستان کے مشہور اردو شاعر جناب اخترالایمان نے انجام دی۔ اردو بلٹز کے مدیر جناب حسن کمال، جناب علی سردار جعفری، پروفیسر فضیل جعفری، جناب مجروح سلطانپوری، جناب عزیز قیسی، ڈاکٹر عبدالستار دلوی، جناب حسن نعیم، جناب باقر مہدی، جناب ظ۔ انصاری، اور صاحب صدر نے فیض مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

جلسہ کے آغاز میں مس فوزیہ دلوی نے فیض صاحب کی ایک نظم پڑھی اور مشہور گلوکار مرتضیٰ خان صاحب نے فیض صاحب کی دو مشہور نظمیں سنائیں۔

جناب یوسف ناظم صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ اس تقریب کے انعقاد میں ادارہ نقشِ کوکن نے تعاون دیا۔

ناراض نہ ہوں

آپ کے حلقہ کی کوئی خبر، رپورٹ، تذکرہ، رحلت، کامیابی یا اسی قبیل کی کوئی خبر نقشِ کوکن میں شائع نہیں ہوئی ہے تو سمجھ لیجئے کہ ادارہ کو اس کی اطلاع نہیں ملی ہے۔

عدمِ اشاعت پر ناراض نہ ہوں بلکہ ادارہ کو تحریراً مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

ویر کی شاندار مسجد

جناب عبدالرحیم محمد حسین پٹیل متوطن ویر تعلقہ مہاڈ ضلع رائے گڑھ حال مقیم نیروبی ایسٹ افریقہ نے جب وہ دو سال پہلے اپنے گاؤں آئے تھے تعمیر مسجد کا کام اپنے ذمہ لیا؛ اور دو لاکھ

روپئے کے صرفہ سے ایک شاندار مسجد تعمیر کی۔ اللہ تعالیٰ اس
کار خیر کا ثواب عظیم عطا فرمائے۔

M.E.S. داپولی کا سالانہ جلسۂ عام

مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو نیشنل ہائی اسکول داپولی
کے سابق طالب علم اور محمدیہ ہائی اسکول کے پرنسپل
جناب اے۔ آر۔ کے موبلکر کی صدارت میں اسکول کے اسمبلی ہال
میں منعقد ہوا۔ اس جلسے میں بہت مختلف امور پر
اہم فیصلے کئے گئے وہاں سوسائٹی کی طرف سے چلائے جانے والے
ٹیکنیکل ادارے کے لئے عطیات جمع کرنے کی غرض سے ممبئی
اور مقامی سطح پر دو کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔

بمبئی کمیٹی ۱۔ جناب اے۔ آر۔ کے موبلکر (کنوینر)۔
جناب عبداللہ داؤد سارنگ • جناب عثمان کمو توما لونکر۔
〃 داؤد علی میاں نثر پور نعمتکر • جناب عباس کمال الدین موبلکر۔
〃 عبدالرحمٰن علی بھارزے • 〃 عبدالرحمٰن محمود قاضی۔
〃 داؤد شیخ علی خطیب • 〃 ندیم داد رکر۔
〃 فقیر محمد مستری • 〃 ابراہیم عبدالستار رکھانگے۔
〃 ڈاکٹر اشرف قاضی۔

مقامی کمیٹی ۱۔ پروفیسر خالد آرائی (کنوینر)
ڈاکٹر طاہر خان سرگروہ • جناب آر۔ ایل۔ خان
جناب جی۔ ڈی۔ پرکار • 〃 کے۔ کے۔ قاضی
〃 عبدالرشید عمر رکھانگے • 〃 ابراہیم محمد خان دیشمکھ
〃 اے۔ ایم۔ خان۔

ستمبر ۸۴ء میں بورڈ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن مہاراشٹر کے
الیکٹریکل وائرمین کورس کے امتحان میں اس ادارے سے جو
اے طلبہ شریک ہوئے تھے وہ تمام طلبہ امتیازی نمبر سے کامیاب
ہوئے۔ یکم دسمبر ۱۹۸۴ء سے شروع ہونے والے الیکٹرک وائرمین
دسمبر ۱۹۸۴ء

کے شش ماہی کورس کے لئے داخلے جاری ہیں۔ آٹھویں، نویں
پاس بچوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔

چپلون ایجوکیشن سوسائٹی کا سالانہ جلسۂ عام

چپلون ایجوکیشن سوسائٹی کا ۱۹۸۳–۸۴ء کا سالانہ
جلسۂ عام مہاراشٹر ہائی اسکول چپلون میں سوسائٹی کے
صدر عالی جناب کے۔ ایس۔ جیلی کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ گذشتہ
سالانہ جلسے کی روداد، سالانہ احوال، جمع خرچ اور آڈٹ نوٹ
جلسے میں پیش کر کے اسے منظوری دی گئی۔ اراکین سوسائٹی نے
سوسائٹی کے کام کاج سے متعلق سوالات کے اطمینان بخش
جوابات دیئے۔ سنہ ۱۹۸۵–۸۶ء کا بجٹ پیش کر کے منظور کیا گیا۔
اگلے پانچ سال کے لئے (۱) جناب عمر محمد صالح سنگے (۲)
جناب حسن احمد سنے اور (۳) جناب ابراہیم عبدالرحمٰن وانگڑے
الاہم کا سوسائٹی کے ٹرسٹیان کے لئے اتفاق رائے سے
انتخاب کیا گیا۔ اس جلسۂ عام میں سوسائٹی کی مشاورتی
کمیٹی کے رکن عالی جناب علی دادامیاں دلیمانی کو مہاراشٹر گورنمنٹ
سے جے۔ پی۔ کا خطاب ملنے کی خوشی میں مبارکباد دی گئی۔ آخر میں
سوسائٹی کے چیرمین عالی جناب حاجی شہاب الدین وانگڑے
نے شکریہ ادا کیا۔

(نامہ نگار، ع۔ ش کھرڈاص)

کوکن کلچرل اینڈ سوشیل ایسوسی ایشن

شہر بمبئی میں مقیم باشندگان کوکن میں سماجی و ثقافتی
سرگرمیوں کے فروغ کے لئے ایک انجمن کا قیام عمل میں لایا جا رہا ہے۔
جس کا نام کوکن کلچرل اینڈ سوشیل ایسوسی ایشن ہوگا۔
دلچسپی رکھنے والے حضرات و نوجوانوں سے درخواست
ہے کہ وہ مندرجہ ذیل پتہ پر جلد سے جلد رابطہ قائم کریں۔

مجید حسن جوگلے (کنوینر)
۳۰ بورا اسٹریٹ، بمبئی ۳

کوکن ایجوکیشنل فنڈ کویت

اسکالرشپ کا اعلان

سال گزشتہ کی طرح امسال بھی کوکن ایجوکیشنل فنڈ کویت نے ہندوستان میں مقیم تعداد اکرمی ہستی رنیو درگ سندھ راے گڑھ اور بمبئی کے ۸۰ (اسّی) کوکنی مسلم طلبا اور طالبات کی اسکالرشپ کے لئے کل ۲۲۰۰۰ (بائیس ہزار) روپئے منظور کئے ہیں۔ ہائی اسکول گروپ فی طالب العلم کل ۲۰۰ (دو سو) روپئے۔ اور کالج / پالی ٹیکنیک، فی طالب العلم کل ۳۵۰ (تین سو پچاس) روپئے دینے کا اعلان کیا ہے۔

تعلیمی سال رواں کے لئے مندرجہ ذیل طلباء و طالبات کو اسکالرشپ کا مستحق قرار دیا گیا ہے:

نامہ نگار: عبدالوہاب ابراہیم سال وِنکر
(صدر ایجوکیشنل فنڈ کویت)

ہائی اسکول گروپ :-

۱۔ محمد عمر محمد عثمان انصاری ۲۰۰ روپئے
۲۔ غفران عالم عطاء اللہ انصاری ۲۰۰ ″
۳۔ غزالہ بانو قادر بیگ ۲۰۰ ″
۴۔ عبدالرؤف ابراہیم جانفیکر ۲۰۰ ″
۵۔ غوث عباس چودھری ۲۰۰ ″
۶۔ زین العابدین محمد داجھولکر ۲۰۰ ″
۷۔ یٰسین احمد دلوی ۲۰۰ ″
۸۔ محمد اشرف عبدالغنی دلوی ۲۰۰ ″
۹۔ کوثر قاسم میاں گدکری ۲۰۰ ″
۱۰۔ اختری عباس گانگریکر ۲۰۰ ″
۱۱۔ شہباز عبدالرحمٰن دلوی ۲۰۰ ″
۱۲۔ حمیدہ قاسم ہرنکر ۲۰۰ روپئے
۱۳۔ قادر شریف حکیم ۲۰۰ ″
۱۴۔ شبنم آدم جعفر ۲۰۰ ″
۱۵۔ سلطانہ احمد کھوت ۲۰۰ ″
۱۶۔ منوّری عبدالکریم خالو ۲۰۰ ″
۱۷۔ تبسم نور خطیب ۲۰۰ ″
۱۸۔ دلنواز ابن خطیب ۲۰۰ ″
۱۹۔ نیاز داؤد کھوت ۲۰۰ ″
۲۰۔ رشید محمود خلفے ۲۰۰ ″
۲۱۔ عبدالسلام عبدالغفور کوچل ۲۰۰ ″
۲۲۔ باکیر احمد کھاپچے ۲۰۰ ″
۲۳۔ ممتاز زین الدین قاضی ۲۰۰ روپئے
۲۴۔ اشفاق محمد سعید ملّا ۲۰۰ ″
۲۵۔ نسیم اسماعیل مجاور ۲۰۰ ″
۲۶۔ نعیمہ عبداللطیف مجگاؤنکر ۲۰۰ ″
۲۷۔ نظام الدین محمد مقادم ۲۰۰ ″
۲۸۔ قیصر بانو عبدالرزاق مغل ۲۰۰ ″
۲۹۔ مسرور حسن مائیکر ۲۰۰ ″
۳۰۔ ذاکر یونس مجگاؤنکر ۲۰۰ ″
۳۱۔ شاکر عبدالحمید ملّا ۲۰۰ ″
۳۲۔ انور عبدالمجید ملّا ۲۰۰ روپئے
۳۳۔ اسرار شیخ حسن ناخوا ۲۰۰ ″
۳۴۔ ریحانہ داؤد وناڈکر ۲۰۰ ″
۳۵۔ زبیدہ عبدالقادر ریبلکر ۲۰۰ ″
۳۶۔ اخلاق اسماعیل پائکر ۲۰۰ ″
۳۷۔ الیاس داؤد میاں پٹیل ۲۰۰ ″
۳۸۔ نذیر یونس مچھالی ۲۰۰ ″
۳۹۔ عابد عثمان ستار ۲۰۰ ″
۴۰۔ نوشاد عبداللطیف ساکھرکر ۲۰۰ ″

کالج گروپ :-

۱۔ عبدالمنان عبدالرزاق کھوبیل ۳۵۰ روپئے
۲۔ مہ جبین داؤد ڈگلے ۳۵۰ ″
۳۔ نوشاد نذیر احمد ڈگلے ۳۵۰ ″
۴۔ خیرالنساء عبداللہ دھنشے ۳۵۰ ″
۵۔ شمس الدین عبدالکریم دھنشے ۳۵۰ ″
۶۔ سائرہ محمد کاوے ۳۵۰ ″
۷۔ عبدالعلیم محمد دلوی ۳۵۰ ″
۸۔ حفیظ الرحمٰن مظہر نشیہ ۳۵۰ ″
۹۔ محمد حنیف عباس دلوی ۳۵۰ ″
۱۰۔ زاہد اسماعیل گھگیکر ۳۵۰ ″
۱۱۔ اقبال عبداللطیف ہنریکر ۳۵۰ ″
۱۲۔ خالد حسین تجوالے ۳۵۰ ″
۱۳۔ الیاس عبداللطیف قاضی ۳۵۰
۱۴۔ انور عبدالمجید کلبے ۳۵۰ ″
۱۵۔ یحییٰ ہدایت اللہ قاضی ۳۵۰ ″
۱۶۔ مشتاق احمد کاپڑے ۳۵۰ ″
۱۷۔ اقبال ابراہیم خلفے ۳۵۰ ″
۱۸۔ خورشید احمد محمد محسن ۳۵۰ ″
۱۹۔ شکیلہ محمود خطیب ۳۵۰ ″
۲۰۔ اخلاق احمد علی مہاڈکر ۳۵۰ ″
۲۱۔ محمد عقیل محمد یعقوب مرچے ۳۵۰ ″
۲۲۔ تبسم عبدالقادر ملّا ۳۵۰ ″
۲۳۔ ممتاز محمد ابراہیم مومن ۳۵۰ ″
۲۴۔ محمد عبدالرشید مومن ۳۵۰ روپئے
۲۵۔ عبدالعلیم عبدالرزاق مومن ۳۵۰ ″
۲۶۔ شہنازہ محمد ابراہیم مومن ۳۵۰ ″
۲۷۔ شبیر بابا مودک ۳۵۰ ″
۲۸۔ حمیدہ عبدالرحمٰن موڈک ۳۵۰ ″
۲۹۔ اختر علی داؤد نگرجی ۳۵۰ ″
۳۰۔ زیبنہ عبدالرزاق انجیکر ۳۵۰ ″
۳۱۔ مقصود آدم میٹھوی ۳۵۰ ″
۳۲۔ نرگس عزیز مینگارکر ۳۵۰ ″
۳۳۔ امین الدین ضیاء الدین قاضی ۳۵۰ ″
۳۴۔ زکریا ہدایت اللہ قاضی ۳۵۰ ″
۳۵۔ امتیاز محمد شاہ ۳۵۰ ″
۳۶۔ شاہ انعام رشید شفیق ۳۵۰
۳۷۔ شہناز خاتون یعقوب شیخ ۳۵۰ ″
۳۸۔ راج میر عبداللہ ساکھرکر ۳۵۰ ″
۳۹۔ عبداللہ ابراہیم ساکھرکر ۳۵۰ ″
۴۰۔ سید نظام الدین شہاب الدین ۳۵۰ ″

★

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بنک ترقی کی شاہراہ پر

خالص منافع ۹۷ لاکھ ۴۶ ہزار اور ۱۳۸ کروڑ روپے ڈپازٹ

فارن ایکس چینج کے کاروبار میں اضافہ

بمبئی مرکنٹائل کوآپریٹو بنک گذشتہ سال کے دوران ہمہ جہتی ترقی کر کے یکم جولائی ۱۹۸۴ء کو اپنے وجود کے ۳۷ ویں سال میں داخل ہوا اور پورے ملک کے کوآپریٹو سیکٹر کے بنکوں میں ڈپازٹس، ورکنگ فنڈ اور خالص منافع کے لحاظ سے اپنے مثالی اور اعلیٰ مقام کو برقرار رکھ سکا۔

خالص منافع :- ۳۰ جون ۱۹۸۴ء کو ختم ہونے والے سال کے دوران بنک نے ۹۷,۱۶,۰۰۰/= روپے منافع کمایا جب کہ گذشتہ سال منافع ۸۹,۶۲,۰۰۰/= روپے تھا۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ۱۲ فیصد کی شرح کو برقرار رکھا اور اس کی سفارش کی ہے۔ مہاراشٹر کوآپریٹیو سوسائٹیز ایکٹ کے تحت اس سے زیادہ دینے کی اجازت نہیں ہے۔

ڈپازٹس :- بینک کے کل ڈپازٹس ۱,۰۹,۶۶,۵۷,۰۰۰/= روپے سے بڑھ کر ۳۰ جون ۱۹۸۴ء کو ۱,۳۷,۹۸,۰۰,۰۰۰/= روپے ہو گئے۔ ڈپازٹس میں اضافے کی یہ شرح 25.47 فیصد ہے، جو ساری بینک انڈسٹری کی شرح 17.37 فیصد سے زیادہ رہی۔ اور کھاتوں کی کل تعداد بڑھ کر ۳,۳۴,۰۰۰ ہو گئی۔

پیڈ اپ شیئر کیپیٹل :- کل پیڈ اپ شیئر کیپیٹل ۳۰ جون ۱۹۸۳ء کو ۱,۶۴,۶۳,۰۰۰/= روپے تھا جو ۳۰ جون ۱۹۸۴ء کو کل ملا کر ۱,۸۰,۵۷,۰۰۰/= ہو گیا اور شیئر ہولڈروں کی کل تعداد ۹۴۵۱۴ سے بڑھ کر ۹۸,۰۰۰ ہو گئی۔

ریزرو اور دوسرے فنڈز :- گذشتہ سال کے اختتام پر ریزرو اور دوسرے فنڈ کی رقم ۵,۸۸,۸۴,۰۰۰/= روپے تھی جو ۳۰ جون ۱۹۸۴ء کو بڑھ کر ۶,۹۳,۰۰,۰۰۰/= روپے ہو گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ 17.17 فیصد کا اضافہ ہوا جس سے بینک کا ذاتی فنڈ یعنی پیڈ اپ شیئر کیپیٹل اور ریزرو فنڈ پر مشتمل ہے ۸,۷۰,۵۰,۰۰۰/= روپے پہنچ گیا۔ یہ کل ڈپازٹ کا 6.31 فیصد ہے۔ اس سے بینک کی بہتری کا پتہ چلتا ہے۔

قرضے :- ۳۰ جون ۱۹۸۴ء تک کل ۵۷,۴۳,۰۰,۰۰۰/= روپے کے قرضے دیئے گئے ترجیحی سیکٹر کو مدنظر رکھتے ہوئے بینک ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کے تحت کمزور طبقات کو زیادہ قرضے دینے کی مکمل کوشش کر رہی ہے۔ بڑی تعداد میں چھوٹے قرضداروں کو قرضے دیئے گئے اور ۲۴۴۰۰ قرضے داروں سے تناسب سے ہر قرضے دار کو ۲۳,۰۰۰/= روپے کا قرضہ ملا۔ ۳۰ جون ۱۹۸۴ء کو ختم ہونے والے سال کے دوران قرضوں میں ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام سمیت ترجیحی سیکٹر کا حصہ ۳۸ فیصد ہے۔ اس سے بینک کی ان کوششوں کا اظہار ہوتا ہے جس سے بینک نے ترجیحی سیکٹر کو بہتر بنانے کے لئے ریزرو بینک کے بتائے ہوئے طریقوں پر قرضے دیئے گئے۔

فارن ایکس چینج کا کاروبار :- اس سال فارن ایکسچینج ڈویزن نے جو کاروبار کیا اس میں ہمہ جہتی ترقی ہو گئی۔ ایکسپورٹ سیکٹر کو ۵۵۹۰ لاکھ روپے کے قرضے دیئے گئے، جس سے بینک کی ان کوششوں کا اظہار ہوتا ہے جو بینک ملک کی ایکسپورٹ بڑھانے کے لئے کر رہی ہے۔ دوران سال ۱۰۸۹ لاکھ روپے امپورٹ بل اور لیٹرز آف کریڈٹ جاری کئے گئے۔ غیر ملکوں میں آباد ہندوستانیوں کو ڈپازٹ حاصل کرنے اور کھاتے کھولنے میں بینک کی کامیابی بدستور جاری رہی۔ فارن ایکسچینج کی کل ڈپازٹس ۶,۲۳,۰۰,۰۰۰/= روپے ہے دوران سال بینک نے

... ۱۱ جون کو سعودی ریال دینے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ اس سرٹیفکیٹ کو حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کی مختلف بینکوں نے کوشش کی تھی۔

ورکنگ کیپٹل :۔ بینک کا ورکنگ کیپٹل جو [illegible] ۳۹ لاکھ روپے مختلف سے بڑھ کر [illegible] روپے ہوگیا جس سے بہترین ترقی کا واضح ہوتی ہے۔

ٹریننگ کالج :۔ دوران سال بینک کے عملہ کو بینکاری میں مہارت حاصل کرنے کے لئے اور عملہ کو بہتر خدمت انجام دینے کے لئے شیخ محمد علی اللہ کمشتی ٹریننگ کالج میں بغرض تربیت بھیجا گیا۔

ستائش :۔ ... جون ۱۹۸۲ء کو بینک کی ۳۱ برانچیں تھیں جس میں بینک کا ہیڈ آفس بھی شامل ہے۔ جو بمبئی میں واقع ہے۔

کراچی کوکن مسلم رابطہ کونسل کا جلسہ

کوکن مرکزی رابطہ کونسل برادری کی تمام علاقائی جماعتوں کی مجلس انتظامیہ کا مشترکہ اجلاس ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو کوکن مسلم جماعت بمبئی ٹاؤن کمیونٹی سینٹر کی عمارت واقع بلاک [illegible] ناظم آباد کراچی زیر صدارت جناب ایم۔ آئی۔ اے غنی صاحب منعقد ہوا۔ کونسل کے گزشتہ تین سالہ کارکردگی کی رپورٹ پڑھ کر سنائی گئی اور اس کی توثیق ہوئی۔

کونسل کے صدر جناب ایم۔ آئی۔ اے غنی صاحب کی درخواست پر حاضرین نے کچھ تجاویز پیش کیں جس میں کونسل کا آئین بنانے پر زور دیا گیا۔ جس کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ کوکنی مردم شماری کا کام جو اپنے آخری مراحل سے گزر رہا ہے، اس کو جلد سے جلد مکمل کرنے کا فیصلہ ہوا۔

حاضرین نے کونسل کے صدر جناب ایم۔ آئی۔ اے غنی صاحب، جناب قمرالدین قاضی صاحب اور جناب عبدالقادر صاحب کی خدمات کو سراہتے ہوئے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

جناب فخرالدین حبیب آفندی صاحب ممبر [illegible] نے اجلاس سے خطاب کیا اور کونسل کی کارکردگی کی بڑی تعریف کی اور یقین دلایا کہ کونسل کے لئے وہ اپنی پوری خدمات انجام دیتے رہیں گے۔ آخر میں کونسل کے صدر نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اور چائے کے دور کے ساتھ اجلاس بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا۔

کوکنی مسلم کلب نیروبی کے زیرِ اہتمام

[illegible] کا انعقاد ہوا۔ اس عظیم الشان تقریب کی صدارت کلب کے صدر جناب عبدالرشید خلفے نے فرمائی۔ جو کہ عنقریب ہی مشرقی افریقہ چھوڑ کر امریکہ میں منتقل ہونے والے ہیں۔ ڈاکٹر داؤد [illegible] مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے۔ اور پروگرام کی اناؤنسنگ کے فرائض جناب عبدالرشید پرکار نے سر انجام دیئے۔ (نامہ نگار : شیخ اسماعیل)

قطر میں طرحی مسالمہ

جناب برقی ابوترابی صاحب کے جائے قیام پر محرم کے آخری ایام میں ایک طرحی محفلِ مسالمہ کا انعقاد ہوا جس کا خود بزم اردو قطر کے صدر برقی ابوترابی صاحب نے ہی میزبانی کا بار اٹھا کر اہتمام کیا۔

برقی ابوترابی، قاضی فراز احمد، بشیر صحرائی، ممتاز راشد، صبا شینانی، صفات علی صفات، محمد عسکری اور دیگر شعراء نے نعتیہ کلام کے ساتھ سلام عقیدت پیش کی۔ جناب ممتاز راشد صاحب نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ (نامہ نگار : [illegible])

انسکار کلب کے نئے عہدیدار

انسکار کلب بانکوٹ ایک سرگرم کلب ہے جو ہر سال آل کوکن سطح پر مختلف کھیلوں کے مقابلے منعقد کرنے کے علاوہ مفید سماجی خدمات بھی انجام دیتا رہتا ہے۔ اس کلب کی تاسیس کو ۲۴ سال پورے ہو چکے ہیں اور ۲۵ ویں (سلور جوبلی) سال کے لئے نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے:۔

صدر:۔ جناب شمیم خیر الانام بیگ

نائب صدر:۔ جناب رشید پرکار۔ جناب نویب بی ایم دادرکر۔

جنرل سکریٹری:۔ جناب عادل رکن الدین پرکار

جوائنٹ سکریٹری:۔ جناب منیر خان راکھرکر۔ جناب عابد ام (شاہ بابا) ۔ جناب آصف بی ایم دادرکر۔

خازن:۔ جناب برہان ایم وائی پرکار۔ جناب ظفر رکن الدین پرکار۔

ناظم نشر و اشاعت:۔ جناب جاوید ابراہیم دردے

میڈیکل آفیسرز:۔ جناب مامون ہارون سوبکے۔ جناب سراج اسحاق پرکار

اراکین مجلس عاملہ:۔ جناب نسیم سنگے، جناب عمران دردے۔ جناب جمال نارکر۔ جناب سراج پرکار، جناب حفیظ پرکار، جناب محمد اسحاق تیر۔ جناب خلیل خیر اور جناب تقی سنگے۔

اس ادارہ کے تحت اکتوبر ۸۲ء میں مختلف کھیلوں کے سالانہ مقابلے منعقد ہوئے جن کے نتائج حسب ذیل ہیں:۔

کرکٹ:۔ اول:۔ انسکار کلب بانکوٹ • دوم: ناصر باغ مانڈلہ

والی بال:۔ اول:۔ بجلی ٹیم شری وردھن • دوم: سکسن واٹرس کالسورے
سوم: سکسن اسٹارس نیگڑی

کبڈی:۔ اول:۔ نیشنل ٹیم باغ مانڈلہ • دوم: ینگ ایجنیئرس ڈیلائٹ ڈل بانکوٹ

بیڈمنٹن:۔ اول:۔ سندیپ کھیم نائیک شری وردھن۔
دوم:۔ رمیش بالڈی شری وردھن۔

کیرم سنگل:۔ اول:۔ ودیا دھر ساونت منڈن گڈھ
دوم:۔ نواب دادرکر بانکوٹ

کیرم ڈبل:۔ اول:۔ نواب دادرکر بانکوٹ • دوم: کرن پولیکر اور سنتوش گاندھی۔

تقسیم انعامات کا جلسہ روزنامہ "انقلاب" کے مدیر شری کانت جوشی کی صدارت میں اتوار مورخہ ۲۰ اکتوبر ۸۲ء کے روز منعقد ہوا۔

اظہار تشکر

امسال ہی کھیڈ ضلع رتناگری میں ٹیکنیکل ایجوکیشن سینٹر اسکول شروع کیا گیا۔ مگر اس اسکول میں حاجی ایس ایم مقادم ہائی اسکول کے بچوں کی شرکت سے انکار کیا گیا تھا۔ کھیڈ کے دو مراٹھی میڈیم اسکول اور بھرنا کی ایک ہائی اسکول۔ اس طرح سے تین اسکولوں کے بچوں کی شرکت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس غیر منصفانہ فیصلے کی وجہ سے حاجی ایس ایم مقادم ہائی اسکول کے بچوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی روز روشن کی طرح عیاں تھی۔ ان بچوں کو انصاف دلوانے کے لئے انجمن تعلیم کھیڈ کے سربرآوردہ عہدہ دار جناب اے آر ڈی خطیب نے نیک مقصد کو آخری مرحلے تک پہنچا دیا۔ وزیر حکومت بھائی صاحب ساونت اور ممبر پارلیمنٹ حسین خان دلوائی نے وزیر صنعت و حرفت جناب سدھاکر نائیک سے رابطہ قائم کر کے یہ انصاف دلوایا ہے۔ اور مقادم ہائی اسکول کی شمولیت کے ساتھ کھیڈ اور بھرنا کے کل ۴ ہائی اسکول میں سے ہر ایک سے پندرہ طلبہ لینے کا تہیہ ہو چکا ہے۔ اس تعاون پر انجمن تعلیم کے صدر جناب نواب علی لالہ سیکریٹری جناب اے آر ڈی خطیب، نائب صدر سدھاکر نائیک، بھائی صاحب ساونت و حسین دلوائی کا دل کی عمیق گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

نقشِ کوکن ٹیلنٹ فورم کا شاندار جلسۂ تقسیم انعامات

نقشِ کوکن کے ٹیلنٹ فورم کے تحت منعقدہ مضمون نویسی کے مقابلے کا جلسۂ تقسیم انعامات ۲۵ نومبر ۹۲ء کو رتن بائی ہال، کھیرنک بلڈنگ میں منعقد ہوا۔ پچھلے ماہ نقشِ کوکن نے کوکن کے اردو میڈیم ہائی اسکولوں کے مابین ایک مضمون نویسی کا مقابلہ منعقد کیا تھا جس میں چار عنوانات میں سے کسی ایک عنوان پر طبع آزمائی کرنی تھی۔ اس مقابلے میں تھانے، رائے گڑھ، رتناگری اور سندھو درگ ضلع کے ۲۲ اداروں کے ۱۷ طلبہ و طالبات نے حصہ لیا۔ فورم کا یہ پہلا مقابلہ جناب اے قیس (مقیم جنوبی افریقہ) نے SPONSOR کیا تھا اور ایک ہزار ایک سو روپئے اور ٹرافی مرحمت فرمائی تھی۔

تقسیم انعامات کے اس جلسے کی صدارت ڈاکٹر اے منشی (چیرمین مہاراشٹر اردو اکاڈمی) نے فرمائی جبکہ مہمانِ خصوصی کے طور پر جناب محمود مستری (مالک ایپھیکو انجینیرنگ) موجود تھے اور مہمانان کے طور پر جناب ایف ایچ لالہ (ریٹائرڈ جج) اور مشہور شاعر جناب ساحر شیوی حاضر تھے۔ جلسے کا آغاز جناب اکبر سلیمان مقدم صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، جس کے بعد نقشِ کوکن فورم کے سیکریٹری جناب ابراہیم سند ملکر صاحب نے مضمون نویسی کے مقابلے کی پوری رپورٹ پیش کی۔ بطور جج صاحبان پرنسپل اے آر موٹلیکر، پروفیسر علیم مختار اور محترمہ رقیہ نایک صاحبہ نے خدمات انجام دیں۔ محترمہ رقیہ صاحبہ نے بطور جج اپنے تاثرات پیش کئے۔

اس کے بعد تقاریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے جناب مبارک کاپڑی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور کسی بھی قوم کے لئے اخبار یا رسالے کی جو اہمیت ہوتی ہے اس پر روشنی ڈالی۔ نقشِ کوکن کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے نقشِ کوکن ٹیلنٹ فورم کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ مبارک صاحب کی تقریر کے بعد جناب شمس کنول (مدیر نگین) نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور نقشِ کوکن کے حلقے کو وسیع کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ جس کے بعد اردو کے مشہور مزاح نگار جناب یوسف ناظم صاحب نے ایک مقالہ پیش کیا۔ سامعین میں جسے کافی پسند کیا گیا۔ اس کے بعد جناب علی ایم شمسی نے تقریر کی اور نقشِ کوکن کی بے مثال خدمات کو سراہا۔

تقاریر کے بعد تقسیم انعامات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مہمانِ خصوصی جناب محمود مستری صاحب کے ہاتھوں انعامات تقسیم کئے گئے۔ اول انعام پانے والی طالبہ زہرہ بنت حسین تنبے (حاجی داؤد امین ہائی اسکول، کالسیکر) کو چار سو روپئے، ٹرافی اور ہائی اسکول کو سو روپئے۔ دوم انعام پانے والے طالب علم توفیق عباس تمبے (نیو انگلش اسکول قصبہ) کو ڈھائی سو روپئے اور ہائی اسکول کو پچاس روپئے۔ سوم انعام پانے والی طالبہ نزہت اقبال پینکر (انجمن اسلام جنجیرہ ہائی اسکول، گونڈگھر) کو ڈیڑھ سو روپئے اور ہائی اسکول کو پچاس روپئے۔ جب کہ خصوصی انعام پانے والے طالب علم موسیٰ محمد شعیب جان عالم (شاد آدم ٹیکنیکل ہائی اسکول بھیونڈی) کو سو روپئے دیئے گئے۔ ان طلبا اور ہائی اسکولوں کو اسناد (سرٹیفکیٹ) بھی عطا کئے گئے۔ جبکہ مقابلے میں حصہ لینے والے سبھی طلبہ و طالبات کو شرکتِ مقابلہ کی اسناد پیش کی گئیں۔

جلسے کے دوران ایک فنکار رشید عالم نے نقشِ کوکن کے تعلق سے لکھی گئی ایک نظم اپنی خوب صورت آواز میں پیش کی۔

جناب ساحر شیوی صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور نقشِ کوکن کو اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ جناب

ایف۔ ایچ۔ لالہ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نقشِ کوکن کی خدمات کو سراہا۔ ڈاکٹر عشق صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں فورم کی کارکردگیوں کو سراہتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

ڈاکٹر عبدالکریم نائیک صاحب نے شکریہ ادا کیا۔ اس جلسے کی نظامت کے فرائض نقشِ کوکن ٹرسٹ کے ٹرسٹی جناب فقیر محمد مستری صاحب نے بخوبی انجام دی۔

آدرش ہائی اسکول کرجی

تعلیمی انجمن کرجی کے زیر انتظام چلائے جانے والے آدرش ہائی اسکول کرجی کے ایک معاون مدرس اور لائف انشورنس ایجنٹ جناب اے آر ڈی خطیب نے مارچ میں ہونے والے ایس ایس سی امتحان میں نمبر ۱ اسکول کے اول آنے والے طالب علم کے لئے ۱۰۱ روپئے بطور نقد انعام کا اعلان کیا ہے۔ جناب اے آر ڈی خطیب نے یہ ایوارڈ اپنے والد حاجی فقیہ داؤد حسین خطیب کے نام سے شروع کیا ہے۔

کامیابی

شہر کلیان کی طالبہ محترمہ زیب النساء بنت سید ابراہیم نے امسال بی ایس سی کا امتحان فرسٹ کلاس میں پاس کیا اور ۶۷ فیصد مارکس حاصل کئے۔ آپ تھانہ ضلع کے ڈائریکٹر تمام مسلم طالبات میں اول رہیں۔ آپ گونڈوانہ کالج الہ آباد کی طالبہ ہیں۔ آپ نے پرائمری اردو اسکول نمبر ۱ کلیان، مخلص اردو ہائی اسکول کلیان اور رشاد آدم شیخ جونیر کالج بھیونڈی میں تعلیم پائی۔ اور اب بھی تحصیل علم کا سلسلہ جاری ہے۔

ضروری اعلان

بزمِ فروغِ ادب کوکن کے زیرِ اہتمام تذکرہ شعرائے کوکن شائع کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا کوکن کے اندرون اور بیرونِ ملک مقیم شعراء و شاعرات از رہ بھی جو کوکن دوسرے علاقوں سے آکر مقیم ہوں، ان سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی، پاسپورٹ سائز تصویر اور منتخب شدہ چار عدد شعری تخلیقات درجِ ذیل پتہ پر ارسال فرما کر ممنون کریں۔

(یہ شعری تخلیقات کی تیاری نو آموز قلمکاروں کیلئے ہے۔ برگزیدہ شعرائے کرام ایک ہی تخلیق ارسال فرمائیں۔

نوگل بھارتی
ناظم و نگراں بزمِ فروغِ ادب کوکن

خط و کتابت کا پتہ:۔
رشید آثار صدر بزمِ فروغِ ادب کوکن
مقام پوسٹ دہور تعلقہ مہاڑ ۴۰۲۳۰۱
ضلع رائے گڑھ۔ مہاراشٹر

تصویریں

جناب اقبال حسین

چند اوقات ایسے ہوتے ہیں جسے انسان بھلا نہیں پاتا۔

جناب حسین عبدالغنی (چیرمن اور منیجنگ ڈائریکٹر آف غنی سنس ریڈیٹیرس پرائیویٹ لمیٹیڈ) کے جواں سال فرزند اقبال کے ساتھ بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا جو ۵ ستمبر ۸۴ء کو آٹو رکشا پر سفر کر رہے تھے کہ ایک حادثہ کا شکار ہوئے، اور مسلسل ۵ روز تک زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ مگر ۱۰ ستمبر ۸۴ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

مرحوم اقبال (متوطن کرجی تعلقہ کھیڈ) کی تعلیم بمبئی میں ہوئی۔ ایس۔ ایس۔ سی محمدیہ ہائی سکول بمبئی سے کیا۔ انٹرمیڈیٹ مہاراشٹر کالج سے اور بعد آٹو موبائیل انجینیرنگ میں درجہ اول میں ڈپلوما حاصل کیا۔ انجینیرنگ کی سند پاتے ہی اپنے ذوق و شوق کی تکمیل کے لئے ریڈیٹرانڈسٹری میں ایک پارٹنر کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ اپنے والد سے ریڈیٹیر مینوفیکچرنگ کی ٹیکنیک سیکھی اور تادم واپسیں پروڈکشن کی ذمہ داری نبھاتے رہے۔ مرحوم ڈھائی سال تک غنی سنس ریڈیٹر پرائیویٹ لمیٹڈ نئی ممبئی کے ڈائریکٹر رہے۔ اور اسے ابھارنے اور سنوارنے میں نمایاں خدمات انجام دی ہے۔

مرحوم کو خدمت خلق کا بڑا شوق تھا۔ سماجی خدمات کے علاوہ صنعت و حرفت میں نئے نئے تجربے کرنا اور امیدواروں کو آگے بڑھانا چاہتے تھے۔ بدقسمتی سے عمر نے وفا نہ کی ورنہ وہ کئی Technicians ٹیکنیشنز وجود میں لاتے۔

★ ★

★

شادی خانہ آبادی

★ نقش کوکن کے مخلص کارکن جناب عبدالمطلب ہیوری متوطن شمر گاؤں ضلع رتنا گیری کے برادر نسبتی جناب فاروق اسماعیل مکاندار کا عقد مسعود بتول بنت عبداللہ قاضی کے ساتھ ۲۵ نومبر ۸۴ء کو پیرا مسجد کاندیولی میں انجام پایا۔

★ تاج آفس ممبئی کے جناب خلیل فقیہ کے فرزند اسماعیل کا عقد مسعود ارجمند بانو بنت سید رزاق احمد کے ساتھ انجام پایا۔ اس سلسلہ میں استقبالیہ کی تقریب ۴ نومبر ۸۴ء کو ہوٹل تاج محل میں منعقد کی گئی جس میں شہر کی ممتاز ہستیاں بکثیر تعداد میں شریک تھیں۔

★ جناب اسماعیل بیٹکر کی دختر شاہدہ ناز کی شادی جناب ایم ایچ ڈی خطیب کے فرزند فضل الکریم خطیب کے ساتھ کراچی کے نفیس محل میں انجام پائی۔

صدمۂ جانکاہ

غنی سنس ریڈیٹیرس پرائیویٹ لمیٹیڈ کے ڈائریکٹر نیز ہمارے عزیز فرزند اقبال صاحب کے اچانک انتقال پر ہمارے ان گنت بہی خواہوں نے تعزیتی پیغام اور دلی ہمدردیاں ٹیلیفون، ٹیلیگرام اور خطوط کے ذریعہ پیش کیں اور ہمیں اس صدمۂ جانکاہ پر صبر کی تلقین کی۔
ان تمام حضرات کا ذاتی طور پر فرداً فرداً شکریہ ادا کرنے سے معذور ہیں لہٰذا نقش کوکن کے ذریعے ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

غمزدہ : حسین عبدالغنی
چیرمن، منیجنگ ڈائریکٹر، غنی ریڈیٹیرس پرائیویٹ لمیٹیڈ
نیز رشتہ داران

ماہانہ طرحی نشست

بزمِ شعر و ادب کوکن (ممبئی) کی ماہانہ طرحی نشست مورخہ ۱۷ر نومبر ۸۳ء کو عالی جناب اسماعیل پرکار رتناگری صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ آغاز میں دو منٹ خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو کر آنجہانی اندرا گاندھی کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ سعید کنول نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

انتخابِ کلام درج ذیل ہے:۔

اسمٰعیل پرکار رتناگری
اپنے وطن میں ایسے گذرتی ہے زندگی
جیسے ہمارا کوئی پاسباں نہ ہو

مہر مہسلائی
اہلِ زمیں کچھ ایسے بدلتے ہیں آج کل
جیسے کہ ان کے سر پہ کوئی آسماں نہ ہو

قیصر تہ آبردی
امن و اماں کا دور میسر رہے گا ہم
مذہب کا اختلاف اگر درمیاں نہ ہو

عزیز آذر
اے کردگار ارض و سما ہیں تیرے نشاں
دشمن ہر ایک شئے ہے جو تو مہرباں نہ ہو

شاداب رتناگری
یہ آہیں یہ کراہیں یہ چیخیں یہ کلفتیں
انسانیت کہیں یہ تیرا امتحاں نہ ہو

سعید کنول
اک دل ہے میرا جس میں ہزاروں غموں کی بھیڑ
میری طرح کسی کی یوں مشکل میں جاں نہ ہو

آغاز کیفی
ہونٹوں کو سی دیا ہے جو چاندی کے تار نے
اربابِ اقتدار کی جنبش کیوں زباں نہ ہو

اطہر قیصری
غربت میں ایک دوشیزہ پہ آہی گیا شباب
ماں باپ کہہ رہے تھے کہ بچی جواں نہ ہو

شفیع مایوس
اے گردشِ فلک میں کہاں مانگتا ہوں خیر
ہستی کو یوں مٹا کہیں نام و نشاں نہ ہو

بسمل کیفی
انسانیت کا خون تو اب رائیگاں نہ ہو
آنکھوں میں قتل گاہ کا یارب سماں نہ ہو

یعقوب ساغر
آجاؤ وقتِ نزع ہے تسکین مل سکے
شاید ہی اس کے بعد میری جاں میں جاں نہ ہو

مظہر شیولوی
تلخی نہ گھول کان میں نفرت کریں گے لوگ
آئے گا کون کام جو شیریں زباں نہ ہو

(نامہ نگار: سعید کنول)

کردہ میں عُرس

کردہ تعلقہ داپولی ضلع رتناگری میں سلسلۂ قادریہ کے بزرگانِ کرام کا سالانہ عُرس مبارک اتوار مورخہ ۱۱ر نومبر ۸۳ء کے روز انعقاد پذیر ہوا۔ اس موقع پر خطیبِ اہلِ سنت حضرت علامہ محمد منصور علی خان صاحب، قادری جنرل سیکریٹری آل انڈیا سُنّی جمعیۃ العلماء نے اپنے ایمان افروز اور نورانی بیان سے زائرین کو محظوظ فرمایا۔ اور مشرقی افریقہ سے آئے ہوئے معروف اردو شاعر جناب ساحر شیولوی نے ایک اثر انگیز منقبت پیش کی۔ جسے بے حد پسند کیا گیا۔ شیخِ طریقت حضرت قبلہ سید حسام الدین صاحب قادری مدظلہٗ کی نگرانی اور رہنمائی میں عرس کی تمام تقریبات بحُسن و خوبی انجام پذیر ہوئیں۔

ڈاکٹر جولے کو ایک اور اعزاز

ماہرِ امراضِ قلب ڈاکٹر نظیر جولے جو سینٹ جارج اسپتال ممبئی میں آنریری فزیشین ہیں اب ان کا پرنس علی خان اسپتال (اسماعیلیہ) مجگاؤں ممبئی میں بھی بطور آنریری فزیشین تقرر ہوا ہے۔

محمد اسلم شیخ سیمنٹ کمیٹی کے ممبر منتخب

مخلص سوشل ورکر اور کلیان شہر یوتھ کانگریس (آئی) کمیٹی کے نائب صدر جناب محمد اسلم شیخ کو سیمنٹ تقسیم کمیٹی کا ممبر چنا گیا ہے۔ یہ کمیٹی حاملین ارصاحب کی نگرانی میں کام کرتی ہے۔ کلیان کے شہریوں کو امید ہے کہ اس نوجوان کی تقرری کے بعد ضرورت مندوں کو سیمنٹ ملنے میں آسانی ہوگی۔

نقش کوکن پہیلی ۳

پچاس روپے نقد انعام

شرائط :-

۱۔ آپ نقش کوکن کے ممبر ہوں یا نہ ہوں اس مقابلے میں حصہ لے سکتے ہیں۔

۲۔ ایک کورے کاغذ پر اس خاکے کی نقل کر کے اسے روشنائی سے بھر کر روانہ کریں۔

۳۔ کٹے پھٹے، مشکوک اور پنسل سے بھرے ہوئے حل ناقابل قبول ہوں گے۔

۴۔ ایک شخص ایک ہی نام اور پتے سے چاہے اتنے حل روانہ کر سکتا ہے۔

۵۔ اس مقابلے کے لئے کوکن کی کوئی قید نہیں ہے۔

۶۔ ہر حل کے ساتھ صرف پچیس ۲۵ پیسے کے غیر استعمال شدہ ڈاک ٹکٹ روانہ کرنے پڑیں گے۔

۷۔ ایک حل کے پچیس ۲۵ پیسے کے حساب سے آپ کئی حلوں کے ڈاک ٹکٹ ایک ہی لفافے میں بھیج سکتے ہیں۔

۸۔ اس پہیلی میں استعمال ہونے والے سبھی اشارے اردو کتب میں شائع شدہ ہیں۔

۹۔ پچاس ۵۰ روپے کا نقد انعام صحیح حل پر دیا جائے گا۔ صحیح حل موصول ہونے کی صورت میں کم سے کم غلطیوں والے حل پر یہ انعام دیا جائیگا یا برابر تقسیم کیا جائے گا۔

۱۰۔ سبھی حل ۲۰ جنوری ۱۹۸۰ء سے قبل اس پتے پر ارسال فرمائیے: کمپلیشن ایڈیٹر ماہنامہ نقش کوکن ۴۴ جیل روڈ ایسٹ ڈونگری بمبئی ۴۰۰۰۰۹

۱۱۔ ہر صورت میں کمپلیشن ایڈیٹر نقش کوکن کا فیصلہ آخری، قطعی اور قابل قبول ہوگا۔

حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۰ جنوری ۱۹۸۰ء

■	ا	ے		۱
■	م	ل		۲
■	ے			۳
ی	ت			۴
ے			ن	۵

اشارے
(دائیں سے بائیں)

۱۔ زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک ــــ کرتے ہیں

۲۔ ــــ کی طاقت سے انکار مت کرو۔ زمانے میں انقلاب اسی سے آتا ہے۔

۳۔ ہمیں چاہئے کہ سخت مصیبت میں بھی ہم ــــ رہیں۔ مستقل مزاجی کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔

۴۔ یہاں غریبی ــــ ہے، یہ سچ ہے مگر یہیں آپ کو محبت اور خلوص کے پھول بھی نظر آئیں گے۔

۵۔ یہ ــــ بھی آپ کے کسی کام نہیں آئیں گے۔ سخت محنت و جدوجہد ہی سے قوموں کا مقدر بدلتا ہے۔

موت اک زندگی کا وقفہ ہے

فیض احمد فیض چل بسے

۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء کو لاہور میں مشہور عالم اردو شاعر، ادیب اور صحافی فیض احمد فیض صاحب کا تہتر سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ آپ گزشتہ چالیس سال سے اردو دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔

فیض نے زندگی کے لئے سرگرمیاں ۱۹۳۵ء کے دوران امرتسر میں شروع کیں اور وہاں وہ انگلش کے لیکچرر رہے۔ چند دنوں کے بعد آپ لاہور منتقل ہو گئے جہاں وہ انگریزی پڑھاتے رہے اور اسی کے ساتھ انھوں نے مزدور تحریک کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینا شروع کیا۔ تین سال سے بھی کم عرصہ میں انھیں اور کئی فوجی افسران اور ممتاز شہریوں کو لیاقت علی کی حکومت کا تختہ الٹنے کے مبینہ الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ رہائی کے بعد جناب فیض ترقی پسند پریس لمیٹیڈ کے مدیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ جس کے تحت پاکستان ٹائمز اور اردو روزنامہ امروز نکل رہا تھا۔ واضح رہے کہ سنہ ۱۹۵۹ء میں ان دونوں اخبارات پر ایوب حکومت نے قبضہ کر لیا تھا۔

بیدی انتقال کر گئے

۱۱ نومبر ۱۹۸۴ء کو اردو کے مشہور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کینسر کے موذی مرض میں بعمر ۷۰ برس انتقال کر گئے۔ ان کی متعدد کتابوں کا ترجمہ روسی اور دیگر زبانوں میں ہوا۔ انھوں نے ۲ مشہور ہندی فلمیں دستک اور پھاگن بھی بنائی اور درجنوں فلموں میں مکالمے لکھے، جس میں داغ، پتیتا، بڑی بہن، ودھوا، داغ شامل ہے۔ انھیں سوویت لینڈ کا انعام بھی ملا۔ وہ لاہور میں پیدا ہوئے اور تقسیم کے بعد بمبئی آ گئے تھے۔

* ابراہیم جوئے کے بھائی محمد بابو جوئے کا ۲۵ اکتوبر کو لاٹھوں میں انتقال ہوا

* کیپٹن معظم گھوے کی رفیقۂ حیات نادگاؤں میں، ۲ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں انتقال ہوا۔

* ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو فروغ ادب کوکن کے ایکسرٹ ... صاحب کی نانی صاحبہ کا راجے واڑی تعلقہ مہاڈ ضلع رائے گڑھ میں انتقال ہوا۔

* ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو جماعت المسلمین موربہ تعلقہ مانگاؤں ضلع رائے گڑھ کے برگزیدہ متولی جناب عثمان اسماعیل جعفر کی اہلیہ محترمہ حوا بی کا ان کے وطن میں انتقال ہو گیا۔

* ۲۱ اکتوبر ۸۴ء کو فقیہ اسماعیل ظہیر الدین خطیب کا طویل علالت کے بعد وڑوی ضلع رائے گڑھ میں انتقال ہوا۔ (نامہ نگار نوگاؤں)

* ابوبکر لالہ کا ۳ نومبر ۸۴ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔

* ترنگی (تعلقہ کھیڈ) کے وجیہ الدین دلوی ... مشرقی افریقہ میں ۷ اکتوبر ۸۳ء کو راہی عدم ہو گئے۔

* جناب حمد اللہ زرہپتے، جناب ... بھاتے، جناب علی بھاتے، مرحوم جناب ابراہیم بھاتے، نقش کوکن کے ایک دیرینہ ہمدرد نیر دلی والے جناب احمد بھاتے کی والدہ محترمہ مریم بی بی ... کا دابھول (تعلقہ داپولی) میں ۸ اکتوبر ۸۴ء کو انتقال ہو گیا۔

(نامہ نگار: شیخ اسمعیل)

ایک ضروری اعلان

کاغذ اور پرنٹنگ کے بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر ہم اگلے ماہ سے نقش کوکن کی قیمت میں معمولی اضافہ کرنے پر مجبور ہیں۔

لہٰذا جنوری ۱۹۸۵ء سے نقش کوکن کے ایک پرچے کی قیمت ۳ روپے اور سالانہ قیمت ۳۰ روپے ہوگی۔

یاد رکھئے، نقش کوکن اس کے بعد بھی اردو کا سب سے کم قیمت جریدہ ہے۔ (ادارہ)

سوالوں کا ایک ہی جواب ہے "کچھ بھی نہیں" — اس لئے کہ آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ حکومت اکثریت کی ہے۔ پولیس (بھی) اکثریت کی ہے اور فوج بھی اکثریت کی۔ ہم صرف احتجاج کر سکتے ہیں (کہیں کہیں یہ وہ بھی نہیں) چلا سکتے ہیں۔ مگر اس کا اثر کچھ نہیں ہوتا۔ اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا ——۔ ہمارے پاس صرف ایک ہی ہتھیار ہے جس سے فرقہ پرستی کے شیطان کا ہم خاتمہ کر سکتے ہیں، احتجاج کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے مسلمانوں کے پاس اور وہ ہے "ووٹ"۔ صرف الکشن ہی ایسا موقع ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنی آواز بلند کر سکتے ہیں اور اپنی قوم کی تقدیر اپنے ہاتھوں لکھ سکتے ہیں ——۔ ورنہ مسلمان اس ملک میں کچھ نہیں کر پاتے اور کر سکتے۔ وہ صرف ووٹ کے ہتھیار سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں ——۔ اور اگر اس مرتبہ بھی انھوں نے کوئی غلطی کی تو یاد رکھئیے کہ اگلے پانچ سالوں تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اگلے پانچ سالوں تک وہ گاجر مولی کی طرح کٹتے رہیں گے۔

اب یہ دیکھئے کہ کون میدان میں ہے ——۔ سب سے زیادہ سیٹ کانگریس (آئی) لڑ رہی ہے۔ یہ کانگریس آئی وہی ہے جس کے باعث بھیونڈی، اتھانے اور بمبئی میں فسادات ہوئے، اور سینکڑوں مسلمان مرے اور کروڑوں کی جائیداد تباہ ہوئی۔ اس نے پچھلے پانچ سالوں میں ملک کا بھی کچھ نہیں کیا۔ ایشین گیمز اور چوگم جیسے ناٹک کئے اور بازار میں قیمتیں آسمان کو باتیں کرنے لگیں ....۔ ان ہی کے راج میں رنگ داری بھی بلیک مارکٹنگ کا ایک آئیٹم بن گئی اور ایک دو اور تین کے سکے بھی رد کر دیئے گئے ——۔ ملک کی دوسری تباہیاں کیا کیا ہوئیں ان کو ہم اپنی نظروں سے دیکھ ہی رہے ہیں ——۔ اندرا مارکہ پوسٹروں پہ مت جائیے۔ ان پانچ سالوں کو یاد کیجئے ——۔ (دوسری پارٹی میدان میں ہے بھارتیہ جنتا پارٹی ——۔ میرے لئے یہ جن سنگھ سے زیادہ اور کچھ نہیں ——۔ اور پرانے لوگ جن سنگھ کی تاریخ سے واقف تو ضرور ہوں گے۔ واجپائی لاکھ قسمیں کھائیں مگر وہ جن سنگھ والے ہی واجپائی ہیں۔ جو مسلمانوں کا راشٹریہ کرن کرنے کے نعرے پر قومی لیڈر بنے ہیں۔ اور اب تو انھوں نے شیوسینا سے بھی ہاتھ ملایا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کا ان کو ووٹ دینے کا مطلب ہے کسی دوسرے مسلمان کا گھر اجاڑنا۔ تیسرے حضرت ہیں چرن سنگھ جو (اگرچہ ایشیا میں نہ سہی) ہندوستان کے بیوقوف ترین سیاست داں ہیں۔ جن کو کبھی بھی کوئی بیوقوف بنا دیتا ہے۔ یہ واجپائی کے بڑے بھائی ہیں۔ فرقہ پرستی ان کی رگ رگ میں بھری ہوئی ہے۔ (بمبئی کے فسادات کے بعد جب چرن سنگھ پہلی مرتبہ بمبئی آئے تو کسی اور سے نہیں، بلکہ بال ٹھاکرے سے ملنے گئے تھے اور ان کے اس کارنامے پر ان کو مبارکباد بھی دی۔)

—— چھوٹی بڑی دیگر تقریباً ایک درجن پارٹیاں میدان میں ہیں مگر کسی کا ریکارڈ قابل غور بھی نہیں۔ اور ان میں لیڈر شپ نام کی کوئی چیز نہیں ہے ——۔ لہٰذا ——۔ میں مسلمانوں سے یہ کہوں گا کہ وہ پارٹیوں کے چکر میں نہ پھنستے ہوئے امیدواروں کو دیکھیں۔ جو آپ کو جواب دہ ہو سکتے ہیں ——۔ ذمہ دار ہو سکتے ہیں اور سیکولر ہیں۔ بہر حال آپ کسی کو بھی ووٹ دیں ——۔ البتہ یہ یاد رکھئے کہ صرف "ووٹ" کے ذریعے آپ اپنی قوم کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ورنہ اس ہندو راشٹر میں اس کے علاوہ آپ کے پاس کچھ اور حق ہے بھی نہیں ——۔

مبارک کاپڑی

آخری صفحہ

ایک بار پھر الکشن کا موسم آگیا —

ساری پارٹیاں، سارے سیاستدان میدان میں کود پڑے ہیں، اور ووٹروں کو للچا رہے ہیں — وہ لیڈران جو پانچ سالوں تک نیند کی گولیاں کھا کر سو گئے تھے، آج شہر شہر گاؤں گاؤں جا کر لوگوں سے منت سماجت کر رہے ہیں، بھیک مانگ رہے ہیں، اور بیچاری بھولی بھالی اور نادان عوام روٹی، مکان اور کپڑے سے محروم ہو کر بھی تین تین کلو میٹر کے فاصلے سے پانی کے ہنڈے لاتے ہیں، کیچڑ اور گندگی میں جیتے ہیں، غنڈوں اور سماج دشمنوں سے ڈر ڈر کر جیتے ہیں اور اپنے سارے مسائل الیکشن سے پہلے حل کر لینے کے بجائے لیڈروں کے وعدوں پر تکیہ کرتے ہیں اور ان کو ووٹ دے آتے ہیں۔ ان کے مسائل جوں کے توں برقرار رہتے ہیں۔ اور وہ لیڈران اگلے پانچ سالوں کے لئے دہلی میں پہونچ جاتے ہیں —۔

ہر الکشن میں مسلمانوں کے ووٹ پارٹیوں کے مقدر کا فیصلہ کرتے ہیں۔ البتہ مسلمانوں نے کبھی اپنی طاقت کو نہیں سمجھا۔ ان کے نام نہاد لیڈران بکتے رہے اور بیچارے مسلمان لٹتے رہے مرتے رہے —۔

اس قوم کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ رہی کہ آزادی کے بعد سے اس میں کوئی لیڈرشپ نہیں پیدا ہوئی۔ چند روپیوں یا حرف تعریف و توصیف کے صلے میں ان کے نام نہاد لیڈران اپنی قوم کا سودا کرتے رہے۔ نہ جانے کتنے فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہے، کتنے معصوم مسلمان کٹتے رہے۔ ان کی جائیدادیں برباد ہوتی رہیں۔ مگر جب بھی الکشن آیا ہے یہ قوم کھلونوں سے بہلی ہے۔ کسی پارٹی نے پوسٹرس اردو میں شائع کئے ہیں تو اس پارٹی کو مسلمانوں نے ووٹ دیئے ہیں۔ کسی جن سنگھی امیدوار نے مسلم علاقے میں اردو تقریر کی تو مسلمانوں نے اس کو ووٹوں سے نوازا ہے۔ کسی امیدوار نے اپنی تقریر میں اردو کے اشعار استعمال کئے تو مسلمانوں نے اس پر جان نچھاور کی۔ کسی امیدوار نے اگر یہ بھی کہا کہ میں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے تو مسلمان پھولے نہیں سمائے۔ اور اس کو جتا کر دم لیا۔ کسی نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یا مسلم پرسنل لا کی حمایت میں بات کی تو خوش ہوئے —۔ اور ان ہی ساری حماقتوں کی بنا پر وہ اب تک کٹتے اور پٹتے رہے ہیں —۔

البتہ — کم از کم اب مسلمانوں کو بیدار ہو جانا چاہئے۔ انھیں اب سمجھنا چاہئے کہ ووٹ میں کتنی طاقت ہے۔ ان کے پاس سب سے موثر ہتھیار اگر کوئی ہے تو وہ ہے ووٹ ورنہ وہ ہر صورت سے مجبور ہیں —۔

جب آپ کا بچہ کسی سرکاری نوکری کے لئے انٹرویو کے لئے جاتا ہے اور اس کو صرف اس بنا پر ٹھکرا دیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، تب آپ کیا کرتے ہیں؟ — جب آپ کے علاقے میں فساد ہوتا ہے اور غنڈوں کا کام پورا ہونے کے بعد پولیس آتی ہے تب آپ کیا کرتے ہیں؟ — جب پولیس آکر اندھا دھند فائرنگ کرتی ہے اور آپ کا کوئی عزیز اس میں ہو لہان ہوتا ہے یا جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تب آپ کیا کرتے ہیں؟ — فسادات میں اتنے سارے معصوم انسانوں کے مارے جانے کے بعد بھی جب سرکار اس کی انکوائری نہیں کراتی تب آپ کیا کرتے ہیں؟ جب آپ سے علی الاعلان یہ کہا جاتا ہے کہ اس ملک میں رہنا ہے تو ہندو بن کر رہنا پڑے گا تب آپ کیا کرتے ہیں؟ جب ٹھاکرے، دیورس اور بال ٹھاکرے جیسے سر پھروں کو آپ کی زندگی اجیرن کرنے کی [illegible] ڈھیل دی جاتی ہے تب آپ کیا کرتے ہیں؟ ان سارے